تاریخ اہلِ حدیث کی حقانیت اور علمائے اہلِ حدیث کی گرانقدر خدمات پر مشتمل
ایک اہم علمی و تاریخی دستاویز

سالنامہ

تاریخِ اہلِ حدیث



2017

جلد دوم



اعداد و ترتیب

عبد الحکیم عبد المعبود المدنی

ناشر

مرکز تاریخ اہلِ حدیث ممبئی

برانچ آفس: بس اسٹاپ بڑھنی بازار، سدھارتھ نگر، یوپی

بسلسلۂ اشاعت اہل حدیث انسائیکلوپیڈیا

تاریخ اہل حدیث کی حقانیت اور علمائے اہل حدیث کی
گرانقدر خدمات پر مشتمل ایک اہم علمی و تاریخی دستاویز

سالنامہ

تاریخِ اہل حدیث

۲۰۱۷ء

(جلد دوم)

اعداد و ترتیب
عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی

ناشر
مرکز تاریخِ اہل حدیث ممبئی
برانچ آفس: بس اسٹاپ، بڑھنی بازار سدھارتھ نگر، (یوپی)

سلسلہ مطبوعات مرکز 3

سالنامہ تاریخ اہل حدیث

۲۰۱۷ء۔ ۳۸-۱۴۳۷ھ

جلد دوم

مرتب

عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی

سن طباعت: دسمبر 2018ء

صفحات: 576

ناشر

مرکز تاریخِ اہل حدیث ممبئی

برانچ آفس: بس اسٹاپ، بڑھنی بازار سدھارتھ نگر، (یوپی)

ای میل: tareekh.ahlehadees@gmail.com

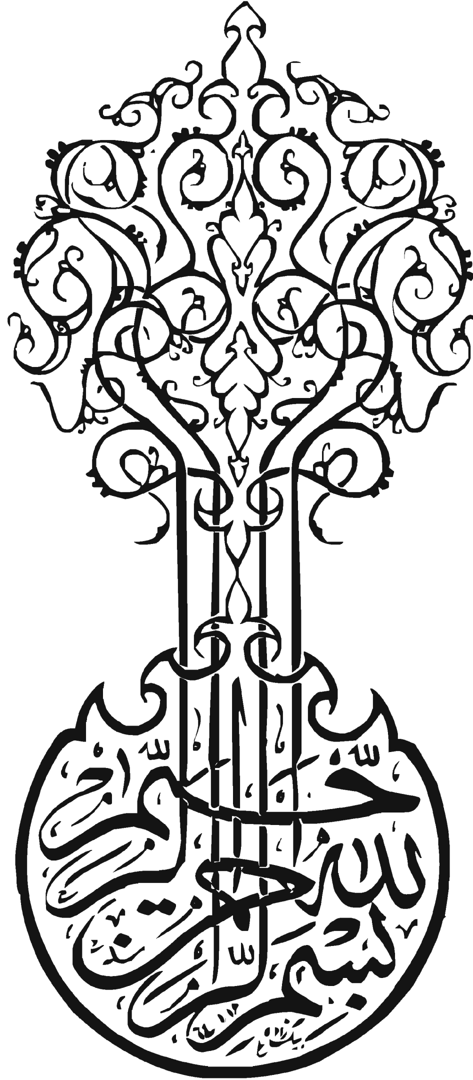
abdulhakimmumbai@gmail.com

موبائل: **9869395881**

ملنے کا پتہ: (۱) مرکز تاریخ اہل حدیث بس اسٹاپ، بڑھی بازار سدھارتھ نگر، یوپی۔

(۲) المنار ہائی اسکول پوار بستی، چکلی، پونہ۔

(۳) جامع مسجد اہل حدیث وعلامہ البانی ٹرسٹ دھانو باغ، نالاسوپارہ (E) ممبئی۔


بسم اللہ الرحمن الرحیم

محتویات

باب سوم: یادرفتگاں

باب چھارم: عالم اسلام کے سلفی اساطین

باب پنجم: مرحومین علمائے اہل حدیث ۲۰۱۷ء

باب ششم: مرحومین اعیان جماعت وفیات علماء کرام ۔ ۲۰۱۷ء

باب ہفتم: موجودین علمائے کرام وأعیان جماعت ۲۰۱۷ء

باب ہشتم: مناظرات ومتفرقات ۲۰۱۷ء



کلمات تشکر وامتنان

سالنامہ تاریخ اہل حدیث ۲۰۱۷ء جلد ثانی آپ کے ہاتھوں میں ہے، اس سلسلہ مبارکہ کی اشاعت پر میں خلوص دل سے رب العالمین کے حضور دست بدعا ہوں کہ بارالہا ہماری اس حقیر کاوش کو قبول فرما اور اس کی اشاعت، ترتیب وتصنیف میں تعاون کرنے والے تمام اہل علم واحباب جماعت کو دنیا وآخرت کی رحمات وبرکات سے مالا مال فرما، خاص طور پر میں اپنے دیرینہ رفیق شیخ عبدالجبار سلفی، مولانا سعید احمد سلفی پونہ، مولانا ابوالعاص وحیدی، مولانا عبدالسلام سلفی، مولانا محمد رحمانی، مولانا شمیم احمد عبدالحلیم مدنی، مولانا عبدالمنان سلفی، مولانا محمد عاطف سنابلی ودیگر معاونین واصحاب قلم کا تہ دل سے شکر گزار ہوں جنہوں نے قدم قدم پر ہر طرح سے اس عظیم تاریخی دستاویز کی تیاری واشاعت میں میرا ساتھ دیا۔ **فجزاهم الله احسن الجزاء وتقبل مساعيهم وجهودهم۔ آمين**

تقبل يارب العالمين

انتساب

میری یہ حقیر علمی کاوش

سالنامہ تاریخ اہل حدیث ۲۰۱۷ء جلد دوم جماعتی تاریخ کی ترتیب واشاعت کی جامع منصوبہ بندی اورتخطیط کرنے اوراس میں حسین رنگ بھرنے والے ادیب شہیر جماعت کی مرکزی درسگاہ جامعہ سلفیہ بنارس کے سابق ریکٹر وصدر استاذی المکرم ڈاکٹر مقتدی حسن ازھری کے

نام

جن کے اعلیٰ دماغ، فکر رسا قلم، خاموش طبیعت اور جماعتی تاریخ کی ترتیب وتدوین اور اشاعت کی تڑپ نے مجھ خاکسار کو یہ حوصلہ دیا کہ اس میدان میں قدم رکھنے کی جرأت کرسکوں۔

تغمدہ اللہ بواسع رحمۃ واسکنہ فسیح جناتہ

رب العالمین سے دعا ہے کہ اس بابت ان کی خدمات کوشرف قبول عطا فرمائے، اور جنت میں اعلیٰ مقام نصیب کرے، اورہمیں اخلاص وعزم کے ساتھ تاریخ اہل حدیث کے روشن ابواب کوصفحہ قرطاس پراجاگر کرنے کی سعادت دے، آمین۔

تقبل یارب العالمین

رشحات قلم

ادیب شہیر استاذی الجلیل حضرت مولانا ڈاکٹر مقتدی حسن ازهری، رحمہ اللہ ونور مرقدہ

برصغیر ہندوپاک میں جماعت اہل حدیث کی علمی وسیاسی اور اصلاحی وتبلیغی خدمات اس ملک کی علمی واصلاحی تاریخ کا ایک روشن باب ہیں، اس جماعت نے ایک طرف تو مسلمانوں کی اعتقادی وعملی گمراہیوں کے خاتمہ کی موثر کوشش کی اور دوسری طرف غیر ملکی سامراج کے خلاف محاذ آرائی کی اور ساتھ ہی تعلیم وتصنیف کے ذریعہ برصغیر کی علمی تحریک میں ایک جان ڈال دی۔ اس روشن تاریخ کا ایک معتد بہ حصہ احاطہ تحریر میں آچکا، لیکن جو حصہ باقی ہے وہ زیادہ مفید اہم اور حقیقت نما ہے۔

(جماعت اہل حدیث کی تصنیفی خدمات: از مولانا محمد مستقیم سلفی، مقدمہ)



امیر جماعت استاذی المحترم شیخ اصغر علی امام مہدی سلفی مدنی رحفظہ اللہ ورعاہٗ

اللہ کے نیک اور صالح بندوں کی زندگی کے حالات وواقعات، عبادات ومعمولات، تصنیفات وتالیفات بلاشبہ علم وعمل کی روح، دنیا وآخرت کا سرمایہ، خلوتوں کے رفیق، غمزدوں کے انیس، اور زندگی کی تاریک راہوں کا قندیل ہیں اور یہ بھی ایک سچی حقیقت ہے بقول مفکر کہ ''جو قوم اپنے اسلاف کی تاریخ فراموش کرجاتی ہے وہ پستی کی انتہا میں پہنچ جاتی ہے۔

(تراجم علمائے اہل حدیث: جلد اول صفحہ ۱۷)



ادار یہ

طائفہ منصورہ اور اہل الحدیث

عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی

اسلام کے دو عظیم الشان بنیادی سرچشمے ہیں کتاب اللہ اور سنت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور انہیں کی پیروی کرنے کا امت محمدیہ کو جابجا قرآن وحدیث میں حکم دیا گیا ہے۔ جو لوگ اس روشن شاہراہ پر گامزن ہیں وہ کامیاب اور ہدایت یاب ہیں اور جو ان دونوں کے تارک ہیں اور ہوائے نفس کے گرویدہ ہیں وہ گمراہی اور ضلالت کے شکار ہیں فرمان رسول ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم اس بابت بالکل واضح ہے۔

کتاب وسنت کی اتباع کا یہ منہج مستند اور منزل من اللہ ہے جیسا کہ آیات قرآنیہ اور احادیث مبارکہ میں بیشتر مقامات پر اس بابت صراحت موجود ہے۔ چنانچہ انہیں واضح احکامات وتصریحات کی بنیادوں پر خیر القرون میں جملہ صحابہ کرام، تابعین عظام اور ان کے شاگردان صدق وصفا اور اس مشن پر پورے اخلاص وعمل کے ساتھ حضرات محدثین اور ائمہ متبوعین کاربند وعمل پیرا رہے۔ اور کیوں نہ ہوں جب کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں شاہراہوں پر چلنے والوں کو جنت کی خوشخبری اور طائفہ منصورہ وفرقہ ناجیہ ہونے کی بشارت سنائی ہے۔ سنن ابن ماجہ (۳۹۹۳) مسند احمد (۸۳۷۷) اور دیگر کتب احادیث میں مختلف طرق واسانید سے بسند صحیح مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہود ونصاریٰ مختلف فرقوں میں بٹ گئے اور میری یہ امت ۷۲ یا ۷۳ فرقوں میں بٹ جائے گی۔ **کلھم فی النار الا واحدۃ** اور سب کے سب جہنم میں ہوں گے سوائے ایک فرقہ کے اور دوسری روایتوں میں ہے کہ یہ وہ لوگ ہوں گے جو میرے اور میرے صحابہ کے منہج پر ہوں گے "**ماانا علیہ الیوم واصحابی**" اور یہی لوگ قیامت تک حق پر چلنے والے ہوں گے اور انہیں اللہ کی نصرت ومدد حاصل رہے گی۔ "**لاتزال طائفہ من امتی ظاھرین علی الحق لا یضرھم من خذلھم حتی یاتی امر اللہ۔۔۔**" (بخاری ۳۱۱۶، مسلم ۱۹۲۰) اور دوسری روایت میں "منصورین" بھی ہے (ترمذی ۲۱۹۲) اور "**علی الحق منصورۃ**" بھی ہے (ابن ماجہ ۶۷۱۴)

مذکورہ بالا احادیث مبارکہ کی روشنی میں یہ بات واضح ہے کہ ان میں سے ایک فرقہ ناجیہ ہوگا اور یہی قیامت تک طائفہ منصورہ ہوگا بنابریں جب اس بابت اہل علم اور کبار محدثین کی تصریحات پر بنظر غائر نگاہ دوڑائی جائے تو یہ بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ فرقہ اصحاب الحدیث اور اہل الحدیث کا ہوگا اور ان کا عقیدہ ومنہج وہی ہوگا جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا تھا اور یہ عبادات، اخلاق ومعاملات میں سنت نبوی کے حقیقی پیروکار رہوں گے۔ ذیل میں کبار محدثین کی اس بابت تصریحات پیش خدمت ہیں۔

(۱) امام عبداللہ بن المبارکؒ (۱۱۸ھ ۱۸۱ھ) فرماتے ہیں "**ھم عندی اصحاب الحدیث**" کہ یہ فرقہ میرے نزدیک اہل حدیث کا ہے۔ (شرف اصحاب الحدیث للبغدادی ص: ۴۲)

(۲) امام یزید بن ھارونؒ (۱۱۷ھ۔ ۲۰۶ھ) فرماتے ہیں: "**ان لم یکونوا اھل الحدیث والاثر فلاادری من ھم**" کہ اگر یہ حدیث اور سنت والے اہل حدیث نہیں ہیں تو مجھے معلوم نہیں کہ اور کون ہیں۔ (**مسئالۃ الاحتجاج بالشافعی للخطیب البغدادی**، ص: ۴۳)

(۳) امام علی بن المدینیؒ (۱۶۱ھ۔ ۲۳۴ھ) کا قول ہے کہ: "**ھم اصحاب الحدیث**" کہ یہ لوگ اہل حدیث ہیں (ترمذی رقم ۲۱۹۲)

(۴) امام احمد بن حنبلؒ (۱۶۴ھ۔ ۲۴۱ھ) کہتے ہیں کہ: "**ان لم تکن ھذہ الطائفہ المنصورۃ اصحاب الحدیث فلا ادری من**

ھم" اور اگر یہ طائفہ منصورہ "اہل حدیث" والے نہیں ہیں تو مجھے نہیں معلوم کہ اور کون ہیں (معرفۃ علوم الحدیث للحاکم ص ۳)

(۵) قاضی عیاض رحمہ اللہ (۴۷۶ھ۔ ۵۴۴ھ) امام احمد کے اس قول کی تشریح میں رقمطراز ہیں کہ: "انما ارادا حمد اھل السنة والجماعة ومن یعتقد مذھب اھل الحدیث" کہ امام احمد کے قول سے مراد سنت نبی پر چلنے اور جماعت صحابہ کے منہج پر رہنے والے لوگ ہیں اور وہ تمام افراد ہیں جو اہل حدیث مذہب کے ہیں۔ (اکمال المعلم بفوائد مسلم ۳۵۰/۶)

(۶) امام بخاری رحمہ اللہ (۱۹۴ھ۔۲۵۶ھ) فرماتے ہیں کہ: یعنی اھل الحدیث کہ اس سے مراد اہل حدیث ہیں۔ (مسئالة الاحتجاج بالشافعی للخطیب: ص ۴۳)

(۷) شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ (۴۷۰ھ۔۵۶۱ھ) فرماتے ہیں: "اما الفرقه الناجیه فهی اهل السنه والجماعة" کہ فرقہ ناجیہ اہل سنت والجماعت ہیں اور اہل سنت کا صرف ایک ہی نام ہے اور وہ ہے اہل حدیث (غنیۃ الطالبین، ص ۸۵)

(۸) طائفہ منصورہ کی جامع تشریح کرتے ہوئے خطیب بغدادیؒ (۳۹۲ھ۔ ۴۶۳ھ): فرماتے ہیں کہ "اللہ رب العالمین نے طائفہ منصورہ کو دین کا محافظ بنایا اور ان کو مخالفین کی سازشوں سے محفوظ کیا۔ کیونکہ انہوں نے شریعت مطہرہ کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا ہے۔ اور صحابہ و تابعین کے آثار کی پیروی کی ہے۔ وہ ہر وقت آثار کو یاد کرتے (حدیث کے لئے) صحراؤں و بیابانوں کا سفر کرتے اور پیغمبر مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی شریعت کو سمجھنے کے لئے بحر و بر میں گھستے نظر آتے ہیں۔ وہ حدیث کو چھوڑ کر کسی رائے یا خواہش کی پیروی نہیں کرتے۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو قولاً و فعلاً قبول کیا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی حفظ و نقل کے اعتبار سے حفاظت کر کے اس کی جڑ مضبوط کر دی ہے۔ یہی لوگ اس کام کے لائق اور اہل تھے۔ کتنے ہی ملحدین شریعت میں وہ چیزیں ملا دینا چاہتے ہیں جو اس میں شامل نہیں ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ اہل حدیث کے ذریعہ شریعت کا دفاع کرتا ہے۔ اہل حدیث ہی شریعت کے ارکان کے محافظ اور اس کی ساکھ کو مضبوط کرنے والے ہیں۔ جب شریعت کے دفاع کی راہ میں رکاوٹیں حائل کی جائیں تو وہ اس کی خاطر لڑائی بھی کرتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا گروہ ہیں۔ خبردار اللہ تعالیٰ کے گروہ (کے لوگ) ہی کامیاب ہونے والے ہیں" (شرف اصحاب الحدیث ص:۳۹)

(۹) شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۶۶۱ھ۔۷۲۸ھ) اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے کہ اہل الحدیث کون لوگ ہیں فرماتے ہیں کہ: "اہل حدیث سے ہماری مراد صرف وہ لوگ نہیں جو حدیث سننے، لکھنے یا روایت کرنے پر اکتفا کرتے ہیں بلکہ ہمارے نزدیک ہر وہ شخص اہل حدیث ہے جو حدیث کو یاد کرتا ہو۔ اس کی معرفت رکھتا ہو، ظاہری و باطنی طور پر حدیث کو سمجھتا اور اس پر عمل کرتا ہو۔ اسی طرح قرآن کریم کو یاد کرنے، سمجھنے اور اس پر عمل کرنے والے بھی اہل حدیث ہیں۔ اہل حدیث کی کم سے کم خوبی یہ ہے کہ وہ قرآن وحدیث سے محبت رکھتے ہیں، ان کی نصوص اور معانی کی جستجو میں رہتے ہیں، اور ان کی جو تعلیمات معلوم ہو جائیں ان پر عمل کرتے ہیں"۔ (مجموع فتاوی ۹۵/۴)

مذکورہ احادیث اور تصریحات علماء سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی کہ طائفہ منصورہ دراصل اہل حدیث مسلک کو ماننے اور اس روشن منہج پر عمل کرنے والے وہ تمام لوگ ہیں جو کبھی اصحاب الحدیث، کبھی اہل الاثر، کبھی اہل حدیث تو کبھی اہل السنۃ کے نام سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔ اور الحمدللہ ثم الحمدللہ برصغیر کے اہل حدیثان کو یہ شرف حاصل ہے کہ انہوں نے عقیدہ وعبادات میں اس پاکیزہ منہج کو اختیار کیا ہے اور ہمیشہ قرآن وسنت کی بالادستی اور اس کے استحکام وفروغ کے لئے کوشاں رہے ہیں۔ حدیث رسول سے محبت اس کی بالادستی، اتباع اور نشر واشاعت ہی ان کا اول وآخر شیوہ رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ دنیا میں ہمیں اس مسلک حقہ سے وابستگی اور اس کی حمایت کی توفیق عطا فرمائے اور دن قیامت ہمیں فرقہ ناجیہ کی بشارت نبوی کا مستحق وسزاوار بنائے۔ آمین تقبل یارب العالمین۔

❑❑❑

افتتاحیہ

برصغیر میں علماء اہل حدیث کی مساعی جمیلہ

مولانا عبدالجبار انعام اللہ سلفی

برصغیر میں پائی جانے والی مختلف اسلامی جماعتوں، تنظیموں اور تحریکوں میں سے ایک جماعت اہل حدیث بھی ہے جو عقائد و اعمال، اخلاق و معاشرت اور تمدن و سیاست میں عہد نبوی، عہد صحابہ اور عہد تابعین کے فکری منہج کی حامل ہے، متحدہ ہندوستان میں اس کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنا کہ خود اسلام۔ اس کی تاریخ بڑی تابناک رہی ہے ہر زمانے میں پیدا ہونے والے اعتقادی ونظریاتی تصادم اور مختلف عقائد وافکار کی باہمی آویزیش میں اہل حدیث ہی ایک جماعت ہے جو کبھی راہ مستقیم سے نہیں ہٹی، بلکہ دوسروں کے لئے بھی مینارۂ نور ثابت ہوئی۔ ہندوستان کے ظلمت کدے میں دعوتِ توحید اور سلفی منہج فکر کی تجدید واحیاء کے لئے علماء اہل حدیث کی طرف سے جس جانفشانی کا مظاہرہ کیا گیا یہ انہیں کا حصہ رہا ہے۔ اسی جماعت حقہ کی جہود ومساعی کی وجہ سے لوگوں کے اندر عمل بالحدیث کی تحریک پیدا ہوئی۔ تقلید وجمود کے بندھن ڈھیلے ہوئے اور کورانہ اعتماد کا طلسم ٹوٹا۔ تحقیق واجتہاد کا دروازہ کھلا اور فقہی مسائل کی چھان بین کا شوق پیدا ہوا۔ بہت سی بدعات کا خاتمہ ہوا اور رسوم ورواج کے بت ٹوٹے۔ حدیث کی خدمت اور اس کی نشر واشاعت کا ذوق عام پیدا ہوا۔ فقہی اقوال وآراء کو قرآن وسنت کے دلائل سے مزین اور تحقیق کرنے کا احساس عام ہوا۔ جہاد کا وہ عظیم سبق بھی امت نے دوبارہ پڑھا جسے فراموش کر دیا گیا تھا۔ غرضیکہ اس تحریک کی ہمہ گیریت اور غلغلے نے اپنوں اور بیگانوں سب کو متاثر کیا۔

اس کی خاطر ہندوستان کے ماحول کے مطابق دعوتی جہود ومساعی کے ضمن میں علماء اہل حدیث کی دوررس نگاہیں تمام اسالیب دعوت پر مرکوز رہیں اور انہوں نے ہر باب میں اپنی ذمہ داریاں خوش اسلوبی سے انجام دیں چنانچہ:

- عوام الناس کی ذہنی سطح کے مطابق دعوتی دروس اور مجالس وعظ کے ذریعہ سے وسیع پیمانے پر توحید وسنت کی اشاعت کا انتظام کیا گیا۔ ملک کے طول وعرض میں اس مقصد کی خاطر ایک طرف اگر اجتماعی پروگراموں کا جال بچھایا گیا تو دوسری جانب انفرادی دعوت کی ذمہ داریوں کو بھی نظر انداز نہ کیا گیا، دعوت وتبلیغ کے ضمن میں داعیان حق کے ذاتی کردار اور شخصی اخلاق نے حیران کن نتائج پیدا کئے۔
- تصنیف وتالیف اور صحافت کے میدان میں ائمہ اہل حدیث نے ایسا گراں قدر ورثہ چھوڑا ہے کہ ایک عالم تاابد ان کی مساعی جمیلہ کا ممنون رہے گا۔
- مدارس وجامعات کے ذریعہ سے تدریسی خدمات اور تعلیمی اصلاحات کی ایسی روشن مثالیں قائم کی گئیں جنھیں مخالف وموافق ہر ایک نے سراہا اور اپنے معاہد وجامعات کے مناہج میں ان سے استفادہ کیا۔
- مناظرات ومباحثات میں بھی علمائے اہل حدیث نے ایسی بے مثال خدمات انجام دیں کہ اپنے تو ایک طرف مخالفین بھی بوقت ضرورت ہمارے علماء ہی کو آواز دیا کرتے تھے۔
- نصرت حق کی خاطر مختلف فرق واحزاب کی تردید میں علماء اہل حدیث نے ہر ممکن طریقہ اختیار کیا اور ہر مخالف نظریہ اور فتنے کی خوب خبر لی۔ (دبستان نذیریہ ص ۱۶)

اس کے علاوہ توحید وسنت کی دعوت اور کتاب وحکمت کی نشر واشاعت میں جتنے بھی طرق ووسائل مہیا ہو سکتے تھے سب سے استفادہ کیا گیا اور انھیں انسانوں کی رہنمائی اور سماج ومعاشرہ کی تطہیر کے لئے بروئے کار لایا گیا جس کے نتیجے میں ایسے ایسے رجال کار پیدا ہوئے جنہوں نے اپنی ساری زندگی اسی مقدس فریضے کی خاطر تگ ودو کی اور اسی گلشن اسلام کی آبیاری میں اپنی عمریں کھپا دیں۔ صرف میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی نے تن تنہا نصف صدی سے زائد کی تدریسی، تصنیفی اور دعوتی کاموں کے ذریعہ سے ایسے افراد تیار کئے جنھوں نے ہر شعبہ میں انمٹ نقوش چھوڑے اور مسلک عمل بالکتاب والسنہ کی تبلیغ واشاعت میں بھرپور کردار ادا کیا۔ جس کی روشنی آج بھی پورے برصغیر میں دکھائی دے رہی ہے۔

ان اہل حدیث جیالوں کے کارنامے اور ان کی جہود ومساعی متفرق اخبار ورسائل اور جرائد ومجلات کے صفحات میں دبے پڑے ہیں۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ ان اکابر کی علمی خدمات اور تصنیفی وتالیفی تراث کا احیاء کیا جاتا، ان کے مستند حالات، وقائع اور خدمات واثرات کو مرتب کیا جاتا پورے برصغیر میں قائم مدارس ومعاہد اور

جامعات، ان کے قائم کرنے والے محسنین ومخیرین حضرات کی ایک جامع تاریخ ترتیب دی جاتی تا کہ بعد میں آنے والی نسلوں کے لئے وہ ایک رہنمائی اور ذریعہ ثابت ہو اور جس کی روشنی میں وہ اپنی مستقبل کا لائحہ عمل تیار کرسکیں۔

الحمدللہ، جماعت کے باشعور اور ذی علم علماء عظام نے اس کی اہمیت کو سمجھا اور اس کی جانب توجہ مبذول کر کے اس کو عملی جامہ پہنانا شروع کردیا جس کے نتیجہ میں اب تک کئی درجن کتابیں طبع ہو کر منصۂ شہود پر آچکی ہیں، اور اب بھی یہ عمل جاری وساری ہے تین جدید عظیم علمی شاہکار ''دبستان نذیریہ''، ''تابندہ نقوش''، اور ''تاریخ اہل حدیث جنوبی ہند کے درخشاں پہلو'' بھی اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں، اول الذکر کتاب ''دبستان نذیریہ'' جناب ڈاکٹر محمد تنزیل صدیقی الحسینی حفظہ اللہ (جو میاں صاحب کے عظیم شاگرد علامہ شمس الحق ڈیانویؒ صاحب عون المعبود کے پڑپوتے ہیں، بروقت پاکستان میں مقیم ہیں) کی مرتب کردہ ہے یہ ۳۲۷ر صفحات پر مشتمل صوبہ بہار وجھاکھنڈ کے شیخ الکل سید میاں نذیر حسین محدث دہلوی کے تلامذہ کرام کا ایک تذکار جمیل ہے۔ جس میں سید میاں نذیر حسین صاحب کے ۸۹ر تلامذہ ومستفیدین کے تراجم اور دیگر ۷۰ر علماء کرام کے حالات زندگی پر روشنی ڈالی گئی ہے زبان شستہ اور سلیس ہے۔ حوالہ جات سے بھرپور ہے۔ اس کے بقیہ حصہ زیر تالیف ہیں، اللہ انھیں اس عظیم منصوبہ کی تکمیل کی توفیق دے اور جلد از جلد کتاب کی بقیہ جلدیں شائع ہوں۔

موخر الذکر دو کتابیں جماعت کے بزرگ عالم دین صوبہ کرناٹک کے امیر جناب مولانا عبدالوھاب جامعی حفظہ اللہ کی ترتیب کردہ ہے ''تابندہ نقوش''۔ مولانا اسماعیل رائیدرگی رحمہ اللہ کی جھود ومساعی اور ان کی دعوتی سرگرمیوں کی مفصل داستان ہے۔ صاحب کتاب نے بڑے اچھے انداز میں موصوف کی زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرنے کی کوشش کی ہے اور اس کا حق ادا کردیا ہے۔

''تاریخ اہل حدیث جنوبی ہند کے درخشاں'' پہلو ۷۶۰ر صفحات پر مشتمل ایک ضخیم کتاب ہے اس میں مرتب نے مختلف جرائد ومجلّات، مقالات اور کتابوں سے استفادہ کرتے ہوئے نیز ذاتی معلومات کی بنیاد پر جنوبی ہند کے علماء اہل حدیث کے مساعی جمیلہ کو مختلف جہتوں سے واضح کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے، ساتھ ہی ساتھ شمالی ہند کے ان علماء کرام کے اسماء گرامی کو بھی شامل کیا ہے جن کی کوششوں سے جنوبی ہند میں مسلک اہل حدیث کو تقویت حاصل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ مولانا محترم کی ان کوششوں کو قبول فرمائے۔ اور اسے آنے والی نسلوں کے لئے ایک مشعل راہ بنائے۔

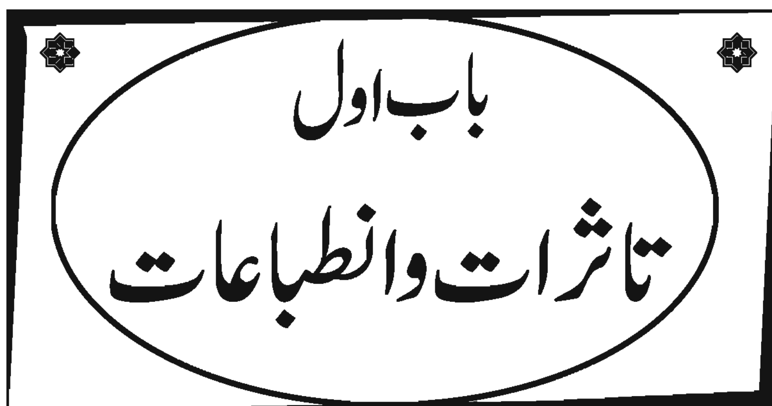
میں مبارکباد پیش کرتا ہوں اپنے دیرینہ رفیق، جامعہ رحمانیہ کاندیولی کے استاذ حدیث، ضلعی جمعیت اہل حدیث پال گھر کے امیر مولانا عبدالحکیم عبدالمعبود مدنی ر حفظہ اللہ کو جنھوں نے تن تنہا اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلتے ہوئے تاریخ اہل حدیث کی ترتیب وتدوین کا بیڑا اٹھایا ہے۔ اور پورے انہماک کے ساتھ لگے ہوئے ہیں۔ یہ بھی اللہ کی جانب سے ایک توفیق ہے جو کم ہی لوگوں کو میسر ہوتی ہے۔ اس طرح کا عمل وہی لوگ انجام دے پاتے ہیں جو کمر ہمت کس کر میدان میں قدم رکھتے ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ ایسے عزم وہمت رکھنے والوں کی کامیابی بھی آگے بڑھ کر استقبال کرتی ہے اور انہیں کے سروں پر کامیابی کا سہرا بھی بندھتا ہے سچ کہا ہے کسی نے ؎

جو خود بڑھ کر اٹھالے ہاتھ میں مینا اسی کا ہے

شیخ محترم کی کوششوں کا پہلا ثمرہ ''سالنامہ تاریخ اہل حدیث ۲۰۱۶ء'' کی شکل میں طبع ہو کر منظر عام پر آچکا ہے۔ ۳۷۵ر صفحات پر مشتمل یہ سالنامہ الحمدللہ ظاہراً وباطناً ہر اعتبار سے قابل قدر اور لائق ستائش ہے اس کے مشتملات لائق مطالعہ اور مرتب کی علمی صلاحیت پر غماز ہیں۔ یہ تاریخ اہل حدیث کی حقانیت، علماء اہل حدیث کی گرانقدر خدمات پر مشتمل ایک تاریخی وعلمی دستاویز ہے۔ اس سلسلہ کی دوسری کڑی ''سالنامہ تاریخ اہل حدیث ۲۰۱۷ء'' الحمدللہ اب آپ کے ہاتھوں میں ہے یہ شمارہ آٹھ ابواب پر مشتمل ہے۔ باب اول میں علماء کرام وفضلاء عظام کے تاثرات وانطباعات ہیں، باب دوم میں تاریخ اہل حدیث کے متعلق ۱۱ر بحوث ومقالات ہیں۔ باب سوم یاد رفتگاں ہے جس میں ۲۲ر مرحومین علماء کرام کا ذکر جمیل بڑے شرح وبسط کے ساتھ کیا گیا ہے، باب چہارم عالم اسلام کے ۳ر عظیم سلفی اساطین علم پر مشتمل ہے۔ باب پنجم میں ۲۰۱۷ء کے ۱۳ر مرحومین علماء کرام کی سوانح اور انکی مساعی رقم ہیں۔ باب ششم میں ۸ر علماء مرحومین اور ۱۱ر مرحومین اعیان جماعت کا تذکرہ ہے۔ باب ھفتم میں ۱۴ر موجودین علماء عظام واعیان جماعت کا بیان ہے اور باب ہشتم مناظرات ومتفرقات پر مشتمل ہے۔ امید کہ قارئین اسے بھی قدر کی نگاہوں سے دیکھیں گے۔ اور اپنی آراء ومفید مشوروں سے آگاہ کریں گے۔

ایک بار پھر گذارش ہے کہ اصحاب قلم اپنے قیمتی مقالات اور علمی مضامین کے ذریعہ اور اصحاب ثروت ودولت اپنے مال کے ذریعہ شیخ کا تعاون کرنے کے لئے قدم آگے بڑھائیں تا کہ یہ سلسلہ جاری رہے اور کام پایہ تکمیل تک پہنچ سکے۔ اجر وثواب کے مستحق ہوں گے، ان شاء اللہ۔ اللہ تعالیٰ مولانا کو صحت وتندرستی عطا کرے اور انہیں ان کے منصوبوں میں کامیاب بنائے۔ اور ان کے اس عمل کو ان کے اور ان کے والدین کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین

❑❑❑


باب اول
تاثرات وانطباعات

کلمات تبریک

عالمی شہرت یافتہ صاحب قلم اور معروف ادیب
استاد الاساتذہ فضیلۃ الشیخ مولانا ابوالعاص وحیدی/حفظہ اللہ
استاذ کلیۃ الصفا ڈومریا گنج

گاہے گاہے باز خواں.....

الحمد للہ رب العالمین و الصلاۃ و السلام علی محمد سید الانبیاء و المرسلین و علی آلہ و صحبہ اجمعین و علی جمیع من تبعھم من ائمۃ الاسلام و علماء الدین: اما بعد!

قوم وملت رجال وشخصیات کے مجموعہ کو کہتے ہیں۔کسی بھی قوم کی تاریخ جاننے کے لئے اس کے افراد اشخاص کے حالات وسوانح جاننا ضروری ہے، اس لئے کہ ان کے احوال زندگی میں فکروفن، علم ودانش اور عبرت ونصیحت کا قیمتی سرمایہ پایا جاتا ہے۔قرآن کریم اوراحادیث نبوی میں گذشتہ قوموں اور تاریخ انسانی کے رجال وشخصیات کے تذکرے اسی مقصد سے کئے گئے ہیں تاکہ اصحاب عقل ودانش ان سے رہنمائی حاصل کریں۔قرآن کریم میں تذکرۂ یوسف علیہ السلام کے ضمن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ (یوسف ۱۱۱) یقیناً ان کے تذکرہ میں عقل والوں کے لئے عبرت ونصیحت ہے۔

اصحاب علم پر یہ بات مخفی نہیں کہ اسلامی تاریخ میں تذکرہ نویسی وسوانح نگاری کا ایک طویل زریں سلسلہ پایا جاتا ہے۔چنانچہ محدثین عظام نے تحفظ دین اور صیانت حدیث کے حوالہ سے ہزاروں رواۃ ورجال کے حالات وسوانح پر بے شمار کتابیں لکھی ہیں کہ اگر انہیں اکٹھا کیا جائے تو ایک عظیم لائبریری تیار ہوجائے، اس سلسلہ میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں وہ عربی واردو اور دنیا کی متعدد زبانوں میں ہیں۔جنہیں دیکھ کر اعدائے اسلام بھی انگشت بدنداں ہیں۔تحریک اہل حدیث ہندوستان کا سب سے قدیم اور معمر ترین طرز فکر ہے۔بنابریں جماعت اہل حدیث ہند کی تاریخ معتبر ومستند اصحاب علم اور عظیم رجال وشخصیات سے معمور ہے۔جنہوں نے دین وملت اور مسلک وجماعت کی بیش بہا خدمات کے ساتھ ملک ووطن کی تعمیر وترقی اور تحریک آزادی ہند میں قائدانہ کردار ادا کیا ہے۔مگر افسوس صد افسوس کہ ان کے حالات وسوانح کے تعلق سے کوئی خاطر خواہ کام نہ ہوسکا۔

یوپی وبہار پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں صوبوں میں بڑے بڑے علماء ومحدثین گذرے ہیں، جیسے علامہ نواب صدیق خاں، استاذ الاساتذہ حافظ عبداللہ غازی پوری، علامہ عبدالعزیز رحیم آبادی، علامہ بشیر احمد سہسوانی، علامہ ابومحمد ابراہیم آروی، علامہ شمس الحق ڈیانوی، علامہ عبدالرحمن مبارکپوری، علامہ عبدالسلام مبارکپوری، علامہ عبیداللہ رحمانی مبارکپوری، علامہ عبدالسلام سلفی بستوی، اور علامہ محمد رئیس ندوی وغیرہ یہ تمام حضرات جماعت اہل حدیث کے مضبوط ومستحکم اساطین اور علوم دین کے آفتاب درخشاں وماہتاب تاباں تھے۔مگر بڑے افسوس کی بات ہے کہ ان کے تراجم وسوانح پر بعض شاذونادر کتابوں اور مجلات وجرائد کے خصوصی شماروں

کے سوا کسی جماعتی اداروں یا سلفی اکیڈمی نے ان کے بارے میں مفصل و جامع اور مرتب و مہذب کتابیں لکھوانے اور شائع کرنے پر توجہ نہیں دی۔ جب کہ دوسری جماعتوں کا یہ حال ہے کہ وہ ایک ایک بالشت کی شخصیات پر بڑی بڑی کتابیں شائع کرتی رہتی ہیں۔

دراصل دوسری جماعتیں اجتماعی انداز میں منظم طور پر تصنیف و تالیف کے کام کرتی ہیں یا اپنے افکار و نظریات کی اشاعت کرتی ہیں اور اپنے رجال و شخصیات پر معیاری کتابیں شائع کرتی ہیں، مگر ہمارے یہاں اس طرح کے علمی کام زیادہ تر انفرادی و شخصی طور پر انجام پذیر ہوئے اور ہو رہے ہیں۔ تاریخ اہل حدیث ہی کو لے لیجئے! اس موضوع پر بہت مختصر انداز میں مولانا ابو یحیی امام خاں نوشہروی نے کتاب لکھی ہے۔ علمی انداز میں علامہ ابو محمد ابراہیم آروی نے ''تاریخ اہل حدیث'' لکھی جو مکمل نہیں ہو سکی تھی۔ اس کے بعد علامہ اسحاق بھٹی (پاکستان) اور مولانا عبدالرؤف ندوی (انڈیا) نے تاریخ رجال اہل حدیث پر بڑی مفصل کتابیں لکھی ہیں، جماعت کی سیاسی تاریخ پر علامہ نذیر احمد املوی کی کتاب ''اہل حدیث اور سیاست'' بڑی اہم اور دستاویزی ہے مگر وہ ادھوری ہے۔ ادھر ماشاء اللہ ڈاکٹر بہاء الدین حفظہ اللہ نے بھی انفرادی طور پر آگے بڑھ کر اس جماعتی کام کو انجام دے رہے ہیں اور بڑے جامع و مفصل انداز میں تاریخ اہل حدیث اور تحریک ختم نبوت پر کتابیں لکھ رہے ہیں۔ تقبل اللہ مساعیھم (آمین)

بڑی خوشی کی بات ہے کہ فاضل نوجواں مولانا عبدالحکیم عبدالمعبود مدنی بڑے جامع و مفصل اور مرتب و مہذب انداز میں ''اہل حدیث انسائیکلو پیڈیا'' مرتب کر رہے ہیں۔ جس میں فقہ اہل الحدیث اور منہج سلف پر مقالات کے ساتھ جماعت کے علماء و مدرسین، دعاۃ و مبلغین، ائمہ و خطباء، أعیان و ذمہ داران اور محسنین و ہمدردان وغیرہ کی تراجم و سوانح اور احوال و آثار شامل ہوں گے ان شاء اللہ اس سلسلہ میں انہوں نے شخصی معلومات کے لئے فارم جاری کر دیئے ہیں۔ ضروری ہے کہ لوگ ان کا تعاون کریں تاکہ ''اہل حدیث انسائیکلو پیڈیا'' مرتب ہو جائے اور تاریخ اہل حدیث کے سلسلہ میں جو عظیم کوتاہی جماعت سے ہوئی ہے اس کی تلافی ہو جائے۔ واللہ ھو الموفق وھو المعین۔

میرے سامنے اس وقت ۲۰۱۶ء کا سالنامہ ''تاریخ اہل حدیث'' شمارہ نمبر ا ہے، جسے مولانا عبدالحکیم مدنی نے بڑے اچھے ڈھنگ سے مرتب کیا ہے۔ جس کی اشاعت حامی مسلک سلف، محسن جماعت جناب عبدالشکور چودھری حفظہ اللہ چیئرمین المنار ہائی اسکول پونہ کے گرانقدر تعاون سے ہوئی، جزاہ اللہ احسن الجزاء و کثر امثالہ آمین۔ یہ سالنامہ سات ابواب پر مشتمل ہے۔ جن میں فاضل مرتب نے بڑے سلیقہ سے تاثرات، مقالات، بعض متوفی و موجود علماء و اعیان جماعت کے حالات اور بعض دلچسپ مناظرات وغیرہ شامل کئے ہیں۔ میں اس حسن ترتیب پر فاضل موصوف کو مبارکباد دیتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ اللہ تعالی ان کو اس جماعتی مشن میں کامیاب بنائے۔ اور اس سلسلہ میں مرتب و ناشر اور جملہ معاونین کو اجر عظیم عطا فرمائے (آمین)

تمام احباب جماعت کو مخاطب بناتے ہوئے اس شعر پر اپنی بات ختم کر رہا ہوں تاکہ سلفیان ہند تاریخ اہل حدیث کے اوراق گم گشتہ و احوال موجودہ کو پڑھ کر عبرت و نصیحت حاصل کریں اور زخمہائے دل کو تازہ کریں۔

تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را
گاہے گاہے باز خواں ایں قصہ پارینہ را

ابوالعاص وحیدی
استاذ کلیۃ الصفا ڈومریا گنج، سدھارتھ نگر یوپی
۱۳/۱۰/۲۰۱۸ء

❑❑❑

رشحات تصدیق

مقرر شعلہ بیان فاضل گرامی
حضرت مولانا محمد ہارون صاحب سنابلی حفظہ اللہ
ناظم عمومی مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی نبیہ محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین وبعد۔

انتہائی مسرت وشادمانی کا مقام ہے کہ ہمارے دیرینہ دوست وہم سبق شیخ عبدالحکیم عبدالمعبود مدنی حفظہ اللہ نے انسائیکلو پیڈیا طرز پر جماعت اہل حدیث اوراس کے علماء کرام کی تاریخ کی جمع وترتیب کا بیڑا اٹھایا ہے جو بروقت جماعت کی ایک اہم ضرورت اور عظیم خدمت ہے۔یہ سلسلہ بہت پہلے شروع کیا جانا تھالیکن دیر آید درست کے مصداق ہمیں اس کے لئے اللہ تعالیٰ کاشکرادا کرنا چاہیے کہ یہ کام الحمد للہ شروع ہو چکاہےاورقوی امید ہے کہ جاری وساری رہے گا۔ان شاءاللہ۔

دراصل قوموں کی تاریخ میں آنے والی نسلوں کے لئےمشعل راہ ہوتی ہے جس سے روشنی حاصل کرکے وہ آگے بڑھنے کی کوشش کرتی ہیں اوراس سے انہیں بھولا ہواسبق یاد آتا ہے نیز آگے بڑھنے کا حوصلہ ملتا ہے۔یہی سرمایہ کل ہماری جماعتی تاریخ کا مرجع ومصدر بیش قیمت اثاثہ ہوگااور پوری جماعت کے لئے ایک عظیم تاریخی شاہکار بھی ثابت ہوگا۔موصوف اس علمی وتاریخی گراں قدر کاوش پر دل کی گہرائیوں سے مبارکباد کے مستحق ہیں۔

الحمد للہ اس سلسلے کی پہلی کڑی سالنامہ تاریخ اہل حدیث جلداول کی شکل میں مرکز تاریخ اہل حدیث ممبئی وبڑھنی کے زیر اہتمام دیدہ زیب طباعت سے آراستہ ہوکر منظر عام پر آ گیا ہے اوراب اس سلسلے کی دوسری کڑی جلد ثانی کی شکل میں طباعت کے لئے تیار ہے۔آگے کا کام بڑی تیزی سے زیر ترتیب ہے،اللہ کرے یہ سلسلہ دراز ہواورایسے ہی جاری وساری اور باقی رہے تاکہ جماعت کی تاریخ کے روشن ابواب اور مخلصین علماء کی نمایاں خدمات ایک تاریخی دستاویز کی شکل میں محفوظ کئے جاسکیں۔میں جماعت کے تمام علماء،اصحاب مدارس اورذمہ داران سے اپیل کرتا ہوں کہ موصوف کے اس نیک تاریخی وعلمی عمل میں ان کا ہر ممکن ساتھ دیں اورجن کے علم میں تاریخ جماعت کا کوئی بھی گوشہ محفوظ ہوتو اسے اس سالنامے میں اشاعت کے لئے ضرور بھیجیں۔

اخیر میں موصوف کوصد آفریں کہتے ہوئے رب العالمین سے دعاگو ہوں کہ بارالہا توانہیں اس عظیم جماعتی خدمت میں ہر طرح کی آسانیاں عطافرمااورانہیں پوری جدوجہداوراخلاص سے اس عظیم مشن کو پایۂ تکمیل تک لے جانے کی سعادت عطافرما۔آمین یارب العالمین۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

محمد ہارون سنابلی

ناظم عمومی مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند۔

اکتوبر 2018



پیام کوکن

مصنف شہیر
فضیلۃ الشیخ مولانا عبد الواحد انور یوسفی حفظہ اللہ
امیر ضلعی جمعیت اہل حدیث، رتنا گیری

گرامی قدر مولانا عبد الحکیم مدنی حفظہ اللہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مرکز تاریخ اہل حدیث ممبئی کا قیام ایک مستحسن اقدام ہے۔ واٹس ایپ اور دیگر رسائل وجرائد سے جب اس اہم خبر کی اطلاع ملی تو کافی خوشی ہوئی کہ تاریخ اہل حدیث کے منتشر اوراق یکجا کئے جائیں گے اور ماضی قریب کی نامور ہستیاں جو داغِ مفارقت دے گئی ہیں ان کی حیات وخدمات کے روشن پہلوؤں کو اجاگر کیا جائیگا تا کہ ہمارے لئے اور آئندہ نسلوں کے لئے وہ مینارۂ نور ثابت ہو، اوران کی سیرت کے جامع اور ہمہ جہتی ترجیحات سے واقف ہوکر ہم میں بھی کچھ کرنے کا حوصلہ پیدا ہو۔ ہم بھی ان تابندہ نقوش کے آئینے میں اپنے خدوخال کو سنوار سکیں۔ مشقت آمیز اور صبر آزما یہ کام آسان نہیں ہے۔ مگر قابل مبارکباد ہیں کہ آپ نے تنہا یہ بارگراں اپنے کندھوں پر اٹھالیا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو مزید حوصلہ بخشے کہ جرأت وہمت اور پامردی کے ساتھ آپ اس علمی وتاریخی دستاویز کو سال بہ سال نئے ڈھنگ اور امنگ کے ساتھ منصۂ شہود پر لاتے رہیں۔ ان شاء اللہ جماعتی درد رکھنے والے قلمکار اور انشاء پرداز آپ کے شانہ بشانہ نظر آئیں گے۔

مرکز تاریخ اہل حدیث کا پہلا سالنامہ شمارہ نمبر (۱) ۲۰۱۶ء بعنوان ''تاریخ اہل حدیث'' ہدیہ پرخلوص کی شکل میں دستیاب ہوا، فرصت نکال کر اس کی ورق گردانی کرنے لگا۔ سات ابواب پر مشتمل یہ علمی وتاریخی دستاویز اپنے اندر بہت کچھ سمیٹے ہوئے ہے۔

باب اول میں چند علمائے کرام کے تاثرات واحساسات ہیں اور باب دوم میں جماعت اہل حدیث کی تاریخ کے تعلق سے پندرہ مضامین ہیں جن کے پڑھنے سے اہل حدیث کا عقیدہ ومنہج، ملکی وعلاقائی تاریخ، مختلف جامعات کی تاسیس وترویج، گونڈہ، بستی، مئو اور بنارس وغیرہ میں اہل حدیث کا فروغ وغیرہ کا تفصیلی تذکرہ ہے۔

باب سوم میں یادرفتگاں کے تحت سترہ مضامین ہیں جس میں ماضی قریب کے ان علماء کا تذکرہ ہے جنہوں نے اپنے پیچھے سلفیت کو فروغ دینے کے لئے بے شمار تلامذہ اور کتابوں کا ذخیرہ چھوڑا ہے۔

باب چہارم کے تحت مرحومین علمائے اہل حدیث ۲۰۱۶ء کا تذکرہ ہے اس میں بھی سترہ مضامین ہیں اس میں ان تمام علمائے کرام کا تذکرہ ہے جو ۲۰۱۶ء میں انتقال کر چکے ہیں اور جماعتِ اہل حدیث کے لئے ہر ایک کی اہم خدمات ہیں جو اظہر من الشمس ہیں۔

باب پنجم میں صرف چھ لوگوں کے تذکرے ہیں جو ۲۰۱۶ء میں انتقال کر چکے ہیں جو عالم دین گرچہ نہیں تھے مگر اہل خیر اور جماعت وجمعیت کے کافی خیرخواہ اور محسن تھے۔

باب ششم میں علمائے موجودین ۲۰۱۶ء کا تذکرہ ہے جن کی تعداد صرف پانچ ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ تین حضرات کے حالات خودنوشت ہیں۔ (۱) مولانا محفوظ الرحمن فیضی (۲) مولانا عبد السلام مدنی، جو ۱۶؍جولائی ۲۰۱۸ء بروز سوموار ساڑھے پانچ بجے اس دارفانی سے داربقا کی طرف کوچ کر چکے ہیں۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون) (۳) مولانا محمد مستقیم سلفی۔

باب ہفتم کے تحت مناظرات ومتفرقات ہیں جس میں دو مناظرے اور تین اشتہارات ہیں جو تاریخ اہل حدیث کے متعلق ہیں۔

اس طرح (۳۷۵) صفحات پر مشتمل یہ کتاب اس قابل ہے کہ ہر اہل حدیث اسے خریدے اور پڑھے تا کہ اپنے اسلاف کے کارناموں سے اچھی طرح واقف رہے۔

سالنامہ تاریخ اہل حدیث کے پہلے شمارے کی اشاعت پر میں آپ کو اور جملہ معاونین کو مبارکباد پیش کرتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو مزید علمی تاریخی اور جماعتی خدمات انجام دینے کی توفیق عطا فرمائے اور سالنامہ تاریخ اہل حدیث کا ہر شمارہ پوری آب وتاب کے ساتھ جلوہ گر ہوتا رہے تا کہ یہ سلسلہ تاریخِ اہل حدیث کا انسائیکلوپیڈیا قرار پائے۔

خیر اندیش

عبد الواحد انور یوسفی (مدیر مرکز الدعوۃ الاسلامیہ والخیریہ، سونس، کھیڈ)

امیر ضلعی جمعیت اہل حدیث رتنا گیری

۲۰۱۸/۱۱/۲۰



پیغام مبارکبادی

معروف داعی وقلمکار

فاضل گرامی ڈاکٹر عبید الرحمن محمد حنیف المدنی حفظہ اللہ

مدیر مرکز الامام البخاری، تلولی، ممبئی

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی رسول اللہ وعلی آلہ وصحبہ ومن والاہ وبعد!

اسلام کا وہ عظیم الشان صاف ستھرا سرچشمہ جسے مقدس گروہ نے کتاب وسنت کی شکل میں آگے بڑھ بڑھ کر نہ صرف سیکھا اور ہاتھوں ہاتھ لیا بلکہ اس کے پیغام کو چہار دانگ عالم میں پھیلانے اور اس کی روشنی کی شعاعوں سے انسانیت کو مستفید کرنے، محاسن ومناقب سے لوگوں کو متعارف کرانے میں کسی بھی طرح کی کوئی کمی کوتاہی نہیں کی، نشر واشاعت کا یہ مقدس سلسلہ صحابہ کرام سے شروع ہو کر تابعین سے ہوتے ہوئے بعد کے ادوار تک پوری قوت وتوانائی سے جاری وساری رہا، جسے ائمہ ومحدثین، فقہاء ومفسرین نے دنیا بھر کے کونے کونے میں پہونچایا، ہمارا ملک ہندوستان ان خوش نصیب ممالک میں سے ہے جن تک یہ عظیم پیغام قرون مفضلہ ہی میں پہنچنے کا شرف حاصل ہوا، اور اس وقت سے اب تک یہ سلسلہ کسی نہ کسی شکل میں جاری وساری ہے۔ اللہ کرے یہ پودا ہمیشہ سرسبز وشاداب رہے، اس کی پنکھڑیاں اور کلیاں ملک کے طول وعرض میں خوشبو پھیلاتے ہوئے لوگوں کے قلوب واذہان کو معطر کرتی رہیں۔

قارئین ذی وقار! یہ معزز قافلہ جو دنیا کے طول وعرض میں پھیل کر صحیح اسلام کی سچی نمائندگی کرتا رہا، ہر جگہ اپنے عمدہ آثار چھوڑتے ہوئے لوگوں کو کسی عظیم شخصیت سے جوڑنے کے بجائے قرآن وحدیث سے جوڑتا رہا تا کہ لوگ اصل سرچشمہ سے پورے طور پر جڑے رہ سکیں، اور دلوں کو صاف ستھری غذا سے قوت فراہم کرتے رہیں، یہ عمل اس قدر عظیم اور مبارک تھا کہ انہوں اپنی نسبت بھی اسی عمل ہی کی طرف کرتے ہوئے اپنے آپ کو اہل حدیث کہلانا باعث اعزاز تصور کیا۔ فللہ درھم وکثر خیرھم۔

یقیناً قرآن وحدیث کی طرف نسبت سعادت ہے جو بزور باز وحاصل نہیں ہوسکتا، ہاں مگر توفیق ربانی شامل حال ہو تو رحمان ورحیم اپنا فضل واحسان اس بندے پر نچھاور کرتے ہوئے شرح صدر کی عظیم الشان نعمت سے مالا مال کر دیتا ہے اور وحی الٰہی سے جڑ جانے میں حیات مستعار کا راز اس پر کھول دیتا ہے۔

ملک ہندوستان میں یہ مقدس گروہ کب آیا، اور کیا کچھ کارنامے انجام دیا، اس کے جہود اور اعمال کے دائرے کیا تھے، اس ملک پر ان کی کوششوں کے کیا کچھ مثبت اثرات مرتب ہوئے، جیسے بیشمار سوالات کے تشفی بخش جوابات تاریخ اہل حدیث میں دیکھے جاسکتے ہیں جس کی ترتیب وتنسیق کا عظیم الشان عمل مرکز تاریخ اہل حدیث انجام دے رہا ہے، قابل مبارکباد ہیں مرکز مذکور کے ذمہ داران خاص طور سے میرے رفیق درس مرکز تاریخ اہل حدیث کے روح رواں فضیلۃ الشیخ مولانا عبدالحکیم مدنی حفظہ اللہ جنہوں نے اس عظیم ذمہ داری کا نہ صرف بوجھ اٹھایا بلکہ پوری قوت کے ساتھ میدان عمل میں جٹ گئے، اور دیکھتے ہی دیکھتے اس مشروع کا پہلا سالنامہ ۲۰۱۶ء زیور طباعت سے پورے آن بان کے ساتھ مرصع کرنے اور اسے منظر عام پر لانے میں کامیابی سے ہمکنار ہوئے، جو خراج تحسین کے گلدستوں کے ساتھ مقبول خاص وعام ہوا، اللہ کرے یہ انمول سلسلہ جاری وساری رہے، اور لوگ ان کوششوں سے مستفید ہوتے رہیں۔ آمین۔

قارئین ذی احترام! تاریخ اہل حدیث کے سالنامہ ۲۰۱۷ء کی طباعت واشاعت کی مناسبت سے تمام علماء کرام کے نام خاص طور سے اور ہندوستانی مسلمان بھائیوں کے نام عمومی طور سے یہ پیغام دینا چاہتا ہوں کہ ہندوستان میں اہل حدیث ایک نعمت ہے، اس کی قدر کرتے ہوئے علمائے اہل حدیث کے جہود واعمال سابقہ ولاحقہ کی امانت کا جو حصہ بھی آپ کے پاس ہو ضرور حوالہ قرطاس کرتے ہوئے اس عظیم الشان مشروع کا حصہ بنیں اور مرکز اہل حدیث کے جلائے ہوئے دیئے میں تیل ڈالتے رہنے کا عمل جاری رکھیں۔ اللہ ہم سب کا حامی وناصر ہو۔ آمین۔

آپ کا دینی بھائی
عبید الرحمن بن محمد حنیف سلفی
مدیر مرکز امام بخاری تلولی ممبئی
۲۰۱۸/۹/۱۸ء



پیغام تہنیت

معروف داعی وخطیب

فاضل گرامی مولانا محمد عاطف صاحب سنابلی / حفظہ اللہ

امام وخطیب جامع مسجد اہل حدیث خیرانی روڈ ساکی ناکہ ممبئی

حامداومصلیاامابعد:

جماعت اہل حدیث اور سلفی تحریک دراصل کتاب وسنت منہج صحابہ اور مسلک سلف کی اصل ترجمان اور سچی تعبیر ہے، علمائے اہل حدیث اور سلفی دعوت کی تاریخ بڑی شاندار، روشن اور تابناک ہے، دعوت وعزیمت جرأت وہمت، عزم واستقلال، فدائیت ووفاداری اور بے مثال قربانیوں سے بھری پڑی ہے، تبلیغ ودعوت دین، اشاعت حق، دین محمدی کی صحیح اور سچی ترجمانی، احیائے کتاب وسنت اصلاح وتطہیر عقائد، بدعات وخرافات اور غیر اسلامی رسوم ورواج کے خاتمہ سے لے کر آزادی وطن اور تعمیر ملک وملت نیز ملک اور وطن مخالف سرگرمیوں کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے تک متنوع اور ہمہ جہت دینی، ملی، سماجی، رفاہی اور قومی خدمات میں پیش پیش رہی ہے، اور ہر میدان میں اپنے تابندہ اور انمٹ نقوش چھوڑے ہیں۔

بنابریں کتاب وسنت، مسلک صحابہ اور منہج سلف کی حقیقی اور سچی ترجمان جماعت اہل حدیث کی اصلاحی ودعوتی ہمہ جہت جہود ومساعی، روشن ماضی اور اس کی شاندار تاریخ کو احباب جماعت اور عوام الناس تک پہنچانا اور مرتب ومدون کرنا نہایت ہی گراں قدر اور سعادت مندانہ انجام ہے نیز لائق تحسین وتشجیع اور قابل مبارکباد عمل ہے۔

ساتھ ہی ساتھ وقت کا اہم ترین تقاضا بھی ہے تاکہ کاروان سلف کے عظیم سپوتوں اور جماعت اہل حدیث کے ارباب واکابرین، علماء ودعات، مصنفین ومناظرین کے عظیم ترین کارنامے اور ان کی متنوع خدمات جلیلہ کو جمع اور ایک جگہ محفوظ کیا جائے، موتی کے بکھرے دانوں کو ایک لڑی میں پرویا جائے، اور سلفی دعوت کی روشن تاریخ کے منتشر اوراق کو مدون ومرتب اور یکجا کیا جائے تاکہ آنے والی نسل اپنے اسلاف اور اکابرین کی بے مثال قربانیوں اور ہمہ جہت اصلاحی ودعوتی جہود ومساعی کو پیش نگاہ رکھے، اور سبق حاصل کرتے ہوئے اپنے لئے نمونہ عمل بنائے، احتساب کردار وعمل کا پیمانہ بنا سکے مستقبل کے لائحہ عمل کی ترتیب وتنظیم کے لئے اپنے لئے مشعل راہ بنائے۔

الحمدللہ اس عظیم الشان کار خیر کے لئے بکھرے موتیوں کو ایک لڑی میں پرونے اور اسے مفید وموثر انداز میں مدون ومرتب کرنے، شاندار ماضی کے منتشر اوراق کو جمع اور یکجا کرنے کے لئے جماعت کے معروف داعی اور خطیب، مشہور قلمکار، کہنہ مشق معلم اور ممتاز مربی فاضل گرامی مکرمی جناب شیخ عبدالحکیم عبدالمعبود مدنی حفظہ اللہ نے اس عظیم مشن اور پاکیزہ منصوبہ کے لئے مستقل طور پر مرکز تاریخ اہل حدیث کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا اور تن تنہا اس کا بیڑا اٹھایا ہے اور عملی اقدام بھی کیا ہے، الحمدللہ مرکز تاریخ اہل حدیث کے تحت سالنامہ مجلہ اہل حدیث کا پہلا شمارہ نیز ایک تاریخی دستاویز کتاب کی شکل میں مظر عام پر آچکا ہے اور مقبول خاص وعام بن چکا ہے۔ فللہ الحمد علی ذالک۔

اس عظیم مشن اور مہتم بالشان منصوبہ پر دل کی گہرائیوں سے میں مبارکباد پیش کرتا ہوں احباب جماعت سے ہر ممکن تعاون اور تائید کی اپیل کرتا ہوں، اور مولائے رحمن ورحیم سے دعا گو ہوں کہ رب کریم اس عظیم مشن کو جاری اور ساری رکھے اور شیخ موصوف نے وقت اور جماعت کے تقاضے کو محسوس کرتے ہوئے جو یہ سلسلہ شروع کیا ہے اللہ تعالیٰ اپنے فضل وتوفیق سے پایۂ تکمیل تک پہنچائے، احباب جماعت اور آنے والی نسل کے لئے مفید وکارآمد اور مشعل راہ بنائے اور اس پاکیزہ مشن میں ہم سب کو ہر ممکن تعاون وتائید کی توفیق سے نوازے۔ آمین

وصلی اللہ علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ وبارک وسلم

محمد عاطف سنابلی / ۲۳/ستمبر ۲۰۱۸

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَ مَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ۔۲۳

مومنوں میں (ایسے) لوگ بھی ہیں جنہوں نے جو عہد اللہ تعالیٰ سے کیا تھا اسے سچا کر دکھایا، بعض نے تو اپنا عہد پورا کر دیا اور بعض موقعہ کے منتظر ہیں اور انہوں نے کوئی تبدیلی نہیں کی۔ (الاحزاب:۲۳)

باب دوم

بحوث ومقالات

تاریخ اہل حدیث

اسلام اور اہل حدیث

از افادات: مناظر اسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ

اسلام کی مختصر تاریخ

پہلے اس سے کہ ہم یہ بتادیں کہ فرقہ بندی کس طرف سے ہے اسلام کی مختصر سی تاریخ بیان کردینا مفید ہوگا۔

کچھ شک نہیں کہ اسلام کی تاریخ دنیا میں روشن ہے۔ اس کے ابتدائی، درمیانی اور آخری واقعات سب روشن ہیں۔ اس کا سنہ ہجری ۱۳۳۵ (اس سنہ میں حضرت مرحوم نے یہ مقالہ لکھا تھا۔) ہجری ہے، مگر ابتداء کو ۱۳۴۸ سال ہوئے ہیں جب کہ مکہ معظمہ میں اس کی تعلیم بزبان ترجمان الہام حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جاری ہوتی تھی۔ تیرہ سال قبل ہجرت مکہ معظمہ میں گزارے، دس سال بعد ہجرت مدینہ میں رہے۔ کل ۲۳ سال آپ کی نبوت کا آفتاب دنیا میں ظہور پذیر رہا۔ اب سوال یہ ہے کہ اتنی مدت میں جو تعلیم آپ نے دی اس کا کیا اثر ہوا؟ جواب صرف یہ ہے کہ جس پر کل دنیا کی تاریخ متفق ہے کہ عرب تمام صاف ہوگیا۔ جو مشرک، کافر، ملحد اور زندیق تھے وہ سب خدا کے پرستار بن گئے، جو لٹیرے اور ڈاکو تھے، وہ مدبران سلطنت ہوکر تمدنی تعلیم میں دنیا کے استاد مانے گئے۔

اس پر دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نبی علیہ السلام نے ان کو مذہبی احکام کا دستور العمل کوئی دیا تھا یا نہیں؟ اس کا جواب بھی بالکل صاف اور صحیح یہ ہے اور صرف یہی ہے کہ دیا تھا، اور نہ دیا ہوتا تو وہ لوگ باوجود ضروریات کثیرہ کے تعمیل کیونکر کرتے؟

اب ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان میں دستور العمل کیا تھا؟ یعنی یہ احکام شرعیہ کہاں سے اخذ کرتے تھے؟ اس کا جواب بھی ایک اور صرف یہ ہے کہ احکام شرعیہ اخذ کرنے کا طریقہ ان میں یہ تھا کہ پہلے قرآن مجید کو دیکھتے، ساتھ ہی اس کے اگر کوئی روایت انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوتی یا کوئی فیصلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دیکھا یا سنا ہوتا تو اس کو بھی ملحوظ رکھ کر بطور سندِ شرعی کے پیش کرتے، چنانچہ سب سے پہلا اختلاف جو صحابہ کرام میں پیدا ہوا وہ انتخابِ خلیفہ پر تھا، انصارِ مدینہ یہ کہتے تھے کہ خلیفہ ہم میں سے ہوگا۔ اس اختلاف کا فیصلہ یوں ہوا کہ مہاجرین کی طرف سے ایک حدیث پیش کی گئی جس کے الفاظ یہ تھے۔ اَلْاَئِمَّةُ مِنَ الْقُرَيْشِ خلیفہ قریش سے ہوں گے۔ یہ حدیث پیش ہوتے ہی فیصلہ مہاجرین کے حق میں ہوگیا۔

دوسرا اختلاف وراثتِ نبی (علیہ السلام) کے متعلق ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ داروں نے خلیفہ کے پاس دعویٰ پیش کیا کہ ہم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ترکہ میں سے حصہ ملنا چاہیے جیسے دوسرے مسلمانوں کے وارث حصہ پاتے ہیں۔ خلیفہ کی طرف سے اس کا جواب نفی میں ملا تو اختلاف پیدا ہوا۔ آخر جب حدیث نبوی پیش ہوئی کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرما گئے ہیں کہ: ''ہمارا مال ورثہ نہیں ہوگا بلکہ فی سبیل اللہ صدقہ ہوگا'' تو نزاع ختم ہوگئی۔

تاریخ اسلام کا کسی اور واقعہ پر اتفاق ہو یا نہ مگر اس امر کا پورا اتفاق ہے کہ زمانہ رسالت میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو جو بات پیش آتی اس کا فیصلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کرا لیتے اور بعد زمانہ نبوت زمانہ خلافت میں جو پیش آتی اس کے لئے احکام کی تلاش قرآن وحدیث میں کرتے۔ یہ طریقہ مسلمانوں میں بہت عرصہ تک جاری رہا۔ مگر ہم آسانی کے لئے فرض کر لیتے ہیں کہ تیس سال تک ایسا ہوتا رہا جو زمانہ خلافتِ راشدہ کا ہے۔

اب ایک سوال یہاں یہ پیدا ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی جملہ آبادی میں یعنی ابتداء سے آج تک جتنے طبقے بھی ہوئے ہیں ان میں بحیثیت دین اور بحیثیت دنیا اور بحیثیت اعلیٰ اخلاق اور بحیثیت جاہ وحشمت اور سب سے بڑھ کر یہ کہ بحیثیت منظوری اور مقبولیت خدا کے کون طبقہ ممتاز رہا ہے؟

اس کا جواب بھی ایک اور صرف ایک ہی ہے کہ وہ طبقہ سب سے اعلیٰ اور افضل تھا جو نبوت کی گود میں تربیت پا کر دوسروں کا رہنما بنا رضی اللہ عنہم پس اب مطلع بالکل صاف ہے، کہ جو طریقہ اور برتاؤ ان لوگوں کا تھا بس وہی دین الٰہی اور منظور مصطفائی تھا۔ دگر ہیچ۔

طبقۂ اُولیٰ میں فرقہ بندی نہیں تھی:

اب سوال یہ ہے کہ اس طبقہ میں فرقہ بندیاں تھیں؟ کیا کوئی شیعہ تھا؟ کوئی حنفی تھا؟ شافعی کہلاتا تھا؟ مالکی تھا؟ یا حنبلی تھا؟ اس کا جواب ان بزرگوں کی تاریخِ ولادت سے مل سکتا ہے جن کی طرف یہ فرقے منسوب ہیں۔ سب سے بڑی عمر کے امام ان میں ابوحنیفہ صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) ہیں جو ۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور ان کے پندرہ سال بعد امام مالکؒ پیدا ہوئے۔ ان کے بعد امام احمدؒ اور امام شافعیؒ پیدا ہوئے۔ گو امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کی پیدائش پہلی صدی ہجری میں ہے، مگر بہ حیثیت ایک عالم، مفتی اور مجتہد کے وہ دوسری صدی میں دنیا کے سامنے آتے ہیں۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ طبقۂ اولیٰ (زمانہ صحابہؓ) میں ان چاروں فرقوں کا نام نہ تھا۔ کیوں کہ جن اماموں کی طرف ان فرقوں کی نسبت ہے وہی نہ تھے تو فرقہ کہاں؟ پس ان فرقوں کی بابت اس سوال کا جواب اسلامی تاریخ یہی دیتی ہے کہ طبقۂ اولیٰ میں صرف سیدھے سادھے مسلمان تھے جن کا دستور العمل قرآن اور اقوال نبی علیہ السلام تھا اور بس اس کے سوا اور کوئی فرقہ نہ تھا، نہ فرقہ بندی۔

اب ہم آج کل کی فرقہ بندیوں کی ذرا کیفیت سنا کر فیصلہ ناظرین کی رائے پر چھوڑتے ہیں۔ سب سے بڑا شگاف جو اسلام کے قلعے میں سب سے پہلے آیا وہ شیعہ سنّی کا اختلاف تھا۔ اس شگاف کی بنا صرف یہ ہے کہ شیعہ کہتے ہیں کہ: ”خلافت اول حضرت علیؓ کا حق تھا اور وراثت حضرت فاطمہؓ کا“..... سنی اس کے منکر ہیں۔

چونکہ ہمارے مضمون کا روئے سخن تاریخی پہلو سے ہے، اس لئے ہم اس میں مذہبی دلائل سے بحث کرنا نہیں چاہتے۔ صرف تاریخی پہلو سے اتنا پوچھتے ہیں کہ طبقہ اولیٰ میں جو اسلام اور اہل اسلام کا اعلیٰ نمونہ تھا یہ اختلاف تھا؟ یا اس اختلاف کا کوئی اثر تھا؟ تاریخ جواب دیتی ہے کہ کوئی نہیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ ہوئے، سب نے اطاعت کی۔ حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے سب نے اطاعت کی حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے، سب نے اطاعت کی، حضرت علیؓ خلیفہ ہوئے تو وہ بھی خلیفہ برحق مانے گئے۔

بہر حال اس اختلاف کا اثر ہم اس زمانہ میں کچھ نہیں دیکھتے گو پہلے حضرت علیؓ خلیفہ نہ تھے تاہم خلافت کے کاموں میں برابر

دخیل تھے۔ باب عالی کے رکن تھے، عہدہ دار تھے، مشیر کار تھے، خلافت سے جو خدمت سپرد ہوئی تھی بجالاتے تھے، غرض جہاں تک ظاہری علامات رہنما ہوسکتی ہیں۔ ہمیں ان کے اعمال واطوار میں کسی قسم کا شبہ نہیں ہوسکتا۔

علی ہذاالقیاس تقسیمِ وراثت کا مسئلہ بھی اس طبقہ میں ہم کو کسی طرح باعث تفریق معلوم نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ کوئی اس کا تذکرہ بھی نہیں کرتا تھا۔ جب اس پاک زمانہ میں اس کا کوئی اثر نہ تھا تو اب اس کو ایسا بنا کر تفریق کرنے والا فرقہ بندی کے الزام سے کیوں ملزم نہ ہوگا۔

فرقہ بندیوں نے اسلام کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا:

اس فیصلہ کے بعد اب، ہم دیگر فرقہ بندیوں پر توجہ کرتے ہیں جس نے اسلام کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

اسلامی تاریخ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی فرقوں کی بڑی لائنیں دو ہیں۔ جن کو شیعہ سنی کے اختلاف نے پیدا کیا ہے۔ پھر ان لائنوں میں برانچ لائنیں بھی ہیں۔ ان پر غور کرنے سے جو فریق موردِ الزام ہوگا ہمیں اس کے ملزم بنانے میں تامل نہ ہونا چاہیے۔ ان فرقوں سے مراد حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی مذہب ہیں جن کو رجسٹرڈ بتانے کے لئے یہ کہا جاتا ہے کہ مکہ معظّمہ میں کعبہ شریف کے اردگرد بھی چار مصلے (زمانہ نبوت کے آٹھ سو برس بعد جب چاروں مذاہب والوں میں امامت اور اقتدار کے بارہ میں زیادہ اختلاف اور جھگڑے واقع ہونے لگے، تو رفع فساد کے لئے حاکمِ وقت نے نویں صدی ہجری میں الگ الگ چار مصلے بنا دیئے، پس ان مصلوں کی حقیقت یہ ہے) ہیں۔ اس لئے اس اختلاف میں فیصلہ کرنے کے لئے ان مذاہب کی تعریف اور وجہ تفریق بیان کرنا ضروری ہے۔

اس میں شک نہیں کہ ان مذاہب کے اصل الاصول وہی ہیں جو زمانہ صحابہ میں تھے۔ یعنی یہ چاروں مذاہب قرآن وحدیث کو دستور العمل جانتے ہیں۔ بحمد اللہ اس میں کوئی اختلاف نہیں مگر ایک بات ایسی پیدا ہوگئی ہے جس سے یہ سارا اختلاف پیدا ہوگیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک نے یہ اصول مقرر کر رکھا ہے کہ جو کچھ ہمارے امام نے جس کے ہم مقلد ہیں سمجھا اور کسی مسئلہ کے متعلق حکم دیا ہے، بس ہمارے لیے وہی کافی ہے، نہ ہم اپنی سمجھ کو دخل دیں اور نہ کسی دوسرے امام کی سنیں۔ دوسرا بھی یہی کہتا ہے اور تیسرا بھی یہی۔ علی ہذاالقیاس چوتھا بھی یہی۔

اختلاف کو بھی ہم مذہبی دلائل سے چھونا نہیں چاہتے، کیونکہ مذہبی دلائل میں طول ہوجاتا ہے، بلکہ تاریخی شہادت سے صرف اتنا پوچھتے ہیں کہ طبقۂ اولیٰ میں یہ طریق تھا؟ کسی خاص شخص کو یہ منصب تھا کہ باقی اس کے فہم اور رائے کے آگے سر جھکائیں۔ جہاں تک اسلامی تاریخ شہادت دیتی ہے اس کا جواب نفی میں ملتا ہے۔ اگر یہ منصب کسی کو ہوتا تو خلیفہ وقت کو ہوتا حالانکہ اس کو بھی نہ تھا، بعض وقت ایک بڑھیا عورت بھی خلیفہ کے حکم کو رد کر دیتی تھی، جس کے جواب میں خلیفہ کو ماننا پڑتا تھا کہ یہ عورت سچ کہتی ہے مولانا حالی مرحوم نے اسی حکم کی طرف اشارہ کیا ہے ؎

غلاموں سے ہو جاتے تھے بند آقا
خلیفوں سے لڑتی تھی اک ایک بڑھیا

جب اس زمانہ میں یہ بندش نہ ہوئی کہ کسی ایک رائے اور فہم کے باقی لوگ پابند ہوجائیں تو پیچھے کیوں ایسا کیا جائے جس سے

تفرقہ پیدا ہو۔ ہاں اختلافِ فہم چونکہ قدرتی ہے، اس لیے عالم کو کسی امام سے اتفاق رائے ہو جائے تو بیشک وہ اس سے اتفاق رائے کا اظہار کرے مگر ایسے طور سے کہ فرقہ بندی تک نوبت نہ پہنچے۔

ہماری اس تقریر سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام میں جو فرقہ بندیاں ہو رہی ہیں طبقہ اولیٰ یعنی سلف صالحین کی روش چھوڑنے سے ہوئی ہیں ورنہ اگر مسلمان اب بھی اس بات پر متفق ہو جائیں کہ طبقہ اُولیٰ کی طرح اپنا دستور العمل قرآن وحدیث کو بنالیں، نہ کوئی نئی روش نکالیں نہ کسی کی طرف اپنی نسبت جدید پیدا کریں تو فرقہ بندیاں دور ہو سکتی ہیں۔

قابل غور بات:

فرقہ بندی کسی اصولی اختلاف سے ہوتی ہے۔ اگر اصول ایک ہے اور باوجود وحدت اصولی کے صرف فہم کا اختلاف ہے تو فرقہ بندی نہیں ہے، ورنہ اس طرح تو ہر ایک مذہب کے علماء میں اختلاف رائے موجود ہے۔ مثلاً علمائے حنفیہ موجودہ اور سابقہ متقدمین اور متاخرین بلکہ معاصرین وغیرہ سب میں اختلاف نظر آتا ہے تو کیا یہ مختلف فرقے ہیں؟ کیا کوئی کہے گا کہ امام ابوحنیفہ صاحبؒ کا مذہب اور تھا اور شاگردوں کا اور، یا موجودہ علمائے حنفیہ میں علماء دیوبند کا مذہب اور ہے اور علمائے بریلی، بدایوں وغیرہ کا اور؟ نہیں بلکہ سب کے سب حنفی ہیں حالانکہ اختلاف موجود ہے۔

پس کسی جماعت کو دوسری جماعت سے فرقہ کی حیثیت سے الگ سمجھنا اس بات پر موقوف ہے کہ ان میں اصولی اختلاف ہو۔ پس جس فرقہ کے اصول طبقۂ اولیٰ کے اصولِ مذہبی سے ملتے جلتے بلکہ وہی ہوں گے تو وہ فرقہ جدید اور فرقہ بند نہ کہا جائے گا اور جس فرقہ کے اصول جدید ہوں گے وہی فرقہ جدید اور فرقہ بندی کے الزام سے ملزم ہوگا۔

اب ہمارے سامنے چاروں مذاہب حنفی، شافعی، حنبلی اور مالکی موجود ہیں۔ ان سب کا اصول ہے کہ قرآن وحدیث پر بغیر توسطِ امام مجتہد کے عمل کرنا جائز نہیں اس لئے یہ فرقے اپنے اپنے اماموں کے مقلد کہلاتے ہیں۔ برخلاف اس کے اہل حدیث اس بات کے قائل نہیں۔ وہ کہتے ہیں یہ شرط طبقہ اولی میں نہ تھی ہم طبقہ اولی کی روش سے ایک انچ بھی ادھر اُدھر نہ ہٹیں گے۔

ع۔۔۔۔جملہ عالم ایک طرف۔۔۔۔۔آں شوخِ رعنا اک طرف

ایک اعتراض کا دفعیّہ:

اب ایک سوال یہ ہے کہ دوسرے فرقوں کی طرح اہل حدیث بھی تو ایک فرقہ ہے۔ اس سے بھی تو فرقہ بندی پیدا ہوتی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اہل حدیث بحیثیت نام کے ایک فرقہ کہا جائے تو اور بات ہے مگر اصول اور عمل کی حیثیت سے یہ کوئی فرقہ بندی نہیں بلکہ وہی ایک گروہ ہے جو تعلیم نبوت سے پیدا ہوا تھا جس کی روش ہم بتلا آئے ہیں کہ قرآن وحدیث پر عمل کرنے کی تھی، نہ اس فرقے نے اپنے دستور العمل میں کوئی اضافہ کیا، نہ سلف صالحین کی روش سے علیحدگی کی بلکہ بعینہٖ اسی طرح قرآن وحدیث یا یوں کہیے کہ قرآن اور طریقہ نبی علیہ السلام کو صحابہ کی روش پر محفوظ رکھا۔

رہانام کا سوال کہ اہل حدیث نام کیوں رکھا گیا جب کہ طبقہ اولی نے یہ نام اپنا نہ رکھا۔

تو اس کا جواب بہت آسان ہے کہ اہل حدیث کی اصلیت بتلانے کو عملی طریق کا یہ نام ہے، دوسرے فرقوں نے اپنی نسبت اپنے اماموں کی طرف کر کے حنفی اور شافعی وغیرہ القاب اختیار کیے، چونکہ اس فرقہ کی نسبت کسی غیر کی طرف نہ تھی بلکہ طبقہ اولیٰ کی طرح صرف نبی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی طرف تھی اس لئے اس نے اپنے طریق عمل کے مطابق اپنا لقب اہل حدیث رکھا جو اس کے طریق عمل کے لحاظ سے بہت موزوں ہے ورنہ اس کا اصول دین جو بنیادِ مذہب ہے وہی ہے جو طبقہ اولی کے مسلمانوں کا تھا۔ یعنی قرآن وحدیث بطریق سلف صالحین۔ اہل حدیث لقب کے یہ معنی ہیں کہ: ''احادیثِ رسولؐ پر عمل کرنے والا'' یہی معنی ہیں۔۔۔ ''کسی کا ہو رہے کوئی نبی کے ہو رہے ہیں ہم''

(ماخوذ از: کتاب وسنت ڈاٹ کام)



شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ اسلام کا ایک عظیم معجزہ

مولانا عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ

''شیخ الاسلام ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ ہندوستان میں اسلام کا ایک عظیم معجزہ تھے۔ اس مردمجاہد نے الحاد واباحیت، شرک وکفر، بدعات وخرافات، آریت وسناتن دھرم، شدھی سنگھٹن، عیسائیت، قادیانیت، بہائیت، بابیت، تشیع ورفض، خاکسار، اسماعیلیۃ، بوہرہ، قبوری شریعت، تصوف وجوگ، انکار سنت اور چکڑالویت وغیرہ سیکڑوں فتنوں کا مقابلہ تن تنہا کیا، سن شعور سے لے کر اپنی زندگی کے آخری سانس تک یہ عظیم مجاہد اسلام اور اس کی تعلیمات کے خلاف اٹھنے والے ہر فتنہ سے نبرد آزما ہوتا رہا اور اسی راہ میں پوری مجاہدانہ شان سے اس نے اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کی''

(مجموعہ مقالات مولانا عبدالحمید رحمانیؒ ۲/۲۵۸)

مختلف قدیم ادوار کی کتابوں میں اہل حدیث کا تذکرہ

محمد اسحاق بھٹی

یہ کتاب (برصغیر میں اہل حدیث کی آمد) جس موضوع پر مشتمل ہے، اس کی روشنی میں یہ سوال نہایت اہم ہے کہ اگر اہل حدیث قدیم دور سے چلے آرہے ہیں تو قدیم مصنفین میں سے کسی لائق تکریم مصنف نے اپنی کسی کتاب میں اہل حدیث کا تذکرہ کیا ہے یا نہیں؟ اگر کیا ہے تو کن کن عالی قدر حضرات نے کیا ہے اور کس انداز میں کیا ہے؟ اس ضمن میں اس فقیر نے ایک خاکہ مرتب کیا تھا اور اس خاکے کی روشنی میں چند صفحات لکھے تھے کہ حضرت مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی مرحوم ومغفور کی تصنیف ''تاریخ اہل حدیث'' موصول ہوئی، جو مکتبہ قدوسیہ اردو بازار لاہور، کی طرف سے شائع ہوئی ہے۔ کتاب جس طرح اپنے مندرجات کے اعتبار سے بے حد اہمیت کی حامل ہے، اسی طرح مکتبہ قدوسیہ نے اس کی اشاعت میں اپنی روایت کے مطابق انتہائی حسنِ ذوق کا ثبوت بہم پہنچایا ہے۔ کتاب میں حضرت مولانا مرحوم نے اس بات کا بھی تذکرہ فرمایا ہے کہ اہل حدیث کا ذکر قدیم دور کی کن کتابوں میں آیا ہے اور کس فاضل مصنف نے ان کا ذکر کس اسلوب میں کیا ہے، چنانچہ اس فقیر نے دیگر تصنیفات کے علاوہ اس سلسلے میں حضرت مولانا سیالکوٹی کی تحریر فرمودہ معلومات سے بھی استفادہ کیا ہے، جس کا اختصار کے ساتھ مندرجہ ذیل سطور میں ذکر کیا جاتا ہے۔

علم شریعت مختلف شعبوں پر مشتمل ہے، مثلاً تفسیر، حدیث، فقہ، اصول، کلام اور تاریخ وغیرہ۔ ان میں سے ہر شعبے کی قدیم وجدید تصانیف میں اہل حدیث کا ذکر بے حد احترام کے ساتھ کیا گیا ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ ان تصانیف کے مصنفین کے نزدیک یقیناً ایک ایسی جماعت موجود تھی، جس کے ارکان کی تحقیقات وتنقیدات کے سب محتاج تھے۔ بعض مقامات پر اس جماعت کا ذکر لفظ اہل حدیث سے ہوا ہے، بعض جگہ انہیں اصحاب حدیث لکھا گیا ہے۔ بعض کتابوں میں اہل اثر قرار دیا گیا ہے اور بعض حضرات نے انہیں محدثین کے لقب سے تعبیر کیا ہے۔ مقصد ان تمام القاب سے سب کا یہی ہے کہ چوں کہ اس جماعت کو احادیث پیغمبر اور آثار نبویہ سے خاص شغف وتعلق ہے، اس لیے ان کو ان پرشکوہ القاب سے یاد کر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور ان پر ''از مصطفی شنیدن واز دیگراں بریدن'' والی بات صادق آئی۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ کسی چیز کے نام کا مقصد اس کا دوسروں سے تمیز وتعارف ہوتا ہے۔ صدر اول اور قرن ثانی میں مسلمان صحابہ وتابعین اور تبع تابعین کی مقدس جماعت سے عبارت تھے۔ مختلف مسلکی فرقوں میں تقسیم نہیں ہوئے تھے، صرف کتاب اللہ اور سنت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا تقید تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس واطہر کے سوا کسی شخصیت کو شریعت میں داخل نہیں کیا جاتا تھا۔ یعنی کوئی دوسرا فرقہ سرے سے موجود ہی نہ تھا کہ کسی سے تمیز ہونے کے لئے الگ نام کی ضرورت پڑتی۔ اس کے بعد جب ائمہ مجتہدین کا دور آیا اور ان کے اقوال اور ارشادات کو حجت گردانا گیا اور مختلف مذاہب کی بنیادیں قائم ہوگئیں تو جن

لوگوں نے طرز اول اور زمانہ سابق کی طرح کسی شخصیت کو دین میں داخل کئے بغیر صرف کتاب وسنت سے حصول دین کو اپنا دستور قرار دیئے رکھا اور اپنے عمل واعتقاد کی بنا فقط قرآن وحدیث پر رکھی، وہ اہل حدیث، اصحاب حدیث، اہل اثر اور محدثین کہلائے، اس کی تفصیل حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے حجۃ اللہ البالغہ میں بیان فرمائی ہے۔ باقی سب لوگ یا تو اپنے اپنے امام ومقتدیٰ کی طرف منسوب ہوئے، جس کی شخصیت کو انہوں نے دوسرے فرقوں میں حدِ فاصل قرار دیا تھا اور اس شخصیت کے مجتہدات کو مسائل واحکام کے لئے اصل وسند مانا، مثلاً حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی کہلائے۔ یعنی امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کی طرف منسوب ہوئے۔ اور یا پھر اس مسئلے کی طرف منسوب ہوئے جس میں انہوں نے اصحاب حدیث سے اختلاف کیا، مثلاً قدریہ مسئلہ تقدیر کے منکر ہونے کی وجہ سے قدریہ کہلائے، جبریہ جبر محض کے قائل ہونے کی بنا پر جبریہ کے نام سے موسوم ہوئے اور مرجیہ اعمال کو ایمان سے جدا کرنے اور محض ایمان پر نجات کی امید ورجا رکھنے کے سبب مرجیہ کے نام سے پکارے گئے۔

ائمہ مجتہدین سے قبل، عہد صحابہ میں ایک عظیم اختلاف پیدا ہوا تھا، جس کی بنیاد امور سیاست تھی، لیکن بعد کو وہ اختلاف مذہبی اور اعتقادی شکل اختیار کر گیا اور امت میں اس کی وجہ سے ایسا تہلکہ بپا ہوا جو روز بروز بڑھتا ہی چلا گیا۔ وہ اختلاف یہ تھا کہ شیعہ درحقیقت اس گروہ کا نام تھا جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حامی تھا اور خارجی اس طائفے کو کہا جاتا تھا جو تحکیم کے سلسلے میں حضرت علیؓ سے الگ ہو گیا تھا، لیکن اس کے بعد حالات نے ایسی تبدیلی اختیار کی کہ معتقدات میں یہ دونوں گروہ یعنی شیعہ اور خارجی اہل سنت کے مقابلے میں آگئے اور تاریخی حقیقت یہ ہے کہ ''اہل سنت'' کا لقب انہیں اور ان جیسے دیگر بدعی فرقوں کے مقابلے میں وضع کیا گیا تھا۔

متداول کتب حدیث میں سب سے قدیم کتاب موطا امام مالک ہے۔ حضرت امام مالک کی ولادت مدینہ طیبہ میں ۹۳ھ میں خلیفہ ولید بن عبدالملک اموی کے زمانے میں ہوئی اور انہوں نے مدینہ طیبہ میں ہی ۱۷۹ء کو خلیفہ ہارون رشید عباسی کے زمانے میں وفات پائی۔ اس وقت عرب کے علاوہ شمالی افریقہ بھی مسلمانوں کے قبضے میں آچکا تھا اور اسپین وغیرہ یورپ کے بعض ملکوں پر اسلامی پرچم لہرا رہا تھا اور امام مالک کا فیض حدیث تمام ممالک اسلامی میں پہنچ چکا تھا، چنانچہ موطا کا آخری نسخہ جو عام طور پر اہل علم میں متداول ہے، یحییٰ بن یحییٰ مصمودی کا روایت کردہ جو امام مالک کے بلاواسطہ شاگرد تھے اور اسپین کے باشندے تھے۔ لیکن موطا میں فرقہ بندی کا ذکر کہیں نہیں ہے اور اس میں کسی فرقے کی تردید کے انداز میں مسائل بیان کیے گئے ہیں۔

اب ذیل میں ان مصنفین کا تذکرہ کیا جاتا ہے، جنہوں نے اپنی تصانیف میں اہل حدیث کا ذکر کیا ہے۔

۱۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے لائق شاگردوں میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بے حد شہرت پائی جو ۱۵۰ ہجری میں پیدا اور ۲۰۴ ہجری میں فوت ہوئے۔ اس وقت تبع تابعین کا زمانہ ختم ہو گیا تھا۔ امام شافعی کا سفرنامہ ''رحلۃ الشافعی'' کے نام سے امام سیوطی نے تالیف کیا تھا، جو انہوں نے اپنے شاگرد ربیع بن سلیمان مصری کو املا کرایا تھا۔ لکھتے ہیں۔

یلقانی الرجال واصحاب الحدیث منهم احمد بن حنبل وسفیان بن عیینة واوزاعی (صفحہ ۱۴)

یعنی مجھے عام لوگ بھی ملتے تھے اور اصحاب حدیث بھی ملتے تھے، جن میں احمد بن حنبل، سفیان بن عیینہ اور اوزاعی شامل ہیں۔

یہاں امام شافعی نے تین اصحاب حدیث کے نام لیے ہیں اور وہ ہیں امام احمد، امام سفیان اور امام اوزاعی۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ امام احمد بن حنبل بغداد کے رہنے والے ہیں، اور امام سفیان بن عیینہ کا تعلق کوفہ سے ہے اور امام اوزاعی ملک شام کے باشندے ہیں، اور یہ تینوں مقامات ایک دوسرے سے طویل مسافت پر واقع ہیں اور ان تینوں میں اہل حدیث موجود ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کے ابتدائی عہد ہی میں اس جماعت سے تعلق رکھنے والے لوگ دور دراز علاقوں میں پھیل گئے تھے۔

۲۔ حافظ ابن حجر نے بھی اپنی تصانیف میں جماعت اہل حدیث کا ذکر کیا ہے۔ بعض مقامات پر ان کے لئے اصحاب الحدیث کے الفاظ استعمال کیے ہیں اور بعض مقامات پر اہل الحدیث کے۔ پھر ان کا تذکرہ ''اہل الرائے'' (یعنی احناف کوفہ) کے مقابلے میں کیا ہے اور دونوں کے طریق عمل اور انداز اجتہاد کا ذکر فرمایا ہے۔ چنانچہ وہ امام شافعی کے جامع الفقہ والحدیث ہونے کے بارے میں رقم فرماتے ہیں۔

فاجتمع له علم اهل الراءو علم اهل الحديث۔

یعنی ان کی ذات میں اہل رائے اور اہل حدیث دونوں کے علوم جمع ہو گئے تھے۔

حافظ ابن حجر کی ولادت ۷۷۰ھ میں اور وفات ۸۵۴ھ میں ہوئی۔

۳۔ جامع ترمذی میں تو متعدد مقامات پر اہل الحدیث اور اصحاب الحدیث کا ذکر آیا ہے۔۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی کا سال ولادت ۲۰۹ھ اور وفات ۲۷۹ھ ہے۔

۴۔ حنفی فقہ کی کتابوں میں بھی اہل حدیث کا ذکر ایک مستقل جماعت کی حیثیت سے کیا گیا ہے۔ چنانچہ علامہ سید امین ابن عابدین شامی ردالمختار شرح الدرالمختار کی تیسری جلد کے صفحہ ۳۹۳ اور ۳۹۴ میں رقم فرماتے ہیں۔

حكى ان رجلا من اصحاب ابى حنيفة خطب الى رجل من اصحاب الحديث ابنته فى عهد ابى بكر الجوزجانى فابى الا ان يترك مذهبه فيقرأ خلف الامام ويرفع يديه عند الانحناء ونحو ذالك فاجابه فزوجه۔

(یعنی روایت ہے کہ قاضی ابوبکر جوزجانی کے عہد میں ایک حنفی نے ایک اہل حدیث سے اس کی بیٹی کا رشتہ مانگا تو اہل حدیث نے انکار کر دیا اور کہا کہ وہ اس صورت میں رشتہ دے سکتا ہے کہ وہ اپنا (حنفی) مذہب چھوڑ دے اور امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھے اور رکوع جاتے وقت رفع یدین کرے اور اسی طرح اہل حدیث کے دیگر مسائل پر بھی عمل کرے۔ چنانچہ اس حنفی نے اس شرط پر عمل کرنے کا اقرار کیا اور اہل حدیث نے اپنی بیٹی اس کے نکاح میں دے دی۔)

یاد رہے کہ قاضی ابوبکر جوزجانی تیسری صدی ہجری کے قاضی ہیں جو ابوسلیمان کے شاگرد تھے اور ابوسلیمان بلاواسطہ امام محمد بن حسن شیبانی کے شاگرد تھے۔ (الفوائد البہیہ صفحہ ۱۴)

اس واقعہ سے صاف پتا چلتا ہے کہ تیسری صدی ہجری میں بھی مستقل طور سے ایک جماعت موجود تھی، جس کا نام اہل حدیث تھا

اوران کے امتیازی مسائل میں امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنااوررکوع کو جاتے وقت رفع یدین کرنا تھا۔موجودہ زمانے میں بھی اہل حدیث کے یہ امتیازی مسائل ہیں اور گزشتہ دور میں بھی وہ ان مسائل پر عامل تھے۔اس سے معلوم ہوا کہ اہل حدیث نیا مذہب نہیں ہے بلکہ وہ جماعت ہے جوشروع ہی سے چلی آرہی ہےاوراس کے کچھ امتیازی مسائل ہیں جن پر یہ جماعت عامل تھی اور عامل ہے۔

۵۔ امام مسلم بن قتیبہ نے اپنی کتاب ''تاویل مختلف الحدیث'' میں معتزلہ،جہمیہ، روافض اوراہل الرائے وغیرہ فرقوں کا ذکر کرنے کے بعدایک عنوان اصحاب الحدیث کے متعلق قائم کیا ہے۔اس میں وہ فرماتے ہیں کہ اصحاب حدیث نے ہراس جگہ سے حق تلاش کیا جہاں سے مل سکتا تھااور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی وجہ سے انہیں قرب الٰہی حاصل ہوا، اوراللہ کی طرف سے اس میں ایسی برکت پیدا کی گئی کہ لوگ سنت نبوی کے مطیع ومنقاد ہوگئے اورمختلف رجال کے اقوال کے بجائے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین کے مطابق فیصلے ہونے لگے۔ابن قتیبہ ۲۱۳ھ کو بغداد یا کوفہ میں پیدا ہوئے اور ۲۷۶ھ کو بغداد میں وفات پائی۔

اس سے واضح ہوا کہ امام ابن قتیبہ کے زمانے میں اوران سے پہلے اصحابِ حدیث موجود تھے جو اقوال رجال کے بجائے ارشادات رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پرعمل پیرا تھے۔یعنی انہیں تقلید سے کوئی تعلق نہ تھا اوروہ احادیث نبوی کو لائق عمل والتفات گردانتے تھے۔موجودہ اہل حدیث کا بھی یہی نقطہ نظر ہے۔

۶۔ اب ایک ایسے علم کا حوالہ پیش کیا جاتا ہے جسے مذہبی اختلافات سے کوئی تعلق نہیں، اس میں جماعت اہل حدیث کا ذکر موجود ہے۔تاریخ فرشتہ میں سلطان محمود غزنوی کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھا گیا ہے۔

سلطان محمود نیز ابوالطیب سہل بن سلیمان صعلو کی راکہ از ائمہ اہل حدیث بود برسم رسالت پیش ایلک خاں فرستادہ۔(تاریخ فرشتہ،جلداول،مقالہ اول صفحہ ۱۲۳)

یعنی ایلک خاں نے جب ماوراء النہر کا علاقہ فتح کیا تواس کی اطلاع اس نے ازراہ مسرت سلطان محمود غزنوی کو دی، سلطان نے اس خوشی میں اس کے پاس بہ طور سفیر ابوالطیب سہل بن سلیمان صعلو کی کو بھیجا جواس دور کے ائمہ اہل حدیث میں سے تھے۔

یہاں یہ یاد رہے کہ سلطان محمود غزنوی نے حنفی مذہب ترک کر دیا تھا۔وہ ۳۵۷ھ میں پیدا ہوئے اوراس نے ۳۴سال حکومت کی۔

اس سے پتہ چلا کہ اہل حدیث چوتھی صدی ہجری میں ہندوستان میں موجود تھے۔

۷۔تاریخ ہی کا ایک اورحوالہ ملاحظہ فرمائیے۔علامہ بشاری مقدسی نے ۳۷۵ھ میں ہندوستان کی سیاحت کی تھی۔ وہ اپنے سفرنامہ میں علاقہ سندھ کے شہر منصورہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''یہاں کے ذمی بت پرست ہیں۔مسلمانوں میں اکثریت اہل حدیث کی ہے''۔(تاریخ سندھ،جلداول صفحہ ۱۲۴)

اس سے بھی ثابت ہوا کہ اہل حدیث چوتھی صدی ہجری میں ہندوستان میں بہ کثرت موجود تھے۔

اب کیا ارشاد ہے ان محققین کا، جنھوں نے یہ تحقیق انیق فرمارکھی ہے کہ اہل حدیث کی عمر ڈیڑھ دوسوسال سے زیادہ نہیں ہے؟ کیا ان حضرات عالی قدر کی تاریخ دانی اورحساب دانی کا فیصلہ یہی ہے کہ پہلی ، دوسری، تیسری، اور چوتھی صدی ہجری سے لے کر پندرھویں صدی ہجری تک کی درمیانی مدت کو ڈیڑھ دوسوسال ہی کہا جائے گا؟ سبحان اللہ! قربان جایئے اس حساب دانی کے

اور صدقے جایئے تاریخ پر اس عبور کے!

۸۔ علامہ ابن خلدون عمرانیات کے ماہر اور تاریخ اور فلسفہ تاریخ کے بہت بڑے مصنف ہیں، وہ مقدمہ ابن خلدون میں صحابہ کے بعد کے دور سے متعلق فرماتے ہیں۔

وانقسم الفقه فيهم الى طريقتين طريقة اهل الراى والقياس وهم اهل العراق وطريقة اهل حديث وهم اهل الحجاز وكان الحديث قليلا فى اهل العراق لما قدمنا (مقدمة صفحه ۲۷۲، فصل فى علم الفقه)

(یعنی ان میں فقہ دوطریقوں میں منقسم ہوگئی۔ ایک طریقہ اہل رائے وقیاس کا ہے اور وہ اہل عراق ہیں۔ دوسرا طریقہ اہل حدیث کا ہوا، اور وہ اہل حجاز ہیں۔ اہل عراق میں علم حدیث کم تھا، جس کی وجہ سے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں)

اس کے بعد وہ اسی فصل میں لکھتے ہیں۔

ولم يبق الا مذهب اهل الراى من العراق واهل الحديث من الحجاز (مقدمه صفحه ۲۷۳)

(یعنی اہل رائے کا مذہب عراق کی وجہ سے اور اہل حدیث کا حجاز کی وجہ سے دنیا میں باقی رہا۔)

۹۔ اب اس سلسلے میں حضرت پیر سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان سنیے جو ۴۹۱ھ میں پیدا اور ۵۶۱ھ میں بغداد میں فوت ہوئے۔ وہ اپنی مشہور کتاب غنیۃ الطالبین کے بعض مقامات میں ''اہل اثر'' اور بعض میں ''اہل حدیث'' کا ذکر کرتے ہیں اور اہل بدعت کی علامت کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

فعلامة اهل البدعة الوقيعة فى اهل الاثر ۔ (صفحه ۱۹۸ ۔ مطبوعه مرتضوى، دهلى)

(یعنی اہل بدعت کی علامت یہ ہے کہ وہ اہل حدیث کی بدگوئی کرتے ہیں۔)

یہاں ''اہل الاثر'' سے مراد اہل حدیث ہیں۔

مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی نے جو ۱۰۶۷ھ میں سیالکوٹ میں پیدا ہوئے، حضرت پیر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے ان عربی الفاظ کا فارسی میں ترجمہ کیا ہے:

''پس نشان اہل بدعت عیب کردن است در اہل حدیث''

غنیۃ الطالبین (مطبوعہ مطبع مرتضوی دہلی کے صفحہ ۱۹۸) ہی میں پیر صاحب رقم فرماتے ہیں کہ اگرچہ لوگ انہیں کئی ناموں سے پکارتے ہیں، درحقیقت اس جماعت کا ایک ہی نام ہے، اور وہ ہے اہل حدیث' ان کے الفاظ یہ ہیں: **ولا اسم لهم الا اسم واحد وهو اصحاب الحديث۔**

۱۰۔ امام فخر الدین رازی ۶۰۶ھ میں فوت ہوئے۔ انہوں نے تفسیر کبیر میں بہ ذیل آیت **وان كنتم فى ريب مما نزلنا على عبدنا**' اہل حدیث کا ذکر کیا ہے۔

۱۱۔ حضرت امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (ولادت ۶۶۱ وفات ۷۲۸ ہجری) کے علم وفن اور خدمات گوناگوں کی وسعتوں سے ہر

لکھا پڑھا شخص آگاہ ہے۔ انہوں اپنی گراں قدر تصنیف ''منہاج السنۃ'' کے مختلف مقامات پر جہمیہ، قدریہ، معتزلہ، خوارج اور کرامیہ وغیرہ فرقوں کی تردید کرتے ہوئے ان کے مقابلے میں اہل الحدیث اور اصحاب الحدیث کا ذکر کیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ امام ابن تیمیہ کے دور میں اہل حدیث بہ حیثیت جماعت کے موجود تھے، جو جہمیہ، قدریہ، معتزلہ اور خواج وغیرہ فرقوں کے شدید مخالف تھے۔ بعض مسائل کی تعبیر میں خود اہل حدیث میں کچھ اختلاف پایا جاتا تھا۔ چنانچہ حضرت امام منہاج السنۃ میں رقم طراز ہیں۔

ثم بعد ذالك اختلاف اهل الحديث وهم اقل الطوائف اختلافاً فی اصولهم لان ميراثهم من النبوة من ميراث غيرهم فعصمهم حبل الله الذی اعتصموا به (جلد ثانی صفحہ ۲۱)

(اس کے بعد اہل حدیث کا باہمی اختلاف ہے جو تمام فرقوں کی بہ نسبت بہت کم ہے، کیوں کہ ان کی علمی وراثت جو خزانۂ نبوت سے انہیں ملی ہے، دوسروں کی وراثت سے نہایت عظیم الشان ہے۔ ان کو اللہ کی رسی (قرآن مجید) نے بچالیا، جس سے یہ متمسک ہیں)

حضرت امام کے نزدیک اہل حدیث کی بہت بڑی خصوصیت وراثت نبوت اور قرآن مجید سے تمسک ہے، یعنی قرآن وحدیث پر عمل پیرا ہونا ان کا خاص وصف ہے جو انہیں دوسروں سے متمیز کرتا ہے۔

منہاج السنہ ہی میں وہ ایک شیعہ عالم علامہ علی کے اعتراض کے ضمن میں اہل حدیث کی ایسے پیرایہ بیان میں تعریف کرتے ہیں کہ اس جماعت کے علم وعمل کا پورا نقشہ سامنے آجاتا ہے۔ فرماتے ہیں:

(من المعلوم لكل من له خبرة ان اهل الحديث من اعظم الناس بحثا عن اقوال النبی صلی الله عليه وسلم وطلبا لعلمها وارغب الناس فی اتباعها وابعد الناس عن اتباع الهوی (جلد ثانی صفحہ ۱۷۸)

(یعنی جس شخص کو کچھ خبر ہے اسے معلوم ہے کہ اہل حدیث رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے اقوال سے متعلق سب سے زیادہ تحقیق کرنے والے، ان کے علم کے طالب، ان کی پیروی میں سب سے زیادہ رغبت رکھنے والے اور خواہشات کی اتباع میں سب سے زیادہ دور ہیں۔)

۱۲۔ علامہ سعد الدین تفتازانی (ولادت صفر ۷۲۲ھ۔ وفات ۲۲ محرم ۷۹۲ھ) مشہور مصنف اور صاحب تحقیق عالم تھے۔ ان کی متعدد تصانیف میں سے ایک نہایت اہم کتاب اصول فقہ کی کتاب توضیح کی شرح تلویح ہے جو درس نظامی کے نصاب میں شامل ہے اور طلباء کو پڑھائی جاتی ہے۔ اسے توضیح تلویح کہا جاتا ہے۔ اس کتاب میں علامہ تفتازانی اہل حدیث کا ذکر بھی کرتے ہیں اور شافعیہ کا بھی۔ اجماع کی بحث میں فرماتے ہیں:

وعليه عامة اهل الحديث والشافعية۔

(یہی اہل حدیث اور شافعیہ کا نقطہ نظر ہے)

بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ قدیم دور کی کتابوں میں جہاں اہل حدیث یا اصحاب حدیث اور محدثین کے الفاظ آئے ہیں اس سے شافعیہ مراد ہیں۔ لیکن یہاں ان کے اس قول کی تردید ہوگئی ہے۔ علامہ سعد الدین تفتازانی نے اہل حدیث کا ذکر شوافع کے مقابلے میں مستقل طور سے الگ کیا ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ تفتازانی کے زمانے میں شوافع وغیرہ مقلدین کے علاوہ ایک دوسری جماعت بھی

باقاعدہ صورت میں موجود تھی اور اس جماعت کو اہل حدیث کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ اس جمات کا دستور العمل قرآن وحدیث تھا۔

علامہ سعد الدین تفتازانی شرح مقاصد میں شیعہ حضرات کی دلیل حدیث غدیر خم کی تحقیق میں لکھتے ہیں:

قد قدح فی صحته کثیر من اهل الحدیث (شرح مقاصد جلد ثانی طبع مصر۔ صفحہ ۲۹۰)

(اس کی صحت میں اکثر اہل حدیث نے نکتہ چینی کی ہے۔)

۱۳۔ علامہ کمال الدین ابن ہمام متاخرین حنیفہ سے تعلق رکھتے تھے اور درجۂ اجتہاد پر فائز تھے۔ ان کا سال ولادت ۷۹۰ ہجری اور سال وفات ۸۶۱ ہجری ہے۔ فتح القدیر شرح ہدایہ ان کی مشہور تصنیف ہے جو کسی زمانے میں مطبع نول کشور (لکھنؤ) سے شائع ہوئی تھی۔ اس کتاب کی جلد اول کے صفحہ ۲۲، ۹۰، ۱۱۵ اور ۲۸۲ پر انہوں نے اہل حدیث کا ذکر فرمایا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کے زمانے میں اہل حدیث موجود تھے۔

۱۴۔ علامہ سید محمد امین بن عابدین شامی حنفی نے شرح ردالمختار میں احناف وغیرہ فقہاء کا اہل حدیث سے الگ ذکر کیا ہے۔ خوارج کے سلسلے میں فرماتے ہیں:

وحكم الخوارج عند جمهور الفقهاء والمحدثين حكم البغاة وذهب بعض المحدثين الى كفرهم وقال ابن المنذر ولا اعلم احداً وافق اهل الحديث على تكفيرهم (ردالمختار جلد ثالث صفحہ ۴۲۸)

(یعنی خارجیوں کا حکم جمہور فقہاء اور محدثین کے نزدیک باغیوں کا سا ہے اور بعض محدثین انہیں کافر قرار دیتے ہیں۔ ابن المنذر کا کہنا ہے کہ میرے علم میں کوئی شخص بھی خوارج کی تکفیر کے متعلق اہل حدیث کا ہم آہنگ نہیں ہے۔)

گزشتہ سطور میں ابتدائے اسلام سے لے کر علامہ شامی تک کی تصانیف سے ہم نے ثابت کیا ہے کہ ان میں اہل حدیث کا تذکرہ کثرت سے کیا گیا ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ ڈیڑھ دوسو سال کا مذہب نہیں ہے بلکہ یہ جماعت شروع ہی سے چلی آ رہی ہے اور یہی اصل اسلام ہے اور اہل حدیث کا یہی نقطہ نظر ہے۔

(برصغیر میں اہل حدیث کی آمد، ص ۱۳۷)



وہابیت ایک مطالعہ

مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی

یہ مقالہ استاذ محترم شیخ محمد ابوالقاسم فاروقی حفظہ اللہ کے گہربار قلم سے تحریر شدہ ہے آپ جامعہ سلفیہ بنارس کے ایک سینئر استاذ کے ساتھ ماہنامہ محدث کے برسوں ایڈیٹر بھی رہ چکے ہیں۔ تاریخ عالم، تاریخ ہند، تاریخ مذاہب بالخصوص جماعت اہل حدیث وعلمائے اہل حدیث کی تاریخ پر گہری دسترس رکھتے ہیں۔ اور اپنے وسعت مطالعہ اور شیفتہ قلم سے اسے الفاظ کا جامہ پہنا کر نہ صرف یہ کہ علمی وتاریخی مضمون کی شکل دے دیتے ہیں بلکہ اسے اردو ادب کا ایک حسین مرقع بھی بنانے کا بھرپور ہنر رکھتے ہیں، استاذ محترم کے صد شکریہ کے ساتھ آپ کا مضمون جو جنوری ۲۰۱۰ء میں محدث میں چھپا تھا نذر قارئین ہے۔ اللہ آپ کو صحت کاملہ کے ساتھ عمر دراز عطا فرمائے آمین۔ (عبدالحکیم مدنی)

۱۹۷۰ء کے بعد پوری دنیا میں زبردست سیاسی تبدیلیوں کا آغاز ہوا، روسیوں نے افغانستان پر تسلط جمانے کی ناکام کوشش کی۔ امریکہ نے روس کے خلاف افغانی مجاہدین کی مدد کی۔ طالبان نے ملا محمد عمر کی قیادت میں افغانستان میں اسلامی حکومت قائم کردی۔ امریکہ اور اس کے حلیف ممالک کے لئے ایک اسلامی حکومت کا قیام سخت ناگوار گذرا اور انہوں نے افغانستان پر حملہ کر کے اپنی من پسند حکومت قائم کردی۔ ایران اور عراق کی جنگ نے مشرق وسطی میں ایک سیاسی خلفشار پیدا کردیا۔ ہندوستان میں بابری مسجد کی شہادت اور ہندتوا کے احیاء نے ہندوستانی جمہوریت کو نہ صرف شرمسار کیا بلکہ ہندوستانی سیاست کا منظرنامہ ہی بدل گیا۔ امریکہ میں ورلڈ ٹریڈ سینٹر کی صورت میں دہشت گردی کے نئے رنگ وروپ نے ساری دنیا میں ہلچل پیدا کردی، گجرات میں نریندر مودی نے مسلمانوں کا قتل عام کرایا۔ ۲۰۰۰ء کے بعد دہشت گردی کا جو سلسلہ شروع ہوا ہزار کوششوں کے بعد تھمنے کا نام نہیں لے رہا ہے۔ حقائق کیا ہیں؟ کون سی تنظیمیں دنیا کو بدامنی کا گہوارہ بنانا چاہتی ہیں؟ ماسونی سازشوں کی طرح ان کی ڈور کے سرا کا پتہ ہی نہیں چل رہا ہے۔

وہ طاقتیں جو اسلام کو ختم کرنے پر تلی ہوئی ہیں ان کے لئے یہ سنہری موقع ہاتھ آگیا۔ انہوں نے ان تمام واقعات کا رشتہ مسلمانوں سے جوڑ دیا۔ پوری دنیا میں رہنمایان قوم اور نام نہاد دانشوران، سیاست کے بازی گر واقعات کو غلط سمت دینے میں مصروف ہیں، انہیں خوف ہے کہ اگر حقائق سامنے آگئے تو کہیں ان کی پگڑی نہ اچھل جائے۔ خود ہمارے بھارت میں مسلمانوں کی مساجد ومدارس اور دینی تنظیموں کو دہشت گردی کا محور ثابت کیا جارہا ہے، خاص طور سے سعودی عرب اور وہ اسلامی تنظیمیں جو صرف کتاب وسنت کی دعوت دیتی ہیں برملا ان پر دہشت گردی کا الزام لگایا جارہا ہے۔

انٹرنیٹ پر ایسی بے شمار ویب سائٹس موجود ہیں جو سعودی وہابی، اور ہندوستانی وہابی (اہل حدیث) کے خلاف پروپیگنڈہ کے لئے وقف ہیں۔ پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا نہایت پابندی کے ساتھ مہم چلا رہی ہیں اور بے بنیاد الزامات ہی نہیں لگا رہی ہیں بلکہ

ایسی ہولناک داستانیں گڑھی جارہی ہیں جنہیں پڑھ کر یا دیکھ کر دل دہل جائے۔ مکمل منصوبہ بندی کے ساتھ محققانہ رنگ میں مختلف زندہ زبانوں میں لٹریچر کا انبار لگادیا گیا ہے، مقصد صرف یہی ہے کہ اسلامی تشخصات کو اس طرح ختم کردیا جائے اور خالص اسلام کو اس طرح ہیبت ناک بنادیا جائے کہ عیسائیت اور یہودیت کی طرح اسلام اپنی کشش کھو بیٹھے۔ وہ نام کے مسلمان جنہیں اسلامی شعائر سے وحشت ہے انہیں کو اسلام کا نمائندہ ثابت کیا جارہا ہے۔ دوسری طرف بدعات وخرافات کی بندشوں میں جکڑے ہوئے نام نہاد مسلمانوں کا ایک ایسا طبقہ ہے جو توحید کی داعی تنظیموں سے ہمہ وقت خوف زدہ رہتا ہے اسے ڈر ہے کہ کتاب وسنت کی صحیح تعلیمات کی روشنی ان کے آستانوں کو ویران کردے گی۔ پیروں، مجاوروں اور ملاؤں کا یہ گروہ ماضی میں ان تنظیموں کے خلاف سرگرم رہا ہے اور آج بھی ڈنکے کی چوٹ پر اپنی ریشہ دوانیوں میں مصروف ہے یہاں میں تاریخ سازی سے متعلق چند مثالیں پیش کرتا ہوں۔

۲۰۰۸ء میں ''یودا پریس نئی دلی نے ہرلن او پیرسن Harlon O Person کی ایک کتاب انگلش میں شائع کی، کتاب کا نام ہے:
Islamic Reform and Revival in Ninteenth Century India the Tari Qah-I-Mohammdiyah. یعنی انیسویں صدی میں ہندوستان میں اسلامی اصلاح اور احیاء، مصنف نے تحریک شہیدین کا تعارف وتجزیہ اردو، عربی اور انگریزی کی معتبر کتابوں اور سرکاری دستاویزات کے حوالے سے اپنے نقطۂ نظر کے مطابق کیا ہے۔ کتاب کا اسلوب سنجیدہ اور معتدل ہے لیکن سلوپوائزن سے مبرا نہیں ہے۔ مصنف کا امتیاز یہ ہے کہ وہ بدنام زمانہ مصنف ولیم ہنٹر کی کتاب ''ہمارے ہندوستانی مسلمان'' کی زہر افشانیوں کے حصار سے نکلنے کی کوشش کی ہے۔ اس کتاب کے پیش لفظ میں Dvid Lelyveld نے چارلس ایلن کی کتاب Good's Terrorists: The Wahab Cult and Hidden Roots of Modern Jihad (یعنی خدا کے دہشت گرد: وہابی مذہب اور جدید جہاد کی خفیہ جڑیں) کی تنقید کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"For Alen who does not trouble with footnotes but relies entirely on Brithish sources, There is a single unbroken link from Mohammad Bin Abdul Wahab to Shah Wliullah to Syyid Ahmad Brelwi and Shah Ismail to the Taliban, Al Qaida and 9/11 and suicide bombers."

یعنی ''ایلن حاشیہ نگاری کی بھی زحمت نہیں کرتا ہے وہ مکمل طور سے برطانوی حوالوں پر اعتماد کرتے ہوئے کہتا ہے کہ محمد بن عبدالوہاب سے شاہ ولی اللہ تک اور وہاں سے سید احمد بریلوی، شاہ اسماعیل سے طالبان اور القاعدہ تک پھر ۹/۱۱ کے ورلڈ ٹریڈ سینٹر کا واقعہ اور خودکش انسانی، بموں تک ایک اور صرف ایک غیر شکستہ تسلسل ہے''۔

یہ صرف ایک نمونہ ہے، اس قسم کی نامعلوم کتنی ہزار کتابیں اور مصنفین اسلامی دعوت کے خلاف زہر کی کاشت میں مصروف ہیں۔ انٹرنیٹ کی بے شمار ویب سائٹس نیز پرنٹ میڈیا میں نہایت ہی منظم طریقہ سے تسلسل کے ساتھ مضامین لکھے جارہے ہیں کہ ہندوستان کی وہابی جماعت (جماعت اہل حدیث) کو سعودی حکومت سے مکمل فنڈنگ ہورہی ہے۔ ان کے مدارس، مساجد اور مراکز میں مسلسل اضافہ ہورہا ہے اور اس طرح ہندوستان میں وہابیت کو فروغ دیا جارہا ہے۔ ا۔ پوری دنیا میں بے شمار سرکاری اور غیر سرکاری

ایجنسیاں اور ادارے قائم ہیں جو سعودی حکومت کی دعوتی سرگرمیوں پر نظر رکھے ہوئے ہیں۔ چنانچہ امریکہ کا ایک غیر سرکاری ادارہ (N.G.O) اپنی رپورٹ پیش کرتا ہے کہ امریکہ کی بہت سی مساجد میں وہابی لٹریچر موجود ہے (اس رپورٹ کی خود امریکہ میں کافی نکتہ چینی کی گئی) اس لٹریچر میں خاص طور سے اس بات پر زور ہے کہ مسلمانوں کو صرف کافروں ہی سے نفرت نہیں کرنا چاہیے بلکہ یہ نفرت مذہب کی بنیاد پر بھی ہونا چاہیے۔ ایک جائزہ نگار گلز کیپل (Gilles Kepel) کہتا ہے کہ سعودی حکومت دس بلین سے زیادہ رقم وہابیت کے فروغ پر خرچ کر رہی ہے اسی طرح یو کے کی ایک دستاویزی فلم (تخلیق کار: انٹونی تھامس) کے اعداد و شمار کے مطابق یہ رقم سو بلین سے زیادہ ہے۔ ایک صحافی داؤد شریان اپنا جائزہ پیش کرتا ہے کہ سعودیہ کی دولت کی فراوانی نے بے شمار نوجوانوں مرد و زن تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ سب کو وہابیت قبول کرنے کے لئے مجبور کر دیا ہے۔ ۲؎

بھارت میں ہندتوا نے پوری دنیا میں اپنی شاخیں قائم کر لی ہیں، عیسائی مشنریاں اپنے مذہب کی تبلیغ کے لئے مذکورہ تخمینی رقم سے کئی گنا زیادہ اپنے مذہب کی ترویج کے لئے خرچ کر رہی ہیں۔ اگر سعودی حکومت اسلام کی دعوت و تبلیغ پر رقم خرچ کر رہی ہے تو اسے وہابیت کہہ کر یہ باور کرایا جا رہا ہے کہ اسی وہابیت سے دہشت گردی کی کونپلیں پھوٹی ہیں۔

ان حالات میں ہم پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ ہم وہابیت کے متعلق حقائق سے لوگوں کو روشناس کرائیں اور بتلائیں کہ جسے تم وہابیت کہتے ہو یہ وہی سچا دین ہے جو پوری دنیا کو امن و شانتی کا پیغام دیتا ہے۔ یہاں سے انسانیت کے دشمنوں کو دنیا و آخرت کی وعیدیں اور دھتکار ہی مل سکتی ہے، پناہ نہیں مل سکتی ہے۔ انہیں چند سطور کے حوالے سے وہابیت پر روشنی ڈالنا چاہتا ہوں شاید کہ غلط فہمی کے شکار ذہن حقائق قبول کرنے پر آمادہ ہو جائیں۔

وہابیت یا وہابیزم:

وہابیت دراصل عربی کلمہ ''وہب یہب'' سے مشتق ہے، اسی سے مبالغہ کا صیغہ ''وہاب'' ہے جو اللہ کے ناموں میں سے ایک ہے۔ عبداللہ، عبدالرحمن کی طرح عام طور سے مسلمان اپنے نام عبدالوہاب رکھتے ہیں، عام اصطلاح میں شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب نجدی کی طرف نسبت کر کے ان کی دعوت اور اصلاح کی تحریک کو ''وہابیت'' کا لقب دیا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں کسی ایسی تحریک کا وجود ہی نہیں ہے کہ جسے وہابی تحریک کا نام دیا جا سکے۔ اس سلسلے میں مولانا مسعود عالم ندوی رقمطراز ہیں: ''نجد کی دعوت کے علم بردار شیخ اسلام محمد بن عبدالوہاب کی طرف اگر نسبت کرنا ہو تو محمدی کہنا چاہیے، علاوہ بریں ان کے ماننے والے عام طور پر اپنے کو حنبلی کہتے ہیں۔ علماء حنابلہ کی کتابوں پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوگا کہ محمد بن عبدالوہاب نے ان سے زیادہ ایک حرف نہیں کہا البتہ عزم و عمل کی قوتوں کو بیدار ضرور کیا۔ بیدار پیکروں میں زندگی کی حرارت ڈال دی اور ایک پورے خطے کو اسلامی رنگ میں شرابور کر دیا۔ یہ ایسا گناہ ہے جسے شاطران فرنگ اور ان کے ہوا خواہ معاف نہیں کر سکتے ہیں''۔ ۳؎ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب اور ان کے پیروکاروں نے خود کو کبھی وہابی نہیں کہا، ان کی دعوت کی بنیاد صرف توحید اور شرک و بدعات کی تردید پر تھا، اسی نسبت سے وہ خود کو موحدین کہتے تھے۔

ان کے سیاسی مخالفین اور مبتدعین نے انہیں وہابی کا لقب کیوں دیا؟ کیا یہ ان کی دیدہ و دانستہ سازش تھی؟ یا محض اس لئے محمدی کا

لقب انہیں نہیں دیا کہ دشنام طرازی کے لئے یہ لقب غیر موزوں تھا اور وہابیت کا لقب گالی کے لئے نہایت موزوں اور مناسب تھا اوران کی جماعت کے لئے ان کے والد عبدالوہاب کی طرف نسبت کر کے مقصد حاصل ہوجاتا ہے۔ مولانا ندوی کہتے ہیں: ''صرف نام میں کوئی مضائقہ نہیں، لیکن یہ نام (وہابی) اس طور پر مشہور کیا گیا کہ یہ گویا اسلام سے الگ کوئی مذہب ہے اور یہی وجہ شکایت ہے''۔ ۴؎ دوسری جگہ وہ لکھتے ہیں: ''بہرحال جہاں تک وہابیت کو ایک الگ مذہب اور گمراہ جماعت بتانے کی کوشش کی گئی ہے یہ نام حد درجہ قابل اعتراض ہے ورنہ اس عام غلط بیانی اور بہتان تراشی سے قطع نظر دیکھا جائے تو اس نام میں کوئی مضائقہ نہیں معلوم ہوتا''۔ ۵؎

شیخ محمد بن عبدالوہاب کی تحریک سے وہابیت کا تعلق تقریباً دوسو سال تک ایک سربستہ راز تھا اور لوگ یہی سمجھتے رہے کہ اس لفظ کے استعمال سے مخالفین کا مقصد محض یہ باور کرانا تھا کہ یہ تحریک دین میں ایک نئی چیز اور نیا مذہب ہے۔

دراصل یہ ایک علامتی لفظ ہے جس کا تعلق آٹھ سو سال قدیم خارجی تحریک سے ہے جو ماضی کے دھندلکوں میں گم ہوگئی تھی۔ نجدی دعوت کے مخالفین نے بڑی گہری سازش رچی۔ اس قدیم تحریک کا انہوں نے سراغ لگایا اور شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب کی تحریک سے اس کا رشتہ جوڑ دیا اور اپنے ہتھکنڈوں کے ذریعہ ساری دنیا کے مسلمانوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ یہ خارجی تحریک ہے مذہب اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

لیکن ایک مشہور سعودی اسکالر ڈاکٹر محمد بن سعد الشویعر کے ذوق تحقیق اور جستجو نے اس حقیقت کو عریاں کردیا، جسے گردش ایام نے ظلمتوں کا لباس پہنا دیا تھا۔ انہوں نے ایشیا اور افریقہ کے ممالک کی تاریخ کے منتشر اوراق کو کھنگالا، عربی فرانسیسی اور انگریز مورخین کی تاریخی کاوشوں کی ورق گردانی کی اور اس گم گشتہ تحریک کے خدوخال کو بے لباس کردیا جسے حقیقت میں وہابی تحریک کہا گیا اور جس کے بارے میں شمالی افریقہ اور مغرب کے علماء کا اجماع ہے کہ وہ دین سے خارج ہے۔ ڈاکٹر محمد بن سعد الشویعر کی کتاب ''**تصحیح خطأ تاریخی حول الوهابية**'' سے ان کی تحقیق کا خلاصہ پیش خدمت ہے جو دلچسپ ہونے کے ساتھ اس موضوع سے متعلق الجھنوں کا حل بھی پیش کرتا ہے:

''آپ نے دو فرانسیسی مورخ الفرد بل کی کتاب ''**الفرق الاسلامية فی شمال افريقة**(عربی زبان میں ترجمہ: عبدالرحمن بدوی) شارلی آندرے کی کتاب تاریخ شمال افریقہ مترجم محمد مزالی (سابق وزیر اعظم تونس) بشیر بن سلامہ ڈاکٹر سدی عبدالعزیز سالم کی کتاب معرب کبیر کے جزء ثانی (عصر عباسی) اور زرکلی کی الاعلام کے حوالے سے بتلایا کہ دوسری صدی ہجری میں شمالی افریقہ میں وہابیت کے نام سے ایک فرقہ وجود میں آیا، یہ اباضی خارجی فرقہ ''وہبیت'' کی ایک شاخ ہے، وہبیت کے بانی کا نام عبداللہ بن وھب راسبی تھا۔ بعض لوگ راسبی کی طرف نسبت کر کے اس فرقہ کو راسبیہ بھی کہتے ہیں، اسی عقیدہ سے تعلق رکھنے والا ایک شخص عبدالرحمن بن رستم مشرق سے مغرب مراکش آیا اور مراکش کے شہر تاہرت میں اپنی حکومت قائم کر لی جسے تاریخ میں رستمی حکومت کہا جاتا ہے، ۱۷۱ھ میں جب وہ مرض الموت میں گرفتار ہوا تو رستمی حکومت کے سات اراکین کو حکومت بنانے کی وصیت کی۔ ان میں ابن رستم کا بیٹا عبدالوہاب بھی تھا، اسی کے ہاتھ پر بیعت کی گئی، جس کی وجہ سے رستمی حکومت کا ایک رکن یزید بن فندیک ناراض ہوگیا۔ دونوں میں مخالفت اس قدر بڑھی کہ جنگ تک نوبت پہنچ گئی۔ اس طرح وھبیہ اباضیہ کے پیروکار دو جماعتوں میں تبدیل ہوگئے۔ عبدالوہاب کے

پیروکار گروہ اس کی طرف نسبت کر کے فرقۂ وہابیہ کہلایا اور ابن فندیک کے ماننے والا نکاریہ کہلائے۔ جنگ میں نکاریہ فرقہ کو شکست ہوئی اور وہ معتزلہ کی شاخ واصلہ میں ضم ہوگیا۔ عبدالوہاب کی موت ۲۱۱ھ میں ہوئی۔ عبدالوہاب نے اسلامی عقائد میں بہت ساری تبدیلیاں کیں۔ فریضۂ حج کو منسوخ کردیا۔ اس کے متبعین اہل سنت اور شیعہ سے سخت نفرت کرتے تھے۔ ۲۹۶ھ میں عبداللہ شیعی نے رستمی حکومت کا خاتمہ کردیا۔ ڈاکٹر سعد لکھتے ہیں کہ فرانسیسی مؤلف شارلی آندرے نے اپنی کتاب ''تاریخ افریقہ شمالیہ'' میں رستمی حکومت کے عقائد اس کی وسعت، اس کا کلچر عبدالوہاب بن عبدالرحمن بن رستم کی طرف نسبت کر کے وہابیت کے نام پر تفصیلی بحث کی ہے۔ زرکلی نے اعلام میں دس معتبر کتابوں کے حوالے سے رستمی حکومت کی تاریخ مدون کی ہے''۔ ٦؎

اس خلاصہ سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے کہ فرانسیسی اور خود عربوں نے اس فرقہ کے متعلق کافی لٹریچر جمع کرلیا تھا۔ علماء مراکش نے اس فرقہ کے خارج عن الاسلام ہونے کے بارے میں فتاوے تحریر کئے۔

تاریخ کے یہ واقعات قصہ پارینہ بن چکے تھے۔ بارہویں صدی ہجری میں شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب کی دعوت نجد اور پورے عرب میں طاقت ورسیاسی اور مذہبی قوت بن کر ابھری تو سامراجی اور مذہب کے نام نہاد ٹھیکیداروں کے خیموں میں ہلچل مچ گئی۔ دین خالص کی اشاعت اور احیاء طاغوتی طاقتوں کو متحرک کرنے کے لئے کافی تھا۔ سیاسی مفاد پرستوں، استعماری طاقتوں اور مبتدعین نے تاریخ کی بھول بھلیوں میں گم خارجی فرقہ وہابیت کی جڑوں کو کھود نکالا اور اسے شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب کی خالص اسلامی تحریک پر چسپاں کردیا اور اسے وہابیت کا لقب دے دیا۔ اس نام کو دنیا بھر میں مشہور کرنے کے لئے منظم طور پر تحریکیں چلائی گئیں۔ سیاست کے بازیگروں نے مذہب کے خود ساختہ ابن الوقت علم برداروں کو آلۂ کار بنایا اور ہر طرح کے رکیک اور اوچھے ہتھکنڈے استعمال کئے۔ وہابیت کا لقب ہی اس بات کی علامت بن گیا کہ شیخ کے متبعین مذہب اسلام سے خارج ہیں اور ان کا مسلمانوں کے کسی فرقہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس طرح وہابیت کا لقب نجدی دعوت کے لئے بطور تحقیر اور دشنام استعمال کیا جانے لگا۔ اس کے ساتھ ہی دنیا کے گوشے میں بھی توحید کے ترانے گونجے اور تجدید دین کی جہاں بھی کوشش کی گئی سب کا رشتہ نجد کی وہابی تحریک سے جوڑ دیا گیا، مضحکہ خیز بات یہ ہے کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب سے پہلے بھی اگر کسی تحریک نے توحید کی دعوت دی تو اس کے بھی ڈانڈے نجدی تحریک سے ملا دیئے گئے۔

نجدی تحریک کے لئے وہابیت کا لقب اس قدر عام ہوگیا ہے کہ وہابیت کے متعلق تمام کتابوں اور موسوعات میں متفقہ طور پر وہابیت کو شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب کی تحریک کی طرف نسبت کردی گئی ہے۔ چنانچہ انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا میں وہابی کی تشریح اس طرح کی گئی ہے:

"any member of the Muslim puritan movement founded by Mohammad Bin Abdul Wahhab in the 18th century in Najd, Central Arabia and adopted in 1744 by the Saudi family."(7)

یعنی وہابی اس مؤحد تحریک کے پیروکار کو کہتے ہیں، جس کی بنیاد اٹھارہویں صدی میں محمد بن عبدالوہاب نے نجد (مرکزی عرب) میں رکھی تھی اور ۱۷۴۴ء میں سعودی خاندان نے اس تحریک کی سرپرستی کی۔

کولمبیا انسائیکلو پیڈیا میں وہابیت کی تعریف مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کی گئی ہے:

"Wahhabi or Wahabi reform movement in Islam, orginating in Arabia; adherent of the movement usually refer to themselved as Muwahhad in (unitarians.) It was founded by Muhammad bin Abdulwahhab (1703-1791)who was influenced by Ibn Taymiyya......(8)

یعنی وہّابی یا وہابی عرب کی ایک اسلامی اصلاحی تحریک ہے۔ تحریک کے پیروکار خود کو موحدین کہتے ہیں۔ تحریک کے بانی محمد بن عبدالوہاب ابن تیمیہ کے خیالات سے بہت متاثر تھے۔

وہابی کا تلفظ وہّابی ہے لیکن کثرت استعمال سے یہ انگریزی کا بھی ایک لفظ بن گیا ہے۔ ڈاکٹر قیام الدین احمد نے اپنے ایک مضمون میں جو علماء صادق پور کے کارناموں سے متعلق ہے، ذکر کیا ہے کہ ایڈنبرا میں وہابی تحریک کے متعلق ۱۹۶۶ء میں ایک کتاب شائع ہوئی ہے جس میں لفظ ''وہابی'' کا انگریزی میں دس مختلف ہجوں کو شمار کرایا ہے اور مصنف نے خود Wahabiyan کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اس سے بہت عرصہ قبل مرتضی خاں رام پوری نے اپنی کتاب ''دافع انسداد، نافع العباد، قاتل الشرک والعبادۃ والبدعات مطبع محمدی ٹونک راجستھان ۱۲۸۴ھ (۶۸۔۱۸۶۷ء) میں اس ''N'' کی وضاحت کی ہے۔۹

شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب کی تحریک کا ایک مختصر جائزہ:

محمد بن عبدالوہاب کی تحریک کے لئے سب سے پہلے وہابیت کا لفظ کس نے استعمال کیا؟ اور اس کے پس پردہ کیا عوامل اور محرکات تھے اسے مزید سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم محمد بن عبدالوہاب کی دعوت کے تاریخی ارتقاء اور تعلیمات پر ایک نظر ڈال لیں۔

اٹھارہویں صدی میں دیگر اسلامی ممالک کی طرح عربوں کی مذہبی اور سیاسی زبوں حالی اپنی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ شرک و بدعات کا ہر طرف بول بالا تھا۔ عوام پیروں، فقیروں درویشوں اور مجذوبوں کے مایا جال میں پھنسے ہوئے تھے۔ تصوف کے رسوم اور مشرکانہ طور طریق نے توحید پر پردہ ڈال دیا تھا۔ مقامات مقدسہ جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب نے اصنام پرستی سے پاک کیا تھا وہ مشرکانہ بداعمالیوں کا مرکز بن گئے تھے۔ اسلام کے نام لیوا تو تھے لیکن اسلامی روح نکل چکی تھی۔ محمد بن عبدالوہاب کے وطن نجد کی حالت اور خراب تھی۔ مشرکانہ عقیدوں اور خرافات کو اصل دین سمجھ لیا گیا تھا۔ کئی صدیوں سے گمراہی کی اس روش نے حق و باطل کا امتیاز مٹا دیا تھا۔ مشاہد اور مزاروں کی کثرت پیروں اور ملاؤں کا جمگھٹا اور متصوفانہ فضا نے اس حجاز کا نقشہ ہی بدل دیا تھا جو اسلام کے ابتدائی ادوار میں توحید کی تجلیات سے منور تھا۔

تاریکیوں کے اس دور میں شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب نے ۱۱۱۵ھ/ ۱۷۰۳ء میں عُیینہ کے ایک علمی گھرانے میں آنکھیں کھولیں۔ دس برس کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا۔ حنبلی فقہ کی تعلیم اپنے والد شیخ عبدالوہاب سے مکمل کی۔ تفسیر اور حدیث سے خصوصی شغف تھا۔ بیس برس کی عمر میں مدینۃ النبی آئے اور وہاں کے ممتاز علماء اور محدثین کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ مدینہ کے مشہور محدث

شیخ عبداللہ بن ابراہیم نجدی (ف ۱۱۸۵ھ) کی صحبت اور مدینہ کے مشہور محدث شیخ محمد حیات سندھی (ف ۱۱۶۵ھ) کے حلقہ درس سے آپ نے علم حدیث میں مہارت پیدا کی۔ جذبہ دعوت واصلاح کو صیقل کرنے میں ان دونوں استاذ کا بہت دخل تھا۔'' چنانچہ ایک بار وہ حجرۂ نبوی کے پاس کھڑے تھے اور سامنے بدعات کا بازار گرم تھا اتنے میں ان کے استاذ محمد حیات سندھی آ گئے شیخ نے پوچھا: ''ان لوگوں کے متعلق آپ کیا کہتے ہیں؟'' استاذ نے جواب دیا: ''ان ھولاء متبر ما ھم فیہ وباطل ما کانوا یعملون (اعراف/۱۳۹)

مدینہ منورہ سے شیخ نے بصرہ کا قصد کیا اور شیخ محمد مجموعی سے حدیث اور لغت کا درس لیا۔ وہاں سے احسا ہوتے ہوئے حریملا لوٹ آئے جہاں ان کے والد مقیم تھے۔ ۱۷۴۰ء میں آپ کے والد کا انتقال ہو گیا۔

آپ نے اپنی دعوت کا آغاز حریملا سے کیا۔ دعوت کی بنیاد توحید خالص کی پاکیزگی تھی، نیز عبادت خواہ کسی قسم کی ہو صرف اللہ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہونا چاہیے۔ اس راہ میں آپ نے ہر قسم کی صعوبتیں برداشت کیں۔ اعزہ واقربا اور قبائلی سرداروں کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ حریملا میں فضا ناسازگار ہوئی تو عُیینہ چلے گئے۔ کامیابی قدم چومنے لگی لیکن وہاں سے بھی دربدر ہونا پڑا۔ وہاں سے درعیہ پہنچے۔ امیر درعیہ محمد بن سعود نے آپ کی دعوت کو قبول کیا اور تحریک کے سب سے پرجوش حامی بن گئے۔ امیر محمد بن سعود کی عسکری قوت اور شیخ کی مذہبی قیادت نے تحریک کو کامیابی سے ہم کنار کیا۔ شرک وبدعات کی گھٹائیں چھٹنے لگیں۔ آپ کی مجالس میں شریک ہونے والوں کا تانتا بندھا رہتا۔ دعوت کی مقبولیت بڑھتی گئی۔ دعوت کی یہ راہ آسان نہ تھی ہر طرف کانٹے ہی کانٹے تھے۔ سیاسی اور مذہبی محاذ آرائی نے ہر جگہ رکاوٹیں کھڑی کیں، لیکن دعوت پر لبیک کہنے والوں نے ابتلاء ومحن کو خوش آمدید کہا۔ دعوت کا حلقہ وسیع ہوتا گیا اور پورے نجد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اپنی اصلی صورت میں جلوہ گر ہو گئیں۔ مسلسل پچاس سال دعوت وتبلیغ کے بعد ۱۲۰۶ھ/ ۱۷۹۲ء میں آپ رحلت فرما گئے۔

شیخ الاسلام کی وفات کے بعد ان کے بیٹوں اور پوتوں نے دعوتی تحریک کا علم اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ تحریک کی بنیادیں مستحکم ہو چکی تھیں۔ اس دعوت سے شیخ الاسلام کا مقصد سیاسی اقتدار اور جاہ وحشم نہ تھا۔ وہ عرب کے مسلمانوں کو قرن اول کے مسلمانوں کی طرح دیکھنا چاہتے تھے۔ عرب کے معاشرہ کو شرک وبدعات کی دلدل سے نکالنا چاہتے تھے۔ اللہ نے انہیں کامیابی عطا کی، دعوت کے ثمرات انہوں نے اپنی زندگی میں دیکھ لیا۔ دعوت کے استحکام کے ساتھ ہی انہوں نے خود کو سیاست سے الگ تھلگ کر لیا۔ ان کی آنے والی نسلوں نے بھی اپنے جد امجد کی اتباع کی اور خود کو صرف خدمت دین تک محدود رکھا۔

دعوت کا سیاسی پہلو:

کوئی بھی قوم ایک مستحکم عسکری قوت کے بغیر ترقی کے منازل نہیں طے کر سکتی ہے۔ ملک کے انصرام وانتظام اور دشمنوں سے دفاع اور نہی عن المنکر کی تحریک اور شرعی احکام کے نفاذ کے لئے سیاسی طاقت کا استعمال ناگزیر ہے۔ نجد میں دعوت کو کامیابی ملی تو قبائل کے سردار بھی امیر درعیہ کے مطیع ہوتے چلے گئے حتیٰ کہ پورے نجد پر ان کا قبضہ ہو گیا ۱۷۶۵ء میں جب کہ دعوت کا عین شباب تھا امیر محمد بن سعود انتقال کر گئے۔ ان کے بعد ان کے بیٹے عبدالعزیز جانشین ہوئے نجد پر قابض ہونے کے بعد ان کی نظریں حجاز اور عراق کی

طرف اٹھیں، ۱۸۰۲ء میں کربلا پر آپ نے کامیاب حملہ کیا اور محرم ۱۲۱۸ھ / ۱۸۰۳ء میں عبدالعزیز نے عارضی طور پر مکہ کو فتح کیا اور اسے شرک و بدعات کی نجاستوں سے پاک کیا۔ اسی سال رجب ۱۲۱۸ھ / نومبر ۱۸۰۳ء میں وہ ایک ایرانی شیعہ کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔

امیر عبدالعزیز بن محمد کی شہادت کے بعد ان کا بیٹا سعود امیر مقرر ہوا۔ اس نے خیبر، بحرین، عمان اور راس الخیمہ تک اپنی فتوحات کو وسعت دیدی۔ ۱۲۲۰ھ / ۱۸۰۶ء میں دوبارہ مکہ کو فتح کیا پھر طائف اور مدینہ کو زیر نگیں کیا۔ مدینہ میں عام قبروں کے قبوں اور مزارات کی گندگی کو صاف کیا۔

وہابیوں کی مسلسل فتوحات نے ترکی حکومت، برٹش سامراج، ایران اور مصری حکومت کو خوف زدہ کر دیا۔ نجدیوں کی سرکوبی کی تمام کوششیں رائیگاں گئیں۔ آخر کار ترکی حکومت نے مصر کے حاکم محمد علی کو نجدیوں کی سرکوبی کے لئے مقرر کیا۔ دوسری طرف خلیج فارس میں وہابیوں کا اقتدار انگریزوں کے نزدیک شدید خطرہ تھا۔ انگریز حکام نے ۱۸۰۹ء میں ممبئی سے ایک بحری بیڑہ کپتان وین رانٹ اور کرنل سر لیونل اسمتھ کی قیادت میں خلیج فارس روانہ کیا جنہوں نے امام مسقط سے مل کر وہابیوں کے خلاف کارروائی کی اگرچہ اس سے وہابیوں کو کوئی خاص نقصان نہیں پہنچا، لیکن یہ پہلی کامیاب ضرب تھی جو ان پر لگائی گئی۔ ادھر محمد علی پاشا وہابیوں سے فیصلہ کن جنگ کرنے کے لئے ۱۸۰۹ء سے تیاریاں شروع کر دیں۔ ۱۸۱۴ء میں امیر سعود کی وفات ہوگئی اور اس کا بیٹا عبداللہ برسر اقتدار ہوا۔ ۱۸۱۶ء میں محمد علی کے لے پالک بیٹے ابراہیم پاشا کی قیادت میں ایک لشکر سویز سے روانہ ہوا ۱۸۱۸ء میں ابراہیم پاشا نے نجدیوں کو شکست دے دی۔ امیر عبداللہ کو گرفتار ہو کر قسطنطنیہ بھیج دیا گیا، جہاں اسے سخت اذیت دینے کے بعد قتل کر دیا گیا اور نجدی پایہ تخت کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی۔ اس کے ساتھ ہی نجدی تحریک کی سیاسی طاقت ختم ہوگئی، لیکن اس کی اخلاقی، مذہبی اور سماجی اصلاحات نے عربوں کو دوبارہ کتاب وسنت کی طرف لوٹا دیا۔ اس تحریک کے بین الاقوامی پیمانے پر اثرات مرتب ہوئے۔ افریقہ اور ایشیائی ممالک میں احیائے دین کی متعدد تحریکوں نے جنم لیا۔

سیاست کے ماہرین اور مخالفین کو یہ خوش گمانی تھی کہ نجدیوں کی تحریک ہمیشہ کے لئے پردۂ عدم میں چلی گئی، لیکن رب ذوالجلال کے پراسرار رموز و مصالح کو کون سمجھ سکتا ہے اور پردہ غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے کون جان سکتا ہے؟ تقریباً پون صدی تک کویت کے صحراؤں میں گم نامی کی زندگی گذارنے کے بعد سعودی خاندان کا سورج پھر طلوع ہوا۔ ابتلاء اور آزمائشوں نے انہیں مایوس نہیں کیا۔ ۱۹۰۲ء سے ۱۹۳۲ء تک انہوں نے ایک بار پھر نجد و حجاز پر امیر عبدالعزیز بن عبدالرحمن آل سعود کی قیادت میں اپنے اقتدار کا پرچم لہرایا۔ انہیں پوری دنیا کے خوش عقیدہ وکلمہ گو لوگوں کے غیظ وغضب کا سامنا کرنا پڑا۔ ۱۹۲۶ء میں انہوں نے ایک بین الاقوامی کانفرنس بلائی اور ساری دنیا کے علماء کے سامنے اپنا موقف رکھا۔ مخالفین اپنے رویہ سے آج تک باز نہیں آئے لیکن وہ اپنے اجداد کی طرح آج تک شرک و بدعت کے خلاف جنگ اور کتاب وسنت کی ترویج میں مصروف عمل ہیں۔ اقامت دین کی برکت اور رحمت الٰہی نے انہیں پٹرول کی دولت سے مالا مال کیا۔ باران رحمت کی طرح آج ساری دنیا اس حکومت کے اقتصاد سے فیض اٹھا رہی ہے۔ فریضۂ حج کی ادائیگی کے لئے جو سہولیات اس حکومت نے مہیا کی اور کر رہی ہے شاید اس سے بہتر کا خواب بھی نہیں دیکھا جا سکتا ہے۔ یہ کہنا بے جا نہ

ہوگا کہ وہ خادم الحرمین ہی نہیں اسلام اور اہل اسلام کے پاسبان ہیں۔

شیخ محمد بن عبدالوہاب کی تعلیمات:

نجدی وہابی دیگر مسلمانوں سے کسی چیز میں مختلف نہیں ہیں، صرف اتنا ضرور ہے کہ وہ دین کے بعض بنیادی ارکان پر زیادہ زور دیتے ہیں وہ اسلام کا بنیادی ماخذ صرف قرآن اور احادیث نبوی کو قرار دیتے ہیں، اس کے علاوہ مندرجہ ذیل اصولوں پر سختی سے عمل پیرا ہیں:

۱۔ توحید: وہ توحید کی تینوں قسموں توحید الوہیت، توحید ربوبیت اور توحید فی الاسماء والصفات کو اسی طرح ماننے پر زور دیتے ہیں جس طرح سلف صالحین کا عقیدہ ہے۔ اس سلسلے میں وہ تصوف کے گمراہ کن عقائد کی سختی سے تردید کرتے ہیں۔

۲۔ اجتہاد: وہابی اجتہاد کو صرف چار اماموں میں محصور نہیں مانتے ہیں، خود شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب نے اندھی تقلید کے خلاف متعدد رسالے لکھے۔

۳۔ وہ توسل غیر شرعی کے سخت مخالف ہیں۔ ان کے نزدیک اللہ کی قربت حاصل کرنے کے لئے کسی زندہ یا مردہ شخص کی حاجت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ انسان کی رگ گردن سے زیادہ قریب ہے۔

۴۔ وہ ہر قسم کی بدعت، قبر پرستی، پیروں کی تعظیم میں مبالغہ، شادی بیاہ اور دیگر رسوم میں اسراف کے سخت مخالف ہیں۔

۵۔ جہاد: وہ اقامت دین کے لئے جہاد کو اسلام کی روح سمجھتے ہیں، جہاد کے ذریعہ ہی اسلام کے احکام اور شرعی قوانین کا نفاذ ہو سکتا ہے۔

۶۔ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب اور ان کے متبعین فروع میں حنبلی مسلک پر عمل کرنا پسند کرتے ہیں کیوں کہ تنہا یہی مسلک سلف صالحین کے منہج سے زیادہ قریب ہے۔ اگر کوئی مسئلہ صحیح حدیث کے خلاف ہے تو وہ حدیث پر عمل کرنا زیادہ بہتر سمجھتے ہیں۔

شیخ محمد بن عبدالوہاب کی تصانیف اور ان کا دعوتی اسلوب:

شیخ محمد بن عبدالوہاب کا تصنیفی سرمایہ جس قدر ہے وہ انہیں ایک اچھا مصنف ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔ ان کی بیشتر تصانیف کا تعلق دعوت و تبلیغ سے ہے اور توحید کی وضاحت، شرک و بدعات کی تردید، قبور پرستی، مزار و مشاہد وغیرہ کی حرمت پر مشتمل ہے۔

شیخ کی تصنیفات میں سب سے زیادہ مشہور اور متداول ان کی کتاب ''کتاب التوحید'' ہے۔ اس کتاب کو نجدی تحریک کا منشور کہا جا سکتا ہے۔ اس کتاب میں آپ نے توحید کی حقیقت اس کے حدود، شرک اور اس کی خرابیاں، استعاذہ، استغاثہ، توسل، دعاء، نذر، ذبح، کہانت، سحر فال وغیرہ شرک و بدعات کے بارے میں تفصیل سے بحث کی ہے۔ شیخ کا انداز یہ ہے کہ آپ پہلے باب باندھتے ہیں پھر اس کے تحت قرآنی نصوص اور صحیح احادیث کا ذکر کرتے ہیں، اس کے بعد مسائل کا استنباط کرتے ہیں۔ شیخ اپنی طرف سے بہت کم کہتے ہیں۔ بلا کم و کاست جس طرح قرآن و سنت میں مذکور ہے اسی طرح بیان کر دیتے ہیں۔

اس کتاب کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ بے شمار ایڈیشن اس کے نکل چکے ہیں۔ نجدی دعوت کی روشنی عام کرنے میں اس کتاب کا سب سے اہم کردار رہا ہے۔ اس کے ساتھ ہی عرب و عجم کے مبتدعین کا نشانہ بھی اسی طرح بنی ہے جس طرح تقویۃ الایمان

ہندوستان کے خوش عقیدہ مسلمانوں میں بدنام ہے۔

عمومی طور پر ان کی تمام تصانیف اور خصوصا کتاب التوحید کے طرز اسلوب کے بارے میں مولانا مسعود عالم ندوی کی کتاب ''محمد بن عبدالوہاب ایک مظلوم اور بدنام مصلح'' سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو: ''شیخ کی تحریروں میں متکلمانہ موشگافیاں اور یونانی علوم سے متاثر متاخرین فقہا کی دوراز کار باتیں نہیں ملیں گی۔ وہ ٹھیٹھ محدثانہ طریقہ پر لکھتے ہیں۔ جو بات کہی دوٹوک سیدھے سادے الفاظ میں، کتاب وسنت کے نصوص سے آراستہ وپیراستہ اور بس۔ سچائی اور حقانیت کے پیکر کو ظاہری جمال وآرائش کی کیا ضرورت؟ سچائی اپنے اندر خود ایک نامعلوم کشش رکھتی ہے''۔

ان تصنیفات کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ ان پر یونان اور یونانی علوم کی ہلکی سی پرچھائیں بھی نہیں پڑی۔ ہمارے ہاں ہندوستان کے بڑے سے بڑے مجدددین امت کی کتابیں بھی ''یونانی گورکھ دھندے اور اشراقیت کے اثرات سے پاک نہ رہ سکیں۔ شیخ کا طریقہ بالکل قرآنی ہے اور ان کی دلیلیں جزء وکل سے قرآن وحدیث سے ماخوذ ہوتی ہیں''۔۱۰

دوسری اہم خصوصیت جو انہیں اس دور کے علماء سے ممتاز کرتی ہے وہ یہ کہ وہ تصوف کے گورکھ دھندوں، اس کی اصطلاحات۔ باطنی جلا کے لئے ریاضت کے نایاب طریقے، مراقبے، کشف، سلوک کے منازل اور مراحل، اس کی پیچیدہ اصلاحات سے دامن بچا کر نکل گئے۔ شیخ نے نہ اپنی تحریروں میں اور نہ اپنی دعوت میں اس کی کوئی گنجائش رکھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن وسنت پر مشتمل ان کی سیدھی سادی تحریریں دلوں میں اتر جاتی ہیں۔ ان کے اسلوب کی سادگی نے ان کی باتوں میں وہ تاثیر پیدا کردی اور ان کے خلوص اور دینی تڑپ نے وہ جلوہ دکھایا کہ نجد وحجاز کی دنیا ہی بدل گئی۔

شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب کی تحریک کے مخالفین:

جب سے دنیا وجود میں آئی ہے اور حضرت انسان نے یہاں پر قدم رکھا ہے، حق وباطل کی معرکہ آرائی اسی وقت سے جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گی۔ الہامی کتابیں خصوصاً قرآن کریم اور تاریخ کی کتابوں میں اس کی تفصیل دیکھ سکتے ہیں، شیخ الاسلام کی نجدی تحریک اس اعتبار سے منفرد ہے کہ اسلام کی وہ تعلیمات جس پر گرد کی دبیز تہیں جم چکی تھیں جوں ہی انہوں نے اس گرد کو صاف کرنا شروع کیا عرب وعجم کی اقوام ان پر پل پڑیں۔ ایک طرف مسلم علماء، مسلم حکمراں اور دوسری طرف مغربی اقوام سب نے اکٹھا ان پر یلغار کردیا۔ شیخ کی تحریک کو دنیا کے تمام مسلمانوں سے الگ تھلگ کرنے کے لئے انہوں نے جو ہتھیار استعمال کیا وہ ان کے لئے لفظ وہابیت کا پروپیگنڈہ تھا جسے نجدی تحریک کے لئے ساری دنیا میں رائج کیا گیا۔

اس لفظ کا نجدی تحریک کے لئے سب سے پہلے کس شخص نے استعمال کیا، متعین طور پر سراغ لگانا ذرا مشکل ہے۔ مولانا مسعود عالم ندوی کے نزدیک شیخ الاسلام کی زندگی ہی میں مخالفین نے ان کی تحریک کو وہابیت کا لقب دے دیا۔ انہوں نے اس کی تائید میں ایک مصری معاصر کا ذکر محمد حامد الفقی کے حوالے سے کیا ہے۔ لیکن اتنا طے ہے کہ اٹھارہویں صدی کی پہلی دودہائی میں یہ لفظ مغربی مستشرقین اور مخالفین میں پوری طرح مشہور ہوگیا تھا۔ مولانا ندوی کی تحقیق کے مطابق شیخ الاسلام کی وفات کے بعد برک ہارٹ

۱۸۱۴ء/۱۲۲۹ھ میں محمد علی مصری کے قبضہ کے بعد حجاز آیا تھا اور ۱۸۱۶ء میں اس نے ''وہابیوں سے متعلق یادداشت تیار کی۔ اس نے وہابی کی اصطلاح بار بار استعمال کی ہے۔ اسی کے معاصر مشہور مورخ عبدالرحمن جبرتی (ف ۱۲۳۸ھ) ہیں، ان کے یہاں بھی وہابی کی اصطلاح بکثرت استعمال ہوئی ہے۔ ۱۱؎

کپتان جی ایف سیڈلر جسے حکومت برطانیہ نے ابراہیم پاشا کے پاس مبارکباد دینے کے لئے بھیجا تھا نیز اسے عرب کے نئے حکمرانوں سے ان کے منصوبوں پر گفتگو کرنے کے لئے مامور کیا تھا، تاکہ ان کو خلیج فارس کے سواحل پر قدم جمانے کے لئے کسی نئے عزم سے باز رکھا جائے۔ کپتان سیڈلر نے بھی اپنے سفرنامے میں شیخ کی دعوت کے لئے وہابیت کا لفظ استعمال کیا ہے۔ ۱۲؎

یہ واضح رہے کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب کے بھائی شیخ سلیمان بن عبدالوہاب پہلے شیخ کی تحریک کے مخالف تھے لیکن بعد میں وہ شیخ کی دعوت سے متفق ہو گئے اور تحریک کی اشاعت میں لگ گئے۔ مخالفین عام طور پر ان کی مخالفت کا تو ذکر کرتے ہیں لیکن ان کے تائب ہونے کو قصداً نظر انداز کر جاتے ہیں، شیخ کی مخالفت میں ان کے دو رسالے مشہور ہیں ''**الصواعق الالهية فی الرد علی الوهابية** اور **فصل الخطاب فی الرد علی محمد بن عبدالوهاب**'' رسالوں کی ان کی طرف نسبت کرنا غلط اور مشکوک ہے۔ ۱۳؎

شیخ الاسلام کے مخالفین کو ہم دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ پہلا سیاسی اور دوسرا مذہبی۔ سیاسی مخالفین میں سرفہرست ترکی حکومت، مصری حکومت اور برطانوی استعمار شامل ہیں۔ مذکورہ حکومتوں نے نجدیوں کی سیاسی قوت کو اپنے مقبوضات کے لئے سخت خطرہ محسوس کیا۔ بالآخر تینوں کی متحدہ کوششوں سے ۱۸۱۸ء میں نجدیوں کی حکومت کا خاتمہ کر دیا گیا۔ نجف اور کربلا پر حملے کی وجہ سے ایران کی حکومت بھی سخت ناراض تھی لیکن اسے فوجی کارروائی کا موقع نہیں مل سکا۔ مذہبی مخالفین میں سلمان بن محمد بن سحیم پہلا شخص تھا جس نے شیخ کی زندگی ہی میں باقاعدہ دنیائے اسلام میں مراسلت کے ذریعہ افترا پردازیاں شروع کر دیں۔ اس کے علاوہ احمد بن علی بصری، محمد بن عبدالرحمن ابن عقائق احسائی، عبداللہ بن عیسیٰ مویس، ابن فیروز نے اس مہم میں ابن سحیم کا ہاتھ بٹایا۔ اس کے بعد تو گالیوں، افترا پردازیوں کی بارش کا جو سلسلہ شروع ہوا وہ آج تک جاری ہے۔

دراصل دنیادار علماء اور مبتدعین کا گروہ ایسا ہے جس سے ہر زمانے میں حکمرانوں نے فائدہ اٹھایا۔ باقاعدہ انہیں وظائف اور تحائف دے کر اپنا آلہ کار بنایا۔ سلطان ٹیپو جب انگریزوں کے خلاف برسرپیکار تھا۔ انگریزوں کی شاطرانہ چالوں سے مقابلہ کے لئے ہندوستانی ریاستوں اور اسلامی ممالک میں سفارتیں بھیج کر مدد کے لئے درخواست کرتا رہا۔ ایسے وقت میں انگریزوں نے مرکز خلافت ترکی سے سلطان کے خلاف فتویٰ حاصل کر کے اس کا پرچار کیا۔ وہ چیختا رہا۔ حقائق بتلاتا رہا۔ انگریزوں کے خلاف جہاد کے شرعی دلائل پیش کرتا رہا لیکن فتویٰ اپنا کام کر چکا تھا۔ ۱۴؎ نجدی تحریک کے خلاف بھی استعماری طاقتوں نے مولویوں، صوفیا کو اس مشن پر متعین کر دیا۔ ان سے فتاوے لئے گئے، ہفوات، خرافات اور افترا پردازیوں، دشنام طرازیوں پر مشتمل کتابیں اور رسالے لکھوائے گئے چنانچہ مکہ میں احمد زینی دحلان اور ہندوستان میں فضل رسول بدایونی اس کے سرغنہ تھے، یہ دونوں باقاعدہ حکومت کے وظیفہ خوار تھے۔ اس طرح نجدی تحریک کی مخالف سیاسی طاقتیں اسے مذہبی رنگ دینے میں کامیاب ہو گئیں۔ تحریک کے مخالفین علماء میں ایک طبقہ تو مبتدعین اور قبوریوں اور صوفیا کا تھا، جنہوں نے اسلام کے متوازی ایک اور شریعت گڑھ رکھی تھی اور اسلام کے ہر سچے

پیروکار کو اپنی کفر ساز فیکٹری سے کفر اور ارتداد کا فتویٰ صادر کرنا ان کے لئے معمولی بات تھی، ان کے پاس سوائے گالیوں اور جھوٹی الزام تراشیوں کے کچھ نہ تھا، دوسرا طبقہ ان علماء کا تھا، جنہوں نے سنجیدہ اور ثقہ ہونے کے باوجود، شیخ ان کے آل اور تلامذہ کی تصنیفات کا مطالعہ کئے بغیر سنی سنائی باتوں اور افواہوں پر یقین کر لیا اور نجدی تحریک کو ایک نیا فرقہ قرار دیا اور انہیں اسلام سے خارج کر دیا۔ تیسرا طبقہ ان علماء کا تھا جو کسی طرح کے منصب پر فائز تھے اور ان کی تحریک کو اپنے جاہ و حشم اور منصب کے لئے خطرناک سمجھا۔۱۵ اس کے علاوہ شیعوں نے نجدی تحریک کے خلاف الگ محاذ بنا لیا تھا اس لئے سعودی حکومت نے نجف کربلا سے عقیدے کی نجاست کو صاف کر دیا تھا۔ مخالفین کا اتنے بڑے پیمانے پر اتحاد بہت کم دیکھنے میں آیا ہے۔ ان سب نے مل کر شیخ کی تحریک کو نہایت ہی ہیبت ناک، اسلام کی بدترین دشمن اور ہوّا بنا کر پیش کیا۔

شیخ نے خود اپنے مراسلوں میں تحریک کے عقائد کے متعلق صفائی پیش کی۔ پھر آپ کی اولاد، احفاد، تلامذہ نے یہ ذمہ داری بڑی خوبی سے نبھائی۔ اس سلسلے میں ''مجموعة الهدية السنية و التحفة الو هابية النجدة'' (مرتبہ سلیمان بن سحمان نجدی) میں مرتب نے ایسے پانچ رسالوں کو جمع کر دیا ہے جس میں نجد تحریک کے عقائد اور تعلیمات پر مفصل روشنی ڈالی گئی ہے۔ نیز افترا پردازیوں کا پردہ چاک کیا گیا ہے۔ اردو میں ان رسالوں کا ترجمہ مولانا محمد اسماعیل صاحب غزنوی نے کیا ہے۔ اس کے علاوہ ہندوستان میں علماء اہل حدیث، مصر میں علامہ رشید رضا مصری اور محمد حامد الفقی نے تحریک کا بھرپور دفاع کیا۔ شیخ الاسلام اور ان کی دعوت کے خلاف جو الزام تراشیاں کی گئیں یا انہیں پھر سے اچھالا جا رہا ہے اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں سمجھتا ہوں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس عظیم الشان اسلامی تحریک کے لٹریچر کو زیادہ سے زیادہ عام کیا جائے۔

ہندوستانی وہابیت:

یہ تاریخی حقیقت ہے کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کے مخالفین نے جو عالمی پروپیگنڈہ کیا، اس کی خبریں ہندوستان میں بھی بروقت پہنچیں۔ یہ خبریں پہنچانے والے وہ مبتدعین علماء تھے جو برطانوی سامراج کے آلہ کار بنے ہوئے تھے۔ شیخ نجدی کی تحریک کے بعد اقامت دین اور شرک و بدعات کے خلاف جہاں کہیں کوئی تحریک اٹھی فوراً اس کا تعلق نجد کی تحریک سے جوڑ دیا گیا خواہ وہ لیبیا کی سنوسی تحریک ہو یا طرابلس کی سلفی تحریک ہو یا ہندوستان کی تحریک شہیدین ہو۔

ہندوستان میں وہابیت کا اطلاق مختلف معانی پر ہوتا ہے، غالی حنفی، رضا خانی، قبوری حضرات، ہر اس تحریک یا فرد کو وہابی کہتے ہیں جو توحید کا داعی ہو، قبر پرستی اور شرک و بدعات، جاہلانہ رسوم اور صوفیا کے گمراہ کن عقائد کے خلاف ہو۔ عام دیوبندی اور حنفی حضرات اہل حدیث کو وہابی کہتے ہیں، ان کے نزدیک ہندوستان کی اہل حدیث اور نجدی تحریک کے عقائد میں کوئی فرق نہیں ہے۔ مولانا مسعود عالم ندوی کے نزدیک وہابیت صرف اہل حدیث کے اندر محدود نہیں ہے۔ اہل دیوبند کا ایک اچھا خاصا طبقہ سید احمد شہید کے مسلک پر چلنا اپنے لئے سرمایہ سعادت سمجھتا ہے۔ لہٰذا یہ طبقہ بھی عرف عام میں وہابی کی فہرست میں آتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ''سمجھ دار مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد سید صاحب اور مولانا شہید کے مشرب و مسلک کو عین اسلام تصور کرتی ہے اس لئے وہ بھی وہابی کی فہرست میں آتے ہیں''۔۱۶

۱۸۰۳ء میں امیر عبدالعزیز کے فتح مکہ کے بعد ہی ہندوستان میں بھی افواہیں پہنچ چکی تھیں کہ نجد سے ایک شخص محمد بن عبدالوہاب نجدی عرب میں بے قصور مسلمان، عورتوں، مردوں، بوڑھے اور بچوں کا قتل عام کر رہا ہے۔ مساجد، مزارات اور مقامات مقدسہ کو مسمار کر رہا ہے۔ چنانچہ ۱۸۰۹ء میں بنارس میں ہندو مسلمان میں فساد ہوا تو ہندوؤں نے مسلمانوں کو دھمکی دیا کہ عرب میں خود تمہارے بھائی ایک دوسرے کو مار رہے ہیں، یہاں ہم تمہیں ماریں گے۔ ۱۷؎ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نجدی تحریک کے خلاف پروپیگنڈہ کا اثر پورے ہندوستان پر پڑا تھا۔

نجدی تحریک اور تحریک شہیدین ایک موازنہ:

یقیناً شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب نجدی کی تحریک اور تحریک شہیدین میں بڑی مماثلت ہے اور یہ مماثلت فطری ہے۔ اسی کا فائدہ تحریک شہیدین کے مخالفین نے اٹھایا اور تحریک شہیدین کو وہابی تحریک کا لقب دیدیا۔ اگر چہ یہ بطور تحقیر اور دشنام طرازی تھا اور ہندوستانی مسلمانوں کو یہ باور کرانا تھا کہ نجدی تحریک کی طرح یہ تحریک بھی شیعوں اور روافض کی طرح ایک الگ فرقہ ہے اور دین سے خارج ہے۔ اسی بدنام لقب سے آج بھی تحریک شہیدین کے متبعین یاد کئے جاتے ہیں۔

نجدی تحریک اور تحریک شہیدین دونوں کا سرچشمہ ایک تھا۔ دونوں تحریکیں کتاب وسنت کی داعی تھیں، عرب اور ہندوستان دونوں ملکوں کے مسلمان شرک وبدعات، جاہلانہ رسوم اور تصوف کے گمراہ کن عقائد کو اصل دین سمجھ بیٹھے تھے۔ نجدی تحریک کی تعلیمات اور ہندوستانی وہابیت کا سارا زور کتاب وسنت کی اشاعت اور توحید خالص کی دعوت پر تھا، اس کے ساتھ کچھ ایسے پہلو بھی تھے جہاں دونوں کی راہیں الگ ہوگئی تھیں۔ ہندوستانی وہابیت کا نمایاں پہلو اس کا قومی شعور اور سیاسی نظریہ تھا۔ ہندوستان پر سات سمندر پار سے آنے والی سفید فام قوم نے تسلط جمالیا تھا جب کہ عرب کی صورت حال قطعی مختلف تھی۔ وہاں مقابلے پر مسلمان تھے، یہی وجہ ہے کہ نجدی تحریک صرف سماجی اور مذہبی اصلاح تک محدود تھی۔ شیخ محمد بن عبدالوہاب کو امیر محمد بن سعود کی صورت میں ایک سرپرست اور سیاسی قائد مل گیا تھا، جس کی وجہ سے انہوں نے اپنی جدوجہد کے ثمرات خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ دوسری طرف سید احمد بریلوی اور مولانا اسماعیل شہید نے سماجی اور مذہبی اصلاحات کے ساتھ اپنے لئے ایک مقصد اعلیٰ منتخب کرلیا یعنی انگریزوں کو ملک سے باہر نکالنا۔ وہ اقتدار کے طالب نہ تھے، لیکن غیروں کا تسلط انہیں گوارہ نہ تھا۔

شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب کی کتاب ''کتاب التوحید'' اور مولانا اسماعیل صاحب کی ''تقویۃ الایمان'' کے اسلوب میں کافی فرق ہے۔ شیخ الاسلام اپنی طرف سے بہت کم کہتے ہیں۔ نصوص قرآن اور احادیث کی ترتیب سے ان کی مطابقت اور مسائل کا استنباط ایسا انداز ہے جس سے صرف تعلیم یافتہ لوگ ہی مکمل طور سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ دوسری طرف تقویۃ الایمان کے مخاطب کم پڑھے لکھے عوام ہیں۔ توحید اور شرک کے متعلق مسائل کو شاہ صاحب نے نہایت سادہ انداز میں بیان کیا ہے۔ آپ معاشرہ میں رائج ایک ایک رسم کا ذکر کرتے ہیں اور اس کی شرعی حیثیت واضح کرتے ہیں۔ دونوں تحریکوں میں مماثلت محض مشترک مآخذ اور یکساں حالات کی وجہ سے تھی۔ اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ ہندوستانی وہابی تحریک اور نجدی تحریک ایک ہیں یا سید احمد بریلوی نے نجدی تحریک کے اثر سے

ہندوستان میں اپنی تحریک چلائی یہ محض بے بنیاد اور من گھڑت کہانی اور صرف تاریخ سازی ہے۔

تحریک شہیدین کے سیرت نگاروں کا متفقہ فیصلہ ہے کہ ہندوستان کی وہابیت کا نجد تحریک سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ دراصل یہ اپج شاطران فرنگ کی ہے جنہوں نے مسلمانوں میں تفریق ڈالنے اور تحریک شہیدین کو ان سے الگ کرنے کے لئے انہیں وہابی کہہ کر بدنام کیا۔ سب سے پہلے بدنام زمانہ مصنف ڈبلیو۔ ڈبلیو ہنٹر نے جسے ہندوستانی وہابیت کا اکسپرٹ سمجھا جاتا ہے یہ شوشہ چھوڑا کہ سید احمد بریلوی نجدی وہابیوں کا نظریہ لے کر ہندوستان آئے اور اسے ہندوستان میں پھیلانا شروع کر دیا۔ وہ لکھتا ہے: ''سید صاحب مکہ ہی میں تھے تو حکومت کے علم میں یہ بات لائی گئی کہ سید صاحب کے عقائد بھی ان صحرائی بدوؤں کی جماعت کے مطابق ہیں، جن کی وجہ سے مقدس مقامات میں ایسے ایسے نقصانات اٹھانا پڑا۔ لہٰذا مکہ معظّمہ میں ان کی اعلانیہ بے عزتی کی گئی اور خارج البلد کر دیا گیا، اس سزا کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب وہ ہندوستان واپس آئے تو مشرکانہ بدعت کے مصلح اور محض خبطی نہ تھے بلکہ عبدالوہاب کے پکے مرید تھے، پہلے جو چیز ان کی نظر میں محض خواب وخیال تھی اب وہ ان کی حقیقی روشنی میں نظر آنے لگی۔'' ۱۸۔

تاریخی حقائق ہمیں بتلاتے ہیں سید احمد بریلوی اور ان کے رفقاء نے ۱۸۲۲ء میں فریضہ حج کی ادائیگی کی اس وقت مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں وہابیت کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ وہابی مبلغین سے ان کی ملاقات کا کوئی سراغ نہیں ملتا ہے، نیز وہ اور ان کے رفقا نے ارکان حج نہایت اطمینان کے ساتھ ادا کیا۔ ہنٹر کو یہ تک معلوم نہیں کہ جس شخص کا وہ ذکر کر رہا ہے اس کا نام محمد بن عبدالوہاب ہے نہ کہ عبدالوہاب۔

سید احمد بریلوی کا قافلہ اگست ۱۸۲۱ء میں حج کے لئے روانہ ہوا۔ مئی ۱۸۲۲ء میں مکہ پہنچا، پانچ ماہ مکہ میں قیام کیا اور ایک ماہ مدینہ میں۔ مکہ اور مدینہ میں قیام کے دوران علماء اور حکام آپ سے نہایت عزت واحترام سے پیش آئے۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی سیرت سید احمد شہید میں لکھتے ہیں: ''آپ سے بیعت کرنے والوں میں حنفی مصلی کے امام شیخ مصطفی، خواجہ الماس ہندی اور بعض دوسرے خواجہ سرا، شیخ شمس الدین شطا، احمد پاشا سلطان مصر کے نائب، شیخ حسن آفندی جیسے فضلاء اور عمائد تھے''۔ ۱۹۔ شیخ حسن آفندی کے لئے مولانا شاہ اسماعیل شہید نے ''صراط مستقیم'' کا عربی میں ترجمہ کیا۔ علماء مکہ میں شیخ عبداللہ سراج، سید محمد مغربی، حافظ بخاری مع قسطلانی، شیخ حمزہ محدث، شیخ احمد بن ادریس، محمد علی ہندی، ملا بخاری، امام شیخ صالح شافعی، حنفی مفتی اور واعظ شیخ علی سے برابر ملاقاتیں رہتی تھیں۔ مدینہ کے سفر کے لئے احمد پاشا حاکم مکہ کے ذریعہ ۱۲۰/اونٹ آپ نے کرایہ پر لیا۔ ۱۹۔

ہرلن او پیرسن لکھتا ہے:

"Although the militant wahhabis were not in control of Hijaz at that time, the Indian Mohammadi were undoubteldy aware of theirsimilarmovement for reform. The Indian Mohammadi had no apparent connection with the Arabian Whhabi movement" (20)

(جب سید احمد بریلوی فریضہ حج کی ادائیگی کے لئے گئے) اس وقت حجاز پر وہابی مجاہدین کا کوئی تسلط نہیں تھا۔ اگرچہ ہندوستانی محمدیوں (وہابیوں) کو ان کی تحریک کے مثل ایک اصلاحی تحریک (نجدی تحریک) کا علم تھا، لیکن ہندوستانی محمدی کا عربی وہابیوں سے

کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں تھا۔اسی صفحہ میں آگے وہ لکھتا ہے کہ ''کوئی ایسا واضح ثبوت نہیں ملتا ہے کہ سید احمد بریلوی نے حج سے قبل جہاد کی تبلیغ کی تھی یا اسلام کے مقدس شہروں میں انہیں اس قسم کا کوئی تجربہ ہوا تھا''۔مذکورہ بالا سطور سے آئینے کی طرح صاف ہوجاتا ہے کہ نہ ہی تحریک شہیدین کا نجد کی تحریک سے کوئی رابطہ تھا اور نہ اس سے سید احمد بریلوی متاثر تھے۔ہنٹر کی طرح اسلام کا بدترین دشمن گستاخ رسول مارگولیوتھ نے انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں وہابیت کے موضوع پر تاریخی و تصنیفی اغلاط کا مرقع پیش کیا ہے۔وہ مولانا اسماعیل کو سید صاحب کا بھانجا بھتیجا اور ''صراط مستقیم'' کو وہابیہ ہند کا قرآن کہتا ہے۔۲۱۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ہندوستانی وہابیوں کو انگریزی حکومت Fanatic یعنی مذہبی جنونی اور باغی کے نام سے یاد کرتی تھی۔

ہندوستان میں وہابیت کے استعمال اور نجدی وہابی سے ان کے تعلق کے بارے میں سب سے پہلے نواب سید صدیق حسن رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی متعدد تصانیف میں کہیں مفصل اور کہیں ضمناً بحث کی ہے۔آپ نے حجج الکرامۃ فی آثار القیامۃ (فارسی مطبوعہ ۱۲۹۱ھ)، ہدایۃ السائل الی ادلۃ المسائل (مطبوعہ ۱۲۹۸ھ)، اتحاف النبلاء (فارسی مطبوعہ ۱۲۸۶ھ)، التاج المکلل (مطبوعہ ۱۲۹۸ھ اور ترجمان وہابیہ (مطبوعہ ۱۳۰۰ھ مطابق ۱۸۸۴ء میں بحث کی ہے، جس سے نجدی تحریک کے بارے میں اور وہابی تحریک سے اس کے تعلق کے بارے میں کھل کر ان کا موقف سامنے آتا ہے۔ان کے نزدیک نجدی وہابی تحریک اور ہندوستان کی وہابی تحریک دو الگ اور مختلف تحریکیں ہیں، دونوں کا ایک دوسرے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔نجدی تحریک فروع میں امام احمد بن حنبل کے مقلد تھے، جب کہ ہندوستانی وہابیوں کا تقلید سے کوئی رشتہ نہیں وہ براہ راست کتاب وسنت سے مسائل کا استنباط کرتے ہیں۔آپ نے نجدی تحریک کی نہ مذمت کی ہے اور نہ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب کی تکفیر وتحقیر کی ہے۔آپ کی تحریروں کے اسلوب سے واضح ہے کہ آپ نے صرف ان کی تحریک سے برأت کا اظہار کیا ہے اور یہ تاریخی حقیقت ہے اور اسے کوئی جھٹلا نہیں سکتا کہ مماثلت کے باوجود دونوں تحریکوں کے قیام کے عوامل ومحرکات اور ماحول میں بھی کافی فرق ہے ۲۲۔ نواب صاحب ہی نے یہ انکشاف کیا کہ ہندستانی وہابی تحریک کو وہابیت کا لقب دینے والا پہلا شخص مولوی فضل رسول بدایونی ف ۱۸۷۲ء ہے۔۲۳۔

اہل حدیث اور وہابی:

کیا اہل حدیث اور وہابی (ہندوستانی وہابی) ایک ہی جماعت کے دو نام ہیں یا یہ دو الگ الگ جماعتیں ہیں؟ اس سوال کا جواب معلوم کرنے کے لئے ہمیں تحریک شہیدین کے پس منظر میں جانا ہوگا۔

تحریک شہیدین کے بانی سید احمد بریلوی کی تربیت خانوادہ ولی اللہی میں ہوئی تھی۔ان کی تمام سرگرمیوں اور افکار پر ولی اللہی فکر کی چھاپ واضح طور پر دکھلائی پڑتی ہے، سید احمد بریلوی کے افکار کا سرچشمہ شاہ ولی اللہ کی تصنیفات ہیں۔شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ سلطنت مغلیہ کے زوال اور طوائف الملوکی کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔مسلمانوں کی عظمت رفتہ کو واپس لانے کے لئے انہوں نے عملی کوشش بھی کی، ان کی عملی سرگرمیوں کی پوری تفصیل ہم ان کے مکتوبات میں دیکھ سکتے ہیں، ان کے عہد میں لوگ شریعت سے زیادہ طریقت کے قائل تھے۔عوام تصوف کے توہمات اور بدعقیدگی کے شکار تھے۔شاہ صاحب خود اس راہ کے سالک تھے

اور وحدت الوجود اور وحدت الشہود کی تطبیق سے ایک نیا صوفی طریقہ ایجاد کرنے میں مصروف تھے۔

۱۷۳۲ء میں آپ حجاز تشریف لے گئے، آپ نے وہاں چودہ ماہ قیام کیا اور شیخ ابوطاہر محمد بن ابراہیم الکردی سے علم حدیث کی تحصیل کی۔ ۲۴؎ شاہ صاحب کو گویا ایک نئی روشنی مل گئی جس کا تذکرہ آپ نے بار بار ''فیوض الحرمین'' میں کیا ہے۔ واپسی کے بعد آپ تصنیف وتالیف اور احیائے دین کے لئے خاکہ بنانے میں مصروف ہوگئے۔ آپ نے اپنی تصانیف میں قرآن اور سنت کو اسلام کا اصل سرچشمہ بنانے پر خاص زور دیا۔ تقلید، اصحاب الرائے اور اصحاب الحدیث کے فرق اور محرکات پر روشنی ڈالی اور اس سلسلے میں اپنے موقف کو واضح کیا۔ آپ کا مقصد یہ تھا کہ علماء فقہ کی موشگافیوں، تصوف کی پیچیدگیوں، تفریعی مسائل اور مفروضات میں الجھنے کے بجائے اسلام کے اصل مآخذ کتاب وسنت کو سمجھنے کی طرف مائل ہوں، حجۃ اللہ البالغہ، المسوی، المصفی، عقد الجید اور الانصاف فی بیان سبب الاختلاف میں ان تفاصیل کو ملاحظہ کیا جاسکتا ہے، آپ نے صرف اسی پر بس نہیں کیا بلکہ احیائے دین کے لئے ضروری سمجھا کہ اجتہاد کا وہ دروازہ جسے فقہانے بند کردیا تھا اسے دوبارہ کھولا جائے۔ قرآن مجید کو براہ راست سمجھنے کے لئے فارسی زبان میں اس کا ترجمہ کیا۔ اس طرح آپ نے احیائے دین کے لئے ایک مکمل فکری نظام ترتیب دے دیا۔ شاہ صاحب کی یہی تجدیدی کوششیں تحریک شہیدین کی بنیاد ہیں۔

شاہ صاحب کے صاحب زادوں نے آپ کی فکر کی تجلیات کو اپنے اندر جذب کرلیا۔ آپ کے صاحب زادے شاہ رفیع الدین ف ۱۲۲۳ھ/ ۱۸۱۸ء اور شاہ عبدالقادر ف ۱۲۲۸ھ/ ۱۸۲۳ء نے اردو میں قرآن مجید کا ترجمہ کیا۔ ۱۵؎ اور شاہ عبدالعزیز ف ۱۲۳۹ھ/ ۱۸۲۴ء نے ایک بے حد دلیرانہ قدم اٹھایا اور ہندوستان کو دارالحرب ہونے کا فتویٰ دے دیا۔ آپ کا یہ فتوی اس قدر مشہور ہے کہ اسے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ۲۶؎ اگرچہ اس وقت کوئی ایسی مسلم سیاسی قوت نہیں تھی جو اس فتویٰ کے نفاذ کے لئے عملی اقدام کرتی، لیکن آگے چل کر یہی فتوی انگریزوں کے خلاف سید احمد بریلوی کی قیادت میں منظم جدوجہد کی بنیاد بنا۔

سید احمد بریلوی نے اپنی اصلاحی مہم کا آغاز ۱۸۱۷ء میں کردیا۔ اسی وقت آپ نے انگریزوں کے خلاف جہاد کا عزم کرلیا۔ خوش قسمتی سے ایک ایسے عالم نے آپ سے بیعت کی، جس کی شہرت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی جو ولی اللہی خاندان کا چشم وچراغ تھا۔ یعنی شاہ اسماعیل شہیدؒ نے تحریک کو سند جواز اور مقبولیت عطا کی اور مولانا شاہ صاحب کی صورت میں تحریک کو ایک ترجمان، خطیب اور معلم مل گیا جس کے ذمہ عقیدت مندوں کی دینی تعلیم وتربیت تھی۔

تحریک کا نصب العین:

سید احمد بریلوی کی تحریک کے مقاصد کو محدود کرنا انصاف کے خلاف ہے۔ اعلاء کلمۃ اللہ اور احیاء سنت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم سید صاحب کے اہم مقاصد تھے، اس کے ساتھ ہی وہ ''استخلاص بلاد المسلمین از دست کفر متمردہ کے داعی تھے۔ ۲۷؎ آپ کے نزدیک مسلمانوں کی تمام مصیبتوں اور زوال کا اصل سبب یہ تھا کہ وہ اسلام کے صراط مستقیم سے ہٹ چکے تھے اور روح جہاد سے خالی ہوچکے تھے۔ آپ ہندوستان کو مسلمانوں کے قبضہ سے نکالنے میں انگریزوں کو سب سے بڑا ذمہ دار سمجھتے تھے، اس کا ثبوت آپ کے وہ

مکاتیب ہیں جنہیں آپ نے مختلف سرکردہ لوگوں کو لکھا۔ آپ نے انگریزوں کے علاوہ کسی بھی دوسرے غیر مسلم کو اس خطرناک رنگ میں پیش نہیں کیا، شاہ بخارا کو ایک خط لکھتے ہیں: ''جو فرنگی ہندوستان پر قابض ہوئے ہیں وہ بے حد تجربہ کار، ہوشیار، حیلہ باز اور مکار ہیں۔ اگر اہل خراسان (افغانستان) پر چڑھائی کر دیں تو سہولت سے ان کے ملک پر قابض ہو جائیں گے۔ پھر ان کی حکومت کی حدیں آپ کی حکومت سے مل جائیں گی۔ دار الحرب اور دار السلام کے اطراف متحد ہو جائیں گے۔''۲۸۔

سید احمد بریلوی کی تحریک کا پہلا دوران کی شہادت (۱۸۳۱ء) کے بعد ختم ہو گیا۔ اس دوران ساری جنگیں اور جھڑپیں صرف سکھوں سے ہوئیں۔ اسی بناء پر بہت سے مصنفین نے یہ رائے قائم کر لی کہ آپ کے حریف صرف سکھ تھے، یہ دراصل ایک مغالطہ ہے ورنہ حقیقت یہی ہے کہ آپ کا مقصد صرف انگریزوں سے لڑنا تھا، سکھ تو درمیان میں اتفاقاً آپ کی راہ رکاوٹ بن گئے۔ اگر صرف سکھ سے جنگ آپ کا مقصد تھا تو ۱۸۴۵ء میں سکھوں کے زوال کے بعد سکھوں سے جہاد کا یہ سلسلہ ختم ہو جانا چاہیے لیکن ایسا نہیں ہوا۔ علماء صادق پور کی قیادت میں انگریزوں کے خلاف جنگوں کا سلسلہ جاری رہا۔

جہاد کا سلسلہ انگریزوں کے بجائے سکھوں کی طرف پھیرنے کا کارنامہ سب سے پہلے سرسید نے انجام دیا۔ سرسید نے ولیم ہنٹر کی کتاب ہمارے ہندوستانی مسلمان کا جواب بروقت لکھا۔ ہنٹر نے تحریک کے بارے میں جو زہر افشانی کی ہے اس سے اہل علم واقف ہیں۔ اس کے جواب میں سرسید نے لکھا کہ سید صاحب صرف سکھوں سے لڑنا چاہتے تھے اور انگریزوں کے ساتھ جنگ سے اظہار برأت کر دیا تھا۔ مولانا جعفر تھانیسری نے ایک قدم اور آگے بڑھایا اور تواریخ عجیبہ میں سید احمد بریلوی کے مکتوبات میں تحریف کر دی۔ تحریک کا قد چھوٹا کرنیوالے مصنفین آج تک اس کا فائدہ اٹھا رہے ہیں چنانچہ موجودہ دور کا انگریز مصنف ہرلن او پیرسن ساری کتابوں اور سرکاری دستاویزات کے مطالعہ کے بعد بھی یہی راگ الاپ رہا ہے کہ تحریک شہیدین کا جہاد صرف سکھوں کے خلاف تھا۔ انگریز سے جو بھی جھڑپیں ہوئیں یا انگریزوں کے خلاف جہاد کا جو نعرہ لگایا گیا یہ دراصل مسلمانوں کو خواب غفلت سے بیدار کرنے کے لئے اور ان کو متحد کرنے کے لئے ایک علامتی اقدام تھا اور تحریک کی ایک سیاسی چوک تھی۔ اس نے سارے حقائق کو نظر انداز کر کے اپنے نقطہ نظر کے مطابق سرسید کے موقف کو اپنایا۔ سرسید کی نیت بظاہر وہابیوں کو انگریزی سرکار کے عتاب سے بچانا تھا۔ لیکن بعد کے مصنفین نے اس نکتۂ نظر کو اپنے مفاد کے لئے استعمال کیا، مگر اب حقائق سامنے آ چکے ہیں اور یہ ثابت ہو گیا ہے کہ تحریک شہیدین کے اصل حریف انگریز تھے نہ کہ سکھ۔

صراط مستقیم اور تقویۃ الایمان:

صراط مستقیم تحریک شہیدین کی پہلی کتاب ہے جو شائع ہوئی۔ یہ کتاب دراصل سید احمد بریلوی کے ملفوظات کا مجموعہ ہے اور اسے قلم بند کرنے والے آپ کے سب سے قریبی رفیق مولانا شاہ اسماعیل شہید اور مولوی عبدالحئی بڈھانوی تھے۔ سید صاحب نے اس پر بار بار نظر ثانی کی۔ مولانا غلام رسول مہر صراط مستقیم کے بارے میں لکھتے ہیں: ''صراط مستقیم کی تسوید قیام دہلی کے دوران میں شروع ہو گئی تھی، جس کے کچھ اجزاء شاہ اسماعیل نے لکھے، باقی مولانا عبدالحئی نے مرتب کئے، سید صاحب مضمون بتا دیتے، شاہ صاحب یا

مولانا اس مضمون کو اپنے لفظوں میں لکھتے، روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض مطالب میں پانچ پانچ مرتبہ ترمیمیں کرنی پڑیں۔ مولانا اور شاہ صاحب جو کچھ لکھ کر لاتے سید صاحب اگر درست نہ سمجھتے تو اسقام واضح کر دیتے۔۔۔۔۔۔۔۔۲۹؎

غالباً رائے بریلی میں یہ کتاب پایہ تکمیل کو پہنچی، ۳۰؎ اور ۱۸۲۳ء میں کلکتہ میں شائع ہوئی اس وقت سید صاحب کا قافلہ حج کی ادائیگی میں مصروف تھا۔ صراط مستقیم کا دوسرا اور تیسرا باب بے حد اہم ہے۔ صراط مستقیم اور تقویۃ الایمان کو ہم تحریک شہیدین کا منشور کہہ سکتے ہیں۔ صراط مستقیم کی ایک عبارت کا اردو ترجمہ ملاحظہ فرمائیں: ''اعمال میں ان چاروں مذہبوں کی متابعت جو تمام اہل حدیث اسلام میں مروج ہیں بہت عمدہ ہیں لیکن پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کو ایک شخص کے علم میں منحصر نہ جاننا چاہیے بلکہ آپ کا علم تمام جہاں میں پھیلا ہوا ہے اور مقتضائے وقت کے موافق ہر کسی کو پہنچا ہے اور جس وقت سے کتابیں تصنیف ہوئی ہیں ان علموں کی جمعیت ظاہر ہو گئی ہے، بس جس مسئلہ میں صحیح صریح غیر منسوخ حدیث مل جائے اس میں کسی مجتہد کی متابعت نہ کرے اور اہل حدیث کو اپنا پیشوا جان کر دل سے ان کی محبت کرے اور ان کی تعظیم کو اپنے ذمے لازم سمجھے کیوں کہ وہ بزرگوار پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے علم اٹھانے والے ہیں اور ایک طرح سے آپ کی مصاحبت حاصل کر کے آپ کے مقبول ہو گئے اور مقلد لوگ تو مجتہدوں کی تعظیم اور توقیر سے پورے واقف ہیں، وہ اس بات کی آگاہی کے محتاج نہیں'' ۳۱؎ اصولی طور پر اہل حدیث کا یہی مذہب ہے۔ اس کی مزید وضاحت ہمیں مولانا شاہ اسماعیل شہید اور مولانا ولایت علی کی تصنیف ''عمل بالحدیث'' میں ملتی ہے۔

صراط مستقیم کے دوسرے باب میں شرک و بدعت کی زبردست تردید ہے۔ ہندوستانی وہابی تحریک کی دوسری اہم کتاب تقویۃ الایمان ہے۔ مولانا اسماعیل شہید نے تقویۃ الایمان بنیادی طور سے عربی میں لکھی تھی بعد میں اس کا اردو زبان میں ترجمہ کیا۔ تقویۃ الایمان پہلی بار غالباً ۱۲۴۳ھ / ۲۷-۱۸۲۶ میں شائع ہوئی۔ اس کا انگریزی ترجمہ میر شہامت علی نے ۱۸۵۲ء میں کیا۔ انہیں دنوں فارسی زبان میں ترجمہ ہوا۔

وہابی تحریک کی پہلی کتاب ہے جس کے مخاطب عوام ہیں اور اس میں توحید خالص اور تمام گمراہ کن عقائد مثلاً علم غیب، شفاعت اور شرک کے مختلف مباحث کو کھل کر بیان کیا گیا ہے اور ہر موضوع کے بارے میں نصوص پیش کئے گئے۔ شاہ صاحب نے تقویۃ الایمان میں ہندوستان میں مروجہ شرک و بدعات اور رسوم کی جارحانہ انداز میں تردید کی ہے اور اس سلسلے میں کسی بھی تنقید کی پرواہ نہیں کی۔ تقویۃ الایمان کے بے شمار ایڈیشن نکل چکے ہیں مخالفین کے لئے یہ کتاب سوط الرحمن ہے یہی وجہ ہے کہ تقویۃ الایمان سے زیادہ شاید ہی کوئی کتاب ہدف تنقید بنی ہو۔ خود شاہ صاحب کی حیات میں سید بغدادی نے انداز بیان پر تنقید کی تو شاہ صاحب نے انہیں ایک مراسلہ کی شکل میں باقاعدہ وضاحت نامہ بھیجا جو تقویۃ الایمان کے کچھ ایڈیشنوں میں شامل کر لیا گیا ہے۔ اس کے بعد تو فضل رسول بدایونی سے رضا خاں بریلوی اور نعیم الدین مراد آبادی تک تقویۃ الایمان کے خلاف لٹریچر کا انبار لگا دیا گیا، جس کے جوابات علماء اہل حدیث نے بروقت دیئے۔ تقویۃ الایمان کا اسلوب عوامی ہے اس کی مقبولیت کا یہی سب سے بڑا سبب ہے۔ بڑے سے بڑے مسئلہ کو نہایت سادہ انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ وہابی تحریک کی تیسری اہم کتاب مولانا خرم علی بلہوری کی نصیحۃ المسلمین ہے جسے

آپ نے ۱۲۳۸ھ ۲۴۔ ۱۸۲۳ء میں تحریر کیا۔ کتاب کے تعارف میں مولوی خرم علی ہندی زبان میں تصنیف کا مقصد بتلاتے ہیں کہ ان کے دل میں یہ خیال آیا کہ انہیں شرک کے ضعف کا ثبوت قرآن شریف سے دینا چاہیے اور اس کے متعلق قرآنی آیات کا ترجمہ ہندی میں کرنا چاہیے تاکہ ہر شخص اس سے فائدہ اٹھائے۔

ہندوستانی وہابی تحریک نے تبلیغ اوردعوت کا اسلوب انتہائی سائنٹفک انداز میں اپنایا، انہوں نے تعلیم یافتہ اور خواص کے لئے فارسی زبان میں لکھا اور عوام کے لئے انتہائی سادہ اردو میں کتابیں اور رسالے لکھے۔ خاص بات یہ ہے کہ ان سب میں دلائل صرف قرآن اور احادیث سے دیے گئے ہیں اور تقلید کا اسلوب بالکل ترک کر دیا گیا ہے اس کے باوجود اس تحریک میں ایسے لوگ بھی شامل تھے جو ایک خاص مسلک کے مقلد تھے، لیکن ان کے ذہن عصبیت کے جراثیم سے پاک تھے وہ جذبہ جہاد سے سرشار تھے، اور سید احمد بریلوی کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے، کبھی بحث ومباحثہ اور نزاع کا وقت آیا تو آپ کے فیض یافتہ اور تربیت یافتہ افراد نے خواہ وہ مقلد ہوں یا غیر مقلد اپنا دامن بچالیا، چنانچہ مولانا ولایت علی سے غازی پور کے ایک حنفی عالم نے مناظرہ کرنا چاہا تو آپ نے تنہائی میں اس سے کہا کہ کیا امام ابوحنیفہ کا یہ قول نہیں ہے ''اتر کوا قولی بخبر الرسول'' اس نے اعتراف کیا تو مولانا نے جوابدیا کہ بھائی صحیح حدیث پر عمل کر کے کیا ہم امام حنیفہ کے حکم کی پیروی نہیں کر رہے ہیں، اس عالم نے اعلان کیا کہ بھائی یہ لوگ تو سچے حنفی ہیں''۔ ۳۲۔

وہابی تحریک میں بعض ایسے لوگ ضرور شامل ہوئے جن کی عصبیت اور شہرت واقتدار کی خواہش سید احمد بریلوی کی مرافقت ومشایعت اور اصول وتعلیمات کو برداشت نہ کر سکی اور وہ تحریک سے الگ ہو کر اسے نقصان پہنچانے پر تل گئے، بعضے تو مادی فائدہ کے لئے انگریزوں کے خیر خواہ بن گئے اور مجاہدین کے خلاف انگریزوں کی ایما پر فتاوے صادر کرنے لگے، ہنٹر نے اپنی کتاب ''ہندوستانی مسلمان'' میں ایسے متعدد لوگوں کا ذکر کیا ہے جنھوں نے ان کی بہی خواہی اور وفاداری کو جزء ایمان قرار دیا ہے، ان میں ایک بڑا نام مولوی کرامت علی کا ہے جو کافی عرصہ تک تحریک کے ہمنوار ہے۔

ہندوستانی وہابی تحریک اور تصوف:

وہابی تحریک کا گہرائی سے مطالعہ کرنے پر یہ حیرت انگیز انکشاف ہوتا ہے کہ وہابی تحریک کی سارے اصول منہج سلف کے عین مطابق ہیں، لیکن طریقت کی وہ شاخیں جن سے بدعات وخرافات کی کونپیں پھوٹیں، وہی طریقت وہابی تحریک کے اصول میں اس طرح پیوست ہیں کہ اسے علاحدہ کرنا ذرا مشکل ہے۔ ایسا کیوں ہے؟ اس سوال کے جواب کے لئے ہمیں اس ماحول کو سمجھنا ہوگا جس میں وہابی تحریک کی نشوونما ہوئی۔

صوفیا نے عام طور سے اسلامی تعلیمات کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جسے وہ طریقت اور شریعت سے تعبیر کرتے ہیں، روح اور نفس کی تطہیر اور تزکیہ کے لئے اسلام نے جو تعلیمات دی ہیں اسے طریقت میں شامل کر دیا جیسے صبر وتوکل حلم وغیرہ یا وہ چیزیں جسے اسلام نے احسان کا نام دیا ہے۔ اس کے علاوہ بقیہ اصولوں کو شریعت سے متعلق کر دیا۔ تصوف نے اپنے ارتقا کے دوران دوسرے مذاہب کے عقائد اور یونانی فلسفوں کو طریقت کا جز بنا دیا، اس طرح اس نے اسلام کے متوازی ایک نظام اور قائم کرلیا۔ اس میں چند ہی طریقے اسلامی تعلیمات سے میل کھاتے تھے بقیہ سب گمراہی اور الحاد کی راہ پر گامزن ہوئے، ہندوستان میں اسلام کی تبلیغ میں ان

حضرات کے کردار کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ہے جنہیں عوام نے صوفیا کا نام دیا۔ شاہ ولی اللہ کے دور تک ہندوستان پر تصوف کی حکمرانی تھی۔ خود شاہ صاحب ایک زمانہ تک تصوف کے دو بڑے نظریوں کی تطبیق میں مصروف رہے۔ ان کے دور میں مکاشفہ، مراقبہ اور جذب کو معرفت الٰہی کا واحد طریقہ سمجھا جاتا تھا۔ ارکان اسلام کو پس پشت ڈال دیا گیا تھا۔ سید احمد بریلوی خود ایک مشہور صوفی خاندان سے تھے اور تصوف کے مراحل طے کر چکے تھے، خود شاہ اسماعیل شہید جنہوں نے سب سے پہلے منہج سلف کو اعلانیہ بیان کیا وہ بھی اپنے دادا کے طریق کو نہ بدل سکے، جن لوگوں نے وہابی تحریک کی مکمل حمایت کی ان میں سے بیشتر نے سید صاحب کو پیر سمجھ کر ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ وہابی تحریک کے تینوں بڑے رہنماؤں نے تصوف کا وہ حصہ جو اسلامی تعلیمات سے میل کھاتا تھا اور اس کے سلسلوں کو نہ صرف من وعن قبول کیا بلکہ اس کے مباحث کو اپنی کتابوں میں جگہ دی۔ چنانچہ مولانا اسماعیل شہید کی عبقات اسی موضوع پر ہے نیز صراط مستقیم کا پہلا اور آخری باب دیکھا جاسکتا ہے۔

مولانا غلام رسول مہر رقمطراز ہیں: ''ایک مرتبہ مولانا شاہ اسماعیل شہید نے پرانے زمانے کے مشاغل کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ''ہم پر بھی ایک زمانہ گزرا ہے کہ ہر ایک اللہ جل جلالہ کے ذکر میں مدہوش تھا، یہاں تک کہ کھانے اور لباس کا بھی کسی کو خیال نہ تھا اور نہ کسی اور شغل میں لذت محسوس ہوتی تھی۔'' ۳۳؎

کیا سید احمد بریلوی اور ان کے رفقا جن کے علم کا ہر شخص کو اعتراف ہے تصوف کی تباہ کاریوں سے ناواقف تھے اور کیا انہیں پتہ نہیں تھا کہ شرک وبدعات کی ساری کھڑکیاں بند کردی جائیں اور دروازہ کھلا رکھا جائے تو اس کا خاتمہ کس طرح ہوگا؟ کیا امت مسلمہ کو اس نشہ سے آزاد کرائے بغیر کتاب وسنت کی صحیح تعلیمات کی اشاعت ہوسکتی تھی؟ کیا اسلام میں تصوف کا کوئی تصور موجود ہے؟ ان سب کا جواب ہمیں ان کے عمل وکردار اور دعوت کے طریقہ کار سے مل جائے گا۔

یہ بات درست ہے کہ وہ اس راہ کے مسافر تھے، منہ سے لگی ہوئی کافر کا چھوٹنا آسان نہ تھا۔ سید احمد بریلوی اور مولانا نے بڑی ہنرمندی اور چابکدستی سے اس سیلاب بلاخیز پر باندھ باندھا۔ آپ نے اپنے مشن کو تصوف کی پیچیدہ اصطلاحات کے پردے میں اس لیے بیان کیا تاکہ تعلیم یافتہ حضرات کے ذہنوں کو وحشت نہ محسوس ہو۔ تصوف کے وہ حصے جو الحاد اور بے دینی پر مشتمل تھے ان کی تردید نہایت جارحانہ انداز میں کی۔ جعلی صوفیا اور ایسے پیروں، فقیروں، درویشوں اور مجذوبوں کی قلعی کھولی جو سادہ لوح عوام کو دام فریب میں پھنسائے ہوئے تھے۔ چنانچہ صراط مستقیم اور تقویۃ الایمان میں ان کا یہ انداز صاف طور سے نظر آتا ہے۔ روح جہاد کے بیدار کرنے کو سید صاحب نے باطنی ترقی کا اعلیٰ مقام بتلایا۔ انہوں نے اپنے ارادت مندوں کو ذکر ومراقبہ سے ہٹا کر جہاد کی تیاری میں لگا دیا۔ سید صاحب مولوی محمد یوسف پھلتی کو مخاطب کرکے فرماتے ہیں:

''یوسف جی! آپ اپنے ہی حال کا خیال کریں کہ گردن ڈالے عالم سکوت میں رہتے ہو، اسی طرح اور لوگ بھی، کوئی کمبل اوڑھے مسجد کے کونے میں بیٹھا ہے، کوئی چادر لپیٹے حجرے میں گھسا ہوا ہے، کوئی جنگل میں جاکر مراقبہ کرتا ہے، کوئی ندی کے کنارے گڑھا کھود کر بیٹھ جاتا ہے۔ ان صاحبوں سے تو جہاد کا کام ہونا دشوار ہے، ہمارے بھائیوں کو سمجھائیں کہ اب اسی کام (استعداد جہاد) میں دل لگائیں، ان کے واسطے بہتر یہی ہے۔ حاجی عبدالرحیم صاحب سے بھی مشورہ کرکے جواب دیجئے'' ۳۴؎ تصوف کے وہ تین

معروف سلسلے (نقشبندی، قادری، چشتی) جو عوام میں رائج تھے اور علماء بھی ان سلسلوں سے یا ان میں سے کسی ایک سے بیعت ہونا اپنے لئے قابل فخر سمجھتے تھے، خود سید صاحب بھی ان سلسلوں کی بیعت لیتے تھے، ان سلسلوں کو اسلام کے خلاف نہیں سمجھا جاتا تھا، سید صاحب نے اپنے ارادت مندوں کو خالص موحد بنانے کے لئے اور ان زنجیروں کو کاٹنے کے لئے زبردست حکمت عملی سے کام لیا، نجاست سے مخلوط پانی کی نالیوں کے پاس ہی آپ نے صاف وشفاف اور میٹھے پانی کی ایک نہر نکالی، ظاہر ہے کہ پیاسے کو صاف اور میٹھا پانی ملے گا تو وہ گندے پانی کا رخ کیوں کرے گا؟ اس طریقے کا نام آپ نے طریقہ محمدیہ رکھا۔

طریقہ محمدیہ:

مولانا غلام رسول مہر نے دو مقام پر طریقہ محمدیہ کا ذکر کیا ہے۔ تحریک سید احمد شہید کی جلد اول کے ص: ۱۸۸ پر اور جلد سوم کے ص: ۲۸۶ پر۔ مہر صاحب طریقہ محمدیہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ہندوستان میں اس وقت تصوف کے تین طریقے رائج تھے: قادری، چشتی اور نقشبندی، نقشبندی طریقے کا ایک سلسلہ مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی سے انتساب کے باعث طریقہ مجددیہ کہلاتا تھا۔ سید صاحب ان طریقوں کے علاوہ ''طریقہ محمدیہ'' میں بھی بیعت لیتے تھے۔ رام پور میں اس طریقے کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: ''طریقہ محمدیہ یہ ہے کہ زندگی کا ہر کام رضائے رب العالمین کے لئے کیا جائے، مثلاً محنت کا مقصد یہ ہو کہ انسان حلال روزی کما کر خود بھی کھائے اور اہل وعیال کو بھی کھلائے۔ استراحت شب کا مدعا یہ ہو کہ انسان جوف لیل میں اٹھ کر نماز تہجد ادا کرے اور نماز فجر اول وقت پڑھے۔ کھانا اس لئے کھایا جائے کہ جسم میں بقدر ضرورت طاقت بحال رہے تا کہ انسان خدا کے احکام مستعدی سے بجالائے۔ نماز پڑھے، روزے رکھے، حج کے لئے جائے، ضرورت پڑے تو جہاد کے لئے تیار ہو غرض چلنے پھرنے، اٹھنے بیٹھنے، سونے جاگنے، کھانے پینے میں مقصود احکام خدا کی بجا آوری اور مرضات باری تعالیٰ کے سوا کچھ نہ ہو، بالفاظ دیگر ہر فرد آیت مبارکہ ''ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین'' کا عملی نمونہ بن جائے۔ ۳۵ ؎

مولانا مہر نے تحریک سید احمد شہید کے جلد سوم میں نواب وزیر الدولہ کی کتاب وصایا کے حوالے سے لکھا ہے کہ ایک سائل کے جواب میں سید صاحب نے چشتی، قادری، نقشبندی اور مجددی طریقوں کے بارے میں فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا تعلق باطنی ہے اور طریقہ محمدیہ کا مقصد یہ ہے کہ ہر عمل کا مقصد رضائے باری تعالیٰ ہو اس کے سوا کچھ نہ ہو، لہٰذا جو کام بھی کیا جائے شریعت کے مطابق کیا جائے۔ ۳۶ ؎ ڈاکٹر قیام الدین طریقہ محمدیہ پر روشنی ڈالتے ہوئے بتلاتے ہیں کہ: ''ظاہری پہلو انسان کی روزمرہ کی زندگی میں صحیح اور دینی کردار بجالانا ہے اور محمدی طریقہ اسی کی نگہداشت کرتا ہے''۔ نیز آگے طریقہ محمدیہ کی مزید تشریح کرتے ہیں: اگرچہ صوفیانہ طریقے ابتدا کی سرمستی اور سرشاری سے معرا ہو چکے تھے پر بھی عام دماغوں میں ان کی جڑیں گہری تھیں، لوگ انہیں طریقوں پر بیعت کے خوگر تھے، ان کا بہ یک وقت ترک کامل ایک غیر عملی یا ان ہونی سی بات ہوتی۔ طریقہ محمدی میں جو صحیح

طرز معاشرت ملحوظ رکھا گیا، اس کی تفصیلات خود صراط مستقیم اور مختلف وہابی تحریروں میں کافی شرح وبسط سے درج ہیں ان میں دو اصول بہت نمایاں ہیں۔ باری تعالی پر، جس کی صفات اشارۃ بھی کسی مخلوق سے منسوب نہیں کی جاسکتی ہیں، سختی سے بلاشرط وقید ایمان رکھنا اور اپنی شخصی زندگی میں عملی اخلاق پر کاربند رہنا۔'' ۳۷۔

وہابی تحریک کی تاریخ پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اسی طریقہ محمدیہ کے عمل نے آہستہ آہستہ اس کے پیروکاروں کو تصوف کے نشہ سے بیزار کر دیا اور اسی طریقہ محمدی کی وجہ سے وہ ہر عمل کا پیمانہ کتاب وسنت کو قرار دیتے تھے۔ اور اپنے ہر عمل کو کتاب وسنت کی تعلیمات کے قالب میں ڈھالنے کی کوشش کرتے اور ہر مسئلہ کی دلیل کتاب وسنت سے تلاش کرتے، اسی طریقہ محمدی پر عمل پیرا ہونے کی وجہ سے وہ خود کو فخر سے محمدی کہلواتے۔

بیسویں صدی کے آغاز تک وہابی تحریک میں تصوف کے دیوانے کے خال وخال ہی رہ گئے اور انہیں معلوم ہوگیا کہ تصوف کسی بھی اسلامی تحریک کی سرگرمیوں میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔

۱۸۵۷ء سے ۱۸۹۰ء کے درمیان لفظ وہابی نے ہندوستانی مسلمانوں کو شدید نقصان پہنچایا، بس یہی کہہ سکتے ہیں کہ ہندوستان کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جو وہابیوں کے خون سے لالہ زار نہ ہوا ہو۔ ایک طرف برطانوی حکومت انہیں اپنے اقتدار کے لئے سب سے بڑا خطرہ سمجھتی تھی اور انہیں جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لئے انسانیت کے تمام تقاضوں کو بالائے طاق رکھ دیا تھا۔ وہابیوں کے بدترین دشمن مشہور وہابی ٹرائل کے مجسٹریٹ مسٹر راونشا T.E.Revenshaw نے باضابطہ وہابی مجاہدین کی سرگرمیوں کا جائزہ لیا اور سرکاری نقطۂ نگاہ سے ایک نہایت قیمتی یادداشت حکومت کو بھیجی، ہنٹر، اوکنلے جو وہابی ٹرائل کا سرکاری پیروکار تھا اور دوسرے انگریز لکھنے والوں کا ماخذ راونشا کی ہی یادداشت ہے۔ غیر مسلم مؤرخین جو وہابی تحریک کے متعلق تاریخی اعتبار سے غلط باتیں پیش کرتے ہیں ان سب کا بنیادی ماخذ راونشا ہی ہے۔

۱۸۵۷ء کے بعد حالات بدل چکے تھے، انگریز پورے ملک پر قابض ہو چکے تھے اور اپنے دشمنوں کو چن چن کر ختم کر رہے تھے، دار ورسن اور انسانیت سوز تعذیب کا سلسلہ ۱۸۹۰ء تک چلتا رہا، انگریزوں کے خاص نشانے وہابی تحریک کے مراکز تھے۔ چنانچہ سرحد پر محاذ آرائی کی رفتار سست پڑگئی اور اندرون ملک میں ان کے مراکز تباہ کر دیئے گئے۔ وہابی تحریک کے رہنماؤں کو یا تو ختم کر دیا گیا یا انہیں بعبور دریائے شور کی سزا دی گئی۔

اس قدر مخالفتوں کے باوجود وہابی تحریک پوری طرح اپنے مقصد میں کامیاب رہی۔ ان کا مشن پایہ تکمیل کو پہنچا۔ ہندوستان میں یہ پہلی خالص اسلامی تحریک تھی جس نے مسلم قوم کے اندر نئی روح پھونک دی۔ شرک وبدعات میں کافی حد تک کمی آئی۔ رسوم ورواج میں اسلام کی جھلک نظر آنے لگی۔ سب سے اہم بات یہ کہ قرآن وحدیث سے لوگ براہ راست مانوس ہوئے۔ ہندوستان میں اتنے بڑے پیمانے پر قال اللہ وقال الرسول کے چرچے کبھی عام نہیں ہوئے۔ ہندوستانی وہابی تحریک کے رہنماؤں نے جس قدر منظم اور جدید انداز میں اپنے مشن کو آگے بڑھایا اس کی مثال ہندوستانی تاریخ میں اس سے پہلے کہیں نہیں ملتی ہے۔ انہوں نے دعوت وارشاد کے لئے باقاعدہ ایک نظام قائم کیا اور اس کے لئے ایسے باصلاحیت افراد کو منتخب کیا جنہوں نے اس راہ کی صعوبتوں کو سعادت

سمجھ کر قبول کیا۔ وہابی تحریک نے مسلمانوں میں سب سے پہلے جدید ذریعہ ابلاغ سے کام لیا اور وہ تھا چھاپہ خانوں کا استعمال۔ ہم دیکھتے ہیں کہ وہابی لٹریچر کی تمام اہم کتابیں انیسویں صدی کی دوسری اور تیسری دہائی کے درمیان شائع ہو چکی تھیں۔ چنانچہ ''صراط مستقیم'' مولوی محمد علی رام پوری کی نگرانی میں ۱۸۲۳ء میں کلکتہ سے شائع ہوئی۔ اردو میں سب سے پہلی کتاب ''تقویۃ الایمان'' اس کے بعد ''ہدایۃ المؤمنین مع موضح الکبائر والبدعات'' اور پھر مولوی خرم علی بلہوری کی ''نصیحت المسلمین'' شائع ہوئیں مذکورہ کتابیں کلکتہ اور ہگلی کے پرائیوٹ پریس سے شائع ہوئیں۔ ۲۶۔۱۸۲۵ء ہی میں شاہ رفیع الدین کی فارسی کتاب قیامت نامہ کا ترجمہ محمد عبداللہ نے کیا اور اسے شائع کیا، نیز انہوں نے شاہ رفیع الدین کی ایک اور فارسی کتاب تنبیہ الغافلین کا اردو ترجمہ کیا اور ۳۱۔۱۸۳۰ء میں شائع کیا۔ اس کے علاوہ سب سے اہم کام قرآن مجید کا اردو ترجمہ تھا، جس کا بیڑہ سید صاحب کے مرید سید عبداللہ نے اٹھایا، اس کام میں ان کی مدد مولانا عبدالحئی، مولانا محمد اسحاق اور مولانا حسن علی لکھنوی نے کیا۔ ۱۸۳۲ء میں کئی سال کی جدوجہد کے بعد شاہ عبدالقادر کا ترجمہ سید عبداللہ نے ہگلی سے شائع کیا۔ شاہ رفیع الدین کا ترجمہ ۱۲۵۴/ ۳۹۔۱۸۳۸ء میں دو جلدوں میں اسلام پریس کلکتہ سے شائع ہوا۔ انیسویں صدی کے وسط تک پورے ہندوستان میں قرآن کے تراجم عام ہو گئے۔

وہابی تحریک کے علماء نے قرآن اور اس کی تعلیمات کے ساتھ احادیث نبوی کی اشاعت پر زور دیا۔ اگرچہ شاہ ولی اللہؒ کی حدیث کی شروح نے علماء میں حدیث کا ذوق پیدا کر دیا تھا، لیکن ان کی تصنیفات عربی میں تھیں یا فارسی میں جس کی وجہ سے وہ ایک خاص طبقہ تک محدود رہیں، سب سے پہلے مولوی خرم علی بلہوری نے حدیث کے مجموعہ مشارق الانوار مرتب امام صنعانی کا اردو ترجمہ تحفۃ الاخیار کے نام سے کیا اور ۱۲۴۹ھ / ۱۸۳۳ء میں شائع کیا اس کے بعد حدیث کی کتابوں کے تراجم اور شروح کا سلسلہ چل پڑا۔ چنانچہ علم حدیث کو عام کرنے میں سب سے بڑا کارنامہ نواب صدیق حسن خاں بھوپالی اور شیخ الکل فی الکل میاں نذیر احمد محدث دہلویؒ نے انجام دیا۔ دونوں وہابی تحریک کے سرگرم رکن تھے۔

قرآن کے اردو تراجم اور علم حدیث کی اشاعت نے فقہ کی عمومیت پر بندش لگا دی اور تقلید کی جکڑ بندیوں سے مسلمانوں کے ذہنوں کو آزاد کر دیا۔ وہابی تحریک کا یہ سب سے بڑا کارنامہ تھا۔ آج مدارس، مساجد، تفاسیر اور شروح حدیث کی جو کثرت ہمیں ہندوستان میں نظر آتی ہے یہ انہیں نفوس قدسیہ کی رہین منت ہے جو رب کی بارگاہ میں جان کا نذرانہ پیش کر کے اسلام کی سچی تعلیمات سے ہمارے دلوں کو منور کر گئے۔

۱۸۵۷ء کے بعد تحریک دو بڑے مراکز میں تقسیم ہو گئی۔ پہلا صادق پور کا مرکز جو پورے بنگال اور بہار اپنے حلقہ اثر میں لئے ہوئے تھا۔ دوسرا لاہور کا مرکز جو دہلی اور پورے پنجاب کو سمیٹے ہوئے تھا۔ دونوں کا مذہبی موقف اور نصب العین ایک تھا لیکن سیاسی موقف میں فرق تھا۔ صادق پور کی قیادت مولانا ولایت علی اور عنایت علی کا خاندان کر رہا تھا۔ یہ لوگ سید احمد بریلوی کے نصب العین سے کسی طرح پیچھے ہٹنے کے لئے تیار نہیں تھے اور سرحد پر ایک قلیل سی جماعت کے ساتھ انگریزوں سے مورچہ لے رہے تھے۔ دوسری طرح پنجاب میں مولانا محمد حسین بٹالوی نے سب سے پہلے حالات کی نزاکت کو محسوس کیا اور نئی حکمت علمی پر زور دیا تا کہ دعوت وارشاد کا سلسلہ جاری رہے۔ قرآن وسنت کی اشاعت کی رفتار میں سستی نہ آئے اور وہابی تحریک کے بچے

کچھ افراد اور علماء انگریزوں کے پنجۂ استبداد سے بچ سکیں، نیز عیسائی مشنری، قادیانیت، انکارحدیث اور خانقاہیت کی یلغار کوروکا جاسکے، انہوں نے ۱۸۷۰ء میں ''اشاعۃ السنۃ'' کے نام سے رسالہ نکالا جن کے ذریعہ ایک طرف وہ مخالفین کو دندان شکن جواب دیتے رہے۔ دوسری طرف اپنے موقف کی اشاعت کرتے رہے۔

۱۸۶۰ء کے بعد اہل حدیث ایک ممتاز جماعت کی شکل میں ابھر کر سامنے آئے، ان لوگوں کا وہابی تحریک سے سیدھا اور براہ راست تعلق تھا۔ ۱۸۳۱ء کے بعد اسی جماعت کے افراد نے وہابی تحریک کی قیادت مکمل طور سے اپنے ہاتھ میں لے لی۔ یہ سب براہ راست یا بالواسطہ سید احمد بریلوی کے فیض یافتہ اور مولانا اسماعیل شہید کے تربیت یافتہ تھے۔ تقلید سے بیزاری کتاب وسنت کی اشاعت، مردہ سنتوں کے احیاء کوشش ان کے تشخصات تھے۔ نماز میں زور سے آمین کہنے کی اشاعت اور رفع الیدین کے لئے پورے ہندوستان میں معروف تھے۔ اہل حدیث خود کو محمدی اور موحد کہلوانا پسند کرتے ہیں۔ ایک عیسائی مبلغ Thomas P. Hughs ۱۸۷۴ء میں سوپشاور کے نزدیک سید احمد بریلوی کے شاگرد سے ملا تھا وہ اپنا مشاہدہ بتلاتے ہوئے لکھتا ہے:

" Wabism is simply a revial of the teaching of the Tradilions (Hadith) to the partial rejection of the third and forth foundtion of faith, namely the Ijma (Commanity consendus) and qiyas (amology). The wahabis of India nver speak of themselves as Wahabi, but as Ahl-e-Hadith or pepole of the Traditions". (38)

یعنی وہابیت حدیث کی تعلیمات کے احیاء کا نام ہے، جس نے قیاس اور اجماع کو رد کردیا، ہندوستانی وہابی خود کو وہابی نہیں بلکہ اہل حدیث کہتے ہیں۔

بیسویں صدی میں وہابی تحریک جماعت اہل حدیث میں مکمل طور سے تبدیل ہو چکی تھی، اور ۱۹۰۶ء میں آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کے نام سے اس کی تنظیم نو مولانا ثناء اللہ امرتسری کی قیادت میں ہوئی، اس تنظیم میں اہل حدیث کے نامور اور بزرگ علماء شریک ہوئے، اگرچہ مخالفین انہیں وہابی ہی کہتے ہیں۔ اس دور کی سیاسی قوت تحریک آزادی کی تحریکوں میں آہستہ آہستہ ضم ہوگئی۔ اس میں سب سے اہم کردار ان علماء کا تھا جن کے ہاتھ میں تحریک کی قیادت آئی ان میں بیشتر کانگریس کے پلیٹ فارم سے آزادی کے لئے لڑتے رہے، ان میں اہم نام مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا داؤد غزنوی، مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی، مولانا ثناء اللہ امرتسری کا ہے۔

۱۹۴۷ء میں تقسیم ہند کے بعد اہل حدیث دو ملکوں میں بٹ گئے۔ مذہبی موقف ایک ہونے کے باوجود دونوں ملکوں کی جماعت کا ایک دوسرے سے کوئی تعلق نہیں رہ گیا۔ جغرافیائی اور سیاسی حالات نے دونوں کو نظریاتی اعتبار سے ایک دوسرے سے الگ کردیا۔ پاکستان کے اہل حدیث کی اپنی سیاسی سرگرمیاں ہیں ملکی سیاست میں ان کی نمائندگی ہے۔

اس کے برعکس ہندوستانی اہلحدیث جمہوری دستور کی چھاؤں تلے مرکزی جمعیت اہل حدیث کی صورت میں اپنے وجود اور بقاء کو قائم رکھنے کی جدوجہد میں مصروف ہیں، سیاسی سرگرمیوں سے بالکل دور رہتے ہیں، منہج سلف کی ترویج واشاعت ان کا سب سے بڑا

نصب العین ہے۔ لہٰذا اسے سیاست کی گندگیوں میں ملوث کرنا یا کسی تخریبی تحریک سے اس کا رشتہ جوڑنا ایسا ہی ہے جیسے گاندھی جی کو تشدد کا دیوتا اور ساور کر کو ہندوستان کا نجات دہندہ فرض کیا جائے۔



حواشی

۱۔ یوگندر سکند کا مضمون نٹ پر: ہندوستانی وہابی

۲۔ مذکورہ جائزے نٹ سے لفظ وہابی کے تحت معلومات سے ماخوذ ہیں

۳۔ مولانا مسعود عالم ندوی: ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک ص: ۷

۴۔ مولانا مسعود عالم ندوی: محمد بن عبدالوہاب ایک مظلوم اور بدنام مصلح ص: ۱۱۳ مطبوعہ اسلامک فاؤنڈیشن نئی دہلی۔

۵۔ حوالہ سابق، ص: ۱۱۱

۶۔ الدکتور محمد بن سعد الشویعر: تصحیح خطا تاریخی حول الوہابیۃ

۷۔ Encyclopaedia of Baritanica IIth ed (1911) "Wahhabis"

۸۔ Colembia Encylopaedia "Wahabi"

۹۔ ڈاکٹر قیام الدین احمد: ہندوستان کی جنگ آزادی میں وہابی مسلمانوں بالخصوص اہل صادق پور کی کارگزاریاں اور ایثار ایک مختصر جائزہ مطبوعہ سووینیر ۱۹۹۸ء

۱۰۔ مسعود عالم ندوی: محمد بن عبدالوہاب ایک مظلوم و بدنام مصلح ص: ۹۲

۱۱۔ حوالہ سابق، ص: ۱۱۳

۱۲۔ تفصیل کے لئے دیکھیں ایضاً ص: ۸۴، ڈاکٹر قیام الدین احمد: ہندوستان میں وہابی تحریک ص: ۵۶

۱۳۔ مولانا مسعود عالم ندوی نے مقدم الذکر رسالے کا ذکر کرتے ہوئے بتلایا کہ غالباً رسالہ کا یہ نام بعد میں رکھا گیا: محمد بن عبدالوہاب ایک مظلوم اور بدنام مصلح ص: ۱۴۱، ڈاکٹر سعد محمد الشویعر نے نسبت کو فرضی بتلایا ہے۔ پوری تفصیل ان کی کتاب ''رسالہ تصحیح خطا تاریخی حول الوہابیہ'' میں دیکھ سکتے ہیں۔

۱۴۔ مزید معلومات کے لئے دیکھیں محمد احمد منگلوری: سلطنت خداداد، فیصل احمد بھٹکلی تحریک آزادی میں علماء کرام کا کردار ص: ۱۸۷ تا ۲۲۸۔

۱۵۔ شیخ عبدالعزیز ابن باز: الامام محمد بن عبدالوہاب دعوتہ وسیرتہ ص: ۳۹۔

۱۶۔ مولانا مسعود عالم ندوی: ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک ص: ۲۲، اسی صفحے پر وہ اہلحدیث سے برأت کا اظہار کرتے ہیں کہ لفظ اہل حدیث سے تحزب اور گروہ بندی کی بو آتی ہے۔ سمجھدار مسلمانوں سے غالباً مولانا کا اشارہ جماعت اسلامی کی طرف ہے۔

۱۷۔ پیرسن، صفحہ ۱۹۶۔

۱۸۔ ڈبلیو۔ ڈبلیو ہنٹر: ہمارے ہندوستانی مسلمان ترجمہ: ڈاکٹر صادق حسین ص: ۶۹

۱۹۔ سید ابوالحسن علی ندوی: سیرت سید احمد شہید ج: ۱ ص: ۲۸۴۔

مزید تفصیل کے لئے دیکھیں: مولانا ابوالحسن علی ندوی: سیرت سید احمد شہید ج ۱ ص: ۲۹۲، مولانا غلام رسول مہر: تحریک سید احمد شہید ج ۱ ص: ۳۰۵ تا ۳۳۰۔

۲۰۔ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام مقالہ Blumbart بحوالہ مسعود عالم ندوی: ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک ص: ۱۹۔

۲۱۔ Herlan O. Pearson: Islamic Reform..... P:39

۲۲۔ تفصیل کے لئے دیکھیں: مولانا محفوظ الرحمن فیضی: شیخ محمد بن عبدالوہاب کے بارے میں دو متضاد نظریے۔

۲۳۔ مولوی فضل رسول بدایونی پہلے شخص ہیں جنہوں نے خانوادہ ولی اللہی کے علماء کے خلاف قلم اٹھایا اور مولانا شاہ اسماعیل اور شیخ محمد بن عبدالوہاب کے درمیان فرضی رابطے بتلائے۔ انگریزوں نے انہیں پانچ سو روپیہ ماہانہ تنخواہ پر باقاعدہ اس مشن پر لگایا اور اس کام کے لئے مولویوں کو ملازم رکھنے کا اختیار دیا۔ مولوی فضل رسول اور ان کے معاونین نے پورے ہندوستان میں وہابیت کا اس قدر پروپیگنڈہ کیا کہ وہابیت اور غدار مترادف سمجھا جانے لگا، تفصیل کے لئے دیکھیں: خالد محمود: مطالعہ بریلوی ج ۱ ص: ۱۸۷۔

۲۴۔ مولانا منظور احمد نعمانی نے اپنی کتاب شیخ محمد بن عبدالوہاب کے خلاف پروپیگنڈہ ص: ۵۱ کے حاشیہ میں شاہ ولی اللہ اور محمد بن عبدالوہاب کو استاد بھائی قرار دیا یہ درست نہیں ہے۔ شاہ ولی اللہ اور علامہ محمد حیات سندی استاد بھائی ہوسکتے ہیں۔ محمد بن عبدالوہاب کے استاذ شیخ محمد حیات سندھی تھے، شاہ ولی اللہ اور علامہ سندھی دونوں نے ابوطاہر محمد بن ابراہیم الکردی سے استفادہ کیا تھا۔

۲۵۔ تراجم علماء حدیث میں شاہ رفیع الدین کی تاریخ وفات ۱۲۴۹، اور شاہ عبدالقادر کا سن وفات ۱۲۴۲ھ مذکورہ ہے، مولانا مہر کے مطابق میں نے تاریخ وفات درج کی ہے: مہر: ج ۱ ص: ۱۷۰

۲۶۔ شاہ صاحب کے کئی معاصر اور غیر معاصر علماء نے بھی اسی قسم کے فتاوے دئے تھے، لیکن ان کے فتاوے معاملات اور تنازعات کے ضمن میں تھے۔ اور شاہ عبدالعزیز کا یہ فتویٰ صرف انگریزوں کے تسلط کے تناظر میں تھا۔

۲۷۔ غلام رسول مہر: تحریک سید احمد شہید ج ۱ ص: ۳۴۳

۲۸۔ ایضاً ص: ۳۴۴

۲۹۔ مولانا غلام رسول مہر: تحریک سید احمد شہید ج ۱ ص: ۲۰۵

۳۰۔ پیرسن صراط مستقیم کے تکمیل کا سن ۱۸۱۸ء بتلاتا ہے۔ پیرسن، ص: ۸۲ جب کہ ۱۸۱۸ء میں سید صاحب ٹونک سے دہلی پہنچے تھے۔ دیکھئے: مہر: تحریک سید احمد شہید ج ۱

۳۱۔ صراط مستقیم مترجم اردو ص: ۷۲، ۷۱

۳۲۔ حنفی مناظر مولوی محمد فصیح صاحب غازی پوری تھے۔ تفصیل کے لئے دیکھیں حافظ صلاح الدین یوسف کی کتاب: تحریک جہاد جماعت اہل حدیث اور علماء احناف ص: ۴۲

۳۳۔ مولانا غلام رسول: تحریک سید احمد شہید ج ۱ ص: ۲۰۴

۳۴۔ ایضا، ج ۱ ص: ۲۰۳

۳۵۔ بحوالہ سابق ص: ۱۸۹

۳۶۔ بحوالہ سابق ج ۳، ص: ۲۸۷

۳۷۔ ڈاکٹر قیام الدین احمد: ہندوستان میں وہابی تحریک ص: ۵۰

۳۸۔ بحوالہ پیرسن: ص: ۱۹۶

چند اہم مآخذ:

(۱) ابویحیٰی امام خاں نوشہروی: تراجم علمائے اہل حدیث ہند مطبوعہ جید برقی پریس دہلی

(۲) مولانا غلام رسول مہر: تحریک سید احمد شہید ج ۱ تا چہارم مطبوعہ مکتبہ الحق جوگیشوری ممبئی ۲۰۰۸ء

(۳) ڈاکٹر قیام الدین احمد: ہندوستان میں وہابی تحریک اردو مطبوعہ مکتبہ الفہیم مئوناتھ بھنجن

(۴) مولانا مسعود عالم ندوی: ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک مطبوعہ جمال پرنٹنگ پریس دہلی ۱۹۷۷ء

(۵) حافظ صلاح الدین یوسف: تحریک جہاد: جماعت اہل حدیث اور علمائے احناف دار الکتب الاسلامیہ دہلی

(۶) مولانا ابوالحسن علی ندوی: سیرت سید احمد شہید ج ۱، ۲ ناشر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی پاکستان

(۷) ابوالمکرم عبدالجلیل: امام محمد بن عبدالوہاب کی دعوت اور علماء اہل حدیث کی مساعی ناشر جامعہ سلفیہ بنارس

(۸) فیصل احمد بھٹکلی: تحریک آزادی میں علماء کا کردار ناشر مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ

(۹) الشیخ احمد بن حجر بوطامی: حیات شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب اردو ترجمہ مختار احمد ندوی الدار السلفیہ ممبئی

(۱۰) علامہ سید محمد رضا مصری: الوہابیون والحجاز، مطبوعہ جامعہ سلفیہ بنارس

(۱۱) ڈاکٹر محمد بہاء الدین: تاریخ اہل حدیث ج: ۱، ۲، مکتبہ ترجمان جامع مسجد دہلی

(۱۲) محفوظ الرحمن فیضی: شیخ محمد بن عبدالوہاب کے بارے میں دو متضاد نظریے، مطبوعہ جامعہ سلفیہ بنارس

(۱۳)ڈبلیو۔ڈبلیو ہنٹر: ہمارے ہندوستانی مسلمان اردو ترجمہ ڈاکٹر صادق حسین الکتاب انٹرنیشنل جامعہ نگر دہلی
(۱۴)علامہ شاہ محمد اسماعیل شہید: تقویۃ الایمان مطبوعہ کتب خانہ حمیدیہ جامع مسجد دہلی
(۱۵)ڈاکٹر خالد محمود: مطالعہ بریلویت ج ا حافظی بکڈ پو دیوبند۔
(۱۶)تاراچند: تاریخ تحریک آزادی ہند مترجم غلام ربانی تاباں قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان دہلی
(۱۷)ڈاکٹر محمد بن السعد الشویعر: تصحیح خطا تاریخی حول الوہابیۃ ریاض
(۱۸)مولانا مسعود عالم ندوی: محمد بن عبدالوہاب ایک مظلوم اور بدنام مصلح اسلامک فاؤنڈیشن نئی دہلی
(۱۹)پروفیسر ڈاکٹر مسز عابدہ سمیع الدین: قومی محاذ آزادی اور یوپی کے مسلمان مطبوعہ انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز نئی دہلی
(۲۰)الشیخ احمد الدہلوی: تاریخ اہل حدیث ترجمہ محمد منیر الراعی، حماد ظہیر تفہیمی الکتاب انٹرنیشنل جامع نگر دہلی
(۲۱)مولانا محمد رئیس ندوی: تاریخ اہل حدیث ہند ادارہ بزم توحید للہ پورہ بنارس
(۲۲)خلیق احمد نظامی: ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ ندوۃ المصنفین جامع مسجد دہلی
(۲۳)مولانا منظور احمد نعمانی: شیخ محمد بن عبدالوہاب کے خلاف پروپیگنڈہ الفرقان بکڈ پو لکھنؤ۔
(۲۴) Herlan O. Pearson: IslamicReform and Revivl in Nine-Teenth-Century India Yoda Press New Delhi.
(۲۵) Encyclopaedia of Baritanica IIEd
(۲۶)مولانا نذیر احمد املوی: اہل حدیث اور سیاست جامعہ سلفیہ بنارس
(۲۷)مولانا شاہ اسماعیل شہید: صراط مستقیم مترجم اردو، ناشر عبدالعزیز تاج کتب بازار کشمیری لاہور۔

(ماخوذ از محدث بنارس جنوری تا مارچ ۲۰۱۰ء)



برصغیر میں علم حدیث پر تصنیفی خدمات

ایک مختصر جائزہ

عبدالجبار انعام اللہ سلفی
استاد جامعہ رحمانیہ کاندیولی ممبئی

برصغیر میں علم حدیث کا آغاز شاہ ولی اللہ دہلوی کے ذریعہ ہوا۔ آپ نے علم حدیث کی نشرواشاعت اوراس کی ترقی وترویج میں اپنی پوری زندگی گذاردی، آپ کے بڑے صاحبزادے شاہ عبدالعزیز دہلوی نے ۶۴ سال تک درس حدیث کی خدمت انجام دی، ان کے ساتھ ان کے تینوں بھائیوں شاہ رفیع الدین، شاہ عبدالقادر، شاہ عبدالغنی نے بھی حدیث کی نشرواشاعت اوراس کی تعلیم وتدریس میں کافی محنت کی۔ شاہ عبدالعزیزؒ کے بعد شاہ محمد اسحاق ان کے جانشین ہوئے، اوران سے ایک خلق کثیر نے استفادہ کیا۔ شاہ محمد اسحاق کے مکہ معظّمہ ہجرت کرجانے کے بعد ان کی مسند پر شیخ الکل فی الکل میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی متمکن ہوئے اور مکمل ۶۲ سال تک کتاب وسنت کی تعلیم وتدریس سرانجام دے کر اتنی کثیر تعداد میں شاگردان باکمال پیدا کیئے کہ ان کا احصاء ناممکن ہے۔ آپ سے بے شمار لوگ مستفیض ہوئے اور پھر برصغیر کے کونے کونے میں پھیل گئے یہی صرف نہیں بلکہ بیرون ہند سے بھی لوگ جوق در جوق آئے اور اپنی علمی پیاس بجھا کر واپس گئے۔ آپ کے تلامذہ اور پھران کے مستفیدین نے درس وتدریس کے ساتھ حدیث کے بارے میں جو تصنیفی خدمات انجام دیں ہیں اس کی مثال پیش کرنے سے دنیا قاصر ہے۔ زیر نظر مضمون میں صرف علماء کے نام اورحدیث کے متعلق ان کی تصنیفی خدمات کونہایت ہی اختصار کے ساتھ مختلف کتابوں کے حوالہ سے بطور نمونہ بیان کیا گیاہے، ورنہ تفصیل اس سے کہیں زیادہ ہے۔

☆ **مولانا نواب صدیق حسن خاں**

۱۔ عون الباری لحل ادلۃ البخاری (عربی)
۲۔ السراج الوہاج من کشف مطالب صحیح مسلم بن حجاج (عربی)
۳۔ توفیق الباری ترجمۃ الادب المفرد للبخاری (اردو)
۴۔ مسک الختام شرح بلوغ المرام (فارسی)
۵۔ فتح العلام شرح بلوغ المرام (عربی)
۶۔ فوائد الفوائد من عیون الاخیار والفوائد (فارسی)
۷۔ الحرز المکنون من لفظ المعصوم المامون (عربی)
۸۔ البنیان المرصوص من بیان ایجاز الفقہ المنصوص (فارسی)
۹۔ عین الیقین ترجمہ اربعین (اردو)
۱۰۔ الروض البسام من ترجمۃ بلوغ المرام (عربی)
۱۱۔ خیر القرون کا ترجمہ اربعین (اردو)
۱۲۔ اربعون حدیثاً فی فضائل الحج والعمرۃ (عربی)
۱۳۔ اربعون حدیثاً متواترۃ (عربی)
۱۴۔ الادراک تخریج احادیث رد الاشراک (عربی)

۱۵۔تقویۃ الایقان بشرح حدیث حلاوۃ الایمان (اردو)
۱۶۔نیل الایمانی بشرح مختصر الشوکانی (عربی)
۱۷۔ضوء الشمس من شرح حدیث بُنیَ الاسلام علیٰ خمس (اردو)
۱۸۔الحطّۃ فی ذکر الصحاح الستۃ (عربی)
۱۹۔اتحاف النبلاء والمتقین باحیاء مآثر الفقہاء المحدثین (فارسی)
۲۰۔غنیۃ القاری ترجمہ ثلاثیات بخاری (اردو)

ان کے علاوہ اور چالیس کتابیں صرف حدیث کے موضوع پر ہیں۔

☆مولانا شمس الحق ڈیانوی عظیم آبادی۔

۲۱۔غایۃ المقصود فی حل سنن ابی داوٗد (عربی)
۲۲۔عون المعبود فی شرح سنن ابی داوٗد (عربی)
۲۳۔التعلیق المغنی علی سنن دارقطنی (عربی)
۲۴۔تعلیقات علی اسعاف المبطاء برجال المؤطا (عربی)
۲۵۔تعلیقات علی سنن نسائی (عربی)
۲۶۔رفع الالتباس عن بعض الناس (عربی)
۲۷۔غنیۃ المغنی (عربی)
۲۸۔فضل الباری فی ثلاثیات بخاری (عربی)
۲۹۔ہدیۃ اللوذعی بنکات الترمذی (عربی)
۳۰۔النجم الوہاج فی شرح مقدمۃ الصحیح لمسلم بن الحجاج (عربی)
۳۱۔اعلام اُہل العصر فی احکام رکعتی الفجر (عربی)

☆مولانا عبدالرحمن مبارکپوریؒ۔

۳۲۔مقدمہ تحفۃ الاحوذی (عربی)
۳۳۔تحفۃ الاحوذی فی شرح جامع الترمذی (عربی)
۳۴۔شفاء العلل فی شرح کتاب العلل (عربی)

☆مولانا وحید الزماں حیدر آبادی:

۳۵۔احسن الفوائد فی تخریج احادیث شرح العقائد (عربی)
۳۶۔اشراق الابصار فی تخریج احادیث نور الانوار (عربی)
۳۷۔کشف المغطا من المؤطا (اردو)
۳۸۔الہدی المحمود ترجمہ سنن ابی دواوٗد (اردو)
۳۹۔روض الربیٰ من ترجمۃ المجتبیٰ (اردو)
۴۰۔المعلم ترجمہ صحیح مسلم (اردو)
۴۱۔تسہیل القاری ترجمہ صحیح بخاری (اردو)
۴۲۔رفیع العجاجۃ عن سنن ابن ماجہ (اردو)
۴۳۔تیسیر الباری ترجمہ صحیح البخاری (اردو)
۴۴۔اصلاح الہدایۃ وتصحیح الروایۃ (عربی)
۴۵۔وحید اللغات (اردو، ۱۸ جلدوں میں احادیث کی جامع لغت)
۴۶۔تصحیح کنز العمال (عربی)

☆مولانا سید احمد حسن دہلوی:

۴۷۔حواشی بلوغ المرام (عربی)
۴۸۔تنقیح الرواۃ فی تخریج احادیث المشکوٰۃ (عربی: نصف اول)

☆مولانا ابو سعید شرف الدین دہلویؒ:

۴۹۔تخریج آیات الجامع الصحیح للبخاری (عربی)
۵۰۔تکملۃ تنقیح الرواۃ فی تخریج احادیث المشکوٰۃ (عربی)
۵۱۔نصب الرایۃ فی تخریج احادیث الہدایۃ (عربی)
۵۲۔شرح مسند امام احمد بن حنبل (عربی)

☆مولانا عبدالسلام بستوی:

۵۳۔شرح سنن ابن ماجہ (عربی)
۵۴۔صمصام الباری علی عنق جارح البخاری (عربی)
۵۵۔کشف الملہم ترجمۃ مقدمۃ صحیح مسلم (اردو)
۵۶۔انوار المصابیح ترجمہ مشکوۃ المصابیح (اردو)
۵۷۔ایمان مفصل

☆مولانا حافظ ابو الحسن محمد سیالکوٹیؒ:

۵۸۔فیض الباری شرح و ترجمہ صحیح بخاری (اردو)
۵۹۔فیض الآثار فی ترجمۃ کتاب الآثار (اردو)
۶۰۔اکمال فی ترجمۃ اسماء الرجال (اردو)
۶۱۔ترجمۃ مشکوٰۃ المصابیح (اردو)
۶۲۔تلخیص الصحاح ترجمہ تیسیر الاصول (جلد، ۵، ۶)

☆مولانا عبدالتواب محدث ملتانی:

۶۳۔تعلیق حاشیہ صحیح مسلم ابی الحسن السندی (عربی)
۶۴۔حاشیہ تحفۃ الودود باحکام المولود (عربی)
۶۵۔تعلیق المصنف لابن ابی شیبہ (عربی)
۶۶۔تعلیق عون المعبود شرح سنن ابی داوٗد (عربی)
۶۷۔تعلیق قیام اللیل للمروزی (عربی)
۶۸۔ترجمہ صحیح بخاری (اردو۔ ۸ پارے)
۶۹۔حواشی علی الاشارات للنووی (عربی)
۷۰۔حواشی الحزب المقبول (اردو)
۷۱۔حواشی و ترجمہ بلوغ المرام (اردو)

☆مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانیؒ

۷۲۔تنقیح الرواۃ فی تخریج احادیث المشکوٰۃ (عربی) جلد ثالث
۷۳۔فیض الودود تعلیق سنن ابی داوٗد (عربی)
۷۴۔التعلیقات السّلفیہ حواشی علی سنن نسائی (عربی)

☆مولانا عبید اللہ مبارکپوریؒ:

۷۵۔مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح (عربی، ۹ جلد کتاب المناسک تک)

☆مولانا محمد علی جانباز:

۷۶۔انجاز الحاجۃ شرح سنن ابن ماجہ (عربی، ۱۳ جلدیں)

☆مولانا عبدالحمید سوہدروی:

۷۷۔ زبدۃ المرام شرح عمدۃ الاحکام عن سید الانام شیخ تقی الدین ابی عبداللہ محمد بن عبدالغنی بن عبدالواحد بن سرور، الجماعیلی (م ۶۱۰ھ)

☆مولانا نورالحسن قنوجی:

۷۸۔انوارالمشارق۔

۷۹۔الرحمۃ المھداۃ الی من یرید بزیادۃ العلم علی احادیث المشکوٰۃ (اردو)

۸۰۔منتخب عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی۔

☆مولانا احمد حسن عرشی:

۸۱۔شرح بلوغ المرام

۸۲۔شرح تیسیر الوصول لاحادیث الرسول

☆مولانا قاضی محمد مچھلی شہر:

۸۳۔ الدراری الناشرات فی ترجمہ مافی البخاری من الثلاثیات (عربی)

۸۴۔تخریج احادیث مؤطا امام مالک

☆مولانا فریدالدین خاں کاکوروی:

۸۵۔الفلاح المبین شرح اربعین نووی

☆مولانا محمد رفیع الدین شکرانوی:

۸۶۔رحمت الودود علی رجال سنن ابی دواؤد

☆مولانا عبدالمجید خادم سوہدروی:

۸۷۔حدیث کی پہلی تا چوتھی کتاب۔

۸۸۔انتخاب صحیحین

۸۹۔شرح اربعین نووی۔

۹۰۔شرح اربعین ابراہیمی

☆مولانا خرم علی بلہوری:

۹۱۔ترجمہ وشرح مشارق الانوار

☆مولانا عبداللہ غازی پوری:

۹۲۔البحرالمواج شرح مقدمہ صحیح مسلم بن حجاج

☆مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی:

۹۳۔سواءالطریق (۴ جلدیں اردو)

☆ مولانا حافظ ابراہیم آروی:

۹۴۔طریق النجاۃ فی ترجمہ الصحاح من المشکوٰۃ
۹۵۔ترجمہ کتاب الادب المفرد للبخاری

☆ مولانا حافظ عبداللہ روپڑی:

۹۶۔حاشیہ مشکوٰۃ المصابیح (عربی)
۹۷۔ترجمہ مشکوٰۃ المصابیح (اردو)

☆ مولانا عبدالجلیل سامرودی:

۹۸۔ضوء المصابیح (عربی) حاشیہ مشکوۃ المصابیح
۹۹۔التعلیق علی صحیح مسلم (عربی)
۱۰۰۔التعلیق علی سنن ابی داوٗد (عربی)
۱۰۱۔التعلیق علی سنن نسائی (عربی)
۱۰۲۔التعلیق علی سنن دارمی (عربی)
۱۰۳۔نسیم الریاحین شرح ریاض الصالحین

☆ مولانا محمد داوٗد راز دہلوی:

۱۰۴۔صحیح بخاری مترجم (مکمل)
۱۰۵۔صحیح مسلم (مترجم نامکمل)

☆ مولانا محمد اسماعیل سلفی:

۱۰۶۔مشکوٰۃ المصابیح (مترجم) جلد اول بقیہ جلدوں کا ترجمہ مولانا محمد سلیمان کیلانی نے کیا۔

☆ مولانا عبدالاول غزنوی:

۱۰۷۔نصرۃ الباری فی ترجمہ صحیح البخاری
۱۰۸۔انعام المنعم ترجمہ صحیح مسلم
۱۰۹۔الرحمۃ المہداۃ الی من یرید ترجمہ مشکوٰۃ
۱۱۰۔ترجمہ ریاض الصالحین

☆ مولانا فضل حق دلاوری:

۱۱۱۔فضل الباری ترجمہ صحیح بخاری
۱۱۲۔ترجمہ جامع ترمذی
۱۱۳۔ترجمہ موضوعات ملا علی قاری

☆ مولانا عبدالوہاب صدری دہلوی:

۱۱۴۔حاشیہ مشکوٰۃ المصابیح (عربی)

☆ مولانا عبدالستار دہلوی:

۱۱۵۔نصرۃ الباری ترجمہ الجامع الصحیح للبخاری۔

☆ مولانا صفی الرحمن مبارکپوری:

۱۱۶۔اتحاف الکرام تعلیق بلوغ المرام لابن حجر
۱۱۷۔منۃ المنعم فی شرح صحیح مسلم

☆ **مولانا ابو یحییٰ محمد شاہ جہاں پوریؒ:**

۱۱۸۔تعلیقات سنن نسائی (عربی)

☆ **مولانا سید امیر لکھنوی:**

۱۱۹۔شرح صحیح بخاری۔ ۱۲۰۔المستدرک فی الرجال

☆ **مولانا محمد بن ہاشم سورتی:**

۱۲۱۔ترجمہ صحیح بخاری

☆ **مولانا محمد حسین بٹالوی:**

۱۲۲۔منح الباری فی ترجیح صحیح البخاری

☆ **مولانا محمد بن نور الدین ہزاروی:**

۱۲۳۔عون الودود شرح سنن ابن ابی داؤد (عربی)

☆ **مولانا محی الدین لاہوری:**

۱۲۴۔ترجمہ بلوغ المرام ۱۲۵۔ترجمہ مشکوٰۃ المصابیح

۱۲۶۔ترجمہ منتقی الاخبار ابن تیمیہ ۱۲۷۔ترجمہ نیل الاوطار شوکانی

☆ **مولانا عزیز زبیدی:**

۱۲۸۔حاشیہ صحیح بخاری (عربی)

☆ **مولانا محمد بن یوسف سورتی:**

۱۲۹۔شرح سنن ابن ماجہ (عربی)

☆ **مولانا عبد السلام مدنی:**

۱۳۰۔حاشیہ مشکوٰۃ المصابیح (عربی) ۱۳۱۔حاشیہ سنن نسائی (عربی)

۱۳۲۔حاشیہ صحیح مسلم (عربی)

☆ **مولانا عبد الغفار نشتر:**

۱۳۳۔ترجمہ الادب المفرد للبخاری

☆ **مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی:**

۱۳۴۔عون الباری لحل عویصات البخاری

☆مولانا محمد رفیق اثری:

۱۳۵۔ضوء السالک حاشیہ موطا امام مالک (عربی)
۱۳۶۔حاشیہ مشکوٰۃ المصابیح (عربی)
۱۳۷۔حاشیہ سنن ابی داؤد (عربی)

☆مولانا محمد صادق خلیل:

۱۳۸۔سطعات التنقیح ترجمہ وفوائد مشکوٰۃ المصابیح
۱۳۹۔ترجمہ ریاض الصالحین
۱۴۰۔تخریج وتحقیق معجم الصغیر طبرانی (عربی)

☆مولانا محمد سلمان کیلانی:

۱۴۱۔حاشیہ بلوغ المرام
۱۴۲۔ترجمہ وشرح مشکوٰۃ المصابیح

☆حافظ صلاح الدین یوسف:

۱۴۳۔دلیل الطالبین ترجمہ وشرح ریاض الصالحین

☆مولانا محمد خالد گھر جاکھی:

۱۴۴۔مفتاح صحیح البار ی

☆مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی:

۱۴۵۔قضیۃ الدحیث فی حجیۃ الحدیث (اردو)
۱۴۶۔لؤلؤ الشرع فی حدیث ام زرع (اردو)
۱۴۷۔حصول المرام (عربی۔اردو)

☆ڈاکٹر محمد لقمان سلفی:

۱۴۸۔حجیۃ السنۃ والرد علی شبہ المنکرین (عربی)
۱۴۹۔اہتمام المحدثین بنقد الحدیث سنداً ومتناً ودحض مزاعم المستشرقین واتباعہم (عربی)
۱۵۰۔تحفۃ الکرام شرح بلوغ المرام

☆ڈاکٹر محمد ضیاء الرحمن اعظمی:

۱۵۱۔تحقیق کتاب المدخل فی السنن الکبریٰ للبیہقی (عربی)
۱۵۲۔تحقیق السنن الصغریٰ للبیہقی (عربی)

☆ڈاکٹر عبدالعلی ازہری:

۱۵۳۔تحقیق کتاب الزہد لابن ابی عاصم (عربی)
۱۵۴۔تحقیق کتاب الامثال لابی الشیخ الاصفہانی (عربی)
۱۵۵۔تحقیق کتاب الامثال للرامہرمزی (عربی)

☆مولانا ارشاد الحق اثری:

۱۵۶۔العلل المتناہیہ فی الاحادیث الواہیہ (عربی)
۱۵۷۔مسند الامام ابویعلی • تخریج وتحقیق (عربی)
۱۵۸۔کتاب المعجم (عربی)
۱۵۹۔تخریج احادیث والآثار ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء (عربی)

☆مولانا محمد عبدہ الفلاح:

۱۶۰۔مراسیل ابی داؤد

☆مولانا عبدالرشید حنیف:

۱۶۱۔ترجمہ سنن دارمی

☆پروفیسر غلام احمد حریری:

۱۶۲۔علوم الحدیث (ترجمہ)
۱۶۳۔حدیث رسول کا تشریعی مقام (ترجمہ)

☆ڈاکٹر محمد ابراہیم محمد ہارون بنارسی:

۱۶۴۔الوضع والوضاعون فی الحدیث (عربی)
۱۶۵۔تحقیق کتاب الاربعین لابی الفتح المقدسی (عربی)

☆ڈاکٹر عبدالرحمن عبدالجبار فریوائی:

۱۶۶۔تحقیق احادیث مختارۃ من موضوعات الجوزقانی وابن الجوزی لامام الذہبی (عربی)
۱۶۷۔تحقیق جزء الحسن بن عرفۃ العبدی (عربی)
۱۶۸۔تحقیق وتخریج اضواء علی طریق الدعوۃ الی الاسلام للجامی (عربی)
۱۶۹۔تحقیق لاحادیث العوالی من جزء ابن عرفۃ العبدی لامام الذہبی (عربی)
۱۷۰۔تحقیق کتاب الزہد لہناد بن السری (عربی)
۱۷۱۔تحقیق کتاب الزہد للامام وکیع بن الجراح (تین جلدیں) عربی
۱۷۲۔تحقیق کتاب الزہد لابی داؤد (عربی مخطوطہ)
۱۷۳۔تحقیق کتاب الزہد لابی حاتم (عربی مخطوطہ)
۱۷۴۔تحقیق الزہد الثمانیۃ من التابعین لعلقمۃ بن المرشد (عربی)
۱۷۵۔تحقیق الباعث الحثیث فی فضل علم الحدیث واہل الدحیث للشیخ عبدالجلیل السامرودی (عربی)
۱۷۶۔تحقیق التذکرۃ والاعتبار والانتصار للابرار للامام عماد الدین الواسطی (عربی)
۱۷۷۔〃جزء۔۔۔۔۔۔بنت عبدالصمد الہرویۃ الہرثمیۃ (عربی)
۱۷۸۔〃تلخیص الموضوعات للذہبی (عربی)
۱۷۹۔〃کتاب البر والصلۃ لعبداللہ بن مبارک (عربی)
۱۸۰۔〃الذخیرۃ فی ترتیب احادیث الکامل فی الضعفاء لابن عدی (عربی، قلمی)
۱۸۱۔〃کتاب الموضوعات لابن الجوزی (عربی)

۱۸۲۔تحقیق نسخہ وکیع عن الاعمش للامام وکیع بن الجراح (عربی) ۱۸۳۔ رر کتاب الاباطیل والمناکیر والصحاح المشاہیر للجوزقانی (عربی)

۱۸۴۔تحفۃ الراکع والساجد فی شرح حدیث لاتشد الرحال اِلّا الی ثلاثۃ مساجد (عربی) ۱۸۵۔تحقیق تذکرۃ الموضوعات لابن طاہر المقدسی (عربی)

۱۸۶۔تحقیق الذخیرۃ فی احادیث الکامل لابن طاہر المقدسی (عربی) ۱۸۷۔تحقیق الاسماء والصفات للبیہقی (عربی)

۱۸۸۔تحقیق کتاب الادب لابن ابی شیبہ (عربی)

☆ ڈاکٹر عبدالعزیز مبارکپوری:

۱۸۹۔تحقیق الضعفاء والمتروکون ومرویاتہم فی کتاب الحدود من سنن النسائی (عربی) ۱۹۰۔مرویات سمرۃ بن جندب فی مسند الامام احمد (عربی، قلمی)

☆ ڈاکٹر رضاء اللہ محمد ادریس مبارکپوریؒ:

۱۹۱۔تحقیق کتاب العظمۃ لابی الشیخ الاصفہانی (عربی) ۱۹۲۔تحقیق کتاب الفتن لابی عمرو الدانی المقری (عربی)

☆ ڈاکٹر عبدالقدوس محمد نذیر:

۱۹۳۔تحقیق کتاب الادب للبیہقی (عربی) ۱۹۴۔تحقیق مجمع البحرین فی زوائد المعجمین للہیثمی (عربی)

۱۹۵۔تحقیق غایۃ المقصود فی شرح سنن ابی داوٗد لمحدث شمس الحق العظیم آبادی (عربی) ۱۹۶۔تحقیق فہرس الاحادیث الواردۃ فی المجروحین لابن حبان (عربی)

☆ ڈاکٹر محفوظ الرحمن زین اللہ سلفیؒ:

۱۹۷۔تحقیق تلخیص العلل المتناہیۃ لابن الجوزی (عربی) ۱۹۸۔تحقیق العلل للدارقطنی (عربی، ۶ جلدیں)

۱۹۹۔تحقیق البحر الزخار المعروف مسند البزار للبزار (عربی ۳ جلدیں) ۲۰۰۔کتاب الروایۃ لابی سعید ابن العربی (عربی)

۲۰۱۔مسند الہیثم بن کلیب (عربی) ۲۰۲۔المرسل وحجیتہ (عربی)

☆ ڈاکٹر محمد اسحاق محمد ابراہیم:

۲۰۳۔تحقیق کتاب مناسبات تراجم ابواب البخاری (عربی) ۲۰۴۔تحقیق کتاب حدیث ابن عرفۃ (عربی)

۲۰۵۔الکتب الستۃ واسانیدہا والی مولفیہا (عربی)

☆ مولانا محمد عزیز شمس الحق:

۲۰۶۔تحقیق رفع الالتباس عن بعض الناس للشیخ شمس الحق العظیم آبادی (عربی) ۲۰۷۔تحقیق غنیۃ الالمعی للشیخ شمس الحق العظیم آبادی (عربی)

۲۰۸۔تحقیق ردالاشراک للشاہ اسماعیل الدہلوی (عربی)
۲۰۹۔تحقیق الغوامض والمبہمات لعبدالغنی الازدی (عربی)
۲۱۰۔تحقیق الاوائل لابن ابی عاصم (عربی)
۲۱۱۔تحقیق اللالی المنثورۃ فی الاحادیث المشہورۃ للزرکشی (عربی)
۲۱۲۔تحقیق الرباعی فی الحدیث لعبدالغنی لازدی (عربی)
۲۱۳۔تحقیق کتاب حدیث قس بن ساعدۃ الایادی لابن درستویہ (عربی)

☆مولانا صلاح الدین مقبول احمد مدنی:

۲۱۴۔تحقیق کتاب مسئلۃ العلو والنزول فی الحدیث لابن طاہر المقدسی (عربی)
۲۱۵۔تحقیق تحفۃ الانام فی حدیث خیر الانام للشیخ محمد حیات السندی (عربی)
۲۱۶۔زوابع فی وجہ السنۃ قدیماً وحدیثاً (عربی)

☆مولانا عبدالباری فتح اللہ سلفی مدنی:

۲۱۷۔تحقیق ارشاد طلاب الحقائق الی معرفۃ سنن خیر الخلائق للنووی۔

☆مولانا احمد مجتبیٰ محمد نذیر السلفی:

۲۱۸۔تحقیق الفتح السماوی فی تخریج احادیث تفسیر البیضاوی لعبدالروف المناوی (عربی)
۲۱۹۔تحقیق الذخیرۃ فی الاحادیث الضعیفۃ الموضوعۃ لابن ــــــ المقدسی (عربی)

☆ڈاکٹر عبدالوہاب خلیل صدیقی:

۲۲۰۔تحقیق الوضع والوضاعون (عربی)

☆ڈاکٹر فضل الرحمن دین محمد مدنی:

۲۲۱۔تحقیق مسائل الامام احمد بروایۃ ابن ابی الفضل (عربی ۳ جلدیں)

☆ڈاکٹر جاوید اعظم عبدالعظیم بنارسی:

۲۲۲۔تحقیق کتاب الاحسان فی تقریب صحیح ابن حبان لابن بلبان (عربی جزء ۲)
۲۲۳۔تحقیق التوضیح الابھر فی شرح التذکرۃ فی اثر لابن الملقن للسخاوی (عربی)

☆ڈاکٹر وصی اللہ محمد عباس مدنی:

۲۲۴۔تحقیق کتاب فضائل الصحابہ لامام احمد (عربی)

☆ڈاکٹر عبدالعلیم عبدالعظیم:

۲۲۵۔تحقیق الاحادیث الواردۃ فی المہدی فی میزان الجرح والتعدیل (عربی)
۲۲۶۔تحقیق عصمۃ الانبیاء للجوزقانی (عربی مخطوطہ)

☆ڈاکٹر محمد اقبال مدنی بسکوہری: عربی تحقیقات وتصنیفات

۲۲۶۔المجروحون فی علم الحدیث لِلازدی

۲۲۷۔ثلاثۃ اجزاء من کتاب البدر المنیر فی تخریج أحادیث الرافعی الکبیر لابن الملقن (ج ۵،۶،۹۔المطبوع فی ۲۸ مجلدا۔)

۲۲۸۔اسماء من یعرف بکنیۃ من أصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم للازدی

۲۲۹۔کنی من لایعرف لہ اسم من أصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم للازدی

۲۳۰من وافق اسمہ اسم أبیہ للازدی

۲۳۱۔من وافق اسمہ کنیۃ ابیہ للازدی

۲۳۲۔ذیل المجروحون

۲۳۳۔ذیل من وافق اسمہ کنیۃ أبیہ

۲۳۴۔ارشاد النبیل الی الجرح والتعدیل

۲۳۵۔تحفۃ الخریج الی طرق التخریج

۲۳۶۔قضاء الوطر من قصب السکر

۲۳۷۔اجلاء البصر من نزہۃ النظر

۲۳۸۔اصول التوفیق بین الاحادیث المتعارضۃ۔(غیر مطبوع)

۲۳۹۔التوفیق بین الاحادیث المتعارضۃ۔(العمل الحالی)

☆اردو کتابیں اور رسالے

۲۴۰۔رسالۃ اصول حدیث

۲۴۱۔رہبر تخریج حدیث

۲۴۳۔جرح وتعدیل

۲۴۴۔آسان درس حدیث

۲۴۵۔رہبر توفیق حدیث (تحت الطبع)

۲۴۶۔تاریخ تحفظ سنت وجہود محدثین

۲۴۷۔متعارض حدیثین۔منتخب از تاویل مختلف الحدیث۔(تحت الطبع)

ان کے علاوہ اور دیگر علماء کی تصنیفی خدمات موجود ہیں لیکن اختصار کے پیش نظر انہیں کے تذکرہ پر اکتفا کیا جارہا ہے اللہ تعالیٰ ہم تمام مسلمانوں خصوصاً اہل علم طبقہ کو زیادہ سے زیادہ خدمت حدیث کی توفیق عطا کرے۔آمین۔

مستفاد از:(۱)علماء اہل حدیث کی تصنیفی خدمات: مولانا محمد مستقیم سلفی

(۲) حدیث کی نشر واشاعت میں علماء اہل حدیث کی خدمات عبدالرشید عراقی

(۳) چالیس علماء اہل حدیث: عبدالرشید عراقی۔

(ماہنامہ صوت الاسلام۔جون، جولائی ۲۰۰۹)

❑❑❑

صوبۂ جھارکھنڈ میں فتنۂ انکار حدیث اور علمائے اہل حدیث کی مساعی جمیلہ

محمد طیب المدنی
جامعہ رحمانیہ مدھو پور، جھارکھنڈ

اسلام ایک عالمی دین ہے جس کی تکمیل اللہ رب العالمین نے محمد رسول اللہ صلی علیہ وسلم پر کی۔ اسلام کے سرچشمے دو ہیں: قرآن اور حدیث۔ قرآن مجید کے بعد احادیث نبویہ کا مقام ومرتبہ ہے، جس سرچشمۂ ہدایت کی زبان فیض ترجمان سے قرآن مجید کا ظہور ہوا، اسی سے احادیث نبویہ کا بھی صدور ہوا، قرآن مجید نے ان دونوں گراں قدر اصول کو آیت وَأَنزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ{النساء: ۱۱۳} میں کتاب وحکمت سے تعبیر کیا اور جس طرح اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم{الاعراف: ۳} میں اتباع قرآن کا حکم دیا ہے، اسی طرح لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ{الاحزاب: ۲۱} اور{النور: ۵۴} میں اتباع حدیث کا حکم دیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں اللہ کی اطاعت کے ساتھ ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی تاکید اس قدر آئی ہے کہ دونوں کے درمیان خط امتیاز کھینچنا مشکل معلوم ہوتا ہے، اسی لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہمیشہ احادیث رسول کی اشاعت میں اسی طرح کوشاں رہتے تھے جس طرح قرآن مجید کے تحفظ واشاعت میں تھے، خیر القرون سے اب تک امت مسلمہ کا قال اللہ وقال الرسول سے جسم وجان کا رشتہ رہا ہے، عقیدہ وعمل کے اعتبار سے اس امت میں بہت سی گمراہیاں آئیں اور بہت سے فرقے پیدا ہوئے، لیکن کتاب وسنت کو اسلامی شریعت کے بنیادی ماخذ ماننے پر پوری امت متفق ومتحد رہی اور مسلمانوں نے کتاب وسنت کو اپنا مقصد حیات بنائے رکھا، ابتدائی صدیوں میں ایک ایک اسوۂ رسول کو بے مثال تلاش وجستجو اور نہایت سخت معیار تحقیق پر پرکھ کر کتب احادیث کی شکل میں محفوظ کرلیا گیا ہے، جسے دنیائے تحقیق میں آج تک اس امت کا معجزہ قرار دیا جاتا ہے۔

اٹھارہویں صدی کا آخری اور انیسویں صدی کا ابتدائی زمانہ تھا جب مغربی قوموں کا عالمی سیلاب ایک طوفان کی طرح اسلامی ممالک پر امنڈ آیا اور مغربی قومیں ملک وسلطنت کی وسیع وعریض کرنے میں کامیاب ہوگئیں تو مستشرقین نے علوم اسلامیہ کی طرف توجہ دیا اور حدیث کے اندر تشکیک پیدا کیا، سب سے پہلا شخص جس نے بالکلیہ حدیث کے انکار کا اعلان کیا وہ جرمن کا ایک یہودی گولڈزیہر (۱۸۵۰ء۔۱۹۲۱ء) ہے، اس نے جرمن زبان میں حجیت حدیث کے خلاف ۱۸۹۰ء میں ایک کتاب بنام ''دراسات اسلامیہ'' لکھا جس کے اندر حدیث رسول پر زبان دراز کیا۔

برصغیر (ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش) پر انگریزوں کی حکومت قائم ہوچکی تھی، اس لیے اس کتاب کی نشرواشاعت بھی

برصغیر میں خوب ہوئی، متحدہ ہندوستان کے اندر پہلا شخص غلام نبی عرف عبداللہ چکڑالوی ہے جس نے ۱۹۰۲ء میں اہل قرآن کی بنیاد رکھی اور اعلان کیا کہ قرآن مجید میں تمام چیزیں موجود ہیں، اس لئے حدیث کی ضرورت نہیں ہے، اس طرح یہ فتنہ (انکار حدیث) ہندوستان پہنچ گیا۔

شہر مدھو پور قدیم ضلع سنتھال پرگنہ کے جنوب میں ایک خوبصورت وصحت بخش مقام نیز علاقے کا قلب ہے، سنتھال پرگنہ کا شمال مشرقی خطہ مجاہدین بالاکوٹ کا خاص مرکز ومحور رہا ہے، جس کی ایک زندہ یادگار جامعہ شمس الہدیٰ السّلفیہ، دلال پور ہے، جہاں سے انقلاب ۱۹۴۷ء تک برابر مجاہدین سرحد کے لئے بمعرفت امارت اہل حدیث صادق پور، پٹنہ (بہار) رسد پہنچتا رہا، اس خطۂ ارضی سے تین افراد پر مشتمل ایک وفد (عبدالجبار، ضمیرالدین اور عبدالسبحان رحمہم اللہ) مجاہدین کے قافلے میں شریک ہوا، جو عرف عام میں جیو، ضمیر اور سبحانی کے نام سے معروف ومشہور ہوئے۔

اس خطۂ ارضی کی دینی واخلاقی تعمیر میں بڑے بڑے اساطین دین وعلم نے حصہ لیا ہے۔ ان بزرگان ملت کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ تھا کہ ضلع سنتھال پرگنہ اپنی تعلیمی وتمدنی پسماندگی میں پورے ملک میں مشہور ہونے کے باوجود کتاب وسنت کی خوشبوؤں سے معطر تھا، اور شرک وبدعات اور محدثات وخرافات وغیرہ ہر قسم کی دینی واعتقادی بگاڑ سے بڑی حد تک محفوظ وپاک تھا، سنتھال پرگنہ ۱۹۱۲ء سے قبل تک صوبہ بنگال کا ایک حصہ تھا، انگریزوں نے اسے صوبہ بہار میں شامل کر دیا، جھارکھنڈ ۲۰۰۰ء میں صوبہ بہار سے الگ ایک صوبہ بن گیا، فی الحال سنتھال پرگنہ صوبۂ جھارکھنڈ کا ایک حصہ ہے، اس بات کا تذکرہ ہو چکا ہے کہ علاقے مدھو پور سے تین آدمی مجاہدین کے قافلے میں شریک ہوئے تھے، ان بزرگوں کی مساعی جمیلہ کی وجہ سے مدھو پور میں ۱۸۶۵ء میں ایک مسجد کی تعمیر ہوئی، اس مسجد سے متصل ایک مدرسہ بنام ''مدرسہ اسلامیہ'' ۱۹۲۳ء میں قائم کیا گیا۔

مدھو پور میں فتنۂ انکار حدیث کے تعلق سے مولانا قاری عبدالمنان اثری شنکر نگری ضلع بلرام پور (یوپی) مدرسۃ الرشاد کے تعارف میں تحریر کرتے ہیں (دوسری جنگ عظیم کے موقع پر کلکتہ میں بمباری ہوئی، مڈل فیل قسم کا ایک آدمی کانکی نارا کلکتہ سے بھاگ کر مدھو پر آیا اور یہیں آباد ہوگیا (کانکی نارا میں کورٹ کا دلال تھا) اس نے ہومیوپیتھک پریکٹس شروع کی، چند سالوں کے بعد ہومیوپیتھک کلینک قرآنک ریسرچ سوسائٹی میں تبدیل ہوگیا، یہ شخص انتہائی موقع شناس، شاطر اور لفاظ قسم کا تھا، کم علم اور کم فہم لوگوں کو اپنی طرف کھینچ لینے کا اچھا ڈھنگ وہنر حاصل تھا، اس نے اپنے غیر معمولی شور وشر سے جہلاء اور اوباشوں کی ایک مجلس جمالی اور باقاعدہ انکار حدیث کی تحریک شروع کر دی، جس کی وجہ سے شہر مدھو پور ومضافات کی دینی واخلاقی حالت کلیۃ تباہ ہوکر رہ گئی) یہی وہ فتنہ ہے جس نے کتاب وسنت کے کاز کی تقویت کے لیے کی گئی صدیوں کی محنت وکوشش، جدوجہد اور مساعی جمیلہ پر بالکل ہی پانی پھیر دیا، اس فتنہ (انکار حجیت حدیث) نے ۱۹۶۶ء میں جامع مسجد اہل حدیث مدھو پور پر غلبہ حاصل کرلیا۔ اس طرح یہ فتنہ مدھو پور ومضافات میں ہاتھ پیر مارنے میں کامیاب ہوگیا۔

جامع مسجد اہل حدیث مدھو پور پر جس وقت منکرین حدیث کا قبضہ ہوا تھا اس وقت مدرسہ اسلامیہ مدھو پور کے صدر مدرس

اور جامع مسجد اہل حدیث کے امام وخطیب مولانا قاری عبدالمنان اثری شنکرنگری صاحب تھے، افراد اہلحدیث واخوان جماعت نے عیدگاہ کو پختہ نماز وجمعہ کے لئے مسجد میں تبدیل کردیا، قاری عبدالمنان صاحب نے اس صورت حال کا جائزہ لیا پھر مدرسہ سے مستعفی ہوگئے، وہ مدرسۃ الرشاد کے تعارف میں تحریر کرتے ہیں (مدرسہ اسلامیہ کی میری ملازمت قومی، ملی اور جماعتی مسئلے کا حل نہیں تھا بلکہ ایک سنگ راہ۔ چنانچہ لوگوں کے ہزار اصرار کے باوجود فروری ۱۹۶۸ء میں مدرسہ اسلامیہ کی ذمہ داریوں سے میں نے رخصت لے لی اور ۵ مارچ ۱۹۶۸ء کو ایک ایکڑ زمین موضع پھُل جھریا متصل ڈابھا کیند میں اسی اعلیٰ مقصد کے تحت میں نے جامتاڑا کورٹ میں وقف کرایا کہ اس علاقے کی اصلاح اور تعمیر کا کام یہیں سے شروع کیا جائے مگر صد افسوس کہ بعض غیر مخلص ساتھیوں کی وجہ سے کام شروع نہ ہوسکا) قاری عبدالمنان اثری صاحب نے مدھوپور میں کرایہ پر ایک مکان لیا اور اکتوبر ۱۹۷۱ء میں مدرسۃ الرشاد کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا جو چند سال کے بعد بند ہوگیا۔

مفسر قرآن مولانا عبدالقیوم رحمانی بستوی رحمہ اللہ جامعہ رحمانیہ مدھوپور کے تاثر میں تحریر فرماتے ہیں: (قاری عبدالمنان اثری اور ہم دونوں شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانی (رحمہ اللہ) کے پاس مبارکپور گئے اور مدھوپور ومضافات کے حالات سے مطلع کیا، تو انہوں نے مدھوپور میں ایک آزاد سلفی ادارہ قائم کرنے کا مشورہ دیا اور زمین حاصل کرنے کے لئے دو معتمد علیہ آدمی کو مدھوپور بھیجا) لیکن کامیابی نہیں ملی، مولانا عبدالمنان اثری رحمہ اللہ نے مدھوپور میں ۱۹۸۰ء میں ایک قطعۂ آراضی حاصل کیا، جس پر ایک مدرسہ بنام جامعہ رحمانیہ ۱۹۸۷ء مطابق شوال ۱۴۰۷ھ میں قائم کیا گیا۔ الحمدللہ یہ ادارہ مثبت طریقے سے کتاب وسنت کی خدمت میں مصروف عمل ہے۔

استاذی المحترم مولانا صفی الرحمن مبارکپوری رحمہ اللہ اپنی کتاب (انکار حدیث حق یا باطل) کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں (اضلاع سیونی وبالا گھاٹ، مدھیہ پردیش) میں فتنۂ انکار حدیث نے سر اٹھایا ہے اور لوگوں میں اضطراب ہے، فروری ۱۹۷۶ء میں جامعہ سلفیہ بنارس سے راقم الحروف، حافظ نصراللہ صاحب اور استاذ گرامی مولانا شمس الحق السّلفی صاحب نے اس علاقے کا دورہ کیا، شبہات پر گفتگو ہوئی اور الحمدللہ دم توڑ گیا، واپسی کے بعد راقم نے ان شبہات کی تردید میں سولہ صفحات کا ایک رسالہ بنام ''انکار حدیث کیوں؟'' شائع کیا، یہ رسالہ مدھوپور (بہار) پہنچ گیا، مدھوپور سے ایک مکتوب بنام ''انکار حدیث یوں'' وارد ہوا) اس کا جواب استاذی المحترم نے کتاب کی شکل میں بنام ''انکار حدیث حق یا باطل'' لکھا جو مئی ۱۹۷۹ء میں جامعہ سلفیہ بنارس سے طبع ہو کر منظر عام پر آ گئی اور کتاب مدھوپور بھی پہنچ گئی تو فضا میں سکوت طاری ہوگیا اور منکرین حدیث بظاہر خاموش ہوگئے۔

جامع مسجد اہلحدیث مدھوپور پر منکرین حدیث کا قبضہ وتصرف اور انتظام وانصرام ہونے کی وجہ سے فتنہ انگیزی، شر پسندی مکر وفریب، حدیث کے اندر شکوک وشبہات پیدا کرنے، لوگوں کے ذہن ودماغ کو خراب کرنے اور گمراہیاں پھیلانے میں پہلے سے زیادہ متفق ومتحد اور مضبوط ومستحکم ہوگئے، وہ اپنے مکر وفریب کی وجہ سے مدرسہ اسلامیہ مدھوپور کے ذمہ دار بھی بن گئے، کیونکہ یہ ادارہ مدرسہ اکزامینیشن بورڈ بہار سے ملحق ہے، چنانچہ قرآنک ریسرچ سوسائٹی کی جانب سے دو کتابچے: ایمان وعمل اور مخزن علم وبصیرت منظر عام پر آگئے، ان دونوں کتابچے کی وجہ سے مدھوپور ومضافات کا ماحول مزید خراب ہوگیا، ایسی صورت میں راقم الحروف (محمد طیب

المدنی) نے دونوں کتابچوں کا جواب بنام 'قول فیصل' لکھا جس میں ان دونوں کتابچوں کا بھرپور جائزہ لیا گیا، ان کی جہالت وضلالت کا پردہ چاک کیا گیا اور قرآن مجید واحادیث نبویہ کی روشنی میں ان کے شکوک وشبہات کا ازالہ کیا گیا، چنانچہ یہ کتاب جامعہ سلفیہ بنارس سے اکتوبر ۱۹۹۷ء میں طبع ہوکر منظر عام پر آگئی جس کی وجہ سے منکرین حدیث بالکل ہی خاموش ہوگئے۔

اس بات کا تذکرہ ہو چکا ہے کہ مولانا قاری عبدالمنان اثری شکرنگری رحمہ اللہ ۱۹۸۰ء میں مدھوپور میں ایک قطعۂ آراضی مدرسہ کے نام حاصل کر چکے تھے، احباب واخوان جماعت اہلحدیث مدھوپور ومضافات نے اس معاملہ پر غور وفکر کیا کہ مجاہدین بالاکوٹ نے اس سرزمین میں دین وایمان کی آبیاری کے لئے جو محنتیں وکوششیں صرف فرمائیں تھیں ان کے آثار ونشانات کو محفوظ رکھا جائے، اس لیے مدھوپور میں حاصل کردہ قطعۂ آراضی پر ایک آزاد سلفی ادارہ قائم کیا جائے، چنانچہ ایک مدرسہ بنام 'جامعہ رحمانیہ' ۱۹۸۷ء میں قائم کیا گیا، یہ ادارہ معروف معنوں میں صرف ایک روایتی درسگاہ نہیں ہے، بلکہ ایک عظیم دینی وملی تحریک ہے جو عصر حاضر میں دینی وملی تقاضوں کو بروئے کار لانے، فتنۂ انکار حدیث کا قلع قمع کرنے، احیاء کتاب وسنت کرنے اور جماعت اہل حدیث کی پوزیشن کو مضبوط ومستحکم کرنے کے لئے پورے ایمان ویقین اور علم وبصیرت کے ساتھ برپا کیا گیا ہے، اسی مقصد کے تحت اس سے قبل مدھوپور سے تقریباً ۲۵۔۲۶ کیلومیٹر دور ایک ادارہ بنام ''جامعہ محمدیہ'' ڈابھا کیندرا اکتوبر ۱۹۷۷ء میں قائم کیا گیا تھا، کیونکہ فتنۂ انکار حدیث کی وجہ سے جماعت اہل حدیث کے اندر بہت ہی زیادہ اضطراب وانتشار تھا، ایسی صورت حال کو دیکھتے ہوئے ارباب حل وعقد نے اس کے سدباب کے لئے قدم اٹھایا تھا۔

شہر مدھوپور میں جامعہ رحمانیہ کے قیام کی وجہ سے جماعت اہلحدیث کو بہت ہی زیادہ تقویت ملی، ان دونوں اداروں کے علاوہ، وہ طلبہ جو جامعہ سلفیہ بنارس، مدارس مئوناتھ بھنجن اور دیگر مدارس سے فارغ ہوئے، مزید وہ طلبہ جو مدینہ یونیورسٹی (سعودی عرب) سے فارغ ہوکر وطن واپس ہوچکے تھے، ان کے علاوہ ہندوستان کے اکابر علمائے اہلحدیث نے اس علاقے پر خاص طور سے توجہ دی اور موقع بموقع اجلاس عام میں شرکت فرماکر کتاب وسنت کی روشنی میں اسلام کی حقانیت پر روشنی ڈالی جس کی وجہ سے ماحول پر بہت ہی اچھا اثر ہوا اور فتنۂ انکار حدیث کا زور ختم ہونا شروع ہوا۔

جس وقت منکرین حدیث نے جامع مسجد اہل حدیث مدھوپور پر قبضہ کیا تھا اس وقت جماعت کے پاس کوئی مسجد نہیں تھی، اس لیے افراد جماعت نے عیدگاہ کو مسجد میں تبدیل کردیا تھا، چند سالوں کے بعد ۱۹۹۸ء میں ایک چھوٹی مسجد توسیع کے بعد جامع مسجد بن گئی، اس کے علاوہ ۲۰۱۱ء میں ایک مسجد کی تعمیر ہوئی وہ بھی جامع مسجد ہے، پھر احباب واخوان جماعت اہلحدیث نے اس مسجد پر توجہ دی جو منکرین حدیث کے قبضہ وتصرف میں تھی۔ الحمدللہ ۲۴ راگست ۲۰۱۲ء کو جامع مسجد اہل حدیث مدھوپور کو جماعت اہلحدیث حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئی، اس طرح اس وقت شہر مدھوپور میں جماعت اہل حدیث کے پاس چار جامع مساجد ہیں۔ فللہ الحمد والشکر۔

(ماہنامہ محدث بنارس جنوری ۲۰۱۳ء)

□□□

دارالحدیث رحمانیہ دہلی اور اس کا پس منظر

مولانا عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ

یہ حقیقت ہے کہ ہندوستان کی تاریخ میں تقلید جامد، تصوف باطل، وحدۃ الوجود، وحدۃ الشہود اور اکبر کے فتنۂ دین الٰہی کے بہت پہلے سے اہل حدیث موجود ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی، علامہ بشاری مقدسی صاحب ''احسن التقاسیم'' اور مورخ فرشتہ سب کی تصریحات کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ تقلید جامد کے دور سے پہلے تابعین ہی کے دور سے یہاں اہل حدیث عقیدہ وفکر کے لوگ موجود تھے اور تاجران عرب کے سواحل مالا بار اور سواحل سورت پر آنے کے ساتھ ہی یہاں سلفیت کا بول بالا رہا۔ سلطان شہاب الدین غوری کے بھائی شمس الدین غوری، محمود غزنوی کے دور کے محدث قفال مروزی اور مغلیہ دور سے پہلے سلطان محمد تغلق وغیرہم اہل حدیث عقیدہ وفکر اور منہج ومسلک کے حامل تھے، لیکن بعد میں ماوراء النہر کے راستہ سے آنے والے جامد حنفی مقلدین کی وجہ سے جنوبی ہند کو چھوڑ کر یہاں کی اکثریت اعتزال زدہ متاخرین احناف کی مقلد ہوئی، اس کے باوجود 'الحق ابلج' کے اصول کے تحت ہر دور میں احیاء توحید وسنت کے جیالے موجود رہے۔ شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ تصوف اور وحدۃ الشہود کے عقیدہ کے باوجود بدعات اور خلاف سنت اعمال واطوار کے خلاف اپنے مکتوبات میں بہت کچھ لکھ گئے ہیں اور اکبر کے دین الٰہی کا سبب وہ اسی جمود اور بدعت کو قرار دیتے ہیں اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ اپنے متصوفانہ اور وحدۃ الشہودی عقیدہ اور عملاً فروعات میں حنفی مسلک پر عمل کرنے کے باوجود عمل بالکتاب والسنۃ اور ترک تقلید کا اتنا بڑا لٹریچر چھوڑ گئے ہیں جس کی مثال دور واپسیں میں نہیں ملتی۔ اسی طرح ملا معین رحمہ اللہ صاحب ''دراسات اللبیب' نے دراسات میں اور شاہ ولی اللہ کے فرزند ارجمند شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اپنی 'تفسیر عزیزی' میں تقلید کے سلسلہ میں جو کچھ لکھا ہے وہ ارباب تقلید کی آنکھ کھولنے کے لئے کافی ہے۔

شیخ احمد سرہندی کے مکتوبات، شاہ ولی اللہ کے وصایا، فارسی میں ان کے ترجمۂ قرآن، ان کی عظیم الشان تصنیفات 'حجۃ اللہ البالغۃ'، 'عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید' اور 'البلاغ المبین فی اتباع خاتم النبیین' وغیرہ کی حیثیت اس باب میں شاہکار کی ہے۔ اسی طرح علامہ شیخ فاخر زائر الٰہ آبادی (۱۱۲۰۔ ۱۱۶۴ھ) کی تصنیفات 'نور العین' وغیرہ اور ان کی عظیم علمی وعملی جدوجہد اور احیاء سنت کے سلسلہ میں ان کی ناصحانہ مساعی اعلیٰ ترین تجدیدی کارنامے ہیں اور تصوف اور سید احمد رائے بریلوی رحمہ اللہ کی شان میں بے جا عقیدت اور 'عبقات' کے غلط خیالات کے باوجود شاہ محمد اسماعیل دہلوی رحمہ اللہ کی 'تقویۃ الایمان'، 'تنویر العینین فی اثبات رفع الیدین' اور 'اصول فقہ' وغیرہ متحدہ ہندوستان میں اسلام کی تجدید اور مسلمانوں کی اصلاح اور اہل حدیث کی تاسیس کی بنیادی اینٹیں ہیں۔

لیکن شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی رحمہ اللہ کے شاگرد رشید اور ان کے مکہ ہجرت کر جانے کے بعد درسگاہ ولی اللہی کے حقیقی جانشین شیخ الکل میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ (۱۲۲۰۔ ۱۳۲۰ھ) نے نہایت واضح اور واشگاف انداز میں عقیدہ ومنہج سلف کا

علمی، فکری، عملی اور تجدیدی احیاء کیا اور یہ حقیقت ہے جیسا کہ مولانا عبدالحلیم شرر اور دوسرے مورخین نے لکھا ہے کہ وہ چودھوی صدی ہجری کے مجدد ہیں۔ اس جامع المجدد دین شخصیت نے صرف تفسیر وحدیث ہی میں نہیں، صرف فقہ واصول ہی میں نہیں، صرف زبان وادب ہی میں نہیں بلکہ ہر میدان میں اپنے اصلاحی اور تجدیدی کارناموں سے اسلام کا احیاء کیا، اس سرزمین میں 'معیار الحق' جیسی جامع، امامانہ، مجددانہ، مصلحانہ اور فقیہانہ کتاب لکھ کر شائع کرائی جس کے اثرات سے اوران کی ساٹھ سالہ معلمانہ خدمات سے صرف متحدہ ہندوستان اور نیپال ہی نہیں بلکہ سمرقندو بخارا، نجد وحجاز اور مراکش وجزائر سب اثر پذیر ہوئے۔ اس مختصر سے دور میں ان کے ہاتھ پر ۲۲ لاکھ سے زیادہ لوگ تقلید اور بدعت کی راہ چھوڑ کر کتاب اللہ اور سنت رسول کے پابند ہوکر اہل حدیث ہو گئے۔

ان کی عظیم الشان درسگاہ ولی اللہی یعنی مدرسہ میاں صاحب پھاٹک حبش خاں اپنے دور کی سب سے عظیم یونیورسٹی تھی۔ اس سے حجاز ونجد، تونس ومراکش، مصر وسوڈان، چین وتبت سے لے کر ایران وافغانستان، یاغستان وبخارا، سمرقندوغزنی، قندھار وکاشغروہرات اور ہندوستان کے سارے صوبوں کے ایسے علماء، مفسرین، محدثین اور فقہاء نے تعلیم حاصل کی جن میں سے ہرایک بجائے خود امام، مجدد، مفسر، محدث، فقیہ، اصولی اور ادیب بن گیا۔ ان کے تلامذہ میں علامہ ابومحمد ابراہیم آروی، امام محمد حسین بٹالوی، علامہ عبدالعزیز رحیم آبادی، علامہ شمس الحق عظیم آبادی، علامہ عین الحق پھلواروی، علامہ رفیع الدین شکرانوی، علامہ احمد رحیم چھپراوی، استاذ الاساتذہ امام عبداللہ غازی پوری، امام عبداللہ غزنوی، امام عبدالمنان محدث وزیرآبادی، امام عبدالرحمن محدث مبارکپوری، مولانا عبدالسلام محدث مبارکپوری، امام العلماء علامہ محمد بشیر سہسوانی، علامہ امیر احسن سہسوانی، امام الادباء قاضی طلا محمد پشاوری، مولانا محمد ہاشم سامرودی، مولانا عبدالباری بنگالی، مولانا عین الدین بنگالی، قاضی فضل حسین مظفرپوری، مولانا عبیداللہ صاحب تحفۃ الہند، شیخ الاسلام ثناء اللہ امرتسری، مولانا محمد غزنوی، مولانا عبدالجبار غزنوی، مولانا عبدالغفور غزنوی، مولانا سید شریف حسین (میاں صاحب کے فرزندارجمند)، مولانا حافظ عبدالوہاب ضریر، مولانا سید عبدالسلام اور مولانا سید ابوالحسن (نبیرگان میاں صاحب) مولانا حفیظ اللہ خاں واعظ دہلوی، شمس العلماء ڈپٹی نذیر احمد، مولانا عبدالحق صاحب تفسیر حقانی، حجۃ الاسلام مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی، مولانا غلام حسن سیالکوٹی، مولانا ابوالحسن سیالکوٹی، مولانا محمد حسین (نبیرۂ مولانا بارک اللہ لکھوی)، امام العلماء مولانا ابویحییٰ محمد شاہجہاں پوری، مولانا عبداللہ غلام رسول اور علامہ عبدالحکیم نصیر آبادی رحمہم اللہ وغیرہم جیسی عظیم شخصیات شامل ہیں۔ ان کی وفات حسرت آیات کے بعد ان کے دونوں پوتوں سید عبدالسلام اور سید ابوالحسن اوران کے عظیم شاگرد ڈپٹی سید احمد حسین دہلوی کے دورتک ان کی یہ درسگاہ اپنی پوری ذمہ داریاں نبھاتی رہی اوراس کے بعد یہ تقریباً ختم ہوگئی اوران کی لائبریری مخطوطات سمیت جامعہ ہمدرد جیسے غیراسلامی اور سیکولر ادارہ میں منتقل ہوگئی۔

اس جامع المجدد دین امام کی زندگی ہی میں ان کے عظیم شاگردوں نے ملک کے مختلف علاقوں میں بڑے بڑے دارالعلوم قائم کئے۔ ان میں اپنے دور کی عظیم یونیورسٹی مدرسہ احمدیہ آرہ مصلح کبیر علامہ ابومحمد ابراہیم آروی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۳۱۹ھ) نے ۱۲۹۸ھ میں آرہ میں قائم کی۔ اسے ایک مدت تک خود انہوں نے اوران کے مکہ منتقل ہونے کے بعد مجاہد عظیم، امام عالی مقام، مجتہد عصر، مصلح

ملت علامہ عبدالعزیز رحیم آبادی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۹۱۸ء) نے اوراستاذ الاساتذہ، امام عصر علامہ عبداللہ غازی پوری رحمہ اللہ وغیرہم نے چلایا۔ دوسری جانب پنجاب میں امام وقت مولانا حافظ عبدالمنان محدث وزیر آبادی رحمہ اللہ نے اوران کے بعدان کے شاگردرشید مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ نے گوجرانوالہ میں جامعہ محمدیہ اورامام العلماء مولانا حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ نے جامعہ اسلامیہ، مئو میں بڑے مولانا احمد مئوی رحمہ اللہ نے فیض عام اور مولانا فیض اللہ رحمہ اللہ نے مدرسہ عالیہ، مولانا محمد سعید محدث بنارسی رحمہ اللہ اور حجۃ الاسلام مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی رحمہ اللہ نے بنارس میں مدرسہ سعیدیہ اور مولانا محمد منیر خاں رحمہ اللہ نے بنارس ہی میں جامعہ رحمانیہ بنارس جیسے عظیم تدریسی ادارے قائم کئے۔ جنوبی ہند میں مولانا فقیر اللہ مدراسی رحمہ اللہ اور پنجاب میں امام عبداللہ غزنوی رحمہ اللہ اوران کے شاگردوں کا فیض جاری ہوا۔ بہار میں امام عبدالعزیز رحیم آبادی کے والد چودھری احمد اللہ صاحب رحمہ اللہ نے مدرسہ رحیمیہ قائم کیا علامہ عبدالعزیز رحیم آبادی کے زیرنگرانی ترہت بہار میں دارالعلوم احمدیہ سلفیہ قائم کیا گیا اور مشرقی یوپی میں دارالہدیٰ یوسف پور اور مدرسہ مظہرالعلوم اوسان کوئیاں کا قیام عمل میں آیا۔ بھوپال میں نواب صدیق حسن خاں قنوجی رحمہ اللہ نے دسیوں ادارے اور مولانا ابویحییٰ محمد شاہجہاں پوری رحمہ اللہ نے شاہجہاں پور میں دارالحدیث قائم کیا۔

یہ فیوض آگے بڑھ کر مدینہ اور مکہ میں دارالحدیث کے نام سے جاری ہوئے اور نجد میں میاں صاحب رحمہ اللہ کے تلامذہ سعودی عرب کے مفتی اکبر محمد بن ابراہیم آل شیخ اور امام عصر علامہ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز کے استاذ امام سعد بن عتیق، امام اسحاق بن عبدالرحمن آل شیخ اور قصیم میں امام محمد بن صالح العثیمین کے استاذ الاستاذ اور علامہ عبدالرحمن سعدی کے استاذ علامہ ابووادی علی بن وادی رحمہم اللہ وغیرہم نے یہ فیض عام کیا اور شیخ الکل کے شاگردوں کے شاگرد امام عبداللہ القرعاوی رحمہ اللہ نے سعودی عرب کے جنوبی علاقہ اوریمن میں دین کی تجدید کا کام کیا، اسی طرح میاں صاحب کے شاگردوں کے شاگرد امام عبدالعزیز بن راشد حریقی رحمہ اللہ اور امام عبداللہ بن یابس قویعی رحمہ اللہ نے مصر میں 'انصار السنۃ المحمدیہ' کی تاسیس میں شریک ہوکر مصر وسوڈان وغیرہ میں یہ تجدیدی کارنامے انجام دیئے اور میاں صاحب ہی کے شاگرد علامہ محمد عبدالرحمن مبارکپوری رحمہ کے شاگرد ڈاکٹر محمد تقی الدین ہلالی رحمہ اللہ نے مصر، الجزائر، مغرب اقصیٰ، تونس اور جرمنی تک اس عظیم الشان اصلاحی اور تجدیدی کارنامے کو آگے بڑھایا۔

لیکن ان سب اداروں میں جامعہ نذیریہ اور جامعہ احمدیہ آرہ کے بعد جوادارہ عظیم بین الاقوامی یونیورسٹی بن کر سامنے آیا وہ دارالحدیث رحمانیہ باڑہ ہندوٗراوٗ دہلی، جو امام عبدالعزیز رحیم آبادی اور حجۃ الاسلام مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی رحمہا اللہ کی کوششوں سے دہلی کے دو بڑے اہل حدیث تاجروں میاں عبدالرحمن اوران کے بھائی میاں عطاء الرحمن رحمہا اللہ کی دولت وثروت سے قائم ہوا۔ اس ادارہ سے بھی جامعہ نذیریہ کی طرح عرب وعجم سب مستفید ہوئے۔ جب نجد کے مشہور عالم شیخ عبدالعزیز بن راشد نجدی، شیخ عبداللہ بن یابس رحمہا اللہ اوران کے ایک تیسرے ساتھی نے مجلہ 'المنار' اور تفسیر 'المنار' کے مصنف اور مشرق ومغرب کے تسلیم شدہ امام و مصلح سید محمد رشید رضا رحمہ اللہ سے قاہرہ میں جاکر علوم حدیث پڑھنے کے لئے رائے طلب کی اور اس مقصد کے تحت مصر میں قیام کرنا چاہا تو سید رشید رضا نے بغیر کسی تامل کے ہندوستان جانے کی رائے دی۔

دارالحدیث رحمانیہ سے آبروئے جماعت اہل حدیث، جامع المعقول والمنقول، امام عصر علامہ نذیر احمد رحمانی، محدث عصر علامہ عبیداللہ رحمانی مبارکپوری، مولانا محمد بشیر رحمانی مبارکپوری، مولانا محمد اقبال رحمانی، مولانا محمد منتصر رحمانی، مولانا یوسف رحمانی، ڈاکٹر آفتاب احمد رحمانی، مولانا حاکم الدین رحمانی، مولانا داؤد رحمانی اور مولانا عبدالغفار حسن رحمانی وغیرہم رحمہم اللہ کی عظیم وجلیل شخصیات ابھریں جن میں سے ہرایک اپنے دور کا امام اور مصلح بنا۔

تقسیم ملک کے حادثہ کے بعد دارالحدیث رحمانیہ ختم ہوگیا اوراس کا عظیم کتب خانہ مخطوطات سمیت جامعہ ملیہ اسلامیہ جیسے غیر اسلامی اور سیکولر ادارہ میں منتقل ہوگیا اوراس کی نہایت قیمتی عمارت شفیق میموریل اسکول جیسے غیر اسلامی ادارہ کوسونپ دی گئی، جب کہ آج بھی دارالحدیث رحمانیہ کے نام سے کشمیری گیٹ پر اوقاف موجود ہیں اور قانونی طور پر موقوف علیہ جائیداد وقف مانی جاتی ہے۔ تقسیم کے بعد جب اس کی عمارت کے سلسلہ میں مقدمہ دائر کیا گیا تو دارالحدیث رحمانیہ چلانے کی اجازت مل گئی، لیکن یہاں کے دعویداران اہل حدیثیت کی مجرمانہ غفلت کے نتیجہ میں وہ شفیق میموریل اسکول کو حاصل ہوگئی۔ امام میاں نذیر حسین محدث دہلوی کی بین الاقوامی یونیورسٹی اور جامعہ احمدیہ جیسے تجدیدی ادارہ اور دارالحدیث رحمانیہ کی تاریخ اور کارناموں پر مستقل طور پر جامع تصنیف کی ضرورت ہے۔ اللہ مجھ سیہ کار یا کسی اور بہتر شخص کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(ماخوذ از مجموعہ مقالات مولانا عبدالحمید رحمانی ۲/ ۱۴۰)



دارالحدیث رحمانیہ دہلی ایک نظر میں

تاسیس: امام المجاہدین صوفی عبداللہ وزیر آبادی (م ۱۹۷۵ء) کی تجویز اور مجاہد اسلام علامہ عبدالعزیز رحیم آبادی م (۱۳۳۷ھ) کی ترغیب وایماء پر اور حجۃ الاسلام مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی (م ۱۳۷۵ھ) کی کاوشوں وقربانیوں سے پرانی دہلی کے مشہور ومعروف تاجر شیخ عبدالرحمن (م ۱۹۲۱ء) اوران کے برادر صغیر شیخ عطاء الرحمن (م ۱۹۳۹ء) نے ماہ شوال ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹۲۱ء کو باڑا ہندوراؤ دہلی میں اسے قائم کیا۔

تعلیم: اس مدرسہ میں ادنیٰ سے آٹھویں تک معقول ومنقول کی بڑی ٹھوس تعلیم ہوتی تھی، ہندوستان کے علاوہ بیرون ہند نجد وحجاز وغیرہ سے طلباء یہاں پڑھنے کے لئے آتے تھے، معیار تعلیم اتنا بلند تھا کہ آج بھی اس کا نام سن کر اس کی علمی شان وشوکت کا احساس ہوتا ہے، یہاں سے فارغ ہونے والے علماء کو رحمانی کہا جاتا تھا آزادی کے بعد تحریک اہل حدیث اور جماعت اہل حدیث کے قیام واستحکام میں رحمانی علماء کا بڑا اہم رول رہا ہے۔

اختتام: ستائیس سالوں تک پورے آن بان شان سے چلنے والا یہ بین الاقوامی ادارہ ۱۹۴۷ء میں تقسیم ملک کے حادثہ کے بعد بند ہوگیا۔ اور مدرسہ کی عمارت ولائبریری جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے حوالے کردی گئی۔ آج وہاں شفیق میموریل اسکول چل رہا ہے۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے تاریخ وتعارف دارالحدیث رحمانیہ دہلی از مولانا اسعد اعظمی۔ ناشر: مکتبۃ الفہیم مئو)

ہندوستان کی معروف وممتاز تعلیمی وتربیتی، دعوتی واصلاحی، تحقیقی وتصنیفی اور رفاہی اسلامی سوسائٹی

ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر، نئی دہلی

اپنے قیام وخدمات کے آئینے میں

محمد رحمانی سنابلی مدنی

صدر ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر، نئی دہلی

ملک کی راجدھانی دہلی کو جو مرکزیت حاصل رہی ہے وہ نہ صرف شہنشائیت، بادشاہت یا ریاست کے پیش نظر رہی ہے بلکہ تہذیب وتمدن، ثقافتی روایات اور مذہبی رہنمائی کے لحاظ سے بھی یہ اپنا ایک الگ مقام وشناخت رکھتی ہے۔ تقسیم ہند کے سانحہ سے قبل یہاں ملت کے متعدد اہم مدارس قائم تھے۔ ان میں ''دارالحدیث رحمانیہ'' برصغیر میں سلفی تحریک کا ایک عظیم تعلیمی وتربیتی مرکز تھا جس کی خدمات اور تاریخ ساز علمی سرگرمیاں ماضی کا روشن باب ہیں، لیکن تقسیم ہند اور اس کی پاداش میں رونما ہونے والی افراتفری اور تباہ کاری نے قوم وملت کے شیرازہ کو پوری طرح منتشر کردیا اور مسلمان جغرافیائی اعتبار سے تین حصوں میں بٹ گئے۔ فرقہ وارانہ فسادات، قتل وغارت گری، لوٹ کھسوٹ، عصمت دری، بے عزتی وبے حرمتی، ظلم وجبر اور استبداد واستحصال کے کبھی نہ بھلائے جانے والے بدترین واقعات رونما ہوئے۔ جس کا سیدھا اثر مسلمانوں کے دینی مدرسوں، اسکولوں اور دینی تنظیموں پر بھی پڑا۔ وقت کی ممتاز سلفی درسگاہ ''دارالحدیث رحمانیہ'' دہلی بھی اس المناک حادثہ کا شکار ہوکر اجڑ گئی۔ جو مسلمان اس ملک میں رہ گئے وہ ذہنی، جسمانی، معاشی، تعلیمی، سماجی اور معاشرتی سطح پر مفلوج ہوکر رہ گئے۔ جو مدارس کھلے تھے وہ فعال نہ رہے، تعلیمی، دعوتی اور تربیتی میدان میں جمود ہی رہا، اس طرح برسوں دہلی میں کتاب وسنت کے علم برداروں پر مردنی چھائی رہی۔

انہیں احساسات کی بنیاد پر وقت کے شدید تقاضہ کے عین مطابق اس خلاء کو پر کرنے اور اس پوری تحریک میں دوبارہ روح بیداری ڈالنے خصوصاً دارالحدیث رحمانیہ کی مثالی تدریسی وتربیتی اور علمی خدمات کی نشاۃ ثانیہ کی غرض سے وقت کی ایک مایہ ناز اور حرکی شخصیت جناب مولانا عبدالحمید رحمانی (م ۲۰ اگست ۲۰۱۳ء) رحمہ اللہ کی قیادت وسرپرستی میں ملک کے مختلف صوبوں کے ملت کے تعلیمی، فلاحی، اور سماجی مسائل پر بصیرت وشعور رکھنے والے چند دانشوران ومفکرین، اعیان وعمائدین اور اہم شخصیات پر مشتمل ایک کارواں آگے بڑھا، جس کے نتیجہ میں جولائی ۱۹۸۰ء میں اسلامک اویکننگ سنٹر، نئی دہلی کے نام سے ایک تعلیمی وتربیتی، دعوتی واصلاحی، تحقیقی، وتصنیفی اور رفاہی اسلامی ادارہ کا قیام عمل میں آیا جو ۱۹۸۳ء میں ملک کی ایک عظیم علمی اور نامور شخصیت کی طرف منسوب کرتے ہوئے ''ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر'' کے نام سے رجسٹرڈ ہوا۔ اور اس کے بانی ومؤسس جناب مولانا

عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ نے اس کے قیام کے اول روز ہی سے اپنی علمی لیاقت، انتظامی صلاحیت، مشاہدات وتجربات، فہم وفراست اور اپنے مضبوط روابط وتعلقات کو بروئے کار لاتے ہوئے پوری فنائیت کے ساتھ شب وروز کی محنت شاقہ اورتگ ودو سے بہت ہی کم مدت میں اس سنٹر کو بام عروج پر پہنچادیا اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ ایک مکمل تعلیمی، تبلیغی، تحقیقی اور رفاہی ادارہ کی شکل اختیار کر کے اس ملک میں دین خالص کی نشرواشاعت کا ایک اہم مرکز بن گیا۔ اور اس تناور شجر سایہ دار کے فیوض دہلی ہی تک محدود نہ رہے بلکہ اس کی مضبوط شاخیں ملک کے طول وعرض میں پھیل کر تشنگان علوم نبویہ کے لئے راحت کا سامان بن گئیں۔ اور چار دہائیوں سے یہ سنٹر ملک کے مختلف شہروں، قصبوں اور دیہاتوں میں مسلم بچوں اور بچیوں کی تعلیم وتربیت کے لئے علاحدہ علاحدہ دینی اور عصری علوم پر مشتمل اسلامی مکاتب ومدارس اور معاہد اور اسلامی تہذیب وثقافت اور اخلاق وآداب کا لحاظ کرتے ہوئے عصری علوم کیساتھ دینیات کے ایک جامع نصاب سے مربوط انگلش میڈیم اسکولز نیز دیگر دعوتی، تحقیقی، تصنیفی، رفاہی اور فلاحی اداروں اور شعبہ جات کے قیام کے ذریعہ خدمات اسلام کے فرائض کی انجام دہی میں سرگرم عمل ہے۔

والد گرامی رحمہ اللہ کی وفات کے چند دنوں بعد ہی اس عظیم ادارہ کی صدارت وقیادت کا بار گراں میرے ناتواں کندھوں پر ڈال دیا گیا ہے جس کی تعمیر وترقی کے لئے سنٹر کے دیگر ذمہ داران وکارکنان کیساتھ شبانہ روز انتھک کوششیں جاری ہیں۔ اور بحمد اللہ موجودہ نازک حالات اور مالی بحران میں بھی بتوفیق الٰہی سنٹر کے تمام ادارے اور شعبے اپنے اپنے میدانوں میں بحسن وخوبی اسلام اور اس کی سچی تعلیمات کی ترویج واشاعت کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ واللہ ہوالموفق۔

سنٹر کے بنیادی مقاصد

☆ نرسری اور پرائمری کے مرحلہ سے لے کر یونیورسٹی کے معیار تک اسلامی عربی اور عصری علوم وفنون پر مشتمل معیاری تعلیم کا انتظام کرنا۔

☆ اسلامی اداروں کے لئے ایک جامع ومربوط نصاب تعلیم مرتب کرنا اور ماہرین تعلیم کی ایک منتخب کمیٹی کے ذریعہ اس نصاب پر مسلسل غور وفکر اور حسب ضرورت تغیر تبدل کا عمل جاری رکھنا۔

☆ مسلمانوں میں عربی تعلیم کو فروغ دینا تاکہ وہ قرآن وحدیث سے براہ راست استفادہ کرسکیں۔

☆ معاشرہ میں پھیلی ہوئی جہالت، توہم پرستی اور سماجی برائیوں کو ختم کر کے قرآن وحدیث کی روشنی میں معاشرہ کی اصلاح کرنا۔

☆ ہندوستانی مسلمانوں کے لئے تکنیکی اور سائنسی تعلیم کا بندوبست کر کے ان کے معیار زندگی اور سماجی مرتبہ کو بلند کرنا۔

☆ دین خالص کی تعلیم وتبلیغ اور اشاعت کے پروگراموں کے تحت ملک کی اہم زبانوں میں کتاب وسنت کی صحیح تعلیمات پر مبنی لٹریچر تیار کرنا۔

☆ مسلمانوں میں پھیلی ہوئی اعتقادی، اخلاقی اور سماجی برائیوں اور مختلف قسم کی بدعات وخرافات کے ازالہ کے لئے مبلغین اور دعاۃ کے ذریعہ ہر ممکن کوشش کرنا۔

☆ جسمانی طور پر معذور افراد کی پیشہ ورانہ تربیت کا بندوبست کرنا تا کہ وہ باعزت طور پر حلال روزی کمانے کے قابل ہو سکیں۔
☆ بچوں اور بچیوں کو عربی کے صحیح مخارج اور قراۃ وتجوید کے اصول کی پوری رعایت کرتے ہوئے قرآن پاک کی تعلیم دینا اور اس کے حفظ کا بندوبست کرنا۔
☆ بچیوں کو اسلامی، عربی اور عصری علوم سے آراستہ کرنا، اور بچپن ہی سے ان کو پردہ، شرم وحیا اور عفت و پاک دامنی کے تحفظ کا عادی بنانا اور سوسائٹی میں انہیں اسلامی روح کی نشر واشاعت اور توحید وسنت کی دعوت کے لئے تیار کرنا اور اسلام کے عطا کردہ حقوق کے حصول اور قرآن وحدیث کی تعلیمات کی روشنی میں معاشرہ کی اصلاح کے لئے ان کی نشو ونما کرنا۔

سنٹر کا نصاب تعلیم

سنٹر کے قیام کا مقصد موجودہ نازک حالات جن میں اسلامیان عالم اور خاص طور پر ہندوستانی مسلمان گرفتار ہیں ان سے نبرد آزما ہونے کے لئے ایک ایسی ٹیم تیار کرنا ہے جو ایمان ویقین کی پختگی اور دینی وعصری علوم کے گہرے شعور کے ساتھ بھٹکتی انسانیت کو دین حق کی دعوت دے چنانچہ اس عظیم مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے سنٹر نے ایک ایسا جامع اور مربوط نصام تعلیم تیار کیا ہے جو قدیم وجدید علوم وفنون کا جامع اور دونوں کے حسین امتزاج پر مشتمل ہے۔ مرکز کے تیار کردہ نصاب تعلیم میں بنیادی اہمیت کتاب وسنت، تفسیر وحدیث اور توحید وفقہ کو دی گئی ہے تا کہ طلبہ کے لئے صحیح ذہنی بنیاد فراہم ہو سکے اور نئی نسل کے قلب ودماغ میں صحیح اسلامی عقائد وافکار کو پختہ کیا جا سکے۔
نصاب میں دوسری حیثیت عربی زبان وادب اور اس کے متعلقات کو دی گئی ہے کیونکہ ان کے بغیر کتاب وسنت کا سمجھنا ناممکن ہے۔
نصاب میں تیسری حیثیت جدید علوم کو دی گئی ہے تا کہ یہاں کے فارغین عصری چیلنجوں کا مقابلہ کر سکیں اور عصری تقاضوں سے باخبر ہونے کے ساتھ وہ دین متین کا پیغام پیش کرنے کا فریضہ اچھی طرح انجام دے سکیں اور دنیا کی دوسری قوموں کو اسلام سے متعارف کرانے کے ساتھ ساتھ اپنی معاشی اور اقتصادی زندگی کو خوشحال اور مستحکم بنا سکیں۔

سنٹر کے موجودہ ادارے اور شعبہ جات

سنٹر کی زیر نگرانی بچوں اور بچیوں کے لئے الگ الگ دو طرح کے اہم ادارے قائم ہیں:
(۱) **تعلیمی وتربیتی ادارے:** سنٹر نے نسل نو کی تعلیم وتربیت کے لئے دو طرح کے ادارے قائم کئے ہیں:
(۱) شرعی اور عربی ادارے جن میں عصری علوم کی حیثیت ثانوی ہے:
(الف) دہلی میں بچوں کے لئے: (۱) جامعہ اسلامیہ سنابل (مراحل متوسطہ، ثانویہ، عالیہ) مقابل کالندی کنج (۲) معہد عثمان بن عفان لتحفیظ وتجوید القرآن الکریم، جوگابائی (۳) جامع مسجد ومدرسہ عبدالرحمن بن عوف، مہا ویر انکلیو، دوارکا، نئی دہلی۔
(ب) دہلی میں بچیوں کے لئے: عائشہ صدیقہ شریعت کالج، جوگابائی۔
(الف) بیرون دہلی بچوں کے لئے: (معہد علی بن ابی طالب، گولہ گنج چوراہا، لکھنؤ یوپی (۲) معہد علی بن ابی طالب لتحفیظ وتجوید

القرآن الکریم، گولہ گنج چوراہا، لکھنؤ یوپی۔ (۳) معہد عمر بن الخطاب ،قلعہ روڈ علی گڑھ، یوپی (۴) مدرسہ سلفیہ ،تندوا، سدھارتھ نگر، یوپی (۵) مدرسہ مصباح العلوم ،تلسڑی، سدھارتھ نگر، یوپی (۶) معہد التعلیم الاسلامی، باؤرا، کٹیہار، بہار۔

(ب) بیرون دہلی بچیوں کے لئے: (۱) معہد الصالحات، اونرہوا، بلرامپور، یوپی (۲) معہد خدیجۃ الکبریٰ للبنات، گینسڑی بازار، بلرام، یوپی۔

(۲) عصری ادارے جن میں شرعی اور عربی علوم کی حیثیت ثانوی ہے:

(الف) دہلی میں: (۱) خدیجۃ الکبریٰ گرلز پبلک اسکول جوگا بائی (دسویں کلاس تک دہلی حکومت سے منظور شدہ)

(۲) خدیجۃ الکبریٰ پری پرائمری اسکول، جوگا بائی۔

(ب) بیرون دہلی: ابوالکلام آزاد جونیئر اسکول، گورا بازار، بستی، یوپی۔

(۲) تصنیفی و تحقیقی، دعوتی و اصلاحی، فلاحی اور رفاہی ادارے:

(۱) مولانا عبدالحمید رحمانی اسلامک سائنٹفک ریسرچ اکیڈمی، جوگا بائی (۲) مجلس الفقہ الاسلامی، جوگا بائی (۳) ادارۂ تعمیر مساجد، جوگا بائی (۴) شعبۂ دعوت و تبلیغ جوگا بائی (۵) مولانا عبدالحمید رحمانی ایوارڈ برائے خدمات علوم اسلامیہ، جوگا بائی، (۶) جمعیۃ خیریہ اسلامیہ، جوگا بائی (۷) ابوالکلام آزاد ریلیف کمیٹی، جوگا بائی (۸) علامہ ابن باز جنرل لائبریری، سنابل۔

تعداد طلبہ وطالبات واسٹاف ممبران:

☆ تعداد طلبہ وطالبات: ۵۱۸۲

☆ مختلف ہاسٹلوں میں مقیم طلبہ وطالبات: ۱۴۵۸

☆ تعداد اساتذہ، معلمات، دعاۃ و دیگر اسٹاف ممبران: ۲۷۲

☆ سنٹر کے مختلف تعلیمی اداروں کے فارغین اور فارغات کی تعداد: ۳۳۵۵

سالانہ تعلیمی بجٹ: (برائے تعلیمی سال (۲۰۱۷-۱۸) گیارہ کروڑ سترہ لاکھ ستائیس ہزار (۱۱،۱۷،۲۷،۰۰۰) روپئے۔

ذرائع آمدنی: اہل خیر احباب کا تعاون۔

خصوصیات وامتیازات:

سنٹر کے مذکورہ بالا دونوں طرح کے تعلیمی و تربیتی مدارس، معاہد، مکاتب اور جامعہ میں عصر حاضر سے ہم آہنگ دینی اور عصری علوم وفنون کے امتزاج پر مشتمل نصاب کے ذریعہ نئی نسل کی معیاری تعلیم اور اس کی صحیح اسلامی تربیت پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے۔

اللہ کا شکر واحسان ہے کہ سنٹر کے اعلیٰ تعلیمی ادارہ ''جامعہ اسلامیہ سنابل'' نئی دہلی کی سندوں کو ملک و بیرون ملک کی یونیورسٹیوں (اسلامک یونیورسٹی مدینہ طیبہ، ام القریٰ یونیورسٹی مکہ مکرمہ، امام محمد بن سعود اسلامک یونیورسٹی ریاض، شاہ سعود یونیورسٹی ریاض، جامعۃ

القصیم، قصیم وزارت تعلیم سعودی عرب وغیرہ) اور جواہر لال نہرو یونیورسٹی دہلی، جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی، ہمدرد یونیورسٹی نئی دہلی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، یوپی، پٹنہ یونیورسٹی پٹنہ، بہار، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی حیدر آباد اے، پی اور خواجہ معین الدین چشتی اردو، عربی، فارسی یونیورسٹی، لکھنؤ یوپی۔ وغیرہ نے تسلیم کرلیا ہے اور یہاں کے بہت سے فارغین ان یونیورسٹیوں میں اعلیٰ تعلیم کے حصول میں اپنی عمدہ علمی کارکردگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جانب ترقی رواں دواں ہیں۔

بحمد اللہ ان اداروں میں پڑوسی ملک نیپال کے علاوہ ملک کے سترہ صوبوں کے متعدد مقامات کے طلبہ اور طالبات زیر تعلیم ہیں جن کی عمدہ تعلیم اوران کے اخلاق وکردار سازی کے لئے ایسے مستند وذی علم، ممتاز وتجربہ کار اور ذمہ دار اساتذہ، استانیاں اور عملہ کی خدمات حاصل ہیں جنہیں ان کے روشن اور قابل قدر مستقبل کی فکر ہمہ وقت دامن گیر رہتی ہے اور وہ مختلف طریقوں سے ان کے اندر طرح طرح کی مضبوط علمی توانائیاں پیدا کرنے، ان کی خفیہ صلاحیتوں کو بیدار کرنے اور اسلامی خطوط پر مبنی ان کی تربیت واصلاح میں کوشاں رہتے ہیں۔

سنٹر کے تمام اقامتی اداروں میں قیام وطعام کا معقول انتظام ہے، اہم اور بڑی نصابی کتابیں بھی مفت فراہم کی جاتی ہیں، طلبہ واساتذہ اور طالبات واستانیوں کے درمیان بہتر روابط قائم رکھنے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ تدریس اور دیگر علمی رہنمائی کے لئے تعلیمی اوقات کے علاوہ کسی بھی وقت انہیں اپنے اساتذہ اور مربیوں کی غیر موجودگی یا دوری کا احساس نہ ہو اور وہ حسب ضرورت جب چاہیں ان سے کسب فیض کرتے رہیں۔

تعلیمی اداروں میں تدریس کے ساتھ ہی طلبہ اور طالبات کی علمی نشوونما اوران کے ذہن وفکر کی بالیدگی کے لئے شعبۂ صحافت، شعبۂ خطابت، شعبۂ دار الکتب، شعبۂ صحف وجرائد، شعبۂ عقد مسابقات، شعبۂ توعیۃ اسلامیہ اور شعبۂ ثقافت وغیرہ پر مشتمل نادی الطلبہ اور نادی الطالبات جیسے ناموں سے ان کی مختلف انجمنیں قائم ہیں۔ جن کے تحت ہر جمعرات کو پوری پابندی کے ساتھ باصلاحیت اور ماہر اساتذہ کی زیر نگرانی اردو، ہندی، عربی اور انگریزی زبانوں میں زبان وقلم کی مشق کے ذریعہ ان کے اندر تحریری وتقریری ملکہ پیدا کیا جاتا ہے، تاکہ وہ پوری قوت واستعداد اور جرأت وبیباکی کے ساتھ اسلام کی دعوت واشاعت کے فرائض سرانجام دینے کے ساتھ ہی ان کے خلاف اٹھنے والے ہر طرح کے فتنوں اور باطل چیلنجوں کا مقابلہ کرسکیں۔ صحافت کے شعبہ سے طلبہ وطالبات اپنے مقالات ومضامین اور دیگر نگارشارت پر مشتمل ایک قلمی ماہنامہ 'مجلہ حائطیہ'' مذکورہ بالا چاروں زبانوں میں نکالتے ہیں اور سال کے اختتام پر ایک سالانہ میگزین مجلہ ''سنابل'' کے نام سے شائع کرتے ہیں۔

ان کے علمی مواد ومراجع کی فراہمی اور مختلف افکار ونظریات سے آگاہی کے لئے تعلیمی اداروں کی لائبریریوں سے ہٹ کر نادی الطلبہ ونادی الطالبات وغیرہ کی الگ الگ لائبریریاں ہیں۔ جن میں مختلف موضوعات پر ہزاروں کتابوں کا ذخیرہ ہے اور حالات حاضرہ وعالمی مطالع سے واقفیت وجانکاری کے لئے ملک اوراس سے باہر دوسرے ممالک سے کئی زبانوں میں یومیہ اخبارات، جرائد اور مجلّات وافر مقدار میں منگائے جاتے ہیں۔ اسی طرح ان کی صلاحیت کو جلا بخشنے اوران میں مثبت انداز میں جذبۂ تنافس بیدار کرکے

ایک دوسرے پر علمی سبقت لے جانے کے لئے مختلف عناوین پر ان کے مابین مقابلے منعقد کئے جاتے ہیں۔ان کی خفیہ صلاحیت، قوت استحضار، طلاقت لسانی اور علمی استعداد کو فروغ دینے کے لئے دینی، ادبی، تاریخی اور جنرل نالج کے سوالات وجوابات کی ثقافتی مجلسوں کے انعقاد کے علاوہ کسی بھی موضوع پر اردو اور عربی زبان میں برجستہ خطاب اور مقالہ نویسی کے مسابقات کے ساتھ ہی کوئز کمپٹیشن کا بھی اہتمام کیا جاتا ہے اور ان تمام مقابلوں میں پہلی، دوسری اور تیسری پوزیشن حاصل کرنے والے طلبہ وطالبات کی حوصلہ افزائی کے لئے تمام اداروں میں الگ الگ سالانہ انعامی تحریری وتقریری اور حفظ وقرأت قرآن کریم کے مقابلے بڑے اہتمام کے ساتھ منعقد کئے جاتے ہیں۔جن میں امتیازی نمبرات سے کامیاب ہونے والے طلبہ اور طالبات کو خصوصی اور دیگر شرکاء کو تشجیعی انعامات دیے جاتے ہیں۔

ان کی علمی لیاقت کو مزید پروان چڑھانے کے لئے بین الاقوامی شہر دہلی اور ملک کے دیگر اہم تعلیمی وتربیتی اداروں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کے باصلاحیت، ماہر فن اور کہنہ مشق علماء کرام، پروفیسران، اسکالرس اور دانشوران کو مدعو کرکے اسلامی، تعلیمی، تربیتی، ادبی، ثقافتی، صحافتی اور دوسرے اہم علمی واصلاحی موضوعات پر محاضرات وخطبات اور لیکچرس کے پروگرام منعقد کئے جاتے ہیں۔جن سے ان کی معلومات میں گرانقدر اضافہ ہوتا ہے اور فکر ونظر اور اخذ واستنباط میں وسعت پیدا ہوتی ہے بلکہ ان میں کچھ کرگزرنے کا حوصلہ بھی پیدا ہوتا ہے۔ان کے متنوع علمی استفادہ کے لئے ہر تعلیمی ادارہ کی الگ الگ لائبریریاں ہیں جن میں مختلف علوم وفنون کی ہزاروں کتابیں مہیا ہیں، مزید برآں جامعہ اسلامیہ سنابل کے کیمپس میں سنٹر کی ''علامہ ابن باز جنرل لائبریری'' بھی ہے۔جس میں مختلف زبان وادب اور علوم وفنون میں دولاکھ سے زائد کتابیں موجود ہیں اور طلبہ اپنے اساتذہ اور مربیان کی سرپرستی میں اس عظیم الشان لائبریری سے بھی اپنی علمی تشنگی بجھاتے ہیں۔

ان تعلیم گاہوں میں اسلامیات اور حکومت دہلی کے این۔سی۔ای۔آر۔ٹی (N.C.E.R.T.) نصاب کے مطابق عصری علوم پر مشتمل ایک جامع نصاب تعلیم کے ذریعہ جہاں طلبہ اور طالبات کے لئے معیاری تدریس وتعلیم کا نظم ہے، وہیں ان کی علمی ترقی، انہیں زیادہ کارآمد بنانے اور مستقبل کی زندگی میں ان کے معاشی ذرائع کے استحکام کے لئے کمپیوٹر ٹریننگ کورس بھی چل رہا ہے۔جس سے استفادہ کا مقصد طلبہ کے اندر فنِ تحقیق وریسرچ میں مہارت پیدا کرنے کے ساتھ ہی ان کے لئے آمدنی کے مزید مواقع فراہم کرنا ہے اسی طرح بچیوں کے تعلیمی اداروں میں کمپیوٹر کی تعلیم کیساتھ ہی انہیں ہوم سائنس سبجیکٹ کے تحت امور خانہ داری، سلائی، کڑھائی، اور کھانا پکوان وغیرہ کی خصوصی تربیت بھی دی جارہی ہے۔تاکہ یہاں سے فراغت کے بعد تعلیم وتدریس، دعوت وتبلیغ، صحافت وخطابت، رفاہی اور فلاحی کاموں کی انجام دہی کے دوران اقتصادی کمزوریاں درمیان میں حائل نہ ہوسکیں اور حسب ضرورت اس پاکیزہ ہنر کو بروئے کار لاتے ہوئے ان پر قابو پایا جاسکے۔

طلبہ وطالبات کے کلاس رومس، ان کے اور اساتذہ ومعلمات اور دیگر اسٹاف ممبران کی رہائش کے لئے روشنی اور ہوادار کشادہ کمروں اور فلیٹوں پر مشتمل ہاسٹل کی الگ الگ خوبصورت اور عالیشان بلڈنگیں تعمیر کی گئی ہیں اور ان کے کمروں میں بجلی، بیڈ اور سامان رکھنے کے لئے

ریکس اور الماریاں دستیاب ہیں۔ ناشتہ اور دونوں وقت کے کھانے، ہفتہ واری مینو کے ذریعہ اہتمام ونفاست کے ساتھ ڈائننگ ہال میں پیش کئے جاتے ہیں۔ تاکہ ہر دن ایک ہی طرح کے پکوان سے ان کے اندر اکتاہٹ وبیزاری پیدا نہ ہو جو حصولِ مقصد کی راہ میں تضییع وقت کا سبب بنے۔ واضح رہے کہ کھانے، پینے کے تعلق سے تمام ہاسٹلوں میں اقامت پذیر طلبہ وطالبات میں استغناء واطمینان پیدا کرنے، ان سے حرص وطمع کی بیماری کو دور رکھنے اور ہر وقت انہیں اپنے مربیان کی تربیت ونگرانی میں رہنے کی خاطر اساتذہ وطلبہ اور معلمات وطالبات کیلئے عزت ووقار کے ساتھ ایک ہی طرح کے انواع واقسام پر مشتمل کھانے کا اجتماعی نظم ہے۔ برتن وغیرہ کی صفائی ملازمین کرتے ہیں، کھانے کی تقسیم کے لئے طلبہ اور طالبات کی باریاں مقرر رہتی ہیں، میز پر کھانے لگنے کے بعد وہ آکر پوری آزادی کے ساتھ حسب خواہش کھاتے اور چلے جاتے ہیں، پانی کی ہمہ وقت فراہمی کا بندوبست ہے، جس کے لئے بڑے بڑے ٹینک اور زیر زمین پانی کے ذخیرے موجود ہیں۔ صحت بخش پانی کے لئے متعدد بڑے بڑے واٹر ٹریٹ منٹ پلانٹ لگے ہوئے ہیں، جسمانی پرداخت وحفظانِ صحت اور ذہنی فرحت وانبساط کے لئے وسیع وعریض گراؤنڈ میں کھیل کود کا انتظام ہے۔ چوبیس گھنٹے بجلی سپلائی کے لئے جنرل الیکٹرک کنکشن کے علاوہ بعض اداروں میں ان کا مستقل الیکٹرک سب اسٹیشن ہے، ان پر مستزاد کسی بھی تکنیکی خرابی سے بجلی کا نظام فیل ہوجانے پر ہنگامی حالات کے لئے متعدد بڑے بڑے جنریٹر بھی نصب کئے گئے ہیں۔ طلبہ واساتذہ اور اسٹاف ممبران کی بنیادی ضروریات کی تکمیل کے لئے بچوں اور بچیوں کے کیمپس میں الگ الگ کینٹین کی آسانی بھی فراہم ہے تاکہ انہیں اپنے گھروں سے دوری کا احساس نہ ہو اور وہ پوری توجہ اور انہماک کے ساتھ طلب علم کے اپنے عظیم مشن میں دن ورات مشغول رہ سکیں۔

ایک نظر ادھر بھی:

ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر، نئی دہلی کا میدان عمل صرف تعلیم وتربیت اور ان سے متعلق نظم ونسق کو بہتر بنانے تک محدود نہیں ہے بلکہ اس کا دائرہ کار کافی وسیع ہے، اس نے ہر ممکن ذرائع وحکمت عملی سے اسلام کی سچی تعلیمات کی ترویج واشاعت اور فلاحی وسماجی خدمات کی احسن طور سے بجا آوری کے لئے بھی مستقل ''دعوتی وتبلیغی'، تصنیفی وتحقیقی، رفاہی اور اصلاحی' ادارے اور شعبہ جات قائم کئے ہیں۔

دعوت وارشاد کے میدان میں دروس قرآن وحدیث، ہفتہ واری، پندرہ روزہ اور ماہنامہ دینی پروگرام نیز ملک کے دوسرے اجلاس واجتماعات میں شرکت کے ذریعہ اس کے دعاۃ ومبلغین اور تعلیمی اداروں کے اساتذہ سرگرم عمل ہیں۔ ادارۂ تصنیف وتحقیق سے اب تک مختلف زبانوں (اردو، ہندی، عربی، انگریزی، فارسی) میں دیدہ زیب طباعت سے آراستہ ہوکر قرآن کریم معریٰ اور تفسیر قرآن مجید سمیت بہت ساری معیاری کتابیں طبع ہو چکی ہیں جن کی اشاعت پر لوگوں نے خراج تحسین پیش کیا ہے اور انہیں قبولیت کا مقام حاصل ہوا ہے۔ ماضی قریب میں اس اہم شعبہ کا نام ادارہ کے بانی مولانا عبدالحمید صاحب رحمانی رحمہ اللہ کے نام سے موسوم

کرنے کے بعداس سے مولانا رحمہ اللہ کی اردوتحریروں کا مجموعہ بنام ''مجموعۂ مقالات مولانا عبدالحمید رحمانی'' (چار جلدوں میں)اوراس کے ساتھ ان کی حیات وخدمات پر دومزید کتابچے شائع کیے جاچکے ہیں اوراللہ رب العالمین کے فضل وتوفیق سے مولانا رحمہ اللہ کی عربی تحریروں کا مجموعہ بھی تقریباً چارسوصفحات پر مشتمل تیار ہو چکا ہے اوراس پر عالم اسلام کی معروف علمی شخصیت شیخ صالح بن حمید امام وخطیب مسجد حرام ومستشار دیوان ملکی سعودی عرب نے مقدمہ بھی تحریر کر کے حال ہی میں ارسال کیا ہے۔اس پر دوسرے اہم مقدمہ کے لئے حرم نبوی کے بعض ائمہ سے کوششیں جاری ہیں۔ان شاءاللہ یہ مجموعہ بھی بہت جلد چھپ کر منظر عام پر آجائے گا۔

ان کے علاوہ مولانا رحمہ اللہ کی حیات وخدمات اور برصغیر میں اسلامی دعوت کی تاریخ پر عالمی سیمینار منعقدہ ۲۸ رفروری ویکم مارچ ۲۰۱۴ء میں جومقالات اورمنظوم تاثرات مختلف زبانوں میں پیش کئے گئے تھے جن کی تعداد ایک سو سے زائد ہے ان پر بھی کام تیزی سے چل رہا ہے۔مزید برآں مختلف اہم موضوعات پر کئی کتابیں زیر طبع ہیں۔فقہ وافتاء کے شعبہ میں مسلمانوں کے مختلف نوعیت کے الجھے ہوئے مسائل کاحل خالص کتاب وسنت اورمنہج صحابہ کی روشنی میں نہایت جامع اور مدلل انداز میں پیش کیا جاتا ہے اورانہیں درپیش مسائل میں ہر طرح کے ممکنہ خطرات اورتباہ کاریوں سے بچاتے ہوئے ان کی زندگی کوخوشگوار اور پرسکون بنانے کی خاطر بروقت صحیح اسلامی رہنمائی کی جاتی ہے۔فلاحی اداروں کے تحت ملک کے طول وعرض میں بڑے پیمانے پر تعمیر مساجد اوران کی توسیع واصلاح اورمرمت کا کام ہوا ہے نیز کئی مقامات پر سنت کے مطابق صلوات عیدین کی ادائیگی کے لے عیدگاہوں کا قیام ونظم بھی عمل میں آیا ہے۔رفاہی شعبہ کے ماتحت غرباء ومساکین کی اعانت کے ساتھ ہی آفات سماویہ،طوفان وسیلاب،زلزلہ اوردیگر مصائب ومشکلات سے دوچار لوگوں کی خبر گیری، ان کی راحت رسانی اور بازآبادکاری کے لئے نمایاں طور پر ریلیف کا کام انجام پایا ہے۔اوراسی شعبہ سے ملک میں پھیلے ہوئے بے شمار مدارس ومعاہد، جامعات اوردوسری ملی تنظیموں کے ساتھ تعاون کیا گیا ہے۔نیز سنٹر کے تعلیمی اداروں میں زیر تعلیم محتاج ونادار اوریتیم وبے سہارا بچوں اوربچیوں کی کفالت بھی کی جارہی ہے۔اسلامی علوم کی نمایاں خدمات کی انجام دہی کے اعتراف اوردیگر طریقہائے کار سے اس کے ہمہ جہت فروغ کے لئے عالمی سطح پر مقتدر علمی شخصیات کی تحسین وتشجیع اوراس جانب دوسروں کی ترغیب کے پیش نظر سنٹر، نئی دہلی کے تحت ایک اہم شعبہ ''مولانا عبدالحمید رحمانی ایوارڈ برائے خدمات علوم اسلامیہ'' کا قیام بھی عمل میں آچکا ہے اورمستقبل قریب میں جس کی اچھی پیش رفت کی امید ہے۔واللہ هو الموفق۔

مذکورہ تعلیمی اداروں میں کھانے پینے، رہنے سہنے اوردوسری بنیادی ضروریات کی ساری الجھنوں سے بے نیاز ہوکر پوری توجہ وانہاک کے ساتھ حصولِ علم کی راہ میں مشغول رہنے کے لئے معیار تعلیم وتربیت اورحسن انتظام وانصرام سے متعلق فراہم کردہ ہمہ جہتی سہولیات اورسنٹر کی دیگر اصلاحی وفلاحی پیش رفت وخدمات پر مشتمل اس کے عظیم کارنامے کی یہ ایک ادنیٰ جھلک ہے، ورنہ ان کے علاوہ بھی اس کی اور بہت سی خوبیاں ہیں جو اسے دوسرے ہم عصر اداروں سے منفرد وممتاز کرتی ہیں، لیکن یہاں طوالت کے پیش نظر انہیں معلومات پر اکتفاء کیا جارہا ہے۔وماتوفيقنا الا بالله العلي القدير۔

تعلیمی وثقافتی سرگرمیاں:

ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر، نئی دہلی کے تعلیمی وتربیتی اداروں ''جامعہ اسلامیہ سنابل اور معہد عثمان بن عفان لتحفیظ وتجوید القرآن الکریم جوگابائی'' کے فارغ التحصیل طلبہ کی ایک معتد بہ تعداد ہندو بیرون ہند کی مختلف اسلامی اور عصری یونیورسٹیوں سے اعلیٰ ڈگریاں حاصل کر چکی ہے اور فی الحال ایک بڑی تعداد اعلیٰ تعلیم کے حصول میں مصروف ہے۔

علاوہ ازیں حسب سابق رواں تعلیمی سال میں بھی سعودی عرب کی معروف اسلامی یونیورسٹی ''جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ'' میں ۱۱، جامعہ ام القری مکہ مکرمہ میں ۴، اور جامعۃ القصیم میں ۲، سنابلی طلبہ کا نیا داخلہ ہوا ہے۔ جب کہ وہاں کی کئی دیگر یونیورسٹیوں میں مزید طلبہ کے داخلہ کے لئے کارروائی جاری ہے۔ نیز اس وقت ایک بڑی تعداد سعودی عرب، قطر، کویت، متحدہ عرب امارات وبحرین وغیرہ اور ہندوستان ونیپال کے مختلف مدارس وجامعات، مساجد اور دعوتی مراکز میں درس وتدریس، امامت وخطابت اور دعوت وتبلیغ کے فرائض انجام دے رہی ہے۔ بحمد اللہ یہاں کے فضلاء بہت ساری عصری یونیورسٹیوں میں اعلیٰ تعلیمی اور سرکاری عہدوں نیز ملک میں واقع بیرون ممالک کے متعدد سفارت خانوں (ایمبسیوں) میں بھی اہم مناصب پر فائز ہیں۔

جامعہ اسلامیہ سنابل کے طلبہ کی مزید علمی ترقی کے لئے اصل مقصد تعلیم اور نصاب تعلیم کو برقرار رکھتے ہوئے فاصلاتی نظام کے تحت حکومتی ادارہ (NIOS) سے دسویں (ہائی اسکول) اور بارہویں (انٹرمیڈیٹ) کے امتحانات دلانے کا نظم کیا گیا ہے اور سال گزشتہ ۲۰۱۷ میں جامعہ کے ۱۴۲ ر طلبہ دسویں کے امتحان میں شریک ہوئے اور رواں تعلیمی سال ۲۰۱۸ء کے لئے ۱۲۵ ر طلبہ نے دسویں کا فارم بھرا ہے جس کا امتحان اپریل ۲۰۱۸ میں ہوگا۔ ان شاء اللہ۔

☆ دسمبر ۲۰۱۷ کے اخیر میں عالیتین (فضیلت اول ودوم) میں زیر تعلیم تمام طلبہ جو جامعہ کی تعلیم کے ساتھ ساتھ شام میں ڈپلومہ کمپیوٹر (NCPUL کے زیر اہتمام) کی کلاسیں کرتے ہیں، اس کے پہلے امتحان میں کل ہند شرکاء امتحان کی مجموعی تعداد ۳۵ ہزار تھی ان میں سے جامعہ میں زیر تعلیم ۴۲ طلبہ نے ایک سے ۴۲ نمبر 97% تا 90% حاصل کرتے ہوئے اپنی ممتاز پوزیشن کو برقرار رکھنے میں کامیاب رہے۔ **فللہ الحمد والمنۃ۔**

بحمد اللہ سنٹر کے تعلیمی وتربیتی اداروں کے طلبہ وطالبات مختلف اسلامی اداروں، جمعیتوں اور تنظیموں کی جانب سے مقامی، صوبائی، ملکی اور عالمی سطح پر منعقدہ مختلف نوعیت کے مسابقات میں شرکت کر کے ان میں امتیازی پوزیشنوں سے کامیاب ہو کر گرانقدر انعامات واعزازات حاصل کرتے رہے ہیں۔

☆ ۲۰۱۶ء میں قطر کے دارالحکومت دوحہ میں ایک اہم موضوع ''ہندوستان میں علم حدیث اور خدمات محدثین'' پر عربی زبان میں ایک مبسوط اور تفصیلی مقالہ نویسی کا مسابقہ منعقد ہوا تھا جس میں جامعہ اسلامیہ سنابل میں زیر تعلیم ایک طالب نے شرکت کی اور اسے تمام شرکاء میں تیسری پوزیشن حاصل ہوئی اور وہ ایک لاکھ روپئے نقد، ایک کلائی گھڑی اور سند سے سرفراز ہوا۔

☆ سال ۲۰۱۶ء میں جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ، سعودی عرب کے زیر اہتمام "الجمعية العقدية السعودية لعلوم العقيدة والفرق والمذاهب" کے تحت عقیدہ کے موضوع پر عالمی سطح پر ایک تحریری مسابقہ منعقد ہوا جس میں جامعہ اسلامیہ سنابل کے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں زیر تعلیم طلبہ نے شرکت کی اور اس میں ایک طالب علم نے تیسری پوزیشن اور دوسرے طالب نے چوتھی پوزیشن حاصل کی اور ان کو انعامات واسناد سے نوازا گیا۔

اسی تنظیم کی جانب سے ۲۰۱۷ء میں بھی مذکورہ موضوع پر تحریری مقابلہ ہوا جس میں جامعہ اسلامیہ سنابل کے ایک طالب علم نے تمام شرکاء میں دوسری امتیازی پوزیشن حاصل کی اور اسے انعام وتوصیفی سند سے نوازا گیا۔

☆ تعلیمی سال ۲۰۱۷ء میں قطر فاؤنڈیشن کے شعبۂ "مرکز مناظرات" کے زیر اہتمام دوحہ میں منعقد ہونے والے بین الاقوامی عربی مباحثہ چمپئن شب مقابلہ میں شرکت کے لئے جامعہ اسلامیہ سنابل میں زیر تعلیم چار طلبہ کی منظوری آئی، جس میں پوری دنیا سے پچاس ملکوں کی ۵۳ ٹیموں نے شرکت کی۔ اس مقابلہ میں غیر عرب ممالک کے طلبہ بھی شریک تھے ان میں جامعہ اسلامیہ سنابل کے ایک طالب علم نے اعلیٰ نمبرات سے دوسری پوزیشن حاصل کی اور اس کو افضل متحدث (Best Debater) کا ایوارڈ دیا گیا۔

☆ سال ۲۰۱۷ء میں سعودی عرب کی راجدھانی ریاض میں "دورة سماحة الشيخ العلامه عبدالله بن عبدالرحمن الجبرين" کے زیر اہتمام ایک علمی مقابلہ کا انعقاد عمل میں آیا جس میں دنیا کے ۸۰ ممالک کے طلبہ شریک ہوئے، اس عالمی مقابلہ میں بھی جامعہ اسلامیہ سنابل کے ایک طالب علم نے اس کی تینوں امتیازی پوزیشنوں میں سے دوسری پوزیشن حاصل کی اور اسے توصیفی سند ودیگر انعامات کا مستحق قرار دیا گیا۔

☆ تعلیمی سال ۲۰۱۶ء میں مرکزی جمعیت اہل حدیث کے زیر اہتمام کل ہند پیمانے پر منعقدہ دوروزہ حفظ وتجوید اور تفسیر قرآن کریم کے چھ زمروں پر مشتمل مقابلے ہوئے جن میں ہندونیپال کے بہت سے مدارس ومعاہد اور جامعات کے طلبہ نے شرکت کی۔ ان میں زمرۂ دوم اور سوم کی اول، دوم اور سوم تمام امتیازی پوزیشن جامعہ اسلامیہ سنابل اور معہد عثمان بن عفان لتحفیظ وتجوید القرآن الکریم، جوگابائی کے طلبہ نے حاصل کیں۔

☆ جنوری ۲۰۱۷ء میں کل جنوبی ہند سطح پر علماء، طلبہ اور دعاۃ کے تین زمروں پر مشتمل تین موضوعات (۱۔ تطبیق قواعد نحو وصرف، ۲۔ داعی کے اوصاف، ۳۔ اصول محدثین) پر منعقد ہونے والے دورۂ تدریبیہ میں جامعہ اسلامیہ سنابل کے ایک طالب علم کو اعلیٰ نمبرات سے کامیاب ہونے پر دورہ میں شریک دس ممتاز طلبہ میں شامل کیا گیا اور اسے پانچ ہزار روپئے نقد انعام کے ساتھ توصیفی سند نیز صحیح بخاری وصحیح مسلم اور عقیدہ کی ایک کتاب کا سیٹ دیا گیا۔

جنوبی ہند کے قدیم تاریخی، ادبی اور ثقافتی شہر حیدر آباد میں واقع دو اداروں کے اشتراک سے اسلامی عقائد کی بنیادی تعلیمات پر تین زمروں پر مشتمل دوسرا کل ہندونیپال مسابقہ فروری ۲۰۱۷ء میں منعقد ہوا جس میں دونوں ملکوں کے اسلامی اور عصری مدارس وکالجز اور جامعات ویونیورسٹیوں کے طلبہ وطالبات نیز ان کے فارغ التحصیل مردوخواتین نے لاکھوں کی تعداد میں حصہ لیا۔ ان میں

جامعہ اسلامیہ سنابل اور اس کی شاخ معہد علی بن ابی طالب، لکھنؤ، یوپی کے کئی طلبہ نے اعزازی انعامات حاصل کئے اور ۶۰ ؍ اور اس سے زیادہ فیصد نمبرات حاصل کر کے جامعہ اسلامیہ سنابل کے تقریبا ۳۵۰ طلبہ اور معہد علی بن ابی طالب کے ۹۰ طلبہ اعزازی اسناد سے سرفراز ہوئے۔

☆ ماہ فروری ۲۰۱۷ء ہی میں جامعہ اسلامیہ مدینۃ طیبہ میں زیر تعلیم ابنائے سنابل کے تعاون سے طلبۂ جامعہ کے مابین ۸ زمروں پر مشتمل ایک داخلی مسابقہ بعنوان ''حفظ وفہم متون'' منعقد ہوا جس میں طلبہ کی ایک اچھی خاصی تعداد نے شرکت کی اور انعامات سے سرفراز ہوئے۔

☆ رواں تعلیمی سال ۱۸۔۲۰۱۷ء میں حسب سابق ابنائے قدیم جامعہ اسلامیہ مدینۃ طیبہ کی جانب سے جامعہ میں زیر تعلیم تمام طلبہ (از سنہ تمہیدیہ تا ثانیہ عالیہ) کے مابین کل نو زمروں پر مشتمل ''حفظ نصوص'' کے مسابقات ہوئے۔ جن میں سنہ تمہیدیہ اور اولیٰ متوسطہ میں حفظ اشعار، ثانیہ متوسطہ تا اولی ثانویہ میں حفظ قواعد از ہدایۃ النحو، ثانویہ ثانویہ کے لئے حفظ احادیث از جوامع الکلم، ثانیہ ثانویہ تا اولیٰ عالیہ کے لئے حفظ قواعد فقہیہ از تلقیح الافہام اور ثانیہ عالیہ کے لئے تدوین السنہ کا انتخاب عمل میں آیا۔

اس مسابقہ میں پورے نو زمروں میں شرکاء کی تعداد ۱۲۷ تھی۔ ہر زمرہ کے لئے اول، دوم، اور سوم پوزیشنوں کی کل ۲۷ اور ۲۰ تشجیعی انعامات کے ذریعہ طلبہ کی حوصلہ افزائی کی گئی۔

تعلیمی سال ۲۰۱۷ء میں جامعہ اسلامیہ سنابل کے طلبہ نے جامعہ ملیہ اسلامیہ کے زیر اہتمام مختلف موضوعات پر منعقدہ مقابلہ جاتی پروگراموں میں شرکت کر کے اپنی نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہے جس کی مختصر رپورٹ حسب ذیل ہے:

☆ تیسرا نیشنل ہینڈلوم ڈے کی مناسبت سے ''بھارتی ہتھ کرگھا صنعت کی ترقی کے لئے دوسری سودیشی تحریک کا وقت آچکا ہے'' کے موضوع پر منعقدہ مقابلہ میں پہلی اور دوسری پوزیشن پر سنابلی طلبہ فائز رہے۔

☆ نیو انڈیا منتھن (New India Manthan) کی مناسبت سے ''بھارت چھوڑو تحریک نے ہمیں صرف انگریزوں سے آزادی دلائی ہے، اندرونی مسائل سے نہیں'' کے موضوع پر ایک مقابلہ ہوا جس میں پہلی اور تیسری پوزیشن سنابلی طلبہ نے حاصل کی۔

☆ سوچھتا پکھواڑا مہم کی مناسبت سے ''صحت اور صفائی ہی حقیقی دولت ہے'' کے موضوع پر منعقدہ مقابلہ میں بھی ایک سنابلی طالب علم نے پہلی پوزیشن حاصل کی۔

ڈبیٹ (Debate) کلب کی ممبر شپ کے لئے آڈیشن کی مناسبت سے ''اس وقت ہندوستان میں بدعنوانی سے زیادہ پیچیدہ مسئلہ تشدد ہے'' کے عنوان پر ایک مقابلہ ہوا اور اس میں بھی ایک سنابلی طالب علم نے تیسری پوزیشن حاصل کی۔

☆ جامعہ ملیہ اسلامیہ کی ۹۷ ویں یوم تاسیس کی مناسبت سے منعقدہ کوئز کمپیٹیشن میں ایک سنابلی طالب علم نے تیسری پوزیشن حاصل کی۔

☆ ایک ارتجالی (برجستہ) مسابقہ ''میرا مقصد ہندوستان سے بدعنوانی ختم کرنا ہے'' کے موضوع پر منعقد ہوا، اس میں پہلی

،دوسری اور تیسری پوزیشنوں پر سنابلی طلبہ فائز رہے۔

☆ ڈپارٹمنٹ آف ایچ ایم ٹی ٹی (HMTT) کی طرف سے ایک تحریری ارتجالی مسابقہ ہوااوراس میں بھی پہلی، دوسری اور تیسری تینوں پوزیشنوں پر سنابلی فارغین کامیاب ہوئے، اس طرح مذکورہ دونوں مسابقات میں جامعہ اسلامیہ سنابل کے طلبہ نے ان کی تینوں امتیازی پوزیشنوں پر قبضہ کیا۔

☆ جے ایس ایف (JSF) کے زیر اہتمام ''جنگ آزادی میں جامعہ ملیہ اسلامیہ کے بانیان کا کردار'' کے عنوان پر ایک تحریری مسابقہ ہوا۔اس میں بھی ایک سنابلی طالب علم نے تیسری پوزیشن حاصل کی۔

☆ مسلم اسٹوڈنٹ فورم کی جانب سے ''جامعہ ملیہ اسلامیہ کے بانیان کی توہین، سنگھ سے تال میل کا نتیجہ'' کے موضوع پر ایک تحریری مسابقہ ہوااس میں بھی ایک سنابلی طالب علم نے تیسری پوزیشن حاصل کی۔

☆ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں طلبہ کے مابین منعقدہ ٹرن کورٹ (Turncourt) مقابلہ (جس میں پہلے موضوع کی موافقت میں اور بعد میں موضوع کی مخالفت میں بولنا ہوتا ہے) میں جامعہ اسلامیہ سنابل کے ایک طالب علم نے دوسری پوزیشن حاصل کی اور مذکورہ یونیورسٹی ہی میں ''سرسید کے سیاسی رجحانات کی معنویت'' کے موضوع پر منعقدہ تقریری مقابلہ میں بھی ایک طالب علم نے تیسری پوزیشن حاصل کی جب کہ اسی یونیورسٹی میں ''جمہوریت مفید یا مضر'' کے موضوع پر منعقدہ ڈبیٹ (Debate) مقابلہ میں ایک طالب علم نے تیسری پوزیشن حاصل کی۔

☆ ۲۰۱۷ء میں جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ میں زیر تعلیم ایک سنابلی طالب علم نے ''مہاراشٹر میں دعوت وتبلیغ کے میدان میں امکانات اور رکاوٹیں'' کے موضوع پر اپنی بحث ماجستر (ایم۔اے) کے مرحلہ کے لئے پیش کی اور اسے اس کی بحث کے مناقشہ میں سب سے اعلیٰ درجہ ''**ممتاز مع التوصية بطباعة الرسالة وتداولها بين الجامعات**'' کے شرف سے کامیابی حاصل ہوئی۔واضح رہے کہ یہ درجہ اب تک بہت کم طلبہ کو حاصل ہوا ہے۔

ایک دوسرے سنابلی طالب علم نے اپنے ڈاکٹریٹ کے مرحلہ کا مقابلہ پیش کر کے ممتاز پوزیشن سے کامیابی حاصل کی۔

☆ اپریل ۲۰۱۷ء میں سعودی حکومت کے زیر اہتمام پوری دنیا میں عربی زبان کے فروغ کے لئے مختلف یونیورسٹیوں کے اشتراک سے ''عربی زبان کا مہینہ'' کے نام سے ایک اہم کوشش کی گئی۔اس ضمن میں پورے ہندوستان سے عربی زبان میں خطاب پر مشتمل ایک مسابقہ بھی ویڈیو ریکارڈنگ کے ذریعہ عمل میں آیا۔اس میں کل ستر طلبہ نے شرکت کی جن میں سے جامعہ اسلامیہ سنابل کے بھی تین طلبہ تھے۔ان تمام شرکاء میں بیس طلبہ کو بہتر خطیب کی حیثیت سے امتیاز حاصل ہوا جن کیلئے جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی میں ایک مسابقہ منعقد کیا گیا، اس میں جامعہ اسلامیہ سنابل کے ایک طالب علم کو چھٹی پوزیشن پر کامیابی ملی جب کہ جامعہ اسلامیہ سنابل ہی کے ایک فارغ التحصیل نے بارہویں پوزیشن پر کامیابی حاصل کی ہے۔

جامعہ اسلامیہ سنابل اور معہد عثمان بن عفان لتحفیظ وتجوید القرآن الکریم، جوگابائی کے طلبہ نے ان کے علاوہ کئی یونیورسٹیوں،

تنظیموں اور جامعات ومدارس کے زیر اہتمام صوبائی، ملکی اور بین الاقوامی سطح پر منعقدہ مختلف مسابقات میں بھی شرکت کی ہے اور ان میں امتیازی پوزیشنوں سے کامیاب ہوئے اور مختلف قسم کے انعامات وتوصیفی اسناد سے نوازے گئے، لیکن یہاں طوالت کے خوف سے انہیں پر اکتفا کیا جارہا ہے۔

☆اس وقت جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ میں جامعہ اسلامیہ سنابل کے ۱۳؍طلبہ ڈاکٹریٹ (پی ایچ ڈی) اور ۸ طلبہ ماجستر (ایم اے) نیز ۱۵ طلبہ مختلف کلیات میں زیر تعلیم ہیں جب کہ سعودی عرب کی دوسری یونیورسٹیوں میں زیر تعلیم طلبہ کی تعداد ان کے علاوہ ہے۔ مزید برآں جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے کہ اس سال ۱۱ طلبہ کا جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ میں، ۴ طلبہ کا جامعہ ام القری مکہ مکرمہ، میں اور ۲ طلبہ کا جامعۃ القصیم میں نیا داخلہ بھی ہوا ہے۔ واضح رہے کہ نئے طلبہ کا داخلہ جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ کی مختلف کلیات میں اور جامعہ ام القری مکہ مکرمہ میں ایک طالب علم کا ڈاکٹریٹ (پی ایچ ڈی) اور تین طلبہ کا داخلہ ماجستر (ایم اے) میں ہوا ہے۔

☆۲۶ جنوری ۲۰۱۸ء میں اسلامی تعلیمی اداروں ومدرسوں اور عصری کالجوں واسکولوں کے طلبہ میں علمی ذوق اور شوق مطالعہ پیدا کرنے نیز ان کے اندر علمی اور فکری صلاحیت کو پروان چڑھانے کے لئے ان کے درجات اور کلاسوں کے اعتبار سے ان کی علمی صلاحیت ولیاقت کی رعایت کرتے ہوئے چار زمروں پر مشتمل آل انڈیا پیمانہ پر ایک تحریری مسابقہ جمعیۃ اہل حدیث ہند (ٹرسٹ) کے اہتمام سے جمعیۃ اہل حدیث صوبہ دہلی کے زیر انتظام مسجد محتسب، پھاٹک حبش خاں دہلی میں منعقد ہوا۔ اس مسابقہ کے ہر زمرہ میں طلبہ کے علمی معیار کے مطابق بالترتیب تحریک آزادی فکر اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی تجدیدی مساعی اور سلفیت کا تعارف، کتاب التوحید (اردو ترجمہ) اور اتباع سنت کے مسائل، عقیدۂ اہل حدیث اور شیخ الکل میاں سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی: مجددانہ کارنامے اور قائدانہ کردار اور تقویۃ الایمان وتوحید کے مسائل جیسی کتاب وسنت کی سچی تعلیمات اور منہج صحابہ پر مبنی آٹھ کتابوں پر مشتمل دو دو کتابیں برائے مطالعہ وتیاری رکھی گئی تھیں، اس میں دہلی اور ملک کی مختلف جامعات ومدارس اور کالجز ویونیورسٹیز کے تقریبا ۲۵۰ طلبہ نے شرکت کی۔ الحمد للہ ان میں جامعہ اسلامیہ سنابل کے طلبہ کو عظیم کامیابیاں حاصل ہوئیں اور انہوں نے اس مسابقہ کے مذکورہ چاروں زمروں کے اول، دوم اور سوم کل ۱۲؍انعامی امتیازی پوزیشنوں میں سے ۹؍اہم اور امتیازی انعامی پوزیشن حاصل کیں اور مبلغ دس ہزار (-/10,000) سے لے کر چار ہزار (-/4000) روپئے تک پر مشتمل نقدی انعامات، کتابوں کا سیٹ اور توصیفی اسناد سے نوازے گئے۔

☆رواں سال ہی میں بتاریخ ۲۸؍جنوری ۲۰۱۸ء وستھالی پبلک اسکول وسندھرا، غازی آباد، یوپی کے زیر اہتمام منعقدہ تائیکونڈو مارشل آرٹ کے مقابلہ میں جامعہ اسلامیہ سنابل کے ۱۴؍طلبہ نے شرکت کی اور انہوں نے اس میں اپنی عمدہ کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔ ان میں سے ۳؍طلبہ نے گولڈ میڈل اور باقی ۱۱؍طلبہ نے سلور اور براؤن میڈل حاصل کرکے اس میدان میں بھی اپنے گزشتہ ریکارڈ کو قائم رکھا، اور طلبہ کی اس حسن کارکردگی پر جامعہ اسلامیہ سنابل کو مذکورہ اسکول کی طرف سے اعزازی ٹرافی پیش کی گئی۔
واضح رہے کہ تعلیمی سال ۱۷-۲۰۱۶ء میں تیاگ راج اسٹیڈیم، نئی دہلی میں منعقدہ تائیکونڈو فائٹنگ مقابلہ میں بھی اس جامعہ کے

۹؍طلبہ شریک ہوئے تھے اوران میں سے ایک نے گولڈ میڈل، چار نے سلور میڈل اور چار طلبہ نے براؤن میڈل حاصل کر کے اپنے ادارہ کا نام روشن کیا تھا۔

☆ جامعہ اسلامیہ سنابل کے طلبہ کی علمی توانائی اوران کی صلاحیت واستعداد میں اضافہ کی خاطر ایک اور جدوجہد، ان کے لئے شیخ عبدالمحسن بن محمد القاسم حفظہ اللہ امام وخطیب مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر نگرانی علمی متون کے حفظ کا اہتمام کیا گیا ہے جس کو زیادہ سے زیادہ مفید بنانے کے لئے امام محترم خود دلچسپی لے رہے ہیں اور جامعہ اسلامیہ سنابل کے طلبہ کو اس سے جوڑنے کے لئے انہوں نے ادارہ کے ذمہ داران سے خود پیش کش کی ہے لہٰذا اس سے متعلق آن لائن متون علمیہ پڑھنے اور یاد کرنے کے جو بھی وسائل ہیں ان کے بندوبست کی تکمیل کے بعد جلد سے جلد یہ سلسلہ شروع کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ اللہ رب العالمین اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

☆ جامعہ اسلامیہ سنابل کے نسواں اسلامی اقامتی ادارہ ''عائشہ صدیقہ شریعت کالج'' جوگا بائی، نئی دہلی کی فارغات بھی اب ملک کی اہم یونیورسٹیوں میں اعلیٰ تعلیم کے حصول میں مصروف ہیں۔ ابھی تک اس ادارہ سے ان کے صرف پانچ ہی بیچ فارغ ہوئے ہیں جن میں سے اکثر طالبات مختلف نوعیت کی تعلیمی اور دعوتی سرگرمیوں سے منسلک ہیں اور اپنی عمدہ صلاحیتوں کا ایک نمایاں اثر معاشرہ میں ثابت کررہی ہیں۔ بحمد للہ اس کالج کی طالبات بھی اب مقابلہ جاتی پروگراموں میں شرکت کرنے لگی ہیں۔ جس کے حوصلہ افزاء نتائج سامنے آرہے ہیں:

☆ سال ۲۰۱۷ء میں مغربی یوپی کے معروف علمی اور تمدنی شہر علی گڑھ کی ایک تنظیم کے زیر اہتمام ''تعمیر انسانیت اور قرآن'' کے موضوع پر مسابقۂ مقالہ نویسی منعقد ہوا جس میں اس شریعت کالج کی پانچ طالبات نے اچھے نمبرات سے کامیاب ہوکر ایک ایک ہزار روپئے کا نقد انعام اور سرٹیفکیٹ حاصل کیا۔ مزید برآں اس مقابلہ میں جامعہ اسلامیہ سنابل کے ایک طالب علم نے بھی شرکت کر کے ایک ہزار روپئے کا نقد انعام اور توصیفی سند حاصل کی ہے۔

☆ رواں تعلیمی سال ۲۰۱۷ء میں حیدرآباد کے دو تعلیمی اداروں کے اشتراک سے ''اللہ پر ایمان اور عقیدے کی بنیادی تعلیمات'' کے عنوان پر کل ہندو نیپال پیمانہ پر منعقد ہونے والے مسابقہ میں بھی اس تعلیمی وتربیتی ادارہ کی طالبات نے شرکت کی جس میں مذکورہ دونوں ملکوں کے دینی اور عصری تعلیمی اداروں اور تنظیموں کے لاکھوں طلبہ وطالبات اوران کے فارغین وفارغات نے حصہ لیا۔ اس مسابقہ کے زمرۂ اول میں اس شریعت کالج کی ایک طالبہ نے تیرہواں اعزازی انعام اور سند حاصل کیا اور زمرۂ دوم میں اس کالج کی ایک معلمہ نے پہلا اعزازی انعام اور سند اور اس کی ایک طالبہ نے پچیسواں اعزازی انعام اور سند حاصل کیا نیز اس مسابقہ کے زمرہ سوم میں اسی شریعت کالج کی ایک دوسری معلمہ جو عائشہ صدیقہ شریعت کالج ہی کی فارغہ ہیں نے پہلی پوزیشن حاصل کر کے پچیس ہزار روپئے کا نقد انعام اور سند حاصل کیا جب کہ اسی زمرہ میں اسی کالج کی ایک تیسری معلمہ نے بائیسواں اعزازی انعام اور سند حاصل کیا۔ واضح رہے کہ تیسرے زمرہ میں داخل مسابقہ کتاب آٹھ سو اکیاون (۸۵۱) صفحات پر مشتمل تھی۔ علاوہ ازیں اس شریعت کالج کے دوسوستر (۲۷۰) طالبات نے ساٹھ (۶۰) اور اس سے زیادہ فیصد نمبرات حاصل کر کے اعزازی سرٹیفکیٹ حاصل کئے۔

☆ حکومت دہلی سے منظور شدہ سنٹر کا مشہور نسواں عصری تعلیمی وتربیتی ادارہ ’’خدیجۃ الکبریٰ گرلز پبلک اسکول‘‘، جوگا بائی دہلی کی درسگاہوں میں ایک نمایاں مقام کا حامل ہے۔ تعلیمی سال ۱۷۔۲۰۱۶ء میں اس اسکول کی ۱۳۱/طالبات سی بی ایس سی (CBSE) بورڈ کے امتحان میں شریک ہوئیں اور سبھی طالبات فرسٹ ڈویژن سے پاس ہوئیں، اس طرح پچھلے سالوں کی طرح سال ۲۰۱۷ء کا رزلٹ بھی صد فیصد رہا۔

☆ اس اسکول کی طالبات بھی گزشتہ سالوں کی طرح تعلیمی سال ۱۷۔۲۰۱۶ء میں دہلی کی متعدد یونیورسٹیوں، اسکولوں، کالجوں، اور جامعات و مدارس اور تنظیموں کے زیر اہتمام اردو، ہندی اور انگریزی زبانوں میں مختلف موضوعات پر منعقدہ تحریری اور تقریری علمی، ادبی اور ثقافتی مقابلوں میں شریک ہوئیں اوران میں امتیازی پوزیشن سے کامیابی حاصل کر کے توصیفی اسناد اور دیگر انعامات سے سرفراز ہوئیں۔ بعض مقابلوں کی ایک جھلک درج ذیل ہے:

☆ بتاریخ ۹/مئی ۲۰۱۶ء جامعہ ملیہ اسلامیہ کی طرف سے پوسٹر مقابلہ کا انعقاد ہوا جس میں اس اسکول کی ایک طالبہ نے کانسا میڈل، دوسری نے نقرئی میڈل اور تیسری طالبہ نے طلائی میڈل حاصل کیا۔

☆ بتاریخ ۶/اگست ۲۰۱۶ء گورنمنٹ آف انڈیا کی جانب سے پوسٹر مقابلہ ہوا جس میں تین طالبات نے بالترتیب اول، دوم اور سوم انعام حاصل کیا۔

☆ بتاریخ ۱۲/اگست ۲۰۱۶ء شفیق میموریل اسکول کی طرف سے اسلامک کوئز مقابلہ ہوا جس میں اس اسکول کی ایک طالبہ نے جونیئر زمرہ میں پہلی پوزیشن اور ایک طالبہ نے سینئر زمرہ میں پہلی پوزیشن حاصل کی جب کہ اس ماہ میں غالب اکیڈمی کے زیر اہتمام منعقدہ نظم خوانی مقابلہ میں ایک طالبہ نے دوسری پوزیشن حاصل کی۔

☆ بتاریخ ۱۲/نومبر ۲۰۱۶ء اردو اکیڈمی دہلی کی جانب سے پینٹنگ مقابلہ ہوا جس میں مذکورہ اسکول کی ایک طالبہ نے دوسری پوزیشن حاصل کی اور ایک طالبہ کو تشجیعی انعام ملا۔ تعلیمی سال ۲۰۱۷ء میں بھی اس اکیڈمی کے زیر اہتمام منعقدہ تقریری مقابلہ میں ایک طالبہ نے تشجیعی انعام حاصل کیا۔

☆ بتاریخ ۸/مئی ۲۰۱۷ء میں اسیم آشا فاؤنڈیشن کے زیر اہتمام پوسٹر مقابلہ منعقد ہوا اس میں ایک طالبہ نے گولڈ میڈل اور دو طالبات نے دوم (مکرر) پوزیشن حاصل کیں۔ یاد رہے کہ مئی ۲۰۱۶ء میں بھی مذکورہ فاؤنڈیشن کی طرف سے پوسٹر مقابلہ ہوا تھا جس میں اس اسکول کی ایک طالبہ نے اول اور دو طالبات نے دوم (مکرر) اور ایک طالبہ نے تیسری پوزیشن حاصل کی تھی۔

☆ بتاریخ ۲۵/مئی ۲۰۱۷ء جامعہ ہمدرد ایجوکیشن سوسائٹی کی طرف سے آرٹ مقابلہ ہوا، اس میں ایک طالبہ نے اول، دوسری نے دوم اور تیسری طالبہ نے سوم تینوں امتیازی پوزیشن حاصل کر کے اپنے ادارہ کا نام روشن کیا۔

☆ بتاریخ ۵/اگست ۲۰۱۷ء اسکالر اسکول نئی دہلی کی جانب سے جنرل نالج کوئز مقابلہ منعقد ہوا، اس میں ایک طالبہ نے تیسری پوزیشن حاصل کی۔

☆ بتاریخ ۳۰؍اگست ۲۰۱۷ء نیوہورائزن اسکول، نئی دہلی کی جانب سے نعت خوانی کا مقابلہ ہوا، اس میں ایک طالبہ نے دوسری پوزیشن حاصل کی۔

☆ ۲۰۱۸ رواں تعلیمی سال میں جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی کے ۹۷ ویں یوم تاسیس کی مناسبت سے منعقدہ ''گروپ سونگ'' مقابلہ میں شرکت کے لئے اس اسکول کی طالبات کو مدعو کیا گیا جس میں کئی طالبات نے حصہ لیا اور اس موقع پر انہوں نے اپنے اسلامی تشخص وروایات کو برقرار رکھتے ہوئے اسلامی تعلیمات واحکام سے متصادم مقابلہ کے اصول وشرائط کے خلاف اسلامی لباس وشعائر اور تہذیب وآداب کی پابندی کے ساتھ غیر اسلامی حرکات وسکنات سے اجتناب کر کے بغیر میوزک اپنا اصلاحی ودعوتی پاکیزہ کلام پیش کیا۔ فصیح وبلیغ اور جامع الفاظ ومعانی پر مشتمل ان کی معیاری اشعار، حسن انتخاب، طرز کلام اوران کی نغمہ سرائی کو لوگوں نے سراہتے ہوئے انہیں داد تحسین پیش کی اور سنٹر کے ذمہ داران نیز اسکول کی معلمات اور کارکنان کو مبارک باد دی اوراس سے متاثر ہوتے ہوئے کچھ لوگوں نے برجستہ کہا کہ ''یہ رحمانی صاحب کے اسکول کی بچیاں ہیں اس وجہ سے ان میں مکمل اسلامی شعور بھی ہے اور ڈسپلن بھی، اسی وجہ سے یہ میوزک وغیرہ سے اجتناب کررہی ہیں'' ان کا یہ اقدام لائق ستائش ہے۔

مقابلہ میں میوزک کے عدم استعمال اور دیگر غیر شرعی ضوابط وشرائط پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے انہیں کوئی نمایاں پوزیشن تو نہیں مل سکی لیکن انہوں نے وہاں اپنی مذکورہ عمدہ کارکردگی سے دینی تعلیمات سے بیگانہ وبرگشتہ اور بیمار وافسردہ اذہان وقلوب کو ضرور بیدار کیا ہے، یہ ان کی عظیم کامیابی ہے۔ طالبات کی اس قابل قدر پیش رفت سے متاثر ہوکر بعد میں سنٹر کے صدر محترم جناب مولانا محمد رحمانی سنابلی مدنی حفظہ اللہ وتولاہ نے ان کی حوصلہ افزائی کی اور انہیں انعامات سے بھی نوازا۔

ان مسابقات کے علاوہ اسکول سطح پر بھی طالبات کی علمی پختگی، ذہنی بالیدگی، ان کی خوابیدہ صلاحیتوں کو بیدار کرنے اوران کے اندر سے احساس کمتری دور کرنے کی خاطر ان میں جذبہ تنافس پیدا کرنے کے لئے اسلامی آداب وشعائر کی مکمل رعایت کے ساتھ ان کے مابین انگریزی، اردو، ہندی اور عربی زبانوں میں جنرل نالج، نظم خوانی، خوشنویسی، پینٹنگ اور ڈبیٹ (Debate) وغیرہ کے ساتھ ہی عصری اور اسلامی علوم پر مشتمل مختلف نوعیت کے متعدد متعینہ وبرجستہ موضوعات پر تقریری، تحریری اور کلچر مقابلے منعقد کئے گئے ہیں اوران میں امتیازی پوزیشنوں سے کامیاب ہونے والی طالبات کی خصوصی اور دیگر حصہ لینے والی طالبات کی تشجیعی انعامات واسناد سے حوصلہ افزائی بھی کی گئی ہے۔ ان تفصیلات کے ذکر سے بھی یہاں جگہ کی تنگ دامانی مانع ہے۔

مستقبل کے اہم تعمیری، تعلیمی اور رفاہی منصوبے:

دہلی میں: جامعہ اسلامیہ کے لئے مخصوص وسیع زمین (Jamia Campus) واقع سنابل، ابوالفضل انکلیو پارٹ۔۲ مقابل کالندی کنج پر درج ذیل بلڈنگوں کی تعمیر: (۱) جامع مسجد (زیر تکمیل) (۲) شریعت کالج (زیر تکمیل) (۳) دعوت کالج (۴) طلبہ کے لئے ہاسٹل کی دوسری نئی بلڈنگ (۵) خدیجۃ الکبری گرلز پبلک اسکول (۶) انٹرنیشنل انگلش میڈیم سینئر سکنڈری اسکول (۷) جنرل

لائبریری (۸) آڈیٹوریم اور کانفرنس ہال (۹) مہمان خانہ۔

بیرون دہلی: یوپی کے شہر بستی میں گاندھی نگر میں روڈ پر ٹاؤن کلب کے بالمقابل واقع مرکز کی برانچ کے کیمپس میں واقع جامع مسجد میں معہد عثمان بن عفان برائے حفظ وتجوید قرآن کریم کا قیام۔

مرکز کو اپنی آمد سے مشرف کرنے والی چند اہم شخصیات:

جن ممتاز اور عالمی شخصیات نے مرکز اور دہلی میں اس کے تعلیمی، تربیتی، تصنیفی، تحقیقی اور رفاہی اداروں اور ملک کے مختلف گوشوں میں اس کی شاخوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور اس کی کارکردگی پر اظہار اطمینان فرمایا ہے ان کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے۔ ان میں ائمہ حرمین شریفین، اسلامی یونیورسٹیوں کے وائس چانسلرز، پروفیسرز اور دیگر ذمہ داران، ادارۃ البحوث العلمیہ والافتاء والدعوۃ والارشاد، ریاض، رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ، ہیئۃ الاغاثۃ الاسلامیہ العالمیۃ جدہ ودمام، الہیئۃ الخیریہ الاسلامیہ العالمیۃ کویت، جمعیۃ دار البر دبئی، جمعیۃ احیاء التراث الاسلامی کویت، الندوۃ العالمیۃ للشباب الاسلامی ریاض، جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ، جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ ریاض، جامعۃ الملک سعود ریاض، جامعہ ام القری مکہ مکرمہ، جامعہ ازہر مصر، الجزائر یونیورسٹی، زیتونہ یونیورسٹی تونس، قروین یونیورسٹی مراکش، بنگلہ دیش، یوجی سی کے چیرمین ڈھاکہ یونیورسٹی کے ذمہ داران، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، مدراس یونیورسٹی، کالیکٹ یونیورسٹی، ممبئی یونیورسٹی، جواہر لعل نہرو یونیورسٹی، دہلی یونیورسٹی، پٹنہ یونیورسٹی، لکھنؤ یونیورسٹی، جامعہ سلفیہ بنارس، جامعۃ الفلاح بلریا گنج اعظم گڑھ، دار العلوم دیوبند، مظاہر العلوم سہارنپور، دار السلام عمر آباد تامل ناڈو، دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، جامعہ فیض عام مئو، جامعہ عالیہ مئو، جامعہ دار الحدیث مئو وغیرہ کے اہم ذمہ داران کے علاوہ مختلف ممالک اور براعظموں کے ممتاز علماء ومفکرین، وزراء اور ماہرین تعلیم شامل ہیں۔ جنہوں نے مرکز کی تعلیمی ورفاہی خدمات اور کارناموں کو زبردست خراج تحسین پیش کیا ہے اور اس کی مسلسل پیش قدمیوں کی حوصلہ افزائی کی ہے اور مرکز اور اس کے اداروں کے متعلق اپنی گراں قدر آراء رقم فرمائی ہیں۔ ذیل میں ان میں سے چند مقتدر اور اہم شخصیات کے اسماء گرامی بطور مثال پیش کئے جا رہے ہیں۔

امام حرم فضیلۃ الشیخ محمد بن عبداللہ السبیل، امام حرم فضیلۃ الشیخ عبدالرحمن بن عبدالعزیز السدیس، امام حرم فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر سعود بن ابراہیم الشریم، ڈاکٹر علی بن عبدالرحمن الحذیفی امام مسجد نبوی مدینہ طیبہ، فضیلۃ الشیخ عبدالمحسن بن محمد القاسم امام وخطیب مدینہ طیبہ، ڈاکٹر عبداللہ بن عبدالمحسن الترکی سکریٹری جنرل رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ وسابق ریکٹر امام محمد بن سعود اسلامک یونیورسٹی ریاض اور سابق وزیر اوقاف وشئون اسلامیہ ودعوۃ وارشاد سعودی عرب، معالی الشیخ صالح عبدالرحمن الحصین سابق وزیر حکومت سعودیہ عربیہ، صدر حرمین شریفین، شیخ عبداللہ حمد جلالی، شیخ محمد سلیمان المحیسنی سابق امام وخطیب مسجد ابا لخیل بریدہ، القصیم، ڈاکٹر زید الحسین جنرل سکریٹری مرکز ملک فیصل للبحوث والدراسات الاسلامیہ ریاض، فواد صادق مفتی سفیر خادم حرمین شریفین سعودی عرب برائے ہند، عبدالرحیم ابوعوف قائم مقام سفیر سعودی عرب، استاذ جاسم ابوعشبہ الخالدی قائم مقام سفیر سعودی عرب، ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیف سابق

سکریٹری جنرل رابطہ عالم اسلامی سابق نائب رئیس مجلس شوری سعودی عرب، ڈاکٹر مانع جہنی الندوۃ العالمیۃ للشباب الاسلامی، علامہ احمد بن حجر آل بوطامی البنعلی رحمہ اللہ چیف جسٹس شرعی عدالت قطر، استاذ جاسم العون، عزت مآب یوسف جاسم الحجی سابق وزیر اوقاف کویت، واستاذ عبدالعزیز ناصر الحمد کویت، استاذ ضرار الرزوقی سفیر کویت، استاذ مبارک راشد البوعینین سفیر قطر، استاذ ناصر محمد لوری بحرین حفظہم اللہ وتولاہم نیز وائس چانسلر ہمدرد یونیورسٹی نئی دہلی، وزیر تعلیم حکومت ہند اور وزیر خارجہ حکومت ہند، ممبران پارلیمنٹ، ممبر اسمبلی، ذمہ داران ملت وجماعت اور نمائندگان جامعات ومدارس ومراکز وغیرہم۔

اسی طرح عالم اسلام کے سیکڑوں مشاہیر علماء نے مرکز کو اس کے کارناموں پر خراج تحسین پیش کیا ہے۔ بطور مثال چند شخصیات کے اسمائے گرامی یہاں ہم پیش کرتے ہیں:

علامہ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ مفتی عام سعودی عرب وصدر ادارات البحوث العلمیہ والافتاء والدعوۃ الارشاد ریاض، علامہ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ قصیم، ڈاکٹر صالح بن عبداللہ بن حمید امام وخطیب مسجد حرام واستاذ جامعہ ام القری وسابق صدر مسجد حرام ومسجد نبوی، صدر مجلس شوری سعودیہ عربیہ، علامہ شیخ صالح بن عبدالعزیز آل شیخ وزیر اوقاف وشئون اسلامیہ ودعوۃ ارشاد سعودی عرب، عزت مآب شیخ عبدالرحمن بن عبداللہ الفریان صدر جماعت خیریہ تحفیظ القرآن الکریم ریاض، علامہ عبداللہ بن زید بن محمود، شیخ عبدالرحمن المحمود قطر، استاذ مشعل السعید، ڈاکٹر عادل فلاح کویت، استاذ جنید محمد خوری اور شیخ جمال عبدالعزیز قاسمی امارات وغیرھم حفظہم اللہ وتولاہم۔



جماعت اہل حدیث پونہ مہاراشٹر

مولانا سعید احمد سلفی پونہ

مولانا سعید احمد سلفی جامعہ سلفیہ کے ان فضلاء میں سے ہیں جن کا آبائی وطن ضلع بستی کا ایک مشہور اہل حدیث گاؤں ٹکریا ہے۔یہیں کی خاک سے یہ شعلہ رفتہ رفتہ بڑھتے ہوئے فراغت کے بعد مہاراشٹر کے ایک صنعتی وخوبصورت شہر پونہ پہونچا اور پھر احباب واخوان بالخصوص جماعت کے دو بزرگ اور قابل قدر شخصیات الحاج عباس اور عبدالصمد رحمہا اللہ اوران کے فرزندان نیک خصال اور جماعت کے محسن عبدالشکور بھائی اور ان کے برادران واخوان کے تعاون وسرپرستی میں جماعتی مرکز کے قیام وتاسیس اور مختلف مساجد ومراکز کی تعمیر وتوسیع نیز جماعت کے استحکام وفروغ میں ایسے لگے کہ آج بحمداللہ شہر پونہ بالخصوص پمپری اوراس کے نواحی علاقوں میں اخوان اہل حدیث کی کثیر تعداد موجود ہے اور منہج ومسلک کی آبیاری وفروغ کا کام پوری تندہی سے جاری وساری ہے۔ذیل میں پونہ جماعت کی تاریخ آپ ہی کے قلم سے ہدیۂ قارئین ہے۔

پونہ شہر عصری علوم وفنون کا مرکز ہے،ساتھ ہی ساتھ ایک مشہور صنعتی شہر ہے، جہاں آٹو موبائل اور آئی ٹی کی بڑی بڑی صنعتیں ہیں مثلاً ٹاٹا موٹر، بجاج آٹو، مہندرا اینڈ مہندرا، فلپس وغیرہ اس لئے ہندوستان کے مختلف علاقوں سے لوگ اپنی علمی پیاس بجھانے اور معاشی خوشحالی کے لئے وارد ہوتے ہیں۔ظاہر ہے وہ لوگ اپنے ساتھ اپنی تہذیب وثقافت اور زبان وعقیدہ ومنہج کو بھی لاتے ہیں، یہاں کی تاریخ پر جب نظر ڈالتے ہیں توشیواجی،تاناجی،افضل خان اور اورنگ زیب اوران کی سیاسی لڑائی کا تذکرہ ملتا ہے،اور ہماری جماعت کے بطل جلیل اور مشہور مصنف وانشاء پرداز مفسر ومجاہد آزادی مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ کے قیام کا تذکرہ بھی ملتا ہے، یہاں اسلام کے نام لیوا بھی ہیں لیکن تعداد بہت کم ہے اب الحمدللہ بڑھ رہی ہے۔عموماً وہ لوگ مقلد ہیں۔

اہل حدیث: یہاں اہلحدیثوں کی تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں تو میرے اپنے علم کے مطابق کچھ افراد کو کن علاقے کے یہاں قیام پذیر تھے جن میں ایک نام چوگلے ہے، جو منہج کے اعتبار سے متحرک بھی تھے اور باعمل بھی، یہاں اپنی جماعت کے نہ کسی ادارہ کا تذکرہ ملتا ہے اور نہ ہی کسی مسجد کا۔۱۹۷۱ء میں جناب عبدالصمدؒ یہاں طلب معاش کے لئے آئے اور مستقل طور پر قیام پذیر ہوگئے۔ان کے اندر جماعتی ومنہجی غیرت اور تڑپ تھی۔شروع شروع میں احناف یعنی دیوبندیوں کے ساتھ رہے لیکن ان کی منہجی غیرت نے انہیں مجبور کیا کہ وہ الگ جمعہ وجماعت خمسہ کا اہتمام کریں۔ چنانچہ انہوں نے اپنی دوکان کے اوپری حصہ کو جمعہ وجماعت وعیدین کے لئے مختص کردیا اور پندرہ سال تک یہ سلسلہ قائم رہا۔

مسجد عمر بن خطاب ؓ کا قیام: جب وہ مختص جگہ ناکافی ہونے لگی تو ۱۹۹۱ء میں جناب عبد الصمدؒ نے اپنی دوسری دوکان مسجد کے لئے وقف کردی اوراس کی سنگ بنیاد امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند مولانا مختار احمد ندویؒ کے دست مبارک سے رکھی گئی۔ اوراس کی تعمیر کا ذمہ بھی جناب عبدالصمدؒ نے خود لے لیا اور ایک عالیشان چار منزلہ مسجد ۱۹۹۴ء میں مکمل ہوگئی اللہ تعالیٰ ان کی اس نیکی کو قبول فرمائے اوران کے لئے نجات کا ذریعہ بنائے (آمین) یہ مسجد موروواڑی پمپری میں واقع ہے۔

مسجد اہل حدیث پوار بستی: مسجد عمر بن خطاب زیر تعمیر ہی تھی کہ جماعتی افراد اپنی معاشی ضرورت کے لئے مختلف علاقوں میں پھیل گئے بطور خاص کدل واڑی چکلی میں مسلمانوں کی تعداد کافی بڑھنے لگی، یہاں بھی مسجد کی سخت ضرورت پڑی چنانچہ جناب عبدالصمدؒ کی تحریک پر ایک زمین خریدی گئی اوران کے خاندان کے افراد خصوصاً عبدالشکور وذکر اللہ اوران دونوں کے والد محترم عباس علیؒ ودیگر افراد نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ یہ مسجد تین مراحل میں ضرورت کے مطابق دومنزلہ تعمیر کی گئی۔ ۱۹۹۵ء سے یہاں جمعہ وجماعت وعیدین مستقل طور پر ادا کی جاتی ہے نیز دعوت وتبلیغ کا مرکز بھی ہے۔ یہاں جماعت کے نامور علماء وفضلاء وخطباء تشریف لاتے ہیں اور کتاب وسنت کی روشنی میں منہج سلف کے مطابق دعوتی کام انجام دیتے ہیں۔ ہفتہ واری اور ماہانہ دعوتی پروگرام بھی التزام سے ہوتا ہے۔

المنار ایجوکیشن سوسائٹی: مذکورہ دونوں مسجدوں کے قیام کے بعد تعلیمی ضرورت کا احساس شدید تر ہوتا گیا اس لئے کہ مسلمانوں میں سے کسی بھی منہج ومسلک کے ماننے والوں کا اس علاقہ میں نہ کوئی دینی ادارہ تھا اور نہ ہی عصری، اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے برادر عزیز عبدالشکور کو کہ ان کی نگاہ اس گوشہ کی طرف پڑی اورانہوں نے مسجد کے سامنے ایک عمارت کی بنیاد ڈالی، یہ عمارت کیوں تعمیر کررہے تھے اس کا تذکرہ انہوں نے ہوسکتا ہے کسی سے کیا ہو لیکن میرے علم میں نہیں تھا۔ ممکن ہے کہ چند سالوں سے میں مولانا ابوالکلام آزاد ہائی اسکول اکورڈی پونہ اور ہائی اسکول کھراڈواڑی پمپری پونہ میں اعزازی طور پر ہفتہ میں دوتین دن پڑھاتا تھا ممکن ہے میری دلچسپی کو دیکھ کر ایک اسکول قائم کرنے کا ارادہ کرلیا ہو واللہ اعلم بالصواب۔ ان دونوں تعلیمی اداروں میں جانے کے بعد مجھے ایک معیاری ادارے کی ضرورت کا احساس شدید تر ہوتا گیا اور وہاں کے اساتذہ سے بھی اس سلسلہ میں برابر بات چیت ہوتی رہی اسی درمیان سات کمروں پر مشتمل ایک عمارت تیار ہوگئی اور مجھ سے بتایا کہ ایک مدرسہ قائم کرنے کا ارادہ ہے اس لئے اس پر توجہ دیں۔

میں نے اس سلسلہ میں غور کیا تو ذہن میں یہ بات آئی کیوں نہ خود فیصلہ کرنے کے بجائے اپنی جماعت کے علماء کرام سے مشورہ کیا جائے چنانچہ میں نے مولانا محمد مقیم فیضی حفظہ اللہ سے رابطہ قائم کیا اورانہوں نے قائد جماعت مولانا عبدالسلام صاحب سلفی سے مشورہ کرنے کے بعد یہ طے کیا کہ اس سلسلہ میں ایک میٹنگ ہوتا کہ ادارہ کے خدوخال اوراس کی نوعیت کا ایک خاکہ تیار کیا جائے چنانچہ پہلی میٹنگ ۲۰۰۲ء میں ہوئی جس میں مولانا عبدالسلام صاحب سلفی حفظہ اللہ، مولانا محمد مقیم فیضی حفظہ اللہ، مولانا عبدالمعید مدنی حفظہ اللہ، مولانا عبیداللہ مکی دہلی، عبدالشکور، ذکر اللہ اور راقم شریک ہوئے، اس میں مختلف رائیں پیش ہوئیں کسی نے ایک معیاری دینی ادارہ کے قیام کا مشورہ دیا، کسی نے انگلش میڈیم اسکول کا مشورہ دیا، میرا مشورہ تھا کہ یہاں ابتدائی تعلیم کا کوئی نظم نہیں ہے اور جوادارے کارپوریشن کے ہیں ان کی تعلیم انتہائی ناقص ہے جس کا تجربہ مجھے ہے۔ کیوں نہ یہاں ایک ایسا معیاری ادارہ قائم کیا جائے

جس میں عصری اور دینی علوم دونوں شامل ہوں اور مادری زبان اردو میں ہو۔ تاکہ نونہالان قوم دینی ماحول میں زیور تعلیم سے آراستہ ہوں، میری اس رائے پر تمام شرکاء مجلس نے اتفاق کیا اور المنار ایجوکیشن سوسائٹی کے نام سے ۲۰۰۲ء میں رجسٹریشن کرایا گیا جس کے ممبران میں عبدالشکور چودھری چیئرمین، سعید احمد سلفی سکریٹری، عبدالمنان خان نائب چیئرمین، عبدالرحمن چودھری نائب سکریٹری، ذکراللہ چودھری خازن، عبدالصمد چودھری، عباس چودھری، حبیب اللہ چودھری، اختر حسین چودھری، ممبران بنائے گئے۔

اس ایجوکیشن سوسائٹی کے تحت ''المنار پرائمری اسکول'' کا قیام عمل میں آیا، کسی ادارہ کے قیام کا شروعاتی مرحلہ انتہائی مشکل ہوتا ہے لوگوں کو اعتماد میں لینا، حکومت سے منظوری، قوم کو اپنے ادارہ کی طرف متوجہ کرنا اور ان کے بچوں کے مستقبل اور ان کی تعلیمی ترقی پر بھروسہ دلانا، باصلاحیت اساتذہ کا انتخاب، تعلیم یافتہ افراد کو ساتھ میں لینا اور ان کی رہنمائی اور ان سے خدمت لینا، حکومت سے منظوری کے لئے تمام شرائط کا پورا کرنا وغیرہ۔

ان تمام مراحل میں چیئرمین کے علاوہ جن افراد نے میرا ساتھ دیا ان میں قابل ذکر اسدخاں صاحب (مدرس ادارہ ہذا) مولوی عبدالسلام انعامدار محمدی (استاد پرائمری اسکول اکورڈی) ہیں جنہوں نے ہر مرحلہ میں میرا ساتھ دیا خواہ وہ کارپوریشن کا کام ہو یا اور کوئی خدمت اللہ تعالیٰ ان تمام لوگوں کی خدمات کو قبول فرمائے اور اجر جزیل عطا فرمائے (آمین)

نصاب تعلیم: دو ہائی اسکولوں سے منسلک ہونے کی وجہ سے ان کے طریقہ تعلیم و نصاب تعلیم کا مشاہدہ کرنے اور اس کی خوبیوں اور کمیوں سے واقفیت ہونے کی بنیاد پر ایک تعلیمی خاکہ میرے ذہن میں بننے لگا اور پختہ ارادہ کرلیا کہ جب بھی کسی ادارے کا قیام میری نگرانی میں آئے گا تو اس میں کس کس طرح رنگ بھروں گا۔ چنانچہ جب ''المنار اسکول'' کا قیام عمل میں آیا تو سب سے پہلے میں نے اس بات کی کوشش کی کہ چونکہ مادری زبان کی تعلیمی اہمیت ہوتی ہے اور بین الاقوامی زبان کی بھی اس لئے کیوں نہ ایسا نصاب تعلیم مرتب کیا جائے جو دینی، عصری، مادری، قومی و بین الاقوامی ضروریات کو پوری کرسکے، چنانچہ دینیات میں قرآن مجید ناظرہ اور عم پارہ حفظ، چمن اسلام جماعت چہارم تک اور جماعت پنجم سے جامعہ سلفیہ کی تیار کردہ کتاب اسلامی عقیدہ اور سیرت و احادیث کے منتخبات کو نصاب میں شامل کیا گیا، عصری علوم کے اعتبار سے 'ایس ایس سی بورڈ' کا نصاب جس میں ریاضی، سائنس، انگلش میں داخل نصاب ہے۔ یہ دونوں مضامین بچوں کے مستقبل اور کالج میں آنے والی پریشانیوں کو مدنظر رکھتے ہوئے شامل کئے گئے۔ اس طرح سیمی انگلش کا نصاب وجود میں آیا۔ غالباً پونہ ضلع کا یہ پہلا سیمی انگلش ادارہ ہے بلکہ مہاراشٹر کے اعتبار سے چند گنے چنے اداروں میں سے ہے۔ بعد میں بہت سارے اسکولوں نے اسی نصاب کو اپنایا۔

الحمدللہ اب تک ہائی اسکول کا نتیجہ صد فیصد رہا اور اسی نصاب تعلیم کی بنیاد پر یہاں سے فارغ التحصیل طلباء و طالبات، میڈیکل، انجینئرنگ اور دیگر پروفیشنل و غیر پروفیشنل کورسوں میں امتیازی نمبرات سے کامیاب ہو رہے ہیں۔

مسجد ابو بکرؓ: چونکہ چکلی اور کدل واڑی کا علاقہ کافی وسیع ہے اور نو وارد مسلمانوں کی تعداد دن بدن بڑھتی جارہی ہے، اسی کے پیش نظر الحاج عبدالصمد چودھری نے اپنی لمبی چوڑی دوکان کا ایک حصہ مسجد کے لئے وقف کردیا اور ایک تین منزلہ مسجد کی تعمیر ۲۰۰۸ء

میں کی۔ یہاں بھی بحمد للہ جمعہ، صلوات خمسہ وعیدین اور دعوت وتبلیغ کا کام اچھی طرح سے ہو رہا ہے۔

مسجد ابوھریرۃؓ: اس مسجد کا قیام ۲۰۱۵ء میں اسی علاقے میں عمل میں آیا، مسجد ابوبکر میں جگہ تنگ ہونے کے باعث اس مسجد کے قیام کی سخت ضرورت تھی، رقبہ کے اعتبار سے یہ مسجد چھوٹی ہے پھر بھی ساڑھے تین سو نمازیوں کے لئے وسعت رکھتی ہے، یہاں بھی جمعہ، صلوت خمسہ وعیدین کا اہتمام ہے۔

اہل حدیث قبرستان: چکلی اور کدل واڑی میں مسلمانوں کی کافی آبادی ہے اور دن بدن بڑھتی جارہی ہے اس علاقے میں شاہی زمانے کی ایک قبرستان ہے جس پر کچھ لوگوں نے غاصبانہ قبضہ کیا ہوا ہے اور چند پختہ قبریں ہیں جس کی وجہ سے مزید قبروں کی گنجائش نہیں ہے۔ جمعیت کے بزرگوں خصوصاً الحاج عبدالصمد چودھری اور الحاج عباس علی چودھری کی تحریک اور ان کے خاندان کے افراد کی دل چسپی کے باعث افراد جماعت نے قبرستان کے لئے ۲۰۰۱ء میں پونے دو ایکڑ زمین خریدی اور جماعت اہل حدیث ٹرسٹ کے نام سے رجسٹر کرایا اور حکومت مہاراشٹر سے منظوری لی۔ فللہ الحمد۔

دارالفرقان لتحفیظ القرآن: ۲۰۰۵ء میں دارالفرقان لتحفیظ القرآن نامی ایک اقامتی ادارہ قائم کیا گیا جس میں بچے قرآن مجید کا حفظ کرتے ہیں، یہاں سے تقریباً پچاس حفاظ کرام فارغ ہو چکے ہیں، عموماً ساٹھ طلباء اور چار حفاظ کرام کے قیام وطعام ودیگر مصارف کا انتظام برادرم عبدالشکور چودھری کرتے ہیں۔

پونہ میں دعوتی سرگرمیاں: ۱۹۹۵ء تک پونہ شہر کے تعلق سے نہیں معلوم تھا کہ افراد جماعت پونہ شہر میں بھی ہیں۔ صرف ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کے تعلق سے معلوم تھا کہ وہ یونانی میڈیکل کالج پونہ میں استاد ہیں اور کسی کمرہ میں دینی تعلیم کا انتظام کیا ہے، انہیں کے زیر نگرانی مسجد الفلاح السلفیہ اور ایک مدرسہ کا قیام کنڈوہ خورد میں عمل میں آیا۔

۱۹۹۸ء میں ایک روز اچانک میرے پاس عبدالمبین ملاّ احمد نگر کا ٹیلیفون آیا کہ ''ایرؤڑہ'' میں دیوبندیوں کے ساتھ ایک مناظرہ ہے، آپ لوگ یہاں آئیں چنانچہ بہت سارے افراد کو لے کر وہاں پہنچا تو دیکھا کہ مولانا محمد مقیم فیضی حفظہ اللہ تشریف فرما ہیں اور ان کے ساتھ ابوزید ضمیر بھی ہیں ان کے تعلق سے اب تک کچھ نہیں معلوم تھا، ایک مسجد میں وہاں مقامی افراد نے مناظرہ متعین کیا تھا لیکن دیوبندیوں کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے بغیر بحث ومباحثہ کے ختم ہو گیا۔ لیکن اس کا ایک مثبت پہلو یہ نکلا کہ ایک جوہر نایاب ابوزید ضمیر کی شکل میں ہمیں مل گیا جن کے پاس قرآن وحدیث کا گہرا مطالعہ ہے اور دعوت وتبلیغ میں کافی دلچسپی رکھتے ہیں، وہیں سے ہم دونوں کے تعلقات بڑھتے گئے اور دعوتی سرگرمیاں بھی بڑھتی گئیں۔ المنار اسکول کے قیام کے دوسرے سال بحیثیت استاد ان کی تقرری عمل میں آئی چونکہ ان کے اندر دعوت وتبلیغ کی تڑپ ہے اور وہ اسکول کی حاضری میں مانع تھی، صحت بھی روزانہ آنے جانے کا ساتھ نہیں دے رہی تھی اس لئے مجبوراً دو سال بعد تدریسی کام چھوڑ کر مکمل دعوت وتبلیغ میں لگ گئے، الحمد للہ آج پونہ اور ملک کے مختلف حصوں میں دعوتی کام انجام دے رہے ہیں، پونہ شہر میں مسلک سلف کی جو ترویج ہو رہی ہے اس میں بڑا حصہ ابوزید ضمیر کا ہے، اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کو قبول فرمائے اور مزید حوصلہ دے۔ (آمین)

□□□

ضلع بریلی میں تعلیمی بیداری

رضاء اللہ عبد الکریم المدنی

ضلع بریلی کا شمالی خطہ کثیر مسلم آبادی والا خطہ ہے۔ ہمالیہ کی ترائی میں بسا یہ علاقہ اپنی آب وہوا اور پانی کی فراوانی کے سبب ہرا بھرا اور خوش منظر ہے۔ پچاس ساٹھ سال قبل مسلم بستیوں میں تعلیمی سرگرمیاں نا کے برابر تھیں کہیں کہیں سرکاری اسکول بے شک تھے لیکن دینی تعلیم کے لئے کوئی معقول انتظام نہ تھا۔ چونکہ علاقہ میں اہل حدیث بستیاں اور بستیوں میں اہل حدیث آبادی اللہ کے فضل وکرم سے اچھی تھی اس لیے علماء اہل حدیث کا آنا جانا اس علاقہ میں بغرض تعلیم وتبلیغ لگا رہتا تھا اور اہل حدیث علماء دیگر مسالک کے علماء کے مقابلہ میں ہمیشہ سے ذہنی طور پر زیادہ بیدار مغز اور مسلم قوم کی فلاح وبہود کے لئے ہمیشہ فکر مند رہے ہیں۔

۱۹۵۰ء کے بعد کے زمانہ میں حضرت مولانا قاری احمد سعید صاحب بنارسی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا وہ زمانہ تھا کہ ان کے دم سے جماعتی تبلیغی سرگرمیاں زندہ تھیں۔ وہ جس جگہ جاتے وہاں کے احباب جماعت خصوصاً اصحاب ثروت کو آمادہ کرتے تھے کہ دینی جلسہ، کانفرنس، مکتب، مدرسہ، عالم، مولوی حافظ قاری کا اپنے یہاں انتظام کریں۔ زبان میں اثر تھا جماعت میں علماء کی بات سنی جاتی تھی چھوٹے بڑے سب ہی آپ کی بات پر دھیان دیتے تھے۔ جہاں مکتب نہیں مکتب قائم کرواتے امام نہیں امام رکھواتے عالم نہیں عالم کا انتظام کرتے، حافظ وقاری نہیں تو ان کو کہیں نہ کہیں سے بلا کر فراہم کر دیتے۔

وہ حقیقی معنی میں داعی، اور مبلغ تھے۔ خاندانی پس منظر، خوش شکل خوش لباس، خوش گفتار اور تلاوت قرآن کا ان کا اپنا مخصوص انداز جب وہ لحن داؤدی میں تلاوت قرآن کرتے تو چلتے لوگ رک جاتے اور بیٹھے ہوئے لوگ ہمہ گوش آنکھیں پھاڑے منہ کھولے محو تلاوت ہو جاتے، تقریر کرتے تو لگتا بات کان سے سیدھی دل میں اتر رہی ہے آیات قرآنیہ واحادیث نبویہ کا خوبصورت انتخاب اور اس پر کہنے والے کی شیریں بیانی، درددل بیاں کرتے سامعین کو پورے خلوص، ہمدردی اور پیار سے مخاطب کرتے تاریخ سے عمدہ قسم کے پر تاثیر واقعات بیان کرتے کہ سننے والوں کے دل پسیج جاتے، آنکھیں اشک بار ہو جاتیں دلوں میں اللہ ورسول کی محبت کے ساتھ ان کی فرمانبرداری کا جذبہ پیدا ہوتا اور معاصی سے توبہ کر کے نمازی اور پرہیزگار بننے کا راستہ آسان ہو جاتا ہے۔ اللہ ان کی قبر کو نور سے بھرے ان کے درجات کو بلند فرمائے اور جماعت میں ایسے لوگ دوبارہ پیدا فرمائے آمین، رحمه الله وعفا عنه وجعل الجنة مثواه۔

بات ہو رہی تھی ضلع بریلی کے شمالی خطے کی اور اس میں تعلیمی سرگرمیوں کی، درمیان میں حضرت مولانا قاری احمد سعید رحمہ اللہ متوفی ۱۹۶۴ء کا ذکر خیر آ گیا۔ تو یہ علاقہ تعلیمی پسماندگی سے گذر رہا تھا اور قاری صاحب کا اس علاقہ میں آنا جانا تھا۔

۱۹۵۷ء کے اخبار اہلحدیث دہلی کے ایک شمارہ میں محترم جناب حافظ محمد عثمان صاحب گردھر پوری رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مختصر

مضمون دیکھا جس میں آپ نے قاری صاحب کا شکریہ ادا کیا ہے کہ آپ نے جماعت اہل حدیث گردھر پور کا حوصلہ بڑھایا اوراخراجات کی ذمہ داری بھی اٹھانے کا وعدہ کیا اور ایک مکتب قائم کرادیا۔

اس طرح اس علاقے میں تعلیمی بیداری کے سلسلہ میں بات کی جائے تو قاری صاحب کا نام سب سے پہلے آئے گا، انہیں مکاتب کی برکت سے بعد میں الحاج محمد یوسف صاحب آف آگرہ کی امارت کے زمانہ میں اس علاقہ میں تعلیمی بیداری کے لئے محترم جناب ڈاکٹر محمد اسلم صاحب ٹانڈا حفظہ اللہ (جواب مرحوم ہو چکے ہیں)، ڈاکٹر محمد صدیق صاحب رچھا، ڈاکٹر عثمان صاحب دھونرہ رحمہ اللہ، الحاج عبدالمالک صاحب رچھا رحمہ اللہ الحاج محمد عمر صاحب رچھا رحمہ اللہ، مولوی محمد یونس صاحب جوکھنپور حفظہ اللہ، بابا عبدالمجید صاحب سینتھل ٹانڈا رحمہ اللہ بابا محمد اسرائیل دھونرا رحمہ اللہ، عبداللہ ریلی صاحب شیش گڑھ رحمہ اللہ، بابو عطاء الرحمن صاحب گردھر پور، چھوٹے بھیا جوکھنپور و دیگر ذمہ داران جماعت نے بڑی محنت سے تمام مقامی جماعتوں میں مکاتب قائم کئے۔ اور صوبائی جمعیت اہلحدیث کی نگرانی میں المعہد الاسلامی السّلفی کا قیام عمل میں آیا، ضلع بریلی کی تعلیمی بیداری میں جو محنت ڈاکٹر اسلم صاحب ٹانڈا والوں نے کی وہ کسی دوسرے کے حصہ میں نہیں آئی اللہ ان کی محنتوں کو قبول فرمائے اور صحت وعافیت سے نوازے آمین۔

ان تعلیمی اداروں کی برکت سے پوری قوم میں تعلیم کا رجحان بڑھا، بریلی مسلک والوں نے بھی یہیں سے روشنی پائی جہاں جہاں جماعت نے مکاتب کھولے ان حضرات نے بھی مقابلے یا دشمنی ہی میں سہی مکاتب ومدارس کھولے پورے علاقے میں تعلیم کا بول بالا ہوا۔

آج علاقے میں اقتصادی خوش حالی ذہنی بیداری کے ساتھ ساتھ دوسروں کے دوش بدوش چلنے کا جو رجحان پایا جاتا ہے وہ ہمارے انہیں اسلاف کی خاموش محنتوں کی برکت ہے آج ملک اور بیرون ملک علاقہ کے بہت سے نوجوان بڑی بڑی سروسوں میں لگے ہوئے ہیں ملک کے مختلف علاقوں میں مختلف شعبوں میں برسرعمل ہیں اور ملک کی خدمت کر رہے ہیں۔ فللہ الحمد والمنۃ۔

المعہد الاسلامی السّلفی ان ہی پیاری یادگاروں عظیم محنتوں اور اسلاف کی تمناؤں کا پیارا مرکز ہے۔

آج ہماری توجہ اس کی طرف سے کم ہوتی جارہی ہے یہ ہمارے لئے تشویش کا باعث ہے احباب جماعت سے مخلصانہ اپیل ہے۔ توحید وسنت کے اس چراغ کو روشن رکھنے اپنے اسلاف کے صدقہ جاریہ کو باقی رکھنے قوم کی ترقی اور سدھار کے لئے اس عظیم مرکز کو مزید فعال، مفید اور خود کفیل بنانے کے لئے آگے بڑھ کر آئیں اور اپنے قیمتی وقت میں تھوڑا وقت اس کے لئے بھی دیں اللہ آپ کا حامی وناصر ہو۔ رہے نام اللہ کا۔

(ترجمان السنہ رچھا بریلی جنوری تا مارچ ۲۰۱۷ء)



مجلہ اہل حدیث کا ۴۰واں سال

حکیم اجمل خان

فاتح قادیان شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۹۴۹ء) نے اپنی زندگی کے مختلف ادوار میں چار رسائل کی بنیاد رکھی اور اسے جاری وساری فرمایا (۱) جدیدہ مسلماں (۲) اخبار اہل حدیث (۳) مرقع قادیانی (۴) مخزن ثنائی یا گلدستہ ثنائی ان میں سب سے مشہور اور طویل عرصے تک جاری رہنے والا رسالہ ''ہفت روزہ اخبار اہل حدیث'' امرتسر ۲۲ شعبان ۱۳۲۱ھ مطابق ۱۳ نومبر ۱۹۰۳ء کو جاری ہوا، ہر جمعہ کو باقاعدگی سے شائع کیا جاتا تھا۔

چوالیس (۴۴) سال تک باقاعدہ مطلع صحافت پر نمودار رہا اور کسی بھی ہفتہ میں اس کا ناغہ نہ ہوا۔ اس کا آخری شمارہ ۱۳ رمضان المبارک ۱۳۶۶ھ مطابق یکم اگست ۱۹۴۷ء کو شائع ہوا۔ اس کے بعد ملک تقسیم ہو گیا، مولانا امرتسری ہجرت کر گئے اور آزادی کے ایک سال بعد ۱۹۴۹ء میں وہیں اللہ کو پیارے ہو گئے۔ آزادی وطن کے بعد ہندوستان میں اس کی نشاۃ ثانیہ کی گئی جس کی تفصیل ذیل کے مضمون میں ملاحظہ فرمائیں۔ (عبدالحکیم مدنی)

اخبار اہل حدیث امرتسر کا آخری شمارہ اگست ۱۹۴۷ء میں شائع ہوا تھا، ۱۵/اگست ۱۹۴۷ء کو ملک آزاد ہوا۔ پنجاب چونکہ تقسیم ہو گیا تھا۔ اس لئے تبادلہ کی ہلچل یہاں آزادی سے پہلے ہی شروع ہو گئی۔ انہیں دنوں حضرت شیخ الاسلام مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری کے مکان پر بم کا حملہ ہوا۔ جس میں ان کے بیٹے کی شہادت ہو گئی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

رنج وغم کے عالم میں مولانا نے پاکستان ہجرت کی اور اخبار اہل حدیث (۱۹۰۳ء۔ ۱۹۴۷ء) بند ہو گیا، دونوں طرف کے مہاجرین کی ہجرت سے افراتفری، لوٹ مار، اغواء قتل وغارتگری، بربادی اور بے حیائی ہوئی۔ اسے بہت سے وقائع نگاروں نے قلم بند کر کے شائع کر دیا ہے۔ وہ الم ناک داستان ہے۔

بعد از خرابی بسیار جب حالات معمول پر آئے۔ تو والد مرحوم حکیم عبدالشکور رحمہ اللہ نے حافظ حمید اللہ مرحوم کو اخبار اہل حدیث کی نشاۃ ثانیہ کی طرف متوجہ فرمایا۔ وہ اخبار اہل حدیث کے دوبارہ اجراء پر راضی ہوئے۔ یہ بھی طے پایا کہ مولانا تقریظ احمد سہسوانی مدیر اور حکیم عبدالشکور شکراوی معاون مدیر ہوں گے۔ چنانچہ حافظ حمید اللہ مرحوم اپنی رحلت (دسمبر ۱۹۵۰ء) سے قبل مبلغ ایک ہزار روپئے مولانا عبداللطیف سلفی دہلویؒ کے حوالے کر کے اس دنیا سے چلے گئے اور بتا گئے کہ اخبار اہل حدیث کے لئے رقم مولانا تقریظ احمد سہسوانی کے حوالہ کر دی جائے۔ مولانا عبداللطیف صاحب نے وصیت کی تعمیل کی، اس وقت ایک ہزار روپئے بڑی چیز تھی۔ اخبار اہل حدیث دہلی کی (نشاۃ ثانیہ) کا پہلا شمارہ فروری ۱۹۵۱ء میں منظر عام پر آیا۔ ٹائیٹل کے نقش نگار پرانے ترکت فیکم امرین والی حدیث اور اصل دیں آمد کلام اللہ

(شعر) ہی رہے۔ پندرہ روزہ اہل حدیث دہلی کا سالانہ چندہ ۵ روپئے تھا۔ ترتیب تسوید طباعت اور ترسیل کی ذمہ داری مولانا تقریظ احمد سہسوانی فرماتے تھے۔ اداریہ اور دوسرے مضامین والد مرحوم لکھتے رہے۔ اپریل ۶۱ء میں والد صاحب کا انتقال ہوگیا۔ تب اس کے اداریے مولانا مختار احمد ندوی اور مولانا یوسف مرکزی لکھتے رہے۔ ۱۹۷۶ء میں حافظ یحییٰ صاحب نے جو مولانا تقریظ احمد صاحب کے بعد اہل حدیث کے پرنٹر پبلشر تھے، راقم الحروف کو مکلف کیا کہ میں اس کے ادارتی فرائض انجام دوں چنانچہ میں نے اس کی ادارت سنبھالی مگر مالی حالات خراب ہونے کی وجہ سے اخبار بند ہوگیا۔ ۱۹۷۸ء میں جماعتی تنظیم میں اتھل پتھل شروع ہوگئی۔ ترجمان بھی برائے نام جاری تھا۔ مسلک وجماعت کی آواز بند ہوگئی اخبار اہل حدیث کا اجراء ضروری تھا۔ میں اس اجراء کے لئے نئے وسائل کی تلاش میں تھا۔ مگر وہ دور دور تک بھی دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ میں نے حوصلہ کرکے اس کے نئے ٹائیٹل کے لئے درخواست دی تو مجلہ اہل حدیث کے نام سے مل گیا۔ ابتدائی شماروں کی طباعت کے لئے مولانا عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ کو توجہ دلائی۔ تو انہوں نے بھاگ دوڑ کرکے بعض مخلصین سے تعاون دلایا۔ اگست ۷۸ء میں مجلہ اہل حدیث کا پہلا شمارہ منظر عام پر آ گیا۔ ۲۰۱۷ء۔ ۱۹۷۸ء کا طویل سفر طے کرکے مجلہ اب ۴۰ ویں جلد میں داخل ہوا ہے۔ پہلے اخبار کی شکل میں ۱۵ روزہ تھا۔ مگر جب حالات سازگار نہیں رہے۔ تب ماہانہ کر دیا۔

مجلہ کی ترتیب واشاعت میں اس وقت زیادہ پریشانی ہوئی۔ جب میں مرکزی جمعیت کی ذمہ داری سنبھالے ہوئے تھا۔ وقت کم ملتا تھا۔ وسائل کی فراہمی مشکل ہوگئی۔ ٹائیٹل کو باقی رکھنے کے لئے تاریخ پر اشاعتوں کی طباعت ضروری ہوتی ہے۔ جیسے تیسے کرکے انتظام کرتا رہا ۱۹۸۵ء کے بعد اس کو مستحکم کیا تب سے اب تک اس کا ناغہ نہیں ہونے دیا۔ ہاں ڈاک کی خرابی سے کئی بار قارئین کو شکایت ہوتی رہی۔

میں نے بارہا قارئین کو بتایا کہ مجلہ اہل حدیث کے پاس دہلی میں آفس نہیں ہے۔ جس کی ہمیشہ سخت ضرورت رہی۔ اس سے نہ صرف مجلہ کی ڈاک ضائع ہوتی ہے۔ بلکہ اس کی ترتیب وتسوید میں بھی تکلیف ہوتی ہے۔ اب دفتر کمپیوٹر، ای میل، ویب سائٹ، فیکس ،فون وغیرہ تمام اخباری لوازمات میں سے ہیں۔ میں خود ہی چلتا پھرتا دفتر ہوں، مگر اب یہ سب میرے بس سے باہر ہوتا جا رہا ہے۔ مولانا عبدالمتین سنابلی، مولانا خورشید احمد سلفی اس بار عظیم کو سنبھالنے میں میرے قلمی معاون رہے ہیں۔ مگر میری طرح وہ بھی ذیابطیس کے مریض ہوگئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو صحت کاملہ عطا فرمائے۔ اور عمر دراز کرے۔ موصوف کی رفاقت سے مجھے ہمیشہ حوصلہ ملا۔ اسی طرح مجلہ کے ہمدرد ومعاونین جس اخلاص مندی اور مسلکی وجماعتی جذبے کو سامنے رکھتے ہوئے مجلہ کا مالی تعاون فرماتے ہیں اس کے لئے میں تمام احباب ومعاونین کا شکر گزار ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان کی نیکی اور خلوص کو قبول فرمائے۔ مجلہ اہل حدیث کو ۴۰ سال تک زندہ رکھنے میں ان کی اخلاص مندی انتہائی اہم ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ وہ اپنی ہمدردی اور تعاون جاری رکھیں گے۔

اس وقت میری صحت کمزور، کمر خمیدہ اور انگلی گھس گئی ہے۔ جس سے مضمون نگاری اور پروف ریڈنگ کا کام مشکل ہوگیا ہے۔ معاونین وقارئین سے میں درخواست کرتا ہوں کہ وہ متبادل انتظامات ہونے تک میری صحت یابی اور عزیمت کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں۔ اور حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری کی یادگار کو زندہ جاری رہنے کے لئے بھی دعا فرمائیں۔ واللہ المستعان والمعین۔

(مجلہ اہل حدیث جنوری ۲۰۱۷ء)

❑❑❑

میوات میں ائمہ مساجد کی دینی خدمات

ڈاکٹر عیسیٰ خان انیس تجارہ

علاقہ میوات جغرافیائی حیثیت سے صوبہ جات راجستھان، ہریانہ، یوپی، ودہلی کے متعدد اضلاع پر مشتمل تقریباً سوا سو مربع میل کے طول وعرض پر پھیلا ہوا علاقہ ''میوات'' کہلاتا ہے۔ جس میں لگ بھگ ڈھائی ہزار دیہاتوں میں میوقوم آباد ہے۔ میوقوم ہی سے میوات منسوب ہے۔

اس قوم کا دائرہ اسلام میں داخل ہونے کا سلسلہ سید سالار مسعود غازیؒ کی کوششوں سے شروع مانا جاتا ہے۔

البتہ تجدید دین واحیائے اسلام کی ابتداء کرنے والے دوعلمائے دین تھے جو خاندانی ولی الٰہی کے فیض یافتہ تھے۔ بالخصوص مولانا محبوب علی دہلویؒ ومولانا حیدر علی رامپوریؒ کے تبلیغی دورے میوات میں احیائے اسلام کا بنیادی ستون مانے جاتے ہیں یہ حضرات بیل گاڑیوں پر سوار ہو کر میوات میں آئے اور گاؤں گاؤں قریہ قریہ پہنچ کر نماز، روزہ ودیگر اسلام کے ارکان لوگوں کو سمجھاتے تھے۔

مقامی حضرات میں میوات کے اندر تبلیغ دین کے تعلق سے حاجی عبداللہ موضع کانکر کھیڑہ ریاست الور کا نام سرفہرست آتا ہے۔ جو میوات میں موحدین کی ایک ایسی جماعت تیار کرنے میں کامیاب ہو گئے جو آگے چل کر پوری میوات میں پھیل گئی۔ اس جماعت میں میانجی الف خاں شکراوہ، حاجی احمد خاں رہپوہ، حاجی نتھو خاں جلال پورہ، میانجی فوج خاں بھشتی گوہانہ، حاجی سمیع خاں ساکرش، حافظ حسن خاں لاڈمکا، قاضی رحیم الدین پہاڑی (بھرت پور) شہزاد خاں ومحمد خاں بخاراوغیرہم کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔ جنہوں نے میوات میں گاؤں گاؤں پہنچ کر مسجدوں میں اماموں کا تقرر کیا اور مکاتب اسلامیہ کا جال بچھایا۔

یہیں سے میوات میں ائمہ مساجد کی دینی خدمات کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ محترم حضرات! اس سرزمین میوات میں دین اسلام کی بنیاد کا سہرا صرف اور صرف ائمہ مساجد کو جاتا ہے۔ جنہوں نے گھر گھر پہنچ کر توحید کا ڈنکا بجایا اور کلمہ طیبہ کی صدا بلند کی۔ انہیں ائمہ مساجد نے امامت کے ساتھ ساتھ تبلیغ دین وتعلیم قرآن وحدیث کی ذمہ داریوں کو بھی بخوبی انجام دیا۔ اور صرف نان ونفقہ کی اجرت پر اپنی زندگیاں تعلیم وتبلیغ وامامت وخطابت کے لئے وقف کر دیں۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

میوات کے علاقائی دستور کے مطابق ہر امام ممبر ومحراب تک محدود نہیں ہوتا بلکہ مکتب ومدرسہ، درس وتدریس کی ذمہ داری بھی نبھاتا ہے۔ اب چاہے اس کی تعلیم کا معیار اردو دینیات تک محدود ہو یا پھر وہ مستند عالم دین ہو۔

محترم قارئین! ائمہ مساجد کی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ اس گروہ نے اپنے قائدین علمائے کرام کے ادنی اشارے پر جان ومال کی قربانیاں پیش کرنے سے کبھی دریغ نہیں کیا اور رضائے الٰہی کی خاطر اپنے رشتے ناطے اور تعلقات کو بھی درکنار کر دیا۔

حضرات گرامی! یہی وہ پاکباز طائفہ ہے جس نے کلام الٰہی کی روشنی سے اپنے سینوں کو منور کیا اور انوار رسالت کی شعاعوں سے اپنی زندگیوں کو روشن کیا۔ یہی وہ مقدس گروہ ہے جس نے کتاب وسنت کو اپنا لائحہ عمل بنایا اور میوات کو شرک وبدعت کی غلاظت سے پاک کیا۔

معزز قارئین! سچ تو یہ ہے کہ اگر میوات میں ائمہ کرام کی یہ جماعت نہ ہوتی تو آج ہم اہل میوات اس قدر کثیر تعداد میں اس عظیم الشان کانفرنس کے اندر موجود نہ ہوتے۔

یہی وہ جماعت ہے جس کے ارکان نے شاہ اسماعیل شہیدؒ کے قابلے میں شمولیت کی اور بالاکوٹ کی جنگ میں شریک ہوکر جہاد فی سبیل اللہ کی سعادت حاصل کی۔

یوں تو ائمہ میوات کی فہرست بہت طویل ہے اور ان کی دینی خدمات کا سلسلہ بھی لامتناہی ہے لیکن کچھ ہستیاں ایسی بھی گذری ہیں جن کے تذکرہ کے بغیر یہ مقالہ مکمل نہیں مانا جاسکتا۔ اس سلسلے میں میوات کے اول اسلامی سپوت حاجی عبداللہ مرحوم کانکر کھیڑہ کا نام نامی اسم گرامی آتا ہے جنہوں نے میوات میں احیائے اسلام اور تحریک اہل حدیث کی تخم ریزی کی اور ایک اچھی خاصی دینی جماعت قائم کرنے میں کامیابی حاصل کی۔ موصوف وہ شخصیت ہیں جنہوں نے جنگ بالاکوٹ سے واپس آنے کے بعد تیس سال تک میوات میں مجاہدین اسلام تیار کئے اور ان کے تعلقات مجاہدین سرحد سے استوار رکھے۔

اس مجاہدین میں مولانا ابوالحسن افغانیؒ کا نام نامی سرفہرست آتا ہے جو ۱۸۵۷ء میں علاقہ میوات کے اندر وارد ہوئے اور تاحیات خدمت دین میں مصروف رہے میوات میں ان کی آمد کی تفصیل کا موقع نہیں بہر حال انہوں نے موضع بھونری کو جائے قیام بنایا اور امامت وخطابت اور تعلیم وتعلم کے ذریعہ اشاعت دین کی شمع روشن رکھی آج اس علاقہ میں اہل اسلام ان کی دینی خدمات کے مرہون منت ہیں ان کے علاوہ ان کے ساتھی مولوی نور محمد، مولوی محمد مرید، وحضور کھیستی نے بھی میوات میں امامت وخطابت ودرس وتدریس کا سلسلہ جاری کیا۔

آج بحمد اللہ کوئی دیہات ایسا نہیں جہاں مسجد نہ ہو۔ اور کوئی مسجد ایسی نہیں جس میں امام نہ ہو اور کوئی امام ایسا نہیں جو امامت کے ساتھ ساتھ اسلامی مکتب نہ چلاتا ہو نیز تعلیم بالغان تعلیم نسواں ودیگر دینی تبلیغی خدمات بھی ائمہ کرام کے فرائض میں آئے ہیں۔

تقسیم سے قبل کے ائمہ کرام میں سرفہرست میانجی عبداللہ ڈھاڈولی کا نام آتا ہے جنہوں نے پوری زندگی امامت کے فرائض انجام دیئے اور بہت سے علمائے کرام کے علاوہ شارح بخاری مولانا محمد داؤد رازؒ جیسی جلیل القدر شخصیت کے استاد ہونیکا شرف حاصل کیا ان کے علاوہ مولانا محمد اسماعیل سعیدیؒ جھانڈہ جنہوں نے جھانڈہ کی جامع مسجد میں امامت وخطابت کے ساتھ ساتھ مکتبی تعلیم کا بھی اہتمام رکھا۔

مولانا محمد اسماعیل مرحوم گلالتہ نے بھی اپنی زندگی امامت وخطابت ودرس وتدریس میں صرف کی۔ میانجی مظہر الدین جھانڈہ نے بھی تاحیات امامت کے ساتھ ساتھ مکتبی تعلیم کا اہتمام رکھا اور استاد جی کے نام معروف ہوئے۔ مولانا محمد ابراہیم جھانڈہ، مولانا محمد ابراہیم ساکرس مولانا محمد یوسف ساکرس، مولانا محمد سلیمان ہوگا مولانا عبدالرحمان ندوی، مولانا کمال الدین ندوی، منشی محمد اسحاق رہپوہ وغیرہم رحمہ اللہ وہ حضرات ہیں جنہوں نے میوات میں دین کی بے لوث خدمت کی ہے۔

ائمہ مساجد ہی کی دینی خدمات کا نتیجہ ہے کہ آج میوات میں ہر پانچ کلومیٹر کے بعد ایک دینی اقامتی ادارہ قائم ہے۔

صحافت: انہیں ائمہ مساجد نے میوات میں ایسے اہل قلم حضرات بھی پیدا کئے جنہوں نے بطور صحافت اپنی دینی وسماجی خدمات پیش کیں، اور متعدد اخبارات، جرائد ورسائل میں اپنی نوک قلم کا استعمال کیا۔ جن میں شیخ الحدیث مولانا عبدالجبار صحیفہ اہل حدیث دہلی کے مدیر اعلیٰ رہے۔ مولانا حکیم عبدالشکورؒ نے آفتاب میوات واخبار اہل حدیث دہلی میں اپنی ادارتی خدمات پیش کیں مولانا محمد داؤد رازؒ نے رسالہ نورالایمان تاحیات جاری رکھا۔ اور بخاری شریف کی شرح تحریر فرمائی۔ حکیم اجمل خاں میوگزٹ اور اوقاف کے ایڈیٹر رہے نیز آج بھی مجلہ اہل حدیث موصوف کی ادارت میں نکل رہا ہے۔

یہ مختصر روداد تھی میوات کے ائمہ مساجد کی دینی خدمات کی۔ آج بھی علاقہ میوات میں سینکڑوں ائمہ مساجد دین اسلام کی بے لوث خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کو شرفِ قبولیت بخشے۔ آمین

(جریدہ ترجمان جلد ۳۶، شمارہ ۰۶، ۳۱-۱۶ مارچ ۲۰۱۶ء)



شیخ الکل میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ کا کارنامہ

محمد تنزیل صدیقی

''شہرت وناموری تو بخت ونصیب کی بات ہے وگرنہ اس درسگاہ کی ایک حیرت انگیز تاثیر یہ رہی کہ جو تلامذہ نکلے وہ خدمتِ دین کے جذبے کی تڑپ لے کر نکلے، وہ جہاں جہاں گئے اس جذبے کی آگ نے انہیں ہمیشہ فروزاں رکھا، کثرت تلامذہ اور پھر کبار ذی علم شاگردوں کا جو مجمع سید میاں نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ کو حاصل ہوا، علمائے ہند اور متاخرین میں کوئی اس باب میں ان کا ہم سر نہیں۔''

(دبستان نذیریہ ۱/ ۲۴)

باب سوم

یادرفتگاں

محدث کبیر

مولانا محمد عبدالرحمن مبارکپوری رحمہ اللہ

شخصیت اور کارنامے

۱۸۶۷ء...........۱۹۳۵ء

مولانا ابوالعاص وحیدی

برصغیر ہندو پاک میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے مبارک دور سے علم حدیث کو عروج وارتقاء حاصل ہوا۔ یہاں تک کہ اس برصغیر میں اسلامی تاریخ کے بڑے بڑے عالی مرتبت اور نابغۂ روزگار محدثین پیدا ہوئے اور فقہائے محدثین کے طرز واسلوب پر علوم حدیث کی تعلیم وتدریس، تصنیف وتالیف اور نشر واشاعت کا زبردست سلسلہ شروع ہوا۔ پچھلی دوصدیوں میں فقہائے اہل حدیث کے طرز پر خدمت حدیث کے سلسلہ میں ہندوستان کے متعدد علمی ودینی مراکز کو بڑی امتیازی حیثیت حاصل ہوئی جیسے دہلی، بھوپال، عظیم آباد، بنارس، آرہ، ملتان، امرتسر، وزیر آباد اور گجرانوالہ وغیرہ۔

ہندو پاک میں دہلی خدمت حدیث کا سب سے بڑا مرکز تھا، یہاں جو کبار محدثین علوم حدیث کی تعلیم وتدریس اور تصنیف وتالیف میں مشہور وممتاز ہوئے ان میں سے چند علماء حدیث کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، شاہ عبدالعزیز دہلویؒ، شاہ محمد اسحاق دہلویؒ، سید میاں نذیر حسین دہلویؒ، مولانا محمد بشیر سہسوانیؒ، مولانا حافظ عبداللہ غازی پوریؒ، مولانا محمد عبدالرحمن مبارکپوریؒ، مولانا احمد اللہ پرتاپ گڑھیؒ، مولانا ابوسعید شرف الدین دہلویؒ اور مولانا عبیداللہ مبارکپوری رحمہم اللہ اجمعین وغیرہ۔

امام حدیث ابوالعلی محمد عبدالرحمن مبارکپوریؒ جو جامعہ سراج العلوم کنڈؤ بونڈیہار کے بانی ہیں اور مرکز دہلی کے کبار محدثین میں جن کا شمار ہے، ہم ذیل میں ''تراجم علمائے حدیث ہند'' اور ''مقدمہ تحفۃ الاحوذی'' کی مدد سے ان کی شخصیت اور علمی کارناموں پر مختصر روشنی ڈال رہے ہیں۔

پیدائش اور ماحول:

مولانا مبارکپوریؒ کی پیدائش ۱۲۸۳ھ مطابق ۱۸۶۷ء میں اعظم گڈھ کے مشہور ومعروف قصبہ مبارکپور میں ہوئی، سلسلۂ نسب اس طرح ہے، ابوالعلی محمد عبدالرحمن بن العلامہ الشیخ الحافظ عبدالرحیم بن الحاج الشیخ بہادر المبارکفوری رحمہم اللہ۔

آپ کے والدگرامی جناب مولانا حافظ عبدالرحیم مبارکپوری جناب علامہ شیخ محمد جعفر ہاشمی مچھلی شہریؒ کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں، مبارکپور میں آپ کا گھر شرف ومجد، قیادت وسیادت، تقویٰ ودیانت اور علمی ودینی امامت کا حامل رہا ہے، اس قصبہ میں انہیں کے ذریعہ عمل بالحدیث کا آغاز ہوا، انہوں نے ہی سب سے پہلے مبارکپور کے باشندوں کو عمل بالحدیث کی طرف بلایا، لوگوں کو اس کی ترغیب دی اور احیاءِ سنت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو عظیم بشارت دی ہے لوگوں کو سنائی چنانچہ بہت سے لوگوں نے ان کی اس دعوت پر لبیک کہا اور شاہراہ کتاب وسنت پر گامزن ہو گئے۔

اس طرح سے مولانا مبارکپوریؒ نے جس ماحول وخاندان پر آنکھیں کھولیں وہ قال اللہ وقال الرسول کی دلنواز صداؤں سے معمور، سلفیت واہل حدیثیت کے مخلصانہ جوش وخروش سے سرشار اور دعوت کتاب وسنت کا پرزور علمبردار تھا، بچے ماحول وخاندان سے بہت متاثر ہوتے ہیں اور ان کے ذہن وفکر کی تشکیل میں اس کا زبردست دخل ہوتا ہے، اگر یہ بات کہی جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ مولانا مبارکپوریؒ کو عظیم محدث بنانے میں ماحول وخاندان کا ناقابلِ انکار ہاتھ ہے۔

تعلیم وتربیت اور شیوخ واساتذہ:

مولانا مبارکپوریؒ کی نشوونما اور ابتدائی تعلیم وتربیت مبارکپور میں آپ کے والدگرامی جناب مولانا حافظ عبدالرحیم صاحبؒ کی نگرانی میں ہوئی، آپ نے قرآن مجید، اردو زبان، فارسی ادب وانشاء اور دوسری ابتدائی کتابیں مولانا خدابخش اعظمی، مولانا محمد سلیم پھریاوی اعظمی اور اپنے والد صاحب سے پڑھیں، اس کے بعد مئو واعظم گڈھ وغیرہ میں مولانا عبدالرحمن جیراج پوری، مولانا فیض اللہ مئوی، مولانا حسام الدین مئوی اور مولانا سلامت اللہ جیراجپوری وغیرہ کی شاگردی اختیار کی اور ان حضرات سے عربی ادب، نحووصرف، فقہ واصول فقہ اور منطق پڑھی۔

پھر تکمیل علوم کے لئے مدرسہ چشمۂ رحمت غازی پور تشریف لے گئے جہاں علوم نقلیہ وعقلیہ کے امام استاذ الاساتذہ مولانا حافظ عبداللہ مئوی غازی پوریؒ سے پانچ سال تک بھرپور استفادہ کیا اور ان سے نحووصرف، بلاغت، ادب عربی، منطق، فلسفہ، ہیئت، ہندسہ، حساب، فقہ واصول فقہ، حدیث واصول حدیث اور تفسیر واصول تفسیر وغیرہ علوم وفنون کی تکمیل کی اور جملہ علوم نقلیہ وعقلیہ میں مہارت حاصل کی۔

جناب مولانا حافظ عبداللہ غازی پوریؒ نے مولانا مبارکپوریؒ کی صلاحیت وعبقریت کے پیش نظر انہیں مشورہ دیا کہ وہ دہلی تشریف لے جائیں اور جامع علوم وفنون امام حدیث وفقہ شیخ الکل فی الکل سید میاں نذیر حسین دہلویؒ کی شاگردی میں رہ کر ان کے علوم ومعارف کے بحر بیکراں سے مستفید ہوں اور سند عالی حاصل کریں چنانچہ آپ دہلی تشریف لے گئے اور حضرت میاں صاحبؒ سے بلوغ المرام، مشکوٰۃ المصابیح، شرح نخبہ، تفسیر جلالین، اوائل ہدایہ، تفسیر بیضاوی، جامع صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، اواخر سنن نسائی، اوائل سنن ابن ماجہ وغیرہ کتابیں پڑھیں اور سند اجازت حاصل کی۔

مولانا مبارکپوریؒ نے اپنی سند حدیث کو عالی کرنے کے لئے شیخ العرب والعجم قاضی حسین بن محسن انصاری خزرجی یمانیؒ سے بھی

شرف تلمذ حاصل کیا، ان سے جستہ جستہ موطا امام مالک، مسند دارمی، مسند امام شافعی، مسند امام احمد بن حنبل، الادب المفرد، معجم صغیر طبرانی، اورسنن دارقطنی وغیرہ کتابیں پڑھیں۔ اور سند اجازت حاصل کی۔ اسی طرح اپنے والد مرحوم کے استاذ علامہ شیخ محمد ہاشمی جعفری مچھلی شہریؒ سے بھی اوائل بلوغ المرام اور چالیس احادیث مع سند ومتن پڑھیں اور سند مسلسل بالاولیۃ حاصل کی۔

اس طرح سے فن حدیث میں علامہ مبارکپوریؒ کی سندوں کے لئے تین سلسلے ہیں ایک سلسلہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ تک پہنچتا ہے جو اس طرح ہے، **ابو العلی محمدعبدالرحمن المبارکفوری عن شیخ الکل فی الکل السید محمد نذیر حسین المحدث الدھلوی عن الشیخ المکرم البارع فی الآفاق محمد اسحٰق المحدث الدھلوی عن الشیخ الاجل الشاہ عبدالعزیز المحدث الدھلوی عن الشیخ الامام الشاہ ولی اللہ الدھلوی رحمھم اللہ**، اور سند کی بقیہ کڑیاں، ''عجالۂ نافعہ'' میں مذکور ہیں۔

اور بقیہ دونوں سلسلے علامہ شوکانی رحمہ اللہ تک پہنچتے ہیں جن میں پہلا سلسلہ سند اس طرح ہے **ابو العلیٰ محمد عبدالرحمن المبارکفوری عن شیخ العرب والعجم القاضی حسین بن محسن الانصاری الیمانی عن الشیخین محمد بن ناصر الحسنی الحازمی والقاضی العلامۃ احمد بن الامام محمد بن علی الشوکانی عن الامام الحافظ الربانی محمد بن علی الشوکانی رحمھم اللہ**، اور دوسرا سلسلہ سند یہ ہے **ابو العلیٰ محمد عبدالرحمن المبارکفوری عن العلامۃ محمدبن عبدالعزیز المدعو بالشیخ محمدالھاشمی الجعفری عن الشیخ ابی الفضل عبدالحق المحمدی عن امام المحدثین القاضی محمدبن علی الشوکانی رحھم اللہ۔**

مولانا عبدالرحمن مبارکپوریؒ کی تعلیم وتربیت اور اساتذہ وشیوخ کی جو تفصیل سامنے آئی اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ کیسے کیسے اصحاب زہدوورع نے موصوف کی ذہنی وفکری تربیت فرمائی اور کیسی کیسی آفتاب وماہتاب علمی وتحقیقی شخصیتوں نے انہیں اسلامی علوم وفنون خصوصاً فن حدیث کی تعلیم دی، اسی کا نتیجہ ہے کہ مولانا مبارکپوریؒ ایک کامیاب ترین مدرس ومعلم، مایہ ناز محقق ومصنف اور امام حدیث کی حیثیت سے منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئے۔ **ذالک فضل اللہ یو تیہ من یشاء۔**

تعلیمی وتدریسی خدمات:

تعلیم سے فراغت کے بعد مولانا مبارکپوریؒ اپنے وطن مالوف مبارکپور تشریف لائے اور وہاں مدرسہ اسلامیہ دارالتعلیم کی بنیاد ڈالی اور درس وتدریس میں لگ گئے، نیز زبان وقلم کے ذریعہ اسلام اور مسلمانوں کی علمی ودینی خدمت کرتے رہے، چند ہی دنوں کے بعد اس مدرسہ کی شہرت دور دور تک پہنچ گئی اور طالبان علوم نبوت پروانہ وار اس شمع علم وفن کے اردگرد اکٹھا ہوگئے، یہ ادارہ اب بھی چل رہا ہے جس میں ابتدائیہ سے فضیلت کے بعض درجات تک تعلیم ہوتی ہے۔

مولانا عبدالرحمن مبارکپوریؒ کو گونڈہ وبستی کی سرزمین سے بڑی انسیت تھی، چنانچہ بیسویں صدی کے بالکل اوائل میں موصوف اس سرزمین میں آئے اور اپنی تعلیمی وتدریسی اور دعوتی وتبلیغی کوششوں سے کتاب وسنت کی تعلیمات کی خوب اشاعت کی اور یہاں

بڑے گہرے آثار ونقوش چھوڑے، جس کی داستان اس علاقہ کے ذرہ ذرہ سے سنائی دیتی ہے۔

مولانا مبارکپوریؒ سب سے پہلے بلرام پور گونڈہ میں تشریف لائے وہاں ایک اسلامی مدرسہ قائم کیا اور ایک مدت تک قرآن وحدیث کا درس دیتے رہے، مگر افسوس وہ بعد میں گردش دوراں کی نذر ہو گیا، اس کے بعد ۱۹۰۴ء میں اللہ نگر (مشمولہ چھتر پارہ) والوں نے مولانا کو بلایا، مولانا وہاں تشریف لائے اور ایک مدرسہ قائم کیا اور کئی سال تک طالبان علوم نبوت کو مستفید کرتے رہے، بعد میں ذمہ داران نے اس مدرسہ کا نام ''فیض العلوم'' رکھا، بحمد اللہ یہ مدرسہ اب بھی چل رہا ہے جس میں پرائمری درجات اور ابتدائی عربی کی تعلیم ہوتی ہے۔

۱۹۰۷ء میں کنڈؤ بونڈیہار کے سربرآوردہ اور مخلص افراد نے مولانا عبدالرحمن مبارکپوریؒ کو بلایا، مولانا اس علاقہ میں تشریف لائے اور ان کے ساتھ وہ طلبہ بھی آ گئے جو مدرسہ اسلامیہ اللہ نگر میں تفسیر، حدیث، فقہ، منطق اور فلسفہ وغیرہ کی کتابیں پڑھتے تھے، یہاں آنے کے بعد مولانا نے جناب منصب دار خاں کنڈؤ کے مکان پر تعلیم دینی شروع کی اس کے بعد فوراً ہی کنڈؤ، بونڈیہار کے درمیان راپتی کے کنارے جامعہ سراج العلوم کی بنیاد ڈالی، اسی وقت سے دین کی یہ شمع روشن ہوئی اور علم کا چراغ جلا۔

مولانا مرحوم اس جامعہ کے صرف مدرس ہی نہ تھے بلکہ مشیر ومربی اور عملاً ناظم بھی تھے، اساتذہ کے عزل ونصب علاقہ کے دینی امور ومسائل اور دنیوی نزاعات واختلافات کے تصفیہ وحل کے مکمل ذمہ دار تھے، اور بڑی خاص بات یہ کہ علاقہ کے زمیندار حضرات اپنی شان وشوکت کے باوجود مولانا کا بڑا ادب واحترام کرتے تھے۔

مولانا مبارکپوریؒ نے کنڈؤ بونڈیہار کے علاقہ میں تین سال کی مدت گذاری، اس دوران ضلع بستی کے مختلف مواضعات میں دعوت وتبلیغ اور وعظ وارشاد کے لئے جاتے رہے اور بستی کے متعدد اسلامی مدارس کے تعلیمی وانتظامی معاملات میں دخیل بھی رہے۔

اس سلسلہ کی ایک قابل ذکر بات یہ ہے کہ بستی ہی کے کسی تبلیغی اجلاس میں جامع ترمذی کی ایک جامع شرح کی تحریک ہوئی اس اہم علمی وتحقیقی کام کے لئے لوگوں کی نظر مولانا مبارکپوریؒ پر پڑی، چنانچہ کنڈؤ بونڈیہار ہی میں قیام کے دوران مولانا نے تحفۃ الاحوذی کی تالیف کا آغاز کیا، جس کی تکمیل بعد میں ہوئی، بہر حال جامعہ سراج العلوم بونڈیہار کو یہ فخر حاصل ہے کہ حدیث نبوی کی اس عظیم خدمت کا افتتاح یہیں سے ہوا۔

جامعہ سراج العلوم کنڈؤ، بونڈیہار کے بعد مولانا عبدالرحمن مبارکپوریؒ مدرسہ احمدیہ آرہ میں تشریف لے گئے جس کی داستان یہ ہے کہ علامہ ابو محمد ابراہیم آرویؒ تلمیذ رشید سید نذیر حسین دہلویؒ جو ایک جلیل القدر عالم وفاضل ہونے کے ساتھ ساتھ قصبہ آرہ کے رئیس بھی تھے جب وہ تکمیل علوم سے فارغ ہوئے اور اپنے وطن واپس آئے تو انہوں نے آرہ میں ''مدرسہ احمدیہ'' قائم کیا اور تعلیم وتدریس کے لئے باکمال اساتذہ وماہرین علوم وفنون کو اکٹھا کیا اس عظیم ادارہ کے صدر مدرس جناب مولانا حافظ عبداللہ غازی پوریؒ تھے، انہیں کے حکم سے جناب مولانا عبدالرحمن مبارکپوریؒ مدرسہ احمدیہ آرہ میں بحیثیت مدرس تشریف لائے اور کئی سال تک منصب تعلیم وتدریس پر فائز رہے، یہاں تک کہ ناظم مدرسہ جناب علامہ ابو محمد ابراہیم آرویؒ کے انتقال کے تھوڑے دنوں بعد اس ادارہ کا نظام درہم برہم

ہوگیا اور وہ ادارہ بند ہوگیا، اس مدرسہ کی شہرت ہندو بیرون ہند پہنچ چکی تھی اور عرب وعجم کے طلبہ اس میں تعلیم حاصل کرنے لگے تھے۔

اس کے بعد ناظم مدرسہ دار القرآن والسنہ کلکتہ نے مولانا عبدالرحمن مبارکپوریؒ کو بلایا تو مولانا حافظ عبداللہ غازی پوریؒ کے اشارہ وحکم سے مولانا مبارکپوریؒ کلکتہ تشریف لے گئے اور ایک مدت تک وہاں قرآن وحدیث کا درس دیا اور بہت سے طلبہ کو مستفید بنایا۔ یہ مولانا مبارکپوریؒ کی تدریسی زندگی کا آخری مرحلہ تھا، یہاں کے بعد مولانا مرحوم درس وتدریس کے لئے کہیں نہیں گئے بلکہ اپنے وطن مبارکپور لوٹ آئے اور تاحیات تصنیف وتالیف میں لگے رہے اس دوران حرم مکی میں درس دینے کے لئے سعودیہ عربیہ سے خط آیا اور دار الحدیث رحمانیہ (مرحوم) میں تدریس کے لئے دہلی سے مکتوب آیا مگر آپ نے ہر جگہ معذرت کردی۔

مشہور تلامذہ ومستفیدین:

مولانا مبارکپوریؒ کی تعلیمی وتدریسی زندگی بڑی طویل تھی، مبارک پور، کنڈوبونڈ بیہار، آرہ اور کلکتہ وغیرہ کے مدارس میں جن لوگوں نے مولانا کی شاگردی اختیار کی، ان سے بھرپور استفادہ کیا اور علم وفن کے مختلف میدانوں میں مدرس ومعلم، مصنف ومحقق، ادیب ومفسر اور مصلح ومجاہد کی حیثیت سے چمکے، انہیں شمار کرنا بہت مشکل ہے، ہم ذیل میں چند مشہور وممتاز تلامذہ ومستفیدین کا تذکرہ کررہے ہیں۔

مولانا ابوالہدی محمد عبدالسلام مبارکپوریؒ مولف سیرۃ البخاری، ڈاکٹر محمد تقی الدین ہلالی مراکشیؒ، مولانا نذیر احمد رحمانی املویؒ، فضیلۃ الشیخ عبیداللہ رحمانی مبارکپوریؒ، رقیہ بنت خلیل بن محمد حسین بن محسن، شیخ عبداللہ نجدی قویعی، مولانا محمد بشیر مبارکپوری، مولانا حکیم عبدالصمد مبارکپوری، مولانا عبدالرحمن بجوا، گونڈہ، مولانا نصر اللہ خاں نوادہ، گونڈہ، مولانا عابد علی انتری بازار بستی، مولانا سراج صالح سمرا بستی، مولانا شیخ عبدالقیوم بجوا گونڈہ، مولانا عبدالجبار کھنڈیلوی، مولانا محمد اسحاق آروی، مولانا محمد فیروز آبادی، مولانا امین احسن اصلاحی، مولانا ابوالنعمان عبدالرحمن مئوی، مولانا حکیم عبدالرزاق صادقپوری، مولانا نعمت اللہ بردوانی، مولانا عبدالرحمن نگرنہسوی، مولانا عبدالحکیم فتحپوری، مولانا سید محمد جعفر ٹونکی بستوی، مولانا ابوالقاسم قدسی، مولانا محمد اصغر مبارکپوری اور مولانا محمد شریف مصطفی آبادی وغیرہ۔

علمی وتحقیقی صلاحیت:

اللہ تعالی نے مولانا مبارکپوریؒ کو ظاہری حسن وجمال کے ساتھ باطنی اوصاف وکمالات کا وافر حصہ عطا فرمایا تھا، ذہن وفکر کی تیزی، طبیعت کی روانی، بلند نگاہی، دقت نظر، بیدار مغزی، وسعت معلومات اور علمی وتحقیقی صلاحیت ان کی نمایاں خصوصیات تھیں، کثرت مطالعہ اور تفکر وتدبر کے نتیجہ میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ علم وفن آپ کی رگ وریشہ میں خون بن کر دوڑ رہا ہے، تفسیر، حدیث، اصول حدیث، فقہ، اصول فقہ، منطق، فلسفہ، ہندسہ، حساب، ہیئت اور دوسرے علوم نقلیہ وعقلیہ میں آپ کو مہارت تامہ حاصل تھی، مشکل سے مشکل مباحث ومسائل کے بارے میں جب کوئی سوال کرتا تو فوراً جواب دیتے جس سے سائل حیرت واستعجاب میں پڑجاتا اور ان کی عبقریت وصلاحیت کا معترف ہوجاتا، جب کسی علمی مسئلہ پر بحث وتبصرہ کرتے تو علم وفن کے موتی بکھیرتے۔

مولانا مبارکپوریؒ کو خصوصاً فن حدیث میں بڑی مہارت حاصل تھی اور اس میں امامت کا درجہ حاصل تھا۔ صحیح وضعیف، راجح

ومرجوح مرفوع وموقوف، محفوظ ومعلول، متصل ومنقطع اور تمام انواع حدیث کے بارے میں زبردست تمیز ومعرفت حاصل تھی اور معانی احادیث، فقہ احادیث، استنباط مسائل، رجال احادیث، جرح وتعدیل، اور طبقات رواۃ وغیرہ کے بارے میں بڑا گہرا علم تھا۔

مولانا کے ان علمی اوصاف وکمالات اور صلاحیت وعبقریت کا اعتراف تمام اصاغر واکابر کو تھا، یہاں تک کہ جب ۱۳۲۰ھ میں علامہ ابوالطیب محمد شمس الحق عظیم آبادی ڈیانویؒ تلمیذ رشید سید میاں نذیر حسین محدث دہلویؒ ومولف غایۃ المقصود شرح سنن ابی داؤد نے ارادہ کیا کہ سنن ابوداؤد کی مختصر جامع شرح لکھیں۔ تو مولانا مبارکپوریؒ کو بلایا تا کہ حدیث نبوی کی اس خدمت میں تعاون کریں اور اس کی تکمیل میں مدد دیں، چنانچہ مولانا مبارکپوریؒ تشریف لائے اور ۱۳۲۳ھ تک تقریباً چار سال علامہ ڈیانوی کے پاس قیام فرمایا اور شرح سنن ابی داؤد کی تکمیل میں بھر پور تعاون کیا، یہی وہ شرح ہے جو عرب وعجم میں ''عون المعبود شرح سنن ابی داؤد'' کے نام سے مشہور ہے اور بلا اختلاف مسلک ومذہب لوگ جس سے استفادہ کرتے ہیں۔

علامہ شمس الحق ڈیانویؒ خود ایک ناقد محدث، باکمال مفسر، جلیل القدر عالم وفقیہہ، ادیب وفاضل اور مایہ ناز محقق تھے، اور عون المعبود کی ترتیب وتالیف میں پوری ایک جماعت لگی ہوئی تھی جس میں مولانا قاضی یوسف حسین خان پوری اور مولانا محمد شاہ جہانپوری بھی شریک تھے لیکن مولانا شمس الحق ڈیانوی، مولانا مبارکپوریؒ کی علمی وتحقیقی صلاحیت پر سب سے زیادہ اعتماد کرتے، ان کی رائے ومشورہ کو پسند کرتے اور مشکل مقامات میں ان کی طرف رجوع کرتے اور مباحثہ ومذاکرہ کے ذریعہ انہیں حل کرتے۔

تصنیفات وتالیفات:

مولانا مبارکپوریؒ بڑے پایہ کے مصنف بھی تھے، انہوں نے فن حدیث، سنت وحدیث کے دفاع، مسلک محدثین کی تائید، مقلدین کی روش کی تردید، بعض اختلافی مسائل اور کچھ دوسرے دینی موضوعات پر بہت سی کتابیں تصنیف کیں ہم ذیل میں مختصر طور پر ان کی تصنیفات وتالیفات کا تعارف پیش کررہے ہیں۔

(۱) **تحفۃ الاحوذی شرح جامع الترمذی:** (عربی چار ضخیم جلدوں میں) جامع ترمذی کی یہ شرح عرب وعجم میں یکساں مشہور ومتداول ہے جس میں ترمذی کے تمام راویوں کا ترجمہ دیا گیا ہے، جامع ترمذی کی تمام احادیث کی تخریج کی گئی ہے یعنی اس کتاب کی حدیثوں کو امام ترمذی کے علاوہ اور جن دوسرے محدثین نے اپنی کتابوں میں روایت کی ہیں ان کا اور ان کی کتابوں کا نام بتادیا گیا ہے، امام ترمذی نے وفی الباب عن۔۔۔۔۔ کے عنوان سے جن احادیث کی طرف اشارہ کیا ہے ان کی مفصل تخریج کی گئی ہے، احادیث کی تصحیح وتحسین میں امام ترمذی کا تساہل مشہور ہے اس لئے ہر حدیث کی تصحیح وتحسین کے متعلق دوسرے ائمہ حدیث کے اقوال بھی نقل کئے گئے ہیں جن احادیث کی تصحیح وتحسین میں امام ترمذی سے تساہل ہوا ہے اس کی وضاحت کردی گئی ہے، اسنادی ومتنی اشکالات کے حل وایضاح میں خصوصی توجہ دی گئی ہے، احادیث کی توضیح وتشریح میں بڑی دقت نظر اور تحقیق سے کام لیا گیا ہے اور احادیث کے صحیح مطالب ومعانی جو سلف صالحین رضی اللہ عنہم اور فقہائے محدثین کے نزدیک معتمد ومستند ہیں بیان کئے گئے ہیں اور اختلاف مذاہب کے بیان میں ہر مذہب ومسلک کے دلائل بیان کرکے مذہب حق ومسلک راجح کو ظاہر کردیا گیا ہے اور مذاہب

غیر صحیحہ ومرجوحہ کے دلائل کے علمی وتحقیقی مسکت جوابات دیئے گئے ہیں۔

یہ ہیں وہ خصوصیات جو تحفۃ الاحوذی شرح جامع الترمذی میں پائی جاتی ہیں، الغرض یہ شرح بڑی ہی علمی وتحقیقی اور نادرۂ روزگار ہے جس سے سارے مذاہب فکر کے لوگ استفادہ کرتے ہیں۔

(۲) مقدمۃ تحفۃ الاحوذی: یہ کتاب شرح جامع الترمذی کے مقدمہ کے طور پر لکھی گئی ہے مگر ساڑھے تین سوصفحات پر مشتمل مبسوط شاہکار تصنیف ہے جس میں فن حدیث، حجیت حدیث اور تاریخ حدیث پر مبسوط علمی وتحقیقی بحث کی گئی ہے، تمام کتب احادیث اور محدثین کا بڑا مفصل تعارف کرایا گیا ہے، امام ترمذی اور ان کے اساتذہ وشیوخ کی سوانح حیات پیش کی گئی ہے، جامع ترمذی کی تعلیقات وشروح پر تبصرہ کیا گیا ہے، اور جامع ترمذی کے تمام راویوں کی مفصل ومرتب فہرست دی گئی ہے۔

یہ مقدمہ اپنی مثال آپ ہے جس نے عرب وعجم کے تمام علمی وتحقیقی حلقوں سے خراج تحسین حاصل کیا ہے، واقعہ یہ ہے کہ اس مقدمہ نے مولانا مبارکپوریؒ کو زندۂ جاوید شخصیت بنادیا ہے اور انہیں علم وتحقیق کی بڑی بلندی تک پہنچادیا ہے۔

(۳) ابکار المنن فی تنقید آثار السنن (عربی): مولانا ظہیر احسن شوق نیموی ایک زبردست حنفی عالم گزرے ہیں انہوں نے تقلید کی نصرت وتائید اور مسلک محدثین کی تردید کے جذبہ وجنون میں ''بلوغ المرام'' کے نہج پر ایک کتاب ''آثار السنن'' لکھ ڈالی جو احادیث ضعیفہ اور غث وثمین سے بھری ہوئی ہے اور دلچسپ بات یہ ہے کہ اس کتاب کی تالیف میں علامہ انورشاہ کشمیریؒ کا تعاون بھی شامل ہے۔ مولانا مبارکپوریؒ نے اس کتاب پر ناقدانہ نظر ڈالی اور دوسو چونسٹھ صفحات پر مشتمل ایک ضخیم کتاب ''ابکار المنن فی تنقید آثار السنن'' لکھی جس میں مولانا شوق نیموی کی کوششوں کے تارپود بکھیر دیئے اور محدثانہ طرز پر تنقید وتبصرہ کا حق ادا کردیا، بعد میں اس کی تائید میں ایک دوسری کتاب لکھی جس کا نام ہے ''**اعلام اھل الزمن تبصرۃ آثار السنن**''

(۴) تحقیق الکلام فی وجوب القراءۃ خلف الامام (اردو، دوجلدوں میں) پہلی جلد ۱۰۸ صفحات اور دوسری جلد ۲۲۸ صفحات پر مشتمل ہے، اس کتاب میں فقہ اسلامی کے ایک بڑے ہی معرکۃ الآراء مسئلہ قرأت فاتحہ خلف الامام پر محدثانہ محققانہ بحث کی گئی ہے، جلد اول میں احادیث صحیحہ مرفوعہ اور آثار صحابہ وتابعین کی روشنی میں بڑے بسط وتفصیل کے ساتھ **وجوب القراءۃ خلف الامام** کو ثابت کیا گیا ہے اور دوسری جلد میں عدم وجوب القراءۃ کی تمام نقلی وعقلی اور قدیم وجدید دلائل کا ذکر کیا گیا ہے اور ان پر ایسی بھرپور محدثانہ تنقید کی گئی ہے کہ یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی کے لئے قرأت فرض ولازم ہے اور عدم وجوب کی بات انتہائی لغو اور باطل ہے۔

(۵) خیر الماعون فی منع الفرار من الطاعون (اردو) یہ کتاب متوسط دو جزمیں ہے پہلے جزء میں احادیث وآثار سے ثابت کیا گیا ہے کہ جہاں طاعون کی وبا پڑی ہو وہاں سے فرار اختیار کرنا جائز نہیں اور دوسرے جزء میں قائلین جواز کے اعتراضات وشبہات کو رفع کیا گیا ہے، بعد میں اس کی تائید میں مولانا نے ایک رسالہ بھی لکھا جس کا نام ہے '**الدر المکنون فی تائید خیر الماعون**'۔

(۶) المقالۃ الحسنیٰ فی سنیۃ المصافحۃ بالید الیمنیٰ (اردو) یہ رسالہ متوسط سائز میں ہے اور داہنے ہاتھ سے مصافحہ

کرنے کے موضوع پر بڑا ہی تحقیقی و بے نظیر رسالہ ہے، مولانا نے اس کی تائید میں ایک رسالہ بھی لکھا جس کا نام ''**الکلمة الحسنیٰ فی تائید المقالة الحسنیٰ**''

(۷) **کتاب الجنائز** (اردو) یہ بھی ایک متوسط رسالہ ہے جس میں احادیث وآثار کی روشنی میں موت، تجہیز وتکفین اور جنازہ کے احکام ومسائل ذکر کئے گئے ہیں۔

(۸) **نور الابصار** (اردو) اس رسالہ میں دیہات میں نماز جمعہ کا وجوب ثابت کیا گیا ہے اور منکرین کے دلائل کی بڑی عمدہ تردید کی گئی ہے، مولانا مبارکپوریؒ نے اس رسالہ کی تائید میں دو رسالے تالیف کئے (۱) **ضیاء الابصار** (۲) **تنویر الابصار**۔

(۹) **القول السدید فیما یتعلق بتکبیرات العید** (اردو) اس رسالہ میں ثابت کیا گیا ہے کہ عیدین کی زائد تکبیریں بارہ ہیں صرف چھ تکبیریں احادیث صحیحہ سے ثابت نہیں ہیں۔

(۱۰) **الوشاح الابریزی فی حکم الدواء الانکلیزی** (اردو) یہ رسالہ انگریزی دواؤں کے استعمال کے موضوع پر ہے۔

(۱۱) **ارشاد الهائم الی منع خصاء البهائم** (اردو) یہ رسالہ جانوروں کے خصی کرنے کے موضوع پر ہے۔

(۱۲) **رفع الیدین للدعاء بعد الصلوات المکتوبة** (اردو) یہ رسالہ فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھانے کے موضوع پر ہے، یہ رسالہ مکمل نہیں ہوسکا تھا۔

(۱۳) **رسالة فی مسائل العشر** (اردو) یہ رسالہ دس اہم مسائل پر ہے، مگر مکمل نہیں ہوسکا تھا۔

مولانا مبارکپوریؒ نے ان تصنیفات وتالیفات کے علاوہ ڈیانویؒ کے اشارہ وحکم سے سید میاں نذیر حسین دہلویؒ کے فتاویٰ کو دو جلدوں میں مرتب کیا اور اضافہ بھی کیا، جس کی اشاعت ''**فتاویٰ نذیریه**'' کے نام سے ہوئی، نیز مولانا مرحوم نے اپنے استاذ مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری کے فتاویٰ کو بھی فقہی انداز پر مرتب کیا تھا لیکن اب تک اس کی اشاعت نہیں ہوسکی ہے۔ اسی طرح مولانا مبارکپوری کے اور بھی بعض مسائل جن کا ذکر اوپر کیا گیا اب تک غیر مطبوع ہیں۔

اخیر عمر میں مولانا مبارکپوری کے اور بھی علمی عزائم تھے، جیسے محدثانہ طرز پر موطا امام مالک کی مبسوط شرح کی تالیف اور ''**الجواهر النقی**'' نامی کتاب پر بھرپور تنقیدی کتاب کی تصنیف مگر افسوس عمر نے وفا نہ کیا اور مولانا مرحوم یہ نیک ارادے لئے ہوئے راہی ملک عدم ہوگئے، نیز مولانا مرحوم کے بے شمار قیمتی فتاویٰ ہیں ضرورت ہے کہ انہیں مرتب کرکے شائع کیا جائے۔ **وماذالک علی اللہ بعزیز**۔

اخلاق وعادات اور منہج فکر:

مولانا مبارکپوریؒ ذاتی اوصاف وخصائل اور اخلاق وعادات میں بھی بڑا امتیازی مقام رکھتے تھے، آپ کے زہد وورع کا عالم یہ تھا کہ لوگ ان کی خدمت میں دولت وثروت اور مال وزر پیش کرتے مگر وہ ٹھکرا دیتے، جیسا کہ ذکر آچکا ہے کہ دار الحدیث رحمانیہ (مرحوم) دہلی کے ناظم اور سعودیہ عربیہ کے بادشاہ نے درس حدیث کیلئے بلایا مگر شہرت وناموری اور دنیوی جاہ وجلال سے اتنے متنفر

تھے کہ بڑی بے نیازی سے وہ دعوتیں ٹھکرادیں۔

مولانا مرحوم حددرجہ متواضع، خوش اخلاق اور ملنسار تھے، جب علماء وطلبہ تحقیق مسائل اور حل مشکلات کے لئے ان سے سوالات کرتے تو وہ بالکل نہیں اکتاتے بلکہ ان کے چہرہ پر مسرت وشادمانی کی لہر دوڑ جاتی اور بڑی خندہ پیشانی سے جواب دیتے، طلبہ وعلماء سے بڑی محبت کرتے اور ان کی علمی وفکری تربیت کرتے، چنانچہ ان کی عادت یہ تھی کہ کبھی کبھی طلبہ وعلماء کے سامنے علمی سوالات رکھتے اور ان سے حل کراتے جس کا مقصد صرف یہ ہوتا کہ لوگ مسائل کے استخراج وتحقیق کے عادی بنیں۔

مولانا کو شیریں کلامی، نرم گفتاری، ظرافت طبع، لطافت عقل، رعب وجلال، وقار وسنجیدگی اور دوسرے اوصاف وکمالات بھی حاصل تھے، جھوٹ، چغلی، غیبت اور دوسرے اخلاق ذمیمہ سے دور رہتے تھے، بلکہ اگر کوئی شخص آپ کی مجلس میں کسی کی غیبت کرتا تو آپ سخت ناپسندیدگی کا اظہار کرتے، انہیں اوصاف وکمالات کی وجہ سے لوگ آپ سے بہت متاثر تھے اور لوگوں کے دلوں میں آپ کی بڑی قدر وعزت تھی، گونڈہ وبستی اور دوسرے مقامات کے بہت سے لوگ آپ سے بیعت بھی تھے۔

کنڈؤ، بونڈیہار کے علاقہ میں یہ بات مشہور ہے کہ جب مولانا مبارکپوریؒ درس دینا شروع کردیتے تو دوران درس چاہے بڑے سے بڑا آدمی آجائے آپ توجہ نہیں فرماتے بلکہ علمی رعب وجلال کے ساتھ درس جاری رکھتے اختتام درس کے بعد توجہ کرتے اور گفتگو فرماتے۔

آپ کے اکثر اوقات دراستہ ومطالعہ، تصنیف وتالیف، قرآن وحدیث میں تفکر وتدبر، علوم ومعارف اور نکات وحکم کے استخراج واستنباط، حل مشکلات اور ذکر الٰہی میں صرف ہوتے بلکہ جب آپ مطالعہ وغیرہ مشاغل سے خالی ہوتے تو ذکر الٰہی میں رطب اللسان رہتے۔

آپ اعتقادی وفقہی مسلک میں محدثین کی روش پر گامزن رہتے اور تقلید وشخصیت پرستی کے سخت مخالف تھے، اعتقاد کے باب میں سلف صالحین کا جو منہج تھا کہ اللہ تعالیٰ کے تمام اوصاف عالیہ واسماء حسنیٰ پر بغیر تعطیل، تشبیہ، تکییف، تفسیر اور تاویل کے ایمان لایا جائے، اس پر مضبوطی کے ساتھ قائم تھے اور فقہی مسائل میں قرآن مجید، احادیث رسول اور آثار صحابہ وتابعین پر اعتماد کرتے تھے، مولانا کا مسلکی مزاج ان کی تصنیفات میں خوب اچھی طرح دیکھا جاسکتا ہے۔

مولانا مرحوم کو تجدد، فیشن اور یورپین تہذیب وثقافت سے بڑی نفرت تھی، چنانچہ طلبہ کو اکثر مغربی لباس اور یورپین طور وطریق اپنانے سے روکتے تھے۔

الغرض مولانا مبارکپوریؒ حدیث وفقہ، صلاح وتقویٰ، زہد وورع، عفت وقناعت، صبر وتحمل، حلم وتواضع، متانت وسنجیدگی، صدق وامانت، اخلاص وانابت الی اللہ، خوف الٰہی اور دوسرے اوصاف وخصوصیات کے سنگم تھے اور قول وفعل، اعتقاد وعمل اور ظاہر وباطن سے شاہراہ کتاب وسنت پر گامزن تھے۔ **ولیس علی اللہ بمستنکر۔ ان یجمع العالم فی واحد۔**

وفات حسرت آیات:

اخیر عمر میں مولانا مبارکپوریؒ کی بینائی جاتی رہی، اسی حالت میں آپ نے مولانا عبیداللہ رحمانی اور مولانا عبدالصمد مبارکپوری رحمہما اللہ کی مدد وتعاون سے تحفۃ الاحوذی کی آخری دونوں جلدوں کی تکمیل کی، مولانا مرحوم کے گھر والوں نے بہت اصرار وتقاضا کیا کہ وہ دہلی، لکھنؤ یا کسی اور شہر میں چلیں جہاں آنکھوں کا آپریشن کرایا جاسکے لیکن مولانا اس حالت پر صابر وشاکر رہے اور حدیث رسول میں اس

پر جو اجر و ثواب بتایا گیا ہے اس کے امیدوار رہے، حالانکہ مولانا کو تصنیف و تالیف کے سلسلہ میں بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔

اسے حسن اتفاق کہئے کہ اسی دوران مولانا مرحوم کو تحفۃ الاحوذی کی آخری جلد چھپوانے کے سلسلہ میں دہلی جانا پڑا، پھر آپ کے گھر والوں نے اصرار کیا کہ آنکھ کا آپریشن ضرور کرالیں، اور دوسرے اصحاب و رفقاء نے بھی یہی مشورہ دیا آخرکار ۱۳۵۳ھ میں مولانا دہلی تشریف لے گئے اور وہاں ایک آنکھ کا آپریشن کرایا، آپریشن کامیاب رہا اور بصارت لوٹ آئی جس سے اہل و عیال اور دینی و علمی حلقوں میں مسرت و شادمانی کی لہر دوڑ گئی۔

لیکن افسوس جب مولانا دہلی سے واپس ہوئے تو اختلاج قلب کی زبردست شکایت ہوگئی، یہ بیماری بڑھتی رہی یہاں تک کہ نصف شعبان و رمضان میں اس مرض نے بہت شدت اختیار کرلی، آخرکار ماہ شوال میں پیغام اجل آپہنچا اور سرزمین مبارکپور میں علم و تحقیق کا یہ خورشید تاباں بتاریخ ۱۶ شوال ۱۳۵۳ھ مطابق ۲۰ جنوری ۱۹۳۵ء ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کی نماز جنازہ حضرت العلام مولانا محمد احمد مئویؒ نے پڑھائی جس میں بلا تفریق مسلک و مشرب تمام فرق اسلامیہ کی ایک بہت بڑی جماعت نے شرکت کی پھر بادیدۂ نم آپ کو سپرد خاک کیا گیا۔

افسوس مولانا مبارکپوریؒ کی کوئی صلبی اولاد نہیں ہے، صرف بھتیجے ہیں جو مرحوم کی تصنیفات و تالیفات کی اشاعت کا اہتمام کررہے ہیں، لہٰذا مرحوم کی علمی و تحقیقی کتابیں ہی زندۂ جاوید یادگار کے طور پر قیامت تک باقی رہیں گی۔ انشاء اللہ العزیز۔

(یادگار مجلہ جامعہ سراج العلوم بونڈیہار ۳۱/ اکتوبر و یکم نومبر ۱۹۸۶ء)



جنوبی ہند کی ایک مثالی شخصیت

شیر خان احمد حسین رحمہ اللہ۔ ادھونی، آندھرا پردیش

۱۸۸۰ء۔۔۔۱۹۸۱ء

شیر خان جمیل احمد عمری ابن شیر خان محمد اسحاق

ممدوح صاحب تذکرہ جماعت اہل حدیث ہند اور برطانیہ کے معروف داعی وعالم دین شیخ شیر خان جمیل احمد عمری کے دادا ہیں۔ جنوبی ہندوستان کی تاریخ میں مرحوم شیر خان احمد حسین کا منہج اہل حدیث کے فروغ واستحکام میں ایک بنیادی کردار ہے۔ ادھونی شہر اوراس کا پورا علاقہ آج بھی ہندوستان میں اس بے باک خاندان کی وجہ سے شہرت یافتہ ہے۔ دادا سے لے کر بیٹوں اور پھر پوتوں تک یہ شہر اور خاندان اپنی اہل حدیثیت کے لئے مشہور ہے۔ اور اب جوان کی مسلکی غیرت اور منہجی عمل وسرگرمیوں کے حسین لمحات کو دیار یوروپ میں شیر خان جمیل احمد عمری اور ان کے رفقاء کار کی شکل میں دے رہے ہیں۔ یہ خاندان کے انہیں بزرگوں کی قربانیوں اور اخلاص کا ثمرہ ہے۔ رب العالمین خانوادہ شیر خان کو ہمیشہ شیروں کی طرح مسلک کی تبلیغ وترویج کی توفیق عطا فرمائے اور ان کی بے مثال قربانیوں کو شرف قبول عطا فرمائے۔ (مولانا عبدالحکیم مدنی)

نام:

شیر خان احمد حسین بن شیر خان عبدالرحمن بن شیر خان سرمد۔

خاندانی لقب:

''شیر خان'' خاندانی لقب ہے۔ یہ لقب اجداد میں سے کسی کو اس علاقے کے کسی حکمران کی جانب سے عطا کیا گیا تھا۔ آگے چل کر یہی پورے خاندان کا لقب بن گیا۔ اب ہر نام کے سابقے کے طور پر یہ نام لکھا جانے لگا ہے۔

ولادت:

محترم شیر خاں احمد حسینؒ کی تاریخ ولادت نہیں مل سکی۔ اُن کی وفات ۱۹۸۱ء میں ہوئی۔ اس وقت اُن کی عمر تقریباً سو برس تھی۔ اس حساب سے اُن کی ولادت ۱۸۸۰ء کی دہائی کے ابتدا میں قیاس کی جاسکتی ہے۔

حلیہ:

جناب شیر خاں احمد حسین بہت ہی وجیہ شخصیت تھے۔ سرخی مائل گورا رنگ، کھڑی ناک، چوڑی پیشانی، بڑی بڑی نیلی آنکھیں،

گھنی پلکیں، گھنی ڈاڑھی، اونچا قد، کسرتی بدن، آنکھوں میں سرمہ، سر پر عمامہ اور کبھی ترکی ٹوپی پہنتے، ہاتھ میں عصا ہوتا تھا۔ شیروانی پہنتے تھے۔ دھیمے انداز میں ٹھہر ٹھہر کر گفتگو فرماتے تھے، جس مجلس میں بھی ہوتے تھے نمایاں نظر آتے تھے۔ جوانی میں ہمیشہ اپنے پالتو اعلیٰ نسل کے گھوڑوں پر سواری کی۔ الغرض وہ ایک نہایت پروقار جاذبِ نظر اور بارعب شخصیت کے مالک تھے۔

پیشہ:

وہ زمیندار (Land Lord) تھے۔

اُن کا خاندان نہ صرف شہر بلکہ پورے علاقے میں زمین، زراعت اور جائداد واملک کی ملکیت کے لئے معروف ومشہور تھا۔ اس خاندان کی یہ نمایاں حیثیت الحمدللہ اب بھی ہے۔ پورے دیار میں اسے ایک عظیم اور زمین دار کی حیثیت سے جانا جاتا ہے۔ فللہ الحمد!

وطن:

ادونی (Adoni) ضلع کرنول، آندھرا پردیش جنوبی ہند کا ایک مشہور شہر ہے۔ اِسے ادھونی بھی لکھا جاتا ہے۔ رائے چور سے ۴۳ گنتکل سے ۳۸ بلہاری سے ۴۴ اور کرنول سے ۶۰ میل کیفاصلے پر مدراس ممبئی براڈ گیج ریلوے لائن پر سطح مرتفع دکن میں ایک ڈھلوان اور ناہموار سلسلہ کوہسار کے دامن میں یہ قدیم ترین اور تاریخی شہر واقع ہے۔

بعض روایات کے مطابق شیر خان احمد حسین مرحوم کے اجداد دو تین صدی قبل ایران سے آکر ادونی میں بسے تھے لیکن اس کا کوئی تاریخی ثبوت نہیں ملتا۔

مسلک اہل حدیث:

جناب شیر خان احمد حسین پہلے کٹر قسم کے بریلوی تھے۔ اس سلسلے میں وہ کسی سمجھوتے پر راضی نہیں ہوتے تھے۔ گھر سے متصل انہوں نے اپنے پیروں اور مرشدوں کو بسا یا رکھا تھا۔ وہ انہی سے اپنے مختلف دینی وملی مسائل میں براہ راست رہنمائی لیتے تھے۔ ان کے بزرگوں کا عرس مناتے تھے۔ گھر کی دہلیز سے صندل نکلتا تھا، بینڈ باجوں اور ڈھول تاشوں کی دھوم رہتی تھی۔ چونکہ وہ شہر کے متمول اور صف اول کی معروف شخصیت تھے اس لئے ہر قسم کی بدعات وخرافات اور رسم ورواج میں بھی شہر اور علاقے میں اُن کا قائدانہ رول رہتا تھا۔ اُن کے سارے کام لاثانی ہوتے تھے۔ شہر میں محرم کا سب سے بڑا جلوس اُن کے گھر سے ہی نکلتا تھا۔ عین جوانی میں اُن کے کسی عزیز کی شادی میں اُن کا کڑپہ شہر جانا ہوا۔ وہاں کسی سلفی عالم دین سے سامنا ہوا۔ مختلف مسئلوں میں شدید قسم کا اختلاف ہوگیا۔ چنانچہ گھر لوٹ کر اپنے خاندان کے پیر جناب محبوب پیر صاحب (سسر جناب مرشد پیر صاحب) سے ''درمختار'' اور ''فتاوی عالمگیر'' وغیرہ حاصل کیں۔ یہ وہ کتابیں تھیں جن کا حوالہ کڑپہ کے سلفی عالم دین نے دیا تھا۔ ان کتابوں کو پڑھنے سے انہیں اندازہ ہوا کہ وہابیوں (اہلِ حدیثوں) کے مسئلوں کا بھی اس میں ذکر ہے۔ پھر اُنہوں نے اس مسلک کی کھوج کیلئے اپنے مطالعے کو وسعت دی

۔مختلف کتابیں منگوا کر پڑھیں اور اپنے علاقے کے مشہور سلفی بزرگ جناب حکیم محمد اکبر صاحب رحمہ اللہ کو بلوا کر مسائل اور مسالک کو توجہ سے سمجھتے رہے۔اللہ تعالیٰ نے اُن کے مقدر میں ہدایت لکھی تھی۔الحمدللہ ارحم الراحمین نے اُن کو سیدھا راستا دکھا دیا اور انہوں نے خالص کتاب وسنت پر مبنی مسلک اہل حدیث کو قبول کر کے ڈنکے کی چوٹ پر اس کا اعلان کر دیا۔کٹر قسم کے بریلویوں کے شہر ادونی میں اہل حدیث بن کر اس کا برملا اعلان اس وقت کوئی آسان کام نہیں تھا۔لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرح اُن کو سیدھا راستا دکھا کر شہر اور اطراف واکناف میں مسلک اہل حدیث کو تقویت بخشی۔عام آدمی کا اہل حدیث بن جانا شاید کوئی بڑا واقعہ نہ بنتا، لیکن شیر خان احمد حسین ساہوکار کا اہل حدیث بن جانا شہر کے لئے بہت بڑی خبر بن گیا۔اُن کے اہل حدیث بن جانے کی خبر نے شہر میں سب پر سکتہ طاری کر دیا۔ہر طرف چبوتروں اور سڑکوں پر یہی موضوع سخن تھا کہ شیر خان احمد حسین ساہوکار ''وہابی'' (اہلِ حدیث) ہوگئے۔وہ گھڑسواری کرتے ہوئے ادھر ادھر آتے جاتے لیکن اُن کا رعب ودبدبہ اس قدر تھا کہ کسی کو یہ ہمت نہ ہوتی تھی کہ وہ ان سے پوچھے کہ آپ نے کس لئے وہابی ہونے کا فیصلہ کیا؟

توحید خالص، اتباع سنت اور توکل علی اللہ:

چونکہ جناب احمد حسین نے تحقیق وجستجو کے بعد بریلویت سے توبہ کی اور صحیح مسلک اختیار کیا اور مسلک اہل حدیث سے اپنا رشتہ استوار کیا تھا۔اس لئے اِن کی توحید اس قدر خالص ہوگئی تھی کہ ہر قسم کے چھوٹے بڑے شرک سے اپنے دامن کو پاک رکھنے کی کوشش کرتے تھے اور دوسروں کو بھی اسی رستے پر لانے کی پوری جدوجہد کرتے تھے۔ہر چھوٹی بڑی سنت پر پابندی کے ساتھ عمل کرتے تھے اور ہر قسم کی بدعت سے محفوظ رہتے تھے۔

محترم مرحوم کا اللہ پر توکل قابل رشک تھا۔ہر گھڑی اور ہر وقت توکل علی اللہ کی باتیں کرتے تھے۔اس طرح وہ پورے دیار میں توحید خالص اتباع سنت اور توکل علی اللہ کی پہچان تصور کیے جاتے تھے۔شرک وبدعات کے خلاف وہ آہنی دیوار تھے۔

علماء اور دینی کتب سے محبت:

شیر خان احمد حسین مرحوم بڑے ذہین وفطین شخص تھے۔وہ کئی زبانوں کو لکھنا، پڑھنا اور بولنا جانتے تھے۔تلگو، کنڑ اور اردو کے علاوہ فارسی زبان پر اُن کو عبور حاصل تھا۔فارسی کے ہزاروں اشعار ازبر تھے۔اکثر اپنی گفتگو کو فارسی اشعار سے مزین کر کے مدلل بناتے تھے۔تحقیق اور مطالعے سے اہل حدیث مسلک اختیار کیا تھا۔کسی دینی مدرسے میں داخل ہو کر باضابطہ دین کی تعلیم حاصل نہیں کی تھی۔لیکن کثرت مطالعہ اور لگاتار علماء کی علمی صحبت نے اُن کو دینی علوم سے آراستہ کر دیا تھا۔ضرورت پڑنے پر اپنی مسجد میں امامت بھی کرتے اور جمعے کا خطبہ بھی دیتے تھے۔ملک کے معروف علماء سے اُن کی نہ صرف مراسلت تھی، بلکہ ان میں بہت سے علماء کو وہ اپنے دولت خانے پر بلا کر انھیں اپنا معزز مہمان بھی بناتے تھے اور ان سے علمی استفادہ کرتے تھے۔دینی مسئلے مسائل کی تحقیق میں کافی دلچسپی لیتے تھے اور لوگوں کی رہنمائی کرتے تھے۔اسی جذبے کے تحت ملک وبیرون ملک سے کتابیں بھی منگواتے تھے۔ملک بھر سے نکلنے والے ماہنامے جرائد مجلّات اور رسائل کو باقاعدگی کے ساتھ گھر پر منگواتے تھے۔دوران مطالعہ جہاں بھی کوئی بات بہت اہم

ہوتی یا کھٹکتی اس پر نشان لگا لیتے تھے بعد میں جب علماء کرام کی آمد ہوتی تھی تو ان سے استفسار کر کے صحیح راہ نمائی حاصل کرتے تھے۔ کتابوں کی غلطیوں کی تصحیح بھی کرواتے رہتے تھے۔ وہ بہت خوشخط تھے۔ ان کی تحریریں دیکھ کر کاتب ہونے کا گمان ہوتا تھا۔ شہر کے رئیس وزمیندار ہونے کے باوجود علماء کی خدمت اوران کی جوتیاں اٹھانے کو باعث عزوشرف گردانتے تھے۔ ادونی شہر چونکہ ممبئی مدراس براڈ گیج ریلوے لائن پر پڑتا ہے، اس لئے ملک کے تمام حصوں سے یہاں آنا جانا آسان ہے۔ اس ظاہری وجہ کے ساتھ شیر خان مرحوم کی پراثر وپرکشش سخاوت پرور شخصیت کا شہرہ بھی ملک بھر کے علماء وخواص کو یہاں کھینچ لاتا تھا۔ سال کے بارہ مہینے علماء کی آمد ورفت رہتی تھی۔ بالخصوص ماہ رمضان میں علماء وسفراء کا جمگھٹہ لگا رہتا تھا۔

شیر خان احمد حسینؒ نے شہر اور اطراف اور اکناف کے کئی افراد کو دینی تعلیم کے حصول کے لئے رغبت دلائی اور انہیں دینی مدارس میں بھیجا۔ ان میں سے بعض معززین کا تذکرہ یہاں نا مناسب نہ ہوگا۔ شہر ادھونی سے میرے تائرے نانا مولانا عبدالرشید عمری صاحب حفظہ اللہ، میرے نانا مولانا عبدالعزیز جامیؔ عمری صاحبؒ، مولانا بانڈے بشیر احمد عمری صاحبؒ، اور مولانا جی عبدالحق عمری مدنی صاحب حفظہ اللہ۔ ان بزرگوں نے جامعہ دارالسلام عمرآباد میں تعلیم حاصل کی اور عمری کہلائے۔

لائبریری:

دادا مرحوم کے محققانہ مزاج اور کتاب وسنت سے بے پناہ محبت نے اُن کو جہاں علماء کا قدردان بنایا تھا، وہیں اُنہیں دینی کتب کا اسیر بھی بنا دیا تھا۔ اسی شوق مطالعہ نے اُن کی ذاتی لائبریری میں بہت ہی اہم کتب کو جمع کر دیا تھا۔ مراجع سے زیادہ مسلک حقہ، کتاب وسنت کے احقاق کے موضوع پر اس وقت شائع ہونے والی تقریباً ہر کتاب اُن کی لائبریری کی زینت بنتی تھی۔ اُن کے کتب خانے میں اردو کتب کے ساتھ فارسی کی کتب کا بھی کافی ذخیرہ موجود تھا۔ اور جماعتی مجلّات، جرائد، ماہنامے اور رسائل کی مکمل فائلیں اُن کے پاس موجود ہوتی تھیں۔ علمائے کرام اُن کے معزز مہمان بن کر بسا اوقات ہفتہ عشرہ رہ کر اُن کے کتب خانے سے بھرپور فائدہ اٹھاتے تھے۔

دادا شیر خان مرحوم دل کے بڑے غنی تھے مال ومنال کے ساتھ اپنی قیمتی تاریخی کتب بھی علماء کو مطالعے اور استفادے کے لئے دیتے تھے۔ بقول میرے محترم نانا پروفیسر مولانا عبدالعزیز جامی عمری مرحوم ملک بھر کے علماء بالخصوص شمالی ہند کے علمائے کرام اُن کے مکتبہ سے بہت سی قیمتی کتابیں، جرائد، مجلّات، ماہنامے وغیرہ عاریتاً لے جاتے تھے اور مستفید ہوتے تھے۔ جنھیں موقع ملا انہوں نے لوٹا دیا اور جو نہ لوٹا سکے ان کے طفیل اُن کا قیمتی تاریخی کتب خانہ ملک بھر میں پھیل گیا۔ شیر خان صاحب مرحوم کے خلوص کا نتیجہ دیکھئے اب ان کا کتب خانہ برطانیہ تک پہنچ کر میرے دوست محسن جماعت وملت ڈاکٹر بہاء الدین (محمد سلیمان اظہر) صاحب حفظہ اللہ کی مقبول عام تالیفات ''تاریخ اہل حدیث' اور ''تاریخ تحریک ختم نبوت'' کا حصہ بن کر ان کے حق میں صدقہ جاریہ بن گیا ہے۔ محترم ڈاکٹر بہاء الدین صاحب نے اپنی تالیف تاریخ اہل حدیث کی پہلی جلد کے مقدمے میں صفحہ ۲۸ پر لکھا ہے کہ ''برطانیہ میں جناب شیر خان جمیل احمد عمری نے اپنے اور اپنے دادا مرحوم جناب ساہوکار شیر خان احمد حسین کے کتب خانہ ادونی سے کم یاب قسم کا لٹریچر اس فقیر کے کشکول میں ڈالا ہے۔ اللہ تعالیٰ مذکورِ بالا احباب کو جزائے خیر عطا فرمائے آمین''۔

بعض اُن مشہور علمائے کرام کے اسمائے گرامی جو دادا مرحوم کے مہمان رہے ہیں:

مولانا عبدالجبار صاحب محدث کھنڈیلا، مولانا ابراہیم میر سیالکوٹی، مولانا عبدالغنی پنجابی، مولانا محمد جوناگڑھی، مولانا عبداللہ عقیل مئوی، مولانا عبداللہ روپڑی، مولانا فقیر اللہ مدراسی، مولانا عبداللہ روپڑی، مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی، مولانا عبدالسلام بستوی، مولانا داؤد راز، مولانا ابوالقاسم خالدالعربی، مولانا عبدالعزیز رحمانی کرنولی، مولانا سید اسماعیل رائیدرگی، مولانا عبدالرؤف جھنڈانگری، مولانا شمس الحق سلفی، مولانا عبدالجبار شکراوی، مولانا عبدالمعبود کانپوری، مولانا دیندار خان مولانا ابوجمیل محمد یاسین نصرت آبادی، مولانا عبدالرحمن میسوری، مولانا عبدالعلیم ماہر، مولانا عبدالعزیز جامی عمری، مولانا ظہیرالدین اثری رحمانی رحمہم اللہ اجمعین۔ اِن کے علاوہ یوپی کے گونڈا بستی اور اعظم گڑھ اور بہار و بنگال اور پنجاب و ہریانہ وغیرہ کے بے شمار علمائے کرام آپ کے مہمان بن چکے ہیں۔ بہت سارے معزز علماء جن کی دادا سے ملاقات رہی اور وہ ان کے مہمان رہے ہیں الحمدللہ ابھی بقیدِ حیات ہیں۔ جن میں سرِ فہرست مولانا رؤف احمد عمری صاحب باؤٹا بیڑی مدراس حفظہ اللہ کا نام آتا ہے۔

جامعہ محمدیہ عربیہ رائیدرگ کے چھٹے سالانہ اجلاس ۱۹۴۰ء میں شرکت:

اخبار اہل حدیث امرتسر، یکم رمضان ۱۳۵۹ھ میں مکمل ایک صفحہ کی شائع شدہ رپورٹ کے مطابق جامعہ محمدیہ عربیہ کے چھٹے سالانہ اجلاس منعقدہ ۲۶۔۲۷ اپریل ۱۹۴۰ء میں زیر صدارت جناب الحاج سید جلال الدین مرحوم مالک جلال اینڈ سنز مدراس منعقد ہوا تھا اسمیں شرکت کرنے والی چودہ اہم شخصیات (شیر خان احمد حسین آدھونی، مولانا محمد نعمان اعظمی، مولانا عبدالسبحان اعظمی، مولانا ابوالقاسم خالد بن محمد صدیق رحمانی، جناب سید جلال الدین مالک جلال اینڈ سنز مدراس مولانا محمد صدیق بہاری، مولانا محمد یحییٰ حسین اڑیسہ، جناب حبیب اللہ خان مجسٹریٹ چتلدرگ یس جے سید عیسیٰ انسپکٹر اردو مدارس چتلدرگ، جناب یس محمد صالح کنٹریکٹر ماستی جناب عبدالخالق کنٹریکٹر مدراس جناب سید عبدالحکیم وٹیرنری انسپکٹر میسور، جناب عبدالرؤف واعظ سرکاری حیدرآباد، جناب محمد نثار صدر مدرس مدرسہ وسطانیہ سنوہشور) نے بعنوان اسلامی خدمات اہل جلسہ کا اجتماعی فیصلہ شائع کروایا ہے جس میں لکھا ہے کہ جامعہ میں صحیح کام ہو رہا ہے اور یہ ادارہ آپ کے بھرپور تعاون کا مستحق ہے۔ صدر جلسہ سمیت ان اپیل کنندگان کی شائع شدہ فہرست میں دادا مرحوم ساہوکار شیر خان احمد حسین کا نام سب سے پہلے نمبر پر درج ہے۔ اس سے اس وقت اُن کی شخصیت کی قدر و منزلت اور اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

غربا پروری، مہمان نوازی اور صلہ رحمی:

اللہ تعالیٰ نے شیر خاں احمد حسین مرحوم کی دولت وثروت کے ساتھ ساتھ سخی دل اور کھلا ہاتھ عطا کیا تھا۔ وہ غریبوں، ناداروں، پریشان حال لوگوں کی مسلسل مدد میں لگے رہتے تھے۔ کسی مانگنے والے کو خالی ہاتھ جانے نہیں دیتے تھے۔ ساتھ ہی محلے گاؤں میں عزت دار سفید پوشوں کی بھی خفیہ انداز میں منظم طریقے سے تعاون فرماتے رہتے تھے۔ غریب گھرانوں کی بچیوں کی شادیاں کراتے تھے۔ کتنے غریب غربا ایسے تھے جن کو سر چھپانے کے لئے چھت نہیں ہوتی تھی، وہ انھیں اپنی زمینوں پر معمولی کرایے پر جھونپڑیاں

بنا کر رہنے کے لئے دیتے۔اُن میں کتنے ہی آ کر کرائے بھی معاف کروا لیتے تھے،ان کی کئی ایکٹر زمینوں پر آج بھی مسلموں اور غیر مسلموں سمیت کئی سو گھرانے مفت یا معمولی قسم کے کرایے پر رہتے ہیں۔

دادا مرحوم کے دسترخوان پر جمعہ وعیدین یا کسی بھی مناسبت پر علما،عزیز واقارب،معززین کے ساتھ ساتھ محلے اور گاؤں کے غرباء کی ایک معتدبہ تعداد بھی ضرور ہوا کرتی۔اپنی مسجد میں کوئی بھی کسی بھی وقت آئے ان کی شایان شان مہمان نوازی میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے تھے۔گھر پر عمدہ سے عمدہ کھانا پکتا تھا اور اعلی کوالٹی کی اشیاء دسترخوان کی زینت بنتی تھیں۔خطیب الاسلام مولانا عبدالرؤف جھنڈانگری رحمہ اللہ اُن کے پاس آتے جاتے رہتے تھے۔انہوں نے اپنے ایک سفرنامے میں (جو غالباً ماہنامہ التوعیہ دہلی میں شائع ہوا تھا) لکھا ہے کہ ساہوکار شیر خان صاحب کے گھر پر میں نے جو گھی کھایا ہے،وہ اس قدر خالص تھا کہ اپنی زندگی میں ایسا خالص گھی کبھی نہیں کھایا۔

خطیب الاسلام مرحوم نے اس سفرنامے میں غالباً دادا شیر خان مرحوم کے شاہی تانگے (بگھی) کا بھی ذکر کیا ہے۔ان کی صلہ رحمی بھی بہت مشہور تھی۔قریب ودور کے ایک ایک رشتے کو بڑی خوبی سے نبھاتے اور ان کی خبر گیری کرتے تھے۔سال بھر باری باری سب کے ہاں کھانا پکوا کر توشہ بھیجتے تھے۔ان کا یہ عمل بھی رشتہ داروں میں کافی مشہور تھا۔

ٹرینوں پر علماء اور شناساؤں کو گھر کا کھانا بھیج کر تکریم کرنا:

دادا شیر خان مرحوم کی مہمان نوازی کا اتنا شہرہ تھا کہ عزیز واقارب،جان پہچان والے،بالخصوص علمائے کرام جب ادونی ریلوے اسٹیشن سے گزرنے والے ہوتے تو ٹیلیگرام یا کسی اور ذریعے سے مرحوم کو اطلاع دیتے کہ فلاں دن فلاں وقت فلاں ٹرین سے ہم ادونی سے گذر رہے ہیں۔مرحوم تاریخ ووقتِ مقررہ پر توشہ لئے کھڑے رہتے تھے۔یہ کام وہ اکثر خود کرتے تھے بسا اوقات اپنے ملازم کے ذریعے پہنچاتے تھے۔مرحوم کی اس روایت کو ان کے صاحب زادے میرے والدِ بزرگوار جناب شیر خان محمد اسحاق صاحب حفظہ اللہ نے بھی اُسی آن بان اور مستعدی کے ساتھ باقی رکھا ہے۔

اصلاح امت کی تڑپ اور فکرمندی:

شیر خاں مرحوم کو اپنے اہل خانہ عزیز واقارب،دوست احباب،محلے اور گاؤں والوں کی ہر وقت فکر رہتی تھی۔پہلے خود اپنی پوری زندگی کو ایک سچے داعی کی طرح گذارتے،اپنی عملی زندگی سے اسوہ پیش کرتے تو لوگ اُن کو دیکھ کر ہی اپنی اصلاح کرنے کی کوشش کرتے تھے۔جہاں کہیں بھی کوئی برائی دیکھتے تھے بلا کسی خوف وخطر کے جرأت سے اس کی اصلاح کے لئے آگے بڑھتے تھے۔مختلف علماء کو بلا کر ان کے خاص وعام خطابات رکھتے۔شہر میں اپنے بریلوی رشتہ دار ہوں یا عام احباب اپنی تقریبات میں ان کو شرکت کے لئے جب بلاتے تو وہ ان سے پہلے یہ عہد لیتے کہ اس تقریب میں کسی بھی قسم کا کوئی شرک،خرافات وبدعات،فاتحہ خوانی یا کوئی اور خلاف شرع کام نہیں ہوگا۔اگر وہ لوگ مان کر عہد کرتے اور اس کی پابندی کرنے کی یقین دہانی کراتے تو انکے پاس پوری شان وشوکت کے ساتھ جاتے تھے اور اگر کوئی معاہدہ توڑ دیتا تو وہ اس تقریب میں ایک سیکنڈ کے لئے بھی نہیں رکتے تھے۔احتجاجاً مجلس

سے اٹھ کر چلے جاتے تھے۔جس کی وجہ سے میزبان کی سبکی ہوتی تھی۔ پھر شہر بھر میں یہ بات پھیل جاتی کہ فلاں کی تقریب نکاح سے شیر خان ساہو کار فاتحہ خوانی کی وجہ سے غصہ ہو کر چلے گئے۔شہر بھر میں اُن کے اس طرح کے کئی واقعات مشہور تھے۔اُن کی اسی جرأت، دین پسندی اور شرک وبدعات وخرافات کے خلاف سخت موقف ہی نے کافی لوگوں کو تبدیل کر کے صحیح راستا دکھایا۔

شاہی جامع مسجد ادونی،اس کے حنفی بریلوی ٹرسٹیوں کا اہلِ حدیث شیر خان احمد حسین اور ان کے تین رفقاء پر ادونی اور بلہاری کی عدالتوں میں ایک تاریخی مقدمہ:

شاہی جامع مسجد ادونی:

۱۶۶۲ء میں بیجاپور کے سلطان کی سرپرستی میں ادونی کے گورنر سدی مسعود خان نے دس ایکڑ زمین کے رقبے پر بیس لاکھ دینار کی لاگت سے شاندار شاہی جامع مسجد کی تعمیر کروائی۔ یہ مسجد اسلامی تعمیرات کا بہترین شاہکار ہے اسے دیکھنے کے لئے بلاتفریق مذہب وملت آج بھی دور دراز کے مقامات سے لوگ آتے ہیں اور اسے دیکھ کر انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں کہ آج سے ۳۵۵ سال قبل مسلم حکمرانوں اور کاریگروں نے کس طرح سے یہ شاہی جامع مسجد بنائی ہوگی۔

تاریخی مقدمہ اور دادا مرحوم کی کامیابی:

شیر خان احمد حسین مرحوم نے جب اہل حدیث مسلک اختیار کیا، وہ انیسویں صدی کا بالکل ابتدائی زمانہ تھا۔اس وقت شہر کی تیرہ ہزار مسلم آبادی میں صرف گنتی کے چند اہل حدیث تھے۔دادا مرحوم کی دعوت پر اور بھی رشتہ دار اور دوست واحباب اہل حدیث ہوگئے۔اُن کے اہل حدیث بن جانے کے بعد شہر کے چند گنے چنے اہل حدیثوں کو حوصلہ مل گیا۔اب شیر خان مرحوم اور ان کے ساتھی شاہی جامع مسجد ادونی میں جا کر سنت کے مطابق نماز ادا کرتے اور نماز میں بآواز بلند ''آمین'' اور ''ربنا ولک الحمد حمدا کثیرا طیبا مبارکا فیہ'' کہتے تھے، پیر سے پیر ملاتے، رفع الیدین کرتے اور لوگوں کو بھی اس کی دعوت دیتے تھے۔قبر پرستی، شرک وبدعات کیخلاف دلائل پیش کر کے بحث ومباحثہ کے ذریعے سے لوگوں کی اصلاح کی کوشش کرتے تھے۔اُن کے ساتھ ہمیشہ اُن کے دوست اور ساتھی بھی ہوتے تھے۔ادونی کا دوسرا متمول گھرانا روشن خاندان تھا۔اگرچہ وہ حنفی گھرانا تھا لیکن شیر خان احمد حسین مرحوم کی پشت پناہی پر مجبور تھا کیونکہ اُن کی دو بہنیں روشن خاندان میں چھوٹے من اللہ اور بڑے من اللہ سے بیاہی گئی تھیں۔شاہی جامع مسجد کے متولی حضرات اُنہیں اور اُن کے ساتھیوں کو مسجد سے نکال باہر کرنے سے قاصر تھے چنانچہ ان کے خلاف قانونی چارہ جوئی کے لئے ادونی کے کورٹ میں مقدمہ دائر کر دیا۔اہل حدیثوں اور حنفیوں میں نوک جھونک جاری تھی کہ ۱۹۲۳ء میں کچھ واقعات کے بعد اس مقدمہ میں تیزی آ گئی۔اس مقدمے کو لڑنے کے لئے حنفیوں کی طرف سے پہلے کرنول خواجہ حسین منتظم ٹرسٹی مقرر ہوئے پھر ان کی وفات ہوگئی تو ان کی جگہ کرنول عبدالرحیم منتظم ٹرسٹی منتخب ہو کر مدعی بنے اور اہل حدیثوں میں سے چار افراد پر مقدمہ دائر کیا۔ پہلے نمبر پر شیر خان احمد حسین

مرحوم جو کہ اصل مدعا علیہ تھے۔ بقیہ تین میں روشن عبید اللہ صاحب جو کہ اُن کے بھانجے تھے بعد میں ان کے سدھی بھی بن گئے تھے اور اُن کی وجہ سے اہل حدیث بنے تھے اور آلور عبدالرزاق صاحب اور پنچی خواجہ حسین صاحب اُن کے دوست تھے۔

یہ مقدمہ تین سال سے زائد عرصے تک ادونی کے کورٹ میں چلا۔ طرفین کی طرف سے دلائل جمع کئے گئے اور فیصلہ تقریباً دادا اور اہلِ حدیثوں کے حق میں ہو گیا تھا لیکن تفصیلی فیصلے کے لئے یہ مقدمہ بلہاری ہائی کورٹ منتقل ہو گیا۔ حنفیوں نے تین سال سے زائد عرصہ تک ادونی میں چلنے والے مقدمے پر اٹھنے والے اخراجات اور نقصان کی ادائیگی کا بھی مطالبہ بلہاری کورٹ میں کر دیا۔ یہ مقدمہ بلہاری کورٹ میں چند ماہ چلا اور ۱۵/ اگست ۱۹۲۵ء کو عدالت نے اہل حدیثوں کے حق میں فیصلہ سنا کر ایک تاریخ رقم کر دی۔ غیر مسلم فاضل جج نے ادونی میں تین سال سے زائد عرصے تک پھر چند ماہ بلہاری میں لڑے جانے والے مقدمہ پر ہونے والے اخراجات اور نقصانات کی بھرپائی کے لئے احناف کے مطالبے کو پورا کرنے کی بجائے مدعی (احناف) کو یہ کہا کہ:

"As for the court of suit, the palintiff has more or less failed. So, he will bear the cost and pay two-third cost of the defendants."

(جہاں تک مقدمے کے اخراجات کا تعلق ہے تو مدعی تقریباً ناکام ہو چکا ہے اس لئے وہ خود اپنے اخراجات برداشت کر لے اور مدعا علیہم (شیر خان احمد حسین اور ان کے تین ساتھیوں) کے اخراجات کا دوتہائی حصہ بھی ادا کرے)۔ چوں کہ ساہوکار شیر خان احمد حسین مرحوم جنہوں نے (بقول میری دادی مرحومہ اور والدِ محترم) اپنا ذاتی دوٹوکری سونا خرچ کر کے تین سال سے زائد عرصے تک ادونی پھر بلہاری میں یہ مقدمہ لڑا تھا۔ احناف سے بطور حرجانہ پانچ سو روپے لینا ان کی شان اور مرتبے کے منافی تھا چنانچہ انہوں نے حرجانے کی رقم لینے سے انکار کر دیا۔ واضح رہے کہ علاقے کے اس رئیس اور زمیندار کو اللہ مالک الملک نے چھپر پھاڑ کر دولت عطا کی تھی۔ اس کا اثر الحمدللہ تقریباً ایک صدی گزر جانے کے بعد آج بھی ان کے خانوادے پر پوری طرح نظر آتا ہے۔ شیر خان مرحوم جنہوں نے ادونی کے اوّلین کالج ''آرٹس اینڈ سائنس کالج'' کو کروڑوں روپے کی زمین عطیہ کی ہو اسی طرح ادونی کے قبرستان کو بھی اپنی جگہ دی ہو اور سیکڑوں رفاہی اور فلاحی کام کئے ہوں ان کے لئے پانچ سو روپے کی رقم اگر چہ اس زمانہ میں خطیر تھی، لیکن شیر خاں ساہوکار کے لئے کوئی معنی نہیں رکھتی تھی کیونکہ ان کے لئے پیسوں سے زیادہ اہمیت مسلک اور عزت کی تھی۔

الحمدللہ اس مقدمے کے بعد ادونی کے اہل حدیثوں کو شاہی جامع مسجد میں آمین بالجہر، رفع الیدین اور پیر سے پیر ملا کر نماز پڑھنے کی پوری اجازت مل گئی اور غیر مسلم عدالت نے بھی دلائل کی بنیاد پر مسلک اہل حدیث کو حق بجانب ٹھہرایا۔

معلوم رہے تین سال سے زائد عرصے تک ادونی میں مقدمہ لڑنے کے بعد جو چند ماہ بلہاری میں مقدمہ چلا اس کی پیروی میں مدعا علیہ شیر خان احمد حسین مرحوم کے دوست جناب الحاج سید عبدالسلام صاحب مرحوم بون مرچنٹ بلہاری جماعتی و مسلکی غیرت کا ثبوت دیتے ہوئے اُن کا ساتھ دیا تھا۔

(نوٹ) مؤرخ اہل حدیث ڈاکٹر بہاء الدین صاحب حفظہ اللہ نے بتایا کہ اخبار اہل حدیث امرتسر میں ادونی کے مقدمہ کی بابت ایک

اشتہاران کی نظر سے گذرا ہے۔اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ دادا شیر خان احمد حسین مرحوم برابر حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ اور ملک کے کبار علماء کے رابطہ میں تھے۔

شیر خان احمد حسین مرحوم بحیثیت حکم:

اللہ تعالیٰ نے دادا مرحوم کو ذہانت وفطانت کے ساتھ ساتھ معاملہ فہمی کا بھی کافی ملکہ عطا کیا تھا۔اُن کی قوت فیصلہ بہت مضبوط تھی۔ شہر ومضافات میں اُن کا رعب ودبدبہ تھا۔اُن کا عدل وانصاف اور اُن کے فیصلے معروف تھے۔مسلمان تو مسلمان غیر مسلم بھی اُن کے پاس اپنے فیصلے کروانے آتے تھے۔بسا اوقات گھر کے ورانڈے پر کئی سو افراد جمع ہو کر اُن کے فیصلے سنتے تھے۔کسی کو جرأت نہیں ہوتی کہ وہ اُن کے فیصلوں کے خلاف جائے۔مسلم غیر مسلم بڑے بڑے خاندانوں میں جھگڑے ہوتے تو یہی آواز اُٹھتی کہ چلو ساہوکار کے پاس چلکر فیصلہ کرواتے ہیں۔شہر میں ساہوکار کا مطلب شیر خان احمد حسینؒ ہوتا تھا گویا ساہوکار کا لفظ اُن کے لئے شہر میں علم کی حیثیت اختیار کر گیا تھا۔انہوں نے کبھی ملک کی سیاست میں حصہ نہیں لیا لیکن ہر پارٹی بالخصوص کانگریس پارٹی کے ایم ایل اے کے امیدوار الیکشن سے پہلے سب سے پہلے اُن سے مل کر گویا آشرواد لیتے تھے اور مشہور کرا دیتے تھے کہ شیر خان ساہوکار نے ہمیں آشرواد دیا ہے۔ حلقہ ضلع کرنول کے ایم پی بھی اُن کے دولت خانے پر آ کر ملتے تھے اور اس ملاقات کو اپنے لئے اعزاز گردانتے تھے۔

مرحوم کا ایمان اور صبر:

دادا محترم شیر خاں احمد حسین کی زندگی میں طرح طرح کی آزمائشیں آئیں،لیکن انہوں نے انہیں بڑی خندہ پیشانی اور صبر وتحمل سے سب کو ڈیل کیا۔مار دھاڑ،لڑائی جھگڑے،فتنہ وفساد سے وہ بہت دور رہتے تھے اور اپنی آل واولاد کو بھی ہمیشہ اس کی تاکید کرتے تھے۔وہ صابر تھے اور ہمیشہ صبر کی تلقین کرتے تھے اور نصیحت فرماتے تھے کہ اگر کوئی ایک گال پر چانٹا مارے تو اس کو دوسرا گال پیش کردو۔اس طرح برائی کو نیکی سے بدلنے کی تربیت دیتے تھے۔

جس سال مرحوم حج پر گئے راستے میں ایک بڑے طوفان نے ان کے جہاز کو گھیر لیا تھا،جہاز سمندری طوفان میں پھنسا،اب ڈوبا کہ تب ڈوبا کی حالت میں ہچکولے کھاتے رہا۔مسافر موت وزیست کی کیفیت میں مبتلا رہے،کتنے ہی ساتھی اپنی جان گنوا بیٹھے اور کتنے ہی موت کے تصور سے بے ہوش ہوئے جاتے تھے۔لیکن شیر خان احمد حسین مرحوم صبر وشکر اور ایمان ویقین کی ایک مضبوط چٹان بن کر مطمئن اور پرسکون انداز میں اپنے ساتھیوں کو حوصلہ دیتے اور ان کی خدمت کرتے رہے۔ہم سفروں کو قضا وقدر پر یقین رکھنے کی تلقین کرتے رہے اور صبر اور دعا اور مناجات سے اس مصیبت سے نجات حاصل کرنے کی تبلیغ کرتے رہے۔بالآخر اللہ تعالیٰ نے ان سبھوں کو اس جان لیوا طوفان سے نجات دی۔جہاز کے عملے سمیت مسافر ساتھی اُن کو ان کے صبر وتحمل اور ایمان کی پختگی اور توکل علی اللہ پر داد دیئے بغیر نہ رہ سکے تھے۔

کچھ گھر کے احوال:

ساہوکار شیر خان احمد حسین مرحوم کا گھرانہ اپنے علاقہ کے لئے مثالی تھا۔اُن کی آل واولاد تمام اہل وعیال کے ساتھ ایک گھر میں رہتی

تھی۔ گویا کہ ایک گھر کئی گھروں پر مشتمل تھا۔ ایک طرف سے داخل ہو کر دوسری طرف نکلنے کے لئے دسیوں دروازوں سے گذرنا ہوتا تھا۔ سب کا کھانا ایک جگہ پکتا تھا اور سارے مرد اور ساری خواتین الگ الگ ایک ساتھ کھانا کھاتے تھے۔ گھر کا مکمل نظام بڑے مرتب انداز میں چلتا تھا۔ بے قاعدگیوں اور بے ضابطگیوں کی قطعاً اجازت نہ تھی۔ عشاء کی نماز کے بعد کوئی جاگ نہیں سکتا تھا اور فجر کی نماز کے بعد کوئی سو نہیں سکتا تھا۔ گھر کے مردوں اور بچوں کو نماز باجماعت پڑھنا لازم تھا، بچوں میں اگر کسی کی نماز بلا معقول عذر کے چھوٹ جاتی تو وہ ایک وقت کے کھانے سے محروم کر دیا جاتا تھا اور گھر کی خواتین کو جرأت نہ ہوتی تھی کہ گھر کے سربراہ شیر خان مرحوم کی حکم عدولی کرتے ہوئے ان کو کھانا کھلا دے۔ گھر کے ہر فرد پر چھوٹی بڑی ہر سنت کا خیال ضروری تھا۔ کھانے کے آداب، کپڑے پہننے کے آداب، سونے اور جاگنے کے آداب الغرض ہر کام سنت کے مطابق کرنا لازمی تھا۔ اسی طرح گھر پر مکتب چلتا تھا۔ روزانہ مغرب تا عشاء معلم قرآن آتے تھے۔ ان سے گھر کے بچوں کے ساتھ محلے اور گاؤں کے سو سے زائد بچے ناظرہ قرآن، نماز، دعائیں اور دینیات کا علم حاصل کرتے تھے۔ محلے اور گاؤں کے بچوں کے لئے یہ تعلیم بالکل مفت ہوتی تھی۔ دادا مرحوم عصر کی نماز بعد گھر کے تمام بچوں کو ترتیب کے ساتھ جیب خرچ دیتے تھے۔

جمعہ کے دن عید المؤمنین ہونے کا احساس دلا کر خوب اہتمام کرتے اور کرواتے تھے۔ عمدہ کپڑے پہنتے اور سب کو پہننے کا حکم دیتے تھے۔ خوشبو اور سرمہ لگاتے اور سب کو لگانے کا حکم دیتے تھے۔ اوّل وقت میں مسجد جانے کا حکم دیتے اور خود اس پر عمل کرتے ہوئے سب سے پہلے مسجد میں داخل ہوتے تھے۔ اہتمام سے سورہ کہف پڑھتے اور گھر کے ہر فرد کو اس کے پڑھنے کا حکم دیتے تھے۔ جمعے کے دن کھانے کا خصوصی اہتمام ہوتا تھا اور جمعہ کی نماز کے بعد امام، مؤذن، بچوں کے استاذ پڑوسیوں، دوست واحباب اور خادموں سمیت سب ایک ساتھ طعام تناول فرماتے تھے۔ ہر جمعے کی صبح گھر پر نائی آجاتا تھا۔ جن کو بال بنوانے ہوتے وہ بنوا لیتے تھے۔ یہ سلسلہ عیدین پر بھی جاری رہتا تھا۔ عیدین کے موقع پر سب کو نیا کپڑا پہننا لازم ہوتا تھا۔ گھر پر خود درزی آتے، سب کا ناپ لیتے اور کپڑے اور بعض کی شیروانیاں سلتے۔ عید الاضحیٰ کے لئے عید الفطر کے فوراً بعد قربانی کے جانور خریدے جاتے تھے، انہیں خوب کھلا پلا کر فربہ کیا جاتا تھا۔ دو ماہ میں ان سے بھرپور انسیت اور محبت ہو جاتی تھی۔ عید کے دن ان جانوروں کا ذبح کرنا سب کے لئے ایک آزمائش ہوتی تھی، کتنوں کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے تھے۔

گھر کے تمام بچوں کو تیراکی سکھانے کے لئے ایک ماہر تیراک مقرر تھا، جو گھر کے تمام بچوں کو ادونی کے تالاب اور باؤڑیوں میں لے جا کر تیراکی سکھاتا تھا۔ گھر پر روزانہ ایک حاذق حکیم آتے تھے جن کا مشاہرہ بندھا رہتا تھا۔ جو بیماروں کا علاج معالجہ کرتے اور حسب موسم وضرورت دوا، خمیرے اور کشتے بنا کر دیتے تھے۔ دودھ کے لئے گھر کے طبیلوں میں اعلیٰ نسل کی گائیں اور بھینسیں پالی جاتی تھیں۔ کسی بھی جگہ اچھی، صحت مند اور اعلیٰ نسل کی گائے، بھینس یا بکری کی اطلاع ملتی انہیں منہ مانگی قیمت دے کر حاصل کر لیتے تھے۔ صبح سویرے اپنے کھیتوں سے ہمہ اقسام کی سبزیاں گھر آجاتی تھیں۔ چاول، گیہوں، جوار، مونگ پھلیاں اور دیگر اناج اور غلہ بھی اپنے ہی کھیتوں سے پہلے گھر آتا اور حسب ضرورت رکھ کر فروخت کے لئے بازار چلا جاتا۔ کپاس کے ڈھیر اور گٹھے گوداموں میں آتے اور فروخت ہو جاتے تھے۔ موسم گرما میں اپنے ہی باغوں سے قسم قسم کے آم آتے تھے۔ شیر خان مرحوم کے جنگلوں میں بسا اوقات روزانہ پچاسوں افراد کام کرتے اور روزی کماتے۔ نیز دیگر امور کے لئے بھی گھر میں خادم اور خادمائیں متعین رہتے تھے۔

مرحوم کے عادات واطوار:

شیر خان احمد حسین مرحوم وقت کی پابندی میں معروف تھے۔ زبان کی پاسداری ان کی پہچان تھی اور ایفاء عہد میں وہ لاثانی تھے ان کا صبح وشام کا نظام الاوقات فوجیوں کی طرح تھا۔ سنتوں پر عمل کرنے اور اپنے اہل وعیال کو ان پر عمل کروانے کے لئے دور دور تک مشہور تھے۔ خلاف سنت کسی بھی کام کو برداشت نہیں کرتے تھے۔ اُن کا رعب ودبدبہ لوگوں پر اس قدر طاری تھا کہ داڑھی منڈا مسلمان اُن کا سامنا کرنے سے کتراتا تھا۔ حتی کہ غیر مسلم بھی شراب پی کر اُن کے سامنے سے گزرنے سے احتراز کرتے تھے۔ غیر مسلموں کا کوئی بھی مذہبی وتقریبی جلوس بینڈ باجہ اور ڈھول تاشہ بجاتے ہوئے اگر اُن کے گھر کے سامنے سے گذرتا اور وہ لوگ اُن کو دیکھ لیتے تو اُن کے احترام میں اُن کے سامنے سے گذرتے وقت ڈھول تاشہ گانے، بجانے کو تھوڑی دیر کے لئے روک دیتے تھے۔

علمائے کرام دوران خطاب کوئی ضعیف حدیث پیش کرتے یا ان سے کسی اور قسم کا تسامح ہوجاتا وہ ان کو متنبہ کرتے تھے۔ خود ٹخنوں کے اوپر کپڑا پہنتے اور اپنی تمام آل واولاد کو بھی اس پر پابندی کے ساتھ عمل کرواتے تھے۔ گھر پر کسی کا کپڑا ٹخنہ سے نیچے نظر آتا تو فوری اس کو کٹوانے کا حکم دیتے تھے۔ گھر کی خواتین سختی کے ساتھ پردہ کرتیں۔ کبھی شدید ضرورت پر کہیں جانا آنا ہوتا تو بالکل پردے میں ملفوف پردے ڈلے ہوئے جھٹکوں اور گھوڑا گاڑیوں میں جاتیں اور واپس آتیں۔

اہلیہ:

دادا مرحوم احمد حسین کی اہلیہ محترمہ دادی جان کا نام خیر النساء تھا۔ وہ نہایت دیندار، ملنسار، نرم دل، مہمان نواز خاتون تھیں۔ وہ ایک خوشحال گھرانے سے آئی تھیں اور سسرال میں بھی ہن برستا تھا روزانہ نیا کپڑا پہنتیں اور پہنے ہوئے کپڑے کو دوسروں کو خیرات کردیتی تھیں۔ مجھے آج بھی یاد ہے میں دادی جان کی گود میں بیٹھ کر ان کے منہ سے پان نکال کر کھا جاتا تھا۔ اپنے بچوں اور پوتے پوتیوں کی بہترین تربیت کے ساتھ اپنے شوہر کا ہر موڑ پر ساتھ دیتے ہوئے ۱۹۷۳ء میں اس دار فانی سے کوچ کر گئیں۔

اللھم اغفرلھا وارحمھا وادخلھا الجنۃ الفردوس آمین

بہنیں:

مرحوم کی چھ بہنیں تھیں اور وہ چھ بہنوں کے اکلوتے بھائی تھے۔ دو بہنیں روشن خاندان میں ایک بہن سلطان پوری خاندان میں ایک بہن چکولی والا خاندان میں ایک بہن پٹیل خاندان میں اور ایک بہن مکے والا خاندان میں بیاہی گئیں تھیں۔

اولاد:

دادا مرحوم شیر خاں احمد حسین کثیر العیال تھے۔ اللہ نے اُن کو ۹/اولادیں عطا کی تھیں۔ ان میں دو بیٹیاں اور سات بیٹے تھے۔

۱۔ شیر خان محمد اسماعیل ۲۔ شیر خان محمد عبد العظیم ۳۔ شیر خان امت اللہ تحسین ۴۔ شیر خان عبد الرحمن ۵۔ شیر خان رابعہ خاتون ۶۔ شیر خان محمد عبد اللہ ۷۔ شیر خان محمد اسحاق ۸۔ شیر خان محمد اسماعیل ۹۔ شیر خان محمد ابراہیم۔

(نوٹ) مرحوم کی زندگی ہی میں ان کی پانچ اولادیں (۱، ۳، ۴، ۵، ۸) فوت ہوگئی تھیں اور بقیہ چار میں سے تین بھی اب وفات پا چکی ہیں۔ اُن کی اولاد میں اب صرف ایک فرزند میرے والد ماجد جناب شیر خان محمد اسحاق صاحب باحیات ہیں جو اپنے والد کا عکس ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایمان اور صحت وتندرستی کے ساتھ ان کے سایہ عاطفت کو تا دیر قائم ودائم رکھے۔ آمین

بہوئیں:

دادا محترم شیر خان احمد حسینؒ نے اپنے گھر کی بہو بنانے کے لئے بھی دین دار نیک نام سلفی گھرانوں کا انتخاب کیا۔ ۱۔ زیب النساء بنتِ پٹیل عبدالرزاق ادونی زوجہ شیر خان محمد عبدالعظیم ۲۔ حلیمہ خاتون بنتِ حکیم عبداللہ ادونی زوجہ شیر خان عبدالرحمان ۳۔ ذکیہ خانم بنتِ روشن عبیداللہ ادونی زوجہ شیر خان محمد عبداللہ ۴۔ صفورہ خاتون بنتِ مولانا عبدالعزیز جامی عمری مدراس زوجہ شیر خان محمد اسحاق ۵۔ زبیدہ اختر بنتِ پٹوے گھر حاجی عبدالحیٔ سٹی لاج گلبرگہ زوجہ شیر خان محمد ابراہیم۔

اللہ نے شیر خان احمد حسین مرحوم کی آل واولاد میں اس قدر برکت عطا کی ہے کہ اب یہ خاندان بہت پھیل گیا ہے۔ **اللهم سددهم ووفقهم واحفظهم** آمین۔

وفات:

اللہ تعالیٰ نے دادا شیر خان احمد حسین رحمہ اللہ کو دین وایمان اور عمل صالح کے ساتھ طویل عمر عطا فرمائی تھی۔ آخری عمر تک صحت وتندرستی کی نعمت سے مالا مال تھے۔ آخری عمر میں بھی اُن کی نظر تیز تھی۔ دور سے لوگوں کو پہچان لیتے تھے۔ حافظہ بھی درست تھا۔ کسی بڑی بیماری نے اُن پر سایہ نہیں ڈالا۔ لگ بھگ سو سال عمر پا کر ۴؍ربیع الاول ۱۴۰۱ھ مطابق ۹؍جنوری ۱۹۸۱ء کو جمعہ کی صبح کلمہ پڑھتے ہوئے اپنے رفیق اعلیٰ کو لبیک کہا اور اس دار فانی سے رحلت فرما گئے ان کی وفات کا منظر، نورانی مسکراتا چہرہ آج بھی میری آنکھوں میں تازہ ہے۔

اللهم اغفر له وارحمه واسكنه في الفردوس الاعلى۔ آمین

کتبہ: شیر خان جمیل احمد عمری ابن شیر خان محمد اسحاق

(پوتے شیر خان احمد حسین مرحوم)

۱۰؍دسمبر ۲۰۱۷م



مولانا محمد اقبال رحمانی رحمہ اللہ بونڈیہار

۱۹۱۹ء............۱۹۸۲ء

مولانا ابوالعاص وحیدی

یہ ایک مسلمہ تاریخی حقیقت ہے کہ ہر دور میں ایسی بہت سی شخصیتیں گذری ہیں جو گمنام رہیں اور وسیع پیمانہ پر جنہیں شہرت حاصل نہ ہوئی لیکن فرد و سماج، علاقہ و ماحول اور میدان تعلیم و تربیت میں زبردست انداز میں موثر رہیں اور انسانی تاریخ میں جنہوں نے علمی وادبی اور اصلاحی و تنظیمی انقلاب پیدا کئے۔

انہیں اعاظم رجال اور نوابغ روزگار شخصیتوں میں استاذ الاساتذہ مولانا محمد اقبال رحمانی رحمہ اللہ کی بلند و بالا شخصیت بھی ہے جو اگر چہ خاموش و گمنام رہے اور شہرت و ناموری سے دور رہے مگر ان کے تعلیمی و تربیتی، اصلاحی و تنظیمی اور جمعیتی و جماعتی کارنامے و خدمات آفتاب و ماہتاب کی طرح درخشاں و تابندہ ہیں۔

پیدائش و خاندان:

مولانا محمد اقبال رحمانی رحمہ راللہ بیسویں صدی کے ربع اول ۱۹۱۹ء میں بمقام بونڈیہار ضلع گونڈہ، یوپی، عالم وجود میں آئے، آپ کا سن ولادت ''اللہ کی رحمت کا مظہر'' بنتا ہے، سلسلۂ نسب اس طرح ہے محمد اقبال بن عبدالستار بن محمد اشرف خاں بن رجبئی خان بن سلارو خاں۔

جس خاندان و علاقہ میں آپ نے آنکھیں کھولیں وہ ایک طرف جرأت و بیباکی، شجاعت و بہادری اور قابل رشک عزم و ہمت سے معمور تھا اور دوسری طرف عمل بالقرآن والحدیث کے احساسات و جذبات اور اہل حدیثیت و سلفیت کے جوش و خروش میں سرشار تھا، اس لئے کہ کنڈو بونڈیہار کے خاندان و علاقہ کے لئے انیسویں صدی کا اختتام اور بیسویں صدی کا آغاز اہل حدیثیت کے لئے آغاز نو کا زمانہ ہے، جیسا کہ اس علاقہ کی تاریخ سے پتہ چلتا ہے، کہ انیسویں صدی کے ربع ثالث میں یہاں اہل حدیثیت و سلفیت آئی اور بدعت، تعزیہ داری اور دوسری جاہلی رسوم و خرافات کا جنازہ نکلا۔

تحصیل علم اور ممتاز اساتذہ:

مولانا نے گیارہ سال کی عمر تک جامعہ کے پرائمری عربی درجات میں تعلیم حاصل کی یعنی مولانا محمد سلیمان مئویؒ کے زمانہ تعلیم و تربیت میں جامعہ کے چشمۂ علمی سے سیراب ہوئے، ۱۹۳۰ء و ۱۹۳۱ء کے درمیان دارالحدیث رحمانیہ (مرحوم) دہلی میں جماعت ثانیہ میں داخلہ لیا، تقریباً ۱۹۳۷ء یا ۱۹۳۸ء میں مولانا حکیم محمد یٰسین صاحب رحمہ اللہ کے دور میں دوبارہ جامعہ سراج العلوم بونڈیہار

میں تعلیم حاصل کی، پھر دارالحدیث رحمانیہ دہلی واپس گئے اور ۱۹۳۹ء میں سند فضیلت حاصل کی، فارغ ہونے کے بعد ۱۹۴۰ء سے تادم حیات (۱۹۸۲ء) جامعہ سراج العلوم بونڈیہار سے بحیثیت معلم ومربی، منتظم ومنصرم اس طرح وابستہ رہے کہ درمیان میں ایک لمحہ کے لئے اس جامعہ سے اپنا تعلق منقطع نہ کیا۔

آپ کے مشہور وممتاز اساتذہ کرام جنہوں نے جامعہ سراج العلوم بونڈیہار ودارالحدیث رحمانیہ دہلی میں آپ کو تعلیم دی علی الترتیب یہ ہیں حکیم مولانا محمد یٰسین صاحبؒ، مولانا محمد یونس صاحبؒ بونڈیہار، مولانا زین اللہ صاحبؒ کنڈو، فاضل وادیب جناب مولانا عبدالغفور بسکوہریؒ، جناب مولانا محمد سلیمان مئویؒ، جامع معقول ومنقول جناب مولانا نذیر احمد رحمانی رحمہ اللہ، فضیلۃ الشیخ عبیداللہ رحمانی مبارکپوری رحمہ اللہ، مولانا احمد اللہ پرتاپ گڑھیؒ، مولانا اصحاب اللہ صاحب عرف بابا، مولانا عبدالحلیم صاحب سرحدی اور مولانا عبدالحلیم ناظم صاحب وغیرہ۔

مولانا رحمانیؒ اور جامعہ سراج العلوم:

مولانا محمد اقبالؒ کی عمر ابھی بیس ہی سال کی تھی کہ جامعہ میں بحیثیت مدرس ومعلم تشریف لائے اور بعد کے ادوار میں تعلیم وتربیت کے ساتھ ادارت واہتمام، انتظام وانصرام کی پوری ذمہ داری بھی آپ پر ڈال دی گئی نیز ۱۹۷۵ء میں ناظم جامعہ جناب عبدالمعبود خاں عرف للنؒ کے انتقال کے بعد مجلس منتظمہ نے آپ کو باقاعدہ ناظم بنایا اور تاحیات آپ جامعہ کے ناظم بھی رہے اس طرح سے تقریباً بیالیس سال کی طویل مدت تک مولانا اس علمی چمن کو اپنے خونِ جگر سے سیراب کرتے رہے، اور شب وروز جامعہ کی تعمیر وترقی میں لگے رہے، اور یہ واقعہ ہے کہ اس اقبالی دور میں جامعہ برابر آگے بڑھتا رہا، تعلیم وتربیت، اصلاح، تنظیم اور تعمیر غرض ہر لحاظ سے جامعہ کو ترقی حاصل ہوئی حتیٰ کہ اس کی شہرت حدود عجم سے متجاوز ہو کر سرزمین عرب تک جا پہنچی۔

جامعہ کا اقبالی دور چونکہ تعلیمی، تعمیری اور تنظیمی کارناموں سے معمور ہے اس لئے بطور تحلیل وتجزیہ میں اسے چند ادوار ومراحل میں تقسیم کرتا ہوں تاکہ سمجھنے میں آسانی ہو۔

□ ۱۹۴۰ء سے ۱۹۵۲ء تک کے زمانہ کو جامعہ کے اقبالی دور کا پہلا مرحلہ تصور کرنا چاہیے، اس مرحلہ میں پرائمری درجات، شعبہ فارسی اور عربی جماعت خامسہ تک کی تعلیم دی جاتی رہی، اسی مرحلہ میں ــــــہ میں مولانا مرحوم کی مسلسل کوششوں اور دلچسپیوں کے نتیجہ میں ایک عظیم الشان سہ روزہ دعوتی وتبلیغی کانفرنس ہوئی جس میں اس دور کے بہت سے ممتاز ومشہور اکابر جماعت اور مشاہیر ہند شریک ہوئے، جن کی موثر وسحر انگیز تقریروں سے اس علاقہ وخاندان کی اہل حدیثیت میں جلا پیدا ہوئی۔

□ ۱۹۵۳ء سے ۱۹۶۴ء تک کا زمانہ اقبالی دور کا دوسرا مرحلہ ہے، اس مرحلہ میں تعلیمی، تنظیمی اور تعمیری حیثیت سے بہت سے کارہائے نمایاں انجام پائے۔ اس مرحلہ کے اواخر میں شعبہ حفظ وتجوید کا قیام عمل میں آیا جس کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔

نیز اس مرحلہ میں مکتب وپرائمری درجات سے عربی جماعت سادسہ تک تعلیم ہونے لگی اور بعض سالوں میں جماعت ثامنہ (دورۂ حدیث) تک تعلیم ہوئی۔

تنظیمی کام یہ ہوا کہ اس مرحلہ کے شروع میں ۱۹۵۵ء میں شیخ الحدیث حضرت مولانا عبیداللہ رحمانی مبارکپوری رحمہ اللہ کی سرپرستی

میں ایک مجلس عاملہ تشکیل دی گئی، جامعہ کا دستور العمل مرتب ہوا اور ایک مجلس تعلیمی بنائی گئی۔

اور تعمیری کام یہ ہوا کہ اس مرحلہ کے اوائل (۱۹۵۳ء) میں جناب حاجی سعادت خاں رحمہ اللہ کی اہلیہ محترمہ جناب خیر النساء کی فرمائش پر جناب حاجی صاحب اور ان کے صاحبزادے جناب رفیع الدین خاںؒ نے مدرسہ میں ایک مسجد تعمیر کرائی بعد میں جسے مزید وسیع کیا گیا فجزاہم اللہ احسن الجزاء۔

اور اسی مرحلہ کے اواخر میں جامعہ کی مغربی عمارت کی تعمیر ہوئی جو بعد میں دومنزلہ کی گئی، یہ عمارت مکمل طور پر جناب ملک محمد اسماعیلؒ رئیس گڈر ہیا کے نفقہ سے تعمیر ہوئی، جزاہ اللہ۔

اسی مرحلہ میں ۱۹۶۰ء میں ایک عظیم تبلیغی اجلاس منعقد ہوا جس میں ہندوستان کے ممتاز علماء کرام، مشہور خطباء اور شعراء عظام شریک ہوئے۔

□ ۱۹۶۵ء سے ۱۹۷۶ء تک کی مدت اقبالی دور کا تیسرا مرحلہ ہے، تعلیمی و تعمیری اور مختلف اعتبارات سے یہ مرحلہ تمام گذشتہ ادوار و مراحل پر فائق ہے۔

اس مرحلہ کے اواخر یعنی ۱۹۷۶ء میں جماعت سابعہ کا اضافہ ہوا، اور انگلش کی تعلیم کا معقول انتظام ہوا، نیز اساتذہ و طلبہ کی تعداد میں دو چند اضافہ ہوا۔

اسی مرحلہ میں جامعہ کی اکثر عمارتوں کی تعمیر ہوئی، غالباً ۱۹۵۶ء میں ایک عمارت بنائی گئی جو جامعہ کی پرانی عمارتوں میں شمالی طرف واقع ہے، اس کے تقریباً چار سال بعد اس عمارت سے ملا کر مشرقی جانب ایک عمارت مزید تعمیر کی گئی، پھر ۱۹۷۳ء میں مولانا محمد یٰسین صاحب رحمہ اللہ کے دور کی عمارت کو جو جنوب میں مسجد سے متصل ہے دومنزلہ کیا گیا۔ ان دونوں عمارتوں میں عموماً پورے خاندان خصوصاً حاجی محمد نعیم خاں صاحب کا تعاون شامل ہے۔ اس کے بعد ۱۹۷۵ء کے اواخر میں حاجی محمد نعیم خاں صاحب کے نفقہ سے جامعہ کی مغربی عمارت کو دومنزلہ کیا گیا، ان ساری تعمیرات میں مولانا محمد اقبال رحمانی رحمہ اللہ کی بھرپور دلچسپی، جہد مسلسل اور سعی پیہم کا زبردست دخل ہے۔

مولانا رحمانی کی مساعی کے نئے مظاہر:

۱۹۷۶ء سے اقبالی دور کا چوتھا مرحلہ شروع ہوا جو ۱۹۸۲ء میں اس وقت اختتام پذیر ہوا جب مولانا محمد اقبال رحمانی رحمہ اللہ کا چراغ حیات گل ہوا، اس آخری مرحلہ میں مولانا رحمانیؒ کی مساعی جمیلہ کے نئے مظاہر سامنے آئے اور جامعہ نے عروج وارتقا کے اعتبار سے نیا موڑ لیا۔

۱۹۷۷ء میں درجات فضیلت قائم کئے گئے چنانچہ اس وقت سے اب تک ہر سال اوسطاً دس علماء وفضلاء جامعہ سے فارغ ہوتے ہیں جنہیں سند فضیلت اور دستار فضیلت دی جاتی ہے اور جو فارغ ہو کر ہندوستان کے مختلف گوشوں میں درس وتدریس، وعظ وارشاد اور دعوت وتبلیغ کا مقدس فریضہ انجام دیتے ہیں یا ہندو بیرون ہند مختلف اسلامی یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کرتے ہیں۔

۱۹۷۶ء میں مولانا مرحوم کی مساعی کے نتیجہ میں بڑے پیمانہ پر یک سہ روزہ دعوتی وتبلیغی کانفرنس منعقد ہوئی جس میں ہندوستان کے مختلف اضلاع وصوبہ جات کے ماہر خطباء ومقررین اور عظیم علمی ودینی شخصیتیں شریک ہوئیں، اسی موقع پر راقم الحروف نے مولانا کی نگرانی ورہنمائی میں تاریخ جامعہ مرتب کی جسے ۱۹۸۰ء میں موتمر الدعوہ والتعلیم جامعہ سلفیہ بنارس کے موقع پر شائع کیا گیا ہے راقم نے اسے بعد میں عربی میں بھی منتقل کر دیا۔ یہ عربی ایڈیشن بھی شائع ہو چکا ہے۔

اس مرحلہ کی یہ بات انتہائی قابل ذکر ہے کہ ۱۹۷۹ء مطابق ۱۳۹۹ھ میں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے جامعہ سراج العلوم بونڈیہار کا معادلہ ہوا جو مولانا رحمانیؒ اوران کے بعض تلامذہ کی خصوصی دلچسپیوں کا نتیجہ تھا۔

اس مرحلہ میں ایک تعمیری کام تو یہ ہوا کہ ۱۹۷۸ء میں جامعہ کی پرانی جنوبی عمارت کی مشرقی جانب ڈیڑھ سوفٹ کی ایک وسیع وعریض عمارت کی بنیاد ڈالی گئی، اسی درمیان رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ نے تعاون کیا جس سے اس عمارت کی تعمیر مکمل ہوئی، اس کے بعد جامعہ کے کنویں کی شمالی جانب اتنی ہی بڑی ایک عمارت کی بنیاد ڈالی گئی اور تمام دیواریں مکمل ہوگئیں مگر اس کی تکمیل مولانا رحمانیؒ کی وفات حسرت آیات کے بعد ہوئی، جامعہ کی ان تمام تعمیری سرگرمیوں میں مولانا مرحوم کی دوڑ دھوپ، سعی وکوشش اور ایثار واخلاص کا بڑا ہاتھ تھا۔

جامعہ سراج العلوم جو علم وفن کا گہوارہ ہے مولانا مرحوم اور دوسرے حضرات کی بھرپور کوششوں سے یہاں ۱۹۸۰ء کے اواخر میں بجلی کی روشنی کا بھی انتظام ہوا جس نے سراج العلوم کو ہر اعتبار سے چراغ ضوفشاں بنا دیا۔

آغوشِ حرم میں شاد ہوئے:

مولانا مرحوم حج کے لئے دوبار حجاز تشریف لے گئے، پہلی بار ۱۹۶۹ء میں اور دوسری بار ۱۹۸۲ء میں، اسی سفر حج میں آپ کی وفات کا سانحہ پیش آیا۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ بتاریخ ۶ اگست ۱۹۸۲ء مطابق ۱۸ شوال ۱۴۰۲ھ میں مولانا مرحوم اپنی اہلیہ کے ساتھ سفر حج کے لئے جامعہ سے روانہ ہوئے اور ممبئی پہنچے، وہاں سے ۱۴ اگست ۱۹۸۲ء کو بذریعہ ہوائی جہاز مکہ مکرمہ تشریف لے گئے، اسی روز عمرہ ادا کیا، دل کے مریض پہلے ہی سے تھے، کئی مہینے سے افاقہ ہوگیا تھا، دوسرے ہی روز بیمار پڑے اور مکہ مکرمہ کے ''ظاہر اسپتال'' میں داخل کئے گئے آخر دل کی یہ بیماری جان لیوا ثابت ہوئی اور دو ہفتہ کی علالت کے بعد مولانا ۶۳ سال کی عمر میں بتاریخ ۳۱ اگست ۱۹۸۲ء بروز سہ شنبہ مطابق ۱۱ ذوقعدہ ۱۴۰۲ھ انتقال فرما گئے انا للہ وانا الیہ راجعون یکم ستمبر ۱۹۸۲ء بروز چہار شنبہ بعد نماز عشاء حرم کعبہ میں نماز جنازہ پڑھی گئی اور مکہ مکرمہ کے قبرستان ''جنت المعلیٰ'' میں سپرد خاک کئے گئے اللھم ارحمہ واغفرلہ واعف عنہ۔

جامعہ کے باغباں، علاقہ اور اساتذہ وطلبہ کے شفیق ومحسن مولانا مرحوم جب بونڈیہار سے کوچ کر رہے تھے تو دنیا یہی سمجھ رہی تھی کہ آپ سفر حج کے لئے جا رہے ہیں، کسے خبر تھی کہ مولانا کے جسد خاکی کی پرواز حجاز کی طرف ہے اور روح کی پرواز ملاءاعلیٰ کی جانب ہے۔ کون جانتا تھا کہ مولانا کی خوش نصیبی انہیں حجاز لے جا رہی ہے اور اب ہمیشہ ہمیش کے لئے خدائے غفار کی رحمتوں میں جا رہے ہیں،

اساتذہ وطلبہ اور علاقہ کے لوگ انہیں الوداع کہہ رہے تھے کسے خبر تھی کہ یہ آخری الوداع ہے۔

۴ ستمبر ۱۹۸۲ء کو جب مکہ اور ممبئی سے بذریعہ ٹیلگرام مولانا مرحوم کی وفات کی روح فرسا وجانکاہ خبر آئی تو ہوش وخرد جاتے رہے، لوگوں کو کچھ دیر تک سمجھ میں نہ آیا کہ یہ کیا ہو گیا! بالآخر یہ یقین کرنا پڑا کہ اس عظیم مخلص انسان نے جان جان آفریں کے حوالے کردی، جامعہ سراج العلوم ماتم کدہ بن گیا اور پورے علاقہ کا ذرہ ذرہ سوگوار نظر آنے لگا۔

۵ ستمبر ۱۹۸۲ء کو جامعہ میں علاقہ اور گونڈہ وبستی کے مختلف معاہد ومدارس کے لوگ اکٹھا ہوئے، مولانا مرحوم کی زندگی، ان کے اخلاق وکردار اور صفات وخصوصیات پر روشنی ڈالی گئی، پسماندگان کو صبر وتسلی کی تلقین کی گئی، جامعہ کے ذمہ داران کو اتفاق واتحاد کے ساتھ جامعہ کو چلانے اور ترقی دینے پر ابھارا گیا اور نماز جنازہ غائبانہ پڑھی گئی، اس موقع پر مولانا محمد خلیل ایمن رحمانی رحمہ اللہ نے مرحوم کی تاریخ وفات پر دردوغم میں ڈوبے ہوئے انداز میں چند قطعات کہے تھے ایک قطعہ اس طرح ہے۔

اس گلشن کے سب غنچۂ وگل مرجھا سے گئے ناشاد ہوئے
افتاد پڑی ہے بچوں پر حیران سبھی استاد ہوئے
اقبال کی خبر مرگ سے جب بیتاب تھے دل آنکھیں گریاں
ایمنؔ نے ندائے غیب سنی ''آغوشِ حرم میں شاد ہوئے''

مرحوم کے پسماندگان میں ایک بوڑھا باپ، اہلیہ، ایک چھوٹا بھائی اور بھتیجے ہیں اور روحانی طور پر پورا علاقہ اور عرب وعجم میں پھیلے ہوئے ہزاروں شاگرد مرحوم کے پسماندگان میں شامل ہیں۔

مولانا مرحوم کی شخصیت:

بزرگ ومتقی، صوفی منش، نمونہ سلف، زاہد شب زندہ دار، نورانی چہرہ، چھوٹا قد، گٹھا جسم، پیکر سنجیدگی، پرہیبت وپرجلال اور خوش مزاج یہ تھی مولانا کی پروقار وپربہار شخصیت۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائل وشمائل میں جو آتا ہے کہ ''من راه بديهة هابه ومن خالطه معرفة احبه'' یعنی جو شخص اچانک آپؐ کو دیکھتا مرعوب ہو جاتا اور جو آپؐ سے ملتا جلتا وہ محبت کرنے لگتا، واقعہ یہ ہے کہ مولانا مرحوم کی شخصیت میں بھی یہ خصوصیت جلوہ گر تھی۔

سیرت کی کتابوں میں آتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلامؓ کی نگاہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روئے انور کے دیدار سے شرف یاب ہوئی تو وہ بے اختیار کہہ اٹھے ''لیس ہذا الوجہ بکذاب'' یہ چہرہ کسی دروغ گو کا نہیں، مولانا مرحوم اسی ماہ رخ وشمع رسالت کے ایک پروانہ تھے جن کی صورت دیکھ کر بس خدا یاد آجاتا اور ہر دیکھنے والا ان کی بلند وبالا شخصیت کے اعتراف وعقیدت میں ڈوب جاتا۔

مولانا کی باتیں بڑی ہی پرلطف ہوتیں اور آپ کی سفید اور نورانی ریشم سی ملائم اور باسلیقہ ریش پر دلنواز ودلربا تبسم عجب بہار دکھلاتا تھا، بس دیکھنے ہی سے وہ مخصوص کیفیت تعلق رکھتی تھی۔

عبقریت وصلاحیت:

اللہ تعالیٰ نے مولانا مرحوم کو علم وتحقیق، تعلیم وتربیت اور اردو وعربی ادب وغیرہ میں بڑی امتیازی صلاحیت عطا فرمائی تھی، اس لئے یہ کہنا بجا ہوگا کہ وہ بذات خود ایک انجمن تھے، یہ جملہ اگرچہ کثرت استعمال کی وجہ سے اپنی معنویت کھو چکا ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ مولانا مرحوم جیسی شخصیتیں پردۂ گیتی پر کم ہی دیکھنے میں آتی ہیں بقول میر ؎

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں

تب خاک کے ذرے سے انسان نکلتے ہیں

مولانا مرحوم ایک کامیاب ترین مدرس، انتہائی شفیق استاد عظیم مصلح ومربی تھے، نیز وہ قرآن مجید وحدیث نبوی کے نکتہ داں ورمز شناس تھے اور مختلف علوم وفنون میں اعلیٰ صلاحیت کے حامل تھے، درس وتدریس کا ایسا ملکہ انہیں حاصل تھا کہ بہت ہی دلنشین، سہل، واضح اور جامع انداز میں اسباق اس طرح پڑھاتے کہ کتابوں کی مشکل ترین بحثیں آسان معلوم ہونے لگتیں، اور یہ واقعہ ہے کہ جس نے مولانا سے پڑھ لیا اسے عرب وعجم کی یونیورسٹیوں کا درس بھی نہیں جنچا۔

تعلیم وتدریس کے علاوہ تصنیف وتالیف کی بھرپور صلاحیت بھی مولانا میں موجود تھی، شروع میں بعض مضامین بھی لکھے لیکن ہجوم کار اور کثرتِ مشاغل کی وجہ سے مولانا اس طرف توجہ نہیں دے سکے۔ ان کی پوری زندگی تدریسی وانتظامی امور میں صرف ہوئی، تاہم مولانا نے تصنیف وتالیف کرنے والوں کی ایک ایسی ٹیم تیار کردی جو مولانا مرحوم کی صلاحیتوں کے نمایاں مظاہر ہیں۔

مولانا مرحوم کو عربی ادب کا اتنا اچھا ذوق تھا کہ بڑی شگفتہ عربی میں کبھی کبھی خطوط لکھتے اور اردو ادب کا تو بڑا اعلیٰ ذوق آپ کو حاصل تھا، اساتذہ وطلبہ کی ادبی اصلاح فرماتے اور اردو الفاظ ومصطلحات پر تنقید وتبصرہ کرتے، بہت پہلے مرحوم نے مختلف اردو نظمیں بھی لکھی ہیں جو ان کی ڈائری میں محفوظ ہیں، آپ کے رسائل ومکاتیب اور سفر حج وغیرہ کی لکھی روداد اردو ادب کا بہترین نمونہ ہیں۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک بار ہفت روزہ صدق جدید لکھنو کا کوئی نیا شمارہ آیا اس میں ایک شعر تھا ؎

شفق گوں ہے ہوائے بام قاتل

کبوتر پر کبوتر گر رہے ہیں

مولانا دریا آبادیؒ نے اس شعر میں کبوتر سے حقیقی کبوتر مراد لیا تھا اور مطلب یہ بتایا تھا کہ قاتل (معشوق) کی چھت کی فضا مقتولین (عشاق) کے خون سے اس طرح شفق گوں ہوگئی ہے کہ کبوتروں کو یہ گمان ہوا کہ شام ہوگئی ہے لہٰذا بسیرا لینے کے لئے کبوتر گرنے لگے، مولانا رحمانیؒ نے اس شرح پر تنقید کی اور فرمایا کہ اس میں بہت مبالغہ ہے اور تکلف، زیادہ صحیح یہ ہے کہ اس شعر میں کبوتر سے مراد عاشق ہے اور مطلب یہ ہے کہ فضائے بام قاتل شفق گوں ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ کبوتر یعنی عاشق پر عاشق وہاں آ کر قتل ہوتے ہیں، اس طرح سے پہلا مصرع دعویٰ اور دوسرا مصرع دلیل ہوجاتا ہے اور شعر واضح طور پر مربوط ہوجاتا ہے۔

اخلاق وکرداراورانداز تربیت:

مولانا مرحوم میں تواضع، خاکساری، ملنساری، دلجوئی، رواداری اور مہمان نوازی بدرجہ اتم پائی جاتی تھی، جب بھی کوئی شخص جامعہ میں آتا، چاہے متعارف ہو یا اجنبی، مولانا انتہائی اخلاق وخندہ پیشانی سے ملتے، یہی وجہ تھی کہ اجنبی سے اجنبی شخص یہاں آکر بڑی اپنائیت محسوس کرتا اور اپنے دل میں مولانا کی شفقت ومحبت کے زندہ وتابندہ آثار ونقوش لے کر واپس جاتا۔

انانیت، کبر، عجب اور کسی کی توہین وتذلیل کرنا تو مولانا جانتے ہی نہیں تھے، ان کے دل میں ہر چھوٹے بڑے کے لئے بے پناہ محبت تھی وہ مسلم وغیر مسلم کی تفریق کے بغیر خلق خدا کی خدمت کا بے لوث جذبہ رکھتے تھے اور زندگی کے مختلف نازک موڑ میں علاقہ کے سارے افراد کے کام آتے تھے، یہی وجہ ہے کہ علاقہ وجوار میں ان کا ذکر خیر نہ صرف باقی ہے بلکہ دور دور تک ان کے اخلاق وکردار اور محاسن جمیلہ کی خوشبو پھیلی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔

اساتذہ جامعہ کے ساتھ مولانا مرحوم کا معاملہ انتہائی خیر خواہی وخیر سگالی کا ہوتا تھا، ذمہ دارانہ رعب وداب کا معاملہ تو آپ نے کبھی کیا ہی نہیں بلکہ بہت سے معاملات میں اساتذہ اگر ان سے سخت کلامی کر جاتے تو مولانا بڑی خندہ پیشانی سے اس کا جواب دیتے یا خاموش رہتے، دراصل مرحوم کے اندر بڑی ہی بلند نگاہی، سخن دلنواز اور علاقہ وجامعہ کے لئے بڑی جاں سوزی تھی، اور ان کے اندر میر کارواں کے سارے اوصاف پائے جاتے تھے، انہیں جیسے لوگوں کے بارے میں علامہ اقبالؒ نے کہا ہے ؎

نگہ بلند سخن دلنواز جاں پرسوز
یہی ہے رختِ سفر میر کارواں کے لئے

مولانا مرحوم بڑے اچھے ڈھنگ سے طلبہ کی تربیت کرتے، میں کیا بتاؤں کہ پانچ سال ان کی تربیت میں رہ کر میں نے ان کے اندر کیا کیا دیکھا، کس طرح وہ طلبہ کی خبر گیری کرتے اور کس اشاراتی انداز میں طلبہ کی تربیت کرتے، اگر کوئی کام لینا مقصود ہوتا تو بجائے حکم دینے کے خود ہی وہ کام کرنے لگتے جونہی کسی کی نظر پڑتی وہ لپک کر اور دوڑ کر وہ کام ہاتھ میں لے لیتا۔

مسلکی حمیت وجماعتی دلچسپی:

مولانا مرحوم چونکہ ہندوستان کے عظیم سلفی ادارہ دارالحدیث رحمانیہ دہلی کے فارغ تھے، جماعت کی عظیم علمی ودینی شخصیتوں کی نگرانی وتربیت میں ان کی علمی وفکری نشوونما ہوئی تھی اور انہیں قرآن وحدیث کا گہرا علم تھا اس لئے مسلک سلف، دعوت کتاب وسنت اور جماعت اہل الحدیث کے اعتقادی وفقہی نقطہ نظر سے بڑا علمی، تحقیقی اور والہانہ تعلق تھا، خاص طور پر حدیث وسنت کے سلسلہ میں محدثین کرام کا جو موقف تھا اس کے بارے میں بہت حساس تھے، یہی وجہ ہے کہ شاہراہ کتاب وسنت سے منحرف تحریکوں کے دام فریب میں کبھی نہیں پھنسے اور نہ ان سے مرعوب ہوئے بلکہ تادم حیات مسلکی حمیت وجماعتی غیرت کے ساتھ زندہ رہے اور زندگی بھر اپنے اس موقف پر ایسی مضبوطی کے ساتھ قائم رہے کہ جہاں کہیں بھی حدیث وسنت کے سلسلہ میں توہین آمیز باتیں سنتے، سخت نکیر کرتے اور مسلک سلف کے تحفظ ودفاع کے معاملہ میں سرگرم رہتے۔

ایک بار راقم الحروف جامعہ کے ایک استاذ سے مولانا مودودیؒ کی کتاب ''رسائل ومسائل'' مانگ رہا تھا تو مولانا کہنے لگے کہ کیوں ایسے مصنف کی کتابیں پڑھتے ہو جس کی تحریروں سے حدیث وسنت میں تشکیک کا مزاج پیدا ہوتا ہے، مولانا مرحوم کا اشارہ اس طرف تھا کہ مولانا مودودیؒ نے صحت سند کے باوجود بعض احادیث کا انکار کر دیا ہے۔ چونکہ اس وقت میرے ذہن میں بھی جماعت اسلامی سے تاثر کے جراثیم موجود تھے تو میں نے مولانا مودودیؒ کا دفاع کرتے ہوئے کہا کہ یہ تو محدثین کا متفقہ اصول ہے کہ نہ صحت سند صحت متن کو مستلزم ہے اور نہ ضعف سند ضعف متن کو مستلزم ہے تو مولانا مرحوم نے مسلکی حمیت وغیرت میں ڈوبے ہوئے انداز میں فرمایا کہ ٹھیک ہے مگر اس اصولی بات کا مطلب یہ نہیں کہ احادیث صحیحہ کو عقل عام کے حوالہ کر کے انہیں کھلواڑ بنالیا جائے اور اپنی کوتاہ نظری سے جس ضعیف ومنکر حدیث میں آدمی چاہے زبردستی ہیرے کی جوت محسوس کرنے لگے، مولانا نے فرمایا کہ اس اصول کے استعمال کا حق ان علماء کرام ومحدثین عظام کو ہے جو اسانید احادیث، متون احادیث، فن اسماء الرجال اور فتنۂ وضع احادیث کی گہری معرفت رکھتے ہوں، دین اسلام کے اعتقادی وفقہی تصور اور مزاج شریعت سے اچھی طرح واقف ہوا اور صحیح معنوں میں محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے دینی ذوق میں جن کی طبیعتیں ڈھلی ہوئی ہوں۔

مولانا مرحوم کی اسی مسلکی حمیت کا نتیجہ تھا کہ جامعہ وعلاقہ کے لئے آپ ایک مضبوط مسلکی حصار تھے، جب تک آپ زندہ تھے اس اہل حدیث نگر میں غیر جماعتی عناصر کے تاجرانہ اخلاق ورواداری کا فریب موثر نہ ہوسکا اور نہ ان کی زہرافشانیاں کارگر ہوسکیں۔ مگر افسوس مولانا مرحوم کے بعد اب بعض افراد یہاں کے جماعتی وسلفی مزاج میں زہریلے جراثیم پیدا کرنے کی کوشش کررہے ہیں، اللہ تعالیٰ جامعہ وعلاقہ کی حفاظت فرمائے (آمین)

مولانا مرحوم کا زندگی بھر جمعیت وجماعت سے بڑا گہرا تعلق رہا اور اس کے پروگراموں سے زبردست عملی دلچسپی رہی، چنانچہ ۱۹۶۱ء میں جب جمعیۃ اہل حدیث بستی وگونڈہ کے زیر اہتمام نوگڑھ میں چارروزہ عظیم کانفرنس منعقد ہوئی تو مولانا مرحوم ان لوگوں میں سرفہرست تھے جن کی کوششوں سے کانفرنس کامیاب ہوئی، اسی کانفرنس کے نتیجہ میں جامعہ سلفیہ بنارس وجود میں آیا، مولانا تاحیات اس کی مجلس شوریٰ کے رکن رہے۔

مولانا مرحوم مرکزی جمعیۃ اہل حدیث ہند کی مجلس عاملہ کے بھی رکن رہے اور اسی کے ساتھ ۱۹۸۰ء تک ضلع جمعیۃ اہل حدیث گونڈہ کے نگراں وصدر بھی رہے، اسی دور میں جمعیۃ گونڈہ کے زیراہتمام ۱۹۶۸ء میں بمقام تلسی پور ایک عظیم الشان سہ روزہ صوبائی کانفرنس منعقد ہوئی جس کی کامیابی میں بحیثیت صدر مولانا مرحوم کا بڑا دخل تھا۔

قطعات از: مولانا محمد خلیل ایمن رحمانیؒ

محمد اقبال ایمن آغوش حرم میں
۱۹۱۹ء تاریخ ولادت

اخلاص ووفا کے تھے پیکر
اور صبر وتحمل میں برتر

پیدا جو ہوئے تو سب نے کہا
اللہ کی رحمت کے مظہر
اقبال کو جب قدرت نے رچا
نظروں میں سبھی کے خوب جچا
سب دیکھنے سننے والوں میں
''اے خوش بخت'' کا شور مچا

۱۹۱۹ء

تاریخ وفات

ماز عزمش بداشتیم شگفت
بود بیمار و راہ کعبہ گرفت
گفتم اقبال من کجارفتہ است
گفت ہاتف ''بسیر باغ بہشت''

۱۹۸۲ء

ذات اقبال تھی اللہ رے رحمت کا ظہور
روئے پرنور میں تھا ذکر الٰہی کا سرور
پئے تاریخ پریشاں تھا ایمن لیکن
دل میں القا کیا اللہ نے ''عبد مغفور''

۱۴۰۲ھ

صبر اس کا تاج وتخت
فقر میں وہ شاہ بخت
کوئی آکے کہہ گیا
''مرد خوش نصیب رفت''

۱۹۸۲ء

(ماخوذ از یادگار مجلہ جامعہ سراج العلوم بونڈیہار ۱۹۸۶ء)

❑❑❑

مفکر ملّت
مولانا عبدالجلیل رحمانی رحمہ اللہ
حیات وخدمات

۱۹۱۷ء..........۱۹۸۶ء

مولانا محمد مستقیم سلفی رجامعہ سلفیہ بنارس

مفکر ملت مولانا عبدالجلیل رحمانی کی شخصیت ان نادرۂ روزگار میں سے ایک ہے جو روز روز اس دنیا میں نہیں آتیں، یہ ہمارے علاقہ نوگڑھ کی خوش قسمتی تھی کہ اللہ تعالی نے ایسی شخصیت کا انتخاب اس علاقہ کے لئے کیا، آپ کے آباء واجداد کا مسکن موضع ششہنیاں علاقہ الیدہ پور ہے لیکن آپ کی ولادت موضع بہادر پور (جو ششہنیاں سے ایک فرلانگ کی دوری پر ہے) میں ۱۹۱۷ء کو ایک دیندار گھرانہ میں ہوئی۔ آپ نے اپنی سوانح حیات خود مرتب کی جو آپ کی کتاب شہدائے احد کے شروع میں چھپا ہوا ہے جسے ہم ہو بہو ہدیہ قارئین کرنا مناسب سمجھتے ہیں، آپ لکھتے ہیں کہ:

عبدالجلیل نام، رحمانی دارالحدیث رحمانیہ کی طرف انتساب، والد کا نام تعلقدار (مرحوم)، دادا کا نام محمد اشرف (مرحوم) آباء واجداد پشتہا پشت سے حلقہ بگوش اسلام چلے آئے ہیں۔ اخلاق کریمانہ کے حامل اور جود وسخا کے پیکر تھے۔ (غفر اللہ لہم)۔ ششہنیاں اسٹیٹ الیدہ پور، تحصیل بانسی، ضلع بستی میں مشہور موضع ہے جو تقریباً ایک صدی سے مولف کے آباء واجداد کا مسکن ہے۔ مولف کا مولد خاص ایک موضع بہادر پور ہے جو دارالعلوم کے شمال ومشرق گوشہ میں ایک فرلانگ سے بھی کم فاصلہ پر واقع ہے جہاں ۴۰۔۴۵ سال سے مولف کی موروثی اراضیات زیر کاشت ہے۔ اگر چہ پہلے سے خاندان میں کوئی علمی چرچا نہ تھا مگر والدین کو صاحب ترجمہ کو پڑھانے کا ازحد شوق تھا۔ جون ۱۹۲۱ء میں دارالعلوم سے ایک میل کے فاصلہ پر بمقام گورا بازار علاقہ کے مسلمانوں کی توجہ سے ایک اسلامیہ مدرسہ قائم ہوا جو دو چار سال تک نہایت شان سے چلتا رہا، بعد کو سست ہوگیا۔ مولف نے اسی مدرسہ میں تعلیم شروع کی اور حساب وکتاب اور اردو فارسی کی ابتدائی تعلیم اسی جگہ حاصل کی۔ ابتدائی تعلیم کے کئی سال جس طرح بالعموم مکاتب ومدارس کے نذر ہو جاتے ہیں مولف کے بھی کئی سال نذر ہو گئے۔

ابھی سن رشد کو بھی نہ پہنچا تھا کہ اچانک زندگی کا ایک نیا باب کھل گیا۔ استاد محترم مولانا ہدایت علی (حال مہتمم ہدایت المسلمین کرہی) شاگرد رشید مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری اتفاقیہ غریب کدہ پر تشریف لائے، والد بزرگوار سے اگر چہ یہ پہلی ملاقات تھی مگر مرحوم کے اخلاق کریمانہ نے مولانا سے جس محبت کا اظہار کیا اس نے قلبی محبت کا رنگ اختیار کرلیا۔ مولانا موصوف ان دنوں انجمن

اسلامیہ گورکھپور میں مدرس تھے۔آپ کے مشورے سے مجھے انجمن پہنچایا گیا اور درجہ چہارم میں داخل کیا گیا۔قیام مولانا کے یہاں تھا اور خورد ونوش کے کفیل والدین تھے۔سن یاد نہیں البتہ یہ یاد ہے کہ انجمن میں ایک دن قرآن خوانی کرائی گئی بڑی حسرت سے لوگ کہتے تھے مولانا محمد علی انتقال فرما گئے، مجھے اس وقت نہیں معلوم تھا یہ کون بزرگ تھے۔اب سن کا اندازہ خود کر لیجئے۔بہرکیف ایک سال انجمن میں گزارا۔مولانا مستعفی ہو کر ہی تشریف لے گئے اور میں گھر آ گیا۔

اطراف کے مدارس میں سب سے قدیم مدرسہ دارالہدیٰ یوسف پور ہے جو شیخ الکل میاں نذیر حسین محدث دہلوی کے تلمیذ رشید مولانا عباداللہ مرحوم کی یادگار ہے۔میری تعلیم کے لئے مدرسہ یوسف پور تجویز کیا گیا۔آخر ڈیڑھ دو سال تک یہاں رہا۔اخراجات خورد ونوش کے کفیل والدین تھے۔ضلع کے مشہور صاحب زہد وورع عالم مولانا سید عابد علی صاحب صدر مدرس تھے جن سے سکندر نامہ اور شرح مائۃ پڑھی۔ادھر ہدایت المسلمین کرہی میں مولانا ہدایت علی صاحب مسند آراء درس تھے، میں یوسف پور کو خیر باد کہہ کر کرہی پہنچا۔ہدایت النحو، کافیہ، شرح جامی بحث فعل، نفحۃ الیمن، سبعہ معلقہ، قدوری، اصول الشاشی، مرقاۃ وغیرہ کتابیں مولانا موصوف سے پڑھیں۔سال بعد گھر آیا۔یہ زمانہ مدرسہ سراج العلوم جھنڈے نگر کے علمی شباب کا تھا۔ضلع کے مشہور اور نامور ادیب محترم مولانا عبدالغفور صاحب بسکوہری 'ملا فاضل' سریر آرائے درس تھے۔بعد رمضان سراج العلوم پہنچا۔قطبی، شرح جامی تا منصوبات، متنبی، شرح تہذیب مولانا موصوف سے اور مناظرہ رشیدیہ، مشکوۃ شریف، شرح نخبہ، ترجمہ کلام پاک اور شرح وقایہ وسراجی مولانا عبدالرحمن صاحب بجواوی سے پڑھا جو فرائض کے ماہر اور بے زبان ولی ہیں۔

میں کرہی کے قیام کے زمانہ کو تعلیم کا سنگ بنیاد اور سراج العلوم کے تعلیمی دور کو ترقی کا پہلا زینہ سمجھتا ہوں۔یہاں کے رفقاء علم اور احباب کی علمی مجلس کبھی فراموش نہ ہوگی، مجھے اب تک یاد ہے دوران سال ہی میں مولانا عبدالرؤف خاں صاحب رحمانی ناظم سراج العلوم کا ایک مضمون رحمانیہ کی بابت اخبار اہلحدیث امرتسر میں شائع ہوا۔موصوف اس وقت رحمانیہ کی جماعت سابعہ میں پڑھتے تھے۔دارالحدیث سے روشناس ہونے کا میرے لئے یہ پہلا اتفاق تھا اور یہ بھی سچ ہے کہ دارالحدیث کو اب تک کم از کم گونڈہ اور بستی میں کوئی شہرت بھی حاصل نہ تھی۔پورے ضلع میں شاید ہی چار چھ رحمانیہ کے فارغ التحصیل علماء رہے ہوں، الغرض مولوی صاحب موصوف کا مضمون پڑھا اور مصمم عزم کر لیا کہ تکمیل رحمانیہ ہی میں کروں گا۔آخر سراج العلوم میں یہ سال پورا کر کے بعد رمضان دہلی چلا گیا۔یہ شوال ۱۳۵۰ھ کا واقعہ ہے۔داخلہ کے لئے رحمانیہ پہنچا۔مشہور ادیب اور نحوی مولانا عبدالرحمن صاحب مرحوم نگرنہسوی نے داخلہ کا امتحان لیا اور حسب منشا جماعت رابعہ میں داخلہ ہو گیا۔نہایت ہی خوش بخت ہوتے تھے وہ طلباء جو حسب خواہش کسی جماعت میں داخل کر لئے جاتے تھے۔

رحمانیہ کا علمی ماحول عجیب ماحول تھا۔وہ روح پرور فضا آنکھوں کے سامنے ہے۔مسلسل پانچ سال تک ہر علم وفن کے اساتذہ سے تعلیم حاصل کرتا رہا۔۱۳۵۵ھ میں اٹھارہ سال کی عمر میں مدرسہ سے سند عالمیت اور جبہ ودستار حاصل کیا۔تعلیمی دور کے پانچ سالہ احوال وکوائف پر تو ایک دفتر تیار ہو جائے۔رحمانیہ کا عہد طالب علمی، علم وادب کی پر کیف راتیں، رفقاء علم کی پرطرب انگیز صحبتیں، بزم خطابت کی نشاط بخش محفلیں، مناظرے اور مقابلے اور عربی تحریریں اور تقریریں، جمعیۃ الخطابہ کے ماہوار اجلاس خصوصی، سالانہ جشن،

بالخصوص جشن ختم بخاری شریف، رفقاء درس کی پارٹیاں، مہتمم مدرسہ شیخ عطاء الرحمن نور اللہ مرقدہ کی نوازشات، قطب لاٹ اوراوکھلا کی تفریحات اور مہتمم مرحوم کی فیاضیوں کے مناظر اب بھی مشام جان کو معطر کئے ہوئے ہیں۔ شہر میں ہونے والے آئینی غیر آئینی ،سیاسی اور مذہبی جلسوں کی شرکت، کوٹھی دریاباد میں حضرت مولانا ابوالکلام آزاد سے ملاقات، موسیٰ جاراللہ روسی کا دیدار، جمعیۃ الاحرار کے اکابر کی تقریریں اب تک یاد ہیں۔ عبدالمنعم عدوی مدیر ''العرب'' محمد اسد جرمنی نومسلم مترجم بخاری شریف، شیخ الاسلام حضرت علامہ ثناء اللہ صاحب نوراللہ مرقدہ، محدث کبیر حضرت علامہ مولانا عبدالرحمن صاحب شارح ترمذی، علامہ میر سیالکوٹی، علامہ عبدالعزیز میمنی، جمال باشاالغزنی، مولانا اعزازعلی، مصری وفداور سعودی علماء کی رحمانیہ میں تشریف آوری کے وقت کی رونق بزم آنکھوں کے سامنے ہے۔

خودنوشت ترجمہ میں مناسب نہیں کہ سہ ماہی، ششماہی، سالانہ امتحانات کی تفصیل کچھ زیادہ لکھوں، ''محدث مرحوم'' کے فائل اس کے لئے کافی ہیں۔ البتہ بطور تحدیث نعمت یہ ضرور کہوں گا کہ میرے سالانہ اخراجات بالعموم مدرسہ کے انعامات سے ہی چلتے تھے۔ اساتذہ میں سے ہرایک اپنے فن میں ماہر تھا۔لیکن معقولات میں مولانا سکندرعلی صاحب ہزاروی اور منقولات میں محدث کبیر علامہ مولانا احمد اللہ صاحب یکتائے فن تھے۔ اول الذکر سے معقولات اور موخرالبیان سے منقولات کی تکمیل کی۔ مجتہدفن علامہ عبدالسلام صاحب معقولی بدایونی کا بھی دورملا مگر اجل نے شرح ہدایت الحکمہ سے آگے استفادہ کا موقعہ نہ دیا۔ دور معلمی کے مخلص رہنما اورعہد طالب علمی کے مشفق اساتذہ شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ صاحب مبارکپوری اور مولانا نذیر احمد صاحب املوی سے بھی بہت کچھ استفادہ کیا۔ شیخ موصوف سے موطا امام مالک پڑھا۔ تحقیق وتدقیق اورزبان وبیان کا جورنگ آپ کے درس میں نظر آیا وہ رنگ کسی بھی مسند درس پر نہ دیکھا۔ مورخہ ۸رشعبان ۱۳۵۵ھ کو حضرت مولانا احمداللہ صاحب نے حدیث کی سند اجازت عنایت فرمائی۔ آپ کا ایک سلسلہ اسناد تین واسطوں سے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے مل جاتا ہے۔اس طرح مولف کا سلسلہ سند چارشیوخ کے بعد شاہ صاحب سے مل جاتا ہے۔ اور دوسرا سلسلہ اسناد علامہ حسین بن محسن انصاری الخزرجی کے طریق سے صرف ایک واسطہ سے علامہ شوکانی صاحبِ نیل سے ملتا ہے۔اس طرف مولف کا سلسلہ سند دوواسطوں کے بعد قاضی شوکانی سے مل جاتا ہے۔ جب تحصیل علم کے بعد گھر آیا تو علمی مشاغل کے جاری رکھنے کا خیال دامن گیر ہوا۔ مگر ٹھیک دوسال تک کوئی خاطر خواہ جگہ نہ مل سکی۔ تین مواضعات میں موروثی اراضیات گزربسر کے لئے زیرکاشت تھیں۔ اخوان وبنی اخوان اس کام کے لئے کافی تھے۔ مجھے قطعاً ہاتھ لگانے کی ضرورت نہ تھی۔ والدین کا سایہ سرپر موجود تھا، جواپنی آنکھوں کے سامنے رکھنا ہی پسند کرتے تھے۔ اس لئے اب میرا مشغلہ جلسے جلوس میں شرکت ہی رہ گیا۔ غالباً قدرت کو یہ منظور بھی نہ تھی کہ میں کسی ایسی اجنبی درسگاہ میں درس وتعلیم کے لئے جاؤں جہاں میرے قدوقامت اور جثہ وجسامت کی کوئی دھاک نہ جم سکے۔ کیونکہ ظاہری طور پر ایسے جثہ وجسامت اورسن وسال کی بھی ضرورت ہوتی ہے جو بذات خود طلبہ پرموثر ہوسکے اور صاحب ترجمہ اس شرط سے بالکل محروم ہے۔ آخر ۱۹۳۸ء اختتام کو تھا کہ دارالحدیث رحمانیہ سے درس دینے کی طلبی پہنچی جسے میں کسی بھی عذر کی بنا پر رد نہیں کرسکتا تھا۔ رحمانیہ ہی کے چشمۂ فیض سے سیراب ہوا تھا اس کی خدمت میرا فرض تھا چنانچہ رحمانیہ پہنچا اور کام شروع کیا۔

عربی کے ابتدائی درجات کے علاوہ بلوغ المرام، مشکوٰۃ شریف، ترجمہ کلام پاک، مقامات حریری، تاریخ خضری، شرح عقائد، شرح وقایہ، اوقلیدس وغیرہ کتابیں زیر درس تھیں۔ دو سال کے تعطل سے روح و ضمیر اور نظر و فکر پر جو تعطل اور افسردگی آ گئی تھی، ترقی کے اس منزل پر قدم رکھتے ہی چشم و جاں اور نظر و فکر میں نئی تازگی اور بالیدگی آ گئی۔ دنیا کا معاملہ بھی عجیب ہے۔ شہد کے گھونٹ کے ساتھ زہر کا گھونٹ بھی پینا پڑتا ہے، ایک طرف اگر ترقی کا دروازہ کھلا تو دوسری طرف آزمائش کا دروازہ بھی کھل گیا۔ ۱۰ مارچ ۱۹۳۹ء کو رفیقہ حیات اور ۳۰ جنوری ۱۹۴۰ء کو والد بزرگوار اور ۱۰ اگست ۱۹۴۰ء کو والدہ محترمہ کا انتقال، یہ پیہم حادثات ایسے تھے جنہوں نے پچھلی زندگی کی تمام مسرتوں کو تلخ کر دیا اور آئندہ کی زندگی میں ہمیشہ کے لئے یہ حادثات غیر مندمل زخم بن گئے۔ جنہوں نے بڑی بڑی تمناؤں سے پڑھایا تھا۔ تحصیل علم سے فراغت اور درس کے لئے جانے کے وقت بزم سرور رچائی اور عید مسرت منائی تھی ان میں سے ہر ایک کا پے در پے انتقال کرنا اور ملازمت کی مجبوری اور نا قابل برداشت قیود کی وجہ سے کسی ایک کے جنازہ اور تجہیز و تکفین تک میں میرا شریک نہ ہونا بہت ہی روح فرسا حادثہ تھا۔ ان حادثات اور ان کی نوعیت نے میری علمی زندگی پر بہت برا اثر کیا مگر صبر و سکون سے کام لے کر تقریباً سات برس تک درس دینے کے بعد ۲۶ اپریل ۱۹۴۵ء کو رحمانیہ سے مستعفی ہوا اور اسی وقت سے دار العلوم کی بنا و استحکام اور تعلیم و تعمیر میں لگا ہوا ہوں اور ''ادارہ تصنیف و تالیف'' کی طرف سے یہ پہلا ہدیہ پیش کرنے کی توفیق ملی ہے۔ ان شاء اللہ آئندہ بھی یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

مولف کی عمر اس وقت تقریباً ۳۲ سال ہے، رفیقہ حیات مرحومہ سے یادگار کوئی اولاد نہیں۔ موجود رفیقہ حیات سے ایک بچی طاہرہ سلمہا ساڑھے چار سال اور ایک بچہ جمیل احمد سلمہ عمر ڈھائی سال موجود ہیں۔ مولف بشمول خود پانچ بھائی ہیں اور ایک بہن اور تا دم تحریر مولف کا کنبہ ۲۷ نفر پر مشتمل ہے۔

اللھم احفظھم و وفقھم لطاعتک، فقط

از مؤلف کتاب

عبد الجلیل رحمانی

۵/ ذی قعدہ ۱۳۶۷ھ، ۱۰/ ستمبر ۱۹۴۸ء یوم جمعہ

کون جانتا تھا کہ ایک دیہاتی کسان کے گھر پیدا ہونے والا یہ بچہ عام کاروباری ان بچوں کی طرح نہیں ہوگا جو پروان چڑھ کر دنیائے دوں کے لئے تگ و تاز میں لگ جائے گا، بلکہ یہ بچہ دین کا ایک سپاہی بن کر ماہتاب کی طرح چمکے گا اور اپنی گونا گوں صلاحیتوں کی بنا پر جماعت اہل حدیث کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو پار لگائے گا، جس وقت آپ نے آنکھیں کھولیں اس وقت ہندوستان دو حصوں میں منقسم ہوا، اس تقسیم نے ہندوستان کی جماعت اہل حدیث کو بکھیر دیا، جید علمائے کرام پاکستان چلے گئے اور ہندوستان کی جماعت یتیم ہو گئی، تقریباً دس سال تک جماعت یاس و قنوط کی شکار رہی، بد قسمتی سے انہی ایام میں جماعت کے بہت سے عجلت پسند افراد نہ صرف یہ کہ اپنی جماعت کے شاکی ہوئے بلکہ ملک کے دوسرے دینی تحریکوں اور تنظیموں سے وابستہ ہو گئے، جن میں کچھ تو بعد میں اپنی اس جدت پسندی اور روشن خیالی پر نادم ہوئے اور کچھ ہمیشہ کے لئے کٹ گئے، ان نامساعد

اور صبر آزما حالات میں قائد جماعت مولانا عبدالوہاب آروی رحمہ اللہ نے جماعت کی تنظیم نو کا بیڑا اٹھایا، یہ وہ بھیانک دور تھا کہ بعض اہم دینی مکاتب فکر نے تو صاف لفظوں میں اعلان کر دیا کہ اب اہل حدیث کا محاذ ہمیشہ کے لئے ٹوٹ پھوٹ کر ختم ہوگیا اور ٹھیک اسی زمانہ میں کاظمی بل بھی پارلیمنٹ میں پیش کیا گیا، اس بل کا محرک بھی وہی تنظیمیں تھیں جس نے یہ اعلان کر رکھا تھا کہ اہل حدیث کا محاذ ہمیشہ کے لئے ختم ہوگیا، اگر یہ بل اسی صورت میں پارلیمنٹ میں منظور ہوجاتا تو آئینی طور پر جماعت اہلحدیث کی موت پر مہر تصدیق ثبت ہوجاتی، ایسے نازک وقت میں قائد جماعت مولانا عبدالوہاب آروی نے افاضل علماء وخواص کی میٹنگ دہلی میں طلب کی، استاذ العلماء شیخنا مولانا نذیر احمد املوی، شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانی مبارکپوری، مفکر ملت مولانا عبدالجلیل رحمانی کو جماعت اہل حدیث کا ممبر بننے کی تاکید کی، مذکورہ تینوں حضرات نے اس پر آشوب دور میں اپنی تدریسی مشغولیات وغیرہ کے سبب ممبری قبول کرنے سے انکار کیا، جس پر مولانا آروی رحمہ اللہ جلال میں آگئے پھر انہوں نے جو کچھ کہا مفکر ملت مولانا عبدالجلیل رحمانی رحمہ اللہ کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں:۔

’’آپ نے سارے کاغذات سمیٹ لئے اور رجسٹر کارروائی بغل میں دبا کر اٹھ کھڑے ہوئے اور پرجلال انداز میں فرمایا: مجلس برخاست کی جارہی ہے آج سے اعلان کر دیا جائے گا کہ فلاں فلاں حضرات اتنا بھی نہ کر سکے کہ ممبر بن کر تعاون دیں، اسلئے آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس توڑ دی گئی، یہ اعلان سنتے ہی ہمارے رونگٹے کھڑے ہوگئے اور یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ ساری بدنامی ہمارے سر ہوگی آخر میں ممبر بننا پڑا، خدا کا شکر ہے کہ علامہ املوی مرحوم، شیخنا شیخ الحدیث مبارکپوری اور راقم سطور ہمیشہ مرحوم کے ساتھ رہے‘‘ (ترجمان دہلی، یکم اپریل ۱۹۸۳ء)۔

تقسیم ملک کے بعد جمعیت اہل حدیث کی یہ پہلی میٹنگ تھی، ممبران نے کاظمی بل کی رفتار پر نظر رکھنے اور اس سلسلے میں مناسب اور ضروری کارروائی کرنے کا پورا اختیار مولانا آروی رحمہ اللہ کو دے رکھا تھا۔ مولانا آروی رحمہ اللہ بار بار دہلی پہنچ کر حالات کا جائزہ لیتے رہے اور مذکورہ تینوں بزرگوں کا مولانا آروی رحمہ اللہ سے برابر ربط رہتا تھا، یہ لوگ اس وقت کے وزیر تعلیم مولانا ابوالکلام آزاد سے ملاقاتیں کرتے رہے اور کاظمی بل کے نقائص اور جماعت اہل حدیث کے حق میں اس کے مضر اثرات کی طرف توجہ دلاتے رہے، مولانا آزاد نے ان لوگوں سے فرمایا کہ اپنی ترمیمات لکھ کر بھیج دو، ان بزرگوں نے اس کام کو فوری طور پر کر کے مولانا ابوالکلام آزاد کے پاس بھیج دیا۔

ادھر اپنا یہ حال تھا کہ تقسیم ہند کے بعد عملی اور وجودی حیثیت سے سالہا سال آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس کچھ نہیں تھی مگر علامہ آروی رحمہ اللہ کی سیاسی مہارت تھی کہ ظاہری طور پر کانفرنس کو جوں کا توں زندہ رکھا، جماعت اہلحدیث کی نمائندگی کانفرنس کے پلیٹ فارم سے کی جارہی تھی، صدر جمہوریہ اور وزیر اعظم کو مبارکبادی کا ٹیلی گرام جارہا ہے تو گورنر یوپی اور دگر منسٹروں کی موت پر تعزیت کا برقیہ پہنچ رہا ہے، پارلیمنٹ میں کوئی بل پاس ہوا تو اس کی تائید یا تردید میں بیانات جاری کئے جارہے ہیں۔ ۱۹۵۴ء میں سعودی حکمراں شاہ سعود کی آمد پر جماعت کی طرف سے شاندار استقبالیہ دیا گیا، درحقیقت جماعت کچھ بھی نہ تھی صرف مولانا آروی رحمہ اللہ کی ایک ذات پوری جماعت تھی (نور اللہ مرقدہ وجعل الجنۃ مثواہ)

چنانچہ کاظمی بل پارلیمنٹ میں منظور ہوگیا اور ۱۹۵۴ء کے مسلم وقف ایکٹ میں اس کی وضاحت کردی گئی کہ ہندوستان کے سنی مسلمانوں کی مستند جماعتیں حنفی، اہل حدیث اور شافعی ہیں، وللہ الحمد۔

مفکر ملت کا جماعتی درد: ۱۹۴۷ء کے خونی انقلاب نے سارا ملکی ڈھانچہ درہم برہم کرکے رکھ دیا، ۱۹۴۸ء میں ملک زبردست بحران کا شکار تھا۔ ۱۹۴۹ء میں حالات کچھ اعتدال پر آئے تو موقع غنیمت سمجھتے ہوئے مفکر ملت مولانا عبدالجلیل رحمانی رحمہ نے سوچا کہ کانفرنس کی مجلس عاملہ کا اجلاس طلب کیا جائے تا کہ جماعت حرکت میں آئے، انہوں نے صدر کانفرنس مولانا عبدالوہاب آروی اور حاتم وقت حافظ حمیداللہ دہلوی رحمہا اللہ کے پاس خط لکھا جس کا مضمون یہ ہے:

''گرامی قدر حضرت مولانا عبدالوہاب صاحب آروی صدر مجلس عمل وعالی جناب حافظ حمیداللہ صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی!

میں اپنے گوناگوں مشاغل اور مصروفیات کی وجہ سے عرصہ ہوا کہ کوئی عریضہ آپ بزرگوں کو نہ لکھ سکا، جماعت کے جمود وتعطل اور تنزل وانحطاط کے موضوع پر پچھلے ہفتہ ایک مضمونچہ لکھنے کا اتفاق ہوا جو ندائے مدینہ کانپور مجریہ ۳۱؍جنوری ۱۹۴۹ء میں چھپ گیا ہے، جس کی حقیقت ''دعوت عمل'' اور کھلی چٹھی کی ہے، اب باقاعدہ مجلس عمل کو دعوت دی جارہی ہے کہ بدلی ہوئی فضا کے مدنظر حالات حاضرہ پر غور وفکر اور تجدید ملت اور احیائے دین کے سلسلہ میں کسی لائحہ عمل کی تعیین وتجویز کے لئے دارالعلوم (ششہنیاں) کی پرسکون فضا میں اجلاس کیجئے۔

شہری وقصباتی آبادی پر یاس وقنوط کا جو عالم طاری ہے اس کو دیکھتے ہوئے حالات کی نباضی اسی کو کہیں گے کہ دیہات کے کسی پرفضا و پرسکون مقام پر مجلس عمل کا اجلاس ہو''۔ (عبدالجلیل رحمانی، ۱۲فروری ۴۹ء)

آپ کی اس تحریک اور پیش کش کا نتیجہ یہ ہوا کہ جمعیت کے ذمہ داران کی دہلی میں فوری طوری پر ایک میٹنگ ہوئی اور مفکر ملت کے پیش کش کو قبول کرلیا گیا آخر مارچ ۱۹۴۹ء کو سرزمین دارالعلوم ششہنیاں (سدھارتھ نگر) میں مجلس عاملہ کی میٹنگ ہوئی، میٹنگ کی پوری کارروائی ''ندائے مدینہ'' کانپور کے شیخ الاسلام نمبر ۱۹۴۹ء میں شائع ہوئی۔

ایڈہاک کمیٹی کا انعقاد: آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کا جو دستور تھا وہ تقسیم ہند سے پہلے کا تھا، اب حالات بدل چکے تھے، نئے دستور کی ضرورت محسوس کی گئی، چنانچہ موجودہ حالات کو دیکھتے ہوئے نئے دستور سازی کے لئے جو ایڈہاک کمیٹی بنائی گئی وہ مندرجہ ذیل افراد پر مشتمل تھی۔

(۱) شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانی مبارکپوری (۲) شیخنا جامع المعقول والمنقول مولانا نذیر احمد رحمانی املوی (۳) مفکر ملت مولانا عبدالجلیل صاحب رحمانی (۴) مولانا محمد داؤد صاحب راز (۵) جناب بابو محمد شفیع مالیر کوٹلہ پنجاب۔ اس کمیٹی کے کنوینر مفکر ملت مولانا عبدالجلیل صاحب رحمانی قرار پائے۔

مذکورہ حضرات سے درخواست کی گئی کہ مارچ ۱۹۶۲ء تک اپنی رپورٹ پیش کردیں، ان بزرگوں نے اپنے وقت مقررہ پر دستور

مرتب کر کے صدر جمعیت مولانا عبدالوہاب صاحب آروی رحمہ اللہ کے حوالہ کردیا۔ (ماخوذ مفکر ملت ص: ۳۳۰)

مجلس عاملہ نے باتفاق رائے دستور کو منظور کرلیا، راستہ کی ایک رکاوٹ دور ہوئی، کیونکہ ہرادارہ کے لئے دستور ایک سنگ بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے، اب پورے ملک میں ممبر سازی شروع ہوگئی۔ مقامی، اور ضلعی اور صوبائی جمعیتوں کی تشکیل عمل میں آنے لگی اور پوری جماعت میں بیداری کی ایک لہر دوڑ گئی اور آہستہ آہستہ کانفرنس سے جماعت کا لگاؤ بڑھتا گیا، ایک وقت ایسا آیا کہ آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس نے مرکزی درسگاہ کے لئے آراضیات دینے کی افراد جماعت سے اپیل کی۔ مفکر ملت مولانا عبدالجلیل رحمانی لکھتے ہیں کہ:

''ایک وقت آیا کہ مرکزی درس گاہ کے لئے اراضیات دینے کی پیش کش ہونے لگی، اکبر پور (جمنی) ضلع بستی (سدھارتھ نگر) اور (انجمن) جامعہ رحمانیہ بنارس نے اراضیات کی پیش کش کی۔

میٹنگوں میں مرکزی عاملہ نے ان پیش کشوں پر غور کرکے بنارس کو ترجیح دیا، یہ ۱۹۵۷ء تا ۱۹۶۰ء کے درمیانی سالوں کی بات ہے یہاں تک کہ نومبر ۱۹۶۱ء میں اجلاس نوگڑھ منعقد ہوا، عمائدین بنارس کے قلوب میں اللہ نے حوصلہ دیا کہ مرکزی دارالعلوم کی زمین کی جو پیش کش کی گئی تھی اسے خود اپنے ہاتھوں آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کے زیر سرپرستی قائم کریں، اجلاس عام نوگڑھ کے نتیجے میں پوری جماعت میں نیا ولولہ پیدا ہوگیا تھا، آخر اعیان بنارس وعمائدین کانفرنس کی مشترکہ کوششوں سے مرکزی دارالعلوم قائم ہوگیا''۔

مفکر ملت کی مذکورہ عبارت ہمیں صاف بتارہی ہے کہ ۱۹۵۷ء تا ۱۹۶۰ء کے درمیانی سالوں میں جو بھی مجلس عاملہ کی میٹنگ ہوئی اس میں مرکزی دارالعلوم کے قیام کا مسئلہ آتا رہا اور لوگوں کا رجحان بنارس کی طرف برابر رہا یہاں تک کہ ۱۹۶۱ میں اجلاس عام نوگڑھ منعقد ہوگیا، لیکن عمائدین کانفرنس بنارس میں ابھی مرکزی دارالعلوم بنانے کا حتمی فیصلہ نہیں لے سکے تھے جس کی وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ حتمی فیصلہ کرنے کے بعد ضروری ہوجائے گا کہ کانفرنس اپنی نگرانی میں اس کی عمارت کی تعمیر کرائے، ساتھ ہی اس پر آنے والے اخراجات کا انتظام بھی کرے، لیکن اہل بنارس (یعنی کوٹھی والوں) نے یہ ذمہ داری لے لی کہ تعمیر کا کام ہم لوگ خود کریں گے لیکن کانفرنس کے زیر سرپرستی، مزید اس پر کوٹھی والوں نے یہ کیا کہ ایک لمبی رقم کی پیش کش کردی، اب تو عمائدین کانفرنس کی پریشانی ختم ہوگئی اور حتمی فیصلہ کردیا گیا کہ ''مرکزی دارالعلوم'' بنارس ہی میں بنے گا۔

اس کی تائید مولانا عبدالرؤف صاحب رحمانی جھنڈانگری کی مندرجہ ذیل تحریر سے بھی ہوتی ہے جسے آپ نے اپنے خطبہ استقبالیہ میں امیر جماعت مولانا عبدالوہاب صاحب آروی رحمہ اللہ کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا ہے، ملاحظہ فرمائیں:

''(۱) محترم صدر صاحب سے گزارش ہے کہ آئندہ نسلوں کے الحاد وارتداد کے تدارک کے لئے، شبینہ وصباحی مکاتب کے اجراء کے سلسلہ میں قوم کے نام روشن ہدایات فرمائیں۔

(۲) مکاتب ومدارس عربیہ میں، ہم آہنگی وتنظیم وتہذیب پیدا کیا جائے۔

(۳) ابتدائی درجات کے بچوں کے لئے ایک ایسا نصاب تعلیم مرتب کیا جائے کہ جس میں مذہبیات کے ساتھ تاریخ، حساب، جغرافیہ ودیگر عام معلومات پر مشتمل کتابوں کا بندوبست ہو۔

(۴) ایک دار المطالعہ اور دار التصنیف قائم کیا جائے جس میں صاحب ذوق ومنتخب اہل علم آزادی اور بے فکری سے قرآن کریم، سیرت پاک، اسوۂ صحابہ، تاریخ امم وملوک پر فراہم شدہ ذخیرہ کتب کا مطالعہ کریں۔

(۵) ایک ایسا مرکزی دار العلوم بھی قائم کیا جانا ضروری ہے جس کے تعلیم یافتہ افاضل ملک وملت کی ضرورت اور اس کی بہترین رہنمائی کی اہلیت وصلاحیت سے بہرہ ور ہوں، آج ملک کے طول وعرض میں باوجود مکاتب ومدارس کے جو قحط الرجال اور باصلاحیت علماء کا فقدان عام ہے اس کی ایک صحیح تصویر حالی مرحوم کے ایک بند سے نمایاں ہے۔ ؎

وہ علم شریعت کے ماہر کہاں ہیں
وہ اسرار دیں کے مبصر کہاں ہیں
محدث کہاں ہیں مفسر کہاں ہیں
اصولی کدھر ہیں مناظر کہاں ہیں
رہا کوئی ملت کا ملجا نہ ماوی
نہ قاضی نہ مفتی نہ صوفی نہ ملا

اگرچہ ملک کے مختلف حصص واطراف میں مدارس قائم ہیں۔ دار العلوم، جامعہ، دار الحدیث، مدینۃ العلوم اور اس سے اونچے اونچے نام والے مدرسے ہیں جو ایک خاص مدت میں جبہ ودستار وسند فضیلت بھی دیتے ہیں مگر استعداد وصلاحیت وکارکردگی وقابلیت کے اعتبار سے عموماً ہمارے طلبہ بہت کمزور رہ جاتے ہیں بقول مولانا حالی ؎

نہ حجت رسالت پہ لاسکتے ہیں وہ
نہ اسلام کا حق جتا سکتے ہیں وہ
نہ قرآں کی عظمت دکھا سکتے ہیں وہ
نہ حق کی حقیقت بتا سکتے ہیں وہ
نہ مطلب نگاری کا ان کو سلیقہ
نہ خدمت گزاری کا ان کو سلیقہ

اس لئے ایک ایسے مرکزی دار العلوم کی ضرورت ہے جہاں کہ تعلیم وتربیت سے طلبہ مزید اختصاص وامتیاز اور ایسے اوصاف حاصل کریں کہ ملک وملت کی خدمت ورہنمائی کے قابل بن سکیں، صدر محترم سے گزارش ہے کہ ایسے دار العلوم کے نصب وقیام کے مسئلہ پر ہر ممکن توجہ دے کر اس کے لئے عملی اقدام فرمائیں۔

(خطبۂ استقبالیہ اجلاس عام آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس منعقدہ ۱۹۶۱ء بمقام نوگڑھ)

جامعہ سلفیہ (مرکزی دار العلوم) بنارس نوگڑھ کانفرنس کی دین ہے، اس کے سلسلہ میں مشککین کے مزید اطمینان کے لئے مولانا

جھنڈانگری رحمہ اللہ کی ایک اور عبارت پیش کردینا مناسب سمجھتا ہوں۔

۱۹۹۸ء میں مولانا جھنڈانگری رحمہ اللہ سے جامعہ سلفیہ کے دارالضیافہ میں انٹرویو لیتے ہوئے میں نے ایک سوال یہ بھی کیا تھا کہ:
''بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس اس (نوگڑھ) کانفرنس کی دین ہے، تو کیا یہ صحیح ہے؟'' اس کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے فرمایا کہ ''ایک مرکزی دارالعلوم کے قیام کا خواب ہمارے اکابر بزرگوں نے دیکھا تھا اور اس کی شرمندۂ تعبیر ہونے کا تخیل اسی کانفرنس میں پیش کیا گیا تھا، میں نے خود اپنے خطبہ استقبالیہ میں اس کے فوری قیام پر کافی زور دیتے ہوئے لکھا تھا کہ:۔ اس کے بعد مولانا نے اپنے خطبہ استقبالیہ کی مذکورہ عبارت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ''میری اس گزارش کا یہ اثر ہوا کہ دوسرے دن نوگڑھ کانفرنس ہی میں جو میٹنگ ہوئی اس میں فوری طور پر ایک مرکزی درس گاہ کے قیام کی منظوری متفقہ طور پر ہوگئی، جو آج ہم لوگوں کی نظروں کے سامنے ہے، اللہ تعالیٰ ہماری اس مرکزی درس گاہ کو تابندہ و پائندہ رکھے، آمین۔ یہ انٹرویو ماہنامہ محدث بنارس ۱۹۹۹ء میں چھپ چکا ہے۔

اب ہماری جماعت کے بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ نوگڑھ کانفرنس کے وقوع سے پہلے مرکزی دارالعلوم بنارس کا نقشہ بن چکا تھا، مفکر ملت اور خطیب الاسلام رحمہما اللہ کی مذکورہ عبارت اس کی تردید کرتی ہے، واضح ہو کہ وہ نقشہ جو اہل بنارس (کوٹھی والے) نے منظوری سے پہلے بنوایا تھا وہ مرکزی جمعیت کے مرکزی دارالعلوم کا نہیں تھا بلکہ اس کے لئے پیش کش کی جانے والی زمین پر انجمن جامعہ رحمانیہ کی جانب سے ایک دینی ادارہ قائم کرنے کے لئے بنا تھا یعنی جامعہ رحمانیہ کی توسیع کا، اہل مدنپورہ کا یہ جامعہ رحمانیہ جگہ کے اعتبار سے بہت چھوٹی تھی، مشکل سے ۲۵۔۲۶ بیرونی بچوں کے رہنے کی گنجائش تھی، میں بھی اس جامعہ رحمانیہ کا ایک طالبعلم رہ چکا ہوں اس کی توسیع کے لئے یہ زمین کوٹھی والوں نے خریدا تھا، اللہ نے کوٹھی والوں کو دین و دنیا دونوں سے مالا مال کر رکھا تھا، یہی وجہ تھی کہ طلباء جامعہ رحمانیہ کو اپنے بچوں کی طرح سمجھتے تھے ان کے رہن سہن کھانے پینے اور جاڑے میں لباس تک کا انتظام کرتے تھے، اللہ تعالیٰ ان کی نیکیوں کو قبول فرمائیں آمین۔

ادھر جب آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس کی طرف سے مرکزی درس گاہ کے لئے آراضیات کی پیش کش ہوئی تو اہل مدنپورہ نے اس زمین کو کانفرنس کے سامنے پیش کردیا، مجھے یاد ہے نوگڑھ کانفرنس کے بعد جب حاجی محمد صدیق صاحب رحمہ اللہ کے گھر میں آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس کے مجلس عاملہ کی میٹنگ ہوئی تو اس میٹنگ میں مفکر ملت مولانا عبدالجلیل رحمانی رحمہ اللہ نے یہ کہا کہ جمعیت کو پیش کی گئی زمین ایک تالاب تھا جو کوڑا کرکٹ سے پاٹی گئی ہے، اس جگہ پر ادارہ بنانے میں بڑی لاگت لگے گی اس لئے میری رائے یہ ہے کہ اس کو ادارہ کی آمدنی کے لئے بازار بنادیا جائے اور مرکزی دارالعلوم کے لئے شہر بنارس سے باہر آبادی سے دور زمین خرید کر ادارہ بنایا جائے، مفکر ملت کی اس رائے کے بعد رئیس بنارس مولانا عبدالمتین صاحب رحمہ اللہ اٹھ کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ ہم لوگوں نے اس زمین کو آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کو دے دیا ہے اب اس کی مرکزی عاملہ جیسا مناسب سمجھے کرے ہم لوگوں کو کوئی اعتراض نہیں لیکن میرے بڑے بھائی (یعنی مولانا عبدالاحد مرحوم) کی خواہش تھی کہ اس زمین پر ہم کتاب وسنت کا بازار لگائیں گے، رئیس بنارس مولانا عبدالمتین رحمہ اللہ کے مذکورہ جملے کہنے کے بعد صدر مجلس مولانا عبدالوہاب آروی رحمہ اللہ نے فرمایا: ان شاء اللہ اس زمین پر ہم

کتاب وسنت ہی کا بازار لگائیں گے، آگے چل کر اگر اللہ نے توفیق بخشی تو باہر زمین خرید کر کچھ شعبے وہاں قائم کریں گے، صدر مجلس کی بات کو سن کر سب لوگوں نے متفقہ طور پاس کر دیا پھر آگے کارروائی شروع ہوئی۔

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی نظامت: مولانا عبدالجلیل رحمانی رحمہ اللہ کی نظامت کا دور بہت پر آشوب تھا، ۱۹۴۷ء کے فسادات میں دہلی کے مسلمانوں پر جو گزری اس کو وہی جانتے ہیں، حال یہ تھا کہ محلہ کے اندر کوئی مسلمان دکھائی پڑتا تو ہر جانب سے آواز آنے لگتی کہ ارے محلہ میں مسلمان دکھائی دے رہا ہے، ایسے پر خطر دور میں آپ کو مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کا ناظم اعلیٰ بنایا گیا، مولانا رحمانی لکھتے ہیں کہ:

''۱۹۵۶ء میں میری رائے لئے بغیر نظامت کے لئے میری نامزدگی عمل میں آئی، چارو نا چار کام شروع کیا مگر ۱۹۵۸ء میں مستعفی ہو کر مکان پر بیٹھ گیا اور کانفرنس میں روح پھونکنے کے لئے کوئی اور ہی تدبیر نکالنے کی سوجھی، آخر رفقاء جمعیت بستی و گونڈہ کو آمادہ کیا کہ اجلاس عام کی دعوت دیں مگر میرا نام سامنے نہ آئے، مرکزی عاملہ میں دعوت نامہ پیش ہو کر پاس ہوا، منظوری ملتے ہی ارکان جمعیت بستی و گونڈہ سرگرم عمل ہو گئے، مجھے استقبالیہ کا سکریٹری منتخب کیا گیا، اعلان شائع ہونے کے بعد خدا جانے مرکزی جمعیت کو کیا تشویش لاحق ہوئی کہ میرا استعفیٰ جو آفس میں پڑا تھا اسے واپس لینے پر مجھے مجبور کیا جانے لگا، مگر میں راضی نہ ہوا، دوبارہ جے نگرا گونڈا کی ایک میٹنگ میں موصوف اور صدر محترم مولانا آروی صاحب تشریف لائے تو میں نے اپنا استعفیٰ واپس لے لیا، ترجمان کی ایک اشاعت میں محترم مولانا راز صاحب نے بڑا پرزور اداریہ لکھا اور پوری جماعت کو میرے استعفیٰ واپس لینے کی خوشخبری سنائی، یہ اجلاس عام سے پہلے کی بات ہے، اجلاس عام نوگڑھ جیسا کچھ ہوا اخوان جماعت کو معلوم ہے اس پر مجھے نہیں تو میرے رفقاء کو اعزازی تمغہ ملنا چاہیے، مگر جو دیا گیا اس کا ذکر بڑا تلخ ہے، اجلاس عام کے موقع پر عاملہ میں کچھ ردوقدح اور خلفشار پیدا ہو گیا تھا، اس لئے مجھے صلہ یہ ملا کہ نظامت کا دروازہ مجھ پر بند کرنے کی تدبیر ہونے لگی، حالانکہ میں نے نہ کبھی اس کی خواہش کی اور نہ طالب ہوا، اجلاس عام کے موقع پر دستور میں مناسب ترمیم کے لئے دستور ساز کمیٹی بنائی گئی، دستور ساز کمیٹی کا میں ایک رکن تھا، اس لئے کانفرنس سے بھاگتا کہاں اور کانفرنس بھی کہاں بھاگتی۔ ۱۹۶۴ء (اجلاس عام کے بعد) میٹنگ ہوئی، میں نے دستور مرتب کر کے عاملہ کے سامنے پیش کیا، اس میں پانچ سالہ انتخاب اور انتخاب کا ضابطہ تھا اس لئے خطرہ تھا کہ رد نہ کر دیا جائے، مگر حالات ایسے ہو چکے تھے کہ رد کرنا آسان نہ تھا، میں اجلاس عام سے قبل اپنا استعفیٰ واپس لے چکا تھا، مگر صدر محترم کی طرف سے رولنگ دی گئی کہ میں میٹنگ میں بیٹھ تو سکتا ہوں مگر رائے نہیں دے سکتا، ۱۹۶۲ء میں میں نے مکرر استعفیٰ دیا جو منظور کیا گیا، ادھر خوشی اس بات کی تھی کہ دستور منظور ہو گیا، اور ممبر سازی، جمعیت سازی وانتخاب مرکزی عہدیداران کے وقت کی تجدید بھی کرائی گئی، جماعت کی زندگی میں پہلی بار ایسا دستور ملا، دستور کی روشنی میں ریاستی جمعیتوں نے بند لفافہ میں اپنی رائیں بھیجیں، مگر کئی سال تک نتیجے کا اعلان نہیں کیا گیا، شدہ شدہ ۱۹۶۶ء میں مرکزی دارالعلوم کی افتتاحی تقریب منعقد ہوئی حالات ایسے پیدا ہو گئے تھے کہ مرکزی عاملہ کی میٹنگ اور انتخاب کا اعلان ناگزیر تھا، آخر عاملہ کی میٹنگ بیٹھی اور صدر اجلاس اور صدر عاملہ کی اصطلاح وضع کی گئی۔ ریاستی جمعیتوں کی رایوں کو نظر انداز کر کے عاملہ کو اختیار نہ تھا کہ انتخاب کا فیصلہ کرتی مگر جماعت کے سر فیصلہ مڈھ دیا گیا تعجب ہے کہ میٹنگ میں کوئی معترض نہ ہوا، میں میٹنگ میں موجود نہ تھا میری مرضی معلوم کئے

بغیر پھر مجھے نظامت کے لئے نامزد کر دیا گیا، ممبران کانفرنس تو ہوائی جہاز سے اڑ کر دہلی، مدراس چلے گئے میری فریاد کون سنتا آخر کانفرنس کی گاڑی گھسیٹنے لگا، ۱۹۶۶ء سے لے کر ۱۹۷۱ء تک کانفرنس کا جوا میری گردن پر رہا، ایک بڑا مسئلہ مرکزی دفتر کی بلڈنگ کا تھا جب یہ حل نہیں ہوا تو مجھے اپنی نظامت کے ناکامیاب ہوجانے کا اعلان کر دینے میں کوئی جھجک نہیں ہوئی، پانچ سال کی اس مدت (۱۹۶۶ تا ۱۹۷۱) میں مرکزی دارالعلوم کے تعمیری امور کے لئے دولاکھ روپے کی ضرورت تھی جو بحمد للہ مخلصین بنارس اور عمائدین کانفرنس کی مشترکہ جدوجہد سے فراہم ہوگیا اور جماعت کو اس مرکزی دارالعلوم کی ضرورت تھی قائم ہوگیا'' (اخبار اہل حدیث دہلی، ۷ رستمبر ۱۹۷۴ء)

۱۹۵۶ء لغائت ۱۹۷۱ء علامہ آروی اور میری نظامت کا پرآشوب دور ہے، اس مدت میں ۱۹۵۸ء میں جماعت کو چمن اسلام دیا گیا، مکتبہ جاری تھا، اخبار وقت پر نکلتا رہا۔

اپنے طویل مشاہدات وتجربات اور گہرے احساسات کے تحت آگرہ کی میٹنگ ۱۹۷۱ء میں اپنی علیحدگی کا میں نے فیصلہ کیا، دہلی، بنارس، آگرہ، راجستھان وغیرہ اراکین وخواص مدعوئین سے ہاؤس بھرا ہوا تھا، ہاؤس کے متفقہ اور شدید اصرار کے باوجود میں نے جو فیصلہ کیا تھا، اس پر قائم رہا، صرف تین ماہ کا وقت دیا تاکہ دستور میں انتخاب کی راہ آسان کرنے کی تدبیر کروں، اللہ کا احسان ہے کہ اگست وستمبر ۱۹۷۱ء میں گلوخلاصی ہوگئی۔ (حوالہ مذکورہ)

تصنیفی خدمات: مولانا کی ذات گرامی بیک وقت مدرس، مصنف، مفسر، مقرر، مدبر، مفکر اور ایک اچھے قلمکار کی تھی، اللہ نے آپ کو مذکورہ تمام صفات سے متصف کر رکھا تھا، لیکن آپ نے ایسے وقت میں آنکھیں کھولیں کہ جس وقت جماعت اہل حدیث تقریباً ناپید ہوچکی تھی جسے منظم کرنے اور ازسرنو وجود بخشنے میں آپ نے اپنی پوری قوت صرف کر دی، جس کی وجہ سے تصنیف وتدریس وغیرہ کا موقع بہت کم ملا پھر بھی چند کتابیں تصنیف کی ہیں۔

بیماری ووفات: مولانا نے بڑ پور چوراہے والی مسجد میں خطبہ دیا پھر گھر آئے معدہ میں کچھ گرانی محسوس ہوئی اور درد بڑھتا گیا ممکن حد تک علاج ہوتا رہا لیکن یہ مرض جان لیوا ثابت ہوا، ۱۷، فروری ۱۹۸۶ء یوم دوشنبہ بوقت دو بجے دن آپ اس دنیا سے رخصت ہوگئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ آپ نے اپنے پیچھے چار لڑکے، دو لڑکیاں اور ایک بیوہ چھوڑی ہے، سب بحمد للہ بقید حیات ہیں، اور تمام لڑکے اونچی اونچی شہادت اور اعلیٰ ڈگریوں کے حامل ہیں، سب مرفہ الحال اور خوش حال ہیں، اللہ تعالیٰ سب کو صبر کی توفیق بخشے، آمین۔

(محدث بنارس، اپریل ۲۰۱۶ء)



نوٹ: مولانا عبدالجلیل رحمانی رحمہ اللہ کی سوانح کے لئے مولانا مطیع اللہ سلفی کی تالیف کردہ کتاب ''مفکر ملت مولانا عبدالجلیل رحمانی'' کا مطالعہ کریں۔

خودنوشت

کچھ اپنی بابت

مولانا عبدالمبین منظر، سمرا سدھارتھ نگر

۱۹۲۰ء........۱۹۸۹ء

مولانا عبدالمبین منظر رحمہ اللہ

ان گنت و بے شمار حمد وثنا اس ذات بے ہمتا کے لئے جو ساری کائنات کا خالق و مالک اور مربی و منعم ہے اور لاکھو لاکھ درود وسلام اس پاک رسول پر جو عاصیوں کا شفیع و محسن اور جملہ انبیاء و مرسلین کا سردار و خاتم ہے۔ مہر وکرم اس رب العالمین کا جس نے اپنے محبوب کے ذریعہ ہمیں کفر وضلالت کی گھنگھور گھٹا اور شرک و بت پرستی کے قعر عمیق سے نکال کر توحید وسنت کے شاہراہ پر گامزن فرمایا۔

سیرت پاک کے مبارک موضوع اور اس پر مقدمہ سے قبل میرا اپنا تذکرہ اس لائق تو نہیں کہ اسے صفحۂ قرطاس پر لایا جائے لیکن صرف اس لئے کہ لوگ مؤلف کے حالات وسوانح کا جاننا بہتر سمجھتے ہیں اور اس خیال سے بھی کہ شاید سیرت شفیع المذنبین کے ساتھ اس عاصی و مذنب کا ذکر آ جانا سعادت و مغفرت کا باعث ہو اور ایک بے ثبات کو اس ذکر سے ثبات و دوام حاصل ہو جائے، اپنی مختصر حالات قلمبند کر رہا ہوں۔

نسب نامہ وحالات: میرا نسب جہاں تک معلوم ہوسکا اس طرح ہے: عبدالمبین بن محمد فاضل بن ضیاء اللہ بن روشن خاں ساکن امارے ڈیہہ، میرے والد کا مولد ضلع بستی تحصیل ڈومریا گنج کا ایک چھوٹا سا گاؤں امارے ڈیہہ ہے۔ یہ موضع ڈومریا گنج سے تقریباً ۱۲ کلومیٹر پر کہنڈا کے پاس جنوب مشرق میں واقع ہے۔

میرے والد صاحب فطری طور پر دین پسند اور توحید وسنت کی طرف راغب تھے لیکن ان کا گھرانہ اور پورا خاندان بریلوی مشرب رکھتا تھا، اس لئے مجبور ہو کر بخیال ہجرت سمرا چلے آئے۔ یہی سمرا میرا مولد و مسکن ہے اور تاریخ ولادت تخمیناً ۱۳۳۸ھ مطابق ۱۹۲۰ء ہے۔

یہ سمرا تحصیل ڈومریا گنج میں بڑھنی اسٹیشن سے دکھن ۱۲ کلومیٹر پر علمی اعتبار سے ایک شاداب مقام ہے۔ والد صاحب نے یہاں آ کر کچھ پڑھا لکھا اور اچھے لوگوں کی صحبت پائی تو شعوری طور پر مسلک کتاب وسنت سے وابستہ ہو گئے۔ امارے ڈیہہ میں ان کی کاشتکاری لمبی تھی لیکن توحید سے لگاؤ اور شرک وبدعت سے نفرت کے سبب اسے چھوڑ کر سمرا کی معمولی سی زراعت پر قناعت کر لیا۔ اکل حلال اور تقویٰ وطہارت ان کا اوڑھنا بچھونا تھا، اسی وجہ سے علاقہ کے ہندو مسلمان سب ان کی عزت کرتے اور ادب سے پیش آتے تھے۔

مولانا اللہ بخشؒ سے بیعت: سمرا اور اس کے قرب وجوار میں عارف باللہ حضرت مولانا اللہ بخش بسکوہری مرحوم کی سیرت

وکردار کا بڑا چرچا تھا، اس علاقہ میں انہیں کی سعی وجہد سے شرک وبدعت کا قلع قمع ہوا اور لوگ تقلید جامد سے الگ ہو کر حق پرستی اور توحید خالص کی طرف مائل ہوئے۔

سمرا میں والد صاحب کے ساتھ بزرگوں کی ایک جماعت دینداری و پرہیزگاری میں ضرب المثل تھی، وہ سب مل کر مولانا اللہ بخش مرحوم سے بیعت ہو گئے۔ موصوف خالصۃ لوجہ اللہ دین کی تبلیغ واشاعت میں لگے رہتے، جس طرح خود کتاب وسنت کے عملی نمونہ تھے دوسروں کو بھی اسی طرح دیکھنا چاہتے تھے، خود اکل حلال کے اتنے پابند تھے کہ دورے پر نکلتے تو نمک روٹی ساتھ رکھتے اور پورے علاقے میں چند مخصوص لوگوں کے سوا کسی کے یہاں لقمہ بھی نہیں اٹھاتے۔ البتہ سمرا تشریف لاتے تو والد صاحب کے ساتھ کھانا تناول کر لیتے، باقی گاؤں کے زمینداروں اور اصحاب ثروت کے یہاں قیام وطعام سے احتراز فرماتے۔

میری والدہ مقیمہ بنت شمشیر علی خاں کا مولد ومسکن یہی سمرا تھا، وہ بھی بحمد اللہ نہایت ہی نیک طینت اور تقویٰ شعار تھیں، تنگدستی وافلاس کی حالت میں صابروشاکر رہتے ہوئے گھر میں انتہائی محنت کا کام کرتیں اور ہمیشہ بچوں کی تعلیم وتربیت میں لگی رہتیں اور پھر تلاوت قرآن اور اوراد وظائف کا مشغلہ جاری رکھتیں۔

میری تعلیم کا آغاز: میری ابتدائی تعلیم والدین کے گود سے شروع ہوئی، میری عمر تین سال سے کچھ آگے بڑھی تو والد صاحب نے غالباً ۱۹۲۴ء میں سمرا کے مقامی مکتب میں بٹھا دیا، میرے الف، ب کے اولین استاذ حضرت مولانا عبدالرزاق صاحب سمراوی مرحوم ہیں جو اپنے وقت کے ایک جید عالم اور فصیح وبلیغ متکلم تھے، ان کے بعد علی الترتیب مولانا عبدالمجید صاحب یوسف پوری، میاں شمس اللہ صاحب اکرہروی، مولوی محمد اسحق صاحب سمراوی اور میرے ماموں جناب مولوی محمد علی صاحب مرحوم نے قرآن ناظرہ کچھ اردو اور ابتدائی فارسی کی تعلیم دی۔

والدین کا انتقال: ابھی میں پانچ یا چھ برس کا تھا کہ والد صاحب کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ والدہ مکرمہ باحیات تھیں، انہوں نے کچھ دنوں کے بعد ۸ یا ۹ سال کی عمر میں مجھے میرے بھائی مولانا محمد خاں صاحب رحمانی کے ہمراہ مدرسہ سراج العلوم جھنڈا نگر بھیج دیا۔ میں اپنے بھائی بہنوں میں سب سے چھوٹا تھا اس لئے والدہ صاحبہ شفقت کی نظر زیادہ رکھتیں اور حصول علم کے لئے بڑی دعائیں دیتیں۔ لیکن وہ بھی والد صاحب کے تین یا چار سال کے بعد داغ مفارقت دے گئیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ان کی لغزشوں کو معاف فرما کر جنت الفردوس کی لازوال نعمتوں سے نوازے، رب ارحمھما کما ربیانی صغیرا۔ آمین یا رب العالمین۔

اساتذہ جھنڈا نگر: جھنڈا نگر کے اساتذہ میں فاضل ادب حضرت علامہ عبدالغفور صاحب بسکوہریؒ، حضرت مولانا محمد زماں صاحب رحمانیؒ اور حضرت مولانا زین اللہ صاحب طیب پوریؒ وغیرہم تھے، اس وقت علامہ بسکوہری مرحوم کے شباب کا زمانہ تھا، اسباق بہت جم کر پڑھاتے، فارسی کے درس میں میرے کل ۱۶ ساتھی تھے، اللہ کا فضل رہا کہ ان سب میں میرا سبق سب سے زیادہ یاد رہتا اس لئے مجھے تیز وخاں کہہ کر پکارتے، آپ کی زبان وبیان اور وعظ وتقریر میں ایسی حلاوت ولطافت پائی جاتی تھی جو دوسروں میں بہت کم نظر آتی۔

یوں مجھے حضرت مولانا محمد زماں صاحب رحمانیؒ سے استفادہ کا موقع زیادہ ملا، بڑی محنت وعرق ریزی سے پڑھاتے اور تربیت کا خاص خیال رکھتے، آخر میں مجھ پر زمانہ طالب علمی کی دولغزشوں سے سخت ناراض تھے، لیکن جب میری تصنیف خالد بن ولید اور سبیل الرشاد نظر سے گزری تو ایک ملاقات میں فرمایا کہ میں نے تمہاری یہ دونوں کتابیں دیکھ کر تمہاری دونوں غلطیوں کو معاف کر دیا۔ (**اللھم اعف عنه کما عفا عنی**)

دو بزرگوں کی یاد: جھنڈانگر کے تعلیمی دور میں ماہر فرائض حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب بجواویؒ اور پیکر زہد وورع جناب میاں محمد زکریا صاحب بیت ناریؒ بھی درس وتدریس کے فرائض انجام دیتے تھے اگرچہ ان دونوں بزرگوں کے پاس میرا کوئی سبق نہ تھا لیکن ان کی تربیت اور فیض صحبت سے برابر فائدہ اٹھاتا، رہا یہ دونوں بزرگ سادگی وتقدس میں اپنی مثال آپ تھے۔ آہ اب وہ صورتیں جنہیں دیکھ کر خدا یاد آجائے کہاں نظر آئیں گی۔

آنکھیں ہیں آج ان کے تصور میں اشکبار
جن کے وجود سے یہ فضا مشکبار تھی

جھنڈانگر سے دہلی: جھنڈانگر میں مسلسل چار سال کی مدت گزر گئی تو طلبہ کی عادت کے مطابق ثم خیرا کی بیماری لگی، اور اسے خیر باد کہہ کر دہلی چلا گیا اس وقت رحمانیہ میں داخلہ کی میعاد ختم ہو چکی تھی اس لئے ایک رفیق کی کوشش سے مدرسہ میاں صاحب میں داخلہ لے لیا وہاں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب پرتا بگڈھیؒ اور مولانا عبیداللہ صاحب ٹونکیؒ وغیرھم سے کسب فیض کرتے ہوئے روزانہ مدرسہ صدیقیہ اور فتح پوری میں بھی حاضری دیتا اور مختصر المعانی وہدیہ سعیدیہ وہیں پڑھا کرتا تھا۔

اس وقت خطیب الہند حضرت مولانا محمد صاحب جونا گڈھیؒ اور ان کے بعد استاذی مولانا محمد یونس صاحب کی تقاریر اور خطبوں کا بڑا شہرہ تھا، میں یکے بعد دیگرے دونوں بزرگوں کے بیانات سے حظ اٹھاتا رہا۔ اسی زمانہ میں مولانا عبدالحنان صاحب بہاریؒ مدیر اہلحدیث گزٹ کی جادو بیانی بھی دیکھی اور یہ بھی دیکھا کہ وہ جماعت کے مشہور افاضل وشیوخ سے کس طرح کٹے کٹے رہتے ہیں۔

دہلی میں اس وقت جماعت اہل حدیث اور غربائے اہل حدیث کا بعض مسائل میں اختلاف اور دیوبندی وبریلوی علماء کی تکفیر بازی کی شدت بھی دیکھی۔ اسی طرح آریوں مرزائیوں کے جلسے اور مناظرے بھی دیکھے، میں حق کی جستجو اور تحقیق حق کے لئے سب کے یہاں جاتا اور سب کو سنتا رہا۔

مری زندگی مسلسل اسی کشمکش میں گزری
کبھی سوئے برق دیکھا کبھی سوئے آشیانہ

شیخ الحدیث مولانا شرف الدینؒ سے ملاقات: ایک دن بغرض استفادہ شیخ الحدیث حضرت مولانا شرف الدین رحمہ اللہ کے پاس مدرسہ سعیدیہ پل بنگش گیا۔ حضرت شیخ نے امتحاناً مشکوۃ شریف سے حدیث استسقاء کی عبارت پڑھوائی، عبارت تو میں نے پڑھ دی لیکن ترجمہ کا حق ادا نہیں کرسکا۔ حضرت شیخ نے فرمایا یہ لڑکا عبارت بہت صاف پڑھتا ہے اس لئے جماعت خامسہ میں استفادہ

کر سکتا ہے لیکن افسوس کہ دوبارہ خدمت میں حاضری نہیں دے سکا ۔

بہارِ غنچۂ وگل دیکھ کر چلا آیا
اگر چمن میں ٹھہرتا تو کیا سے کیا ہوتا

عبدالمبین نام پر نکیر: مدرسہ میاں صاحب میں داخلہ لینے کے بعد کتاب شرح عقائد حاصل کرنے کے لئے ایک دن شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالسلام صاحب بستویؒ کے پاس حاجی علی جان پہنچا، آپ نے میرا نام عبدالمبین سنا تو فرمایا۔ مبین اسمائے حسنیٰ میں سے نہیں ہے، لہٰذا اسے بدل کر اپنا نام عبدالمتین رکھ لو۔ اگرچہ تحقیق وتدریس میں حضرت شیخ کا ابھی وہ مقام نہیں تھا جو بعد میں ہوا لیکن آپ کی علومکانی کے سبب میں نے حکم کی تعمیل کر لی۔ اور تحقیق وجستجو میں لگا رہا، بالآخر ابن ماجہ شریف پڑھتے وقت لفظ مبین اسمائے حسنیٰ میں مل گیا تو والدین کا رکھا ہوا نام پھر سے اپنالیا۔ اس کے بعد مزید مطالعہ سے معلوم ہوا کہ اسمائے حسنیٰ کے متخرجین سات ائمہ حدیث ہیں، ان میں امام ترمذی کے علاوہ سب نے مبین کو اسمائے حسنی میں شمار کیا ہے، میں نے مولانا موصوف سے ایک مدت کے بعد اس کا ذکر کیا تو تسلیم فرمالیا فللہ الحمد۔

ایک آریہ کے سوال کا جواب: ایک دن کا ذکر ہے کہ دہلی کمپنی باغ میں ہمارے مدرسہ کے طلبہ کچھ دینی مسائل چھیڑے ہوئے تھے اتنے میں ایک آریہ آیا اور بولا، آپ لوگ خدا کا کلام قدیم مانتے ہو اور یہ بھی مانتے ہو کہ ایک وقت ایسا بھی گزرا ہے کہ اللہ موجود تھا اور اس کے ساتھ کوئی چیز نہ تھی؟ سب نے اسکا جواب اثبات میں دیا اس نے کہا تمہارا خدا فرماتا ہے "لیس کمثلہ شئی" اس کے مثل کوئی چیز نہیں ہے تو سوال یہ ہے کہ مخلوق کے وجود میں آنے سے پہلے جب خدا کے ساتھ کوئی چیز نہ تھی تو اس نے کس کے مقابلے میں کہا کہ میرے مثل کوئی چیز نہیں، مثالی مقابلہ تو اس وقت صحیح ہوسکتا ہے جب کہ سامنے دوسری چیز موجود ہو۔

اس اعتراض سے اس کا مقصد یہ تھا کہ آریوں کا عقیدہ روح ومادہ کے قدیم ہونے کا صحیح ہے اور مسلمانوں کا یہ عقیدہ کہ مخلوق کی پیدائش سے پہلے خالق کے سوا کوئی چیز نہ تھی غلط ہے۔ تمام طلبہ اس کے سوال سے حیران رہے، کوئی کچھ کہتا اور کوئی کچھ بتاتا مگر جواب فٹ نہ ہوتا، میں نے کہا اس کا جواب میں دیتا ہوں، بولا سب لوگ خاموش ہوجاؤ اور ان کا جواب سن لو۔ میں نے کہا یہ ہمارے اور تمہارے نزدیک مسلم ہے کہ اللہ اس ذات واجب الوجود کو کہتے ہیں جو تمام صفتہائے کمال کا جامع ہو ورنہ نقص لازم آئے گا، پس اس کی صفت کمال میں سے یہ بھی ہے کہ جو چیز ابھی وجود میں نہیں آئی ہے اسے بھی موجود ہی کی طرح دیکھے جیسے ہم اپنا گھر اپنی بستی جو یہاں موجود نہیں ہے دل کے آئینے میں دیکھ رہے ہیں، علاوہ ازیں واجب الوجود اور خالق بہرحال اپنی مخلوق سے افضل اور بے مثل ہوگا، پس ہرصورت میں مثلیت باطل اور لیس کمثلہٖ شئی کا معاملہ صحیح ہوگا۔ یہ جواب سن کر آریہ دم بخود اور متحیر ہوگیا اور اس سے کوئی بات بن نہ آئی۔

ہمارے ساتھی طلبہ مدرسہ پر پہنچے تو اس سوال وجواب کا بڑا چرچا کیا، استاذی شیخ الحدیث مولانا محمد یونسؒ صاحب نے سنا تو ہمت افزائی کے کلمات کہے اور مدرسہ کے مہتمم صاحب نے بھی اپنے گھر بلا کر بہت اکرام فرمایا۔

شاعری کا ذوق: وہیں دہلی میں رہبرؔ صاحب پرتاپگڈھی کی صحبت میں شاعری کا ذوق پیدا ہوا، میرا تخلص منظرؔ انہیں کا تجویز کردہ ہے، میری ایک نظم ۔ مسلماں ہے تو دل میں عظمتِ قرآن پیدا کر۔ کی اصلاح کے لئے حیدرؔ صاحب دہلوی کے پاس لے گئے،

نظم میں خامیاں بہت تھیں اس لئے میں نے حیدؔر صاحب پر ظاہر نہیں کیا کہ یہ نظم میری کہی ہوئی ہے، پھر بھی سیاق وسباق سے انہوں نے سمجھ لیا اور رہبر صاحب کے کہنے سے اصلاح کردی اس کے بعد میں نے کئی نظمیں کہیں لیکن اصلاح کے لئے کبھی نہیں جاسکا۔

مہتمم صاحب رحمانیہ دہلی کا انتقال پر ملال: جس سال میں دہلی گیا شیخ الحدیث مولانا احمد اللہ صاحبؒ دارالحدیث رحمانیہ سے جدا ہوکر مدرسہ زبیدیہ میں آچکے تھے۔ دارالحدیث رحمانیہ کے مہتمم جناب شیخ عطاء الرحمن صاحبؒ اور اہل حدیث کانفرنس کے سرپرست جناب حافظ حمید اللہ صاحبؒ کی دینی خدمات کا بڑا شہرہ تھا اسی لئے دونوں حضرات کے دیکھنے کی تمنا تھی، جناب حافظ حمید اللہ صاحبؒ کو دور ہی دور سے دیکھا، وہ ترمذی کی شرح تحفۃ الاحوذی مفت تقسیم کرتے تھے لیکن میں صغرسنی کی وجہ سے مانگنے کی ہمت نہیں کرسکا۔ البتہ شیخ عطاء الرحمن صاحب سے اکثر ملاقات ہوتی رہی اس لئے کہ مغرب وفجر کی نماز وہ اکثر مدرسہ میاں صاحب ہی کی مسجد میں پڑھتے تھے، اللہ کی مشیت کہ اس کے دوسرے ہی سال اللہ کی جانب سے موصوف ممدوح کا بلاوا آپہنچا۔ ان کے انتقال کی خبر دہلی میں بجلی کی طرح پھیل گئی، بے شمار لوگ جنازہ میں حاضر ہوئے خاکسار بھی شریک جنازہ تھا۔ خطیب الہند حضرت مولانا محمد صاحب جونا گڈھی رحمۃ اللہ علیہ نے کئی دفعہ جنازے کی نماز پڑھائی، پہلی دفعہ جو لوگ نہیں پہنچ سکے تھے وہ بیس پچیس اور پچاس کی تعداد میں باری باری آتے رہے اور حضرت مولانا بار بار جنازے کی امامت فرماتے رہے۔

عشق تھا دل میں تیری جذبات سے
اس لئے ہم بار بار آیا کئے

جھنڈانگر میں دوبارہ داخلہ: دہلی میں میرے اکتساب فیض کا دوسرا سال تھا کہ میرے برادر محترم مولانا محمد خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو والدین کی رحلت کے بعد میرے مربی وسرپرست تھے، سخت علیل ہوگئے اسلئے دہلی چھوڑ کر پھر مجھے جھنڈانگر آنا پڑا، اسی سال خطیب الہند ثم خطیب الاسلام مولانا عبدالرؤف خاں صاحب رحمانؔی حفظہ اللہ سے تلمذ حاصل ہوا، مجھے یاد آتا ہے کہ حدیث میں ابوداؤد وترمذی، منطق میں سلم العلوم اور اصول فقہ میں نورالانوار وغیرہ کتابیں میں نے آپ ہی سے پڑھی ہیں اور اس سال جھنڈا نگر میں مجھ سے اونچی جماعت کا طالب علم کوئی نہ تھا۔

بانی مدرسہ کی یاد: شیخنا العلام مولانا جھنڈانگری صاحب بانی مدرسہ حضرت الحاج نعمت اللہ خاں صاحب رئیس کُدربٹوا کے فرزندارجمند ہیں، حاجی صاحب موصوف کو اللہ تعالی نے دولتِ دنیا کیساتھ دولت عقبیٰ سے بھی سرفراز فرمایا تھا۔ مدرسہ کی نظامت وسرپرستی، شب بیداری وسحرخیزی، طلبہ واساتذہ کی خدمت، مہمانوں ومسافروں کی ضیافت اور غرباء ومساکین کی اعانت ومساعدت ان کا محبوب مشغلہ تھا، سراج العلوم کے لئے خود جان ومال سے وقف تھے اور اپنے لخت جگر مولانا جھنڈانگری کو بھی اسکے واسطے وقف کردیا تھا۔ ان کی تہجد گزاری اور دعاؤں کی برکت تھی کہ مولانا کو جو مقام اللہ نے عطا فرمایا وہ شاذ ونادر ہی کسی کو ملتا ہے، ہند ونیپال میں آپ آفتاب وماہتاب ہوکر چمکے، کوئی کانفرنس اور کوئی جلسہ آپ کے بغیر رونق پذیر نہیں ہوتا تھا، اس وقت نیپال کی طرف سے رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کے رکن رکین ہیں اور سراج العلوم آپ کے خدمات جلیلہ کے سبب نیپال کا تاج محل کہلانے کا مستحق ہے۔

برادر معظم کا انتقال پر ملال: برادر معظم حضرت مولانا محمد خان صاحب رحمانی کی علالت ہی نے مجھے اس سال جھنڈا نگر رہنے پر مجبور کیا تھا، ان کی تکلیف اور شدت کرب کو دیکھ کر میں کبھی دوڑا ہوا گھر جاتا تو کبھی مدرسہ پر آتا وہ تو خود صابر و شاکر تھے، سمجھاتے اور اپنے کمسن بچوں کو بھی صبر کی تلقین فرماتے لیکن میں اپنے شفیق بھائی کی جدائی اور اپنی تنہائی کو یاد کر کے ہر گھڑی بے چین و بے قرار رہتا بالآخر اسی کرب واضطراب میں کئی ماہ کی شدید علالت کے بعد ۱۱ر محرم الحرام ۱۳۵۹ھ کو ہمیں داغ مفارقت دے گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

آپ کے سفر آخرت کے بعد میرا گھر اجڑ گیا، میں تنہا تھا اور بھائی مرحوم کے یتیم بچے جن کی دیکھ ریکھ کرنے والا ان کی بیوہ کے سوا کوئی نہ تھا ان کے غمِ فراق میں جو مرثیہ میں نے اس وقت لکھا تھا اس کے چند اشعار پیش خدمت ہیں۔

زندہ دل صاحب تقویٰ تھے میرے بھائی جان
حرف نہ آنے دیا دین پہ حتیٰ الامکان
مرض دق میں پریشاں رہے برسوں لیکن
ہاتھ پھیلایا نہ غیرت سے کہیں بھی اک دن
دیں کی تبلیغ علاقے میں جو کرتے تھے عظیم
بخشے اللہ انہیں اجر میں جنات نعیم
یا الٰہی تو لحد ان کی منور کردے
باغ فردوس کی خوشبو سے معطر کردے
ان کا احساں دل محزوں کو رُلاتا ہے بہت
حال غم ان کا ہمیں اب بھی ستاتا ہے بہت
غمِ فرقت میں تڑپتا ہی ہمیں چھوڑ گئے
یاد فردوس میں دنیا سے وہ رُخ موڑ گئے
لوگ کہتے ہیں کرو صبر جنابِ منظرؔ
صبر برحق ہے مگر اشک ہے بہتا ترتر

جامعہ رحمانیہ بنارس میں داخلہ: بھائی جان کے ارتحال کے بعد میری تعلیم کا مسئلہ بظاہر لاینحل ہو گیا، لیکن گھر پر رہ کر بھی میں کسی کام کا نہ تھا اس لئے جوں توں سال پورا کر کے بنارس چلا گیا اور امتحان دے کر رحمانیہ میں داخلہ لے لیا۔

جامعہ رحمانیہ میں اس وقت امام العلوم والفنون علامہ شہیر حضرت مولانا محمد منیر خاں صاحب بنارسیؒ، فاضل الحدیث والادب حضرت مولانا عبدالغفار صاحب حسن عمر پوریؒ، استاذ منطق وفلسفہ مولانا عبدالمعید صاحب بنارسیؒ اور استاذ حدیث مولانا ابوالقاسم صاحب مدنپوریؒ جیسے اساطین فضل وکمال موجود تھے جن سے مسلسل دوسال تک فیضیاب ہونے کا موقع ملا، ان کے علاوہ آفتاب علم

وادب الشیخ عبدالمجید صاحب حریریؒ سے بھی ادب میں حماسہ اور بعض تفاسیر کا درس حاصل کیا، جن کی زبان کوثر وتسنیم سے دھلی ہوئی فصاحت وبلاغت کے موتی رولتی تھی۔

دورۂ حدیث کا دوسرا سال: دوسرا سال ہم لوگوں کا آخری سال تھا استاذنا العلام مولینا منیر خاں صاحب بنارسیؒ علالت سے کمزور ونحیف ہو گئے تھے اس لئے جامعہ سے اجازت مل گئی کہ ایک وقت دارانگر جا کر حضرت الشیخ علامہ سیف بنارسیؒ کے پاس بخاری ومسلم کا دورہ کرلیں۔

حجۃ الاسلام حضرت مولانا ابوالقاسم صاحب سیف بنارسی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت جماعت کے اکابر میں معروف وممتاز تھی، شیخ الاسلام حضرت مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ صاحب امرتسری رحمۃ اللہ علیہ تحقیق حدیث کے لئے آپ ہی سے رجوع فرماتے تھے۔ صحیحین کے درس میں آپ کا مقام منفرد تھا، مختلف ابواب کی حدیثیں ان کے صفحات وسطور، الفاظ کا فرق اور ان سے باب کا تعلق آپ کے نوک زبان پر تھا، ہم لوگ پہنچے تو وہاں بنگال، بہار، بستی گونڈہ اور مئو کے طلبہ کا سنگم ہو گیا۔ تمام طلبہ حضرت شیخ کے سامنے ایک لمبی قطار میں دورویہ بیٹھتے اور سب سے آخری فاصلے پر قاری ہوتا، قاری وہی منتخب کیا جاتا جن کی آواز بلند ہوتی، میری آواز بھی اونچی تھی اس لئے اکثر قرأت کا موقع ملتا۔ قرأت کے درمیان مسائل پیش آمدہ پر مختلف انداز کے سوالات واعتراضات کئے جاتے اور مولانا ان سب کا ایسا جچا تلا جواب دیتے کہ پھر کسی کو مجال سخن نہ ہوتی۔

سند فراغ: آپ کا دستور تھا کہ سند فراغ میں نام کے ساتھ کنیت بھی درج کرتے تھے میں اپنی سند لینے کے لئے ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۶۱ھ کو آپ کی خدمت میں پہنچا تو پوچھا تمہاری کنیت کیا رکھ دی جائے، میں نے کئی کنیتیں بتائیں لیکن پسند نہ فرمایا پھر دوسرے دن صبح کو پہنچا تو فرمایا میں نے تمہاری کنیت ابوالحصین رکھدی ہے (حصین بمعنی مضبوط) اس سے انشاء اللہ تمہارے عزم وحوصلہ میں مضبوطی وپختگی آئے گی۔ آپ کے اس فقرے سے میرے دل میں سرور کی جو کیفیت پیدا ہوئی وہ بیان سے باہر ہے۔

پھر حضرت شیخ نے سند کی خالی جگہ میں اپنے دست شفقت سے جو کچھ تحریر فرمایا یہ ہے "**ھو رجل شاب لقن ذوفھم واسع وذھن ساطع**" (**وقال فی الوصیة**) **انی اوصیه بتقوی اللّٰہ فی السّر والعلانیة وان لایھاب بصوت الجمھور الخ۔**

یہ تھے میرے شفیق اساتذہ وشیوخ جن کے فیض صحبت نے مجھے انسانیت کا جامہ پہنایا۔ **اللھم اغفرلی ولھم وارفع درجاتھم واضعف اجورھم الی یوم الدین یاارحم الراحمین۔**

جامعہ شمس العلوم کا قیام: شعبان المعظم ۱۳۶۱ھ کو تعلیم سے فارغ ہو کر گھر آیا تو محترم ماموں محمد علی صاحب برادرم میڈو خانصاحب، بھائی محمد اسحاق صاحب، میاں عبدالستار صاحب، چودھری ولی اللہ، چودھری عبدالشکور صاحب، چودھری محمد عباس صاحب اور گاؤں کے دیگر معززین نے ۱۷/۱۸ ذیقعدہ ۱۳۶۱ھ یوم جمعۃ المبارک کو مجھے بستی کے ان بچوں کی تعلیم کے لئے جو بیکار گھوم رہے تھے ترغیب دی، اگرچہ اس وقت علالت سے نحیف وناتواں تھا لیکن خدمت کے تحت ان کی پیشکش قبول کرلی اور دوسرے ہی دن تعلیم وتدریس میں مشغول ہو گیا۔ یہ مشغولیت میرے لئے اتنی مفید ثابت ہوئی کہ میں اپنی دیرینہ بیماری بھول گیا اور آہستہ آہستہ گئی ہوئی

صحت واپس لوٹ آئی۔ اللہ کا فضل وکرم ہے کہ آج ۷۴ برس کی مدت اسی ادارہ کی خدمت میں گذر گئی اور باہر سے طلب معاوضہ کے باوجود میں کسی طرف ملتفت نہیں ہوا۔

جلسوں میں شرکت اور بعض مناظرے: اس مدت میں تعلیم وتدریس کے ساتھ مقامی وعلاقائی اجتماعات کے علاوہ یوپی، بہار، بنگال اوراڑیسہ وغیرہ کے بہت سے جلسوں میں شریک ہوا، اس وقت مناظروں کا دور تھا، چنانچہ مخالفین ومبتدعین سے کئی دفعہ مناظرے کی نوبت ہوئی۔ ضلع بستی کے ایک معروف مقام بھمن گاؤں میں علمائے دیوبند وبریلی کے مابین ایک زبردست مناظرہ تھا اس میں بھی بحیثیت رکن شریک کیا گیا، بھاؤ پور میں مولوی حشمت علی پیلی بھیتی کو دودن تک گھیرے رہا انہوں نے سارا وقت لایعنی باتوں میں گنوادیا لیکن بالمقابل بولنے کیلئے تیار نہ ہوئے، اڑیسہ گوجیدرہ میں حبیب الرحمن کنکسی سے تحریری بحث چلتی رہی، پھر وہاں کی جماعت نے مجھے طلب کیا تو وہاں بھی پہنچ کر محلہ درمحلہ آٹھ تقریریں کیں لیکن مقابل پردۂ خفا ہی میں رہ گیا۔ یہی حال بڑھنی، جھنڈانگر، چوکھڑا، اور جمہنا وغیرہ میں ہوا۔

سیاسی جلسے: کبھی کبھی سیاسی ونیم سیاسی جلسوں میں بھی شرکت کی، ہندوپاک کے بٹوارے کے موقع پر مسلم لیگ کی حمایت کرتا رہا، مسلم مجلس کی طرف سے ڈاکٹر فریدی صاحب نے ضلع بستی کا دورہ کیا تو ان کے ساتھ رہا اور جب میرے قریب اٹوا تشریف لائے تو جلسے کا نظم واہتمام میں نے اپنے مدرسہ کے طلبہ کو لے کر کیا، اور ڈاکٹر صاحب نے خود میری صدارت میں تقریر کی۔

ریلیف کا کام: ۱۹۶۳ء میں کلکتہ میں عظیم فساد ہوا تو اپنے زیر اثر حلقے سے کئی ہزار روپئے نقد اور دوبنڈل کپڑے لیکر خود گیا اور وہاں کی امدادی جماعتوں سے مل کر فساد زدہ علاقوں، جلے ہوئے مکانات اور مساجد کا معائنہ کیا اور مصیبت زدہ بھائیوں کی امداد کی، بنجریا ضلع بستی ۱۹۷۲ء میں فساد ہوا تو بانسی ہوتے ہوئے وہاں بھی پہنچا، اور گاؤں کے مصیبت زدگان سے مل کر حتی الامکان تعاون کیا۔ پھر اپنے ہی قریب دوپھڑیا ۱۹۶۹ میں فساد ہوا تو وہاں بار بار جا کر لوگوں کے دل سے خوف وہراس دور کرتا رہا اور مسجد میں جمعہ وجماعت جو بند ہوگئی تھی، اپنے بھتیجے مولوی عبدالحلیم کے ساتھ جاری کرایا۔

ضلع جمعیۃ کی نظامت: ۱۹۶۰ء میں بستی وگونڈہ کی مشترکہ جمعیت نے اندرونی خلفشار کے سبب اس کی نظامت کا بار میرے دوشِ ناتواں پر ڈال دیا اس وقت حضرت مولانا عبدالرؤف خاں صاحب رحمانی جھنڈانگری کی صدارت تھی اور مولانا عبدالقدوس صاحب ٹکریاوی، مولانا محمد اقبال صاحب بونڈھیاروی نائب صدر تھے ان سب کے مشورے سے میں نے یہ ذمہ داری قبول کرلی۔ اس کے کچھ دنوں کے بعد مولانا عبدالجلیل صاحب رحمانی مرکزی جمعیۃ سے علیحدہ ہوکر وطن چلے آئے تھے تو ان سبھی بزرگوں کے تعاون سے مسلسل ۱۵ سال تک یہ بار میں نے سنبھالے رکھا اور بستی کے مدارس عربیہ کا نصاب تعلیم تقریباً متحد کرکے اکٹھا سب کا سالانہ امتحان دلاتا رہا، یہاں تک کہ جمعیۃ بستی کے نظم ونسق اور کارکردگی کا چرچا تمام ضلعی وصوبائی جمعیتوں اور جماعتوں میں ہونے لگا۔

نوگڑھ کی مشہور آل انڈیا کانفرنس منعقدہ ۱۹۶۱ء میرے ہی دورِ نظامت میں ہوئی تھی۔ مرکزی جمعیۃ کے صدر حضرت مولانا عبدالوہاب صاحب آروی کے پاس ضلع جمعیۃ بستی کی طرف سے دعوت نامہ لے کر خاکسار دہلی پہنچا تو اس وقت مرکزی جمعیۃ کی میٹنگ ہورہی تھی، مولانا آروی سے میری یہ پہلی تعارفی ملاقات تھی، خط پڑھنے کے بعد فرمایا کہ یہ بستی وگونڈہ دونوں ضلعوں کے

ناظم ہیں، اس لئے اعزازی طور پر عاملہ کی میٹنگ میں شریک رہیں گے۔ پھرایجنڈا پر بحث کے دوران بار بار میری رائے بھی دریافت فرماتے رہے، صدرمحترم کے اس حوصلہ افزائی سے مجھے بڑی مسرت حاصل ہوئی کہ اب ان شاء اللہ دعوت نامہ کی منظوری بآسانی حاصل ہوجائے گی۔

میٹنگ میں مولانا سید تقریظ احمد صاحب ایڈیٹر اخبار اہلحدیث دہلی اور شیخ الحدیث مولانا عبدالسلام صاحب بستوی بھی موجود تھے، بعد میٹنگ میں نے ہر دو حضرات کی تائید وتوثیق حاصل کر کے حضرت مولانا آرویؒ سے منظوری حاصل کرلی جب کہ وہ کسی قیمت پر آمادہ نہ تھے۔ اسی پر سلیم صاحب پرتاب گڑھی نے ''نوگڑھ چلو'' کے عنوان سے پوری نظم لکھ ڈالی جس کا ایک شعر یہ تھا ؎

حضرتِ منظر کی کوشش کا یہ ثمرہ ہے سلیم
ورنہ کیسی زندگی کیسا نظامِ زندگی

اس کا جواب اسی بحر وقافیہ میں میں نے بھی لکھ دیا جس کا ایک شعر یہ ہے ؎

کوششِ منظرؔ میں کچھ دم خم نہیں بھائی سلیمؔ
سمع و طاعت میں ہی پنہاں ہے نظام زندگی

صوبائی جمعیۃ کا احیاء: ۱۹۷۹ء کی بات ہے کہ صوبائی ومرکزی جمعیۃ کی سرد مہری ختم کرنے کے لئے مرکزی دارالعلوم بنارس میں ایک اہم میٹنگ بلائی گئی اس کے داعی حضرت مولانا شمس الحق صاحبؒ شیخ الحدیث مرکزی دارالعلوم تھے، اس میں مئو، بنارس، الٰہ آباد اور بستی وگونڈہ کے اعیان جماعت نے صوبائی جمعیۃ کی نظامت کا بوجھ میرے سر ڈال دیا۔ ہر چند کہ میں عدیم الفرصتی اور نااہلی کا عذر کرتا رہا اور میرے مخدوم ومشفق حضرت مولانا جھنڈانگری بھی میری حمایت میں بولتے رہے لیکن ایک نہ سنی گئی بالآخر یہ بارگراں بھی ۳ سال تک اسی دوشِ ناتواں پر رہا۔ یہاں تک کہ ۳۱؍جولائی ۱۹۸۲ء کو بمقام ممبئی پاؤں میں ایکسیڈنٹ کے سبب مستعفی ہوگیا۔

تالیفات: میری تالیفات میں ☆ سبیل الرشاد، مختلف فیہ مسائل پر بحث ☆ عقائد اسلام، عقائد ستہ ایمانیہ کا بیان ☆ نیا مذہب فکر، مولانا مودودی کی تشکیک حدیث پر نقد ☆ تبلیغ دین کا موثر طریقہ ☆ فرقہ بندی سے نجات ☆ قرآن کریم کے دس اسباق، مختلف موضوعات پر درس قرآن ☆ زمزمۂ حق، حمد ونعت کا مجموعہ ☆ خالد بن ولید، حضرت سیف اللہ کی مکمل سوانح حیات ☆ اور زیر نظر پیش کش۔ پیغمبر عالم صلی اللہ علیہ وسلم فداہ روحی وابی وامی وجدی وقبیلتی۔ والسلام۔

[وفات: ۲۷؍اکتوبر ۱۹۸۹ء کو بنارس میں آپ کا انتقال ہوا۔ بقیہ صفحہ ۴۱۹ پر ملاحظہ کریں۔ مرتب]

خادم
ابوالحسین عبدالمبین منظر
ناظم جامعہ شمس العلوم سمرا، بستی، ۹ ذی الحجہ ۱۴۰۷ھ
(ماخوذ از پیغمبر دوعالم صفحہ ۱۔۱۵)
مطبوعہ جامعہ سلفیہ بنارس

❑❑❑

شیخ الحدیث مولانا عبدالسبحان اعظمی عمری رحمہ اللہ

۱۹۱۰ء..........۱۹۹۰ء

کاشف شکیل سلفی/استاد جامعۃ التوحید بھیونڈی

ابتدائی حالات:

مولانا عبدالسبحان اعظمی بن شیخ الحدیث محمد نعمان صاحب بن حاجی عبدالرحمن شہید مئو ناتھ بھنجن (یوپی) میں ۱۹۱۰ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد شیخ الحدیث محمد نعمان صاحب بھی مئو ناتھ بھنجن کے باشندے تھے۔ مدرسہ عالیہ عربیہ اور مدرسہ احمدیہ آرہ میں پڑھے ہوئے تھے۔ سید نذیر حسین محدث دہلوی اور ڈپٹی نذیر احمد دہلوی کے فیض یافتہ تھے۔ کچھ مدت مدرسہ احمدیہ سلفیہ دربھنگہ میں مدرس رہے لیکن آب وہوا راس نہ آئی چنانچہ ۱۹۲۸ء کے اواخر میں عمرآباد آکر جامعہ دارالسلام سے وابستہ ہوگئے۔ جس کا قیام ۱۹۲۴ء میں عمل میں آیا تھا۔ اور تقریباً ایک چوتھائی صدی تک دین وملت کی خدمت کرنے کے بعد ۱۹۵۳ء کے اواخر میں عمرآباد ہی میں انتقال فرما گئے۔

تعلیم:

مولانا عبدالسبحان صاحب کی ابتدائی تعلیم مدرسہ عالیہ مئو یوپی میں ہوئی۔ قرآن مجید بھی وہیں پورا کیا اور اردو فارسی کی تعلیم بھی وہیں ہوئی۔ گلستاں، اخلاق محسنی، مفتاح القواعد وغیرہ مولانا عبدالاحد رحمہ اللہ سے پڑھیں۔ مدرسہ محمدیہ کھیدوپورہ، مئو میں تقریباً دوسال تک اپنے ایک قرابت دار مولانا عبدالعلی رحمہ اللہ سے نحومیر، شرح مائۃ عامل، ہدایۃ النحو، پنج گنج، علم الصیغہ، فصول اکبری اور شرح ملا جامی پڑھی، دوبارہ مدرسہ عالیہ مئو میں داخلہ لے کر مولانا عبدالرحمن رحمہ اللہ سے شرح تہذیب پڑھی۔ ۱۹۲۸ء کے شوال میں مدرسہ رحمانیہ دہلی میں داخلہ ہوا، بہ مشکل ڈیڑھ دو ماہ رہ کر سخت بیماری کی وجہ سے شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانی مبارک پوری کے ساتھ گھر چلے آئے۔ شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانی صاحب اس وقت رحمانیہ میں مدرس تھے، مولانا عبدالسبحان صاحب نے ان سے وہاں بلوغ المرام کے کچھ سبق پڑھے تھے۔ یہ ۱۹۲۹ء کے اوائل تک کی تعلیمی کیفیت ہے۔ اس کے بعد اپنے والد کے ساتھ عمرآباد گئے اور پانچویں سے آٹھویں تک چار برس آپ نے جامعہ دارالسلام میں گزارا۔ ۱۹۳۲ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔ ہر جماعت میں درجہ اول سے کامیاب ہوتے رہے۔ آپ کے ہم سبق چار طلباء تھے مولانا حبیب الرحمن خاں سروش ایم اے، مولانا محمد یوسف کوکن ایم اے، مولانا محمد عطاء اللہ سلفی، مولانا عبدالجبار شریف۔

ان دنوں جامعہ میں درجہ تکمیل بھی تھا۔ جو اختیاری تھا۔ اور تین شعبوں، دینیات، ادبیات اور معقولات میں تھا۔ مقصود یہ تھا کہ شوقین طلبہ اپنے رجحان کے مطابق کسی ایک فن میں درک اور مہارت حاصل کرلیں۔ یہ سلسلہ ایک ہی سال رہا یعنی ۱۹۳۳ء میں ختم

کردیا گیا۔ مولانا نے شعبہ معقولات میں داخلہ لیا، اس شعبہ میں آپ اکیلے ہی تھے، اس کے نصاب میں اشارات بوعلی سینا، قاضی مبارک، میر زاہد، ملا جلال، صدرا، شرح چغمینی اور الدروس الاولیۃ فی الفلسفۃ الطبعیۃ تھیں۔ مولانا نے اس میں بھی کامیابی حاصل کرلی اور اسی سال آپ نے افضل العلماء بھی نکال لیا۔

اساتذہ عمر آباد:

۱۹۳۸ء میں منشی فاضل بھی پاس کرلیا تھا اور اس وقت آپ کو جامعہ میں استاد ہوئے پانچ سال ہو رہے تھے۔ آپ کے والد مولانا محمد نعمان اعظمی، آپ کے عم محترم مولانا محمد علی ابوالقاسم قدسی، مولانا عثمان خان شاہجہاں پوری، مولانا عبیداللہ عاقل رحمانی بہاری، مولانا غضنفر حسین شاکر نائطی مدراسی، مولانا حافظ محمد صاحب پنجابی وغیرہ دارالسلام میں آپ کے استاد تھے۔

عمر آباد میں آپ کی خدمات:

مولانا فضل اللہ صاحب مدراسی ناظم جامعہ تھے جو جنگ آزادی، تحریک خلافت اور تحریک عدم تعاون وغیرہ سے وابستہ رہ چکے تھے۔ متبحر عالم ومقرر تھے ان کی نظر انتخاب مولانا عبدالسبحان صاحب پر پڑی، ۱۹۳۳ء میں مولانا درجہ تکمیل کے طالب علم تھے کہ قاضی ارتضاء علی خاں کی تصریح المنطق کا ایک سبق آپ کے ذمہ کردیا گیا اور اگلے برس ۱۹۳۴ء میں آپ جامعہ کے باقاعدہ استاد مقرر ہوئے۔ ابتداء میں آپ کو صرف ونحو اور منطق کی کتابیں دی گئیں پھر بتدریج صحیح مسلم، سنن ابی داؤد، مقدمہ ابن خلدون، شرح عقائد نسفی، حجۃ اللہ البالغۃ، نور الانوار، مسلم الثبوت، ہدایۃ المجتہد، قطبی، افاضہ قدسیہ (فلسفہ)، نسیم الکلام (علم الکلام)، السراجی فی المیراث اور رشیدیہ (علم مناظرہ) وغیرہ آپ کے زیر تدریس آتی گئیں۔

انگریزی زبان میں مولانا کی مہارت:

مولانا انگریزی زبان میں بھی خاص مہارت رکھتے تھے۔ اور کئی انگریزی افسانوں کا اردو ترجمہ کرکے رسالوں میں بھیجا اور وہ شائع ہوئے اور مولانا نے یہ انگریزی جامعہ دارالسلام عمر آباد میں سیکھی تھی۔ واضح رہے کہ جامعہ دارالسلام عمر آباد نے عام نہج سے ہٹ کر بھی بہت سارے کام کئے اور وہ بھی بالکل ابتدائی عہد میں، انگریزی نصاب میں رکھی، دارالتصنیف کی داغ بیل ڈالی، ''مصحف'' نامی اردو رسالہ نکالا،، مقلدین اور غیر مقلدین کو ایک ادارہ میں جمع کیا، یونانی طب کو بھی نصاب میں جگہ دی۔

طب کی تعلیم:

مولانا نے حکیم فضل الرحمن خان سواتی سے مدراس میں رمضان کی تعطیل میں طب پڑھا اور یہ سلسلہ تقریباً دو ماہ جاری رہا، کچھ مدت بعد حکیم صاحب عمر آباد سے قریب آمبور میں منتقل ہوگئے یہاں مولانا نے اس فن کی کتابیں افادہ کبیرہ اور شرح رباعیات طب یوسفی پڑھی۔ پھر چند دن بعد چھوٹے موٹے علاج شروع کردیے۔ مولانا ہر جمعرات کو مدرسہ ختم ہونے کے بعد

دوپہر میں حکیم صاحب کے مطب میں جاتے اور سنیچر دن صبح میں عمرآباد میں آجاتے، وہاں مولانا کا کام حکیم صاحب کی زیر ہدایت دوائیں کوٹنا، پیسنا اور گولیاں بنانا تھا۔

۱۹۴۵ء سے ۱۹۸۵ء تک پورے چالیس برس جامعہ دارالسلام عمرآباد کے مطب کے معالج مولانا ہی تھے۔ یہ سلسلہ کچھ مدت اور جاری رہتا مگر ایک تو مولانا کی علالت مانع تھی، دوسرے عمرآباد میں جامعہ ہاسٹل قائم ہوجانے کی بنا پر الگ سے معالج کی ضرورت بھی باقی نہیں رہی۔

تصنیفی خدمات:

جامعہ دارالسلام سے شائع ہونے والے مجلہ "مصحف" (اجراء اگست ۱۹۳۵ء) کے مولانا مستقل مضمون نگار تھے۔ اس کے ایڈیٹر مولانا شاکر نائطی تھے۔ اس میں آپ کے جو مضامین چھپے وہ یہ تھے۔ "قسطنطنیہ پر اسلامی یلغار" (متعدد قسطوں میں) "محمد بن قاسم ہندوستان میں" (کئی قسطوں میں) "رہبانیت کی پر درد داستان" "توہم پرستی" "انسانی مساوات" "خودداری" "انبیاء کرام کی بعثت" وغیرہ۔

مولانا کی تالیف کردہ چند کتابوں کے نام درج ذیل ہیں: (۱) فضائل رمضان (۲) آداب اسلامی (جامعہ میں داخل نصاب ہے) (۳) خانقاہ الٰہیہ (۴) صنف نازک اور اسلام (۵) اصول اسلام (۶) مسائل اور دعائیں (۷) استعانت اولیاء کی تردید (۸) آداب وحقوق۔

مولانا نے جو کچھ لکھا نثر میں لکھا البتہ شاعری سے بھی برائے نام شغف تھا۔ ذاکر تخلص رکھتے تھے۔

نائب ناظم جامعہ:

۱۹۵۰ء تک جامعہ کے ناظم مولانا شاکر نائطی تھے جب آپ کسی ضرورت پر کہیں تشریف لے جاتے تو تمام امور کی نگرانی مولانا کے ذمہ کر جاتے، ۱۹۵۰ء میں مولانا عبدالواجد رحمانی کو ناظم بنایا گیا۔ اس وقت تک جامعہ میں نائب ناظم کا عہدہ نہیں تھا۔ تاہم نئے ناظم کے تعاون کے لئے مولانا عبدالسبحان کو باضابطہ نائب ناظم مقرر کیا گیا۔ اس وقت دونوں کی عمر تقریباً چالیس تھی اور تدریسی خدمت بھی یکساں، اس لیے کہ دونوں ہی ۱۹۳۳ء میں مامور ہوئے تھے دونوں میں بہت الفت ومحبت تھی۔ ۱۹۵۶ء میں مولانا مدراس یونیورسٹی کے مشرقی امتحانات (افضل العلماء منشی فاضل اور ادیب فاضل) کے ممتحن ہوئے۔ ۱۹۶۶ء کے لئے بھی پیشکش ہوئی مگر سفر حج کے درپیش ہونے کی بنا پر معذرت کردی۔ چونکہ مولانا بھی ان اسٹاف میں سے تھے جو مدراس یونیورسٹی سے ملحق ہونے کی وجہ سے یونیورسٹی کے تنخواہ یافتہ تھے۔ اس لیے ضابطہ کی رو سے ساٹھ برس کی عمر میں ۱۹۶۱ء میں ریٹائر ہوئے اس وقت جامعہ سے وابستگی پر تقریباً ۲۸ برس گزر چکے تھے اور نائب ناظم ہوئے پورے بیس برس ہو گئے تھے، ریٹائر ہوئے مگر اسباق وہی رہے۔ البتہ سرکار کی طرف سے معمولی وظیفہ بھی ملتا تھا اور اب تنخواہ مدرسہ سے بھی جاری ہوگئی تھی۔ کاکا محمد عمر ثانی مرحوم نے تگ ودو کر کے حافظ عبدالواجد رحمانی اور مولانا کی معمولی تنخواہ عرب سے جاری کرادی تھی۔ مگر کچھ مدت بعد یہ سلسلہ بند ہوگیا۔

علالت:

۱۹۷۳ء میں دمہ کا عارضہ لاحق ہوا اور شدید دورہ رہا کئی کئی راتیں بیٹھ کر گزاریں مسلسل چوبیس گھنٹہ دورہ رہا کرتا، دوڈھائی سال تک یہ حالت رہی۔ اس کے بعد اللہ کا فضل ہوا۔ ۱۹۷۹ء میں بار بار علالت کی بنا پر تدریسی خدمت سے سبکدوشی حاصل کرلی۔ آپ کی تدریسی مدت کل ۵۵ سال کی رہی۔ علالت کے دوران صرف دو کتابیں آپ کی ذمہ تھی ایک ابوداؤد، اور دوسری مشکاۃ یا بلوغ المرام تقریباً دس بارہ برس تک جامعہ دارالسلام جمعہ اور عیدین کے خطبے آپ نے ہی دیئے ہیں اور سری اور جہری نمازوں کی امامت بھی کی ہے۔

حسن معاملت:

آپ کا مطب ایک چھوٹا موٹا بینک بھی تھا جس میں طلبہ اپنی رقمیں رکھواتے، حساب کتاب صاحب آئینہ کی طرح نوٹ بک میں درج رہتا تھا، آپ کے حسن معاملت کی تعریف وہاں کے اساتذہ بھی کرتے تھے۔ نائب ناظم تھے مگر کبھی حاکم ہونے کا تاثر نہیں دیا بلکہ آپ کی مشغولیت، حرکات وسکنات اور رہن سہن سے جو نتیجہ نکلتا تھا وہ یہ کہ آپ حاکم نہیں خادم ہیں۔ مزاج میں ملنساری بھی تھی اور تمکنت بھی۔

امام ابن باز رحمہ اللہ سے ملاقات:

۱۹۶۶ء میں بانی جامعہ کے بڑے پوتے جناب کاکا رشید احمد کے ساتھ سفر حج کیا دونوں نے شیخ ابن باز رحمہ اللہ سے ملاقات کی اور ان سے تحریری وعدہ لے آئے کہ جامعہ اسلامیہ ہر سال عمرآباد کے کم از کم ایک طالب علم کو ضرور داخلہ دیتا رہے گا۔ یہ بیرون ملک مولانا کا پہلا اور آخری سفر تھا۔ کاکا خاندان سے مولانا کو بڑی محبت تھی۔

تربیت کا انداز:

مولانا حافظ حفیظ الرحمن اعظمی عمری مدنی برادر مولانا عبدالسبحان اعظمی کہتے ہیں کہ جب میں نے جماعت سوم میں مدرسہ کی تعلیم چھوڑ کر راہ بدلنے کے بارے میں آپ سے گفتگو کی تو آپ نے ابتداء میں تو نرمی سے سمجھایا، چونکہ میں بات ماننے کے موڈ میں نہیں تھا اس لئے انکار کرتا رہا تو آپ کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا، فہمائش کے الفاظ واسلوب بدل گئے، انداز وآواز میں فرق آگیا تو میں کانپ کر رہ گیا اور بادل نخواستہ مدرسہ کی تعلیم جاری رکھنے پر مجبور ہوگیا اور الحمدللہ آج مولانا حفیظ الرحمن صاحب کی شخصیت علم وفن میں اپنی مثال آپ ہے۔

اوصاف ومحاسن:

مولانا مئو سے عمرآباد آئے تو ۱۸ سال کے تھے اور یہیں کے ہو رہے۔ تقریباً ۶۲ برس یہاں گزر گئے لیکن بات چیت، لب ولہجہ، مقولوں کے استعمال، اشعار کے اہتمام اور صحت زبان کا خیال رکھنے میں ذرا فرق نہ آیا، تلفظ، محاورات اور ضرب الامثال کی اصلاح کے

لئے طلبہ آپ کا رخ کرتے۔ مولانا اخبار ورسائل بڑی پابندی سے پڑھتے تھے۔ عام معلومات کا دائرہ بڑا وسیع تھا اور حافظہ بڑا قوی۔ خط وکتابت میں بڑے مستعد تھے۔ جواب ضرور دیتے تھے۔ طلباء کی ہر ممکن اصلاح کرتے اور نرمی کے ساتھ، اصول صحت کے پابند، سرشام تفریح، اور چہل قدمی کے عادی، البتہ پان اور زردے کا اہتمام مدتوں رہا مگر بعد میں اسے مکمل ترک کر دیا۔ صحت بڑی اچھی تھی، بڑے متحرک اور مستعد تھے، مولانا بڑے زندہ دل انسان تھے۔ ہر چھوٹی بڑی تقریب میں پارٹی کو مستحب قرار دیتے تھے۔ (مثلاً کسی طالب علم نے اچھے نمبرات حاصل کر لیے، کوئی انعام پایا، کہیں اس کا مضمون چھپا) مولانا بڑے مہمان نواز، متواضع ہنس مکھ تھے۔ علم مستحضر تھا، حدیث ہو کہ علم کلام، منطق ہو کہ فلسفہ، سیرت ہو کہ تاریخ اور پڑھی ہوئی تمام باتیں خوب یاد تھیں۔ علم فرائض کے اصول، مسلمات اور مسائل انہیں ازبر تھے۔ مسلم شرح نووی کے گویا حافظ تھے۔ فرائض وسنن اور اذکار کے سخت پابند تھے۔ نماز کے اس قدر پابند کہ حضر میں جماعت شاید ہی چھوٹی ہو، اذان کے وقت ہی مسجد میں پہنچنے کا اہتمام کرتے اور پہلی صف میں بالکل امام کے پیچھے رہتے تھے۔

سراپا: چھریرا بدن، ہلکے پھلکے صاف ستھرے رہتے تھے، لباس وہی پاجامہ کرتا، کپڑے کی ٹوپی، ہاتھ میں عصا کے ساتھ دستی بھی، البتہ جمعہ اور عیدین کے موقع پر شیروانی زیب تن رہتی، صافہ بھی باندھ لیتے، کسی زمانے میں ترکی ٹوپی کا معمول تھا، مدتوں سے عینک کا استعمال تھا۔ ہمیشہ جوتا پہنتے تھے' صحت رہتی تو معاملات میں ذرا بھی فرق نہ آتا وہی چستی وہی حاضر دماغی۔

ازواج واولاد:

۱۹۲۸ء کے اواخر یا ۱۹۲۹ء کے اوائل میں مولانا کی شادی اپنے وطن ہی میں ہوئی۔ اللہ نے چھ بیٹے دیے اور ایک بیٹی، آپ نے اپنے تمام فرزندوں کو عالم دین بنایا۔ بیٹوں کے نام درج ذیل ہیں۔

(۱) مولانا خلیل الرحمن اعظمی عمری (۲) مولانا ضیاء الرحمن اعظمی عمری (۳) مولانا حافظ عبدالرحمن اعظمی عمری (۴) مولانا انیس الرحمن اعظمی عمری (۵) مولانا حافظ عبید الرحمن اعظمی عمری رحمہ اللہ (۶) مولانا محمد نعمان اعظمی عمری مدنی رحمہ اللہ۔

وفات:

جمعرات کا دن تھا ۷ ۲ دسمبر ۱۹۹۰ء کی صبح مولانا نے ناشتہ کیا، تھوڑی ہی دیر میں کھانسی کی تکلیف شروع ہوگئی، فوراً جامعہ ہسپتال پہنچے، بڑے فرزند مولانا خلیل الرحمن اعظمی عمری ناظم جامعہ کو کہلا بھیجا کہ جلدی آئیں۔ ابھی وہ آنے بھی نہ پائے تھے کہ مولانا نے جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون اسی دن بعد نماز عشاء ایک جم غفیر نے نماز جنازہ ادا کی اور جسد خاکی کو آخری آرام گاہ میں رکھ دیا۔ عمر ۸۰ برس تھی نیکیوں سے معمور زندگی تھی۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

(ماخوذ از مجلہ الاتحاد ممبئی رجنوری ۲۰۱۸ء)

❑❑❑

شیخ الحدیث مولانا عظیم اللہ مئوی رحمہ اللہ

۱۹۱۲ء.......... ۱۹۹۳ء

مولانا محمد مستقیم سلفی

استاذ جامعہ سلفیہ بنارس

جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں
کہیں سے آب بقائے دوام لاساقی

بہت رنج وغم کے ساتھ یہ خبر قلم بند کی جاتی ہے کہ مورخہ ۶/اکتوبر ۱۹۹۳ء مطابق ۲۰/ربیع الآخر ۱۴۱۴ھ یوم چہار شنبہ کی رات میں استاذ محترم مولانا عظیم اللہ صاحب مئو(نور اللہ مرقدہ) رحلت فرما گئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ان کا سلسلہ نسب اس طرح ہے محمد عظیم اللہ بن حافظ احمد بن حافظ احمد اللہ بن حافظ عبدالرحمن، اس سلسلہ نسب میں پردادا تک ہر شخص حافظ قرآن ہے، اسی طرح آپ کی والدہ ماجدہ بھی حافظہ تھیں، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کے خاندان کا رجحان علم دین کی جانب کس قدر تھا، اسی دینی ماحول میں مولانا مرحوم کی پرورش اور تربیت ہوئی، مرحوم ایک صاحب نظر اور باذوق عالم تھے، علمی مسائل کے ساتھ ساتھ حالات پر بھی آپ کی نظر تھی، شخصیات کے مزاج وافتاد سے خوب واقف تھے، پیش آمدہ معاملات میں فیصلہ کن اور صائب رائے دیتے تھے، آپ کا تدریسی ملکہ پختہ تھا، عبارس کو اس طرح حل فرمادیتے کہ مفہوم ومدعا بالکل واضح ہوجاتا تھا، تدریس کی زبان اور اسلوب بڑا شگفتہ ودل نشین تھا اس لئے طلبہ کبھی اکتاہٹ محسوس نہیں کرتے تھے، درس کے دوران علمی لطائف بھی ذکر فرماتے تھے، مئو کی علمی ودینی تاریخ کے اہم واقعات بڑی دلچسپی سے بیان فرماتے تھے، اگر یہ باتیں قلم بند ہوگئی ہوتیں تو اس تاریخ کا ایک اہم حصہ محفوظ ہوجاتا۔ آپ علم وفضل کے سمندر تھے، سادگی، بے نفسی، شرافت اور خوش خلقی قابل رشک تھی۔

مشرقی یوپی کے معروف ومشہور قصبہ مئوناتھ بھنجن میں ۱۳۳۱ھ ۱۹۱۲ء میں پیدا ہوئے، آپ نے تعلیم کی ابتداء مئوناتھ بھنجن میں مدرسہ فیض عام سے کی اور وہیں سے ۱۳۵۰ھ میں سند فراغت بھی حاصل کی، مدرسہ فیض عام مئو کے مشاہیر اساتذہ میں مولانا ابوالفیاض نور محمد بن محمد اسماعیل کوٹھا قاسم پورہ (شاگرد حضرت میاں نذیر حسین (۱۲۷۳۔۱۳۵۷ھ) مولانا احمد بن ملا حسام الدین (۱۲۹۰۔۱۳۶۷ھ) مولانا محمد احمد صاحب ناظم فیض عام مئو(۱۳۱۰۔۱۴۰۲ھ) عبداللہ صاحب شائق (۱۳۰۹۔۱۳۹۴ھ) اور مولانا عبدالرحمن صاحب نحوی مئوی (م ۱۳۸۳ھ) وغیرہ ہیں۔

۱۳۵۰ھ میں مدرسہ فیض عام مئو سے فارغ ہونے کے بعد آپ سہارنپور تشریف لے گئے اور وہاں مدرسہ مظاہر العلوم کے دورہ حدیث میں داخلہ لیا اور سندِ حدیث لینے کے بعد وطن واپس آئے، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کے اساتذہ میں مولانا جمیل احمد، مولانا

ظہور الحق، مولانا محمد زکریا اور مولانا ظریف احمد صاحب قابل ذکر ہیں۔

فراغت کے بعد سے اخیر عمر تک آپ کا مشغلہ درس وتدریس ہی رہا، مختلف مدارس میں تدریسی فرائض انجام دیتے رہے، ۲۳ ذی الحجہ ۱۳۸۷ھ مطابق ۲۳ مارچ ۱۹۶۸ء کو آپ بحیثیت شیخ الحدیث جامعہ سلفیہ بنارس میں تشریف لائے، اور وہاں ایک سال سے زیادہ اس ادارہ کی خدمت کی، پھر صحت کی ناہمواری کی بنا پر ۲۰/جمادی الآخر ۱۳۸۹ھ مطابق ۵/اگست ۱۹۶۹ء کو جامعہ سلفیہ سے مستعفی ہوکر اپنے وطن چلے گئے، اور جامعہ اثریہ مئوناتھ بھنجن میں مسند تدریس پر فائز ہوئے، چند سال اس جامعہ میں رہ کر جامعہ سراج العلوم بونڈیہار (گونڈہ) تشریف لے گئے، اور تقریباً دس سال تک وہاں درس وتدریس اور افتاء کے فرائض انجام دیتے رہے یہاں بھی صحت کی طرف سے کچھ الجھن شروع ہوئی تو مستعفی ہوکر گھر چلے آئے اور بقیہ وقت یہیں گذارا، کچھ دنوں تک صاحب فراش رہ کر اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔

کثرت مشاغل کی بنا پر تصانیف کی جانب آپ کی توجہ بہت کم رہی، پھر بھی آپ نے چند کتابیں یادگار چھوڑی ہیں۔ جو ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

۱۔ کشف الظلام من روایۃ الاعلام (اردو، صفحات ۲۰۰، یہ کتاب مولانا حبیب الرحمن اعظمی کے رسالہ **"الاعلام المرفوعة فی الطلقات المجموعة"** کے رد میں ہے۔ مسئلہ مابہ النزاع طلاق ثلاثہ ہے،

۲۔ **برھان عظیم** (اردو) صفحات ۳۲، یہ کتاب نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کے ثبوت میں ہے۔

۳۔ **العروۃ الوثقی** (اردو) یہ کتاب شرک وبدعت کی تردید میں ہے۔

۴۔ **نهج الصحابه** (اردو) یہ کتاب صحابۂ کرام کے تمسک بالسنۃ اور ان کے طریقۂ استدلال پر مشتمل ہے۔

جامعہ سلفیہ کے ذمہ داران، اساتذہ اور طلبہ مولانا کی وفات پر اپنے رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے۔ پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے اور ان کی وفات سے جو خلا پیدا ہوا ہے اسے پر کرے۔!

اللھم اغفرله وارحمه وادخله جنة الفردوس۔ آمین

(محدث بنارس ماہ نومبر ۱۹۹۳ء)



مولانا عظیم اللہ مئوی رحمہ اللہ

۱۹۱۲ء.........۱۹۹۳ء

ڈاکٹر محمد اسلم مبارک پوری
جامعہ سلفیہ مرکزی دارالعلوم بنارس

شہر مئو ناتھ بھنجن جو علم وادب کے حوالے سے محتاج تعارف نہیں ہے۔اس شہر میں فیض قدرت نے جن عظیم شخصیات کو وجود بخشا ہے ان میں مولانا ابوالوفا عظیم اللہ صاب کا اسم گرامی علمی حلقوں میں بڑے ادب واحترام سے لیا جاتا ہے۔آپ ایک علمی خانوادہ سے تعلق رکھتے ہیں۔آپ کے سلسلہ نسب میں آپ کے علاوہ ہر کوئی حفظ قرآن کی سعادت سے سرفراز ہے۔آپ کی والدہ ماجدہ بھی حافظہ قرآن تھیں۔اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کے خاندان کا رجحان علم دین کی طرف کس قدر تھا۔آپکا پورا سلسلہ نسب یہ ہے: عظیم اللہ بن حافظ احمد بن حافظ احمد اللہ بن حافظ عبدالرحمن مئوی۔

آپ نے ۱۳۳۱ھ۔ ۱۹۱۲ء میں اسی مخزن علم وفن میں آنکھیں کھولی۔دینی ماحول میں آپ کی تربیت ہوئی۔جب سن شعور کو پہنچے تو رسم ورواج کے مطابق الف، باء کی تعلیم وفارسی مولانا سلیم اللہ صاحب مئوی سے پڑھا۔با قاعدہ تعلیم کا آغاز ۱۳۳۸ھ میں مشرقی یوپی کی مشہور دانش گاہ جامعہ فیض عام مئو سے ہوا اور یہیں کے اجلہ اساتذہ علم وفن سے کسب فیض کر کے ۱۳۵۰ھ۔۱۹۳۸ء میں سند فراغت حاصل کی جو سند درس وتدریس کے ساتھ افتاء پر مشتمل تھی۔آپ کے اساتذہ میں مولانا ابوالفیاض نور محمد بن محمد بن اسماعیل کوٹھا، قاسم پورہ (متوفی ۱۳۵۷ھ) مولانا احمد بن ملا حسام الدین مئوی، صدر مدرس جامعہ فیض عام (متوفی ۱۳۶۷ھ) مولانا عبدالرحمن نحوی (۱۳۸۲ھ) مولانا عبداللہ شائق مئوی (متوفی ۱۳۹۴ھ۔ ۱۹۷۴ء) مولانا محمد احمد صاحب ناظم جامعہ فیض عام (۱۴۰۲ھ۔ ۱۹۸۲ء) رحمہم اللہ تعالیٰ جیسے اساطین علم ودانش مشہور ومعروف ہیں۔

جامعہ فیض عام مئو سے فراغت کے بعد علم کی جستجو اور طلب کشاں کشاں مظاہر العلوم سہارنپور لے گئی۔وہاں آپ نے مولانا محمد زکریا کاندھلوی سے درس حدیث لیا۔مولانا چونکہ اہلحدیث خانوادہ کے ایک فرد تھے اور پوری تعلیم پر اہل حدیثیت کا رنگ غالب تھا، جن کے یہاں حدیث کی تدریس وتشریح میں محدثین اور سلف صالحین کے منہج کی دھوم دھام ہے، اس لئے مولانا کاندھلوی سے علمی انداز میں خوب بحث ومناقشہ ہوتا۔مظاہر العلوم کے دیگر اساتذہ میں مولانا جمیل احمد، مولانا ظہور احمد، اور مولانا ظریف احمد۔رحمہم اللہ قابل ذکر ہیں۔

فراغت کے بعد آپ نے تدریسی خدمات اپنی مادر علمی جامعہ فیض عام مئو ناتھ بھنجن سے شروع کیا اور مختلف علوم وفنون کا درس

دیا۔ یہاں آپ سے کسب فیض کرنے والے طلبہ کی تعداد کافی ہے۔ جب فن حدیث میں تدریس درجہ کمال کو پہنچی تو شیخ الحدیث کے اعلیٰ منصب پر فائز ہوئے، جامعہ عالیہ عربیہ مئوناتھ بھنجن، جامعہ محمدیہ رائے درگ (آندھرا پردیش) دارالعلوم ششہنیاں (بستی) کے علاوہ مالدہ اور جنوبی ہند کے بعض مدارس میں بھی تدریسی خدمات انجام دی۔

جامعہ سلفیہ مرکزی دارالعلوم جو جماعت اہل حدیث کا مرکزی ادارہ ہے اور اپنی سمعت وشہرت میں یکتائے زمانہ ہے۔ اس دانش کدہ میں ۲۳ ذی الحجہ ۱۳۸۷ھ مطابق ۲۳ مارچ ۱۹۶۸ء بروز شنبہ، آپ کو اراکین جامعہ کی طرف سے ''شیخ الحدیث'' کے منصب جلیل کے لئے دعوت دی گئی جسے آپ نے برضاورغبت قبول کرتے ہوئے جماعتی غیرت وحمیت کا ثبوت دیا، جامعہ میں آپ نے الفوز الکبیر، قصب السکر اور صحیح مسلم کے علاوہ دیگر کتابوں کا درس دیا اور یہاں کی متنوع علمی سرگرمیوں اور مختلف دعوتی نشاطات میں شریک کار رہے۔ مولانا ابوعبیدہ عبدالمعید صاحب بنارسی رحمہااللہ کے بعد تدریسی میدان میں سب سے مقبول اور ہردل عزیز استاد تھے، لیکن صحت کی ناہمواری کی بنا پر ۲۰ جمادی الآخر ۱۳۸۹ھ مطابق ۵ اگست ۱۹۶۹ء کو مستعفی ہوکر عازم وطن ہونے اور جامعہ اثریہ دارالحدیث، مئوناتھ بھنجن کی مسند تدریس کو چند سال تک زینت بخشی اور یہاں کی سرگرمیوں میں شریک وسہیم ہوئے۔ بعض اسباب کی بنا پر اس جامعہ کو بھی خیر باد کہہ کر وطن سے بہت دور مولانا محمد اقبال صاحب رحمانی رحمہ اللہ کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے ضلع گونڈہ میں لب دریا واقع ایک معروف اور مشہور دینی درس گاہ جامعہ سراج العلوم بونڈیہار تشریف لے گئے۔ یہاں دس سال کے طویل عرصہ تک درس وتدریس کے علاوہ، شیخ الحدیث، کے منصب جلیل پر فائز رہے۔ علاوہ ازیں شعبہ افتاء سے بھی منسلک رہے۔ اس طرح فتویٰ نویسی کو بھی اپنے معمولات ومصروفیات میں شامل کیا۔ یہاں بھی خرابی صحت آپ کی ہم جلیس رہی۔ اسی وجہ سے آپ نے درس وتدریس سے مستعفی ہوکر اپنے وطن مئوناتھ بھنجن کے لئے رخت سفر باندھا اور عمر عزیز کے بقیہ ایام اپنے مولد ومسکن اور اہل وعیال کے مابین گزار کر اور کچھ دنوں صاحب فراش رہ کر اپنی جان جانِ آفریں کے حوالہ کردی۔

آپ کا انتقال ۲۰ ربیع الآخر ۱۴۱۴ھ مطابق ۱۴ اکتوبر ۱۹۹۳ء بروز چہارشنبہ ہوا۔ اس طرح علم وعمل کا یہ درخشاں ستارہ ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

آپ کا تدریسی میدان بہت وسیع ہے اور ایک طویل عرصہ پر مبنی ہے۔ آپ کے سامنے زانوئے تلمذتہ کرنے والے مستفیدین کی تعداد غیر محصور اور لامحدود ہے، جو ہندوستان جیسے وسیع وعریض ملک کے چپہ چپہ میں پھیلی ہوئی ہے۔ آپ کے تلامذہ کی جو تفصیل ہمارے سامنے آئی ہے ان میں ڈاکٹر مولانا مقتدیٰ حسن صاحب ازہری، حافظ محمد اسماعیل صاحب مئوی، مولانا صفی الرحمن صاحب مبارک پوری، مولانا نوراللہ صاحب سیونی، دکتور محفوظ الرحمن زین اللہ صاحب مدنی، ڈومریا گنج، مولانا شاہد جنید صاحب سلفی صدر جامعہ سلفیہ، بنارس، ادیب عصر مولانا ابوالقاسم صاحب فاروقی، مورخ جماعت مولانا محمد مستقیم صاحب سلفی، مولانا عبیداللہ طیب صاحب مکی، ڈاکٹر عبدالعلی صاحب ازہری، ڈاکٹر عبدالرحمن صاحب پریوائی، مولانا سہیل احمد صاحب مئوی، مولانا عزیز الرحمن صاحب سلفی اور مولانا عبدالوہاب صاحب حجازی جیسے جہابذہ علم وفن مشہور ہیں۔

درس وتدریس کے علاوہ آپ کو تصنیف وتالیف سے شغف رہا ہے تاہم تدریسی مشاغل کی وجہ سے اس طرف توجہ کم رہی، پھر بھی آپ نے اردو زبان میں مختلف علوم وفنون پر طبع آزمائی کی ہے آپ کی تصانیف درج ذیل ہیں۔

۱۔ **کشف الظلام من روایۃ الاعلام:** یہ کتاب ایک دیوبندی عالم مولانا حبیب الرحمن اعظمی کے رسالہ ''**الاعلام المرفوعۃ فی الطلقات المجموعۃ**'' کا شافی وکافی جواب ہے۔ مسئلہ مابہ النزاع تطلیقات ثلاثہ ہے۔ دوسوصفحات پر مشتمل ایک تحقیقی تصنیف ہے۔ اس کے بعد حصے ''اخبار اہل حدیث'' دہلی میں چھپ چکے ہیں۔

۲۔ **العروۃ الوثقی:** یہ کتاب شرک وبدعت کی تردید میں لاجواب اور قابل دید ہے۔

۳۔ **نہج الصحابۃ:** صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اعتصام بالکتاب، تمسک بالسنۃ اور ان کے طریقہ استدلال میں بہترین اور قابل مطالعہ تصنیف ہے۔

۴۔ **برہان عظیم:** یہ کتاب ۳۲ صفحات پر مشتمل ہے اور فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کے ثبوت میں ہے۔

مولانا ابوالقاسم صاحب فاروقی کا بیان ہے کہ ''مولانا ان اساتذہ میں تھے جن سے میں بہت زیادہ متاثر تھا۔ حقیقت میں مولانا کو تصنیف سے زیادہ تدریس میں ملکہ تھا۔ دو طرح کا ترجمہ کرتے تھے۔ ایک لفظی اور دوسرا مفہومی۔ لفظی ترجمہ بڑے سلیقے اور تیزی سے کرتے تھے اور ترجمہ کے بعد ان کے چہرے پر ہلکا تبسم اور مسکراہٹ ہوتی تھی۔

مولانا محمد مستقیم صاحب سلفی آپ کی تدریسی خدمات کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے ماہنامہ محدث (نومبر ۱۹۹۳ء، ص: ۴۴) میں رقم طراز ہیں:۔

''مرحوم ایک صاحب نظر اور باذوق عالم تھے۔ علمی مسائل کے ساتھ ساتھ حالات پر بھی آپ کی نظر تھی۔ شخصیات کے مزاج وافتاد سے خوب واقف تھے۔ پیش آمدہ معاملات میں فیصلہ کن اور صاحب رائے دیتے تھے۔ آپ کا تدریسی ملکہ پختہ تھا۔ عبارت کو اس طرح حل فرما دیتے تھے کہ مفہوم ومدعا بالکل واضح ہوجاتا تھا۔ تدریس کی زبان اور اسلوب بڑا شگفتہ ودل نشین تھا،، اس لئے طلبہ کبھی اکتاہٹ محسوس نہیں کرتے تھے۔ درس کے دوران علمی لطائف بھی ذکر فرماتے تھے۔ مئو کی علمی ودینی تاریخ کے اہم واقعات بڑی دل چسپی سے بیان فرماتے تھے۔ اگر یہ باتیں قلم بند ہوگئی ہوتی تو تاریخ کا ایک اہم حصہ محفوظ ہوجاتا۔ آپ علم وفضل کے سمندر تھے۔ سادگی، بے نفسی، شرافت اور خوش خلقی قابل رشک تھی''۔

[مرسلہ از مضمون نگار]

☆☆☆

آہ! حضرت شیخ الحدیث مولانا عبید اللہ رحمانی مبارکپوری رحمہ اللہ

۱۹۰۹ء۔۔۔۱۹۹۴ء

حافظ صلاح الدین یوسف

عمر ہا درکعبہ وبت می نالد حیات
تاز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

۶ جنوری ۱۹۹۴ء کے روزنامہ ''جنگ'' کے ایک کونے میں ایک کالمی مختصر خبر تھی کہ مولانا عبید اللہ رحمانی مبارکپوری انتقال فرما گئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔

خبر انڈیا ریڈیو کے حوالے سے تھی، اس لئے الم ناک ہونے کے باوجود اسے ناقابل اعتبار قرار دینا مشکل ہے، ویسے بھی کئی سال سے حضرت مبارک پوری کی صحت ؎

جی کا جانا ٹھہر گیا ہے، صبح گیا یا شام گیا

کی آئینہ دار تھی۔ اس لئے ہندوستان سے کسی معتبر ذریعے سے خبر کے آنے کا انتظار کرنے کی بجائے مذکورہ خبر پر ہی یقین کرتے ہوئے ہم ''الاعتصام'' کے صفحات پر صف ماتم بچھانے پر مجبور ہیں۔

اخبار مذکورہ کے خبر نویس یا مدیر کو کیا خبر تھی کہ وہ جس شخصیت کے انتقال کی خبر کو ایک کالم کی دو سطروں میں شائع کر رہا ہے، عالم اسلام کی کیسی عظیم شخصیت تھی؟ اگر اس کو اس کی عظمت کا علم ہوتا تو وہ پورے صفحے کو بھی اس خبر کی المناکی ظاہر کرنے کے لئے ناکافی سمجھتا۔ لیکن المیہ تو یہی ہے کہ آج کے ہمارے صحافی امیتابھ بچن کو جانتے ہیں۔ لتا منگیشکر سے تو واقف ہیں، دلیپ کمار کی اداکاری سے تو آگاہ ہیں، لیکن پاک وہند کی وہ دینی وعلمی شخصیات، جن کی علمی تحقیقات سے پورا عالم اسلام فیضیاب ہو رہا ہے اور جن کی دینی خدمات کا دائرہ عجم سے لے کر عرب تک پھیلا ہوا ہے، ہمارا صحافی ان کی خدمات اور ان کی عظمت تو کجا، ان کے ناموں تک سے بھی واقف نہیں ہے۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا عبید اللہ رحمانی جن کو مرحوم لکھتے ہوئے کلیجہ شق ہو رہا ہے، قلم کانپ رہا ہے اور دل ودماغ پر رعشہ ہے۔ ایک ایسی ہی عظیم شخصیت تھی جو برصغیر ہی کا سرمایۂ ملت نہ تھی بلکہ پورے عالم اسلام کے لئے مایۂ افتخار تھی، جن کے فیض سے پاک وہند کے مسلمان ہی سیراب نہیں ہو رہے تھے، پورا عالم اسلام فیضیاب ہو رہا تھا۔ ان کی محراب علم میں عجم کے علماء ہی کی جبینیں نہیں جھکتی تھیں عالم عرب کی مقتدر شخصیات بھی ان کی بارگاہِ علم میں سربہ سجود رہتی تھیں وادریغا! علم وفضل کا سرچشمہ بند ہو گیا، تحقیق وتدقیق کا یہ آفتاب وماہتاب ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا، افتاء وتدریس کی مسند اجڑ گئی، ادب وانشاء کا چمن بے رونق ہو گیا اور پاک وہند کی

جماعت اہل حدیث اپنے دور کے ابن حجر عسقلانی سے اور اپنے عظیم دینی قائد ورہنما سے محروم ہوگئی۔حضرت شیخ الحدیث رحمانی رحمہ اللہ متعدد جہتوں سے نہایت ممتاز حیثیت کے حامل تھے۔

اولاً: وہ اس مبارک پور کی سرزمین سے تعلق رکھتے تھے جس کے بطن سے متعدد نہایت سربرآوردہ شخصیتوں نے جنم لیا۔مولانا عبدالرحمن مبارک پوری رحمہ اللہ تعالیٰ صاحب تحفۃ الاحوذی ،مولانا عبدالسلام مبارکپوری رحمہ اللہ صاحب سیرۃ البخاری، مولانا عبدالصمد مبارک پوری رحمہ اللہ اورمولانا صفی الرحمن مبارکپوری حفظہ اللہ صاحب ''الرحیق المختوم'' وغیرہم جوآسمانِ علم وفضل کے درخشندہ ماہتاب ہیں۔حضرت مبارک پوری رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی خاندان کے نہ صرف چشم وچراغ تھے بلکہ اپنے خاندان کی علمی روایات کے امین اورحامل بھی تھے۔

۲:اس خانوادۂ علمی کے مذکورہ اکابر نے جوعلمی نقوش اپنے پیچھے چھورے ہیں۔حضرت شیخ الحدیثؒ نے بھی اس روشن روایت کو قائم رکھااور''مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح'' جیسی عظیم محققانہ تالیف دنیائے علم وتحقیق کودے گئے ہیں جس سے قیامت تک اہل علم وتحقیق مستفید ہوتے رہیں گے۔ان شاءاللہ۔

۳: وہ دارالحدیث رحمانیہ دہلی کی چندآخری یادگاروں میں ایک عظیم یادگار تھے۔دارالحدیث رحمانیہ، جماعت اہل حدیث کا ایک نہایت معیاری دارالعلوم تھاجس نے علم وتحقیق ،ادب وصحافت، دعوت وتبلیغ ،امامت وخطابت اوردرس وافتاء ہرشعبے کے لئے علماء وفضلاء کی ایک عظیم کھیپ تیارکی تھی۔حضرت شیخ الحدیث اسی تاریخی درسگاہ کے نہ صرف فیض یافتگان میں نہایت ممتاز افراد میں سے ایک تھے بلکہ وہ اس کی مسندتدریس کوبھی رونق بخشتے رہے تا آنکہ ملک تقسیم ہوگیا۔اوراس کے نتیجے میں یہ عظیم معیاری درس گاہ اجڑ گئی۔

۴: وہ مرجع عوام وخواص تھے۔اہل علم تحقیق کے لئے،عوام استفتاء واستفسار کے لئے اوراہل جماعت ارشادورہنمائی کے لئے ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔اس سرچشمۂ فیض سے سب ہی سیراب اوراس مسندارشادوتحقیق سے سب ہی فیض یاب ہورہے تھے۔

۵:وہ سادگی وتواضع میں اورعلم دین کی خدمت کے لئے ایثاروقربانی میں اسلاف کا بہترین نمونہ تھے۔

''مرعاۃ المفاتیح'' ایک یادگارعلمی تالیف اوراسکامختصر تعارف:

حضرت شیخ الحدیث کی تدریسی اورملی وجماعتی خدمات کادائرہ توبہت وسیع ہے تاہم ان میں سب سے نمایاں ممتاز علمی وتصنیفی کارنامہ ''مرعاۃ المفاتیح'' کی تالیف ہےجس کی وجہ سے انہیں اقران وأماثل میں ایک بلند پایہ مقام حاصل ہوا،اوران کی علمی شہرت عرب ملکوں تک وسیع ہوگئی۔یہ تصنیف، گوپایہ تکمیل کونہیں پہنچ سکی،تاہم جتنی بھی ہے اس سے بھی فاضل مولف کی علمی عظمت مسلمہ ہوگئی ہے۔اسے دیکھ کر ہرصاحب علم یہی آرزوکرتا ہے کہ کاش یہ تالیف حضرت شیخ الحدیثؒ کےقلم تحقیق رقم سے تکمیل کوپہنچ جاتی تو''فتح الباری''ہی کی طرح ایک لاجواب شرح ہوتی۔

اس ''مرعاۃ المفاتیح'' کی تالیف میں حضرت الاستاذ بانی ادارہ دارالدعوۃ السّلفیہ حضرت مولانا محمد عطاء اللہ حنیف نوراللہ مرقدہ کی مساعی حسنہ کابھی بڑاحصہ ہےاس لئے ہم اس فاضلانہ تصنیف کے پس منظر پرمختصراًروشنی ڈالنامناسب خیال کرتے ہیں۔

جماعت کے اصحاب علم جانتے ہیں کہ حضرت الاستاذ مولانا محمد عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ نے سنن نسائی پر "التعلیقات السّلفیۃ" نام سے عربی میں مختصر حواشی تحریر فرمائے تھے، حضرت کی خواہش تھی کہ اسی طرح سلفی نہج میں صحاح کی دوسری کتابوں پر بھی حواشی تحریر کیے یا کرائے جائیں، مشکوۃ المصابیح بھی صحاح ستہ ہی کی احادیث کا مجموعہ ہے چونکہ اس میں دیگر کتب حدیث سے بھی بہت سی احادیث لی گئی ہیں۔ تاہم مدارس دینیہ میں متداول اور داخل نصاب ہونے کی وجہ سے اس کی اہمیت بھی مسلمہ ہے اس لئے حضرت مولانا مرحوم نے حضرت شیخ الحدیث سے مشکوۃ کا مختصر حاشیہ تحریر کروانے کا پروگرام بنایا جس میں ان کے ہم ذوق ساتھی حافظ محمد زکریا مرحوم بن میاں محمد باقر مرحوم (جھوک دادو) ان کے معاون تھے، بات یہ طے ہوئی کہ حضرت شیخ الحدیث کسی مدرسہ میں تدریس کی بجائے اپنا سارا وقت حاشیہ مشکوۃ تحریر فرمانے پر صرف فرمائیں گے اور معاشی کفالت کے لئے ماہوار مشاہرہ یا وظیفہ کا انتظام حضرت مولانا کی ذمہ داری ہوگی۔ یہ مالی تعاون حافظ محمد زکریا مرحوم کی طرف سے ہونا تھا اور واسطہ حضرت مولاناؒ تھے۔ چنانچہ یہ کام شروع کر دیا گیا۔ حافظ محمد زکریا مرحوم کی تو زندگی نے وفا نہ کی۔ اور کام کے آغاز میں ہی (اگست ۱۹۴۹ء میں) وہ اللہ کو پیارے ہو گئے۔ تاہم ان کی ذمہ داری ان کے والد محترم میاں محمد باقر رحمہ اللہ (آف جھوک دادو تاندلیانوالہ) نے قبول فرمالی اور مالی معاونت فراہم کرتے رہے جو حضرت الاستاذؒ کسی نہ کسی طرح سے حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کو ہندوستان پہنچاتے رہے۔ اس میں دیر سویر بھی ہو جاتی تھی جس سے حضرت شیخ الحدیث کو بڑی تکلیف ہوتی تھی کیونکہ کثرت عیال کے باوجود اس وظیفے کے علاوہ ان کا کوئی اور ذریعہ معاش نہیں تھا۔ تاہم حضرت شیخ الحدیث نے عسرت و تنگ دستی اور مالی مشکلات کے باوجود اس علمی کام کو جاری رکھا۔ ادھر حضرت الاستاذ بھی مالی معاونت کی مستقل فراہمی میں خاصی محنت و مشقت برداشت کرتے رہے جس کی تفصیلات شیخین (حضرت الاستاد اور حضرت شیخ الحدیث رحمہما اللہ تعالی) کے مکاتیب میں موجود ہیں۔

۱۹۴۸ء سے ۱۹۶۵ء تک یہ سلسلہ اس طرح چلتا رہا ستمبر ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ کی وجہ سے مالی تعاون ناممکن ہو گیا، تو بونڈ یہار (بھارت) کے مولانا محمد اقبال صاحب (رحمانی) رحمہ اللہ نے دست تعاون دراز فرمایا اور ان کے تعاون سے پھر یہ سلسلہ چلتا رہا تا آنکہ حضرت شیخ الحدیث کی صحت اس پر مشقت اور جانکاہ علمی کام کی متحمل نہ رہی۔ حضرت مرحوم کی خرابیٔ صحت، ضعف پیری اور دیگر بعض علل واسباب کی بناء پر یہ اہم کام تعطل کا شکار ہو گیا اور یہ اہم تالیف، جس نے نامکمل ہونے کے باوصف عرب و عجم کے علمی حلقوں میں خوب پذیرائی حاصل کی، تکمیل پذیر نہ ہوسکی اور کتاب المناسک پر پہنچ کر اس کا سلسلہ منقطع ہو گیا، کتاب المناسک تک اسے جامعہ سلفیہ بنارس نے ۹ جلدوں میں ٹائپ پر شائع کر دیا ہے۔ اس سے قبل بڑے سائز میں دستی کتاب کے ساتھ چند اجزاء میں یہ کتاب چھپی تھی، اس کا اول حصہ مکتبہ سلفیہ لاہور سے حضرت الاستاذ مولانا محمد عطاء اللہ حنیفؒ کے زیر انتظام اور بقیہ حصے ہندوستان سے خود فاضل مولف حضرت شیخ الحدیث کے زیر اہتمام شائع ہوئے تھے۔

اس کام کا آغاز کرتے وقت لکھنے اور لکھانے والوں، دونوں کے ذہن میں ایک مختصر حاشیہ تھا، جو متداول نسخۂ مشکوۃ کے حاشیے پر طبع ہونا تھا۔ لیکن جب آغاز کیا گیا تو یہ حاشیہ ایک مفصل شرح میں تبدیل ہو گیا حضرت الاستاذؒ کے پاس جب اس کا پہلا حصہ بطور مسودہ آیا تو اگرچہ مسودہ پروگرام سے قطعاً مختلف تھا لیکن حضرت مولاناؒ نے اسے دیکھ کر فرمایا کہ مشکوۃ کی مفصل علمی شرح کا بھی خلا ہے جو صدیوں سے چلا آرہا ہے چلو اس فاضلانہ شرح سے یہ خلا بھی پُر ہو جائے گا۔ کیوں کہ مشکوۃ کی اب تک جتنی شروح دستیاب ہیں (مرقات وغیرہ) ایک تو وہ محدثین کے نقطۂ نظر سے خالی ہیں۔ دوسرے، کسی شرح میں احادیث کی تخریج و تحقیق کا اہتمام نہیں کیا

گیا۔حضرت شیخ الحدیث کی اس شرح میں دونوں باتوں کا بطور خاص اہتمام ہے۔حدیث کی تشریح وتفہیم اور جمع وتطبیق میں محدثین کے نقطہ نظر کو پوری تفصیل اور دلائل سے نہایت پرزور انداز میں پیش کیا گیا ہے۔اور احادیث کی تخریج اور نقد وتحقیق کا کام بھی محدثانہ اصول کی روشنی میں کیا گیا ہے۔اور ان دوخوبیوں نے اسے مشکوۃ کی دوسری تمام شروحات پر ممتاز وفائق کردیا ہے۔چنانچہ حضرت الاستاذؒ نے اسے قبول فرمالیا اور اسی نہج پر اس کی تکمیل کی خواہش کا اظہار فرمایا۔یوں یہ مجوزہ حاشیہ عمل کی دنیا میں ایک مفصل شرح بن گیا۔کاش اب کوئی صاحب علم اسے اسی نہج پر مکمل کردے تو یقینا یہ ایک بہت بڑا علمی کارنامہ بھی ہوگا اور محدثین کے اس نقطہ نظر کی خدمت بھی،جس نے دین کو اس کی اپنی اصلی شکل میں محفوظ رکھا ہے۔فجزاہم اللہ۔

بہرحال یہ علمی تالیف اب حضرت شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانیؒ کے نام کو اسی طرح زندہ رکھے گی جس طرح ''تحفۃ الاحوذی شرح جامع ترمذی'' سے مولانا عبدالرحمن مبارکپوری کا نام اور ''عون المعبود شرح ابی داوٗد'' اور ''غایۃ المقصود'' سے مولانا شمس الحق ڈیانویؒ کا نام زندہ ہے۔

ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق
ثبت است برجریدۂ عالم دوام ما

اور اس صدقہ جاریہ میں ان شاء اللہ حضرت الاستاد مولانا محمد عطاء اللہ حنیف، حافظ محمد زکریا، حضرت میاں محمد باقر، مولانا محمد اقبال بونڈیہار، رحمہم اللہ اجمعین اور دیگر معاونین بھی فاضل مولف کے ساتھ شریک ہوں گے۔

دعاءہیکہ اللہ تعالیٰ حضرت شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانیؒ کی جملہ دینی، علمی، تدریسی، اور تبلیغی وتصنیفی خدمات کو قبول فرمائے اور ان کی بشری لغزشوں سے درگذر فرمائے، ان کے صاحب زادگان اور تمام اہل خاندان اور جماعت اہل حدیث ہند کو صبر جمیل کی توفیق سے نوازے۔واقعہ یہ ہے کہ یہ صدمہ صرف ان کے خاندان ہی کا یا جماعت اہلحدیث ہند ہی کا نہیں ہے بلکہ پاکستان سمیت پورے عالم اسلام کی سلفی دنیا کا مشترکہ صدمہ ہے۔وہ اپنے دور کی نہایت گراں مایہ علمی شخصیت تھے جس کے فیوض وبرکات کا دائرہ اقصائے عالم تک پھیلا ہوا ہے۔

ایتھا النفس اجملی جزعاً
فان ماتحذرین قدوقعا

(نوائے اسلام دہلی، جنوری ۱۹۹۴)



محدث عصر، فقیہ دہر، نمونۂ سلف

علامہ ابوالحسن عبیداللہ رحمانی مبارکپوری رحمہ اللہ

۱۹۰۹ء.........۱۹۹۴ء

مولانا محمد حنیف مدنی رحمہ اللہ/جامعہ سلفیہ بنارس

"کل نفس ذائقة الموت" کے ضابطے کے تحت ہر شخص کو موت کا جام نوش کرنا ہے لیکن کسی کی موت از حد باعث صدمہ ہوتی ہے کسی کی کم، کسی کی وفات سے زبردست خلاء محسوس ہوتا ہے اور کسی کی وفات سے ایسا نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آدمی کی ذات جس قدر خوبیوں کی حامل ہوتی ہے اسی قدر اس کے انتقال پر نتیجہ بھی مرتب ہوتا ہے۔ چونکہ حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ کی ذات گرامی نوع بہ نوع فضائل اور گونا گوں کمالات کی حامل تھی بایں وجہ ان کی وفات سے نا قابل تلافی خلاء محسوس ہو رہا ہے اور پوری جماعت اہل حدیث (ہند) یتیم نظر آ رہی ہے۔ آہ! اب ہم شیخ الحدیث کسے کہیں گے؟ فقہی مسائل کی موشگافی کے لئے اب کس کے پاس جائیں گے؟ آہ! علم حدیث کے غوامض ومشکلات میں اب کون رہنمائی کرے گا؟ آہ! علم نبوت کا یہ روشن آفتاب ہمیشہ کے لئے اب غروب ہو گیا۔ **تغمده الله بغفرانه و اسكنه بحبوحة جنانه۔**

نام ونسب وغیرہ:

آپ کا نام عبیداللہ، کنیت ابوالحسن، رحمانی مبارکپوری نسبتیں اور شیخ صاحب، شیخ الحدیث صاحب القاب ہیں سلسلۂ نسب یہ ہے ابوالحسن عبیداللہ بن العلامہ محمد عبدالسلام بن خان محمد بن امان اللہ بن حسام الدین۔

دارالحدیث رحمانیہ (دہلی) کے آپ فارغ التحصیل تھے اس لئے رحمانی کہے جاتے تھے، مبارکپوری وطن مالوف کے تعلق سے کہا جاتا تھا اور خدمت حدیث کے سبب "شیخ صاحب" یا "شیخ الحدیث صاحب، آپ کا لقب پڑ گیا تھا لوگ آپ کو ان ہی القاب سے یاد کرتے تھے۔

ولادت، تعلیم وتربیت:

آپ بماہ محرم الحرام ۱۳۲۷ھ ۱۹۰۹ء بمقام مبارکپور (ضلع اعظم گڑھ، یوپی) پیدا ہوئے۔ آپ کی نشوونما اور تعلیم وتربیت اپنے والد ماجد کے زیر نگرانی ہوئی۔ آپ کے والد جلیل القدر عالم تھے ان کی زندگی درس وتدریس اور تالیف وتصنیف میں بسر ہوئی وہ جہاں

کہیں رہے آپ کو اپنے ساتھ رکھا۔ آپ نے اردو اور فارسی کی مروج کتابیں مدرسہ عالیہ مئو میں پڑھیں اور کافیہ، شرح جامی، شرح وقایہ، مشکوۃ المصابیح، سراجی، شرح تہذیب، قطبی، دیوان المتنبی اور اقلیدس اپنے والد صاحب سے پڑھیں جب کہ وہ مدرسہ سراج العلوم بونڈیہار (ضلع گونڈہ، یوپی) میں مدرس تھے۔ بعدہ اپنے والد کے ساتھ عظیم درسگاہ دارالحدیث رحمانیہ دہلی منتقل ہوئے اور وہیں اپنی تعلیم مکمل کی اور اسی مدرسہ میں تحصیل علم ہی کے دوارن ۱۳۴۲ھ میں آپ کے والد اپنے زمانہ تعلیم وتدریس میں انتقال کر گئے، آپ بڑے ذہین وفطین تھے، دارالحدیث رحمانیہ میں ہمیشہ امتحان میں ممتاز درجہ کے ساتھ کامیاب ہوتے رہے اور ۱۳۴۵ھ میں اسی عظیم درسگاہ سے فارغ التحصیل ہوئے۔

اساتذہ وشیوخ:

(۱) آپ کے والد علامہ عبدالسلامؒ صاحب سیرۃ البخاری (۲) علامہ احمداللہ پرتاب گڑھی ثم دہلوی، انہوں نے آپ کو روایت کتب حدیث کی سند اجازہ عطا کی تھی (۳) علامہ غلام یحییٰ کانپوری (۴) علامہ حافظ عبدالرحمن نگرنہسوی (۵) علامہ ابوطاہر بہاری (۶) علامہ عبدالغفور جیراجپوری (۷) علامہ محمد اسحاق آروی (۸) علامہ عبدالوہاب آروی (۹) علامہ حافظ محمد گونجراوالی پنجابی (۱۰) علامہ محدث عبدالرحمن مبارکپوری صاحب ''تحفۃ الاحوذی'' انہوں نے آپ کو کتب حدیث کی روایت کی زبانی اجازت دی تھی۔

تلامذہ:

آپ کے بحر علوم سے بہت سے لوگوں نے فیض حاصل کئے ان میں سے چند کے نام یہ ہیں (۱) مولانا محمد ادریس آزاد رحمانی املویؒ (۲) مولانا عبدالمعید بنارسی شیخ المعقولاتؒ (۳) مولانا عبدالجلیل رحمانی بستویؒ (۴) مولانا آفتاب احمد رحمانی راج شاہی یونیورسٹی (بنگلہ دیش) (۵) مولانا احمداللہؒ رحمانی شیخ الحدیث (بنگلہ دیش) (۶) مولانا عبدالستار رحمانی مالدہیؒ (۷) مولانا محمد مسلم رحمانی مالدہی (۸) خطیب الاسلام مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری (۹) مفسر القرآن مولانا عبدالقیوم رحمانی بستوی۔

تدریسی خدمت اور تحفۃ الاحوذی شرح جامعہ الترمذی کی تکمیل میں معاونت

آپ کی ذکاوت اور امتحانات میں ہمیشہ ممتاز درجہ کے ساتھ کامیاب ہونے کی بنیاد پر شیخ عطاء الرحمن مہتمم دارالحدیث رحمانیہ نے فراغت کے بعد ہی آپ کو اس مدرسہ میں درس وتدریس کی خدمت پر مامور کر دیا۔ علامہ محدث عبدالرحمن مبارکپوری کی بینائی تحفۃ الاحوذی کی تکمیل سے پہلے ہی جاتی رہی لہذا ان کو ایسے عالم کی ضرورت دامن گیر ہوئی جس کو فنون حدیث سے خصوصی مناسبت ہو اور وہ اس شرح کی تکمیل میں ان کی خاطر خواہ اعانت کر سکے، علامہ مبارکپوری کی نظر انتخاب آپ پر پڑی چنانچہ شیخ عطاء الرحمن نے ان کی تجویز کے مطابق آپ کو ان کی خدمت میں بھیج دیا آپ دو سال تک ان کی خدمت میں رہے اور اس شرح کی آخری دو جلدوں کی تکمیل میں اچھے معاون ثابت ہوئے۔ ساتھ ساتھ آپ کے دو ساتھی مولانا عبدالصمد مبارکپوریؒ اور مولانا محمد لاہوریؒ بھی تھے۔ شرح مکمل

ہوجانے کے بعد شیخ عطاء الرحمن نے آپ کو عہدہ تدریس پر واپس بلالیا اور کتب حدیث خصوصاً جامع ترمذی، سنن ابی داوٴد، صحیحین اور موطا امام مالک کی تدریسی خدمت آپ کے سپرد کی اور ساتھ ساتھ فتوی نویسی کی خدمت بھی۔ آپ مسند درس وتدریس پر فائز رہے یہاں تک کہ اگست ۱۹۴۷ء مطابق ۱۳۶۶ھ میں ہندوستان دوحصوں میں تقسیم ہوگیا (۱) پاکستان (۲) ہندوستان اور اس مدرسہ کے تنہا مالک وسرپرست مولانا عبدالوہاب پسر شیخ عطاء الرحمن ہجرت کر کے کراچی (پاکستان) چلے گئے بنابریں مدرسہ بند ہوگیا اور آپ اپنے وطن مبارکپور چلے آئے۔

آپ ایک نکتہ داں اور دقیقہ رس مدرس تھے۔ مولانا ابویحیی نوشہروی تراجم علمائے حدیث ہند میں آپ کے متعلق رقم طراز ہیں ''مولوی عبیداللہ صاحب (مدرس دارالحدیث رحمانیہ دہلی) ہیں جن کے تفقہ فی الحدیث کا اس نوعمری میں یہ عالم ہے کہ جب درس حدیث پر بیٹھتے ہیں تو سند ومتن کے عقدے کھول کر رکھ دیتے ہیں یعنی کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھاتے ہیں اور فقاہت حدیث کے رازہائے سربستہ آشکارا کر جاتے ہیں''۔

علم وفضل:

آپ بڑے متبحر عالم تھے، دینی علوم میں مکمل دستگاہ رکھتے تھے لیکن تخصص آپ کا فن حدیث میں تھا جس کے مباحث کی چھان بین میں آپ کی ساری زندگی بسر ہوئی، فقہ واجتہاد میں بھی معلومات وسیع اور نظر گہری تھی، عبارت فہمی کا بڑا ملکہ تھا، مسائل کے استنباط میں بڑی دقت نظر سے کام لیتے تھے جو شخص آپ کے فتاوی اور مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح کا مطالعہ کرے گا اس پر ہماری ذکر کردہ باتیں عیاں ہوجائیں گی اور ثابت ہوجائے گا کہ آپ جلیل القدر محدث اور بلند پایہ فقیہ ومجتہد تھے۔

مرجعیت ومقبولیت:

اللہ نے آپ کو مرجع خلائق اور مقبول خاص وعام بنایا تھا چنانچہ لوگ کثرت سے دینی مسائل میں آپ کی جانب رجوع کرتے تھے آپ کتاب وسنت کی روشنی میں ان مسائل کو حل فرماتے جو حق بات ہوتی اسے بیان کردیتے اور اس بارے میں کسی کی پرواہ نہیں کرتے اسی طرح حدیث کی مشکلات وغوامض میں علماء وفضلاء آپ کی جانب رجوع کر کے رہنمائی کے طالب ہوتے، آپ سب کے ہردل عزیز تھے، ہر فرقہ ومذہب کے لوگ آپ کی عزت کیا کرتے تھے چنانچہ آپ کے جنازے میں اتنا بڑا مجمع تھا جس کا لوگ تصور بھی نہیں کرتے تھے، آپ کے بہت سے فتاوی ''محدث'' اور ''مصباح'' وغیرہ میں شائع ہوچکے ہیں۔

تقوی وتدین:

زہد وورع، تقوی وتدین، امانت ودیانت، للّٰہیت واخلاص اور تزکیہ نفس وتصفیہ باطن میں ممتاز تھے۔ بڑی پاکیزہ اور محتاط زندگی بسر کرتے تھے۔ دنیا سے صرف بقدر ضرورت تعلق رکھتے تھے اپنی تمام تر توجہ آخرت بنانے اور سنوارنے پر مرکوز رکھتے تھے۔ حلال

وحرام اور جائز و ناجائز کا بڑا لحاظ رکھتے تھے۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کے از حد پابند تھے۔ مالی معاملات میں انتہائی محتاط اور لین دین میں بالکل کھرے تھے، اپنا حساب و کتاب بالکل پاک وصاف رکھتے تھے، بڑے متبع سنت تھے، سنت کا احیاء اور بدعت کا ابطال آپ کی زندگی کا مشن تھا، اپنے آپ کو سنت کے قالب میں اسطرح ڈھال رکھا تھا کہ ہر ایک نقل وحرکت سے اتباع سنت جھلکتا رہتا تھا۔ بلاشبہ آپ اس صدی میں اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھے۔

اخلاق وعادات

آپ بڑے خوش خلق اور وسیع الظرف تھے، لوگوں سے خندہ پیشانی اور دل سے ملتے، جب کوئی آپ سے ملتا تو اسے اجنبیت کا ذرا بھی احساس نہ ہوتا۔ ہر آدمی آپ سے بے تکلفی سے ملتا اور وسعت قلبی کے ساتھ بات چیت کرتا۔ آپ سے ملنے کا کوئی وقت مقرر نہ تھا جو جس وقت چاہتا بلا تامل ملاقات کرتا۔ مہمانوں کی تعظیم وتکریم اور خاطر ومدارات میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے تھے۔ جب تک کوئی آپ کے پاس رہتا اور آپ کو بات چیت میں مشغول رکھتا آپ دلچسپی سے سنتے اور بالکل نہیں گھبراتے، اپنے آرام اور نیند کو مہمانوں کی خدمت کرنے میں قربان کر ڈالتے، دوسروں کی خدمت کرنے میں آپ کو بڑا لطف ملتا۔ خردوں سے بھی ایسے انداز سے پیش آتے کہ اس سے انہیں بڑی شرمندگی ہوتی۔

آپ بڑے صاف دل تھے۔ دل حسد، کینہ، بغض وعداوت سے پاک وصاف رہتا تھا، قول وفعل میں تضاد کا نام ونشان نہ تھا، بڑے متواضع اور منکسر المزاج تھے، عجز وانکساری طبیعت ثانیہ بن چکی تھی، بڑے شریف اور متحمل مزاج تھے، شریفانہ برتاؤ عام شیوہ تھا، ناگوار خاطر حرکت سامنے آنے پر تحمل کر لینا فطرت ثانیہ بن گئی تھی۔

اپنے مسلک میں پختگی کے باوجود دیگر مسلک کے لوگوں کو برا بھلا نہ کہتے بلکہ ان کے ذی علم اشخاص کے ادب واحترام کا پورا پورا لحاظ رکھتے تھے، دینی حمیت کے باوجود ناراضگی اور جھنجھلاہٹ کا اظہار نہ کرتے بلکہ نہایت سنجیدگی اور نرمی سے صحیح اور حق بات کہہ دیتے، اخیر وقت تک اس اعتدال وتوازن کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔

بڑے نظافت پسند تھے، لباس بڑا صاف ستھرا پہنتے، مکان کو بھی بہت صاف ستھرا رکھتے اور دیگر استعمال کی چیزیں بھی نہایت صاف ستھری ہوتی۔ بڑے نشیط تھے، بڑھاپے میں بھی سستی وتکاسلی کا نام ونشان نہ تھا۔ شرم وحیا کا یہ حال تھا کہ سخت گرمی اور خلوت میں بھی لباس ساتر زیب تن رہتا۔ نام ونمود اور خود نمائی وظاہر داری سے سخت نفرت تھی۔ اپنے کو نمایاں اور ممتاز کرنے کا شائبہ بھی نہ تھا مگر صرف ہندوستان ہی نہیں بلکہ اسلامی ملکوں کا ذی علم طبقہ آپ کے فضل وکمال کا معترف تھا۔

صبر واستقلال کے پہاڑ تھے، آلام ومصائب کو خندہ پیشانی سے انگیز کرتے اور زبان سے اف تک نہ کرتے۔ بڑے قانع تھے، حرص وطمع کا نام ونشان نہ تھا، اللہ کا دیا ہوا جو کچھ میسر آ جاتا اسی پر راضی رہتے، اپنی عسرت اور پریشانی کسی کو محسوس نہیں ہونے دیتے۔ کفایت شعاری کا یہ حال تھا کہ بوقت شب روشنی کے لئے معمولی چراغ جلاتے اور جب کچھ لکھنا پڑھنا ہوتا تو بڑا لیمپ روشن کرتے۔

آپ کے صاحبزادے مولانا عبدالرحمن صاحب کا بیان ہے کہ جب والد صاحب نے مرعاۃ المفاتیح لکھنے کا کام شروع کیا تو ایک سو پچاس روپیہ ماہوار وظیفہ مقرر کیا گیا لیکن آپ نے فرمایا کہ ایک سو پچیس روپیہ میں میرا کام چل جائے گا اور اتنا ہی لینا پسند کیا حالانکہ اس وقت گھر پر تنگی چل رہی تھی۔

مزاج سادہ تھا، کھانے پینے، رہنے سہنے اور لباس و پوشاک میں سادگی پسند کرتے تھے، تکلف و آرائش سے سخت نفرت تھی۔ اپنی ذمہ داریوں کو بڑے حسن وخوبی سے انجام دیتے تھے، خطوط کے جوابات ضرور بالضرور دیتے۔ محدثین کرام کی سیرت پاک کا صحیح نمونہ تھے، آپ کو دیکھتے ہی محدثین کرام کا زمانہ یاد آجاتا۔ الغرض آپ کی ذات گرامی سیرت و کردار میں ایک مثالی شخصیت تھی۔

عقیدہ وعمل

آپ عقیدہ وعملاً سلفی المسلک تھے بلکہ اس مسلک کے زبردست داعی تھے۔ پوری زندگی اسی مسلک کی ترویج واشاعت میں صرف ہوئی آپ کی مایہ ناز اور شہرہ آفاق تصنیف ''مرعاۃ المفاتیح'' اس حقیقت کا آئینہ دار ہے۔

زیارت حرمین شریفین

آپ کو چار مرتبہ حرمین شریفین کی زیارت نصیب ہوئی۔ (۱) بماہ رمضان ۱۳۶۶ھ مطابق ۱۹۴۷ء شیخ خلیل بن محمد بن حسین بن محسن انصاری کے ساتھ وفد کی شکل میں گئے۔ یہ وفد مدینہ منورہ کے مدرسہ دارالحدیث کے سلسلے میں شاہ عبدالعزیزؒ کی خدمت میں گیا تھا، وفد اپنے مقصد میں کامیاب ہوکر اسی سال اوائل ذیقعدہ میں واپس آیا۔ اس سفر میں آپ نے عمرہ رمضان کے آخر میں کیا پھر دوسرا عمرہ مدینہ منورہ سے لوٹتے ہوئے بماہ شوال ادا کیا۔ (۲) ۱۳۷۵ھ مطابق ۱۹۵۶ء میں آپ نے فریضہ حج ادا کیا۔ (۳) ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۹۶۳ء میں آپ نے حج بدل کیا۔ (۴) ۱۳۹۱ھ مطابق ۱۹۷۱ء میں آپ نے حج بدل کیا۔

جامعہ سلفیہ بنارس

آپ جامعہ سلفیہ بنارس کے بانیوں میں سے تھے اور یوم تاسیس سے لے کر اپنے آخری وقت تک اس کے صدر رہے، آپ نے اس ذمہ داری کو بڑے حسن وخوبی سے انجام دیا۔ آپ کی ذات سے متعلق جامعہ کو جیسی خدمت درکار ہوئی بڑے خلوص سے انجام دیا چنانچہ بوقت ضرورت اس کے تعاون کے سلسلے میں اندرون ملک سفر بھی کئے اور ہمیشہ نیک مشوروں سے نوازتے رہے اور آغاز قیام جامعہ میں ماہ بماہ حاضر ہوکر اس کی تعلیمی سرگرمیوں اور دیگر امور کا جائزہ لیتے رہے اور اساتذہ وطلبہ کو نصیحتوں سے نوازتے رہے، آپ کو جامعہ سے بڑی محبت تھی۔ آپ برابر اس کے بہی خواہ رہے۔

جمعیت اہل حدیث ہند

آپ جمعیت اہلحدیث ہند کے سرپرست تھے۔ جمعیت کو آپ پر فخر وناز تھا۔ جمعیت کے بڑے دردمند تھے اور اس کے اتار

چڑھاؤ سے کافی متاثر ہوتے تھے۔

تحریر وتصنیف:

درس وتدریس کے علاوہ تحریر وتصنیف کا بھی اچھا ذوق رکھتے تھے۔ اردو اور عربی دونوں زبانوں میں لکھتے تھے۔آپ کی تحریریں سنجیدگی، متانت اور علمی وقار کا نمونہ ہوتی تھیں جو سلف صالحین کا مابہ الامتیاز وصف رہا ہے۔

تصنیفی کارنامے:

۱۔رمضان المبارک کے فضائل واحکام (مطبوع، اردو) اس رسالہ کا موضوع اس کے نام سے ظاہر ہے۔

۲۔بیان الشرعة فی بیان محل اذان خطبة الجمعة (مطبوع، اردو) اس رسالہ میں جمعہ کی اذان کی جگہ متعین کی گئی ہے۔

۳۔لائف انشورنس (بیمہ) کی شرعی حیثیت (مطبوع، اردو اس رسالہ کا موضوع اس کے نام سے ظاہر ہے۔

۴۔مرعاة المفاتیح شرح مشکاة المصابیح (مطبوع، عربی)

یہ آپ کی شہرہ آفاق تصنیف ہے جو مشکاۃ المصابیح کی مبسوط، محققانہ اور بے نظیر شرح ہے علامہ بھوجیانی اس کے متعلق رقمطراز ہیں ''قدیم شروح کے مندرجات کو حاوی اور بفحوائے ''کم ترک الاول للآخر'' تحقیق میں دسویں گیارہویں صدی ہجری کا زمانہ یاد دلانے والی ہے'' (مقدمہ ناشر طبع اول ص ز) اس کے ہوتے ہوئے مرقاۃ ولمعات وغیرہ کی ضرورت نہیں رہتی۔

اس کی تالیف کی ابتدا ۱۹۴۸ء مطابق ۱۳۶۷ھ میں حافظ محمد زکریا لائل پوری اور ان کے والد شیخ محمد باقر صاحبان کے حسب فرمائش ہوئی۔

افسوس کہ یہ شرح پایہ تکمیل کو نہیں پہنچ سکی۔ اس کی نو جلدیں زیور طباعت سے آراستہ ہو کر ادارۃ البحوث الاسلامیہ والدعوۃ والافتاء، جامعہ سلفیہ بنارس، سے شائع ہو چکی ہے اور دسویں جلد جو کتاب البیوع سے شروع ہوتی ہے اس کے ۱۸۰ صفحات چھپ چکے تھے اور آگے کا کام جاری تھا لیکن بعض اسباب کی وجہ سے کام رک گیا جس کا شارح علام کو تاحیات قلق رہا۔ اللہ تعالیٰ اس کی تکمیل کی کوئی شکل پیدا کرے آمین۔

اس شرح کے بعض خصائص مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔مشکاۃ شریف میں وارد اسمائے صحابہ وتابعین اور مصنفین وائمہ حدیث کے بقدر ضرورت تراجم پہلی جگہ میں ذکر کر دیئے گئے ہیں۔

۲۔حدیث کے ادبی اور بلاغی پہلوؤں کی نشاندہی کی گئی ہے۔

۳۔حدیثوں کی مکمل توضیح اور مفصل تشریح کی گئی ہے نیز جو حدیثیں فقہی اور کلامی مسائل پر مشتمل ہیں ان کے معانی میں سے جو معنی سلف صالحین کے نزدیک صحیح اور راجح ہے اسے ذکر کیا گیا ہے۔

۴۔اہل ہوی نے احادیث کو اپنے باطل مسلک کے مطابق ڈھالنے کے لئے جو واہی تاویلات کئے ہیں ان تاویلات کا تفصیل سے رد کیا گیا ہے۔

۵۔اہل تقلید نے فقہائے محدثین پر جو مطاعن وارد کئے ہیں ان کا بطریق احسن جواب دیا گیا ہے۔

۶۔اختلافی مسائل میں فقہاء کے دلائل ذکر کر کے شارح کے نزدیک جو قول راجح ہے اس کا تعین کرتے ہوئے اس کی تائید احادیث وآثار سے کی گئی ہے اور مرجوح اقوال کے متعدد طریقوں سے جواب دیئے گئے ہیں۔

۷۔حل اشکالات اور دفع معارضات پر پوری توجہ دی گئی ہے۔

۸۔مشکوۃ شریف کی فصل اول اور ثالث میں بخاری ومسلم کی وارد حدیثوں کی تخریج کا التزام کیا گیا ہے اسی طرح فصل ثانی اور ثالث میں غیر صحیحین کی وارد حدیثوں کی تخریج کا بھی التزام کیا گیا ہے۔نیز جہاں مصنف نے حدیث ذکر کر کے بعد بیاض چھوڑ دیا ہے تو شارح علام نے اس کا استدراک کیا ہے۔

۹۔بخاری اور مسلم کے علاوہ کی حدیثوں کا تنقیدی جائزہ لے کر ان کا درجہ (صحت وضعف) بیان کیا گیا ہے۔

۱۰۔اگر مصنف سے الفاظ حدیث نقل کرنے میں تسامح ہوا ہے تو اس کی تصحیح کی گئی ہے۔نیز اگر بخاری اور مسلم کی حدیثیں پہلی فصل کے بجائے دوسری فصل میں اور دیگر محدثین کی حدیثیں دوسری فصل کے بجائے پہلی فصل میں درج ہوگئی ہیں تو اس پر تنبیہ کی گئی ہے۔

۱۱۔اگر کسی حدیث کو مصنف نے مختصر نقل کیا ہے تو اس کو شارح علام نے مکمل نقل کیا ہے۔

۱۲۔مشکوۃ شریف کی حدیثوں کی دو ترقیم کی گئی ہے۔

(۱) مسلسل حدیثوں کی ترقیم تاکہ حدیثوں کا شمار صحیح طور پر ہو سکے نیز حدیثوں کا سلسلہ نمبر کے ساتھ شمار کرنا اس زمانہ میں کتب حدیث کی نشر کا بہتر طریقہ ہے۔

(۲) ہر باب کی حدیثوں کی علیحدہ ترقیم قوسین کے درمیان ()۔اس عمل کا فائدہ قاری اور باحث پر واضح ہے۔

۱۳۔چار طرح کی فہرست قائم کی گئی ہیں:

(۱) **فهرس الأبواب والفصول**

(۲) **فهرس مطالب الكتاب**

(۳) **فهرس الأعلام**

(۴) **فهرس الأماكن**

شیخ الحدیث صاحب سے راقم الحروف کے تعلقات

میں صغر سنی میں ۱۹۶۲ء میں جامعہ فیض عام مئو میں ادنی جماعت میں داخل ہوا، وہیں حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ کو دیکھنے اور ان سے ملنے کا شرف حاصل ہوا۔آپ وقتاً فوقتاً جامعہ میں تشریف لاتے اور مولانا عبدالمعید صاحب بنارسی کے پاس ٹھہرتے۔اپنی کم عمری اور علمی بے مائیگی کے باوجود مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ ایک موقر اور صالح عالم دین ہیں خصوصاً بایں معنی

کہ اساتذہ اور طلبہ ان کا بیحد احترام کرتے تھے۔ میں ۱۹۶۲ء تا ۱۹۶۹ء جامعہ میں طالب علم کی حیثیت سے رہا اس اثناء میں میرا آپ سے صرف ایک عمومی تعلق رہا لیکن جب دسمبر ۱۹۷۰ء میں جامعہ میں تدریسی خدمت پر مامور ہوا تو اس وقت سے یہ عمومی تعلق آہستہ آہستہ خصوصی تعلق میں تبدیل ہونے لگا اور آخری مرحلہ میں استاذ و شاگرد کے جیسا ہو گیا جو اخیر وقت تک برقرار رہا۔ اس سلسلے کی کچھ باتیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

۱۔ میں ۱۹۶۶ء میں جناب عبدالسبحان صاحب مئوی کے پاس مشکوۃ شریف جلد دوم پڑھ رہا تھا اس وقت مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح خریدنے کا شوق پیدا ہوا لہذا دوسری اور تیسری جلد (طبع حجری) استاذ گرامی جناب قاری صاحب کے توسط سے میں نے خرید لی (واضح ہو کہ جناب قاری صاحب کے تعلقات حضرت شیخ صاحب سے بڑے اچھے تھے) لیکن پہلی جلد چونکہ پاکستان میں چھپی تھی اور اس وقت ہندوستان آسانی سے نہیں آسکتی تھی اس لئے جب ایک مرتبہ حضرت شیخ الحدیث صاحب مئو تشریف لائے تھے تو میں نے استاذ محترم جناب قاری صاحب سے کہا کہ پہلی جلد کے لئے میری جانب سے آپ حضرت شیخ صاحبؒ سے گزارش کر دیں اور قیمت اسی وقت جمع کر دیں جب انہوں نے اس کی بابت بات چیت کی تو حضرت شیخ صاحبؒ نے روپیہ نہیں لیا اور مجھ سے (واضح ہو کہ بات چیت کے وقت میں بھی ساتھ تھا) کہا کہ ابھی روپیہ رکھو جب کتاب آجائے گی تو مل جائے گی چنانچہ جب کتاب پاکستان سے آئی تو حضرت شیخ صاحبؒ نے خود ہی بغیر یاد دہانی بھیج دی۔

۲۔ ۱۹۷۵ء میں جب میں نے ابتداء مضمون لکھنا شروع کیا تو اس کا کچھ حصہ شیخ صاحب کو سنایا آپ نے بغور سنا اور مضمون نگاری کے کچھ اصول بتائے۔

۳۔ جب مرعاۃ المفاتیح کی ابتدائی دو جلدیں اول مرتبہ جامعہ سلفیہ بنارس میں طبع ہوئیں تو پہلی جلد کی مطبعی غلطیاں نوٹ کر کے حضرت شیخ صاحبؒ کو میں نے دیا آپؒ نے ان کا جائزہ لینے کے بعد بعض مقامات کے متعلق میری رہنمائی فرمائی۔

۴۔ آپ سے باقاعدہ تعلیم حاصل کرنے کی سعادت حاصل نہیں ہو سکی لیکن عمومی استفادہ کا شرف ضرور حاصل ہوا مثلاً مسائل کی معلومات حاصل کرنا یا کوئی دقیق عبارت پیش کر کے اس کے مطلب کے متعلق اطمینان حاصل کرنا۔

۵۔ ۱۹۷۸ء میں ایک مرتبہ آپؒ نے مجھے حضرت اسماء بنت ابوبکرؓ کے حالات متعدد مصادر میں تلاش کرنے کو کہا جس کی میں نے تعمیل کی تو آپؒ نے میری حوصلہ افزائی فرمائی۔

۶۔ میں نے ۱۹۷۷ء میں جب مدینہ یونیورسٹی میں داخلہ کیلئے کوشش شروع کی تو آپؒ سے توصیہ کا طالب ہوا لیکن کامیاب نہ ہوسکا کیونکہ اسوقت توصیہ نہیں لکھتے تھے بہر حال میں نے اپنی کوشش جاری رکھی بفضلہ تعالیٰ داخلہ ہو گیا اور منظوری کا لیٹر بھی آیا لیکن بدقسمتی سے ویزہ اور ٹکٹ نہیں آسکا جس کی وجہ سے اس وقت میں نہیں جاسکا پھر دوسرے سال کوشش جاری رکھی کامیابی نہیں ہوئی، اسی طرح مسلسل تین سال گزر گئے پھر چوتھے سال وہاں جانا نصیب ہوا۔ تو جس زمانے میں میرا معاملہ معلق تھا اسی زمانے میں میرے دوست شیخ احمد مجتبیٰ سلفی جو اس وقت مدینہ یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کر رہے تھے اور میرے داخلے کیلئے کوشاں تھے انہوں نے مجھے لکھا

کہ جناب شیخ صاحب مبارکپوری اور جناب ڈاکٹر مقتدی حسن صاحب ازہری وکیل الجامعۃ السّلفیہ بنارس سے توصیہ لے کر بھیجو اس مرتبہ جب میں نے خط دیکھا یا اور صورت حال بیان کیا تو آپ نے آسانی سے مجھے توصیہ دے دیا۔

۷۔ جامعہ فیض عام میں تدریسی خدمت کے دوران حضرت شیخ صاحب کے ساتھ مجھے مراسلت کی نوبت شاذ و نادر ہی آئی کیونکہ وقتاً فوقتاً میں مبارکپور چلا جایا کرتا تھا اور وقتاً فوقتاً آپ بھی مئو آیا جایا کرتے تھے اس لئے ملاقات کا شرف حاصل ہو جایا کرتا تھا۔ [مرتب] اور جامعہ سلفیہ کی زندگی میں بھی مراسلت کی نوبت شاذ و نادر ہی پڑی کیونکہ وقتاً فوقتاً میں حضرت شیخ صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر لقا کی سعادت حاصل کر لیا کرتا تھا۔ البتہ جب مدینہ تعلیم حاصل کرنے کے لئے میں گیا اور چار سال وہاں گزار کر پھر مکہ آیا اور دو سال یہاں تعلیم حاصل کرنے میں گزارا تو اس مکی اور مدنی زندگی میں برابر طرفین سے مراسلت کا سلسلہ جاری رہا۔

۸۔ شیخ صاحب نے مجھے روایت کتب حدیث کی سند اجازہ بتاریخ ۱۵/ ۱۲/ ۰۸ ۱۴ھ مطابق ۳۰/ ۷/ ۱۹۸۸ء عطا فرمائی۔ اسی طرح آپ نے مجھے مدکی سند بتاریخ ۱۴/ ۱۱/ ۱۳ ۱۴ھ مطابق ۷/ ۷/ ۱۹۹۸ء عطا فرمائی۔

حلیہ:

رنگ سفید، قد میانہ، بدن دبلا پتلا، چہرہ نورانی و بارونق، پیشانی کشادہ، ناک و آنکھ موزوں، داڑھی متوسط اور بال سفید۔

وفات:

بتاریخ ۲۲ ؍ رجب ۱۴ ۱۴ھ مطابق ۵ ؍ جنوری ۱۹۹۴ء بروز چہارشنبہ بوقت صبح ۵ بج کر ۵۵ منٹ پر بعمر ۸۷ سال آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا اور آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اس طرح نہ صرف جماعت اہل حدیث بلکہ سنت نبوی سے اشتغال رکھنے والا مبارک گروہ ایک مثالی جامع کمالات شخصیت سے محروم ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ حضرت شیخ صاحب کا نعم البدل پیدا فرمائے اور مرحوم کی لغزشوں سے درگزر فرما کر ان کو جنت الفردوس میں جگہ عطا کرے۔ آمین۔

اہل وعیال:

زوجہ: شیخ صاحب کی ایک ہی شادی ہوئی تھی، اہلیہ کا نام حکیمہ خاتون ہے جو بقید حیات ہیں۔

لڑکے: تین لڑکے بچپن ہی میں فوت ہو گئے تھے جن کے نام بالترتیب یہ تھے (۱) محی الدین (۲) فضل حق (۳) عبداللہ، اور تین بقید حیات ہیں جن کے نام بالترتیب مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) فضل الباری: ان کی تعلیم مختصر ہوئی ہے کسی درس گاہ سے فارغ نہیں ہیں۔

(۲) عبدالرحمن: جامعہ رحمانیہ بنارس کے فارغ اور جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ (کلیۃ الشریعہ) کے خریج ہیں اور فی الحال مدرسہ عربیہ دار التعلیم مبارکپور میں مدرس ہیں اور مدرسہ مذکورہ کی نظامت کے ساتھ ساتھ جامعۃ المعارف الاسلامیہ مبارکپور کے بھی ناظم ہیں۔

(۳) (حافظ) عبدالعزیز: جامعہ سلفیہ بنارس کے فارغ اور جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ (کلیۃ الشریعہ) کے متخرج ہیں اور ماجستر

(ایم اے) اور دکتورہ (پی ایچ ڈی) جامعہ ام القری مکہ مکرمہ سے کئے ہیں، فی الحال کلیۃ فاطمۃ الزہرا مئوناتھ بھنجن میں تدریسی خدمت انجام دیتے ہیں۔

لڑکیاں: ایک لڑکی بقید حیات ہے جن کا نام ریحانہ خاتون ہے اور تین لڑکیاں شیخ صاحبؒ کی زندگی ہی میں فوت ہوگئیں جن کے نام بالترتیب یہ ہیں۔ (۱) حسینہ خاتون: بچپن ہی میں وفات پاگئیں۔ (۲) صفیہ خاتون: تقریباً ۳۰ یا ۳۵ سال کی عمر میں انتقال کرگئیں ان کے بطن سے تین لڑکے اور ایک لڑکی ہے۔ (۳) عائشہ خاتون: بچپن ہی میں وفات پاگئیں۔

فضل الباری کی اولاد: لڑکی: نام رضیہ خاتون ہے یہی ایک لڑکی ہیں۔ لڑکے: (۱) نعیم الرحمن (۲) مطیع الرحمن (۳) ڈاکٹر منصور الرحمن (۴) حافظ سہیل احمد (۵) صبیح اختر (۶) ڈاکٹر تقی الدین۔ ان لڑکوں میں سے کوئی بھی دینی علوم میں فارغ التحصیل نہیں ہے۔

عبدالرحمن کی اولاد: لڑکے: (۱) زہیر: جامعہ اسلامہ مدینہ منورہ (کلیۃ الحدیث) کے متخرج ہیں اور المعہد العالی لاعداد الائمۃ والدعاۃ مکۃ مکرمۃ سے ماجستر (ایم اے) کئے ہیں، فی الحال مدرسہ خدیجۃ الکبری جھنڈا نگر (نیپال) میں تدریسی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ (۲) ازہر: جامعہ سلفیہ بنارس کے فارغ اور جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ (کلیۃ الحدیث) کے خریج ہیں۔ (۳) اجمل: جامعہ سلفیہ بنارس کے خریج ہیں اور جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ (کلیۃ الحدیث) سے بھی فراغت حاصل کر چکے ہیں۔

لڑکیاں: (۱) رزینہ خاتون (۲) امیمہ خاتون (۳) ثمامہ خاتون (۴) عطیہ خاتون: یہ کلیہ فاطمۃ الزہرہ مئو سے فارغ التحصیل ہیں۔

حافظ عبدالعزیز کی اولاد: ایک ہی لڑکا ہے جس کا نام فواز ہے یہ حافظ قرآن ہے اور عربی کی تیسری جماعت میں مدرسہ دارالتعلیم مبارکپور میں تعلیم حاصل کررہا ہے، (اور یہ اب فارغ التحصیل ہونے کے ساتھ پی ایچ ڈی ہو چکے ہیں، عزیز قدر فواز کو اللہ جزائے خیر دے کہ انہوں نے شیخ صاحب رحمہ اللہ کے فتاویٰ کو جمع وترتیب دے کر فتاویٰ شیخ الحدیث کے نام سے مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند سے چھپوانے کا شرف حاصل کیا ہے) لڑکی بھی ایک ہی ہے جس کا نام صفیہ خاتون ہے یہ کلیہ فاطمۃ الزہراء مئو میں تعلیم حاصل کررہی ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس خاندان کو سرسبز وشاداب رکھے اور علمی ودینی خدمات کا سلسلہ اس میں برقرار رکھے آمین۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی خیر خلقہ محمد وآلہ وصحبہ اجمعین۔

مراجع: (۱) مقدمہ ''مرعاۃ المفاتیح'' ص ۹-۱۲
(۲) شخصی استفسارات
(۳) ذاتی معلومات

ماخوذ از: محدث بنارس شیخ الحدیث نمبر جنوری فروری ۱۹۹۷ء



شیخ الحدیث علامہ عبید اللہ رحمانی رحمہ اللہ

حیات وخدمات پر ایک سرسری نظر

مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی
امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند

ولادت ونشو ونما:

شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی ولادت ۱۳۲۷ھ کو قصبہ مبارکپور میں ہوئی۔ جو ضلع اعظم گڑھ کا معروف ومردم خیز قصبہ ہے۔ یہاں بڑے بڑے اساطین علم وفن پیدا ہوئے۔ حق تو یہ ہے کہ ؎

جو ذرہ یہاں سے اٹھتا ہے وہ نیز تاباں ہوتا ہے

آپ ایک علمی خانوادہ کے چراغ تھے آپ کے والد ماجد مولانا عبد السلام مشہور عالم دین اور شان محدثیت سے متصف شخصیت کے مالک تھے۔ اور آپ کی کتاب سیرت البخاری حیات وخدمات واعتراضات ومحاسن بخاری پر اتھارٹی کی حیثیت رکھتی ہے، اسی ماحول میں آپ کی نشوونما ہوئی۔ چونکہ آپ کے والد ماجد مئو کے معروف علمی وتعلیمی درسگاہ جامعہ عالیہ کے مسند درس پر جلوہ افروز تھے اس لئے آپ نے اسی علمی گہوارے کو اپنا مسکن تعلیم بنایا اور ابتدائی تعلیم یہیں حاصل کی۔

بعدہ علوم عربیہ کی تکمیل جامعہ سراج العلوم بونڈیہار جو جماعت اہل حدیث کی عظیم تعلیمی ودعوتی وعلمی مرکز رہا ہے میں کرنے کی ٹھانی اور وہاں متداول علوم شرعیہ وآلیہ کے اہم اسباق اور دروس حاصل کئے چونکہ آپ کے والد ماجد وہاں سے آپ کے دوران تعلیم مدرسی سے استعفیٰ دے کر مرکز علم وفن اور تربیت کدۂ ہند کی عظیم الشان درسگاہ جہاں کا ہر ذرہ ماہتاب وآفتاب ہوا کرتا تھا میں مسند درس پر جلوہ افروز ہوئے اس لئے آپ بھی والد ماجد کے ہمراہ دہلی دار الحدیث رحمانیہ آگئے اور چمنستان علم وعرفان کے موسم بہار سے شادکام ہوئے۔ اور اس مرکز تعلیم وتربیت اور تزکیہ واصلاح میں اپنے آپ کو ڈھال کر کندن بنایا۔ اس لئے جونہی تعلیمی مرحلے کی تکمیل ہوئی آپ کو اس مثالی عالمی وعلمی وتعلیمی وتربیتی مرکز کا معلم بنادیا گیا۔ کہتے ہیں کہ مدرسہ کے بانی ومنتظم مردم سناش تھے اور اس کے ساتھ قدردان بھی اور قدردانی تھی کہ آپ دار الحدیث رحمانیہ مرحوم کے آخری ایام بقاء وقیام تک اس کے مدرس رہے۔ قدردانی یہ بھی تھی کہ جیسے ہی علامہ زماں محدث دوراں مولانا عبد الرحمن مبارکپوری صاحب تحفۃ الاحوذی شارح جامع ترمذی نے آنکھ میں شکایت کی بابت لکھا تو معاونت کے لئے شیخ عطاء الرحمن نے آپ کو مبارکپور روانہ فرمادیا اور تحفہ کی تکمیل کے بعد پھر دہلی بلالیا اور اس مدت مدید میں سابقہ تنخواہ جاری رکھی۔ آگے کے احوال محقق جماعت استاذ گرامی مولانا محمد مستقیم سلفی صاحب سے سنئے: اخیر عمر میں جب مولانا

عبدالرحمن مبارکپوری نابینا ہو گئے تو آپ کو ایک ایسے لائق عالم کی ضرورت پڑی جو علم حدیث میں خاص مناسبت اور کامل ذوق رکھتا ہو اور آپ کو تحفۃ الاحوذی شرح جامع الترمذی جیسے اہم کام کی تکمیل میں خاطر خواہ مدد بہم پہنچا سکے۔ مولانا محدث مبارکپوری کی نظر انتخاب آپ پر پڑی اور شیخ عطاء الرحمن مہتمم مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ سے فرمائش کی۔ شیخ عطاء الرحمن صاحب مرحوم اس علمی کام کی اہمیت کو خوب سمجھتے تھے اس لئے خوشی سے قبول کر لیا اور اپنے خرچ پر مولانا صاحب کو روانہ کر دیا۔ چنانچہ آپ مولانا عبدالرحمن محدث صاحب کی خدمت میں دو سال رہ کر اپنے رفیق کار مولانا عبدالصمد مبارکپوری اور مولانا محمد صاحب لاہوری پنجابی کے تعاون سے ،،تحفۃ الاحوذی شرح جامع الترمذی،، کی تیسری اور چوتھی جلد کی تکمیل فرمائی۔ مولانا محدث مبارکپوری کی دو سالہ خاص رہنمائی کے باعث آپ کے اندر تصنیف و تالیف کا خاص ملکہ پیدا ہو گیا۔

تحفۃ الاحوذی کی تیسری اور چوتھی جلد کے مکمل ہو جانے کے بعد آپ دوبارہ دارالحدیث رحمانیہ دہلی تشریف لے گئے۔ وہاں آپ کو جامع ترمذی، سنن ابی داود، بخاری شریف، موطا امام مالک کی تدریس اور ساتھ ہی افتاء کا کام تفویض کیا گیا۔ (محدث بنارس جنوری فروری ۱۹۹۷ء۔ ص:۳۰۵)

اٹھارہ سال تک دارالحدیث رحمانیہ دہلی میں نہایت اخلاص، محنت و جانفشانی سے علوم خصوصاً علم حدیث کے موتی لٹانے کے بعد آپ نے متعدد اداروں، شخصیات اور انجمنوں اور تنظیموں کی سرپرستی فرمائی اور اسی دوران مشہور زمانہ شرح مرعاۃ المفاتیح کی تالیف و شرح کا بے مثال کارنامہ انجام دیا۔

مرکزی دارالعلوم جامعہ سلفیہ بنارس کے قیام کے وقت سے ہی اس کی سرپرستی فرمائی اور تا عمر اس کے صدر رہے اسی طرح جامعہ سراج العلوم بونڈیہار کی سرپرستی کی ذمہ داری مدتوں تک نبھائی اور ماہنامہ محدث دہلی کے مدیر اور مولانا عبدالحلیم ناظم کی وفات کے بعد آپ اور آپ کے استاذ محدث املوی نے اس کو اور حیثیتوں سے بھی آگے بڑھایا۔ خصوصاً فتاویٰ کے باب کے اضافہ نے آپ کو فتویٰ نویسی اور منصب افتاء کے درجہ اعلیٰ پر فائز کر دیا۔ آپ کی تدریسی خدمات کے ضمن میں آپ کے اساتذہ و تلامذہ کی ایک فہرست آپ کے ماہر استاذ ہونے پر شاہد عدل ہے۔

مشہور اساتذہ کرام

مدرسہ مئو عالیہ کے علاوہ جن سے آپ نے کسب فیض کیا وہ مولانا غلام یحییٰ کانپوری، مولانا حافظ عبدالرحمن نگرنہسوی، مولانا ابو طاہر بہاری، مولانا عبدالغفور جیراجپوری، مولانا اسحق کرولی، مولانا عبدالوہاب آروی، مولانا محمد گوندلوی، مولانا عبدالرحمن محدث مبارکپوری وغیرہم ہیں۔

مشہور تلامذہ کرام

مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری، مولانا عبدالمعید صاحب بنارسی، مولانا زین اللہ طیب پوری، مولانا عبدالجلیل رحمانی، مولانا

محمد اقبال رحمانی، مولانا محمد عاقل رحمانی، مولانا محمد ادریس آزاد رحمانی، مولانا عبدالرحیم رحمانی بستوی، مولانا محمد زماں رحمانی، مولانا عبدالسلام بستوی، مولانا عبدالغفار حسن پاکستان، مولانا محمد خلیل رحمانی، مولانا حکیم عبیداللہ رحمانی (کشمیری)، مولانا عبدالحکیم مجاز اعظمی مئوی، مولانا محمد عابد رحمانی، مولانا احمداللہ رحمانی دلال پوری بنگال، مولانا عبدالقیوم رحمانی صاحب دودھونیا بستی، مولانا محمد یوسف رحمانی بہرائچی، مولانا محمد مسلم رحمانی مالدہی بنگال، مولانا عبدالستار رحمانی مالدہی بنگال وغیرہم جن میں اکثر وفات پا چکے ہیں۔

اوصاف وخصائل اور اخلاق

نمونۂ سلف، برصغیر کے محدث یگانہ، صدق وصفا کا پیکر عظیم اور مجسم تواضع وانکساری، اخلاق کریمہ، مناقب کثیرہ، خصائل حمیدہ اور علوم وفنون کے ماہر، رمز شناس حدیث مصطفوی اور علوم معانی اور بلاغت وزبان اور اردو عربی کے باکمال مصنف شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ بن عبدالسلام الرحمانی جو عصر حاضر کے عدیم النظیر شخصیت تھی، جسے سب مانتے تھے، ان کا عظیم علمی کارنامہ اور حدیث نبوی کے ساتھ ان کی طویل زندگی کی نیک صحبتیں اور اس کی برکتیں ہمارے درمیان کل کے مقابلے میں آج زیادہ آن بان اور شان اور اہمیت کے ساتھ موجود ہے، اور اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکت سے قوی امید ہے کہ اس کے بہتر ثمرات اور کثیر برکات شیخ الحدیث رحمہ اللہ کے ساتھ ان کی قبر اور آخرت میں شامل حال ہوں گے۔ **اللهم اغفر له وارحمه واعفه ووسع مدخله واشكر سعيه في خدمة سنة سيد المرسلين واجعله له ذخرا واجرا وفرطا في ثراه واخراه۔**

شیخ الحدیث رحمہ اللہ وقت کے عظیم ترین محدث تھے، ان کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ وہ اسلاف وقدیم محدثین کرام کے اوصاف حمیدہ سے متصف تھے، بجا طور پر بقیۃ السلف کا خطاب جو ان کی زندگی میں ان کے لئے مروج تھا کے مستحق تھے اور اب آپ کی وفات کے بعد نمونہ سلف کی یادگار ہستی دنیا کے نظروں سے اوجھل ہوگئی ہے جس پر بے ساختہ کہنا پڑتا ہے ؎

ایسا کہاں سے لائیں کہ تجھ سا کہیں جسے

یقیناً آپ کے یہاں بیعت وسلاسل کا بدعی رواج نہ تھا، جو دیگر بعض علماء کے یہاں عوام وخاص پر رعب داب کو برقرار رکھنے کے لئے رائج ہے مگر آپ کی شخصیت ہر خاص وعام میں مقبول تھی اور آپ کی سادہ زندگی کے باوجود ایک جم غفیر کے دلوں میں عظمت کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی، متبعین کتاب وسنت تو آپ کے شیدائی تھے ہی، آپ کے علم وتقویٰ اور زہد وورع کے قائل دیگر مقلدین ومتصوفین بھی تھے اگر آپ بیعت وپیری ومریدی کے سخت مخالف نہ ہوتے اور اپنی شخصیت کے سلسلے میں ادنیٰ سی توقیر وتعظیم کو روا رکھنے دیتے تو لوگ بہت کثرت سے مرید ہوتے، جس کی ایک جھلک آپ کے جنازے کے ساتھ امڈتے ہوئے لوگوں کے سیلاب کی شکل میں نظر آئی۔

الغرض آپ ہر طرح کے خصائل حمیدہ اور اخلاق حسنہ سے متصف تھے ہر وہ شخص خواہ عالم ہو یا عوام آپ کی ایک ہی ملاقات اور صحبت سے اتنا متاثر ہوتا کہ ہمیشہ آپ کے اخلاق کریمانہ کا معترف اور گرویدہ ہوجاتا، اس مختصر مقالہ میں اپنی ذاتی تاثرات کی گنجائش نہیں تاہم خوردوں پر بھی آپ کی نوازش اور دلدہی وتشجیع وحوصلہ افزائی برابر رہی چنانچہ راقم کی علمی بے مائیگی

اور کم سنی کے باوجود آپ نے متعدد مقالات و گفتگو و استفادہ کے بعد ادنی خواہش پر سند روایت حدیث اور مدنبوی کا نمونہ مع سند اجازہ عطا فرمادیا جو آپ کی ذرہ نوازی پر دال ہے۔

علمی کارنامہ کی ایک جھلک:

اسی طرح شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کی علمی و دینی خدمات اور فقہ وفتاوی اور رسائل و جرائد میں مطبوع ان کے تحقیقی اور دینی نگارشات کا تعارف ایک مکمل کتاب کا متقاضی ہے، اور یہ سطور جس میں مجموعہ فتاوی و مقالات لکھے جارہے ہیں وہ آپ کے فتاوی ومقالات کا ادنی حصہ ہے ورنہ کئی جلدوں میں آپ کے فتاوی موجود ہیں ۔ جب آپ کی زندگی کے حالات وواقعات اور دعوت وتدریس، اور خطابت اور علمی خطوط نیز ملک و بیرون ملک کے علمی و دینی اسفار، مشائخ وتلامذہ اور عام مستفیدین ان میں سے ہر ایک موضوع مستقل مضمون اور علیحدہ دراسہ وتحقیق اور تالیف کا سزاوار ہے ۔ اس وقت میں آپ کی مشہور زمانہ کتاب مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح جو اپنی نوعیت کی منفرد ومبسوط شرح ہے کا سرسری تعارف اور بعض خصوصیات پیش کرنے کی سعادت حاصل کررہا ہوں لیکن قبل اس کے کہ شرح سے متعلق کچھ عرض کروں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مشکوۃ المصابیح کا مختصر تعارف کراتا چلوں۔

مشکوۃ المصابیح:

کتاب مشکوۃ المصابیح کی احادیث کئی ماہر علماء و محدثین کے جمع واختیار وترتیب وتصنیف کا بہترین ثمرہ ہے، مشکوۃ المصابیح محدث جلیل ولی الدین عبداللہ بن عبداللہ الخطیب التبریزی کی تالیف ہے بلکہ المصابیح للبغوی کی تکمیل وتذییل ہے ۔ آپ آٹھویں صدی ہجری کے علماء محدثین میں سے ایک صاحب علم وفضل اور متقی وصالح بزرگ ہیں جیسا کہ آپ کے بعض مشائخ نے اس کی گواہی دی ہے اور خود آپ کی یہ شاہکار کتاب آپ کے علمی وسعت اور فضل وکمال کا منہ بولتی تصویر ہے، اسی طرح آپ کی دوسری کتاب ،، الاکمال فی اسماء الرجال،، بھی آپ کی علمی صلاحیت پر دال ہے، مشکوۃ المصابیح احادیث نبویہ کا ایک جامع وعظیم ذخیرہ ہے جس کو مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے بہت سلیقے اور ڈھنگ سے فقہی ترتیب پر جمع کر رکھا ہے علامہ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ مصنف نے تمام اہم احادیث کو فقہی ابواب پر اس طرح جمع کر دیا ہے کہ ائمہ فن بھی آخرت کی سرخ روئی حاصل کرنے کے لئے اس سے مستغنی نہیں ہو سکتے اس میں احادیث کی جمع وترتیب کچھ اس خوبی سے عمل میں آئی ہے کہ بعض احادیث بعض کی شرح وتفسیر بن گئی ہے، مصابیح کے سلسلہ میں بعض علماء نے فرمایا کہ ،، اجمع کتاب فی بابہ،، یعنی یہ مجموعۂ حدیث اس باب میں سب سے جامع کتاب ہے جس کا ذکر خود مصنف نے بھی کیا ہے اور ہر اس عالم کو اس کا ادراک ہے جنہوں نے اس کتاب کا مطالعہ کیا ہے اور کون ہے جو اس سے مستغنی ہے، مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے ہر باب کو تین فصلوں میں تقسیم کر کے پہلی فصل میں موضوع سے متعلق صحیحین کی احادیث ذکر کیا ہے، دوسری فصل میں دیگر ائمہ حدیث کی کتابوں سے احادیث نقل کی جب کہ تیسری فصل میں باب سے متعلق صحیحین و دیگر مصادر حدیث نبوی سے حدیث نقل فرمایا ہے اور اس کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ مصنف نے بہت حد تک احادیث پر حکم لگایا ہے، اس کتاب کی اہمیت کے پیش نظر ہی اس

کے روز تالیف سے ہی علماء و مصنفین وشارحین اور طالبان علوم حدیث نے غیر معمولی اشتغال واہتمام کیا ہے، اس کے مشہور شارحین میں سرفہرست علامہ حسن بن محمد الطیبی متوفی ۷۴۳ھ ہیں، آپ کی شرح ''الکاشف عن حقائق السنن'' کے نام سے مشہور ہے، واضح ہو کہ آپ محدث تبریزی رحمہ اللہ کے شیخ اور استاذ بھی ہیں اسی طرح اس کی شرح میں علامہ عبدالعزیز بن محمد بن عبدالعزیز ابہری متوفی ۸۹۵ھ نے منہاج المشکاۃ کے نام سے کر رکھی ہے اور مشکوۃ المصابیح کے مشہور شارحین میں علامہ ملا علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ بھی ہے جنہوں نے مرقاۃ المفاتیح کے نام سے اس کی شرح کی ہے، اس کتاب کی جامعیت اور افادیت ہی ہے کہ ہر دور میں علماء اس سے استفادہ کرتے رہے ہیں خاص طور سے برصغیر کے تقریباً تمام مدارس اسلامیہ میں یہ کتاب داخل نصاب ہے اور دنیائے اسلام کے سب سے عظیم محدث علامہ ناصر الدین البانیؒ نے اپنی تحقیق وتعلیق کے ساتھ اس کتاب کو شائع فرمایا ہے جو عوام وخواص میں مقبولیت وافادیت پر دال ہے، اس کتاب کی افادیت وجامعیت کے باوجود اس کی کوئی جامع شرح نہ تھی جو اس کتاب کے شایان شان ہو لہٰذا الشیخ الحدیث علیہ الرحمہ اور ان کے رفقاء وہم عصر علماء نے اس عظیم ذمہ داری کو محسوس کیا، آپ نے اس کی شرح کی عظیم ذمہ داری اپنے سر لی اور مرعاۃ المفاتیح کے نام سے ایک موسوعہ تیار کر دیا، یہ شرح اپنی گوناگوں خصوصیات وامتیازات وتحقیقات عالیہ سے مزین ہونے کی وجہ سے مقبول عام ہے اس عجالہ میں اس عظیم شرح کی چند خصوصیات ثبت قرطاس کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں، جو درج ذیل ہے:

(۱) اس شرح کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس کے شارح سلفی العقیدہ اور مذہباً اہل حدیث ہیں، حدیث رسول کے معانی ومفاہیم بیان کرنے میں منہج سلف کے مطابق ان کی فہم کی روشنی میں شرح فرماتے ہیں اور محبت رسول میں پورے طور پر غرق ہو کر اس جوامع کلم پاک کے بحر ذخار میں غواصی کر کے لعل وگہر نکالتے ہیں، چونکہ آپ کسی شخص خاص کے مقلد محض نہیں ہیں اس لئے احادیث کے معنی بیان کرنے میں اس کی پاسداری کا دم نہیں بھرتے، جیسا کہ اکثر مقلدین شراح حدیث کا وطیرہ رہا ہے خاص طور پر ہندوستانی شراح مقلدین کا کہ اپنے ذہن میں پہلے سے چند معانی ومفاہیم کو جاگزیں کئے ہوتے ہیں، اور پھر اسی کی روشنی میں قول رسول کو ڈھالنے کی کوشش کرتے ہیں، اور اپنے اصول وقواعد اور مذہب کو ثابت کرنے کے لئے شرح حدیث کے نام پر اس کی دوراز کار تاویلات کرنے کی جدوجہد کرتے ہیں جب کہ علامہ رشید رضا مصری نے ایک موقعہ سے حیرت واستعجاب کا اظہار فرمایا۔ بلکہ شرح حدیث کے نام پر دراصل اپنے مذہب کی تائید اور تقلیدی مذہب کی خدمت ہی مقصود ہوتی ہیں، جب کہ اہل حدیث شارحین حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات کی شرح شریعت کے اغراض ومقاصد کی روشنی میں کلام رسول کے اندر کھو کر اور محبت رسول میں ڈوب کر سلف صالح کے فہم وادراک کے مطابق فقہی جمود سے خالی الذہن ہو کر کرتے ہیں اور یہی واضح فرق ہے۔ اہل حدیث شروح حدیث اور تقلید کی پاسداری میں لکھی گئی شروحات کے درمیان، کیوں کہ ہو نہیں سکتا کہ کوئی شخص کسی خاص رائے کا پابند ہوتے ہوئے احادیث رسول کا معنی ومفہوم اور شرح بیان کرنے میں اپنے مذہب ورائے کی پاسداری نہ کرے الا من رحمہ اللہ وقلیل ماھم۔

(۲) مصنف، فصل اول میں بخاری ومسلم کی طرف عزو حدیث کرنے پر اکتفا کرتے ہیں شیخ صاحب ان کے علاوہ جن محدثین نے

حدیث کی روایت کی ہے ان مراجع کا ذکر کرتے ہیں اور اصل الفاظ حدیث کس مصدر کے ہیں کی تعیین کرتے ہیں، نیز مصنف کے الفاظ کا مقابلہ کر کے اصل کی الفاظ کی تعیین فرماتے ہیں مثلا: اخرجه البخاری فی التوحید باللفظ الذی ذکره المصنف الا ان فیه،، سمعه،، بصیغة الماضی مکان قوله،، یسمعه،، واخرجه ایضا فی الادب، واخرجه مسلم فی باب الکفار من کتاب صفة القیامة واخرجه النسائی فی النعوت۔ (مرعاة المفاتیح ۱/۸۸)

(۳) اسماء ومشکل الفاظ کو ضبط کرتے ہیں مثلا و عن معاذ کنت ردف النبی ﷺ کی شرح فرماتے ہیں معاذ بضم المیم پھر اس کا جامع تعارف پیش کرتے ہیں پھر (ردف) کی تشریح کرتے ہیں، الردف بکسر الراء و سکون الدال، الردیف الراکب خلف الراکب بانه الخ، (مرعاة المفاتیح ۱/۸۸)

(۴) فصل ثانی کی احادیث کی تخریج مصنف نے کی ہے کتاب میں اصل جگہ کی تعیین فرماتے ہیں، مثلا حدیث هل یکب الناس فی النار علی وجوههم او علی مناخرهم رواه احمد۔ شیخ الحدیث صاحب جلد اور صفحہ بیان فرماتے ہوئے کہتے ہیں: (ج،۵/۲۳۱)(والترمذی) فی الایمان (وابن ماجه) فی الفتن۔ (مرعاة المفاتیح ۱/۱۰۱)

شیخ صاحب محدثین کے مطلق تضعیف حدیث کرنیکے اسباب وعلل بھی بیان فرماتے ہیں، چناچہ صاحب مشکوۃ نے صرف رواہ الترمذی کہا ہے جس پر شیخ صاحب نے جگہ کی تعیین کے بعد کہا ہے کہ وقال الترمذی ہذا حدیث منکر۔ شیخ صاحب اس کی توجیہ یوں فرماتے ہیں، ویمکن ان یقال ان الترمذی اراد بقوله منکر انه غریب من حدیث معاذ بن انس فقد تفرد بروایته عنه ابنه سهل فهو غریب من جهة هذا الطریق (مرعاة المفاتیح، ۱/۱۰۷)

پھر مصنف رحمہ اللہ نے ثابت کیا ہے کہ منکر کی تعریف کی روشنی میں اس حدیث میں نکارت کیوں کر ہے۔

(۶) شیخ صاحب بظاہر مشکوۃ کی شرح لکھ رہے ہیں مگر آپ کے مطالعہ کی وسعت اور فن پر عبور کا عالم یہ ہے کہ متعلقہ کتب احادیث ورجال کے متعدد ومختلف نسخوں پر آپ کی گہری نظر ہے اور آپ ان کے مختلف روایات ونسخوں کے درمیان تطبیق وتوجیہ اور تصحیح کی قدرت کاملہ رکھتے ہیں چناچہ فرماتے ہیں رواہ الترمذی وقال هذا حدیث منکر پھر اس کی توجیہ کے بعد فرماتے ہیں، ووقع فی بعض نسخ الترمذی حدیث حسن بدل قوله،، منکرا،، الخ (مرعاة المفاتیح ۱/۱۰۲)

(۷) جن روایت کو ذکر فرماتے ہیں ان کی علت وقدح اور صحت وسقم کو بھی بیان فرماتے ہیں، حدیث "من مات ولم یشرک بالله شیئا دخل الجنة رواه مسلم کے بعد فرماتے ہیں کہ واخرجه احمد ج۳/۳۹۱، ۳۷۴، ۳۴۵ واخرجه الطبرانی فی الکبیر نحوه عن عمارة بن رویبة وفیه محمد بن ابان وهو ضعیف: (مرعاة المفاتیح ۱/۱۰۷)

(۸) مصنف کے سہو پر تنبیہ: شیخ الحدیث رحمہ اللہ امام بخاری کی تعلیقات کے سلسلے میں گراں قدر اصول بیان فرمانے کے بعد فرماتے ہیں، جو ان کی دقت نظر اور الفاظ کے صحیح مدلولات پر عمیق نظر پر غماز ہے وقول المصنف رواه البخاری "سهو منه" فانه لم یروه البخاری فی صحیحه لا فی ترجمة باب ولا فی غیرها بل ذکره معلقا ولا یقال فی مثل هذا رواه بل یقال ذکره (مرعاة المفاتیح ۱/۱۰۷) مصنف نے فرمایا "رواه احمد" شیخ صاحب فرماتے ہیں "کلا بل رواه ابنه

عبداللہ فی زوائد مسندہ" (مرعاۃ المفاتیح ۱/۱۱۵)

(۹) تعلیقات: امام بخاری رحمہ اللہ علیہ نے جن احادیث کو معلقاً ذکر کیا ہے اور مصنف رحمہ اللہ نے اس کو یونہی بیان کر دیا ہے آپ اس کی وضاحت فرماتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ **وصلہ فلان و فلان و فلان۔**

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ امام بخاری کی قدیم وجدید مخالفین نے جہاں بہت سی باتوں کو بنیاد بنا کر ان پر اعتراض کیا ہے اور اطفاء بخاری کی کوشش کی ہے اس میں سے ان کا ایک اہم حربہ ان کوتاہ بینوں نے ان کی تعلیقات کو بھی بنایا ہے اسی حافظ دوراں امام ابن حجر نے تغلیق التعلیق کے نام سے ایک ضخیم کتاب جو چھ جلدوں میں طبع ہو چکی ہے تصنیف کی ہے اور اکثر معلقات کو موصول و متصل سندوں سے ثابت کیا ہے، چناچہ شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں **و اثر وھب ھذا ذکرہ البخاری فی اول کتاب الجنائز تعلیقا و وصلہ فی التاریخ الکبیر و ابو نعیم فی الحلیۃ** (مرعاۃ المفاتیح ۱/۱۱۵)

اس سے ہر منصف مزاج کو تشفی ہو جاتی ہے اور مخالف جو امام بخاری کو بے سند بات کہنے والا کہہ کر ان کی صحیح عظمت کو بٹہ لگانا چاہتے ہیں منہ کی کھانی پڑتی ہے، ہمارے شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے بھی مشکوۃ پڑھنے والوں کے لئے ان مسائل کو آسان فرما دیا ہے اور عصر حاضر کے مخالفین بخاری جو اس میں طرح طرح کے نقص نکالتے ہیں کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ:

ع افواہ سے ممکن نہیں اطفاء بخاری

(۱۰) حکم علی الحدیث: حدیث پر صحت وضعف کا حکم لگاتے ہیں مثلاً **اذا حاک فی نفسک شیء فدعہ رواہ احمد** شیخ مسند احمد میں اس کے مخارج ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ **و فی سندہ یحیی بن ابی بکر و ھو مدلس** (مرعاۃ المفاتیح ۱/۱۱۷)

(۱۱) شیخ صاحب کا ایک کمال یہ ہے کہ وہ اطناب وایجاز پر قدرت کاملہ رکھتے ہیں کہ کئی کئی صفحات میں جن رواۃ پر جرحا وتعدیلا بحث کی گئی ہے اس کا ماحصل ایک چھوٹے فقرے میں اس طرح بیان فرما دیتے ہیں کہ جس سے فن کے ماہرین کو کماحقہ علم ہو جائے اور ان تمام بظاہر متضارب اقوال میں قول راجح معلوم ہو جائے جو ہر شارح کے بس کی بات نہیں ہے، چنانچہ شہر بن حوشب کے سلسلہ میں ناقدین حدیث اور ائمہ جرح وتعدیل نے جتنے جرحا وتعدیلا کلام کئے ہیں اور امام ذہبی نے میزان الاعتدال میں جس طرح ان اقوال کی چھان بین کی ہے ان سب کا خلاصہ شیخ صاحب ایک لفظ میں بیان فرماتے ہیں، ملاحظہ ہو: **و اخرجہ ایضا الطبرانی فی الکبیر و فی اسنادھما شھر بن حوشب، وقد وثق علی ضعف فیہ** (مرعاۃ المفاتیح ۱/۱۱۹)

فن جرح وتعدیل کا علم رکھنے والوں پر اس کلام کی دقت و گہرائی اور جامعیت مخفی نہیں، گویا شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے، اور ایک مشکل ومختلف فیہ مسئلہ کا ذکر کرنے کے ساتھ قول راجح کی طرف اشارہ بھی فرما دیا ہے۔

(۱۲) شیخ صاحب نے علم جرح وتعدیل اور مناہج المحدثین جیسی کوئی تصنیف نہیں چھوڑی مگر آپ کی یہ کتاب اس کا عظیم شاہکار ہے اور اس فن میں آپ کے کمال کا منہ بولتی تصویر۔ آپ کہیں پر اس سے متعلق بحث شروع کرتے ہیں تو اسکے تمام پہلوؤں اور اس سلسلہ کے عام اشکالات کو اس طرح واضح فرما دیتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ اسی فن پر آپ نے داد تحقیق دینے کے لئے یہ تصنیف کی ہے۔

چناچہ امام ابوداود کے مسکوت علیہ احادیث پر بہت کچھ لکھا گیا ہے اور بہتوں نے ان کے قول ''وما سکت عنه او مالم اقل فيه بشئی فهو صالح ،، سے دھوکہ کھایا ہے مگر شیخ علیہ الرحمہ اس مسئلہ کو اتنا آشکارا کر دیتے ہیں کہ پھر فریب خوردگی اور شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہ جاتی چناچہ تفصیل کے لئے مرعاۃ المفاتیح ج ۱/ ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷ کا مطالعہ مفید ہوگا۔

اس شرح کی عظیم خوبی یہ ہے کہ یہ قدیم وجدید علماء ومحدثین سے استفادہ کرنے میں ممتاز ہے چنانچہ آپ اپنے معاصرین سے بھی استفادہ کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے، علامہ زماں محدث عصر امام البانی جن کی حدیث شریف میں خدمات کا لوہا دنیا مانتی ہے (قطع نظر اس کے کہ مقلدین وجماعت کوثری کو اپنے جمود کے بالمقابل ان کی تحقیق سے عداوت ہے) ان سے استفادہ کرتے ہوئے ایک جگہ فرماتے ہیں، **قال الالبانی، سنده ضعيف، محمود بن عبدالرحمن بن عمرو بن الجموح ترجمه ابن حجر في التعجيل بمايتلخص منه انه لايعرف**۔ (مرعاۃ المفاتیح ۱/ ۱۱۹)

(۱۴) شیخ صاحب حدیث کی شرح کے ساتھ اس سے مستنبط مسائل بھی بتاتے ہیں اور ساتھ ہی ان بدعات وخیالات کی تردید بھی کرتے ہیں جو بعض مسلمانوں کے یہاں مروج ہو گئے ہیں یا کسی حدیث کو سمجھنے میں ان کو غلط فہمی ہوگئی ہے، حدیث ''**فانه الآن يسئل**'' ذکر کر کے فرماتے ہیں'' **وفي الحديث دليل على مشروعية الاستغفار للميت عند الفراغ من دفنه وسوال التثبت له وان دعاء الاحياء ينفع الاموات، وليس فيه دلالة على التلقين عند الدفن كماهو المعتاد عند الشافعية" وليس فيه حديث مرفوع صحيح** (مرعاۃ المفاتیح ۱/ ۲۳۰)

(۱۵) شیخ الحدیث علیہ الرحمہ تتبع الفاظ حدیث میں استقراء تام سے کام لیتے ہیں اور حقیقت ہے کہ شارح حدیث کے لئے ضروری ہے کہ حدیث کی تخریج اور اس کے الفاظ کے تتبع وجستجو میں ہر ممکن کوشش صرف کرے تا کہ تمام الفاظ کو اکٹھا کر کے مسائل کا صحیح مقام متعین کر سکے اور اس کی روشنی میں واضح اور بابصیرت فیصلہ صادر کر سکے، شیخ الحدیث علیہ الرحمہ اس معاملے میں بڑی کدوکاوش اور دقت نظر اور تتبع بلیغ سے کام لیتے ہیں مثلاً حدیث'' **واتزوج النساء فمن رغب عن سنتي فليس مني**'' کی تخریج وتتبع الفاظ کے بعد فرماتے ہیں، **واما ماذكره الرافعي واشتهر على الالسنة بلفظ "النكاح من سنتي فمن رغب عن سنتي فليس مني" لم اجده مع الاستقراء التام والتتبع البالغ والله اعلم**۔: (مرعاۃ المفاتیح)

(۱۶) استدراک علی المؤلف: مصنف رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: **سنذكره ۔۔۔۔۔۔۔ حدثني معاوية وجابر: لا يزال من أمتي، ولا يزال طائفة من امتي، في باب ثواب هذه الأمة ان شاء الله**۔

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ'' **لكنه لم يف بما وعده فلم يذكر هناك حديث جابر**'' (مرعاۃ المفاتیح ۱/ ۲۵۶)

(۱۷) اس شرح کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ شارح علیہ الرحمہ مختلف فیہ مسائل میں ائمہ وفقہاء کے اقوال وادلہ کا ذکر فرمانے کے بعد احادیث وآثار صحابہ وائمہ کی روشنی میں بڑے وثوق مگر مدلل طور پر فرماتے ہیں کہ والراجح عندی کذا، آپ مقلد نہیں ہیں اور نہ کسی شخص خاص کی رائے کے پابند ہیں بلکہ منہج سلف کے موافق دلیل کی روشنی میں اپنی رائے ظاہر فرمادیتے ہیں، چنانچہ مشتے نمونہ ازخروارے ملاحظہ کیجئے فرماتے ہیں:'' **والراجح عندي ما ذهب اليه احمد لحديث المقدام وغيره ممايدل على وجوب**

الضيافة وهو مخصص لحديث حرمة الأموال الابطيبة الأنفس ۔(مرعاۃ المفاتیح ۱/۱۶۱)

(۱۸) احادیث میں وارد مدن واماکن کی تعریف وتحدید بھی بیان فرماتے ہیں (الحجاز) هو اسم مكة والمدينة وما حو اليهامن البلاد وسميت حجاز لأنها حجزت أى منعت وفصلت بين بلادی نجد و الغور ۔(مرعاۃ المفاتیح ۱/ ۶۵)

(۱۹) بسا اوقات مؤلف رحمہ اللہ نے حدیث کی نسبت بعض متاخر کتابوں کی طرف کی ہے حالانکہ وہ حدیث بعض عالی السند و مقدم کتب میں موجود ہے مثلاً مصنف نے بعض احادیث کی تخریج شعب الایمان للبیہقی سے کی ہے شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے بتایا ہے کہ یہ حدیث مسند احمد میں موجود ہے۔

(۲۰) مصنف رحمہ اللہ نے کبھی یوں بھی کیا ہے کہ ایک ہی حدیث کی تخریج دو کتابوں سے کی ہے اور بتایا ہے کہ مذکورہ لفظ اس میں اول مخرج کی ہے حالانکہ واقع میں وہ الفاظ دوسری کتاب کے ہیں جیسا کہ شیخ الحدیثؒ نے تصریح کی ہے کبھی کبھی مصنف کئی مخارج کی طرف عزو کرتے ہیں اور نہیں بتاتے کہ الفاظ کس کے ہیں شارحؒ اس کی تعین فرماتے ہیں۔(مرعاۃ المفاتیح ۱/ ۸۸)

(۲۱) مصنف نے کبھی ایسا بھی کیا ہے کہ تخریج حدیث متعدد کتب سے ذکر کرنے کے بعد بتایا ہے کہ الفاظ فلاں کے ہیں حالانکہ الفاظ دوسری کتاب کے ہوتے ہیں جس پر شیخ صاحب تنبیہ فرماتے ہیں۔

(۲۲) صحابہ کرام کی سوانح مختصر مگر جامع فرماتے ہیں جس میں کتب رجال کی بہت سی اہم معلومات یکجا مل جاتی ہیں مثلاً حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ کا ترجمۃ (مرعاۃ ۲/ ۶۳۔ ۶۴)

(۲۳) یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ مقلدین اپنے مذہب کو ثابت کرنے کے لئے کبھی نحو وصرف کا سہارا لیتے ہیں اور کبھی اپنے قیاسی اصول وقواعد کی آڑ میں حدیث رسول اور آیات قرآنی کی توجیہ وتاویل بیان کرتے ہیں، شیخ صاحب ان سب کی قرآن وحدیث سے تردید فرماتے ہیں اور ان کے تمام مزعومات کی پردہ دری کرتے ہوئے سلف کے مسلک کو جو کتاب وسنت پر مبنی ہے راجح قرار دیتے ہیں چنانچہ حدیث (الاان تطوع) کی شرح میں مالکی وحنفی مقلدین کی حدیث کے خلاف نحوی موشگافیوں اور آیت (لا تبطلو ا أعمالكم) کی مغالطہ انگیز تفسیر کو جو حنفی مقلدین وشراح وفقہاء کرتے آئے ہیں کہ تردید اس شرح وبسط وجامعیت سے کرتے ہیں کہ سلف کا مسلک بالکل مجلی ومصفی ہو کر سامنے آجاتا ہے اور مقلدین کی تاویلات باطلہ ساقط ہو جاتی ہیں تفصیل کے لئے دیکھئے (مرعاۃ ۱/ ۶۵۔ ۶۹)

(۲۴) عقائد وایمانیات میں بھی جمہور احناف مقلدین کا مذہب سلف سے ہٹ کر مرجۂ واشاعرہ کے موافق ہے اس لیے بڑے بڑے ائمہ دین ومحدثین نے احناف کے اس عقیدے کی تردید وتنکیر کی ہے، خاص طور پر امام بخاری رحمہ اللہ امام عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ اسی معتقد فاسد کی وجہ سے ان کو مرجۂ میں شمار کرتے ہیں، اور احناف کو بھی معلوم ہے کہ مرجۂ گمراہ فرقہ ہے لہذا متاخرین احناف اس عقیدے کو گلے سے لگائے رہنے کی باوجود مرجۂ کے زمرہ سے اپنے کو خارج اور اہل سنت والجماعہ کے مذہب کے ہمنوا ثابت کرنے کے لیے ارجاء کی عجیب وغریب تاویل وتوجیہ وتقسیم کرتے ہیں لیکن ’’بنے کیونکر کہ ہے ہر بات الٹی‘‘ لا يصلح

العطار ما افسده الدھر، شیخ علیہ الرحمہ اس مزعومہ ایہام وتلبیس کا پردہ چاک کرتے ہوئے فرماتے ہیں: وقد ظھر من ھذا ان الا ختلاف بین الحنفیة و اصحاب الحدیث اختلاف معنوی حقیقی لا لفظی کما توھم بعض الحنفیة و الحق ما ذھب الیه الأئمة الثلاثة و المحدثون لظاھر النصوص القرآنیة و الحدیثیة (مرعاۃ،۱/۷۳)

(۲۵) فقہ وعقائد کے مسائل ودیگر امور میں بھی بسا اوقات مطولات کی طرف اشارہ فرماتے ہیں (مرعاۃ،۱/۱/۳۶)

(۲۶) مقلدین علماء عام طور پر اور احناف مقلدین خصوصا اپنی دیرینہ عادت وحقد کی بنیاد پر مسلک محدثین واہل حدیث کو طعن و تشنیع وتشکیک کا نشانہ اپنی تالیفات وشروح وحواشی اور تعلیقات میں بناتے رہتے ہیں شارح علیہ الرحمہ نے بہت ہی حسن وخوبی سے ان کا جواب دیا ہے۔

(۲۷) مشکل الفاظ کے حل کے لیے کتب غریب الحدیث اور قوامیس ولغات کی طرف رجوع فرماتے ہیں۔

(۲۸) کبھی مصنف حدیث بیان کرنے کے بعد خاموش ہو جاتے ہیں اور مخرج کی جگہ بیاض چھوڑ دیتے ہیں شیخ صاحب استدراکا اس کا مخرج بیان فرماتے ہیں، مثلا مصنف نے حدیث من تمسک بسنتی عند فساد امتی کے بعد (رواہ) کہہ کر بیاض چھوڑ دیا ہے شیخ صاحب فرماتے ہیں الحدیث اخرجہ البیہقی (مرعاۃ ۱/۲۸۱)

(۲۹) اسی طرح کبھی مصنف بعض ایسی کتابوں کا حوالہ دیتے ہیں جہاں ان حدیثوں کا پتہ نہیں ہوتا، شیخ الحدیث صاحب اس کا صحیح مرجع بتاتے ہیں۔

(۳۰) مصنف کبھی موقوف حدیث کو مرفوع بیان کرتے ہیں اور کبھی اس کے برعکس شارح اس پر تنبیہ واستدراک فرماتے ہیں۔

(۳۱) ایسا بھی ہوا ہے کہ بعض کتب سے حدیث مرسلا نقل کرتے ہیں حالانکہ ایسی حدیث دوسرے مصادر میں موصولا موجود ہوتی ہیں جیسا کہ شارح علیہ الرحمہ نے بیان فرمایا ہے۔

(۳۲) بعض الفاظ کی زیادتی کی نسبت جن مصادر کی طرف مصنف کرتے ہیں وہ زیادتی اس کی نہیں بلکہ دوسرے مصادر میں موجود ہوتی ہیں جیسا کہ شیخ الحدیث نے ثابت کیا ہے۔

(۳۳) اصحاب سنن سے بعض حدیثیں معلقاً نقل فرماتے ہیں حالانکہ وہی حدیث دوسرے اصحاب کتب کے یہاں موصولا وارد ہوتی ہیں۔

(۳۴) بعض الفاظ حدیث کی نسبت مسلم شریف کی طرف کی ہے حالانکہ وہ الفاظ اس میں نہیں ہوتے دوسرے اصحاب سنن کے یہاں ملتے ہیں۔

(۳۵) کبھی دو متعدد سندوں سے مروی حدیث کو ایک حدیث کے طور پر بیان فرما دیتے ہیں، حالانکہ وہ دو ہوتی ہیں۔

(۳۶) کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مصنف بعض احادیث کو ضعیف سند سے نقل کرتے ہیں اور شیخ اس کو دوسری صحیح سندوں سے ذکر فرماتے ہیں یا مصنف کے بیان کردہ ضعیف سند کے شواہد ومتابعات بیان فرما کر اس کی تقویت کا سامان بہم پہنچاتے ہیں۔

(۳۷) مصنف نے اگر حدیث ادھوری نقل کی ہے تو شیخ علیہ الرحمہ اس کی تکمیل کرتے ہیں کچھ احادیث ایسی بھی ہیں جس سے

بعض جملے ساقط ہیں یا اس میں الٹ پلٹ ہوگیا ہے تو اصل کی طرف رجوع کر کے اس کی تصحیح فرماتے ہیں۔

اس کے علاوہ شارح رحمہ اللہ نے اس کتاب کو احادیث کی ترقیم ونمبرنگ کرنے کے ساتھ ہی ہر باب کی احادیث کو بھی نمبروار بین القوسین بیان فرمایا ہے اسی طرح آپ نے مشکوۃ کی کتابوں، ابواب اور فصول کی فہرست کے ساتھ احادیث کی فہرست اس کے ابواب وفصول اور شرح کے اہم مباحث کے ساتھ بنائی ہے تیسرے صحابہ وتابعین وائمہ دین نیز شرح میں وارد شدہ اماکن کی فہرست بھی حروف معجم کی ترتیب پر بنا کر اس کتاب کی افادیت کو چار چاند لگا دیا ہے۔

الغرض یہ شرح بقول حضرت محدث عطاء اللہ بھوجیانی رحمۃ اللہ علیہ ایک بے نظیر شرح ہے آپ رقمطراز ہیں:

" نحمد الله على احسانه و كرمه أن مرعاة المفاتيح يعد شرحا عديم النظر غير مسبوق به بما يمتازبه من الأوصاف والخصائص، يحتوى بما فى الشروح السابقة ويذكرنا القرن العاشر فى باب التحقيق مصداقا" كم ترك الأول للأخر " (مقدمة مرعاة)

اور ایسا کیوں نہ ہو کہ آپ اس علامہ دہر کے سپوت ہیں جنھوں نے سیرۃ البخاری جیسی بے نظیر سوانح امام بخاری لکھ کر بہت بڑے خلا کو پر ہی نہیں کیا بلکہ بہت سے وساوس خناس کو دور فرما دیا، اس شرح کے شروع میں پیش لفظ بقلم محدث بھوجیانی رحمہ اللہ کے ساتھ شارح رحمہ اللہ کی مختصر سوانح بھی ہے اور مقدمہ کے طور پر مصطلح حدیث میں ایک مختصر مگر بیحد اہم رسالہ بھی ہے جو شارح رحمۃ اللہ علیہ کے لائق فرزند ارجمند علامہ عبد الرحمن الرحمانی حفظہ اللہ کے قلم سے ہے کیا بہتر ہوتا کہ حضرت علامہ اگر اس کے لیے متفرغ ہو کر اس کے افتتاح کی طرح اس کے اختتام کا سہرا اپنے سر باندھتے خاص طور پر شارح رحمہ اللہ کے ایک اور فرزند ڈاکٹر عبد العزیز اور شارح کے احفاد جو ماشاء اللہ سب کے سب علوم حدیث میں تخصص ومہارت رکھتے ہیں اس عظیم کام کی تکمیل کرتے، اور شارحؒ کے سب سے بڑے فرزند فضل الباری صاحب اور ان کے صاحبزادگان وسیع تر وسائل کو کام میں لا کر ان کے لیے اس کام میں ممد ومعاون بنتے۔ اس موسوعی شرح کے علاوہ بھی آپ کی متعدد کتابیں ورسائل ہیں۔

آپ کے فتاوی امتیازات وخصائص:

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا کہ آپ سے مسائل کے حل کے لیے ہر طرح کے سائل ومستفتی آتے تھے۔ اہلحدیث حضرات کے علاوہ عام وخاص غیر اہلحدیث بھی آپ ہی کی طرف مسائل کے حل کے لئے رجوع کرتے تھے۔ اس لئے آپ کے فتاویٰ کئی جلدوں میں ہیں جن کا ایک حصہ یہاں شائع کیا جا رہا ہے آپ کے فتاویٰ کے وہی امتیازات وخصوصیات تھے جو آپ کی شروح کے ہیں۔ دراصل کتاب وسنت یہ دونوں اللہ تعالیٰ کا آخری پیغام وانعام بندوں کی ہدایت اور کامیابی کے لئے ہیں۔ لہذا ان کے معانی اور مفاہیم وشروح وتفسیر کے لئے جن صلاحیتوں اور احتیاط ودیانت داری اور للّٰہیت وخشیت اور بے نفسی اور غیر جانبداری اور کھلے ذہن ودماغ اور عدم تعصب کی ضرورت نیز جس وسعت معلومات اور علوم وفنون کی مہارت مطلوب ہے وہ سب شیخ الحدیث رحمہ اللہ میں موجود ہیں۔ اور آپ کی تحریریں اس کی منہ بولتی تصویر ہیں۔ خصوصا فتویٰ کے باب میں آپ ادب المفتی

والمستفتی وفتویٰ کے مزاج ومفہوم سے کلی طور پر موافق ہیں۔اس سلسلہ میں انتہائی بالغ نظری اور انتہائی جدوجہد صرف کرنے، کتاب وسنت پر نظر رکھنے اور تمام پہلوؤں پر عمیق نظر ڈالنے کے بعد ہی فتویٰ دیتے تھے۔آپ کے فتاویٰ کتاب وسنت کے ادلہ سے مزین ہوتے ہیں۔اور قدیم وجدید تشریحات پر گہری نظر ہوتی ہے۔

ان سب کے باوجود احتیاط وتورع اور تواضع کا دامن نہیں چھوڑتے۔اقوال الرجال اور متقدم فتاویٰ پر نظر ہونے کے باوجود اسی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ اللہ اور اس کے رسول کا منشا ومطلب بتانے کے لئے اصل مراجع کتاب وسنت کی طرف رجوع کرنا ضروری گردانتے ہیں۔اس لئے بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ شیخ الحدیث کے یہ فتاویٰ دینی رہنمائی کے لئے بے حد اہم اور لائق اہتمام اور نشر و اشاعت ہیں اور علمی حلقوں اور جماعتی احباب کو اس کا بے حد انتظار ہے۔اور دیگر فتاویٰ اہلحدیث، فتاویٰ نذیریہ، فتاویٰ ثنائیہ، فتاویٰ سلفیہ، وفتویٰ برطانیہ وغیرہ وغیرہ فتاویٰ کی طرح اس کی پذیرائی ہوگی۔اور ہاتھوں ہاتھ لیا جائے گا۔اور فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ وابن باز وابن عثیمین وغیرہم علمائے سلف کی یاد تازہ ہوجائیگی۔

(ماخوذ از فتاویٰ شیخ الحدیث مبارکپوری ار مقدمہ)



فتاویٰ شیخ الحدیث مبارکپوری

- شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانی مبارکپوری رحمہ اللہ کے علمی وفقہی فتاوی جات اور تحریروں کا بہترین مجموعہ آپ کے پوتے فواز بن ڈاکٹر عبدالعزیز مدنی نے مرتب کیا ہے اور مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند نے اسے دیدہ زیب سرورق کے ساتھ شائع کیا ہے۔
- بعد میں مزید فتاویٰ اور استفسارات وجوابات کے جمع ہوجانے کے بعد اسے الگ سے دیدہ زیب وخوشنما طباعت کے ساتھ شیخ الحدیث کے خلف الرشید عالی مقام مولانا عبدالرحمن مبارکپوری حفظہ اللہ کے اشراف ونگرانی میں مکتبہ الفہیم مئو کی طرف کئی ضخیم جلدوں میں شائع کیا گیا ہے۔شیخ الحدیث کے فتاوی کا یہ مجموعہ ہر خاص وعام کے لئے بے حد مفید اور لائق مطالعہ ہے۔رب العالمین ہمیں استفادہ کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

(عبدالحکیم مدنی)

شیخ ڈاکٹر محفوظ الرحمن زین اللہ رحمہ اللہ

حیات وخدمات

۱۹۴۸ء.........۱۹۹۸ء

مولانا محمد عاطف سنابلی
ساکی ناکہ،ممبئی

اس فانی دنیا میں لوگوں کے آنے جانے کا سلسلہ جاری اور ساری ہے،لوگ آتے اور جاتے رہتے ہیں،لیکن ان آنے جانے والوں میں بہت کم لوگ درجہ کمال کو پہنچ کر اللہ کے فضل وتوفیق کا مستحق قرار پاتے ہیں اور بہت کم لوگ انسانیت، دین اسلام اور کتاب وسنت کی خدمت کی توفیق سے سرفراز ہوتے ہیں،مولائے رحمن ورحیم اپنے بندوں میں جسے چاہتا ہے اپنی توفیق سے نوازتا ہے اور انہیں دین، انسانیت اور کتاب وسنت کی خدمت اور تبلیغ واشاعت کی توفیق سے نوازتا ہے انہیں شخصیات میں سے جنہیں اللہ نے اپنے خصوصی فضل سے نوازا،اور توحید وسنت اور حدیث رسول جیسے علمی سرمایہ کی خدمت کے لئے منتخب کیا ،شیخ محفوظ الرحمن رحمہ اللہ کی بھی شخصیت ہے۔

شیخ رحمہ اللہ عالم اسلام بالخصوص برصغیر پاک وہند کے سلفیوں کے لئے سرمایہ افتخار تھے،آپ انسانیت کے نیرتاباں اور روحانیت کے مہر درخشاں تھے،علم وفضل کے آفتاب، دین حق اور توحید وسنت کے سچے امین اور بے باک علمبردار تھے،قرآن وحدیث کے شارح،ایک عظیم محقق اور مخطوطات کے ماہر تھے،اپنی عربی تصنیفات وتحقیقات کی وجہ سے آپ کی شخصیت بین الاقوامی شہرت کی حامل تھی،سنت کی خدمت کے لئے آپ نے اپنی زندگی وقف کردی تھی،آپ جیسا عارف باللہ،سنت کا شیدائی،مسلک سلف کا داعی، توحید کا حق گو ترجمان اور علمبردار، دین خالص کا پرستار،حق کا طلب گار،ملت کا غم خوار،اور کتاب وسنت کا ترجمان صدیوں میں پیدا ہوتا ہے،ذیل کے سطور میں انہیں جامع کمالات اور میدان تحقیق وتصنیف کی ممتاز ومعروف شخصیت کی حیات وخدمات سے متعلق چند گوشوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

نام ونسب اور تاریخ ولادت:

شیخ محفوظ الرحمن رحمہ اللہ کی پیدائش ہندوستان کے صوبہ اتر پردیش کے ضلع بلرامپور (سابق گونڈہ) کے ایک مشہور ومعروف موضع کنڈؤ بونڈیہار میں ہوئی، یہ سرزمین اس اعتبار سے بھی قابل ستائش اور ناقابل فراموش ونظرانداز ہے کہ اس نے

اپنی آغوش میں دین کے بہت سارے سورماؤں اور کتاب وسنت کے خادمین کو پالا اور پروان چڑھایا ہے نمونہ سلف مولانا اقبال رحمانی رحمہ اللہ، مولانا محمد یسین رحمہ اللہ، مولانا زین اللہ رحمہ اللہ اور مولانا شبیر احمد صاحب رحمہ اللہ وغیرہ سب کے سب اسی سرزمین کی پیداوار تھے، شیخ ڈاکٹر محفوظ الرحمن بن زین اللہ رحمہ اللہ بھی اسی سرزمین کے ایک علمی اور دینی خانوادے کے چشم وچراغ تھے، ۲/ مارچ ۱۹۴۸ء کو آپ کی ولادت ہوئی۔

تعلیم وتربیت:

شیخ رحمہ اللہ کی تعلیم وتربیت کی ابتداء اور آپ کی نشوونما آپ کے والد بزرگوار حضرت مولانا زین اللہ رحمانی رحمہ اللہ (جو خود ایک غیور عالم دین اور پرہیز گار انسان تھے، نہایت باغیرت اور خودار، دعوت وتبلیغ کے شیدائی اور جرأت وہمت کے پیکر تھے) کے زیر سایہ گاؤں کے مدرسہ میں ہوئی، جہاں قرآن مجید ناظرہ اور بعض ابتدائی اردو کتابیں وغیرہ کی تعلیم حاصل کی، پھر علاقے اور ملک کے باہر دینی اداروں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں مدت دراز تک تعلیم حاصل کرتے رہے جس کا ایک ہلکا خاکہ ذیل میں درج ہے:

۱۔ ابتدائی تعلیم اپنے آبائی علاقہ کی مشہور تعلیمی وتربیتی دانشگاہ جامعہ سراج العلوم بونڈیہار کی ایک شاخ میں حاصل کی۔

۲۔ چونکہ آپ کے والد محترم تیل کے کاروبار سے وابستہ تھے، مغربی بنگال کے دارالخلافہ کلکتہ میں مقیم تھے اور تجارت کے ساتھ ساتھ للہ فی اللہ دعوت وارشاد اور تبلیغ واصلاح کا بھی کام کیا کرتے تھے، آپ نے وہیں کلکتہ کے ایک مدرسہ ندائے اسلام میں عربی کی پہلی جماعت تک کی تعلیم حاصل کی۔

۳۔ عربی کی دوسری، تیسری اور چوتھی جماعت کی تعلیم مئو کے مشہور ومعروف اور قدیم دینی ادارہ جامعہ فیض عام سے حاصل کی، پھر اس کے بعد ۱۹۶۴ء میں ہندوستان کی عظیم اور قدیم دینی ادارہ ''دارالعلوم دیوبند'' میں داخلہ لیا اور وہاں چار سال سند فضیلت کے حصول میں کوشاں رہے، اور ۱۹۶۸ء میں وہاں سے سند فراغت حاصل کی، اسی چار سالہ مدت میں دارالعلوم دیوبند کے شعبہ فن خطابت وانشاء سے ڈپلوما کی سند حاصل کی۔

۴۔ ۱۹۶۹ء میں ہندوستان کے عظیم سلفی ادارے ''جامعہ سلفیہ بنارس'' میں داخلہ لے کر تخصص فی الشریعہ کا کورس مکمل کیا اس کے بعد ایک مختصر تدریسی وقفہ کے بعد جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ میں داخلہ ہوگیا وہیں پر آپ نے کلیۃ الدعوۃ واصول الدین سے ۱۹۷۶ء میں لیسانس کیا، اور ۱۹۸۰ء میں ایم اے (ماجستر) کیا، جس کے تھیسس کا موضوع **تلخیص العلل المتناھیۃ فی الاحادیث الواھیۃ** '' تھا، پھر جامعہ اسلامیہ کے قسم السنۃ (شعبہ حدیث) سے ۱۹۸۳ء میں پی۔ ایچ ڈی (ڈاکٹریٹ) کی ڈگری حاصل کی اور ڈاکٹر (دکتور) کے لقب سے ملقب ہوگئے۔

مقبولیت:

شیخ رحمہ اللہ کی مقبولیت ہر خاص وعام میں تھی، عرب اور مشائخ دکتور کہہ کر یاد کرتے اور عامۃ الناس ڈاکٹر صاحب کہہ کر آپ کا ذکر

جمیل کرتے، رفیق کارواں کے نام سے شیخ کا سوانحی خاکہ اور احوال زندگی مرتب اور قلم بند کرنے والے (فی الحال جامعہ اسلامیہ سنابل ،دہلی کے ایک ممتاز استاذ) شیخ ممتاز عبداللطیف صاحب حفظہ اللہ شیخ موصوف کی مقبولیت کا تذکرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''کہ وفات کے دوسرے دن ''فجیرہ'' سے میرے ایک دعوتی رفیق کار کا فون آیا، کہنے لگے کہ اتنا بڑا حادثہ ہوگیا اور آپ نے فون تک نہیں کیا، میں نے معذرت کی کہ مجھے ہوش ہی نہ رہا کہ فون کروں، کہنے لگے سعودی عرب کے جملہ مبعوثین جو متحدہ عرب امارت کے تینوں مراکز میں دعوتی مشن پر مامور ہیں ان میں سب سے زیادہ لائق وفائق تھے، میں نے کہا اس میں کیا شک ہے۔''

اسی طرح کئی لوگوں نے میرے پاس فون کیا اور ان کے محاسن اور اوصاف کا ذکر کیا، شیخ ممتاز عبداللطیف صاحب آگے لکھتے ہیں: ''کہ ان کی مقبولیت کا ایک ہلکا سا عکس جنازہ کے دن نمایاں ہوگیا تھا تھوڑی سی مدت میں نورانی جماعت کا ایک جم غفیر جنازہ میں شرکت کے لئے پروانہ وار حاضر ہوگیا اور جو احباب وتلامذہ حاضر نہ ہوسکے، انہیں صدمہ ہوا اور افسوس کا اظہار کرتے رہے۔'' (رفیق کارواں ص:۶۰)

فہم وفراست:

شیخ مرحوم نے ذہانت وفطانت، حکمت وبصیرت اور فہم وفراست کا عجب ملکہ پایا تھا، کسی بات کو خواہ دینی ہو یا دنیوی منٹوں میں سمجھنا ان کی چٹکیوں کا کام تھا، اشارہ کنایہ کی زبان جو یاران محفل کی جان ہوتی ہے، اس میں انہیں کمال حاصل تھا۔

رفیق کارواں میں شیخ ممتاز عبداللطیف صاحب لکھتے ہیں: کبھی ایسا نہ ہوا کہ میں نے طنز وتعریض اور تلمیح کی بات کی ہو اور وہ اس کو فوراً نہ سمجھ گئے ہوں۔

جو ہے پردوں میں پنہاں چشم بنیا دیکھ لیتی ہے
زمانے کی طبیعت کا تقاضا دیکھ لیتی ہے

مرحوم کو بصیرت، بصیرت کی سرزمین، اس کے درخت، شگوفے اور پھل سب کے سب وافر مقدار میں ملے تھے، جب تک ان کی بصیرت کی سرزمین باغ وبہار رہی اس وقت تک فراست کی دل آویزی اور کرشمہ سازی جاری رہی اور جب ٹھنڈی پڑگئی، تب بھی ان کی فراست کی یادگاریں تالیف وتحقیق کی صورت میں زندہ ہیں۔

ہرگز نہ میر دتا آنکہ دلش زندہ بعشق
ثبت است برجریدہ عالم دوام ما

اخلاق وعادات

شیخ موصوف رحمہ اللہ بڑے خوش اخلاق تھے، ہمیشہ لوگوں سے خندہ پیشانی سے ملتے اور گرمجوشی سے ان کا استقبال کرتے، وسیع النظر فی آپ کا شیوہ تھا لیکن غیرت وحمیت کو کبھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتے، وقت اور ڈیوٹی کے پابند تھے، دھن کے پکے اور لگن کے سچے

تھے، آج کا کام کل پر نہیں ڈالتے، دوسرے مسلک والوں سے بھی کھل کر ملتے، ان کے علماء کا ادب واحترام سے نام لیتے، ان کے اختلاف کو فطری امر جانتے اور فروعی مسائل میں زیادہ الجھنے کے قائل نہیں تھے، اہل علم کی یہی شان ہوتی ہے کہ اختلافی مسائل کو دلائل کی روشنی میں بیان کر کے مخالفین کو قائل کیا جائے، دل کے صاف تھے، جو بات حق جانتے کہہ دیتے، اس میں بڑے چھوٹے کی تمیز نہیں کرتے، جرأت وبہادری مزاج میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی، خلاف مزاج باتوں کو برداشت نہیں کر پاتے، کسی سے دوستی ہوتی تو اس کا حق ادا کرتے اور کسی سے دشمنی ہوتی تو اس کا بھی حق ادا کرتے۔

مزاج سادہ لیکن پر کیف تھا، چیزوں کے انتخاب میں ماہر تھے، کھانے پینے رہنے سہنے اور لباس و پوشاک کے لئے عمدہ چیزوں کا انتخاب اپنے اور اپنے بچوں کے لئے کرتے لیکن سادگی کو ہمیشہ ملحوظ خاطر اور پیش نگاہ رکھتے اور فضول خرچی کو اپنے قریب نہیں پھٹکنے دیتے۔

اس قدر سادہ پرکار کہیں دیکھا ہے
بے نمود اتنا نمودار کہیں دیکھا

اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کی ظاہری اور معنوی نعمتوں سے نوازا تھا، لیکن کبھی غرور وفخر کی بات نہیں کرتے، اخراجات میں عمدگی کا لحاظ ضرور کرتے لیکن ضرورت سے زیادہ کوئی چیز اختیار کرنے کی نہیں سوچتے۔

ان کی زندگی میں سستی اور کاہلی نام کی چیز نہ تھی، ہمیشہ چاق وچوبند رہتے شرم وحیا کا پیکر تھے، خلوت وجلوت میں ساتر لباس زیب تن کرتے اور بچوں کو بھی اسی پر عمل کراتے۔

تقویٰ وتدین:

اس مادی دور میں مادی امور کا اہتمام ضرور کرتے لیکن حرام وحلال اور جائز وناجائز کا بڑا لحاظ رکھتے، چھوٹے بڑے بچے کبھی مساجد کے گیٹ پر رکھی ہوئی چیزوں کو کھانے کی کوشش کرتے تو انہیں سختی سے منع کر دیتے، مبادا کہیں صدقہ کی چیز تو نہیں ہے۔

نماز باجماعت کی پابندی خود کرتے اور اپنے بچوں سے بھی کراتے، فجر کی جماعت کے لئے گھر سے سب سے بعد میں نکلتے، تاکہ کوئی بچہ غفلت سے گھر میں سویا نہ رہ جائے، یہی وجہ ہے کہ چھوٹے بڑے سب بچے ان کے جانے کے بعد بھی پابندی سے باجماعت نماز پڑھتے ہیں۔

شیخ مکتب ہے اک عمارت گر
جس کی صنعت ہے روح انسانی

علم وفضل:

سلف صالحین کی طرح آپ نے علم کے مختلف سرچشموں سے سیرابی حاصل کی تھی، یہ فضل موجودہ زمانہ میں بہت کم لوگوں کو

حاصل ہوتا ہے، غیور سلفی المسلک ہونے کے باوجود آپنے ''دارالعلوم دیوبند'' سے درجہ فضیلت حاصل کی تھی، جس کی وجہ سے فقہی نکتہ سنجیاں آپ کی رگ وپے میں سرایت کی ہوئی تھیں، اس تبحر علمی کا نتیجہ تھا کہ اختلاف رائے کو فطری امر سمجھتے ہوئے دوسرے علماء کی قدر کرتے تھے۔

آپ کو مسائل کے استنباط میں عجب قدرت حاصل تھی، عبارت فہمی میں ملکہ حاصل تھا، ہرفن کا گہرااور وسیع علم رکھتے تھے لیکن آپ کا تخصص فن حدیث تھا، اسماء الرجال پر گہری نظر تھی، ایک مرتبہ علامہ البانی رحمہ اللہ سے کسی راوی کے نام میں سہو ہوا تو آپنے انہیں خط لکھا اور انہوں نے جواب دیا ''**الحق معک**'' آپ حق پر ہیں۔

جو شخص بھی مرحوم کی تحقیق کی ہوئی کتابوں کا مطالعہ کرے گا مذکورہ باتوں کو ان شاء اللہ سچ اور درست پائے گا مختصر سی مدت میں دوسرے کاموں کے ساتھ ساتھ آٹھ ضخیم کتابوں کی تحقیق کرنا، ان کے علم وفضل، فہم ودانش، ذہانت وفطانت اور کاموں کے کرنے کی عظیم قدرت پر دلالت کرتا ہے، حدیث کے موضوع پر آپ کی بحث وتحقیق کے اس علمی سرمایہ کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ آپ گروہ محدثین کے درخشاں ستارہ تھے۔

رجال و اسانید کے جو ہیں دفتر
گواہ انکی آزادگی کے ہیں یکسر
نہ تھا ان کا احساس اک اہل دیں پر
وہ تھے اس میں ہرقوم وملت کے رہبر

عقیدہ وعمل:

آپ ایک سلفی خانوادہ کے چشم وچراغ تھے، اور ایک سلفی عالم دین کی گود میں پرورش وپرداخت اور تربیت پائی تھی، اس لئے شروع ہی سے سلفی عقیدہ کی چھاپ، کتاب وسنت کی اشاعت اور بدعات وخرافات سے نفرت اور اجتناب کا نقش آپ کے دل پر مرتسم تھا، جس کی گواہی آپ کا ہر عمل دیتا ہے، آپ نے اسی نسبت سے ایم اے اور پی ایچ ڈی کی ڈگریوں کے لئے حدیث رسول کا انتخاب کیا اور زندگی بھر اسی کے شیدائی اور اسی پر اپنی جان دے دی۔

اسی دھن میں آسان کیا ہر سفر کو
اسی میں کیا طے ہر اک بحرو بر کو

مدینہ یونیورسٹی سے لے کر متحدہ عرب امارات کی پچیس سالہ زندگی میں ہمیشہ سلفی اخوان کے روح رواں رہے، ان کی سلفیت سلفی غیرت وحمیت اور اس راہ کی جرأت مندی نے شیخ مرحوم کو ایک مرتبہ آزمائش اور خطرہ میں ڈال دیا تھا لیکن وہ بال بال بچ گئے۔

ڈومریا گنج کی سرزمین میں جامعہ اسلامیہ خیر العلوم اور اس کی شاخوں کو کھول کر کتاب وسنت کی اشاعت وبالادستی اور سلفیت کی آبیاری کا ایک ایسا روشن منارہ قائم کر دیا ہے جس کی روشنی ان شاء اللہ ہمیشہ تاریک دلوں کو روشن کرتی رہیں گی۔

اہل وعیال:

حدیث شریف میں آتا ہے: اذا مات الانسان انقطع عنه عمله الا من ثلاثة الا من صدقة جارية او علم ينتفع به او ولد صالح يدعو له (صحيح مسلم)

جب انسان اس دنیا سے گزر جاتا ہے تو اس کے اعمال کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے لیکن تین طرح کے عمل ایسے ہیں کہ انکا اجر وثواب ملتا رہتا ہے () صدقہ جاریہ (۲) علم نافع (۳) نیک اولاد

بحمد اللہ وفضلہ شیخ مرحوم کو بیک وقت یہ تینوں چیزیں وافر مقدار میں ملیں، شیخ رحمہ اللہ کا صدقہ جاریہ جامعہ خیر العلوم اور اس کی دسیوں شاخیں ہیں جن کا تفصیلی ذکر آئندہ سطور میں خدمات کے ضمن میں آئے گا۔

(۲) جہاں تک مسئلہ ہے علم نافع کا تو کئی ضخیم کتابوں کی شکل میں آپ کا علمی خزانہ زندہ وجاوید ہے، ایک ایسا ٹھوس علمی اور تحقیقی کارنامہ جس سے اہل علم ہمیشہ استفادہ کرتے رہیں گے، تفصیل آگے علمی خدمات کے ضمن میں مذکور ہے۔

(۳) تیسرا عمل نیک اولاد: شیخ رحمہ اللہ کی اولاد کا کیا کہنا سب کے سب ہیرے جواہر ہیں، کوئی کسی سے کم نہیں، اپنے والد گرامی کی طرح فہم وفراست، سنجیدگی، تقوی وتدین، صلاحیت وصالحیت، علم وفضل اور مختلف خصوصیات سے مالا مال ہیں۔

شیخ رحمہ اللہ کی شادی ضلع بلرامپور (سابق گونڈہ) کے ایک مشہور موضع طیب پور کے مولانا عبدالستار رحمہ اللہ کی بڑی صاحبزادی سے ہوئی تھی، شیخ رحمہ اللہ کو رب کریم نے کل ۱۵ اولاد عطا کی، جن میں سے دو کا بچپن ہی میں انتقال ہو گیا، بقیہ ۱۳ اولاد (۷ لڑکے ۶ لڑکیاں) قید حیات ہیں تمام بچے اور بچیاں علم دین ودنیا کی دولت سے بہرہ ور ہیں اور جہاں بھی ہیں اس علمی خانوادے کا وقار اور علی ودینی مقام اور حیثیت کو زندہ وجاوید اور سرسبز وشاداب کئے ہوئے ہیں اور آفتاب وماہتاب کی طرح چمک دمک رہے ہیں، اکثر حافظ اور عالم دین ہیں، سب کی شادیاں ہو چکی ہیں الحمد للہ سبھی صاحب اولاد ہیں اور سب اپنے اپنے کام اور کاروبار میں ملک اور بیرون ملک مصروف عمل ہیں۔ ان میں سے دو عالم اسلام کی مشہور عظیم یونیورسٹی جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ کے اندر زیر تعلیم ہیں، ایک دکتورہ کے مرحلہ میں ہیں دوسرے ماجستر کر رہے ہیں۔

آپ کے بچوں کے نام حسب ذیل ہیں:

(۱) عبید الرحمن (۲) ڈاکٹر احمد (۳) محمد (۴) خالد (۶) عبد اللہ (۷) عبد الرحمن

اسی طرح شیخ رحمہ اللہ کی تمام بچیاں رشتہ ازدواج سے منسلک ہو چکی ہیں اور مختلف ممالک (ہندوستان، امارات، بحرین، اور سعودیہ وغیرہ) میں اپنے اپنے شوہروں کے ساتھ خوشگوار اور دیندارانہ زندگی گذار رہی ہیں اور اپنے اپنے گھروں کو آباد کئے ہوئے ہیں رب کریم کے فضل اور احسان عظیم کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ بچوں کی طرح آپ کے تمام داماد علم وفضل کی دولت سے مالا مال ہیں، خدمت دین، خدمت کتاب وسنت اور خدمت انسانیت میں لگے ہوئے ہیں، تعلیم وتعلم، دعوت وارشاد اور تدریس وتبلیغ کے میدان سے

منسلک اور وابستہ ہیں سبھی دین دار اور اہل علم اور دین پسند طبیعت کے مالک ہیں۔

وفات:

شیخ رحمہ اللہ شوگر کے دائمی مریض تھے، وفات سے قبل کچھ بلڈ پریشر کا عارضہ لاحق ہوا، دبئی ہاسپٹل میں ایڈمٹ کئے گئے جہاں علم حدیث کا یہ حدی خواں اور سنت رسول کا ساقی اپنی عمر کی صرف پچاس بہاریں دیکھ کر اور خدمت سنت کی دنیا میں تیس سال گذار کر ۲۶/جنوری ۱۹۹۸ء بمطابق ۲۹/رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ بروز دوشنبہ گیارہ بجے شب کو اس دنیائے فانی کو ہمیشہ ہمیش کے لئے الوداع کہہ گیا اور یوپی کے مشرق سے طلوع ہونے والا یہ سورج دبئی (مغرب) میں ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا، دبئی ہی میں محلہ سوناپور کے مشہور و معروف مقبرہ میں آپ کو سپرد خاک کیا گیا۔ (نور اللہ مرقدہ ورحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ)

نماز جنازہ آپ کے بڑے صاحبزادے شیخ عبید الرحمن حفظہ اللہ نے پڑھائی۔

غنچوں میں اہتزاز ہے پرواز حسن کی
سینچا تھا کس نے باغ کو بلبل کے خون سے

اسی طرح عین عید کے دن حرم شریف میں آپ کی نماز جنازہ پڑھی گئی، جس میں عالم عرب وعجم کی معروف علمی شخصیات کے ساتھ بہت سارے ہندوستانی و پاکستانی علماء اور طلبہ شریک تھے، جن میں سرفہرست حرم مکی کے مفتی ومدرس شیخ ڈاکٹر وصی اللہ عباس حفظہ اللہ، ڈاکٹر لقمان سلفی حفظہ اللہ، ڈاکٹر عبدالعلیم عبدالعظیم رحمہ اللہ، ڈاکٹر عبدالوہاب خلیل رحمہ اللہ قابل ذکر ہیں۔

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

اساتذہ:

آپ رحمہ اللہ ''جامعہ فیض عام'' ''دار العلوم دیوبند، جامعہ سلفیہ (مرکزی دار العلوم) بنارس'' اور ''جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ'' کے افاضل نابغہ روزگار اساتذہ کرام کے علمی اور اخلاقی سرچشموں سے سیراب ہوئے تھے ان سب نابغۂ روزگار کا اس چھوٹے سے مقالہ میں استقصاء اور احصاء کرنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے، اس لئے بطور مثال ونمونہ چند اساتذہ کرام کے اسماء گرامی ذیل میں درج کئے جارہے ہیں۔

۱۔ شیخ الحدیث عبیداللہ رحمانی مبارکپوری رحمہ اللہ صاحب مرعاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح بالاجازۃ)
۲۔ شیخ الحدیث مولانا محمد احمد رحمہ اللہ
۳۔ مفتی حبیب الرحمن اعظمی رحمہ اللہ
۴۔ مولانا عبدالسبحان اعظمی رحمہ اللہ

۵۔شیخ الحدیث محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ صاحب أوضح المسالک شرح مؤطا امام مالک بالاجازۃ)
۶۔مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ (سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند)
۷۔فضیلۃ الشیخ عبدالوحید الرحمانی رحمہ اللہ (سابق شیخ الجامعہ جامعہ سلفیہ بنارس)
۸۔فضیلۃ الشیخ شمس الحق السّلفی رحمہ اللہ (سابق شیخ الحدیث جامعہ سلفیہ بنارس)
۹۔فضیلۃ الشیخ محمد ادریس آزاد الرحمانی رحمہ اللہ (مترجم فتح المجید)
۱۰۔فضیلۃ الدکتور مقتدی حسن ازہری رحمہ اللہ (سابق وکیل الجامعہ، جامعہ سلفیہ، بنارس)
۱۱۔فضیلۃ الدکتور العلامہ ربیع ابن ہادی المدخلی حفظہ اللہ (محقق النکت علی ابن الصلاح لابن حجر)
۱۲۔فضیلۃ الشیخ العلامۃ حماد بن محمد الانصاری حفظہ اللہ (صاحب بلغۃ القاصی والدانی فی تراجم شیوخ الطبرانی)
۱۳۔فضیلۃ الشیخ الدکتور محمود میرہ رحمہ اللہ (محقق تصحیفات المحدثین)
۱۴۔فضیلۃ الدکتور اکرم ضیاء العمری رحمہ اللہ (صاحب السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ)
۱۵۔فضیلۃ الشیخ محمد امین مصری رحمہ اللہ (سابق رئیس قسم الدراسات العلیا بالجامعۃ الاسلامیۃ بالمدینۃ الطیبۃ)

تصنیفی و تحقیقی خدمات

شیخ رحمہ اللہ نے تدریسی اور دعوتی خدمات کے ساتھ ساتھ بحث و تحقیق کو کبھی ہاتھ سے جانے نہ دیا، سفر، حضر، آفس، کالج یا کسی کے گھر دعوت کھانا ہو حتی کہ سودا سلف کے لئے بازار جانا ہو ہر وقت تحقیق کے لئے مخطوطہ قلم اور کاغذ ساتھ رکھتے، جہاں پل بھر کی مہلت ملتی کاغذوں پر موتیوں کے دانے بکھیرنے لگتے۔ سلف صالحین کے علمی ورثہ سے شیخ رحمہ اللہ کو بے پناہ دلی لگاؤ اور قلبی شغف تھا، خاص کر ان کے ہاتھوں سے لکھی ہوئی کتابوں سے جنہیں علمی دنیا میں مخطوطہ کے نام سے جانا اور یاد کیا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ مخطوطہ کی کشیدہ اور کرم خوردہ عبارتوں کو پڑھنے میں انہیں کوئی دشواری نہیں ہوتی تھی اور وہ اسے اس طرح پڑھتے او رسمجھتے گویا کوئی چھپی ہوئی کتاب پڑھ رہے ہیں ان کے اس دلچسپی اور شغف کی وضاحت اور اس کا اندازہ درج ذیل کارناموں اور منفرد خدمات سے لگایا جاسکتا ہے۔

مدینہ یونیورسٹی سے ایم اے کی سند حاصل کرنے کے بعد ۱۹۸۰ء میں ''کلیۃ الحدیث'' کے معید (ریڈر) مقرر ہوئے تو انہیں اسی دلی لگاؤ کی وجہ سے تدریسی ذمہ داریوں کے بجائے جامعہ کے قسم المخطوطات کا رکن رکین بنایا گیا اور وہ اپنی ذمہ داری کو ۱۹۸۳ء تک بحسن وخوبی انجام دیتے رہے اور اسی دوران پی ایچ ڈی (ڈاکٹریٹ) کی ڈگری حاصل کرلی، اس کے بعد ۱۹۸۴ء سے ۱۹۸۷ء تک ''مرکز جمعۃ الماجد للثقافۃ والتراث، دبئی'' کے مخطوطہ سیکشن میں بحث و تحقیق کا اعزازی کام کرتے رہے، اسی طرح ''مرکز خدمۃ السنۃ والسیرۃ النبویۃ بالمدینۃ المنورۃ'' سے کافی ربط رہا اور وہاں سے دی گئی کتابوں کی تحقیق کرتے رہے۔

نیز شیخ رحمہ اللہ کو تحقیق وتالیف سے بے انتہا لگاؤ تھا جن کا اندازہ درج ذیل محقق کتابوں سے لگایا جاسکتا ہے:

۱۔العلل الواردۃ فی الأحادیث النبویۃ للامام الدارقطنی
اس کتاب کی ۱۱ جلدوں کی تحقیق شیخ رحمہ اللہ کے ذریعہ مکمل ہو چکی تھی، اور مزید ۱۰ جلدوں کے تحقیق دوسرے محققین اہل علم نے کی ہے، الحمدللہ مکمل کتاب ۲۱ جلدوں میں مطبوع ہے۔

۲۔البحر الزخار المعروف بمسند البزار (اس کتاب کی ۹ جلدیں مکمل ہوئی تھیں، بقیہ کتاب کی تحقیق دوسرے اہل علم نے کی ہے کتاب ۲۰ جلدوں میں تیار ہے۔)

۳۔تلخیص العلل المتناھیۃ فی الأحادیث الواھیۃ للحافظ الذھبی (یہ کتاب ۳/جلدوں میں مکمل ہو چکی ہے۔

۴۔مسند الھیثم بن کلیب الشاشی (یہ کتاب محقق ہو کر ۳ جلدوں میں چھپ کر شائع ہو چکی ہے۔

۵۔مسند عمر بن الخطاب لأبی بکر الفقیہ النجار (یہ کتاب ایک جلد میں تحقیق کے ساتھ شائع ہو چکی ہے۔

۶۔رؤیۃ اللہ سبحانہ وتعالیٰ لابن النجار (یہ کتاب بھی تحقیق کے بعد شائع ہو چکی ہے۔

۷۔اتحاف المھرۃ بأطراف المسانید العشرۃ لابن حجر (اس کتاب کی دسویں جلد کی تحقیق آپ نے کی ہے۔

۸۔لسان المیزان (اس کتاب کی تیسری جلد کی تحقیق آپ نے فرمائی ہے۔

شیخ رحمہ اللہ کی یہ علمی خدمات ہیں جن کی بدولت آج ان کی روح بھی رحمت خداوندی کے سایہ میں شاداں وفرحاں ہو کر یہ کہتی ہوگی کہ

ع ''خوشا مدم از زندگی خویش کہ کارے کردم

تدریسی اور دعوتی خدمات:

دبئی میں رہتے ہوئے شیخ موصوف نے تدریسی، تصنیفی اور تحقیقی خدمات کے ساتھ ساتھ بہت سارے دعوتی و دینی امور کا بار اپنے کندھوں پر اٹھائے رکھا اور مختلف رفاہی و ملی خدمات میں بھی سرگرم عمل رہے، دبئی کی مختلف مساجد اور جمعیات میں عربی اور اردو دونوں زبانوں میں دعوت وارشاد اور تبلیغی واصلاحی دروس ومحاضرات کا باضابطہ اہتمام کرتے رہے اور دینی وتربیتی پروگرام منعقد کراتے رہے، ''شارقہ'' کی مختلف مساجد میں مستقل طور پر خطبہ جمعہ دیتے رہے، اسی طرح جب کالج بند ہو جاتا تو موسم گرما کی فرصت اور تعطیل کے موقع پر مرکز الدعوۃ والارشاد دبئی کی مسند فتویٰ پر جلوہ افروز ہو کر افتاء کا بھی کام انجام دیتے، اور سال بھر فون پر عربی اور اردو زبانوں میں دینی سوالوں کا جواب دیا کرتے تھے، عالمی رفاہی کمیٹی (ھیئۃ الاعمال الخیریہ العالمیہ، عجمان) کی شمالی ہندوستان کی نمائندگی کرتے رہے، ایک عرصہ تک مرکز الدعوۃ والارشاد دبئی کے دعاۃ اسلام کے مراقب اور نگران اعلیٰ کی ذمہ داری بحسن وخوبی نبھاتے رہے۔

دینی، ملی اور رفاہی خدمات:

شیخ محفوظ الرحمن رحمہ اللہ نے دبئی میں اپنے قیام کے دوران اپنا دائرہ عمل صرف بحث وتحقیق، درس وتدریس، دعوت وتبلیغ اور تصنیف وتالیف تک محدود نہیں رکھا، بلکہ ان کی توجہ اپنے وطن، ملک، ملت وجماعت اور قوم کی اہم اور بنیادی ضروریات اور تقاضوں

پر بھی مرکوز رہی اور تمام ذاتی وعلمی مصروفیات ومشاغل کے باوجود دین کی خدمت اور کتاب وسنت کی نشرواشاعت کا جذبہ یکساں برابر دامن گیر رہا، جس کی تکمیل کے لئے اپنے محترم چچا جناب ڈاکٹر عبدالباری خان صاحب کے ذریعہ قصبہ ڈومریا گنج (سدھارتھ نگر یوپی) میں جامعہ اسلامیہ خیرالعلوم "جمعیة خیر التقنیه" (خیر ٹیکنیکل سوسائٹی) کے نام سے قائم کردہ ادارہ سے جڑ گئے، ابتدا میں ادارہ ایک مکتب کی شکل میں قائم کیا گیا تھا، لیکن اللہ کے فضل وتوفیق اور شیخ محفوظ رحمہ اللہ کی خصوصی دلچسپی اور گراں قدر عنایات وتوجہات کے طفیل ایک عظیم دینی، تعلیمی، دعوتی، تصنیفی اور رفاہی سنٹر اور اور تنظیم کی شکل اختیار کر گیا، اور الحمدللہ آج اس سوسائٹی کے زیر اشراف کئی ایک تعلیمی، تربیتی، دعوتی اور رفاہی ادارے مشرقی یوپی میں سرگرم عمل ہیں، جو شیخ رحمہ اللہ کی خدمات جلیلہ اور مساعی جمیلہ کا جیتا جاگتا اور منہ بولتا ثبوت ہیں، اور آپ کے لئے صدقہ جاریہ اور الباقیات الصالحات ہیں۔

جامعہ اسلامیہ خیرالعلوم ڈومریا گنج (سدھارتھ نگر) محتاج تعارف نہیں ہے، اس کا قیام ۱۹۶۸م میں ایک مکتب کی شکل میں ہوا تھا، مگر چند ہی سالوں میں اللہ کے فضل وتوفیق سے ایک عظیم الشان ادارہ بن گیا، جواب جامعہ اسلامیہ خیرالعلوم کے نام سے ملک وبیرون ملک مشہور ومعروف ہے، الحمدللہ یہ جامعہ ایک تناور درخت بن چکا ہے، یہاں پر دینی وعصری اور تکنیکی تعلیم وتربیت کا ایک بہترین سنگم اور حسین امتزاج ہے، جس کے تحت مندرجہ ذیل تعلیمی، تربیتی، دعوتی، تصنیفی اور رفاہی ادارے مصروف عمل ہیں۔

۱۔ **مدرسہ ابوبکر صدیق** کا قیام ۱۹۶۸ء میں عمل میں آیا، اس میں نرسری سے لے کر درجہ پنجم تک معیاری اور بہترین تعلیم ہوتی ہے، اس کی بنیاد ڈاکٹر عبدالباری خان صاحب حفظہ اللہ نے رکھی، لیکن شیخ رحمہ اللہ نے اپنے چچا کے اس شجر ثمر آور کی آبیاری اور اس کی ترقی اور استحکام میں آپ کا بھرپور ساتھ دیا، اور ہمہ وقت آپ کی تائید وحمایت میں کوشاں رہے۔

۲۔ **جامعہ اسلامیہ خیرالعلوم** (کلیة الشریعه) اس کی بنیاد ۱۹۷۹ء میں ڈالی گئی، اس میں اعدادی سے لے کر فضیلت تک کی تعلیم کا معقول بندوست ہے۔ اس کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ عصری وتکنیکی علوم بھی شامل نصاب ہیں۔

۳۔ **کلیة الطیبات** (نسواں کالج) کا قیام ۱۹۸۱ء میں عمل میں آیا، اس میں درجہ چہارم سے لے کر فضیلت اور تخصص تک کی تعلیم ہوتی ہے، بچیوں کی تعلیم وتربیت کے لئے ضلع سدھارتھ نگر کا معروف ومشہور اور ممتاز ادارہ ہے۔

۴۔ **معہد الایتام** (یتیم خانہ) اس کا قیام ۱۹۸۸ء میں عمل میں آیا، اس کی اپنی ایک مثالی اور امتیازی حیثیت ہے، اس میں صرف یتیم بچے اور بچیاں ہی تعلیم حاصل کرتی ہیں اپنے آپ پورے ملک ہندوستان میں اس کی الگ حیثیت ہے، فی الحال ہزار کے قریب طلبہ وطالبات زیر کفالت ہیں اور ہزاروں یتیم بچے اور بچیاں یہاں سے مستفیض ہو چکے ہیں اور اپنا مستقبل بنا اور سنوار چکے ہیں۔

۵۔ **شعبہ تحفیظ** (مدرسہ ابی بن کعب لتحفیظ القرآن الکریم) یہ بھی ایک اقامتی ادارہ ہے سینکڑوں بچے اس میں مقیم رہ کر قرآن کریم کا حفظ کرتے ہیں۔

۶۔ **مرکز الدعوة الاسلامیة** (اسلامک دعوہ سنٹر) یہ بھی ایک فعال دعوتی اور تصنیفی شعبہ ہے، اس کے تحت اصلاح ودعوت کا کام انجام دیا جاتا ہے نیز ایک دینی مجلہ 'الفرقان' بھی پابندی سے شائع ہوتا ہے۔

۷۔**قسم التکافل الاجتماعی** (شعبہ رفاہ عامہ)

۸۔**قسم بناء المساجد** (شعبہ تعمیر و اصلاح مساجد)

۹۔**خیر ٹیکنیکل سنٹر** اس سینٹر میں کمپیوٹر، الیکٹریشن، سلائی کڑھائی، کارپینٹری، اسٹینوگرافی، ویلڈنگ اور جوتا سازی کا کام سکھایا جاتا ہے۔ یہ ہیں شیخ محترم کی جماعتی اور ملی خدمات کی چند جھلکیاں جن کی ہلکی سی جھلک پیش کی گئی ہے۔

تا قیامت پھولتا پھلتا رہے تیرا چمن

حشر کے دن تک ترا گردش میں پیمانہ رہے

جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ آپ صرف میدان علم اور فن تحقیق و تصنیف کے حدی خواں اور مرد مجاہد نہیں تھے، بلکہ آپ کے دل میں ملی اور قومی درد اور ان کی خیر خواہی کا دریا ہمیشہ موجزن رہتا، جس کا ایک عکس اور اندازہ آپ کے ذریعہ لگائے گئے شجر بار آور جامعہ اسلامیہ خیر العلوم کے ایک فعال اور اپنی نوعیت کا منفرد تکنیکی شعبہ خیر ٹیکنیکل سنٹر کے خیر آٹو موبائلس کا یکم اگست ۱۹۹۷ء کو افتتاح کے موقع پر آپ نے حاضرین سے جو خطاب کیا اس کے ایک اقتباس سے لگایا جا سکتا ہے، شیخ رحمہ اللہ نے فرمایا:

’’آج مسلمانوں کو اقتصادی اور تعلیمی طور پر ساری دنیا پیچھے ڈھکیلنے کی سازش میں لگی ہوئی ہے، لیکن ہم نے کبھی کسی کو غلط نگاہ سے نہیں دیکھا، یورپ کی تاریخ سے پوچھا کہ اسپین سے برطانیہ وغیرہ نے کس طرح سائنسی مضامین سیکھے۔ انہوں نے جو بھی ترقی کی تو اسپین سے جہاں اسلامی حکومت تھی، اسلام جہاں بھی گیا وہاں کے باشندوں کو پورا حق دیا، اس لئے میرے بھائیو! ہم لوگ آٹو موبائلس کا جو ادارہ قائم کر رہے ہیں تو اس لیے نہیں کہ صرف مسلمان بچے پڑھیں بلکہ اس میں ہر قوم کے بچے پڑھیں جس سے اس ملک کی ترقی ہو، اس علم کو سیکھ کر اپنی اقتصادی کمزوری کو دور کریں، میں قوم کے نوجوانوں بالخصوص اپنے تمام بچوں سے کہوں گا کہ جن کا کوئی ٹھکانہ نہیں جن کے سروں پر کوئی دست شفقت پھیرنے والا نہیں، جن کا کوئی آنسو پوچھنے والا نہیں، اٹھو آؤ اور میرے دروازہ تمہارے لئے کھلا ہے، آگے بڑھ کر ہنر سیکھنے کی کوشش کرو، بھیک مانگنے والی قوم مت بنو۔

(مجلہ الفرقان ستمبر اکتوبر ۱۹۹۷ء ج ا ص: ۲۴۔۲۵)

اہم مراجع

ا۔رفیق کارواں شیخ ممتاز عبد اللطیف (سابق داعی مرکز الدعوہ دبئی)

۲۔تذکرہ علماء سلف مولانا عبد الحفیظ ندوی ڈومریا گنج

۳۔مجلۃ الفرقان جنوری فروری ۱۹۹۸ء



آئینہ حیات

خطیب الاسلام مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری رحمہ اللہ

۱۹۱۰ء ۔۔۔۔۔ ۱۹۹۹ء

مولانا عبدالحکیم عبدالمعبود مدنی

برصغیر کی جماعتی تاریخ بے حد تابناک اور روشن رہی ہے۔ یہاں آزادی سے پہلے اور آزادی ہند کے بعد بڑے بڑے عبا قرہ پیدا ہوئے جنہوں نے اپنے علم وعمل اور خدمات وقربانیوں سے ایک تاریخ رقم کر ڈالی، ان قربانیوں کی صفوں میں سرفہرست رحمانی علماء اوران کے نام اور کارنامے ہیں جو آج بھی ہمیں کہیں نہ کہیں، کسی نہ کسی صورت میں ضرور نظر آتے ہیں، ہندوستان کی آزادی سے پہلے کی پیداوار اور آزادی ہند کے بعد افق بھارت پر پوری آب وتاب کے ساتھ آخری عمر تک اپنی بے لوث قربانیوں، بے باک قلم اور تحریروں اور شعلہ بیاں وشیریں مقال تقریروں سے جس شخصیت نے دھوم مچادی اس کا نام عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری ہے جنہیں دنیا خطیب الہند ہی نہیں بلکہ خطیب الاسلام کے نام سے جانتی ہے، آپ اپنے والد کی ان نیکیوں اور دعاؤں کا حسین ثمرہ تھے جس کی کاشت ہندوستان سے ہجرت کر کے سرزمین نیپال میں کی گئی تھی اور اس کے اثرات پوری دنیا تک پہنچے، مولانا ثناء اللہ امرتسری اور دیگر اعیان علمائے جماعت کی تقریروں سے متاثر ہو کر جب اللہ نے آپ کو اہلحدیث بنایا تو پھر زمانے نے دیکھا کہ پورے اخلاص اور جذبہ للّٰہیت میں ڈوب کر اس زمیندار باپ نے سرحد ہندونیپال پر ایک عظیم سلفی مرکز ''سراج العلوم'' کے نام سے قائم کر ڈالا، اور نہ صرف یہ کہ اس کی آبیاری کی بلکہ اپنی زمینداری کا ایک بڑا حصہ اور اپنے ہونہار فرزند عبدالرؤف کو اس کے لئے وقف کر ڈالا، اور پھر علم وعمل کا یہ گلستان اس طرح سے پروان چڑھا کہ آج اسے عالم عرب وعجم میں ایک مہتم بالشان مقام حاصل ہے۔ ایک زمانہ تھا جب ہماری کانوں میں ہندونیپال کے سرحدی علاقوں سے لے کر پورے ہندوستان میں صرف ایک ہی آواز سنائی دیتی تھی کہ آج فلاں مقام پر اجلاس ہے اور جھنڈانگری مولانا تشریف لا رہے ہیں، اور پھر کیا ہوتا عوام الناس کا ایک امنڈتا ہوا سیلاب اور خطیب الاسلام کی سحر بیانی، شعلہ مقالی، شیریں اسلوب اور لوگ سیراب ہو ہو کر آسودہ دل اور آسودہ دماغ اپنے گھروں کو واپس آتے۔ ایک طرف خطابت کی جلوہ آرائی، اور دوسری طرف بے باک قلم سے تحریر کردہ مناظرانہ کتب اور واعظانہ تصنیفات کی دھوم تو تیسری طرف پورے عالم اسلام میں اپنی تعلیمی، انتظامی صلاحیتوں کی بدولت بت کدۂ نیپال میں ایک عظیم علمی جامعہ اور اس کی تعمیر وترقی، یہ سب کچھ اگر کسی شخصیت میں یکجا طور پر موجود تھیں تو وہ ہمارے ممدوح حضرت مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری رحمہ اللہ کی ہمہ گیر، مرنجان مرنج اور شگفتہ وشیفتہ، شیریں سخن شخصیت میں تھی اور آج بھی جھنڈانگر اور وہاں جاری سو سال سے زائد عمر طویل کا تاریخی ادارہ، اس

کے درو دیوار اور اس کا خطہ خطہ اور چپہ چپہ آپ کی قربانیوں کا گواہ اور شاہد ہے۔

زیر نظر مضمون آپ کی زندگی، خدمات اور اہم ترین اعمال اور ذمہ داریوں کا ایک آئینہ ہے جو پیش خدمت ہدیہ قارئین ہے۔ اللہ مولانا کو غریق رحمت فرمائے اور آپ کی قربانیوں کا آپ کو اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین۔

نام ونسب: مولانا عبدالرؤف رحمانی بن الحاج نعمت اللہ خان بن سردار خاں بن بخت یار خاں بن موتی خاں۔

خاندانی پس منظر: آپ کا خاندان ضلع گونڈہ یوپی (حال بلرامپور) کے ایک گاؤں موضع ''دتلو پور'' میں برسہابرس سے آباد چلا آرہا تھا، حسن اتفاق قدرت نے آپ کے والد نعمت اللہ خاں کو بہترین اور خوشگوار زندگی اور اطمینان بخش معاشی استحکام کی تلاش میں نیپال کے جنگلاتی علاقوں سے قریب ایک گاؤں ''کدر بٹوا'' پہنچادیا، یہاں آپ نے ایک بڑی زمینداری خریدی اور ترقی کی راہوں پر گامزن رہتے ہوئے مزید کئی گاؤں کی خریداری تک آپ کی رسائی ہوئی، اور اسے بھی ایک زرخیز علاقے میں تبدیل کر کے گل گلزار کی شکل دے دی جو سب کچھ رب العزت کی توفیق سے ممکن ہوسکا تھا، ایک اچھی زمینداری اور خوشحال زندگی کے ساتھ آپ کو اللہ تعالیٰ نے دین اور تقویٰ کی دولت سے بھی نوازا تھا، گھر کا پورا ماحول دین پسندی اور جذبۂ خیر سے لبریز تھا۔ اسی خوبصورت ماحول میں خطیب الاسلام عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری نے آنکھیں کھولیں اور پروان چڑھے۔ اور پھر آگے چل کر تاریخ نے وہ سب کچھ دیکھا جسے ہندو نیپال کے سرحدی علاقوں ہی کی نہیں بلکہ عالم اسلام کی ایک عظیم درسگاہ نبوت جامعہ سراج العلوم السّلفیہ جھنڈانگر اور اس سے وابستہ رہ کر آپ کی خدمات وقربانیوں کی شکل میں ہمیشہ یاد رکھی جائے گی۔ اور اس چشمۂ فیض کا نام آتے ہی خطیب الاسلام جھنڈانگری اور جھنڈانگر کی حسین یادیں اور خوبصورت تاریخی وعلمی لمحات اور جہد مسلسل سے عبارت آپ کی دعوتی وتدریسی زندگی اور ان تمام سے وابستہ سنہرے نقوش ابھر کر سامنے آجائیں گے۔ اللہ بیٹے اور باپ کو غریق رحمت فرمائے اور اس عظیم خانوادہ علم وعمل کی حفاظت فرمائے اور جھنڈانگری رحمہ اللہ کے فیضان معرفت کو تاابد جاری رکھے۔ آمین۔

ولادت: آپ کی پیدائش موضع کدربٹوا، ضلع کپل وستو، نیپال میں ایک متمول اور باعزت گھرانے میں ۱۹۱۰ کو ہوئی۔ البتہ بعض جگہوں پر آپ کی سن پیدائش ۱۹۰۵ء یا ۱۹۱۵ء درج ہے۔ وہ زیادہ قرین قیاس نہیں جیسا کہ ''السراج'' خطیب الاسلام نمبر ص ۲۴۸ میں اس کی وضاحت موجود ہے۔

تعلیمی مراحل:

۱۔ ابتدائی تعلیم اپنے آبائی وطن کدربٹوا نیپال میں میاں مالک علی، ساکن لٹیا، ڈومریا گنج سے گاؤں کی مسجد میں حاصل کی۔

۲۔ عربی وفارسی کی بنیادی تعلیم جھنڈانگر مدرسہ میں اس کے قیام کے ابتدائی ایام میں مولانا محمد خلیل بسکوہریؒ سے پائی، یہاں پر کل مدت تعلیم چار سال رہی۔

۳۔ ہدایۃ النحو، کافیہ، قدوری، منطق وغیرہ کی تعلیم دوسال تک مولانا حبیب اللہ، قاری احمد سعید، شیخ فصیح الدین، بالخصوص مولانا محمد منیر خاں بنارسی وغیرہم سے مدرسہ مصباح الہدیٰ بنارس، (جو بعد میں جامعہ رحمانیہ بنارس کہلایا) میں حاصل کی۔

۴۔ ۱۳۴۸ھ میں والدہ کے انتقال کی وجہ سے مجبوراً گھر واپس آگئے، اور یہیں اپنے والد کے قائم کردہ ادارہ مدرسہ جھنڈا نگر میں مولانا عبدالغفور بسکوہریؒ ملا فاضلؒ سے شرح وقایہ، نورالانوار وغیرہ کی تعلیم پائی۔

۵۔ ۱۳۴۹ھ/ ۱۹۳۰ء میں دارالحدیث رحمانیہ دہلی میں جماعت سابعہ میں داخلہ لیا اور یہاں دو سال رہ کر ۱۳۵۱ھ/ ۱۹۳۲ء تک اجلہّ علماء سے کسب فیض کیا خصوصاً شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانی مبارکپوریؒ اور شیخ الحدیث احمد اللہ پرتاپ گڑھی سے بالترتیب موطا امام مالک اور صحیح بخاری کا درس لیا اور یہیں سے ۱۹۳۲ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔ دستار فضیلت محدث کبیر مولانا عبدالرحمن مبارکپوریؒ نے باندھا، اور پیچ مولانا احمد اللہ پرتاپ گڑھیؒ نے کسا، اس مجلس میں صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر ذاکر حسین بھی موجود تھے۔

مشہور اساتذہ:

۱۔ میاں مالک علی (ابتدائی تعلیم کدربٹوا میں، ۲۔ مولانا محمد خلیل بسکوہری (عربی وفارسی بنیادی تعلیم جھنڈا نگر میں)، ۳۔ مولانا حبیب اللہ بہاری، بنارس میں، ۴۔ مولانا فصیح الدین (بنارس)، ۵۔ قاری احمد سعید (بنارس)، ۶۔ مولانا محمد منیر خان جونپوری (بنارس)، ۷۔ مولانا عبدالغفور بسکوہری (جھنڈا نگر) ۸۔ شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانی مبارک پوری (رحمانیہ دہلی) ۹۔ مولانا نذیر احمد املوی (رحمانیہ دہلی) ۱۰۔ شیخ الحدیث مولانا احمد اللہ پرتاپ گڑھی (رحمانیہ دہلی)، (۱۱) مولانا سکندر علی ہزاروی (رحمانیہ دہلی) ۱۲۔ مولانا عبدالسلام درانی (رحمانیہ، دہلی)۔

مشہور تلامذہ: ۱۔ مولانا عبدالمبین منظر بستویؒ، (سمرا) ۲۔ مولانا عبدالحنان فیضیؒ سابق مفتی جامعہ سراج العلوم، جھنڈا نگر۔ ۳۔ مولانا محمد یحییٰ بنارسیؒ ۴۔ مولانا امراللہ عارف سراجیؒ (کنڈرا گرانٹ) ۵۔ مولانا عبدالجلیل رحمانیؒ، ششھنیاں۔ ۶۔ مولانا محمد اقبال رحمانیؒ (کنڈو بونڈیہار)

تدریسی وتعلیمی خدمات:

۱۔ ۱۹۳۲ء تا ۱۹۳۳ء تک فراغت کے فوراً بعد دارالحدیث رحمانیہ دہلی میں،

۲۔ ۱۹۳۴ء تا ۱۹۳۶ء جامعہ سراج العلوم جھنڈا نگر نیپال میں جو آپ کے والد کا قائم کردہ ادارہ تھا۔

۳۔ ۱۹۳۶ء تا ۱۹۳۸ء جامعہ رحمانیہ بنارس میں دو سال۔

۴۔ بحیثیت مدرس ونائب ناظم وناظم اعلیٰ ۱۹۳۸ء تا حین حیات جامعہ سراج العلوم جھنڈا نگر۔

دورِ نظامت: آپ کی نظامت جامعہ سراج العلوم جھنڈا نگر کے دو ادوار ہیں۔

(۱) بحیثیت نائب ناظم، جولائی ۱۹۳۸ء تا ۱۹۵۵ء اس فترہ میں ناظم اعلیٰ آپ کے والد تھے اور ان کے انتقال کے بعد آپ کے چچا حاجی محمد اسحاق ناظم تھے۔

۲۔ بحیثیت ناظم اعلیٰ ۱۹۵۵ء سے وفات ۳۰ نومبر ۱۹۹۹ء تک (قریباً چالیس سالوں سے زائد عرصہ تک) آپ جامعہ سراج العلوم کے روح رواں اور ناظم اعلیٰ رہے۔ سوائے ابتدائی چار سالوں کے جس میں جماعت اسلامی کے بعض شرپسندوں کی سازش کی

وجہ سے آپ کو ادارہ سے علیحدہ رہنا پڑا بالآخر ۱۹۵۹ء میں علاقے کے سربرآوردہ لوگوں نے اس فترہ میں جامعہ کی تعمیری و تعلیمی انحطاط وتنزلی کو دیکھ کر آپ کو واپس ناظم اعلیٰ بنا دیا اور کلی اختیار عطا فرما دیا چنانچہ اس کے بعد سے لے کر تا دم آخر آپ نے پوری زندگی جامعہ کی تعمیر وترقی کے لئے وقف کر دی اور ادارہ کو بامِ عروج تک پہنچا دیا۔

تصنیفی خدمات:

آپ نے تدریس، تعلیم اور جامعہ کی کلیدی ذمہ داری کے ساتھ ساتھ تصنیفی کاموں کو بھی بڑی محنت وعرق ریزی سے انجام دیا اور کئی رئیسی کتابیں تحریر کیں جو آج بھی مقبول خاص وعام ہیں۔ آپ کی تصنیف کردہ کتابوں کی فہرست ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ صیانۃ الحدیث، ۲۔ نصرۃ الباری، ۳۔ دلائل ہستی باری تعالیٰ، ۴۔ تردید حاضرہ وناظرہ، ۵۔ العلم والعلماء، ۶۔ خلفائے راشدین، ۷۔ سفرنامہ حجاز، ۸۔ تحقیق مسنہ، ۹۔ دلائل توحید باری تعالیٰ، ۱۰۔ احترام مسلم، ۱۱۔ ماہ رمضان کے احکام ومسائل، ۱۲۔ کلمات دعا مع ثمرات، ۱۳۔ دلائل صدقِ رسالت، ۱۴۔ کتاب الدعاء، ۱۵۔ اقلیت واکثریت کے مسائل، ۱۶۔ فضائل سید الانبیاء، ۱۷۔ ادائے حقوق وصفائی معاملات (قسطوار شائع ترجمان)، ۱۸۔ احوال قیامت و حشر اجساد، ۱۹۔ قرآن کریم پر پادریوں کے پانچ شبہات اور جواب، (۸۰ صفحات)، ۲۰۔ فضائل ومسائل نماز (۲۰۰ صفحات)، ۲۱۔ اسلاف کرام کی فیاضیاں (قسطوار شائع ترجمان)، ۲۲۔ حرمت سود وجوا (تقریر)، ۲۳۔ صبر واستقامت کا پیغام امت مسلمہ کے نام (تقریر)، ۲۴۔ تقویٰ کی خصوصیات، ۲۵۔ مسئلہ عشر عقل ونقل کی روشنی میں، ۲۶۔ اسلام اور سائنس، ۲۷۔ فلسفۂ خیروشر (۵۰ صفحات)، ۲۸۔ کائنات عالم میں زمین کی اہمیت، ۲۹۔ ایمان وعمل (۸۰۰ صفحات)، ۳۰۔ رسالہ عشر (۱۶ صفحات)، ۳۱۔ مسئلہ زکوۃ (۱۶ صفحات)، ۳۲۔ اوقاف کا روشن تابناک سلسلہ (۷۰ صفحات)، ۳۳۔ صحابہ کرام کی دولت مندی اور سخاوت وفیاضی (۷۰ صفحات)، ۳۴۔ تعلیمات اسلام کی حقانیت اور تبلیغ محمدی کی انقلابی قوت (۳۰ صفحات)، ۳۵۔ ضلالت وہدایت سے متعلق آیات کریمہ کی تشریح (۲۵ صفحات)، ۳۶۔ مذہب اہل حدیث اپنے نظریات وخصوصیات کے آئینے میں (۱۰۰ صفحات)، ۳۷۔ سفر حج کے آداب وشرائط اور چند مقدس آثار وشعائر، ۳۸۔ اشعار وقصائد کی دینی حیثیت، ۳۹۔ عاملین حدیث کا پہلا مقدس گروہ (۱۰۰ صفحات،)، ۴۰۔ علماء دین اور امراء اسلام، ۴۱۔ عربی زبان اور خوشحال مسلمان، ۴۲۔ مقررین اور واعظین پر عتاب کا جواب، ۴۳۔ قربانی پر معیشت کی آڑ میں اعتراض (۲۵ صفحات)، ۴۴۔ دینی تعلیم وامراء زمانہ، ۴۵۔ علم دین کا مقام اور مدارس اسلامیہ کی تاریخ، ۴۶۔ عشرۂ ذی الحجہ کے فضائل، ۴۷۔ بقرعید میں ذبح جانوراں جیو ہتیا نہیں، ۴۸۔ مومنین عابدین وذاکرین کے اوصاف، ۴۹۔ اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے، ۵۰۔ صداقت قرآن اور اصلاحات بائبل، ۵۱۔ انفاق فی سبیل اللہ ودینی وملی ادارے، ۵۲۔ نعم البدل، ۵۳۔ حقانیت اسلام اور تہذیب حاضر کے ظلمات، ۵۴۔ لادینی تحریکات کے دور میں دینی اداروں کا قیام، ۵۵۔ آپ بیتی وجگ بیتی کے چند واقعات، ۵۶۔ خلافت فاروق

اعظم، ۵۷۔مطالب خطاب وفوائد حمد وصلاۃ (۱۰۰ صفحات)، ۵۸۔فہم قرآن،۵۹۔استقبالیہ نوگڑھ، ۶۰۔سرگزشت جامعہ۔اُول وغیرہ۔

اہم عہدے،مناصب وذمہ داریاں:

۱۔نائب ناظم وناظم اعلیٰ جامعہ سراج العلوم السّلفیہ جھنڈانگر (قریب ۶۲ سالوں تک) ۲۔بانی وموسس مرکز امام احمد بن حنبل،تولہوانیپال، ۳۔جامعہ محمدیہ بھیرھوا کے قیام میں آپ مادی ومعنوی طور پر پیش پیش تھے، ۴۔بانی مدرسہ ضیاء العلوم چنزوٹہ شاخ سراج العلوم، ۵۔سرپرست وموسس مدرسہ عائشہ صدیقہ للبنات قائم شدہ ۱۹۸۹ء جھنڈانگر، ۶۔رکن رابطہ عالم اسلامی ۱۹۷۷ء تاحیات، ۷۔صدر ضلعی جمعیت اہل حدیث بستی وگونڈہ آپ کے اسی دورامارت میں ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹ نومبر ۱۹۶۱ء کو نوگڑھ کانفرنس ہوئی جس میں آپ نے شاندار استقبالیہ سے مجمع عام کے دلوں کو جیت لیا تھا۔، ۸۔موسس وامیر مرکزی جمعیت اہل حدیث نیپال ۳۰/ مارچ ۱۹۸۹ء، ۹۔رکن مجلس عاملہ جامعہ سلفیہ بنارس، ۱۰۔سرپرست ماہنامہ السراج جھنڈانگر، جاری شدہ مارچ ۱۹۹۴ء یہ رسالہ ابھی تک مولانا شمیم احمد ندوی کی مسئولیت اور مولانا عبدالمنان سلفی کی ادارت میں جاری ہے، اللہ اسے سدا کامیاب وجاری رکھنے کی توفیق دے۔ ۱۱۔نیپال کے میدانی وپہاڑی علاقوں میں کم وبیش پچاس سے زائد مکاتب ومساجد کا قیام، ۱۲۔رکن مجلس عاملہ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند، ۱۲۔بانی السراج کمپیوٹر ٹریننگ سینٹر، ۱۳۔رکن انجمن اصلاح آل نیپال، کاٹھمنڈو، ۱۴۔نائب صدر دینی تعلیمی کونسل اترپردیس۔

آپ کا قائم کردہ ادارہ جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر، آپ کی قربانیوں اوراخلاص ووفا کے بعد آپ کے باصلاحیت خلف الصدق خانوادہ کی وجہ سے آج ایک یونیورسٹی کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ جوخطیب الاسلام کمپلیکس کی صورت میں ایک وسیع وعریض قطعہ اراضی پر لہلاتے چمنستان کی شکل میں آج خاندان نعمت کے مہر ووفا اور خلوص وسچائیوں کا پتہ دے رہا ہے۔اللہ اسے سرسبز وشاداب رکھے۔آمین۔

اہم علماء کبار جن سے آپ کے گہرے روابط تھے:

۱۔شیخ ابن بازؒ، ۲۔مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ، ۳۔مولانا عبدالرحمن مبارکپوریؒ، ۴۔مولانا داؤد راز دہلویؒ، ۵۔مولانا حسین احمد مدنیؒ (دیوبندی)، ۶۔مولانا عبدالوہاب آرویؒ، ۷۔مولانا محمد اسماعیل سلفی گجرانوالہؒ، ۸۔مولانا علی میاں ندویؒ، ۹۔مولانا ابوالقاسم سیف بنارسیؒ، ۱۰۔قاضی عدیل عباسیؒ، ۱۱۔مولانا عبداللہ شائق مئویؒ، ۱۲۔ڈاکٹر سید عبدالحفیظ سلفیؒ، ۱۳۔مولانا عبدالحمید رحمانیؒ، دہلی، ۱۴۔حافظ صلاح الدین یوسف، ۱۵۔مولانا ارشادالحق اثری، ۱۶۔مولانا عبدالماجد دریابادیؒ، ۱۷۔ڈاکٹر عبداللہ نصیفؒ، ۱۸۔محمد علی الحرکان، جنرل سکریٹری، رابطہ عالم اسلامی، ۱۹۔شیخ محمد عمر فلاتہؒ، ۲۰۔شیخ محمد بن عبداللہ السبیلؒ (امام حرم)، ۲۱۔شیخ محمد ناصر العبودی، ۲۲۔شیخ طارق العیسیٰ (کویت)، ۲۳۔عبداللہ علی المطوع (کویت)، ۲۴۔شیخ یوسف جاسم (دبئی)۔

خطیب الہند وخطیب الاسلام کا خطاب:

آپ کی خطابت وتقاریر کی دلنشینی اور اثر آفرینی کا شہرہ پورے ہندونیپال میں تھا، کوئی بھی اجلاس اور کانفرنس بغیر آپ کی شرکت کے ادھوری مانی جاتی تھی، آپ کی شعلہ بیانی اور شیریں مقالی سے متاثر ہوکر جماعت کی بزرگ ترین ہستی، شیخ الحدیث عبیداللہ مبارکپوریؒ نے ایک دفعہ موضع طیب پور، ضلع گونڈہ (حال بلرامپور) کے ایک اجلاس میں آپ کو خطیب الہند کا خطاب عطا کیا، اور دوسری مرتبہ جامعہ اثریہ دارالحدیث مئو کے ایک عظیم اجتماع میں دوبارہ بے حد خوش ہوکر شیخ الحدیثؒ نے آپ کو خطیب الاسلام کے عظیم المرتبت لقب سے نوازا، مولانا اس خوش بختی اور اس خطاب سے بے حد خوش رہا کرتے تھے اور بجا طور پر یہ ایک قابل فخر خطاب تھا۔

اولاد واحفاد:

آپ کی شادی سرحد نیپال سے متصل ہند کے ایک مشہور اہل حدیث گاؤں ''اکرہرا'' میں ہوئی تھی، اللہ تعالیٰ نے آپ کو دو لڑکے ایک لڑکی سے نوازا تھا۔ پہلے لڑکے کا بچپن میں ہی انتقال ہوگیا تھا، اور دوسرے لڑکے مشہور سماجی وتعلیمی شخصیت بابو عبدالرشید خان ہیں جو بھیا کے نام سے معروف ہیں، اور فی الوقت قسم البنات کلیۃ عائشہ صدیقہ کے ناظم اعلیٰ ہیں۔ بیٹی کا نام قمر النساء ہے۔ بابو عبدالرشید کے کل پانچ لڑکے ہیں اور سب کے سب تعلیم یافتہ ہیں اور فی الوقت جامعہ سراج العلوم جھنڈا نگر کے روح رواں اور ناظم اعلیٰ آپ کے خلف الصدق بھتیجے مولانا شمیم احمد ندوی حفظہ اللہ ہیں، جو اپنی انتظامی، تعلیمی اور بے باک صحافتی وقلمی صلاحیتوں کے لئے محتاج تعارف نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں ادارہ کو بام عروج تک پہنچانے میں بھرپور توفیق وہمت عطا فرمائے۔ آمین۔

وفات: آخری عمر میں گٹھیا کا عارضہ لاحق ہوگیا تھا، کافی علاج ومعالجہ کے بعد بالآخر ۳۰ نومبر ۱۹۹۹ء بعد نماز مغرب عالم عرب وعجم کا چراغ اور سلفیان ہندونیپال کا بے باک ترجمان خطیب الہند وخطیب الاسلام ہمیں سوگوار چھوڑ کر راہی ملک بقا ہوچلا۔ **انا للہ وانا الیہ راجعون۔** یکم دسمبر ۱۹۹۹ء کو بعد نماز عصر جھنڈا نگر کے قبرستان میں تدفین ہوئی نماز جنازہ آپ کے شاگرد، مفتی جامعہ مولانا عبدالحنان فیضی نے پڑھائی اور ہزاروں کے پرہجوم مجمع میں آپ کو سپرد خاک کیا گیا۔ **اللھم اغفر لہ وارحمہ واعف عنہ۔**

(ماخوذ از ماہنامہ السراج، خطیب الاسلام نمبر۔ مئی۔ اکتوبر ۲۰۰۰ء، چمنستانِ حدیث، محمد اسحاق بھٹی، ص: ۴۷۳/اصل مضمون شائع شدہ ماہنامہ صوت الاسلام ممبئی مئی جون، ۲۰۱۸ء)۔

❑❑❑

مولانا عبداللہ طیب بنارسی رحمۃ اللہ علیہ

(۱۹۶۹ء.......... ۲۰۰۳ء)

مولانا محمد یونس مدنی ربنارس

مولانا عبداللہ طیب بنارسی رحمہ اللہ جامعہ سلفیہ بنارس اور مدینہ یونیورسٹی دونوں جگہ ہمارے سینئر ساتھی تھے، جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں آپ سے بڑی بے تکلفی رہی، بڑے بھائی شیخ عبدالمتین مدنی سے بھی بڑا یارانہ رہا، جواں سالی ہی میں مشیت الٰہی کے مطابق موذی مرض کے شکار ہوگئے، آخری وقت میں جب ممبئی لائے گئے تو شیخ عبدالمتین مدنی کے ساتھ ہم لوگ برابر ہاسپٹل میں بہترین علاج ومعالجے کے لئے دوڑتے رہے، خون عطیہ کی ضرورت پیش آئی تو مساجد میں احباب جماعت سے درخواست کی گئی، سارا کام ہوگیا مگر عرش والے کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ اچانک خبر آئی کہ اب وہ ہمارے درمیان نہیں۔ بڑے خوبرو، مخلص اور سادہ طبیعت کے مالک تھے اور بے تکلف ہو کر یارانہ گفتگو کا مزاج تھا۔ اللہ غریق رحمت فرمائے اور جنت میں اعلیٰ مقام نصیب کرے۔ استاذ محترم شیخ محمد یونس مدنی حفظہ اللہ کے شکریہ کے ساتھ یہ مضمون ہدیۂ قارئین ہے۔

حسب ونسب: آپ کا نام عبداللہ کنیت ابوصہیب ہے۔

نسب ذیل میں درج ہے: عبداللہ طیب بن محمد ابوبکر بن حاجی محمد اکرام بن حاجی محمد ایوب بن حاجی وارث محمد بن اللہ بخش بن نذر محمد بن پیر محمد عرف فرنگی۔

ولادت: شہر بنارس برادران وطن کے لئے تقدیس کی نگری ہے اور اہل علم کے لئے علوم کا مرکز ہے اہل حدیث کے بڑے بڑے علماء اسی شہر میں پیدا ہوئے اور یہیں پیوند خاک ہوئے۔ اسی شہر کا مشہور محلہ مدن پورہ ہے جو بنارسی ساڑیوں کا مرکز ہے، مولانا عبداللہ طیب مدنی اسی محلہ مدن پورہ کے مشہور متمول اور معزز گھرانے میں یکم ستمبر ۱۹۶۹ء ۱۳۸۹ھ میں پیدا ہوئے اور یہیں نشوونما پائی۔

آپ کے والد محترم محمد ابوبکر صاحب حفظہ اللہ انتہائی دین دار، متبع سنت ہیں، بنارس ہندو یونیورسٹی سے ایم ایس سی ہیں، اللہ نے آپ کو دو لڑکے اور دو لڑکیوں سے نوازا، انگریزی تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود آپ نے دونوں بیٹوں کو دین کی خدمت کے لئے وقف کر دیا، بڑے بیٹے مولانا عبدالمتین صاحب مدنی ماشاء اللہ جامعہ سلفیہ میں مدرس ہیں اور اپنی اعلیٰ لیاقت اور سنجیدہ تقریروں کی وجہ سے اہل علم کے حلقہ میں عزت ووقار کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ چھوٹے بیٹے عبداللہ طیب مدنی تھے جنہیں اللہ نے اپنے پاس بلالیا۔

تعلیم: ابتدائی درجات سے پنجم تک کی تعلیم جامعہ رحمانیہ مدن پورہ بنارس میں حاصل کی۔ پرائمری کے اساتذہ میں ماسٹر عبدالحمید رحمہ اللہ، ماسٹر حمید اللہ رحمہ اللہ، ڈاکٹر خالد شفاء اللہ رحمانی حفظہ اللہ قابل ذکر ہیں۔

گھر کے دینی ماحول اور والدین کی خواہش کے مطابق بڑے بھائی کی طرح آپ نے بھی جامعہ رحمانیہ کے شعبہ عربی میں داخلہ

لیا اور ثانویہ تک کی تعلیم مکمل کی، ثانویہ کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد جامعہ سلفیہ بنارس میں عالمیت کے سال اول میں داخلہ لیا اور ۱۴۰۹ھ مطابق ۱۹۸۹ء میں عالمیت کا کورس مکمل کیا اس وقت مدارس کے اتحادی نصاب کی وجہ سے جامعہ سلفیہ سے فضیلت کا کورس نکل گیا تھا اسی لئے وہ فضیلت نہیں کر سکے، جامعہ سلفیہ کے اساتذہ میں مولانا عبدالوحید صاحب رحمانیؒ (م ۱۹۹۷ء) ڈاکٹر مقتدی حسن ازہریؒ (م ۲۰۰۹ء) مولانا صفی الرحمن مبارکپوریؒ (م ۲۰۰۶ء) مولانا محمد رئیس صاحب ندوی رحمہ اللہ (۲۰۰۹ء) مولانا عابد حسن رحمانیؒ (۲۰۰۹ء) مولانا عبدالسلام صاحب مدنی رحمہ اللہ، مولانا عزیز الرحمن صاحب سلفی حفظہ اللہ، مولانا محمد مستقیم صاحب سلفی حفظہ اللہ، مولانا احسن جمیل صاحب مدنی حفظہ اللہ قابل ذکر ہیں۔

جامعہ سلفیہ سے فراغت کے بعد مدینہ منورہ جامعہ اسلامیہ یونیورسٹی تشریف لے گئے اور وہاں کلیۃ الحدیث میں داخل ہوئے، انہوں نے وہاں سے ۱۴۱۶ھ مطابق ۱۹۹۵ء میں لیسانس (بی اے) کی ڈگری حاصل کی، بی اے کرنے کے بعد آپ وطن واپس آئے۔

جامعہ اسلامیہ کے اساتذہ میں شیخ عبدالمحسن حمد العباد، شیخ علی الحذیفی، شیخ محمد ایوب محمد یوسف، دکتور عبدالرحیم قشقری، شیخ عبدالعزیز محمد العبد اللطیفؒ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

مشغلہ: حصول علم کے بعد آپ کو ذریعہ معاش تلاش کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی، ساڑیوں کی تجارت آپ کا آبائی پیشہ تھا، لیکن جس علم دین کے حصول کے لئے آپ نے اس قدر جدوجہد کی اس سے جدا ہونا گوارا نہ کیا اور اسی علم دین کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا۔

تدریس: مدینہ سے واپس آئے تو مدرسہ احیاء السنۃ بجرڈیہہ میں بحیثیت مدرس ۱۰؍شوال ۱۴۱۶ھ مطابق یکم مارچ ۱۹۹۶ء میں آپ کی تقرری عمل میں آئی، مدرسہ احیاء السنۃ میں تین سال تک آپ نے تدریسی فرائض انجام دئے، وہاں آپ عربی کی ابتدائی جماعتوں کی کتابیں پڑھاتے تھے، رمضان المبارک ۱۴۱۹ھ مطابق دسمبر ۱۹۹۸ء میں آپ وہاں سے مستعفی ہو گئے اور ۱۲؍شوال ۱۴۱۹ھ مطابق جنوری ۱۹۹۹ء سے آپ جامعہ سلفیہ، بنارس میں منصب تدریس پر فائز ہوئے اور تادم حیات آپ جامعہ سے وابستہ رہے۔

تبلیغی سرگرمیاں: دعوت وتبلیغ سے آپ کو بے حد شغف تھا، اسی دلچسپی کو دیکھتے ہوئے اتحاد ابناء السلفیہ تنظیم کے ذمہ داروں نے مولانا کو جنرل سکریٹری بنا دیا، اس تنظیم کا پندرہ روزہ دعوتی پروگرام بنارس اور مضافات بنارس میں مستقل جاری رہتا، اس تنظیم کو مولانا نے جو قوت اور توانائی بخشی اس کے اثرات ماشاء اللہ دیکھے جا سکتے ہیں، آپ جامع مسجد اہل حدیث مدن پورہ میں ہفتہ میں ایک روز درس قرآن دیتے تھے، دعوت وتبلیغ سے حد درجہ دلچسپی کو دیکھ کر میں اکثر وبیشتر خطبہ جمعہ کے لئے مختلف مساجد میں بھیجا کرتا تھا، جب مولانا علی گڈھ سے واپس آئے تو میں نے بذریعہ فون مولانا سے خطبہ جمعہ کے لئے درخواست کی، مولانا نے بیماری کی وجہ سے معذرت کی اور اس کے بعد سے بیماری برابر بڑھتی گئی۔

رمضان المبارک ۱۴۳۲ھ کے پہلے عشرہ میں عوام کو اسلامی مسائل سے واقف کرانے کے لئے ایک پروگرام جامعہ سلفیہ میں منعقد

ہوا، اس پروگرام کو کامیاب بنانے کے لئے مولانا نے بڑی محنت کی، مختلف علاقوں کا دورہ کیا، لوگوں کو ترغیب دلائی، ان کی مخلصانہ کوشش سے بڑی تعداد میں لوگ شریک ہوئے۔

جامعہ سلفیہ میں اس نوعیت کا یہ پہلا پروگرام تھا، یہ پروگرام صبح سے شام تک چلتا تھا، جامعہ کے اساتذہ الگ الگ موضوعات پر لکچر دیتے تھے، قرآن کریم کی قرأت وتجوید کی مشق کرانے کے لئے جو حلقے قائم کئے گئے تھے ان میں سے ایک حلقہ کی مشق آپ کراتے تھے، مولانا نے اتحاد کے سکریٹری کی حیثیت سے پوری سرگرمی کے ساتھ اس پروگرام میں حصہ لیا، اس پورے تربیتی پروگرام کے دوران ہر چیز کے انتظام میں آپ پیش پیش رہے، دعوت وتبلیغ کے علاوہ دیگر دینی، رفاہی اور سماجی کاموں میں آپ بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔

تصنیف وتالیف: مولانا عبداللہ طیب مدنی رحمہ اللہ دعوت وتبلیغ کے ساتھ ساتھ تحریر کا ذوق بھی رکھتے تھے، جامعہ اسلامیہ کے طالب علمی کے دور میں تین علمی مقالے اپنے اساتذہ گرام کے اشراف میں تحریر کئے مگر ابھی تشنہ طبع ہیں۔

۱۔ الأحادیث المرویۃ فی آداب الاکل والشرب تخریج ودراسہ۔ (عربی) غیر مطبوع۔

۲۔ الامام السیوطی وجہودہ فی مقاومۃ الوضع۔ (عربی) غیر مطبوع۔

۳۔ تحقیق ''الموقظۃ لامام الذہبی'' (عربی) غیر مطبوع۔

وفات سے قبل آپ نے چند عربی رسالوں کا اردو میں ترجمہ کیا:

۱۔ ''لا الہ الا اللہ کا معنی ومفہوم'' اردو میں، مطبوع ہے۔

۲۔ رمضان المبارک اور اسلاف کرام (ترجمہ) اردو میں، مطبوع ہے۔

۳۔ حجاج کرام کو ضروری ہدایات (ترجمہ) اردو میں، غیر مطبوع۔

۴۔ پیغام حج (ترجمہ) اردو میں، مطبوع۔

شادی: ۱۵ر اگست ۱۹۹۸ء میں آپ رشتۂ ازدواج سے منسلک ہوئے، آپ کی اہلیہ مولانا محمد عبدالقیوم صاحب مدنی کی بھتیجی ہیں، آپ کے صرف دو بچے ہیں، ایک لڑکا جس کا نام ''صہیب'' ہے اور وہ شعبۂ حفظ میں زیر تعلیم ہے۔ دوسری بچی ہے جس کا نام سامحہ ہے، وہ امہات المومنین گرلس اسکول میں تعلیم حاصل کر رہی ہے۔

بیماری: علی گڑھ یونیورسٹی ہی کے پروگرام میں آپ بخار میں مبتلا ہوئے، دوا سے افاقہ ہوا، لیکن گھر واپس آتے ہی پھر تیز بخار آگیا، علاج ہوتا رہا لیکن مرض کی صحیح تشخیص نہ ہوسکی اور بیماری بڑھتی گئی ؎

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

عید سے دو روز قبل جنتا سیوا اسپتال مالتی باغ (مدن پورا) میں آپ کو داخل کیا گیا، ہیموگلوبن کی کمی ہوتی چلی گئی، عید کا دن گزار کر شب میں وہاں سے آپ کو بنارس ہندو یونیورسٹی کے اسپتال میں منتقل کر دیا گیا، خون کی مختلف جانچ ہوئی معلوم ہوا کہ آپ کو بلڈ کینسر

ہے، بی ایچ یو کے ڈاکٹروں کے مشورہ سے آپ کو ممبئی کے ایک معروف اور بڑے اسپتال جسلوک اسپتال میں داخل کر دیا گیا، آپ کے ساتھ آپ کے بڑے بھائی مولانا عبدالمتین صاحب مدنی اور موصوف کی اہلیہ تھیں، آپ ملک کے مشہور ڈاکٹر ایس، ایچ ایڈوانی کے زیر علاج رہے، آپ کے رفقاء نے مولانا کے علاج میں کوئی کسر باقی نہ رکھی، آخر وقت موعود آپہونچا۔

وفات: ۸/ذی الحجہ ۱۴۲۳ھ مطابق ۱۰/فروری ۲۰۰۳ء بروز دوشنبہ طلوع فجر سے قبل بوڑھے والدین، عزیز بھائی، اہلیہ اور دو معصوم بچوں کو روتا بلکتا چھوڑ کر دار البقاء کی راہ لی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

نماز جنازہ مومن پورہ کی اہل حدیث مسجد میں صوبائی جمعیت اہل حدیث مہاراشٹر کے امیر محترم جناب مولانا عبدالسلام سلفی نے پڑھائی، قاری نجم الحسن صاحب فیضی، شیخ محمد مقیم صاحب فیضی، شیخ نجیب بقالی، شیخ عبدالحکیم مدنی، شیخ ضمیر احمد مدنی اور دیگر علماء کرام، احباب جماعت جنازہ میں شریک رہے۔

تدفین ناریل واڑی قبرستان میں عمل میں آئی، اللھم اغفرلہ وارحمہ۔

خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

مراجع

(۱) پندرہ روزہ جریدہ ترجمان دہلی، شمارہ ۱۵۔۱۶/مارچ ۲۰۰۳ء
(۲) پندرہ روزہ جریدہ ترجمان دہلی، شمارنمبر ۱۰، ۱۵۔۱۶/مئی ۲۰۰۳ء
(۳) ماہانہ محدث مجریہ بنارس، اپریل ۲۰۰۳ء
(۴) شخصی معلومات

(ماخوذ از تراجم علمائے اہل حدیث بنارس/مولانا محمد یونس مدنی، ص ۱۹۸۔۲۰۳)



خودنوشت

اپنی سرگزشت

(مشہور سیرت نگار مولانا صفی الرحمن مبارکپوری ؒ)

۱۹۴۳ء..........۲۰۰۶ء

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید الاولین والآخرین محمد خاتم النبین، وعلی آلہ وصحبہ اجمعین۔ امابعد

چونکہ رابطۂ عالم اسلامی نے سیرت نویسی کے مقابلے میں حصہ لینے والوں کو پابند کیا ہے کہ وہ اپنے حالاتِ زندگی بھی قلم بند کریں۔ اس لئے ذیل کی سطور میں اپنی سادہ زندگی کے چند خاکے پیش کر رہا ہوں۔

سلسلہ نسب:

صفی الرحمن بن عبداللہ بن محمد اکبر بن محمد علی بن عبدالمومن بن فقیر اللہ مبارکپوری اعظمی۔

پیدائش:

سند میں میری تاریخ پیدائش ۶؍جون ۱۹۴۳ء درج ہے۔ مگر یہ تخمینی اندراج ہے تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ پیدائش ۱۹۴۲ء کے وسط کی ہے۔ مقام پیدائش موضع حسین آباد ہے جو مبارکپور کے شمال میں ایک میل کے فاصلے پر ایک چھوٹی سی بستی ہے، مبارکپور ضلع اعظم گڑھ کا ایک معروف علمی وصنعتی قصبہ ہے۔

تعلیم وتعلّم:

میں نے بچپن میں قرآن مجید کا کچھ حصہ اپنے دادا اور چچا سے پڑھا۔ پھر ۱۹۴۸ء میں مدرسہ دارالتعلیم مبارکپور میں داخل ہوا۔ وہاں چھ سال رہ کر پرائمری درجات اور مڈل کورس کی تعلیم مکمل کی۔ قدرے فارسی بھی پڑھی۔ اس کے بعد جون ۱۹۵۴ء میں مدرسہ احیاء العلوم مبارکپور میں داخل ہوا اور وہاں عربی زبان وقواعد، نحو وصرف اور بعض دوسرے فنون کی تعلیم حاصل کرنی شروع کی۔ دو سال بعد مدرسہ فیض عام مئو پہنچا۔ اس مدرسہ کو اس علاقہ میں ایک اہم دینی درسگاہ کی حیثیت حاصل ہے۔ اور مئوناتھ بھنجن، قصبہ مبارکپور سے ۳۵ کیلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔

فیض عام میں میرا داخلہ مئی ۱۹۵۰ء میں ہوا۔ میں نے وہاں پانچ سال گزارے۔ اور عربی زبان وقواعد اور شرعی علوم وفنون

یعنی تفسیر، حدیث، اصولِ حدیث، فقہ اور اصول فقہ وغیرہ کی تعلیم حاصل کی۔ جنوری ۱۹۶۱ء میں میری تعلیم مکمل ہوگئی۔ اور مجھے باقاعدہ شہادۃ التخریج (یعنی سند تکمیل) دیدی گئی۔ یہ سند فضیلت فی الشریعۃ اور فضیلت فی العلوم کی سند ہے۔ اور تدریس وافتاء کی اجازت پر مشتمل ہے۔

میری خوش قسمتی ہے کہ مجھے تمام امتحانات میں امتیازی نمبروں سے کامیابی حاصل ہوتی رہی۔ دورانِ تعلیم، میں نے الہ آباد بورڈ کے امتحانات میں بھی شرکت کی۔ فروری ۱۹۵۹ء میں مولوی اور فروری ۱۹۶۰ء میں عالم کے امتحانات دیئے۔ اور دونوں میں فرسٹ ڈویژن سے کامیاب ہوا۔ پھر ایک طویل عرصے کے بعد مدرسین سے متعلق جدید حالات کے پیش نظر میں نے فروری ۱۹۷۶ء میں فاضلِ ادب اور فروری ۱۹۷۸ء میں فاضل دینیات کا امتحان دیا۔ اور بحمد اللہ دونوں میں فرسٹ ڈویژن سے کامیاب ہوا۔

کارگاہ علم وحیات میں:

۱۹۶۱ء میں ''مدرسہ فیض عام'' سے فارغ ہوکر میں نے ضلع الہ آباد پھر شہر ناگپور میں درس وتدریس اور تقریر وخطابت کا شغل اختیار کیا۔ دوسال بعد مارچ ۱۹۶۳ء میں مادر علمی مدرسہ فیض عام کے ناظم اعلیٰ نے مجھے تدریس کے کام پر مدعو کرلیا لیکن میں نے وہاں بمشکل دوسال گذارے تھے کہ حالات نے علیحدگی پر مجبور کردیا۔ اگلا سال ''جامعۃ الرشاد'' اعظم گڑھ کی نذر رہا۔ اور فروری ۱۹۶۶ء سے مدرسہ دارالحدیث مئو کی دعوت پر وہاں مدرس ہوگیا۔ تین سال یہاں گزارے۔ اور تدریس کے علاوہ بحیثیت نائب صدر مدرس تعلیمی امور اور داخلی انتظامات کی نگہداشت میں بھی شریک رہا۔ پھر مستعفی ہوکر مدرسہ فیض العلوم سیونی کی خدمت پر جا مامور ہوا۔ جو مئوناتھ بھنجن سے کوئی سات سو کیلو میٹر دور مدھیہ پردیش میں واقع ہے۔ وہاں جنوری ۱۹۶۹ء سے میں نے درس وتدریس کے فرائض انجام دینے کے علاوہ صدر مدرس کی حیثیت سے مدرسہ کے تمام داخلی وخارجی انتظامات کی ذمہ داری بھی سنبھالی اور جمعہ کا خطبہ دینا اور گردوپیش کے دیہاتوں میں جاجا کر دعوت وتبلیغ کا کام کرنا بھی اپنے معمولات میں شامل کیا۔ پھر ۱۹۷۲ء کے اخیر میں مدرسہ دارالتعلیم مبارکپور کی تدریسی ذمہ داریاں سنبھالیں اور دوسال بعد اکتوبر ۱۹۷۴ء میں جامعہ سلفیہ آگیا۔ جب سے یہیں کام کررہا ہوں۔

تالیفات:

تعلیم مکمل کرنے کے بعد میں نے اس طویل عرصے میں تالیف وتصنیف کا بھی کچھ نہ کچھ شغل جاری رکھا۔ چنانچہ میری چند اہم تالیفات اور تراجم یہ ہیں۔

(۱) تذکرہ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہابؒ (۱۹۷۲ء) یہ کتاب چار بار طبع ہوچکی ہے۔

(۲) تاریخ آلِ سعود (اردو ۱۹۷۲ء) یہ کتاب دوبار طبع ہوچکی ہے۔

(۳) اتحاف الکرام تعلیق بلوغ المرام لابن حجر عسقلانی (عربی) ۱۹۷۴ء مطبوع۔

(۴) قادیانیت اپنے آئینے میں (اردو ۱۹۷۶ء مطبوع)۔

(۵) فتنۂ قادیانیت اور مولانا ثناء اللہ امرتسری (اردو ۱۹۷۶ء) مطبوع۔

(۶) پیش نظر کتاب جو رابطہ عالم اسلامی میں پیش کرنے کے لئے تالیف کی گئی۔ (الرحیق المختوم)

(۷) انکار حدیث حق یا باطل (اردو ۱۹۷۷ء) مطبوع۔

(۸) رزمِ حق و باطل (مناظرہ بجرڈیہہ کی روداد (۱۹۷۸ء) مطبوع۔

(۹) ابراز الحق والصواب فی مسالة السفور والحجاب (عربی ۱۹۷۸ء) پردے سے متعلق علامہ ڈاکٹر تقی الدین ہلالی مراکشی رحمہ اللہ کی رائے پر نقد ہے۔ اور مجلہ الجامعۃ السلفیہ میں قسط وار شائع ہوا ہے۔

(۱۰) تطور الشعوب والديانات فی الهند ومجال الدعوة الاسلامية فيها (عربی ۱۹۷۹ء) چند قسطیں مجلہ الجامعۃ السّلفیہ میں شائع ہو چکی ہیں۔

(۱۱) الفرقة الناجيه والفرق الاسلاميه الأخرى (عربی ۱۹۸۲ء) غیر مطبوع۔

(۱۲) اسلام اور عدمِ تشدد (اردو ۱۹۸۴ء) مطبوع (انگریزی اور ھندی میں بھی طبع ہو چکی ہے۔

(۱۳) اہل تصوف کی کارستانیاں (اردو ۱۹۸۶ء) مطبوع۔

(۱۴) الاحزاب السياسية فی الاسلام (عربی) ۱۹۸۶ء مطبوع۔

علاوہ ازیں ماہنامہ ''محدث'' بنارس کی ایڈیٹر شپ کے فرائض بھی انجام دے رہا ہوں۔

واللہ الموفق وازمة الامور كلها بيده۔ ربنا تقبل منا بقبول حسن وانبته نباتا حسنا۔

(الرحیق المختوم ۱۴۔۱۶)



مولانا صفی الرحمن مبارک پوری

(وفات یکم دسمبر ۲۰۰۶ء)

محمد اسحاق بھٹی رحمہ اللہ

خانوادہ مبارک پور کے اصحابِ فضل سے ہر وہ شخص واقفیت رکھتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے علم وعمل کی دولت سے کچھ حصہ عطا فرمایا ہے۔ اس خانوادہ ذی قدر کے رکن اعلیٰ حضرت مولانا عبدالرحمن مبارکپوری کا تذکرہ ''دبستان حدیث'' میں کیا گیا ہے اور مولانا عبدالسلام مبارکپوری، مولانا عبیداللہ رحمانی اور ڈاکٹر رضاء اللہ مبارکپوری کے کوائف حیات زیر مطالعہ کتاب ''گلستان حدیث'' کے مختلف مقامات میں بیان کئے گئے ہیں۔ ان سطور میں اسی خاندان کے معروف سیرت نگار مولانا صفی الرحمن مبارک پوری کے وہ حالات ضبط تحریر میں لانا مقصود ہے جو اس فقیر کے محدود علم میں آئے۔

مولانا ممدوح کا سلسلہ نسب جو انہوں نے خود اپنی عظیم تصنیف ''الرحیق المختوم'' کے شروع میں بیان کیا، یہ ہے کہ صفی الرحمن بن عبداللہ بن محمد اکبر بن محمد علی بن عبدالمومن بن فقیر اللہ مبارکپوری اعظمی۔

مولانا صفی الرحمان مبارک پوری کی سند پر بقول ان کے تاریخ پیدائش ۶ جون ۱۹۴۳ء مرقوم ہے۔ لیکن ان کی اپنی تحقیق یہ ہے کہ وہ اس سے ایک سال قبل ۱۹۴۲ء کے وسط میں پیدا ہوئے۔ مقام پیدائش ایک چھوٹی سی بستی حسین آباد ہے جو مبارک پور کے شمال میں ایک میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ مبارکپور، صوبہ یوپی کے ضلع اعظم کا ایک مشہور علمی اور صنعتی قصبہ ہے۔

مولانا ممدوح نے کچھ ہوش سنبھالا تو حصول علم کی راہ پر گامزن ہوئے۔ قرآن مجید کا کچھ حصہ اپنے دادا اور کچھ حصہ اپنے چچا سے پڑھا۔ ۱۹۴۸ء میں مبارکپور کے مدرسہ دارالتعلیم میں داخل ہوئے۔ وہاں چھ سال میں پرائمری درجات اور مڈل کے نصاب کی تعلیم مکمل کی۔ فارسی کی ابتدائی کتابیں بھی وہیں پڑھیں۔ چودہ سال کی عمر کو پہنچے تو جون ۱۹۵۴ء میں مبارک پور کے مدرسہ احیاء العلوم میں داخلہ لیا۔ اس مدرسے میں عربی زبان وقواعد، صرف ونحو اور بعض مروجہ فنون کی تعلیم حاصل کرنا شروع کی۔ دو سال بعد ۱۹۶۵ء میں مدرسہ فیض عام مئوناتھ بھنجن پہنچے جو ان کے قصبہ مبارکپور سے ۳۵ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس مدرسے کو اس علاقے میں دینیات کی اہم درس گاہ سمجھا جاتا ہے۔

مئوناتھ بھنجن کے مدرسہ فیض عام میں دو پانچ سال حصول علم میں مصروف رہے۔ اس اثناء میں انہوں نے عربی زبان وقواعد اور علوم شرعیہ یعنی تفسیر، حدیث، اصول حدیث، فقہ اور اصولِ فقہ وغیرہ کی تمام نصابی کتابیں پڑھیں۔ اس طرح جنوری ۱۹۶۱ء میں ان کی تعلیم مکمل ہوگئی اور انہوں نے سند تکمیل (شہادۃ التخرج) حاصل کرلی۔ یہ فضیلت فی الشریعہ اور فضیلت فی العلوم کی سند ہے، جس کی

رو سے انہیں تدریس اور فتویٰ نویسی کی اجازت حاصل ہوگئی۔ اس وقت مئو ناتھ بھنجن کے مدرسہ فیض عام کے شیخ الحدیث حضرت مولانا شمس الحق سلفی مرحوم ومغفور تھے، مولانا صفی الرحمن مبارک پوری نے ان سے صحیح بخاری اور بہت سی دیگر درسی کتابیں پڑھیں۔ (مولانا شمس الحق سلفی کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو راقم کی کتاب ''قافلہ حدیث'' (ص:۲۱۶ تا ۲۲۶) شائع کردہ مکتبہ قدوسیہ اردو بازار، لاہور، مولانا ممدوح ہمارے دوست مولانا محمد عزیز شمس کے والد محترم تھے۔ ان کے حالات بھی ''قافلہ حدیث'' میں مرقوم ہیں۔)

مولانا صفی الرحمن نے انیس برس کی عمر میں یہ تعلیم مکمل کی اور مدارس کے ہر امتحان میں امتیازی نمبروں سے کامیاب ہوتے رہے۔

دوران تعلیم ہی میں انہوں نے الہ آباد بورڈ کے امتحانات میں شرکت کی۔ چنانچہ فروری ۱۹۵۹ء میں مولوی اور فروری ۱۹۶۰ء میں عالم کے امتحانات دیے اور دونوں میں فرسٹ ڈویژن حاصل کی۔ پھر طویل عرصے کے بعد نئے حالات کے پیش نظر فروری ۱۹۷۶ء میں فاضل ادب اور فروری ۱۹۸۷ء میں فاضل دینیات کا امتحان دیا اور دونوں امتحانوں میں فرسٹ ڈویژن میں کامیاب ہوئے۔

اب ان کے سلسلہ تدریس کی طرف آیے۔ ۱۹۶۱ء میں مدرسہ فیض عام (مئو ناتھ بھنجن) سے فراغت کے بعد ضلع الہ آباد اور پھر شہر ناگ پور میں درس وتدریس اور تقریر وخطابت کا سلسلہ شروع کیا۔ اس سے دو سال بعد مارچ ۱۹۶۳ء میں اپنی مادر علمی مدرسہ فیض عام (مئو) کے ناظم اعلیٰ نے اس مدرسے میں خدمت تدریس انجام دینے کی دعوت دی۔ وہاں صرف دو سال گزارے، پھر حالات ایسے پیدا ہوئے کہ وہاں سے علیحدگی اختیار کر لی۔ ۱۹۶۵ء کا سال ''جامعۃ الرشاد'' اعظم گڑھ میں گزرا۔ فروری ۱۹۶۶ء میں دار الحدیث (مئو) کی طرف سے دعوت آئی اور وہاں مدرس مقرر کر لیے گئے۔ تین سال وہاں رہے۔

جنوری ۱۹۶۹ء میں صدر مدرس کی حیثیت سے مدرسہ فیض العلوم سیونی چلے گئے۔ سیونی، مئو ناتھ بھنجن سے سات سو کلو میٹر دور مدھیہ پردیش میں واقع ہے۔ وہاں چار سال خدمت تدریس سرانجام دی۔ وہاں خطابت جمعہ کی ذمہ داری بھی انہی کے سپرد تھی۔

مدرسہ دار التعلیم مبارکپور ان کی اولین درس گاہ ہے۔ اس کے اصحاب انتظام کے اصرار پر ۱۹۷۲ء میں وہاں فریضہ تدریس انجام دینے لگے۔ دو سال یہاں قیام رہا۔ اکتوبر ۱۹۷۴ء میں جامعہ سلفیہ بنارس چلے گئے۔ وہاں مسلسل چودہ سال درس وتدریس اور تصنیف وتالیف میں مصروف رہے۔ بنارس سے ماہنامہ ''محدث'' فروری ۱۹۸۲ء میں جاری ہوا تھا۔ اس کی ابتدائی اشاعت سے لے کر جولائی ۱۹۸۸ء تک چھ سال اس کے ایڈیٹر رہے۔ اگست ۱۹۸۸ء میں مدینہ یونیورسٹی کی دعوت پر وہاں کے شعبہ خدمۃ السنہ والسیرۃ سے وابستہ ہو گئے۔ دسمبر ۱۹۹۷ء تک وہاں قیام رہا۔ اس اثناء میں انہوں نے اس شعبے میں مندرجہ ذیل خدمات سرانجام دیں۔ پہلے عربی تصانیف کا ذکر کرتے ہیں۔

(۱) سیرت پر جو حضرات وہاں کام کر رہے تھے، ان کے ساتھ مل کر سیرت انسائیکلو پیڈیا تیار کرنے کے لئے خاکہ بنایا۔

(۲) حرمین شریفین سے متعلق ایک انسائیکلو پیڈیا مرتب کرنے کا منصوبہ بنایا۔

(۳) حدیث کی نو کتابوں اور طبقات ابن سعد وغیرہ میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے متعلق جو معلومات پائی جاتی ہیں،

ان کی جمع وترتیب کا کام کیا۔

(۴) حرم مکی کے بارے میں مختلف مآخذ سے مفصل معلومات کارڈ کی صورت میں جمع کیے تاکہ انسائیکلو پیڈیا میں ان کا اندارج ہو سکے۔

(۵) سیرت نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سلسلے کی ان تمام احادیث کی فہرست تیار کی جو کتب ستہ اور مسند احمد وغیرہ میں مندرج ہیں۔

(۶) سیرت کے متعلق مدینہ یونیورسٹی کے ''مرکز خدمۃ السنہ والسیرۃ'' میں ایک بہت اہم کام انہوں نے یہ کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والد گرامی اور والدۂ محترمہ دونوں کے نسب نامے کی تفصیل حضرت آدم علیہ السلام اور حوّا علیہا السلام تک مرتب کی اور اس سلسلے کے تمام ناموں کی تحقیق کی۔

(۷) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے متعلق مختلف مذاہب وادیان کی کتابوں میں جو بشارتیں مذکور ہیں، ان کے بارے میں مولانا موصوف نے ایک کتاب تیار کی، جس میں پہلے وہ بشارتیں درج کی گئی ہیں جو بدھ مت کی کتابوں میں درج ہیں، پھر ہندوؤں اور مجوسیوں کی کتابوں سے بشارتوں کے ذکر کی وضاحت کی گئی ہے۔

(۸) مرکز خدمۃ السنۃ والسیرۃ کے علاوہ بھی انہوں نے بعض علمی کام کئے۔ مثلاً متعدد کتابوں کو بہ نظر عمیق دیکھ کر ان کے بارے میں رپورٹ تیار کی۔

یہ معلومات اپنے عزیز دوست مولانا محمد عزیر شمس صاحب کے ایک مضمون سے لی گئی ہیں جو ہفت روزہ ''الاعتصام'' (مورخہ ۸ تا ۱۴ دسمبر ۲۰۰۶ء) میں شائع ہوا۔

وہ لکھتے ہیں: ''افسوس کہ مدینہ منورہ میں قیام کے دوران مرکز میں ترتیب دیے گئے یہ سارے کام ہنوز غیر مطبوع ہیں۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کبھی ان کی اشاعت کی نوبت آئے گی یا نہیں''۔

مولانا محمد عزیر شمس نے مولانا صفی الرحمن کی غیر مطبوعہ عربی کتابوں میں ان دو کتابوں کے نام بھی لکھے ہیں: ایک شرح ازھار العرب اور دوسری الفرقۃ الناجیۃ الفرق الاسلامیۃ الاخری۔

ان کی عربی کی مطبوعہ کتابوں میں مندرجہ ذیل کتابیں شامل ہیں۔

(۱) **الرحیق المختوم**: سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر عربی زبان میں ان کی یہ ایک بلند پایہ کتاب ہے۔ اس کی تصنیف کا پس منظر یہ ہے کہ ۱۹۷۶ء میں جب رابطہ عالم اسلامی (مکہ مکرمہ) کی طرف سے سیرت نگاری کے عالمی مقابلے کا اعلان کیا گیا تو مولانا ممدوح نے اس موضوع پر عربی میں ''الرحیق المختوم'' کے نام سے کتاب لکھی اور مسودہ رابطہ عالم اسلامی کو بھیج دیا۔ بعض اور اہل علم نے بھی اس موضوع پر اپنے اپنے مسودات ارسال کئے لیکن ڈیڑھ سال بعد جولائی ۱۹۷۸ء میں پہلی ایشیائی اسلامی کانفرنس منعقدہ کراچی میں مقابلے کے نتائج کا اعلان ہوا تو مولانا صفی الرحمن پہلے انعام کے مستحق قرار پائے۔ مولانا ممدوح نے یہ کتاب صرف پانچ چھ مہینوں میں تیار کی تھی۔ اس کے بعد خود مصنف نے اس کا اردو ترجمہ کیا اور کتابی شکل میں اسے مکتبہ سلفیہ (لاہور) نے نہایت اہتمام کے ساتھ شائع کیا۔ اس کا مسودہ دینے کے لئے مولانا ممدوح ۱۹۸۴ء میں لاہور تشریف لائے تھے۔ مہینہ یاد نہیں رہا، لیکن موسم

سردیوں کا تھا۔ان سطور کے راقم کی ان سے اسی موقع پر ملاقات ہوئی تھی جو پہلی ملاقات بھی تھی اور آخری بھی۔اس کتاب نے بڑی مقبولیت حاصل کی اور دنیا کی کئی زبانوں میں اس کے ترجمہ ہوئے۔اس کتاب کی وجہ سے خود مصنف نام دار نے بھی بہت شہرت پائی۔

(۲) **روضہ الانوار:** یہ کتاب بھی سیرت کے موضوع پر ہے اور عربی میں ہے۔

(۳) **اتحاف الکرام:** یہ حدیث کی مشہور کتاب بلوغ المرام کی شرح ہے۔

(۴) **منة المنعم شرح صحیح مسلم:** صحیح مسلم حدیث پاک کی انتہائی عمدہ کتاب ہے، مولانا نے منة المنعم کے نام سے اس کی شرح لکھی۔

(۵) **بهجة النظر فی مصطلح أهل الأثر:** یہ کتاب اصول حدیث سے متعلق ہے۔

(۶) **ابراز الحق والصواب فی مسئلة السفور والحجاب:** اس کا تعلق چہرے کے پردے سے ہے۔

(۷) **الاحزاب السیاسة فی الاسلام:** سیاسی جماعتوں کے بارے میں اسلام کا نقطۂ نظر۔

(۸) **تطور الشعوب والدیانات فی الهند ومجال الدعوة فیها:** ہندوستان میں مذاہب کے ارتقاء اور دعوت اسلامی کے امکانات کے موضوع پر۔

مولانا صفی الرحمن مبارک پوری کی اردو مطبوعہ کتابیں حسب ذیل ہیں۔

(۱) تجلیات نبوت: سیرت سے متعلق۔

(۲) المصابیح فی مسئلة التراویح: تراویح کے مسئلے پر امام سیوطی کی عربی کتاب کا اردو ترجمہ۔

(۳) تذکرۂ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب: یہ قطر کے ایک عالم شیخ احمد بن حجر آل بوطامی کی کتاب کا ترجمہ ہے۔اس کے شروع میں آل سعود کی تاریخ تفصیل سے قلم بند کی گئی ہے۔

(۴) قادیانیت اپنے آئینے میں: جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، یہ کتاب مرزائیت سے متعلق ہے۔

(۵) فتنہ قادنیت اور مولانا ثناء اللہ امرتسری: اس میں قادیانیت کے بارے میں مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ کی مساعی کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

(۶) انکار حدیث کیوں؟ حجیت حدیث کے موضوع پر۔

(۷) انکار حدیث حق یا باطل؟

(۸) رزم حق و باطل۔

(۹) اسلام اور عدم تشدد۔

(۱۰) اہل تصوف کی کارستانیاں۔

(۱۱) المصباح المنیر تلخیص وترجمہ تفسیر ابن کثیر (عبدالحکیم المدنی)

مولانا ممدوح کی اردو کتابیں جو ابھی تک شائع نہیں ہوسکیں یہ ہیں۔

(۱) امام ابن تیمیہ کی کتاب ''الکلم الطیب'' کا اردو ترجمہ۔

(۲) توضیح الاربعین للنووی کا ترجمہ۔

(۳) صحف یہود ونصاریٰ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق بشارتیں۔

مدینہ یونیورسٹی کے شعبۂ خدمۃ السنہ والسیرۃ سے علیحدگی کے بعد مولانا ممدوح، مولانا عبدالمالک مجاہد کے قائم کردہ مشہور اشاعتی ادارے دارالسلام کے شعبہ تحقیق وتصنیف کے نگران کی حیثیت سے مملکت سعودیہ کے دارالحکومت ریاض چلے گئے تھے۔ وہاں انہوں نے اس ادارے کی متعدد عربی اور اردو کتابوں پر نظر ثانی کی۔

وہ کچھ عرصہ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے امیر بھی رہے۔ (۱۹ جولائی ۱۹۹۸ء تا ۱۳ اگست ۲۰۰۰ء دو سال)

بے حد محنتی اور مستند عالم دین تھے۔ اللہ کے معاملات کو کون ٹال سکتا ہے۔ ان پر فالج کا حملہ ہوا اور وہ مستقل مریض ہوگئے۔ اب وہ معالجوں کے زیر علاج تھے۔ لیکن چلتے پھرتے تھے۔ کبھی ان کا قیام مدینہ میں رہتا، کبھی ریاض میں اور کبھی اپنے وطن مبارک پور آجاتے۔ مولانا محمد عزیر شمس فرماتے ہیں۔ ''طبیعت بجھی بجھی سی رہتی تھی۔ گفتگو کے وقت زبان میں تھوڑی سی لکنت ہوتی مگر توجہ سے سننے پر باتیں سمجھ میں آجاتی تھیں۔''

مولانا صفی الرحمن کا اصل کام تو درس وتدریس اور تصنیف وتالیف تھا، لیکن دعوت وتبلیغ اور مناظرے اور مباحثے سے بھی دلچسپی رکھتے تھے۔ ۱۹۷۸ء میں بنارس کے ایک مقام بجرڈیہہ میں کسی مسئلے پر بریلویوں سے ان کا مناظرہ ہوا۔ اس مناظرے کا نتیجہ یہ نکلا کہ لوگوں کی ایک بڑی تعداد نے مسلک اہل حدیث اختیار کرلیا اور وہاں اہل حدیث کا ایک مرکز قائم ہوگیا۔

منکرین حدیث کے رد میں بھی انہوں نے کتابیں لکھیں۔ یہ کتابیں اگرچہ مختصر ہیں مگر اس موضوع کا کافی مواد ان میں جمع کردیا گیا ہے۔ ہندوستان کے علاوہ ان کے دعوتی پروگرام سعودی عرب کے بھی مختلف مقامات میں جاری رہتے تھے۔

مولانا صفی الرحمن کو اللہ تعالیٰ نے بہت سے اوصاف سے متصف فرمایا تھا۔ وہ معاملہ فہم، منتظم، ملکی اور بین الاقوامی حالات سے باخبر اور زیرک اہل علم تھے۔ اسلامی ملکوں کی اصلاحی اور سیاسی تحریکوں سے آگاہ تھے۔ طلباء کو بھی حصولِ علم کے ساتھ ساتھ ان تحریکوں سے واقفیت حاصل کرنے کی تاکید فرماتے۔

انہوں نے طویل علالت کے بعد یکم دسمبر ۲۰۰۶ء (۹۔ ذی قعدہ ۱۴۲۷ھ) کو جمعۃ المبارک کے روز اپنے مسکن حسین آباد میں وفات پائی جو کہ مبارک پور سے ایک کلومیٹر کے فاصلے پر واقعہ ہے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللھم اغفرلہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ۔

مولانا ممدوح نے مختلف مدارس کے متعدد اساتذہ سے حصولِ علم کیا۔ لیکن ہمیں ان کے صرف ایک استاذ گرامی کا پتہ چلا ہے، جن سے انہوں نے کتب حدیث پڑھیں اور سند فراغ لی، وہ ہیں حضرت مولانا شمس الحق سلفی رحمہ اللہ۔

پھر وہ مختلف مدارس میں طویل مدت تک فریضۂ تدریس سرانجام دیتے رہے۔ اس اثناء میں ظاہر ہے ان سے بے شمار طلباء واساتذہ نے استفادہ کیا، لیکن ہمیں ان کے فقط ایک ہی شاگرد کا علم ہوسکا ہے، وہ ہیں مولانا شمس الحق سلفی کے فرزند ارجمند مولانا محمد عزیر شمس صاحب۔

محمد عزیر شمس صاحب ان کے نہایت لائق، محقق، بہت سی کتابوں کے مصنف ومؤلف اور وسیع المطالعہ شاگرد ہیں اور بہت عرصے سے مکہ مکرمہ میں مقیم ہیں۔ اللہ ان کی عمر دراز فرمائے اور وہ ہمیشہ تصنیف وتالیف میں مصروف رہیں۔ آمین یارب العالمین۔

میں نے مولانا صفی الرحمن کے متعلق مختصر الفاظ میں جو کچھ لکھا ہے، اس کا اصل ماخذ جناب محمد عزیر شمس صاحب کا مضمون ہے جو ۸ دسمبر ۲۰۰۶ء کے ہفت روزہ الاعتصام میں شائع ہوا۔

یہاں یہ بھی عرض کر دیں کہ ۱۹۸۴ء میں وہ جب لاہور تشریف لائے تھے تو شیش محل روڈ پر دفتر الاعتصام کے سامنے ہائی اسکول کی گراؤنڈ میں انہوں نے ایک مجمع میں تقریر کی تھی، جس میں ہندوستان میں دعوت دین کے باری میں چند باتیں بیان فرمائی تھیں اور کہا تھا کہ موجودہ حالات میں اگر وہاں حکمت ودانائی سے غیر مسلموں میں اسلام کے متعلق تقریریں کی جائیں اور خوبصورت الفاظ اور اچھے انداز میں اسلام کے معاشرتی امور اور عبادات سے متعلق احکام کی وضاحت کی جائے بالخصوص مسئلہ توحید کو صراحت سے بیان کیا جائے تو لوگ اس سے متاثر ہوتے اور سنجیدگی کے ساتھ اپنے مذہب کے ساتھ اس کا مقابلہ کرتے ہیں اور اسلام کے نقطۂ نظر کو ترجیح دیتے ہیں۔

اس سفر میں وہ لاہور سے بالاکوٹ بھی گئے تھے اور ہمارے مرحوم دوست مولانا عطاء اللہ ثاقب اپنی گاڑی سے انہیں بالاکوٹ لے کر گئے تھے۔ مولانا عطاء اللہ ثاقب اس قسم کے سفریات شوق سے کرتے اور اہل علم کی خدمت کو اپنے لئے سعادت قرار دیتے تھے۔

(گلستان حدیث ۳۴۹۔۳۵۵)



نوٹ: بھٹی رحمہ اللہ کے مضمون میں اساتذہ وتلامذہ کا ذکر نہیں ہے افادہ عام کے لئے اسے شامل کیا جارہا ہے (عبدالحکیم مدنی)

مشاہیر اساتذہ: (۱) شیخ الحدیث مولانا شمس الحق سلفی (۲) مولانا عبدالمعید بنارسی (۳) مولانا عبدالرحمن نحوی۔

ملاحظہ: خالد حنیف صدیقی صاحب نے آپ کے اساتذہ میں مولانا عبدالرحمن مبارکپوری کا نام ذکر کیا ہے جو قرین قیاس نہیں کیونکہ آپ کی ولادت سے بہت پہلے صاحب تحفہ مولانا عبدالرحمن کی وفات ہو چکی تھی۔

مشاہیر تلامذہ: (۱) مولانا محمد عزیر شمس مکہ (۲) شیخ صلاح الدین مقبول (۳) مولانا عبدالقیوم محمد شفیع مدنی (۴) مولانا عبداللہ مدنی جھنڈانگری (۵) مولانا عبداللہ سعود سلفی (بنارس) (۶) مولانا ابوالقاسم عبدالعظیم (مئو) (۷) مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی (۸) ڈاکٹر بدرالزماں نیپالی (۹) مولانا شہاب اللہ مدنی (۱۰) مولانا عبدالواحد مدنی (۱۱) مولانا رضاء اللہ عبدالکریم مدنی (۱۲) مولانا عبدالمنان سلفی (جھنڈانگر) (۱۳) مولانا ابوالمکرم عبدالجلیل سلفی رحمہ اللہ۔

(تراجم علمائے اہل حدیث / خالد حنیف)



عرب وعجم کے ایک عظیم المرتبت سیرت نگار
استاذ گرامی مولانا صفی الرحمن مبارکپوری رحمہ اللہ
چند یادیں۔ چند باتیں

عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی

سال گذشتہ ۲۰۰۶ء کا آخری مہینہ ماہ دسمبر انتہائی رنج والم کا نظارہ پیش کرتا ہے، فرحت وانبساط کا دور دور تک کہیں کوئی پتہ نہیں۔ خوشی ومسرت کا کسی پر کوئی اثر نہیں، گویا مسرتیں چھین لی گئیں ہیں۔ زبان ودل کا نشاط اور گویائی بندھ گئی ہے، سبھی محو حیرت ہیں کہ آخر ماجرا کیا ہے؟ اس قدر اداسی! اس قدر بے اطمینانی! آخر ہوا کیا؟ اچانک خبر ریلیز ہوتی ہے اور خبروں کی سرخیوں میں اس اداسی کا ذکر بے حد کرب ناک لفظوں میں چھیڑا جاتا ہے۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون) اللہ کو پیارے ہو گئے۔ آہ ایک عظیم سیرت نگار نہ رہا۔ عرب وعجم کا ایک عظیم سپوت چل بسا۔ شیخ صفی الرحمن مبارکپوری جہاں فانی سے رخصت ہو گئے۔ جیسے الفاظ خوشیوں کو چھین لیتے ہیں۔

خبروں کی سرخیوں میں ان کلمات کو دیکھ کر دل ودماغ حیرانی وپریشانی کا شکار ہو جاتے ہیں اور زبان کو قوت گویائی کے لئے آرڈر دینا بند کر دیتے ہیں۔ یہ خبریں بجلی کی طرح پورے چمنستان علم وادب اور گلستان سیرت وسنت میں کوندھ جاتی ہیں۔ آہ شیخ مبارکپوری۔

اگر میرا حافظہ خطا نہ کرے تو جامعہ سلفیہ بنارس میں ۱۹۸۸ء میں میری ملاقات دوران طالب علمی اس عظیم المرتبت سیرت نگار سے ہوتی ہے۔ بخاری، کتاب المغازی کا درس جامعہ کی وسیع وعریض مسجد میں مائک سے دیا کرتے تھے۔ میں بخاری کا طالب علم نہ ہونے کے باوجود شام کو اضافی دروس میں کبھی کبھار تبرکاً نیز شیخ کی علمی بصیرت کی موتیوں سے بہرہ اندوز ہونے کے لئے شریک ہوا کرتا تھا، مکمل بخاری پڑھنے کی نوبت نہ آئی کہ نوشتہ تقدیر نے سیرت نبوی کے اس بلند پایا قلمکار کو سیرت کے موضوع پر انتہائی خوشنما مدلل ومحقق کتاب الرحیق المختوم کی برکتوں سے صاحب سیرت کے ملجاو مسکن مدینہ طیبہ بلالیا۔ سیرت کا یہ رشتہ کتنا بابرکت ہے کہ جس ذات مقدسہ کی سیرت نگاری میں اپنے علم وعمل کی تمام توانائیوں کو صرف کر کے اہل کائنات کو ایک تحفہ دیا تو مالک کائنات نے خوش ہو کر صاحب السیرۃ کے قریب جوار حرم میں دیار حبیب میں بسنے کا موقع میسر فرمادیا۔ الغرض شیخ مبارکپوری جامعہ سلفیہ بنارس سے ''رخصت اے بزم چمن ہم تو سفر کرتے ہیں'' کا آخری اداراتی تحریر ماہنامہ محدث میں لکھ کر ہم طلباء کو غمناک وغمزدہ چھوڑ کر سوئے طیبہ روانہ ہو گئے۔ المرء مع من احب۔

شیخ کی تحریر وتقریر سے اتنی محبت تھی کہ ہمیشہ عربی اور اردو مقالات کو پڑھے بغیر حصول علم کو ناقص تصور کرتا تھا، بارگاہ الٰہی میں دعا

کرتا تھا کہ مالک الملک عاجز و بے سہارا کی فریاد بھی سن لے اور سیرت طیبہ کے صاحب کمال ذات نبوی کے شہر مدینہ کی زیارت مجھے بھی نصیب فرمادے۔ اللہ کی شان وقدرت کہ وقت سے پہلے بلا فراغت وتخرج بلاوا آگیا اور وہیں پر جانے کا موقع نصیب ہوتا دکھائی دینے لگا جہاں پر یہ عظیم سیرت نگار رخت سفر باندھ چکا تھا۔ وی پی سنگھ ملک کے اس دھائی کے وزیر اعظم تھے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے منظوری آگئی، ویزا لیا گیا، کویت پر عراقی جارحیت کے دوران انتہائی مشکلات ودشواریوں کے بعد ٹکٹ خرید کر جانے کی تیاریاں مکمل ہوگئیں اور کسی طرح دیار سیرت طیبہ پہنچ گئے۔ مدینہ طیبہ میں جامعہ اسلامیہ میں داخلے کی کارروائیوں کو مکمل کروانے کے معاً بعد نگاہوں نے شیخ مبارکپوری کو تلاش کرنا شروع کر دیا۔ جامعہ کے صدر دروازے سے قریب رئاسة الجامعة کے بالمقابل مرکز خدمة السنة والسیرة النبویة کی کئی عمارتیں تھیں آپ وہیں بحیثیت محقق وریسرچ اسکالر کام کرتے تھے۔ نگاہوں نے ڈھونڈ کر آپ کو بالآخران عمارتوں کے ہجوم میں سیرت نگاروں کے درمیان تلاش کر ہی لیا۔ اور وہیں سے روابط بڑھتے چلے گئے، جب بھی موقع ملتا استفادہ کے لئے مرکز خدمة السنة بھاگے بھاگے چلے جاتے اور کچھ نہ کچھ حدیث، فقہ، سیرت، مناظرہ، عالم اسلام کے موضوعات پر استفسار وتبصرہ سن کر فیضیاب ہوتے اور واپس چلے آجاتے۔ شام کو مغرب کی نماز کے بعد مسجد نبوی کے باب الرحمة پر ہمیشہ شرف زیارت ملتا، مختلف اہل علم اور طلباء کے مابین نشست ہوتی، علمی گتھیاں سلجھاتے، اپنی اسٹائل میں کچھ شگوفے، لطیفے اور ہنسی ومسکراہٹ کی باتیں بھی کرتے۔ جامعہ اسلامیہ میں ۱۹۹۰ء سے لے کر ۱۹۹۷ء تک تعلیم وتعلیم کا سنہرہ موقع ملا اور شیخ سے بھرپور استفادہ ملا، طنز ومزاح کے آپ اتنے ہنرمند تھے کہ ایک بار ہم ساتھیوں نے مرکز خدمة السنہ میں آپ سے آپ کے عمل کے بارے میں دریافت کیا کہ آپ مرکز میں کیا کام کرتے تو مسکراتے ہوئے جواب دیا کہ میاں یہاں میں تین ر پانچ کرتا ہوں، کیونکہ کوئی خاص عمل وہاں نہیں تھا بڑی آزادی اور آسانی تھی۔ مفہوم یہ تھا کہ ریال میں جو تنخواہ ملتی ہے اس کا حساب ۳ اور ۵ سے لگا کر جوڑتا ہوں کہ کتنے ہندوستانی روپئے بنیں گے اور غالباً اس وقت ریال کی قیمت آٹھ اور نو روپئے تھی۔

الغرض اس وقت کویت پر عراقی جارحیت اور صدام وامریکہ کی نونک جھونک بڑے شباب پر تھی، باب الرحمة پر جمع ہونے والے طلباء اور زائرین جانتے ہیں کہ شیخ اس زمانے میں ہونے والے حادثات اور آئندہ پیش آنے والے واقعات کے پس منظر اور نتائج پر بہت ہی دلچسپ تبصرہ کرتے تھے۔ اور کچھ منجمین کی پیش گوئیاں بھی پڑھ کو سناتے تھے، انتہائی ملنسار، نرم خو، بولتے تو مسلسل موتی کی لڑیوں کی طرح سے کلام مربوط ہوتا، سیاست وصحافت آپ کا بے حد پسندیدہ موضوع تھا۔ برجستگی قدرت نے اتنی عطا کی تھی کہ سننے والا ہنسنے پر مجبور ہوجائے، ایک دفعہ حرم شریف میں ۲۰ رکعت تراویح کے پس منظر میں رمضان کے مہینہ میں تراویح کے بعد ایک پاکستانی زائر نے آپ سے سوال کیا کہ مولانا تراویح کی اصل تعداد سنت سے کتنی ہے؟ تو آپ نے حدیث سے ثابت شدہ اس سوال کا جواب آٹھ رکعات کے ذریعہ دیا اور حضرت عائشہؓ کی روایت پیش کی کہ رمضان اور غیر رمضان میں آپ آٹھ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے اس آدمی نے فوراً سوال کیا تو حرم شریف میں بیس رکعت کیوں پڑھی جاتی ہے؟ اور اس تراویح کا کیا حکم ہے؟ تو آپنے فوراً جواب دیا کہ یہ سیاسی تراویح ہے شرعی تراویح تو صرف آٹھ رکعت ہی ہے۔

غرضیکہ سیاست، صحافت، سیرت وحدیث سے لے کر فرق باطلہ اور فرق ضالہ تک سب پر گہری دسترس رکھتے تھے۔ یہودیوں کی خباثت اور صیہونیوں کی جارحیت کا ذکر چھیڑتے ہوئے اہل ایمان اور طلباء کو جھنجھوڑ ڈالتے۔ اسلامی تاریخ کی بات ہو تو حوالوں کی بھرمار کردیتے۔ فرق اسلامیہ، بالعموم اور ہندوستانی مسلمانوں کے مختلف فرقے، یہاں کے مذاہب اور مسالک کے تعلق سے بالخصوص اتنا درک رکھتے تھے کہ کبھی وید کے حوالوں سے نبی کی آمد، بشارت نبوت، مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ وغیرہ کے واقعات پڑھ کر سناتے۔ اس موضوع پر عربی اور ہندی میں آپ کی ایک کتاب بھی ہے۔ الحمدللہ ہم طلباء استفادہ کرتے، علم حدیث کی باریکیاں، فن رجال پر دسترس وعبور اتنا تھا کہ حدیثوں کی روایت وتشریح کے ساتھ ساتھ راویوں پر بھی کلام کرتے اور ان کے معایب ومحاسن کو واضح کرتے ہوئے حدیث پر حکم بھی لگاتے جاتے۔ برصغیر ہند وپاک میں حکومت الٰہیہ کا عقیدہ لے کر اٹھنے والی تحریک اسلامی اور اس کے ہم خیال افراد کی تاریخی حقیقتوں کو اس طرح بیان کرتے کہ اچھے اچھے دوبارہ سوال کی ہمت نہ کرتے۔ ایک مرتبہ بعض مودودی فکر ونظر طلباء کی جامعہ اسلامیہ میں کج فکری اور اس کی نشر واشاعت میں جدوجہد کو دیکھ کر میں نے شیخ سے مشورہ کر کے طلباء کے درمیان جامعہ کے کسی ہال میں پروگرام رکھنے کے لئے ارادہ کیا، کافی جدوجہد کی گئی، پروگرام برصغیر ہند وپاک کے طلباء اور عالمین کے لئے رکھنا تھا اس لئے زبان اردو کا انتخاب عمل میں آیا تاکہ سبھی پیغام حق کو اچھی طرح سمجھ سکیں۔ عمادۃ شؤون الطلاب اور قسم النشاط الثقافی کے مدیر نے یہ کہہ کر درخواست مسترد کردیا کہ شیخ اتنے عظیم المرتب عربی کے سیرت نگار ہیں، ان کا پروگرام اردو زبان کے بجائے عربی زبان میں رکھا جائے تو ہم بھی سننے کے لئے حاضری دیں گے مگر چونکہ مقصد اہل زبان کو اردو میں کچھ بنیادی حقائق سے روشناس کرانا تھا اس لئے ہم لوگوں نے کوشش یہی کی کہ پروگرام اردو میں ہی ہو، اسکے لئے مدیر الجامعہ شیخ صالح العبود سے ملاقات کی گئی۔ بالآخر ان کی زبانی اجازت سے مدیر النشاط نے جامعہ کے ایک لیکچر ہال میں پروگرام منعقد کرنے کی اجازت دے دی۔ وقت مقررہ پر شیخ حاضر ہوئے اور مسلسل عشاء کے بعد آپ نے ساڑھے تین گھنٹوں تک خطاب کیا اور سوالات کے جوابات دیئے۔ اس پروگرام میں بعض عربی طلباء، جزائر، مصر، تونس وغیرہ سے تعلق رکھنے والے بھی حاضر ہوئے، ہم لوگوں نے عربی طلباء کو یہ کہہ کر منع کرنے کی کوشش کی چونکہ پروگرام اردو زبان میں ہے اس لئے آپ لوگ کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتے مگر وہ طلباء اردو زبان میں پروگرام ہونے کے باوجود شیخ سے عقیدت واحترام اور علمی تبحر کو سن کر صرف دیکھنے اور ملاقات کرنے کے لئے گھنٹوں بیٹھے رہے۔ ایک طالب علم نے تو یہ جواب دیا کہ **"أرید ان اشوف وجه صاحب الرحیق المختوم"** کہ ہم تو صرف اس عظیم المرتبت الرحیق المختوم کے مصنف کا چہرہ دیکھنے کے لئے حاضر ہوئے ہیں۔ بالآخر یہ طلباء شیخ کی علمی معرفت کو اشاروں اور زبان کی حرکتوں سے محسوس کرتے رہے۔

سعودی عرب میں یہ رواج عام ہے کہ بڑے سے بڑا خطیب اور مشہور مشائخ واساتذہ بھی خطبات ومحاضرات تحریری طور پر پڑھ کر سناتے ہیں، شیخ کی اس لمبی تقریر کے بعد عرب طلباء نے داد وتحسین کی بارش کردی کہ برجستہ اتنی دیر تک بلا نوٹ اور تیاری کے محاضرہ دینا کسی بحر العلم کا ہی کام ہے اور صرف اللہ کی توفیق سے ہی ممکن ہے۔

شیخ کو اپنی کتاب الرحیق المختوم کی وجہ سے کافی شہرت اور عزت ملی، جامعہ اسلامیہ میں پڑھنے والے عربی وافریقی طلباء ہمیشہ ہم لوگوں سے ہندوستان کے مخصوص علماء کرام بالخصوص شیخ مبارکپوری کے بارے میں پوچھتے رہتے، میں نے بعض طلباء سے ان کی جامعہ

میں موجودگی کا ذکر کیا تو دوڑے دوڑے ملاقات کرنے چلے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اتنی مقبولیت اس کتاب کو عطا کی کہ اس کے کتنے ایڈیشن عرب وعجم کے بازاروں میں فروخت ہوگئے۔ سعودی عرب، مصر اور بیروت میں تو شاید کوئی مکتبہ ہو جس نے اسے چھاپا اور فروخت نہ کیا ہو۔ دنیا کی کئی زبانوں میں اس کا ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔ فارسی، انگریزی، بنگلہ، ہوسا، صربیائی زبان کے علاوہ مختلف زبانوں میں اسے منتقل کیا گیا۔ مکتبہ دارالسلام ریاض کے مسئول شیخ عبدالمالک مجاہد کی کاوشوں سے شیخ کی علمی میراث کی حفاظت اور نشر واشاعت ہوتی رہتی ہے۔ اللہ ان لوگوں کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔

میرے پاس عربی زبان میں شیخ رحمہ اللہ کے وہ علمی اعتراضات جو قرآن کے اس ترجمہ پر لکھے گئے جسے احسن البیان نے پہلے مجمع الملک فہد نے چھاپ کر لاکھوں کی تعداد میں تقسیم کیا تھا آج بھی موجود ہے اور جس کی علمی وتحقیقی نشاندہی کی بنیاد پر عمدہ مستند ترجمہ وتشریح احسن البیان کی شکل میں شائع ہوا۔

الغرض آپ نہ صرف ایک مصنف، محقق اور سیرت نگار تھے بلکہ آپ ایک بے باک خطیب، علم وعمل کے موتی بکھیرنے والے، افتاء، وتدریس میں کامل ملکہ رکھنے والے ایک مدبر، حکیم اور دانشمند صحافی وسوشل انسان بھی تھے۔ آپ کی دعوت وتبلیغ کے نتیجہ میں ہزاروں اہل شرک وبدعت نے توبہ کر کے شاہراہ سنت وسیرت اختیار کیا مگر افسوس ہمارے ہندوستانی ذہن ودماغ رکھنے والے سیاسی مولویوں پر کہ جماعت کو ایک نعمت مرکز کے امیر کی شکل میں اللہ تعالیٰ نے شیخ صفی الرحمن کو منتخب کرنے کا موقع دیا تو ہم ؎

گنوادی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا

کے مصداق ہوگئے۔ سچ ہے کہ علم، اہل علم کی قدردانی، مخلص ودیانتدار اور راست گو انسان ہی کر سکتے ہیں سیاسی ومفاد پرست ذہن والوں کا یہ کام نہیں۔ بلکہ اہل علم وعمل ان کی آنکھوں میں دشمن کی طرح کھٹکتے ہیں، چاہے ظاہر میں کتنی ملمع سازی اور زبانی تحسین کیوں نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ ملت وجماعت کو اس سے محفوظ فرمائے آمین۔

اللہ تعالیٰ غریق رحمت کرے شیخ صفی الرحمن مبارکپوری رحمہ اللہ کو اور ان کی حسنات کو قبول فرمائے۔ جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے۔ آمین۔

(ماہنامہ صوت الاسلام ممبئی اپریل ۲۰۰۷ء)



مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ

۱۹۳۰ء ۲۰۰۸ء

از خالد حنیف صدیقی

مولانا مختار احمد ندوی بن الحاج محمد ضمیر
محلہ وشوناتھ پورا، مئوناتھ بھنجن یوپی۔
تاریخ پیدائش ۳۰ جون ۱۹۳۰ء

خاندانی پس منظر:

آپ نے ایسے خاندان وماحول میں آنکھیں کھولیں جو علم وعرفان سے معمور تھا۔ آباء واجداد علم وفضل سے بہرہ ور تھے، رحمانی علماء کی معتد بہ تعداد نے اپنی دعوت وتبلیغ اور درس وتدریس سے شہر مئو اور مضافات کے لوگوں کے عقائد ورجانات کو کتاب وسنت کے مطابق ڈھال دیا تھا۔ چنانچہ آپ کی نشوونما ایسے ہی دینی اور مذہبی ماحول میں ہوئی۔

تعلیم وتربیت:

مکتب درجات پرائمری کے علاوہ ابتدائی عربی وفارسی کی تعلیم مدرسہ عالیہ (موجودہ جامعہ عالیہ عربیہ) میں حاصل کی۔ عربی درجات علیا کی تعلیم کے اکتساب کے لئے دہلی عازم سفر ہوئے اور دارالحدیث رحمانیہ میں داخل ہو کر دو سال تک تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۴۶ء میں ندوۃ العلماء لکھنؤ میں داخلہ لیا اور عالمیت کی سند حاصل کی۔ سال فضیلت کے دوران ہی تقسیم ملک کا سانحہ پیش آ گیا اس لیے درمیان سال ہی وطن مئو واپس چلے گئے۔ ملک کے حالات سازگار ہونے کے بعد شہر کے ہی مدرسہ فیض عام میں داخلہ لے کر وہاں سے ۱۹۵۰ء میں فراغت حاصل کی۔ سند اجازہ عبداللہ شائق اور مولانا محمد احمد (بڑے مولانا) نے عطا فرمائی۔ علاوہ ازیں مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی سے بھی کسب فیض حدیث کیا۔

قابل ذکر اساتذہ:

مولانا حکیم محمد سلیمان مئوی، مولانا عبدالصمد مبارکپوری، مولانا نذیر احمد رحمانی مبارکپوری، مولانا محمد مصطفی ندوی، مولانا شاہ حلیم عطا، مولانا مفتی محمد سعید، مولانا محمد احمد مئوی (بڑے مولانا) مولانا عبداللہ شائق مئوی، مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی وغیرہم۔

عملی زندگی کا آغاز:

آپ نے فراغت تعلیم کے بعد تانتی باغ کلکتہ کی جامع مسجد اہل حدیث میں امامت وخطابت سے عملی زندگی کا آغاز کیا۔ اور کم

وبیش دس سال تک اس منصب جلیلہ پر فائز رہے۔ اس دوران آپ نے حاجی عبداللہ لائبریری قائم کی، نیز علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے لائبریری سائنس میں ڈپلوما اور پرائیویٹ طور پر B.A. بھی کیا ''مکتبۃ التوحید'' کے نام سے ایک تجارتی مکتبہ بھی قائم کیا۔ دریں اثناء چین نے ۱۹۶۲ء میں ہندوستان پر حملہ کر دیا، جس سے شہر کلکتہ کے حالات دگرگوں ہو گئے لہذا کلکتہ کو خیر آباد کہہ کر وطن مالوف لوٹ آئے۔ مولانا عبدالجبار شکراویؒ کو معلوم ہوا تو انہوں نے آپ کو مسجد اہل حدیث مومن پورہ ممبئی میں امامت وخطابت کا مشورہ دیا۔ (اس مسجد میں مولانا داؤد راز امامت وخطابت کا فریضہ انجام دے رہے تھے۔ ان کے سبک دوش ہو جانے کے بعد امامت وخطابت کی جگہ خالی تھی)۔

۶۳۔ ۱۹۶۲ء میں آپ نے مولانا کے مشورہ پر ممبئی پہنچ کر مومن پورہ مسجد کی امامت وخطابت کی ذمہ داری سنبھالی اور تقریباً ۲۰ سال تک فریضہ انجام دیا۔ اس دوران آپ نے مومن پورہ مسجد کی از سر نو تعمیر کرائی اور ۱۹۷۵ء میں مسجد سے متصل سات منزلہ بلڈنگ تعمیر کروا کر مولانا آزاد ہائی اسکول قائم کیا۔

۸۱۔ ۱۹۸۲ء میں بنگالی مسجد اہل حدیث مدن پورہ آ گئے اور یہاں بھی تقریباً ۲۶ سال تک امامت وخطابت کا فریضہ انجام دیا۔ اس طرح آپ نے لگ بھگ ۵۶ سال تک بحیثیت امام وخطیب اور داعی کی زندگی گزار دی۔

دوران قیام ممبئی آپ نے وہ جماعتی کارہائے نمایاں انجام دئے جو صدیوں یاد کی جائیں گی اور یہ خدمات تا قیامت صدقہ جاریہ کا کام کریں گے۔

آپ کی خدمات کا اجمالی تعارف:

☆ **الدار السلفیہ (۱۹۷۰ء) کا قیام:** اس نام سے آپ نے ایک تحقیقی واشاعتی ادارہ قائم کیا جہاں سے تحقیق ونظر ثانی کے بعد اردو اور عربی کتب کی اشاعت ہوتی ہے۔ ادارہ سے اب تک عربی میں ایک سو اور اردو زبان میں ڈھائی سو، نیز انگریزی اور ہندی زبانوں میں کم وبیش پچاس دینی، اصلاحی وتربیتی کتب شائع ہو چکی ہیں جس میں مصنف ابن ابی شیبہ کی ۱۵ ضخیم جلدیں اور الجامع لشعب الایمان امام بیہقی کی ۲۰ جلدیں قابل ذکر ہیں۔

☆ **دار المعارف:** اس کے تحت اگست ۱۹۹۰ء میں ''ماہنامہ مجلہ البلاغ'' جاری کیا جو گزشتہ ۱۸ سالوں سے پابندی سے شائع ہو رہا ہے۔ اس ادارہ سے دینی واصلاحی عربی کتب کا اردو میں ترجمہ کرا کے شائع کیا گیا۔

☆ **جامعہ محمدیہ ایجوکیشنل سوسائٹی:** اس سوسائٹی کے تحت آپ نے شہر ممبئی ودیگر صوبہ جات میں لڑکیوں اور لڑکوں کی تعلیم کے لئے الگ الگ عظیم الشان ادارے قائم کئے، جہاں دینی تعلیم کے ساتھ حکومت سے منظور شدہ عصری علوم کا کورس بھی پڑھایا جاتا ہے۔ ان اداروں کی فہرست درج ذیل ہے۔

(۱) جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں (۱۹۷۸ء) یہاں فراغت تک مع قیام وطعام تعلیم کا معقول انتظام ہے۔

(۲) کلیہ عائشہ صدیقہ منصورہ مالیگاؤں (۱۹۷۸ء) یہ بنات کا مثالی ادارہ۔ یہاں قیام وطعام کے ساتھ فضیلت تک کی تعلیم کا معقول انتظام ہے۔

(۳) جامعہ محمدیہ بنگلور (۱۹۸۹ء) میرے علم کی حد تک عالمیت تک مع قیام وطعام تعلیم کا معقول انتظام ہے۔

(۴) مدرسہ عائشہ صدیقہ بنگلور (۱۹۸۹ء) یہاں بھی طعام وقیام کے ساتھ تعلیم کا معقول انتظام ہے۔

(۵) مدرسہ محمدیہ اردو ہائی اسکول (دھلیا)۔ پرائمری۔

(۶) مدرسہ محمدیہ آکوٹ۔ پرائمری۔

(۷) مدرسہ محمدیہ اورنگ آباد۔ پرائمری۔

(۸) مدرسہ محمدیہ مہسلہ۔ پرائمری۔

(۹) مدرسہ محمدیہ جھانڈا (ہریانہ) پرائمری کے ساتھ ابتدائی عربی وفارسی کی تعلیم کا معقول انتظام ہے۔

(۱۰) محمدیہ ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ (I.T.I.) (کوسہ ممبرا) یہاں کمپیوٹر ایئر کنڈیشن اور ڈراونگ کی تعلیم دی جاتی ہے۔

☆ الجمعیۃ المحمدیہ الخیریہ: اس سوسائٹی کے اشراف میں درج ذیل ادارے وکالج کا قیام عمل میں آیا۔

(۱) کلیۃ فاطمۃ الزہر اللبنات مئو (۱۹۸۲ء) اس کلیہ میں مع قیام وطعام نیز جملہ سہولیات کے ساتھ فضیلت تک کی تعلیم کا معقول انتظام ہے۔ مرتب کتاب ہذا (خالد) نے کئی بار اس ادارہ کی زیارت کی ہے۔

(۲) محمدیہ طبیہ کالج مالیگاؤں (۱۹۸۱ء) یہاں بی۔یو۔ایم۔ایس کی ڈگری دی جاتی ہے۔

(۳) محمدیہ جنرل ہسپتال مئو (۱۹۸۴ء) (۴) بدر محمد السائر ہسپتال مالیگاؤں (۱۹۸۱ء)

☆ **ادارہ اصلاح المساجد:** (۱۹۸۰ء) اس ادارہ کا قیام ۱۹۸۰ء میں عمل میں آیا جس کے اشراف میں ملک کے طول وعرض میں زائد از چار سو مسجدیں تعمیر ہوئیں۔

☆ **مرکز تعلیم الاسلام:** اس ادارہ کے ذریعہ اخوان وخواتین کی تربیت وتعلیم کے لئے شہروں میں سینٹر کھولے گئے، دعاۃ ومبلغین رکھے گئے، مساجد میں امام وخطیب کی تقرری کی گئی۔

جماعتی خدمات:

آپ مولانا عبدالوحید سلفی کے دور امارت میں نومبر ۱۹۷۹ء سے نومبر ۱۹۸۹ء تک مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے نائب امیر کی حیثیت سے رہے۔ پھر مولانا عبدالوحید سلفی کے انتقال کے بعد نومبر ۱۹۸۹ء تا ۱۹۹۰ء کارگزار امیر بنے۔ مئی ۱۹۹۰ء سے جولائی ۱۹۹۷ء تک امیر جماعت رہے۔ دوران امارت مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند، مرکزی جمعیت کے لئے دہلی میں جامع مسجد علاقہ میں بلڈنگ خریدی جو "اہل حدیث منزل" کے نام سے موسوم ہے۔

تصانیف:

آپ نے جن کتابوں کی تالیف یا ترجمے کئے ان کی تفصیل درج ذیل ہے۔

(۱)صلوۃ النبی ﷺ (صفحات:۱۰۲) (۲) نماز مسنون (صفحات:۴۰)، (۳)رمضان کے فضائل (صفحات:۴۰)، (۴)حج مسنون (۲۰۴)، (۵) آسان حج مسنون (۱۰۴)، (۶)تعلیم الاسلام (صفحات:۳۱۴)، (۷) کیا مسلمان خواتین کا مسجد میں آنا فتنہ ہے۔(صفحات:۳۲)، (۸)عورت۔۔۔۔ کتاب وسنت کی روشنی میں (صفحات ۱۰۴)، (۹)داڑھی۔۔۔۔ کتاب وسنت کی روشنی میں (صفحات:۱۱۲)، (۱۰)طاعون۔۔۔۔ رحمت یا زحمت (صفحات:۴۴)، (۱۱) قرآن خوانی اور ایصال ثواب (صفحات:۶۴)، (۱۲)مذہبی فرقہ پرستی اور اسلام (صفحات:۱۲۰)، (۱۳) کتاب الدعاء (صفحات:۱۹۲)۔

اللہ کا یہ بندہ ۵۵ سال تک دین اسلام اور کتاب وسنت کی ہمہ گیر اور ہمہ جہت خدمت کرتا ہوا ۹ار ستمبر ۲۰۰۷ء بروز اتوار مطابق ۲۶ر شعبان المعظم ۱۴۲۸ھ بوقت پونے چار بجے اپنے حقیقی مالک سے جاملا۔ اللھم اغفر له وارحمه وعافه واعف عنه۔

دوسرے دن بعد نماز ظہر مولانا سلیمان میرٹھی کی امامت میں نماز جنازہ ادا کی گئی اور جو ہو کے قبرستان میں سپرد خاک کر دیئے گئے۔

آپ نے اپنے پیچھے تین نرینہ اولاد چھوڑی۔ محمد اسلم مختار، محمد اکرم مختار، محمد ارشد مختار۔ الحمدللہ تینوں ہی دینی وعصری تعلیم سے آراستہ وپیراستہ ہیں اور صاحب اولاد ہیں۔ پہلے دونوں نے پریس قائم کر رکھا ہے، جہاں چھپائی کا معقول انتظام ہے۔ تیسرے صاحب مولانا مختار صاحب کے چھوڑے ہوئے کاز کو سنبھالے ہوئے ہیں۔

(تراجم علمائے اہل حدیث۔ ار ص:۳۵۸ تا ۳۶۳)



مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ

۱۹۳۰ء..........۲۰۰۸ء

از: مولانا عبدالوہاب جامعی

نام ونسب:

آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے' مولانا مختار احمد ندوی بن حاجی محمد ضمیر بن عبداللہ بن ولی اللہ۔

ولادت اور نشوونما:

مولانا ممدوح کی ولادت ۳۰ جون ۱۹۳۰ء کو مئوناتھ بھنجن کے ایک خالص دینی ومذہبی گھرانے میں ہوئی۔ آپ کے والد راسخ اہل حدیث اور علماء اہلحدیث کے قدردان تھے۔ اسی طرح آپ کی والدہ بھی ایک علمی و دینی خانوادہ کی پروردہ تھیں، حافظ محمد سعید صاحب آپ کے نانا بھیونڈی میں ہندوستانی مسجد کے امام اور پورے محلہ کے استاذ واتالیق تھے۔ اس طرح آپ نجیب الطرفین تھے اور آپ کو دوطرفہ علمی ماحول ملا۔ جس میں آپ پروان پائے۔

ابتدائی تعلیم:

آپ کی ابتدائی تعلیم مدرسہ شاخ دارالعلوم مرزاہادی پورہ مئوناتھ بھنجن میں حافظ اسماعیل صاحبؒ کے پاس ہوئی۔ آپ نے قرآن مجید اور اردو کی ابتدائی تعلیم اسی مدرسہ سے پائی۔ آپ کی ابتدائی تعلیم کا دوسرا مرحلہ ''مدرسہ عالیہ جمال پورہ'' میں شروع ہوا، یہاں آپ کے اساتذہ میں قابل ذکر مولانا محمد سلیمان صاحب مرزاہادی پورہ تلمیذ میاں نذیر حسین محدث دہلوی اور مولانا عبدالصمد صاحب مبارکپوری تربیت یافتہ مولانا عبدالرحمن مبارکپوری صاحب تحفۃ الاحوذی ہیں۔ آپ مذکورہ مدرسہ میں پڑھ رہے تھے کہ انہی دنوں مئوآئمہ الہ آباد میں ۲۶، ۲۸ ربیع الاول ۱۳۶۲ھ مطابق ۲، ۴ اپریل ۱۹۴۳ء آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس وقت آپ کی عمر کوئی بارہ سال تھی۔ آپ والد کے ہمراہ اس کانفرنس میں شریک رہے۔ کانفرنس کی صدارت مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی نے فرمائی۔ مولانا کے والد آپ کو آخرالذکر دونوں علماء کے پاس لے گئے اور ان سے دعا کی درخواست کی کہ اللہ تعالیٰ اپنے اس نونہال کو عالم دین بنائے۔

میرے ممدوح تحریر فرماتے ہیں کہ 'وہ منظر مجھے ابھی تک یاد ہے' پہلے مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ پھر مولانا میر ابراہیم سیالکوٹی رحمہ اللہ نے اپنا ہاتھ میرے سر پر رکھ کر دیر تک دعا دی، جس کا ایک جملہ مجھے ابھی تک یاد ہے **اللھم علمه الكتاب و السنة**۔

آپ مزید تحریر فرماتے ہیں ''یہ میری زندگی کا ابتدائی دور تھا۔ میں اس وقت درس نظامیہ میں ادنی جماعت میں پڑھتا تھا۔ مئو آئمہ کے اس جلسہ کی رونق، علماء طلبہ اصحاب مدارس واعیان جماعت کے جم غفیر کو دیکھ کر میں نے یہ سمجھا کہ مئو آئمہ اور یہاں کا ''مدرسہ چشمہ صمد'' ملک کا ایک عظیم علمی مرکز ہے۔ اور مجھے یہیں تعلیم حاصل کرنی چاہیے۔ میں نے اپنے والد سے ضد کی کہ مجھے اس مدرسہ میں داخل کرا دیں۔ لیکن والد صاحب مئو کے مدرسہ کے مقابلے میں اس چھوٹے سے مدرسہ میں مجھے داخل کرانے پر راضی نہیں ہوئے مگر میں نے اس مدرسہ میں داخلہ لینے کا پختہ ارادہ کرلیا'' اس کے بعد آپ اہل خانہ کی اجازت کے بغیر چپکے سے مئو آئمہ چلے آئے اور یہاں مدرسہ چشمہ صمد میں داخلہ لے لیا۔ ادھر آپ کی اچانک گمشدگی پر پورے گھر والے حیران و پریشان تھے، لیکن مئو آئمہ والوں نے فوراً مولانا کے والد کو آپ کی خبر کردی۔ اطلاع پاتے ہی آپ کے والد مئو آئمہ پہنچے اور مولانا کو وہاں سے لے جانے پر اصرار کرنے لگے۔ لیکن یہاں کی جماعت اور مولانا شفیع صاحب مئوی مدرس مدرسہ چشمہ صمد وغیرہ نے آپ کے بے حد شوق اور جذبہ حصول علم کو دیکھ کر آپ کے والد سے اجازت حاصل کرلی۔ آپ نے یہاں تین ماہ رہ کر خوب محنت سے تعلیم حاصل کی یہ آپ کی زندگی کا پہلا تعلیمی سفر تھا۔

آپ کی زندگی کا ایک دلچسپ واقعہ:

مولانا نے کاروان حیات البلاغ ماہ اگست ۲۰۰۵ء صفحہ ۲۹، ۳۰ میں اپنے پہلے خطبہ جمعہ کا جو واقعہ تحریر فرمایا ہے اس کا اختصار یہ ہے: مولانا کے والد محترم کی دلی تمنا و آرزو یہ تھی کہ ان کے ہونہار فرزند عالم باعمل اور مشہور خطیب بنے۔ اپنے اس ذوق وشوق کی تکمیل میں آپ کو کم سنی ہی میں نیا لباس پہنا کر جامع مسجد اہل حدیث ڈومن پورہ مئو ناتھ بھنجن لے گئے۔ آپنے پھوپھی زاد بھائی حافظ انعام الحق صاحب سے کہا کہ آج آپ مختار احمد کو خطبہ جمعہ کے لئے منبر پر بٹھائیں۔ حافظ صاحب نے منبر پر بٹھا دیا۔ اور اذان ہوئی آگے کیا ہوا مولانا ندوی صاحب ہی کی تحریر ملاحظہ فرمائیں:

''میں نے کسی نہ کسی طرح خطبہ مسنونہ پڑھا چونکہ اس وقت مجھے کوئی مرتب خطبہ یاد نہ تھا اس لئے مجبوراً 'میزان منشعب' جو اس وقت پہلی جماعت میں پڑھا کرتا تھا اس میں گردانیں یاد تھیں ان کو بھی پڑھ ڈالا اور منبر سے اتر گیا۔ میری زندگی کا یہ پہلا خطبہ تھا جو میں نے اپنے والد ماجد کے حکم پر خوف وہراس کے عالم میں پڑھایا۔ اس دن جمعہ کی نماز میں مئو کے مشہور عالم دین مولانا ابوالقاسم قدسی رحمہ اللہ بھی موجود تھے، خطبہ کے بعد انہوں نے مجھے اٹھالیا اور کہا کہ ان شاء اللہ تم مستقبل میں شاندار خطیب بنو گے۔ دیگر مصلیان نے بھی مجھے بہت دعائیں دیں۔

مدرسہ رحمانیہ دہلی میں داخلہ:

آپ عیدالفطر ۱۹۴۴ء کے بعد مدرسہ رحمانیہ میں حصول تعلیم کی نیت سے دہلی روانہ ہوئے۔ داخلہ پہلی جماعت میں ہوا، یہاں آپ نے مولانا نذیر احمد رحمانی املوی اور شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانی مبارکپوری، مولانا احمد اللہ بنگالی، مولانا عبدالحلیم صاحب سے ۱۹۴۶ء تک اکتساب علم کیا۔ اس وقت ہمارے مولانا کے ہم درس مولانا حکیم عبدالباقی عمری مئوی، مولانا عزیز احمد ندوی سابق

پرنسپل جامعہ رحمانیہ بنارس، مولانا عابد حسن رحمانی، مولانا عبدالکریم ندوی ششھنیاں تھے۔

ندوۃ العلماء لکھنؤ میں:

آپ نے غالباً ۱۹۴۶ء کے اخیر میں دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخلہ لیا اور عالمیت کے آخری سال میں تعلیم شروع کی، ندوۃ میں جن علماء کرام سے آپ نے بہت زیادہ فیض اٹھایا ان میں پہلا نام مولانا محمد مصطفی ندوی کا آتا ہے۔ مولانا موصوف مسلکاً اہل حدیث انتہائی باعمل اور صاحب زہد و مرد صالح تھے۔ ان کے علاوہ مولانا شاہ حلیم عطا صاحب اور مفتی محمد سعید صاحب اور مولانا ابوالحسن علی الندوی سے بھی علمی استفادہ فرمایا تھا۔

ندوۃ العلماء میں مولانا ندوی کی تعلیم کا سلسلہ جاری تھا آپ نے عالمیت کے بعد فضیلت میں داخلہ لے لیا فضیلت کے امتحان کی تیاری کر ہی رہے تھے کہ ۱۹۴۷ء میں ملک آزاد ہوگیا۔ اور تقسیم ہند کی وجہ سے ملک میں خونین فسادات کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ راستے مخدوش ہوگئے ان حالات میں آپ کے والد محترم آپ کو کسی طرح بھی حصول علم کے لئے باہر بھیجنے پر راضی نہ ہوئے۔

دوبارہ مدرسہ عالیہ میں:

لہٰذا مجبوراً آپ نے جامعہ عالیہ میں چھٹی جماعت میں داخلہ لیا۔ اس وقت آپ نے جن اساتذہ کرام سے استفادہ کیا ان میں مولانا عظیم اللہ فیضی مئوی رحمہ اللہ، مولانا مفتی عبدالعزیز عمریؒ اور مشہور صحافی مولانا عبدالحکیم رحمانی مجاز اعظمیؒ قابل ذکر ہیں۔ لیکن یہاں آپ نے چند مہینہ ہی تعلیم حاصل کی تھی۔

جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو میں داخلہ:

ان دنوں جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو کا شمار ملک کے مشہور مدارس میں ہوتا تھا۔ بڑے بڑے جید علمائے کرام اس کی مسند درس وتدریس پر فائز تھے۔ خصوصاً مولانا محمد احمد صدر مدرس فیض عام مئو، ان کے ہم نام مولانا احمد صاحب (بڑے مولوی صاحب) ناظم فیض عام، مولانا عبداللہ شائق مئوی، مولانا عبدالرحمن نحویؒ یہ تمام اساطین علم اپنے وقت کے جلیل القدر اساتذہ تسلیم کیے جاتے تھے۔

مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی سے صحیحین کا درس:

یہ اس وقت کی بات ہے کہ جب ہمارے صاحب سوانح 'فضیلت سال اخیر میں فیض عام میں تعلیم حاصل کررہے تھے کہ آپ کے استاذ مولانا شائق صاحب مئوی حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے گئے۔ تو اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آپ اپنے جملہ رفقاء کے ساتھ مدرسہ سعیدیہ تشریف لے گئے۔ اور وہاں جماعت اہل حدیث کے ممتاز عالم مصنف، مبلغ وداعی مولانا ابوالقاسم بنارسی سے صحیحین کا درس لیا۔ اور سند اجازہ حاصل کرلی۔ ہندوستان کے اس مشہور ومعروف عالم دین سے آپ مزید اپنی علمی ذوق کی تشنگی دور کررہے تھے کہ ایک عظیم صدمہ پیش آیا وہ یہ کہ بروز جمعہ ۴؍صفر ۱۳۶۹ھ تھا کہ مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی وفات کرگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اس کے بعد آپ جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو واپس ہو گئے۔جامعہ فیض عام میں آپ نے ۱۹۴۸ء اور ۱۹۴۹ء تک تعلیم حاصل کر کے سند فضیلت حاصل کی۔اس وقت آپ کے ساتھ پانچ طلبہ شریک درس رہے۔ان میں مولانا محمد اعظمی سابق شیخ الحدیث جامعہ عالیہ عربیہ مئو بھی تھے جو آپ کے عزیز دوست اور نہایت محبوب ساتھی رہے۔ابھی آپ کی عمر ۱۹ر سال ہی کی تھی کہ تمام علوم متداولہ کو حاصل کر کے میدان عمل میں قدم رکھنے کے لئے تیار ہو گئے دوران تعلیم آپ نے الہ آباد بورڈ سے منشی، کامل، عالم کے امتحان پاس کئے تھے۔

تکمیل تعلیم کے بعد میدان عمل میں:

تعلیم مکمل کرنے کے بعد آپ اپنے طبعی میلان کی وجہ سے کوئی آزاد پیشہ یا تجارت کرنا چاہتے تھے،اس لئے آغاز میں آپ اپنے آبائی پیشہ سے منسلک ہو کر بڑی محنت کے ساتھ پارچہ بافی کرنے لگے۔پھر مختصر مدت کے لئے مختلف تجارتیں بھی کیں۔

نکاح:

آپ کے والد محترم نے آپ کی شادی ایک نہایت دینی وعلمی خاندان میں مولانا عبدالماجد صاحب جمال پورہ کی صاحبزادی اسماء خاتون سے کردی جو ایک دیندار علم وعمل کے ماحول میں تربیت یافتہ تھیں۔ یہاں سے مولانا کی ازدواجی زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔آپ اور آپ کی اہلیہ دونوں بڑی محنت سے دوتین سال تک بنائی میں لگے رہے، ساتھ ہی طلب علم میں محنت بھی کرتے رہے۔لیکن آپ کے والد محترم اس سے مطمئن نہیں تھے وہ چاہتے تھے کہ آپ تعلیمی میدان میں سرگرم عمل ہوں ایک روز کا واقعہ ہے کہ آپ پارچہ بافی کے کام میں مصروف تھے کہ آپ کے ہم سبق دوست نے آپ کو بُنائی کرتے ہوئے دیکھ کر کہا کہ اتنا زیادہ پڑھ کر بنائی کا کام کب تک کرتے رہو گے؟ یہ بات آپ کے دل پر لگ گئی۔اس کے بعد آپ دینی خدمت کرنے کے متعلق فکرمند ہو گئے۔

مسجد اہل حدیث تانتی باغ کلکتہ میں:

حسن اتفاق کہ انہی دنوں آپ کی ملاقات مولانا قاری ظہیرالدین صاحب مئوی سے ہوئی جو کہ ایک عرصہ تک مسجد اہل حدیث تانتی باغ کلکتہ میں امامت وخطابت کی خدمت انجام دے چکے تھے۔کلکتہ کی جماعت کی خواہش کے باوجود سابقہ جگہ جانے پر رضامند نہ تھے،موصوف نے مولانا کو مذکورہ مسجد میں خدمت کے لئے راضی کر لیا۔

مزید برآں زہے قسمت کہ ہندوستان کے مشہور ومعروف عالم وخطیب مولانا عبدالجبار صاحب شکراویؒ مئو ناتھ بھنجن تشریف لائے،آپ کے والد کی خواہش پر ایک سفارشی خط بھی عنایت فرمایا۔اس طرح آپ ۲۲ سال کی عمر میں ۱۹۵۲ء کو تنہا اکیلے کولکاتہ کے لئے عازم سفر ہوئے۔

مولانا کو اس تاریخی جامع مسجد میں امامت وخطابت کے میدان میں اپنی خوابیدہ صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کا سنہرا موقع ملا آپ ۱۹۵۲ء سے ۱۹۶۲ء تک پورے دس سال مسجد کے امام وخطیب ،مفتی ومدرس اور دارالہدیٰ لائبریری کے ناظم رہے۔اس قدیم لائبریری کی آپ نے ترتیب ونشاۃ ثانیہ فرمائی۔فارغ اوقات میں آپ نے جامعہ علی گڑھ سے .B.A اور ڈپلومہ ان لائبریری سائنس بھی کیا اس کے علاوہ ماسٹر سعیدالرحمن کلرک اسلامیہ ہائی اسکول، ماسٹر مختار احمد صاحب سے زبان انگریزی سیکھی، یہی وجہ ہے کہ بعض حضرات نے آپ کو کورٹ کے وکیل کے ساتھ انگریزی زبان میں گفتگو کرتے ہوئے دیکھا،

کلکتہ میں ہمارے مولانا منبر ومحراب سے منسلک ہونے کے باوجود خود کو مسجد کی چہار دیواری میں محدود نہ رکھا۔ بلکہ شہر کی علمی وادبی، سیاسی وسماجی، ملی وجماعتی شخصیات سے رابطہ بھی رکھا۔

شاہ سعود کے جلسہ استقبالیہ میں شرکت:

مولانا موصوف تحریر فرماتے ہیں: ''میری زندگی کا سب سے یادگار لمحہ وہ ہے کہ جب مملکت سعودیہ عربیہ کے فرمانروا جلالۃ الملک سعود بن عبدالعزیز رحمہ اللہ ۱۹۵۵ء میں اپنے تاریخی دورہ پر ہندوستان تشریف لائے۔ اس وقت کے مرکزی جمعیت اہل حدیث کے صدر مولانا عبدالوہاب آرویؒ نے ملک سعود کے استقبال کے لئے دہلی کے لال قلعہ کے دیوان خاص میں ایک بڑا جلسہ منعقد کیا، میں ان دنوں کلکتہ میں موجود تھا۔ حضرت مولانا آروی صاحب نے بطور خاص اس تقریب کی کامیابی کے لئے جدوجہد کرنے کی مجھے تاکید فرمائی۔ اور میں نے کلکتہ کے امرائے اہل حدیث کے ایک بڑے وفد کے ساتھ لال قلعہ کے استقبالیہ جلسہ میں شرکت کی، بلاشبہ میرے نزدیک یہ ایک ناقابل فراموش جماعتی خدمت ہے اور یہیں سے میری جماعتی زندگی کا آغاز ہوا۔ جو اب تک قائم ودائم ہے''۔ (مجلہ البلاغ ماہ مئی ۱۹۹۷ء)

کلکتہ کی تجارتی زندگی:

فراغت کے بعد ہی سے آپ کا رجحان تجارت کی طرف مائل تھا۔ کلکتہ قیام کے دوران آپ نے '' مکتبہ توحید'' کے نام سے ایک بک ڈپو کی بنیاد ڈالی۔ ان دنوں مولانا صادق سیالکوٹی کی کتابیں ہندوستان بھر میں کافی مقبول تھیں۔ موصوف سے مولانا کے اچھے مراسم تھے۔ اپنی تمام مطبوعات کے علاوہ دیگر مشہور کتب بھی وہ آپ کے پاس بھیجا کرتے تھے۔ آپ کے قائم کردہ مکتبہ توحید کو بڑی ترقی نصیب ہوئی اور یہ آپ کے مادی ترقی کا ذریعہ بھی بن گیا۔

کلکتہ میں صحافت سے وابستگی:

مولانا ندوی نے قیام کلکتہ کے دوران اردو روزنامہ '' آزاد ہند'' میں ہر جمعہ کو'' دید وشنید'' کے نام سے ایک مزاحیہ کالم لکھنے کا سلسلہ شروع فرمایا۔ اس میں آپ نے اپنا قلمی نام علامہ حجازی اختیار فرمایا تھا۔

اسی طرح آپ جمعیت اہل حدیث کے آرگن ''مجلہ اہل حدیث'' کے کئی سالوں تک معاون مدیر اور مستقل کالم نگار رہے۔

میدان صحافت میں قدم رکھنے کے بعد آپ نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا آپ نے جنوری ۱۹۸۹ء میں جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں سے ماہنامہ مجلہ ''صوت الحق اور ۳۰ اگست ۱۹۹۰ء میں ماہنامہ البلاغ ممبئی جاری کر کے دینی صحافت کو ایک نیا رخ دیا اور مولانا ابوالکلام آزاد کے البلاغ کی یاد تازہ کردی۔ آپ ایک بہترین مصنف اور کئی کتابوں کے مترجم بھی تھے۔

ممبئی آمد اور جامع مسجد اہل حدیث مومن پورہ میں خدمات:

مولانا ممدوح کلکتہ میں دس سالہ قیام کے دوران جماعتی وملی سرگرمیوں میں مصروف تھے کہ اچانک ۱۹۶۲ء میں ہندوستان کی مشرقی سرحد پر چین نے حملہ کر دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے ہندوستان کے کچھ حصہ پر قبضہ کرلیا۔ پورے ملک پر اس کا بڑا اثر پڑا۔

کلکتہ جیسے عظیم تجارتی شہر میں بڑی بدامنی اورانارکی پھیل گئی لاکھوں آدمی شہر چھوڑ کر چلے گئے۔اورتقریباً پوراشہر خالی ہوگیا۔ان نازک حالات میں آپ بھی وطن مئوناتھ بھنجن واپس لوٹ گئے۔

کلکتہ سے واپسی کے معاًبعد مولانا عبدالجبار صاحب شکراوی کی کوشش ومشورہ سے آپ جامع مسجد اہل حدیث مومن پورہ ممبئی میں امامت وخطابت کے منصب جلیلہ پر فائز ہوئے۔اہالیان ممبئی (مہاراشٹر) کے لئے آپ کی آمدفال نیک ثابت ہوئی۔

بیت المال کا قیام:

یہاں مولانا موصوف نے اپنے خطبات وتقاریر میں بیت المال کے قیام کی ترغیب دلائی اوراس کی افادیت کوواضح کیا اخوان جماعت کے تعاون سے بیت المال کا قیام عمل میں آیا اس سے ممبئی کے مسلمانوں کی معاشی وسماجی اصلاح کا کام شروع ہوگیا۔ مختصر مدت میں جمعیت اہل حدیث ممبئی کی رفاہی خدمات کا شہرہ ہوگیا۔

جمعیت اہل حدیث ممبئی عظمیٰ کی تشکیل:

میرے ممدوح جمعیت اہل حدیث کے ایک سرگرم ومتحرک کارکن تھے۔اور جمعیت کی ترقی کے خواہش مند لہٰذا آپ نے مسلک اہل حدیث کی تبلیغ واشاعت کے لئے ہفتہ واری ماہانہ سالانہ اجلاس واجتماعات کا سلسلہ شروع فرمادیا۔جس میں ملک کے مشہور ومعروف علمائے کرام شرکت فرماتے ان کے خطابات سے عوام میں دینی وعملی بیداری کی ایک لہر پیدا ہوگئی،اورضرورت محسوس کی گئی کہ جمعیت اہل حدیث ممبئی عظمیٰ کومنظم کیا جائے چنانچہ ۱۶رستمبر ۱۹۶۳ء کوجامع مسجد مومن پورہ میں جمعیت کا ایک اہم اجلاس زیرصدارت مولانا عبدالحکیم شرف الدین منعقد ہوا۔جس میں جمعیت اہل حدیث ممبئی عظمی کی تشکیل اوراس کے رجسٹریشن کا فیصلہ کیا گیا۔اس کا دفتر مولانا آزادروڈ،مومن پورہ میں قائم ہوا۔

حضرت مولانا مختاراحمد ندویؒ کی قیادت میں جمعیت اہل حدیث ممبئی کا یہ کارواں بڑی تیزی وسرعت سے دعوت وتبلیغ کے ساتھ تعلیمی میدان میں رواں دواں رہا۔ ہرصبح ایک نئے منصوبے کا پیغام لے کرنمودار ہوتی تھی۔جمعیت اہل حدیث عظمیٰ کی فعالیت اوراس کی زبردست کارکردگی کودیکھ کر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند دہلی نے جمعیت اہل حدیث ممبئی عظمی کوصوبائی حیثیت دینے کا فیصلہ کیا۔اور ۱۹۷۲ء کے آغاز میں باضابطہ انتخابی کارروائی عمل میں آئی جس کے صدر مولانا مختاراحمد ندویؒ منتخب ہوئے۔

حج بیت اللہ اورحرم مکی میں دروس:

۱۹۴۶ء میں آپ جامع مسجد اہل حدیث مومن پورہ ممبئی میں امامت وخطابت کے فرائض انجام دے رہے تھے کہ خوش قسمتی سے دوحہ قطر سے شیخ مبارک بن سیف الناخی بغرض علاج ممبئی تشریف لائے انہیں شرف الدین الکتبی والوں نے ہمارے مولانا ممدوح کے متعلق بتایا توموصوف جامع مسجد اہل حدیث مومن پورہ تشریف لائے اورملاقات کی،اسی سال براہ دوحہ قطرحج کرنے کی دعوت دی۔آپ نے پہلی بار بحری جہاز سے حج کا سفرشروع کیااور یہ آپ کا بیرون ملک کا پہلا سفرتھا۔عربی کتب کے چند نسخے برائے ہدیہ ساتھ میں رکھے، پہلے دوحہ قطر پہنچے، بندرگاہ پرشیخ مبارک بن سیف الناخی نے پرتپاک استقبال کیا،دوسرے دن حاکم قطرشیخ علی بن عبداللہ آل ثانی کے محل لے گئے،آپ

کا تعارف کروایا۔ کسی عرب حکمراں سے آپ کی یہ پہلی ملاقات تھی، حاکم قطر نے آپ کو اپنے مہمان خانے میں قیام کرنے کی عزت بخشی، دوحہ قطر کے دوران آپ کی ملاقات چند ممتاز و بااثر علمائے کرام سے ہوئی جن میں قابل ذکر نام یہ ہیں۔ الشیخ عبداللہ بن زید المحمود رئیس المحاکم الشرعیہ دوحہ قطر، شیخ احمد بن حجر قاضی قطر، علامہ شیخ ابراہیم الانصاری، شیخ عبدالبدیع الصقر رئیس مکتبہ دوحہ قطر۔

چند دن کے بعد خشکی کے راستے آپ مکہ پہنچے، عمرے سے فراغت کے بعد خوش نصیبی سے آپ نے اپنے قدیم و مخلص بزرگ مولانا عبداللہ لکھنوی صاحب کو دور سے مقام ابراہیم کے پاس ایک کرسی پر تقریر کرتے ہوئے دیکھ لیا اور قریب جا کر ان کے درس میں بیٹھ گئے، مولانا موصوف نے آپ کو دیکھتے ہی گلے لگا لیا اور کہا بیٹا! کل سے یہ کرسی تمہارے لئے وقف رہے گی۔ اب تو میں بوڑھا ہو گیا ہوں اب تم ہی لوگوں کو یہ منصب سنبھالنا چاہیے۔ ابھی چند دن ہی آپ نے اس کرسی پر درس دیا تھا کہ ادارۃ الحرمین کی طرف سے رکن یمانی کے پاس آپ کے لئے کرسی لگا دی گئی، پھر آپ کو شاہی مہمان اور مدرس حرم مکی کی حیثیت دی گئی، آپ دس سال تک موسم حج میں دروس دیتے رہے۔

پھر جب یکم محرم ۱۹۸۰ء میں جہیمانی ٹولے کے مفسدین نے حرم پاک میں ہنگامہ برپا کر دیا تو اس سال سے تمام غیر سعودیوں کے لئے یہ سلسلہ بند کر دیا گیا۔

آپ نے اپنی زندگی میں کتنے حج کئے قطعی طور پر بتایا نہیں جا سکتا البتہ ایک اندازہ کے مطابق آپ نے ۲۷ بار حج کئے تھے۔

مسجد جامع اہل حدیث مومن پورہ کی تعمیر جدید:

۱۹۶۲ء میں جب مولانا ندویؒ نے مسجد جامع اہل حدیث مومن پورہ ممبئی میں امامت وخطابت شروع کر دی۔ تو یہ مسجد مصلیوں کی کثرت سے تنگ دامانی کا شکار ہو گئی، مصلیوں کی دشواریوں کے پیش نظر ۱۹۶۹ء میں مولانا مختار احمد ندویؒ نے مسجد کی تعمیر جدید کروا دی، آپ ۱۹۶۲ء تا ۱۹۸۲ء مکمل بیس سال تک اس مسجد میں با تنخواہ امام وخطیب رہے۔ اس کے بعد اعزازی طور پر جامع مسجد بنگالی اہل حدیث مدن پورہ کو اپنا دعوتی مرکز بنایا اور آپ نے اس قدیم مسجد کو بھی تین منزلہ تعمیر کروایا۔

مولانا آزاد ہائی اسکول کا قیام:

مسجد جامع اہل حدیث مومن پورہ کی تعمیر مکمل ہونے کے بعد آپ نے ممبئی کی مسلم آبادی والے علاقہ مومن پورہ میں ایک ایسا اسکول قائم کرنے کی ضرورت محسوس کی جس میں نونہالان اسلام دین کی بنیادی تعلیم کے ساتھ عصری تعلیم حاصل کر سکیں۔ اس فکر کو لے کر آپ نے ۱۹۷۰ء میں تحریک چلائی اور جمعیت اہل حدیث ایجوکیشنل سوسائٹی قائم کی۔ سہ منزلہ اسکول کی تعمیر کے لئے ابوظہبی کے شاہ شیخ زائد بن سلطان النہیان نے مالی مدد فرمائی، عمارت مکمل ہونے کے بعد ۲۲ مئی ۱۹۷۶ء میں شیخ ثانی عبداللہ کے ہاتھوں بعد نماز عصر اس کا افتتاح ہوا۔ راقم الحروف بھی اس افتتاحی تقریب میں شریک رہا۔ اور پہلی مرتبہ حضرت مولانا مختار احمد ندویؒ سے ملاقات و دیدار کا شرف حاصل کیا۔

راقم الحروف کی زندگی کا ایک یادگار دن:

واقعہ یہ ہے کہ اسکول کی افتتاحی تقریب میں اور اسی رات جھولا میدان کے دعوتی اجتماع عام میں اکابرین علمائے اہل حدیث مولانا

شمس الحق شیخ الحدیث جامعہ سلفیہ بنارس، مولانا عبدالجبار شکراوی شیخ الحدیث دارالعلوم شکراوہ، مولانا داؤدراز دہلوی، مولانا عبدالاول بستوی، وغیرہم کی موجودگی میں خوب تصویر کشی ہوئی۔اس زمانہ میں تصویر کشی کی حرمت کے سبھی قائل تھے۔دوسرے دن صبح بوقت ۱۰ بجے تا نمازظہر آرٹس وسائنس کالج ممبئی کے آڈیٹوریم میں جب خصوصی اجلاس شروع ہوا تو تصویر کشی کو لے کر کافی ہنگامہ اور بحث شروع ہوگئی۔شرکاء اجلاس کے غم وغصہ کو دیکھ کر مذکورہ علمائے کرام اسٹیج پر بیٹھے،مہر بہ لب خاموش وحیران وپریشان تھے،اسٹیج پر آنے والا ہر مقرر اکابر علماء سے یہی سوال کررہا تھا کہ آخر آپ حضرات نے تصویر کشی پر کیوں خاموشی اختیار کی؟ اور آپ ﷺ کے قول ’’من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ۔الی آخرالحدیث‘‘ پرعمل کیوں نہیں کیا؟ اس ختم نہ ہونے والی بحث کو صدر اجلاس کی اجازت سے اکابرین علما کے دفاع میں فی البدیہہ بیس منٹ ایسی پرجوش تقریر کی کہ سارے معترضین خاموش ہوگئے اور سب نے چپ سادہ لی۔

میری تقریر کے نکات یہ تھے اجلاس جمعیت اہل حدیث ممبئی عظمیٰ کے زیرنگرانی ہورہا تھا۔ناظم اجلاس مولانا مختار احمد ندوی تھے،اجلاس میں خلیجی ممالک کے سفراء وعلماء شریک تھے۔جن کے نزدیک کیمرہ سے تصویر کشی جائز ہے۔اجلاس ممبئی جیسے بین الاقوامی شہر میں ہورہا تھا۔اور یہ تمام علماء کرام جن کو مطعون کیا جارہا ہے اجلاس کے مہمان تھے۔کیا یہ علمائے قصوروار ہیں؟ کیا انہوں نے تصویر کشی کے جواز پر کوئی بیان یا فتوی دیا ہے کہ آپ حضرات نے اس کی تردید میں آسمان سر پر اٹھالیا ہے۔سابقہ مقررین کے نازیبا طرز تخاطب اور چند اعیان جماعت ونوجوان علماء کا جارحانہ بیان ان سب کی راقم نے جم کر مخالفت کی۔میری تقریر کیا ختم ہوئی کہ چاروں طرف سے صدائے تحسین بلند ہوئی۔اسٹیج پر تشریف فرما علمائے کرام میں شیخ الحدیث مولانا شمس الحق صاحبؒ اٹھ کھڑے ہوئے آپ نے مجھ کو اپنے سینے سے تادیر لگائے رکھا۔وفور جذبات میں آکر زاروقطار روتے ہوئے ڈھیر ساری دعاؤں سے نوازتے رہے۔اور سارا مجمع آپ کی دعا پر آمین کہہ رہا تھا۔شاید یہ دعا کی قبولیت کی گھڑی تھی، اس دن کے بعد راقم سے جو کچھ حقیر سی دینی خدمت ہوئی یا ہورہی ہے حسن ظن ہے شاید یہ سب اسی دعا کا نتیجہ ہے۔آمدم برسر مطلب۔

الدارالسّلفیہ کا قیام:

۱۹۷۰ء میں مولانا ندویؒ نے بڑی بے بضاعتی اور بے سروسامانی کے عالم میں اسلامی علوم ومعارف اور سلف صالحین کے علمی ورثے کی نشرواشاعت کے لئے اللہ پر توکل کرتے ہوئے ایک اشاعتی ادارہ بنام ’’الدارالسّلفیہ‘‘ قائم کیا۔جس کی افتتاحی تقریب میں شیخ احمد بن حجر قاضی قطر نے شرکت فرمائی۔یہ ادارہ مختلف مراحل ومقامات سے گزرتا ہوا۔ ۱۹۸۴ء کو سانکلی سٹریٹ ممبئی کی ایک شاندار عمارت میں منتقل ہوکر تحقیق وتہذیب نشرواشاعت کا مرکز بن گیا۔الدارالسّلفیہ نے اپنی شاندار کتابت وطباعت اور نفاست کی وجہ سے نہ صرف ہندوستان بلکہ عالم عرب کے مکتبات میں بھی اپنا ایک الگ انفرادی ونمایاں مقام بنالیا۔یہاں سے تفسیر، حدیث، سیرت، تاریخ اور مختلف موضوعات پر کئی سو کتابیں بڑے اہتمام کے ساتھ شائع ہوئیں۔ ۳۵ سے زائد اہم نادر قلمی عربی کتابیں نہایت تحقیق وتہذیب کے بعد طبع ہوئیں۔جو علوم اسلامی کی حفاظت کا ایک نمایاں کارنامہ تھا۔

محمدیہ ایجوکیشن سوسائٹی کا قیام:

۱۹۷۵ء میں آپ نے محمدیہ ایجوکیشن سوسائٹی کی بنیاد ڈالی،جس کے مقاصد اعلیٰ ومنفرد تھے،آپ چاہتے تھے کہ ایسے باصلاحیت

علماء تیار کریں جو عصر جدید کے چیلنجوں کا بھرپور مقابلہ کر سکیں، جو دینی وعصری علوم سے بہرہ ور ہوں، محمدیہ ایجوکیشن سوسائٹی کے قیام کے بعد اولین ثمرہ کی صورت میں جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں وجود میں آیا۔ مولانا ندویؒ نے اپنی حیات میں محمدیہ ایجوکیشن سوسائٹی اور محمدیہ ویلفیئر سوسائٹی کے زیر اہتمام مندرجہ ذیل ادارے قائم فرمائے۔

(۱) جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں (اقامتی درسگاہ) (۲) کلیہ عائشہ صدیقہ مالیگاؤں (اقامتی درسگاہ) (۳) محمدیہ طبیہ کالج مالیگاؤں (اقامتی درسگاہ) (۴) بدرالسائر اسپتال مالیگاؤں (۵) مدرسہ محمدیہ للبنات آکوٹ مہاراشٹر (۶) محمدیہ ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ ممبئی (۷) کلیہ فاطمۃ الزہرا الاسلامیہ للبنات مئو (۸) عالیہ جنرل ہاسپٹل مئو، عالیہ گرلس ہائی اسکول مئو (۹) مدرسہ محمدیہ للبنین والبنات جھانڈا ہریانہ (۱۰) مدرسہ محمدیہ بھوپال (۱۱) مدرسہ محمدیہ رائے گڑھ کوکن (۱۲) مدرسہ محمدیہ اورنگ آباد (۱۳) مدرسہ محمدیہ دھولیا مہاراشٹر (۱۴) مدرسہ گوونڈی (۱۵) مدرسہ محمدیہ ماہم ممبئی (۱۶) جامعہ محمدیہ منصورہ بنگلور (۱۷) کلیہ عائشہ صدیقہ منصورہ بنگلور۔ مذکورہ ادارے ایسے ہیں جن کی تفصیلات بیان کرنے کیلئے بیسوں صفحات درکار ہیں اس کتاب میں اتنی گنجائش کہاں؟ اس لئے موخرالذکر دوادارے چونکہ جنوبی ہند کے مشہور بین الاقوامی شہر بنگلور میں قائم ہیں بنابریں ان کے متعلق تفصیلی معلومات درج ذیل ہیں۔

بنگلور جنوبی ہند کی ریاست کرناٹک کا ایک ترقی یافتہ خوبصورت شہر ہے جو اپنی مادی وٹکنالوجی ترقی کی وجہ سے پورے ہندوستان میں مشہور ومعروف ہے۔ یہاں عصری علوم کی ترقی اور اقتصادی خوشحالی کے باوجود کوئی قابل ذکر دینی ادارہ نہیں تھا۔ جو اپنے فارغین کو حالات کے مطابق دینی وعصری دونوں علوم سے بہرہ ور کر سکے۔ اس لئے مولانا ندویؒ نے دینی وعصری علوم کے حسین امتزاج کے ساتھ ایک دینی ادارہ قائم کرنے کا عزم کرلیا۔

انہی ایام میں غالباً ۱۹۸۸ء کے اواخر میں مولانا خلیل الرحمن عمری مدنیؒ نے بنرگٹہ روڈ پر شہر بنگلور میں مخصوص محسنین کے تعاون سے بنی بنائی عمارت خرید کر ایک دینی اقامتی درسگاہ بنام ''المدرسۃ الاسلامیہ'' بنگلور قائم کیا تھا۔ (اسی جگہ آج مسجد سلفیہ بنی ہے) جس کے تاسیسی اراکین میں راقم الحروف کے علاوہ الحاج آر عبدالجلیل صاحب بنگلوری، الحاج سید عبدالحفیظ صاحب بلہاری، مولانا رؤف احمد صاحب مدراسی وغیرہ تھے۔

مدرسہ کے قائم ہوئے سال ڈیڑھ سال کا عرصہ ہوا تھا کہ حسن اتفاق مولانا مختار احمد صاحب ندویؒ جناب عبدالرقیب بن آر عبدالجلیل صاحب سے اپنی لڑکی کے رشتہ کے متعلق شہر بنگلور تشریف لائے، مولانا کی آمد کی مناسبت سے راقم الحروف کو بھی بنگلور مدعو کیا گیا۔

جناب آر عبدالجلیل صاحب کے مکان پر ناشتہ سے فارغ ہونے کے بعد مولانا خلیل الرحمن صاحب مدنی نے مولانا ندویؒ کو اپنے ادارہ کی زیارت کی دعوت دی، مولانا موصوف نے مذکورہ بالا اراکین تاسیسی کے ساتھ ''المدرسۃ الاسلامیہ'' بنگلور کا معائنہ فرمایا۔ معائنہ کے دوران مولانا خلیل الرحمن عمری مدنی نے ایک تجویز پیش کی کہ اس ادارہ کو مولانا ندوی صاحب اپنے اشراف میں لے کر محمدیہ ایجوکیشن سوسائٹی ممبئی کی شاخ بنالیں۔ چونکہ نماز ظہر کا وقت قریب تھا۔ اس تجویز پر مولانا نے فرمایا کہ بعد نماز ظہر وظہرانہ حاجی عبدالجلیل صاحب کے مکان پر تفصیلی گفتگو ہوگی۔

ظہرانہ کے بعد مذکورہ بالا تجویز پیش کی گئی تو مولانا ندویؒ نے اس پر معذرت کرتے ہوئے فرمایا کہ سردست ان کا اپنا تعلیمی شعبہ اتنا وسیع ہوگیا ہے کہ فی الفور مزید کسی ادارے کے قیام کا منصوبہ نہیں بنایا جاسکتا۔ مولانا خلیل الرحمن عمری مدنی اور الحاج آر عبدالجلیل صاحب کے بار بار کے اصرار پر مولانا ندویؒ نے چند تحفظات وشرائط کے ساتھ شہر بنگلور میں ایک ادارہ کے قیام پر اپنی رضامندی ظاہر فرمائی۔

شرائط:

(الف) مدرسہ کا نام جامعہ محمدیہ ہوگا۔ (ب) یہ ادارہ محمدیہ ایجوکیشن سوسائٹی ممبئی کی شاخ ہوگا۔ (ج) شہر میں ایک وسیع زمین خریدنے اور اس پر تعمیرات کی ذمہ داری سوسائٹی کی ہوگی۔ (د) اساتذہ کی تنخواہ، طلبہ کے خرد ونوش ودیگر تمام تر داخلی اخراجات کے ذمہ دار مشورہ میں موجود اراکین ہوں گے۔ طرفین کی طرف سے معاہدہ کے بعد مولانا ممدوح نے محمدیہ ایجوکیشن سوسائٹی ممبئی کی جانب سے تقریباً پانچ ایکڑ زمین خرید کر اس کی رجسٹری مولانا خلیل الرحمن صاحب عمری مدنی کے والد کے نام کروائی، چونکہ جامعہ کے لئے خرید کردہ زمین زرعی تھی اور یہ زمین کاشتکار کے نام ہی رجسٹر ہوسکتی تھی اور مولانا خلیل الرحمن صاحب مدنی کے والد کاشتکار تھے۔ آگے چل کر پھر یہ زمین جامعہ محمدیہ بنگلور کے نام رجسٹر کروائی گئی۔ حق بہ حق دار رسید۔

جامعہ محمدیہ بنگلور کا قیام اور اس کا پس منظر:

۱۹۸۹ء میں جامعہ محمدیہ بنگلور کی تاسیس عمل میں آئی تو مدرسہ اسلامیہ کو اس میں ضم کردیا گیا، جامعہ محمدیہ بنگلور، جامعہ محمدیہ مالیگاؤں کی شاخ بنا کر دینی وعصری تعلیم کا مشترکہ نصاب تعلیم جاری کیا گیا۔ مولانا ندویؒ نے اپنا وعدہ نبھایا اور شہر بنگلور کے دونوں حضرات مولانا خلیل الرحمن عمری مدنی اور الحاج آر عبدالجلیل صاحب اپنا وعدہ اور ذمہ داری نبھاتے رہے۔ اول الذکر محترم سکریٹری جامعہ اور ثانی الذکر خازن جامعہ، مولانا رؤف احمد عمری مدراس صدر جامعہ اور راقم الحروف خادم جامعہ کی حیثیت سے معاون رہا۔ مولانا ندویؒ کی سرپرستی میں مولانا خلیل الرحمن صاحب مدنی کی شبانہ روز کی دوڑ دھوپ سے جامعہ بحسن وخوبی چلتا رہا۔ سکریٹری جامعہ بنگلور کی جمعیات 'جمعیۃ القریش' جمعیۃ دکنی صاحبان، جمعیت لبابین صاحبان اور ریاست کرناٹک کے محسنین جماعت کے مالی تعاون سے اخراجات پورے کرتے رہے۔ اس درمیان کچھ ایسے ناگفتہ بہ حالات پیش آئے کہ مولانا خلیل الرحمن مدنی نے جامعہ کی نظامت اور دیگر ذمہ داریوں سے استعفیٰ دے دیا۔

اراکین جامعہ نے راقم الحروف کے توسط سے بڑی کوشش کی کہ آپ دوبارہ اپنی ذمہ داریوں کو سنبھال لیں اس سلسلہ میں مولانا ندویؒ نے بھی دو مرتبہ بنگلور کا سفر کیا لیکن مولانا خلیل الرحمن مدنی نے دوبارہ سابقہ عہدہ قبول کرنے سے معذرت کرلی۔ آپ کے بعد مولانا احمد اللہ صاحب قریشی مدنی حفظہ اللہ نے بحیثیت ناظم جامعہ کی اچھی خدمت کی۔ راقم الحروف نے تقریباً چار سال بحیثیت سکریٹری اور چند ماہ ناظم جامعہ کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔

راقم الحروف کے بعد مولانا شفیق احمد صاحب مدنی بنگلوری نے نظامت کی ذمہ داری احسن طریقہ سے نبھائی۔ ان دنوں یعنی سال ۲۰۱۸ء میں شیخ الجامعہ مولانا خالد مشرف عمری بن الحاج آر عبدالجلیل صاحب ہیں۔ **فجزاهم الله خيرا۔**

جامعہ محمدیہ وکلیہ عائشہ بنگلور سے ۲۰۱۷ء تک ۲۵ سالہ مدت میں بے شمار طلبہ فارغ ہوکر میدان عمل میں تعلیمی ودعوتی خدمات انجام دے رہے ہیں۔جن کی مجموعی تعداد ۱۹۹۲ تک پہنچتی ہے۔اب تک ہر شعبہ میں فارغین کی تعداد حسب ذیل ہے۔

تعداد فارغین شعبہ حفظ: ۴۶ طلبہ

تعداد فارغین ثانویہ: ۶۹۴ طلبہ

تعداد فارغین عالمیت: ۵۲۸ طلبہ

تعداد فارغین فضیلت: ۱۱۸ طلبہ

تعداد فارغین (یس یس ایل سی): ۶۰۶ طلبہ

مجموعی تعداد فارغین طلبہ: ۱۹۹۲ طلبہ۔اللھم زد فزد۔

ادارۃ اصلاح المساجد ممبئی:

مولانا ندویؒ نے ہندوستان کے طول وعرض میں مساجد کی تعمیر کا ایک جامع منصوبہ بنایا،اسی کے پیش نظر ۱۹۸۰ء میں اپنے محسنین ومعاونین کے تعاون سے ''ادارۃ اصلاح المساجد'' کی بنیاد رکھی۔

میری اپنی دانست کے مطابق آپ نے ادارۃ المساجد سے جس پہلی مسجد کی تجدید کروائی وہ ''مسجد عثمانیہ پورمودے'' منگلور ائرپورٹ (کرناٹک) سے قریب واقع ہے۔چند ہی سال کی مختصر مدت میں آپ نے اس ادارہ کی جانب سے تقریباً چار سو مساجد کی تعمیر وتجدید کروائی۔جن میں ۳۵ مساجد کرناٹک میں ۶۰ آندھرا پردیش، ۳۰ ٹامل ناڈو، ۱۳ کیرلا میں تعمیر ہوئیں۔

مولانا رؤف احمد عمری مدراس جو مولانا کے تعمیری سفر میں شانہ بشانہ رہے وہ بیان کرتے ہیں کہ ''تعمیری کاموں کا معائنہ کرنے کے لئے اکثر مقامات پر مولانا بذات خود تشریف لے جاتے تھے۔بعض مقامات کا سفر اس قدر تکلیف دہ ہوتا تھا کہ مولانا کو واپس ہونے اور سنبھلنے میں ایک ہفتہ لگ جاتا تھا۔اس کے باوجود آپ نے مساجد کی تعمیر میں ذرہ برابر بے توجہی نہیں فرمائی''۔

جماعتی خدمات:

مولانا ندویؒ میں جماعت وجمعیت کی خدمت کا جذبہ بچپن ہی سے موجزن تھا۔پھر میدان عمل میں داخل ہوئے تو اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ جماعت وجمعیت کے لئے وقف کردیا۔گزشتہ سطور میں فارغین نے آپ کی کلکتہ اور ممبئی کی جماعتی سرگرمیوں کو پڑھ لیا ہے کہ جماعت اہل حدیث کی نیک نامی اوراس کی سربلندی کے لئے آپ نے کیا کچھ کاوشیں اور کوششیں کی تھیں،مولانا ندویؒ کی عمر ۲۲ سال کی تھی کہ ۱۹۵۲ء میں حضرت مولانا عبدالوہاب صاحب آرویؒ صدر آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس دہلی نے اہل حدیث کانفرنس کی مجلس عاملہ کا باضابطہ رکن نامزد فرمایا۔

۱۹۷۳ء میں آپ صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی عظمیٰ کے صدر منتخب ہوئے۔۱۹۷۹ء تا ۱۹۸۹ء مستقل دس سالہ مدت تک مولانا عبدالوحید سلفی امیر جمعیت اہل حدیث ہند کے ساتھ نائب امیر بن کر جمعیت اہل حدیث کی خدمت کرتے رہے۔

اس دوران جمعیت اہل حدیث ہند کے لئے آپ کے بہت سے کارناموں میں ایک عظیم کارنامہ ۱۹۸۱ء میں مولانا عبدالوحید صاحب سلفی کے ساتھ مل کر اہل حدیث منزل کی خریداری ہے۔ ۱۹۸۹ء میں مولانا عبدالوحید صاحب سلفی امیر جمعیت کی وفات کے بعد دوسالہ مدت کے لئے ۱۹۹۱ء تک آپ قائم مقام امیر منتخب ہوئے۔

۱۹۹۲ء تا ۱۹۹۵ء آپ امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند منتخب ہوئے آپ کے اس دور امارت میں راقم الحروف مجلس عاملہ مرکزی جمعیت اہل حدیث کا رکن منتخب ہوا۔ امیر محترم اپنی اس دوسری میعاد میں جماعتی کاموں کو وسعت دینے کے لئے ملک کو چار حصوں میں تقسیم کیا اور ہر ایک علاقہ کے لئے نائب ناظم مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند نامزد فرمایا، احقر کو مولانا محترم نے نائب ناظم مرکزی جمعیت اہل حدیث نامزد فرمایا۔ راقم کے اسی دور نظامت میں ''جنوبی ہند اہل حدیث کانفرنس ہسور'' منعقد ہوئی جس کی تفصیلی رپورٹ اس کتاب کے باب جماعتی کانفرنسیں اور اجتماعات میں ملاحظہ فرمائیں۔

۳۰ اگست ۱۹۹۵ء کو مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند دہلی کا انتخابی اجلاس بمقام بچوں کے گھر منعقد ہوا جس میں آپ کو تیسری مرتبہ امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند منتخب کیا گیا۔ اور راقم نائب ناظم مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند منتخب ہوا۔

غالباً ۱۹۹۷ء میں مولانا ندویؒ بعض وجوہات کی بناء پر مرکزی جمعیت ہند کی امارت سے مستعفی ہو گئے۔ اگرچہ کہ آپ جماعتی عہدوں سے مستعفی ہو گئے۔ لیکن جماعت وجمعیت سے تاحیات وابستہ رہے۔

آپ نے اپنے دور امارت میں جماعت اہل حدیث ہند کو فعال ومتحرک بنا دیا تھا۔ یہ جمعیت اہل حدیث ہند کا سنہری دور تھا۔ آپ نے پورے ملک بالخصوص جنوبی ہند کے کافی دعوتی دورے فرمائے، اسی دوران راقم کو آپ کی رفاقت وصحبت سے استفادہ کے خوب مواقع حاصل ہوئے۔

مولانا کی جماعتی خدمات پر مولانا حافظ حفیظ الرحمن اعظمی عمری مدنی حفظہ اللہ کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

''ملک کی ہر تعمیری، تنظیمی اور اصلاحی تحریک میں مولانا کی شخصیت نمایاں اور اثر انداز رہی۔ جمعیت وجماعت اہل حدیث کے لئے آپ کا ایک ایک سانس وقف تھا۔ اس کی نیک نامی اور سربلندی کے لئے آپ کی تگ ودو اور کاوشوں کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ اہل حدیث کی کوئی میٹنگ یا اجلاس ملک کے کسی بھی کونے میں ہو، آپ کی طبیعت کیسی بھی ہو، مصروفیت کچھ بھی ہوتی، ہوا کے دوش پر سر کے بل پہنچ جاتے جنوبی ہند کے چھوٹے چھوٹے دشوار گزار دیہاتوں میں بھی سوز وگداز میں ڈوبے ہوئے آپ کے مواعظ حسنہ اور پند ونصائح کی گونج آج بھی بلند ہوگی۔ (مولانا مختار احمد ندوی حیات وخدمات ص ۴۱۷)

اخلاق وعادات:

مولانا مختار احمد صاحب ندویؒ کے ساتھ راقم الحروف کو ۱۹۹۲ء تا ۲۰۰۲ء تقریباً دس سال تک سفر وحضر میں رفاقت ومعیت کا شرف حاصل رہا۔ آپ اخلاق حمیدہ واوصاف جمیلہ کے حامل تھے۔ حسن صورت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حسن سیرت سے بھی نوازا تھا۔ آپ باوقار سنجیدہ اور خوشگوار گفتگو فرماتے، خوش طبع، ظریف اور نہایت خیر خواہ، وہمدرد انسان تھے اپنے تمام فرائض وواجبات کے پابند بلاناغہ قرآن مجید کی تلاوت ہر دن کیا کرتے تھے سفر وحضر میں قیام اللیل کا بھی اہتمام فرماتے، جہد مسلسل کے خوگر، سہل

پسندی وآرام طلبی سے کوسوں دوراور اس سے متنفر تھے، وقت کے بڑے قدرداں اور مردم شناس تھے، آپ کو صلاحیت کے ساتھ صالحیت کا بھی وافر حصہ نصیب ہوا تھا۔تواضع خاکساری آپ کے مزاج کا حصہ تھی۔آپ کو اکثر یہ دعا پڑھتے ہوئے میرے کانوں نے سنا"اللھم اجعل فی عینی صغیرا وفی اعین الناس کبیرا"(اے اللہ مجھے اپنی نگاہ میں چھوٹا اور لوگوں کی نگاہ میں بڑا بنادے۔)

اپنی اولاد پر مشفق اوران کے اچھے مربی تھے، سب کی دینی تربیت کی اوران کو عالم وفاضل بنایا، اپنی تمام بیٹیوں کی شادی دیندار اہل حدیث گھرانوں میں کی، آپ کی ذات میں بہت سی خوبیاں تھیں میں آپ کی کن کن خوبیوں کو گنا تا جاؤں۔ الغرض مولانا ایک باہمت دور بین وحوصلہ مند انسان تھے۔

وفات:

اللہ تعالیٰ نے ہمارے ممدوح کو قابل رشک صحت وتندرستی سے نوازا تھا۔ پھر عمر رفتہ کے مطابق اعضاء وقویٰ میں اضمحلال پیدا ہونا شروع ہوگیا۔شوگر اور دل کا مرض لاحق ہوگیا۔گھٹیا کا درد بھی اکثر اٹھتا تھا۔ پہلے قوت حافظہ متاثر ہوا پھر بصارت کمزور ہوگئی باوجود اس کے اپنے روزمرہ کے عام کام خود کرنے کی کوشش فرماتے۔مولانا رحمہ اللہ نے اپنی زندگی ہی میں وصیت نامہ تحریر کردیا تھا۔اور جس کو دینا تھا دے دیا اور سب کو معاف کردیا۔وفات سے چار دن پہلے ڈاکٹروں نے رپورٹ دی کہ آپ کے دماغ کی نس متاثر ہوگئی ہے۔ اور یہ جانکاہ خبر سنائی کہ اب آپ کی زندگی کے دن کم ہی رہ گئے ہیں۔پھر وہ وقت موعود آپہنچا کہ اتوار کی شام ۲۵ رشعبان ۱۴۲۸ھ مطابق ۹ رستمبر ۲۰۰۷ء کو ۷۷ سال مکمل ہوگئے تھے کہ اپنے رب حقیقی کے ہاں جا پہنچے۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔

دوسرے دن ۱۰ رستمبر ۲۰۰۷ء نماز ظہر کے بعد سانتا کروز جوہو گارڈن قبرستان میں مدفون ہوئے"نماز جنازہ آپ کے سمدھی مولانا حافظ سلیمان صاحب میرٹھی حفظہ اللہ نے پڑھائی جنازہ میں ہر مکتب فکر کے علماء، داعیان اور عوام الناس نے اس کثرت سے شرکت کی کہ سانتا کروز کے تمام روڈ جام ہوگئے اور پولیس کو حفاظتی انتظام کرنے پڑے اور اخبارات نے لکھا کہ یہ ایک عالمی شخصیت کا تاریخ ساز جنازہ تھا۔

پسماندگان:

آپ کے پسماندگان میں آپ کی اہلیہ اسماء خاتون کے علاوہ تین بیٹے اسلم مختار، اکرم مختار، ارشد مختار۔اور چھ بیٹیاں قدوسیہ، فوزیہ، صدیقہ، عائشہ، اورزبیدہ ہیں، سب صاحب اولاد ہیں اور خوشگوار زندگی گزار رہے ہیں۔سب بیٹے بیٹیاں دینی تعلیم سے آراستہ ہیں یہ سب مولانا کے لئے"ولد صالح یدعولہ" کی سچی تعبیر اور صدقہ جاریہ ہوں گے اور آپ کی جملہ دینی ودعوتی، تصنیفی وتالیفی، تعلیمی وتربیتی خدمات صدقہ جاریہ بنیں گی۔ان شاء اللہ۔

اللہ تعالیٰ آپ کی بشری لغزشوں کو معاف فرمائے اور جملہ دینی خدمات کو قبول فرمائے اور یوم قیامت آپ کے میزان حسنات میں شامل فرمائے۔آمین۔

ملاحظہ: مولانا مختار احمد ندویؒ کی سوانح کا اکثر حصہ کتاب "مولانا مختار احمد ندوی حیات وخدمات" مؤلف مولانا ضیاالحسن محمد سلفی سے ماخوذ ہے۔

عرب علماء و محسنین سے تعلقات:

سعودی عرب: شیخ عبدالعزیز بن باز، شیخ محمد بن صالح العثیمین، ڈاکٹر صالح الفوزان، شیخ عبدالعزیز آل الشیخ مفتی عام سعودی عربیہ، شیخ ناصر العبودی، ڈاکٹر عبداللہ بن عبدالمحسن الترکی، حرمین شریفین کے ائمہ، سعودی جامعات کے اساتذہ وغیرہ۔

کویت: بدر عبداللہ البدر، شیخ عبداللہ السبت، شیخ جاسم العون، شیخ طارق سامی سلطان العیسی، رئیس احیاء التراث الاسلامی، شیخ صالح علی الشائع وشائع خاندان۔

امارات: شیخ محمد علی بجاش، راشد بن سعد المکتوم، حاکم دبئی، حاکم شارجہ، حاکم عمان، حاکم رأس الخیمہ۔

مصر: ڈاکٹر جمیل غازی اور کئی دینی جمعیات کے رؤسا مشاہیر علماء و مشائخ کے بعض اسماء ہیں جن کو یہاں بطور نمونہ ذکر کیا گیا ہے علاوہ ازیں عالم عرب کے کونسلر و سفراء سے بھی آپ کے بڑے خوشگوار مراسم رہے۔

کئی تعلیمی و ملی اداروں و تنظیموں کے آپ رکن و سرپرست تھے۔ دنیا بھر کے کانفرنسوں میں آپ شریک رہے۔ جن میں قابل ذکر یہ ہیں: جامعۃ الملک عبدالعزیز کی تعلیمی کانفرنس مکہ مکرمہ، المؤتمر العالمی لتوجیہ الدعوۃ واعداد الدعاۃ، جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ، عالمی اسلامی کانفرنس کویت، سری لنکا، مرکز توعیۃ الجالیات بریدہ القصیم سعودی عرب، برطانیہ۔

(ماخوذ از: تاریخ اہل حدیث جنوبی ہند کے درخشاں پہلو صفحہ ۵۰۲)



مولانا محمد مسلم رحمانی رحمہ اللہ، مغربی بنگال

۱۹۱۳ء.......۲۰۰۹ء

محمد اسحاق بھٹی

ہندوستان کے ایک ممتاز عالم دین مولانا محمد مسلم رحمانی تھے جو مغربی بنگال کے موضع بیرنگر (مالدہ) کے رہنے والے تھے۔اس نواح کے مشہور سلفی خانوادے کے فرد تھے۔وہ جنوری ۱۹۱۳ء میں پیدا ہوئے۔والد کا نام عبدالعزیز تھا۔ابتدائی تعلیم اپنے مسکن بیرنگر کے سرکاری سکول میں حاصل کی۔اس کے بعد اردو اور فارسی کی کتابیں مدرسہ بحر العلوم کاربونہ (بنگال) کے اساتذہ سے پڑھیں۔ صرف ونحو فقہ اور منطق وغیرہ کے علاوہ عربی ادبیات متنبی تک اور حدیث کی بلوغ المرام اور مشکوۃ تک کتابیں مختلف فاضل اساتذہ سے پڑھنے کا شرف حاصل کیا۔

اس کے بعد دہلی آئے اور ۱۹۳۶ء میں دارالحدیث رحمانیہ میں داخلہ لیا۔وہاں چار سال کتب تفسیر وحدیث کی تحصیل کی۔۱۹۴۰ء میں سند فراغت لی۔دارالحدیث رحمانیہ میں ان کے مشہور اساتذہ میں مولانا عبیداللہ مبارکپوری رحمانی، مولانا احمد اللہ پرتاپ گڑھی دہلوی، مولانا نذیر احمد املوی رحمانی، مولانا اصحاب الدین پنجابی، مولانا عبدالسلام درانی، مولانا عبدالوہاب مالدہی اور مولانا عبدالرحیم کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں ہندوستانی بنگال کے مولانا محمد مسلم رحمانی آخری شخص تھے جنہوں نے حضرت میاں سید نذیر حسین دہلوی کے شاگرد مولانا احمد اللہ پرتاپ گڑھی دہلوی کے حضور زانوے شاگردی تہہ کیے۔

فارغ التحصیل ہونے کے بعد مولانا محمد مسلم رحمانی نے ستر سال صحیح بخاری کا درس دیا، جس کی تفصیل اس طرح ہے۔

(۱) شیر شاہی جامعہ فیضیہ حقانیہ میں آٹھ سال

(۲) جامعہ مظہر العلوم پٹنہ میں چالیس سال

(۳) جامعہ اصلاح المسلمین بھادو میں (مختلف ادوار میں) بائیس سال۔

اس طرح اس عالم ذی قدر نے پورے ستر سال صحیح بخاری کا درس دیا اور اس اثناء میں بے شمار علما وطلباء نے ان کے حلقہ درس میں شامل ہونے کی سعادت حاصل کی۔بہار، بنگال، جھارکھنڈ اور بنگلہ دیش میں ان کے لاتعداد شاگردوں اور شاگردوں کے شاگردوں نے علوم دینیہ کی ترویج کی، درس وتدریس کے ذریعہ بھی، تصنیف وتالیف کی صورت میں بھی اور وعظ وتقریر کی شکل میں بھی۔

مولانا محمد مسلم رحمانی زیادہ تر درس وتدریس میں مشغول رہے۔تاہم اس کے ساتھ ساتھ کسی حد تک تصنیفی خدمات بھی سرانجام دیتے رہے۔انہوں نے مندرجہ ذیل کتابیں تصنیف کیں۔

(۱)الاسلام دین معتدل یہ کتاب بنگلہ زبان میں ہے۔
(۲)صلوٰۃ الرسول یہ بھی بنگلہ زبان میں لکھی۔
(۳)تحفہ رمضان: یہ بھی بنگلہ زبان میں ہے۔

بنگال میں مولانا محمد مسلم رحمانی کی ان کتابوں نے بڑی شہرت پائی۔ بہت پڑھی گئیں اور لوگوں نے ان کے مندرجات سے بہت فائدہ اٹھایا۔

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی اٹھائیسویں کانفرنس ۱۳، ۱۴، ۱۵ مارچ ۲۰۰۴ (۲۱، ۲۲، ۲۳ محرم ۱۴۲۵ھ) کو پاکوڑ (جھارکھنڈ) میں منعقد ہوئی تھی۔ اس موقع پر مولانا محمد مسلم رحمانی کی تدریسی اور دعوتی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے انہیں ایوارڈ عطا کیا گیا تھا۔

مولانا محمد مسلم رحمانی نے ۹۶ سال کی عمر کو پہنچ کر ۳۱/ اکتوبر ۲۰۰۹ء کو رات کے دو بجے وفات پائی۔ ان کے جنازے میں ہزاروں لوگوں نے شرکت کی۔ انہوں نے اپنے پسماندگان میں چار بیٹے، چار بیٹیاں، ایک ۹۵ سالہ بیوی، بہت سے پوتے پوتیاں اور نواسے نواسیاں چھوڑے۔

(گلستان حدیث۔ ۳۹۶)



مولانا عزیز عمر سلفی مدیر ماہنامہ نوائے اسلام دہلی رقمطراز ہیں کہ:

''مولانا محمد مسلم رحمانی رحمہ اللہ ۱۹۴۳ء میں دہلی سے اپنے علاقہ میں واپس آئے تو دیکھا کہ جماعت اہل حدیث اور اس کے افراد کسمپرسی کی حالت میں زندگی گزار رہے ہیں۔ عقیدہ وعمل سے لوگوں کو کوئی لگاؤ نہیں، جدید رسم و رواج کے رسیا بن چکے ہیں۔ ان حالات کو دیکھ کر ان کی حمیت دینی بھڑک اٹھی اور ایک تنظیم بنام انجمن اصلاح المسلمین کی داغ بیل ڈالی اور ایک جامعہ کی بنیاد بھی رکھی۔ آہستہ آہستہ اس کی شعاعیں قریہ قریہ بستی بستی پھیلتی چلی گئیں جو آج بھی مکاتب ومدارس کی شکل میں موجود ہیں۔ آپ نے علاقہ میں بھرپور رفاہی خدمات بھی انجام دیئے جس سے لوگوں کے عقائد درست ہوئے۔ نکاح وطلاق کے معاملے سرکاری عدالتوں کے بجائے مدارس میں حل ہونے لگے، لوگ دین سے جڑنے لگے مولانا مرحوم نے ستر سال تک بخاری شریف کا درس دیا، میدان تدریس میں آپ کی خدمات ہمہ جہت اور بے مثال ہیں۔ درس وتدریس کے ماہر، راہ صداقت کے مجاہد مولانا محمد مسلم رحمانی کی تدفین سینکڑوں شاگردوں اور ایک جم غفیر کی موجودگی میں ہوئی، نماز جنازہ مولانا عبدالمتین سلفی چیئرمین توحید ایجوکیشنل ٹرسٹ کشن گنج بہار نے پڑھائی۔ پسماندگان میں چار بیٹے، چار بیٹیاں اور بیوہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ صبر جمیل عطا فرمائے''۔

(نوائے اسلام دہلی دسمبر ۲۰۰۹ء)

مولانا عبدالحق قاسمی رحمہ اللہ

یادیں اور ملاقاتیں

۱۹۳۵ء ۲۰۱۲ء

عبدالحکیم عبدالمعبود مدنی

عروس البلاد ممبئی میں منہج سلف کی نمائندگی کرنے والا مرد مجاہد، اصلاح عقیدہ وعمل کا داعی، پیری میں بھی جوانوں سے بڑھ کر دوڑنے بھاگنے والا ایک ہمدرد اور بزرگ عمر کی ۷۷ ر بہاریں دیکھ کر بتاریخ ۵ ر جولائی ۲۰۱۲ء بروز جمعرات مطابق ۱۴ ر شعبان ۱۴۳۳ھ رات کے آخری پہر ہم سے جدا ہوگئی۔ یہ بزرگ شخصیت جمعیت اہلحدیث ممبئی کی ایک فعال اور سرگرم عمل سابق امیر جمعیت مولانا عبدالحق قاسمی سلفی (رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ) کی ہے۔

قصہ مختصر یہ کہ ۱۵ ر جولائی کی صبح اچانک یہ اطلاع ملی کہ مولانا کا انتقال ہو چکا ہے اور بعد نماز ظہر جری مری قبرستان میں تدفین ہوگی، یہ خبر سن کر میری زبان سے انا للہ وانا الیہ راجعون نکلا اور دل میں یہ ملال پیدا ہوا کہ ابھی شام ڈھلے مولانا کی ناسازئ طبیعت کی خبر ملی تھی اور صبح اسپتال میں آپ کی زیارت وعیادت کے لئے جانا تھا مگر مشیت الٰہی کا فیصلہ اس سے پہلے ہی گویا عدم ملاقات کا مقدر ہو چکا تھا، اور اب صرف افسردگی وملال، حزن وغم اور رنج والم کے علاوہ کچھ ہاتھ نہ آیا اور یہ تو قضاء الٰہی ہے جسے تسلیم کرنا ایک سچے مومن کی پہچان ہے۔

بہر صورت مولانا کی تدفین میں شرکت کی غرض سے جامعہ رحمانیہ کے چند رفقاء کار مولانا ضمیر احمد مدنی، مولانا عبدالجبار سلفی، مولانا عبدالستار سراجی اور ساکی ناکہ کے مولانا جمیل احمد سلفی کیساتھ کرلا پہنچا وہاں سے مولانا کے گھر ہلاؤ پل کے لئے ابھی ہم لوگ راستے میں ہی پہنچے تھے کہ جنازہ کی آمد کی خبر ملی چنانچہ ہم قافلہ میں شریک ہو گئے اور یہ قافلہ غم واندوہ میں رواں دواں ایک جم غفیر کے ساتھ جری مری قبرستان پہنچا۔ اتفاق سے راستے میں کوکن بالخصوص ''روہا'' سے آئے ہوئے جماعت کے احباب نے مجھے اپنی گاڑی میں بٹھالیا اور مولانا کی وفات پر تھوڑے دیر میں تبادلہ خیال کرنے کے بعد ان بزرگوں نے بے ساختہ یہی کہا کہ ''خطہ کوکن اور روہا ورائے گڈھ کے علاقے میں سلفیت اور اہل حدیثیت کے فروغ واحیاء میں مولانا عبدالحق سلفی رحمہ اللہ کا خصوصی رول ہے اور یہ حقیقت ہے اس میں کوئی مبالغہ نہیں کہ شہر ممبئی میں جامعۃ الرشاد غفور خاں کرلا سے لے کر جمعیت اہل حدیث اور بیت المال کے پس منظر میں جماعت اہل حدیث کو استحکام فراہم کرنے نیز ممبئی اور اس کے باہر کوکن، رائے گڑھ تک جماعت اور منہج سلف کو متعارف کرانا مولانا کا ایک اہم کارنامہ ہے جو تاریخ اہل حدیث کے صفحات میں سنہرے حروف سے لکھا جائے گا۔

لگ بھگ تیس سال سے پہلے ممبئی میں اہل حدیثوں کی کوئی خاص شناخت نہ تھی نہ ہی ان کا کوئی اہم اور معتد بہ وجود اور پلیٹ فارم

تھا۔ معمولی تعداد میں لوگ ادھر ادھر بکھرے ہوئے، پراگندہ خیالی اور فکر معاش میں مبتلا تھے، دیگر علماء کرام کے پہلو بہ پہلو مولانا عبدالحق سلفیؒ نے اللہ کی توفیق سے انہیں اکٹھا کرنے اور جماعت کے پلیٹ فارم سے دعوتی وتعلیمی کام کرنے کی پہل کی اوراس طرح محنتوں اورشب وروز کی کاوشوں سے جماعت کا تعارف ہوا، لوگوں کے دلوں سے کمزوری کا احساس ختم ہوا۔

مجھے توآپ کی امارت کا زمانہ دیکھنے کا موقع نہ ملا البتہ جماعتی احباب اور علم دوست حضرات سے مولانا کے تئیں جماعت کی ہمدردیاں اور محنتیں وکاوشیں ضرور کانوں تک گونجی تھیں۔ ۲۰۰۱ء میں جب بغرض تدریس جامعہ رحمانیہ کاندیولی ممبئی سے میرا تعلق ہوا تو اسی وقت سے مسلسل جلسوں، اجتماعات اور پروگراموں میں مولانا سے ملاقاتیں اور بہت سارے امور پر تبادلہ خیالات کے مواقع ملتے رہے، ان جگہوں پر آپ کے جذبۂ عمل، جوش تبلیغ اوراس سلسلے میں جماعتی غیرت وحمیت کو دیکھ کر یہی احساس ہو کہ یہ بوڑھا بزرگ اس پیری اورسن رسیدگی میں بھی ہم لوگوں سے زیادہ مسلک ومنہج، سلفیت واہل حدیثیت، فروغ دعوت، معاشرہ میں پھیلی ہوئی بے راہ روی اورشرک وبدعات کے خلاف اصلاحی تحریک چلانے کا حوصلہ اورعزم جواں رکھتا ہے۔ میں نے تو جب بھی دیکھا توانہیں جماعت کے لئے دوڑتے دیکھا۔ مسجدوں اور جلسوں میں حاضری لگاتے دیکھا، ہر جگہ اپنے مخصوص حلیہ ولباس میں شرکت اوراتنی دردمندی وفکرمندی، اصلاح نفس اور تعمیر ذات کا جذبہ وجوش کہ ہر کس وناکس، شناسا وغیر شناسا سب کو پہلی فرصت میں دعوت حق، تزکیہ نفس، احوال ظاہری وباطنی کی اصلاح، شرعی حلیہ ولباس اور چہرہ کی نورانیت برقرار رکھنے، جماعت سے جڑ جانے کی تعلیم دینے لگتے تھے، بہت سے لوگ بن مانگے اصلاح اور بلا وقت آپ کی تقریر پر ناک بھوں چڑھانے لگتے مگر خیر خواہی اوردعوت واصلاح سے جڑے کاروان سلف کے متوالوں کا یہی شیوہ اورطرز زندگی رہا ہے کہ انہیں بندگان خدا سے محبت اور سچی ہمدردی ہوتی ہے، وہ ان کی دنیا وآخرت کی نجات کے لئے دردمند اور فکر مند ذہن رکھتے ہیں اور ''ماأسئلکم علیه من اجر'' ''ان ارید الا الاصلاح مااستطعت'' کے پیش نظر جہاں بھی موقع پاتے ہیں اسے غنیمت سمجھتے ہوئے اپنے فرض منصبی اوردعوت واصلاح کی ذمہ داریاں ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں اوراس طرح کتنے گم گشتہ راہ ہدایت کو صحیح راستہ مل جاتا ہے اوروہ حق کے راستے پر خلوص نیت سے چل پڑتے ہیں اور اتباع سنت ان کی زندگی کا شیوہ بن جاتا ہے۔

مجھے بار بار صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی اوراس کے امیر محترم مولانا عبدالسلام سلفی حفظہ اللہ کی نگرانی میں کوکن، روہا اور رائے گڑھ ضلع کے مختلف علاقے مہسلہ، نگڑی، پابرہ، روہا وغیرہ جانے میں مولانا عبدالحق صاحب مرحوم کے ساتھ ہی جماعتی قافلے میں شرکت کا موقع ملا ہے اور جب بھی کہیں جانا ہوا تو ان علاقوں کے جماعتی احباب بالخصوص پرانے لوگوں کی طرف سے مولانا کی تئیں بے پناہ قدرومنزلت دیکھا، مولانا کی خدمات اوردعوت وتبلیغ کے لئے ان کے گاؤں گاؤں آپ کی برسوں آمد ورفت، لوگوں سے اس سلسلے میں اجتماعی انفرادی ملاقاتیں، اجتماعات میں حاضری اور بے ربط جماعت کو جوڑنے اور منظم کرنے کا جذبہ اورلگن اوراس پورے عمل میں خلوص ووفا، صدق وصفا کا یہ صلہ تھا جو ہمیں دیکھنے کو ملتا تھا، جن لوگوں کو آپ کی وجہ سے راہ ہدایت ملی یا جو لوگ جماعت کے منتشر شیرازے کے بعد منظم ہوئے تو وہ فوراً آپ کو دیکھتے ہی اپنے مسیحا کی آمد سمجھ کر استقبال وخیر مقدم کے لئے تیار ہو جاتے تھے

اور پرانی یادوں کوتازہ کرتے ہوئے مولانا سے چپک جاتے تھے۔ یہ اللہ رب العالمین کا احسان اوراس کے بعد خلق خدا کی شہادت ہےاوراگراس راہ کاایک تنکا بھی قبول ہوجائے یاایک ادابھی بارگاہ رب العزت میں شرف نیاز پاجائےتوپھربیڑاپار ہے۔ لأن یھدی اللہ بک رجلاواحداخیر لک من حمر النعم عرب کے قیمتی خوبصورت سرخ اونٹوں کی حیثیت دعوت واصلاح کے اس مبارک عمل کے مقابلہ میں کچھ نہیں بلکہ ہیچ در ہیچ ہے۔

آل انڈیا اہل حدیث کانفرنسوں کے حوالوں سے بھی مولانا کے ساتھ مجھے دہلی وغیرہ سفر کا موقع ملا، بڑے بے تکلف، پرمزاح اور بےلوث وہمدرد تھے کبھی کبھی تو بعض شعراء کے دیوان بھی ساتھ لادے رہتے اور رفقاء سفر کی تکلیفوں کو کم کرنے اور سفری صعوبتوں اور ذہنی کلفتوں کے ازالہ کی خاطر اسے اپنے لب ولہجہ میں ایسا پیش کرتے کہ منزل کے نشانات اور سفر کی کلفتوں کا احساس تک نہ ہوتا، سب کے لئے خیر خواہی کا سچا جذبہ، ایثار وترجیح غیر کا مظاہرہ حتی کہ دوسروں کے سامان سفر اٹھانے اور رکھنے میں سن مخدومیت اور پیرانہ سالی کے باوجود بھی جذبۂ خیر، دراصل یہ وہ انسانی اعلیٰ اخلاق تھے جو مولانا میں رب العزت نے کوٹ کوٹ کر بھر دیئے تھے۔

منزل تک پہنچنے کے بعد عموماً لوگوں کو اپنے آرام کی زیادہ فکر ہوتی ہے مگر مولانا کا حال یہ تھا کہ آرام وقیام کے بجائے اصل مقصد کی فکر، پروگرام کہاں ہوگا، کیسے ہوگا، کیسے اسے کامیاب بنایا جائے، بامقصد پروگرام ہونا چاہیے، ایسا پروگرام ہو کہ اس کے صحیح اور مفید نتائج برآمد ہوں، لوگوں میں ایک عمدہ پیغام جائے، جماعت کی اچھی چھاپ بنے اور اہل حدیثوں کا حسن عمل بڑھے، دوسرے اس سے اچھا اور عمدہ تاثر لیں غرضیکہ پروگراموں کی مقصدیت، روحانیت، جماعت کی بہتر ترجمانی اور ان میں سیاسی، اجتماعی اور عوامی سطح پر اہل حدیثوں کی بہتر نمائندگی اور عمدہ تاثر وچھاپ کے لئے بے حد فکر مند رہتے۔

اوراس سلسلے میں جو کچھ ہوتا مشورے دیتے، تدبیریں بتاتے، تجاویز وآراء سے فوراً رہنمائی کرتے اور جٹ کر محنت، ولگن سے جماعت کے پیغام کو عام کرنے کی کوشش کرتے۔ الغرض جماعت کی دردمندی، فکرمندی، اور سربلندی کے لئے آپ ایک اعلیٰ سوچ رکھتے تھے۔

ممبئی، کوکن بلکہ جہاں بھی جماعت کو ضرورت پڑی، بلانے پر یا احساس ضرورت پر از خود پہنچے، اور ہمیشہ اصلاح، اتحاد، جوڑنے اور ایک ساتھ لے کر لوگوں کو چلنے اور دعوتی کاموں کے فروغ اور اس کے استحکام کے لئے ہی مشورہ دیتے رہے، سنت کے مقابلے بدعت اختیار کرنے والوں اور اتباع پر تقلید کو ترجیح دینے والوں کے لئے آپ بے حد سخت موقف رکھتے تھے۔ سنت کی بات ہوتی تو برملا اس کا اعلان کرتے، واظہار کرتے اور بلاخوف لومۃ لائم اسے دوسروں تک پہنچا کر ہی دم لیتے۔

بڑے بڑے جماعتی مسائل جب لاینحل نظر آتے اور مساجد ومدارس کے قیام میں اڑچنیں ورکاوٹیں آجاتیں تو مولانا کے مشورے اور آپ کی تدبیریں ہر ایک کے لئے اکثر مفید ثابت ہوتی۔

دین رحمت کانفرنس باندرہ کرلا کمپلیکس ممبئی کے انعقاد کا موقع ہو یا دیگر اجتماعات کی تیاریاں صوبائی سطح پر مولانا بنفس نفیس سرکاری آفسوں، پولس محکموں اور کارپوریشن کے چکر لگاتے اور اس سلسلے میں کبھی تھکتے اور نہ ہی حوصلہ ہارتے تھے۔

ممبئی کی مساجد اہل حدیث میں کتنی ایسی مسجدیں ہیں جن میں آویزاں اور لٹکے ہوئے دعوتی کتبے، اصلاحی ومناظراتی لوحات آج بھی آپ کی کاوشوں کی شہادت دے رہے ہیں، درحقیقت یہ سب آپ کی محنتوں کا حسین عکس اور جماعتی دردمندی کا بہترین مظہر ہیں۔

خلاصہ یہ کہ جماعتی استحکام، تنظیم نو، تعمیر نو، مساجد ومدارس کا قیام اور اس کے پھیلے ہوئے عظیم اور وسیع تر دعوتی نیٹ ورک، ہر گلی اور محلہ میں نظر آنے والے سلفی اہل حدیث عوام وخواص غرضیکہ جو کچھ بھی واسطہ یا بلا واسطہ ممبئی کے اس خطے میں نظر آتے ہیں دیگر علماء اہل حدیث، اکابرین وذمے داران جمعیت کے پہلو بہ پہلو مولانا کی کاوشوں کا ایک مفید اور اصلاحی ثمرہ کہے جاسکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان میں برکت عطا فرمائے اور انہیں شرف قبولیت عطا کرے۔ آمین

آج مولانا ہم سے رخصت ہوئے ہیں اور اپنے پیچھے اپنی اولاد کے علاوہ سلفیان ممبئی کی ایک بڑی جماعت بھی چھوڑ گئے ہیں۔

جری مری قبرستان میں آپ کی نماز جنازہ ایک جم غفیر عوام وخواص کے ساتھ مولانا عبدالسلام سلفی امیر صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی نے پڑھائی۔ جمعیت اہل حدیث ممبئی، کوکن، روہا اور ممبئی کے ملی وجماعتی اداروں کے مختلف نمائندے بھی اس موقع پر حاضر اور شریک جنازہ رہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے اللہ آپ کی لغزشوں کو درگزر فرمائے۔

اللهم اغفر له وارحمه واعفه واعف عنه۔ آمین۔

(مجلہ الجماعۃ، اگست ۲۰۱۲ء مجلہ صوت الاسلام ممبئی)



نوٹ: آپ کی خدمات اور جہود کو اجاگر کرنے کے لئے جماعت کے فعال رکن مولانا محمد خلیل نسیم صدیقی نے اپنے میگزین ''امن کا پیغام ممبئی'' جون ۲۰۱۳ء کے ایک خصوصی شمارے کی اشاعت کی تھی جو اس باب میں بے حد مفید اور وسیع ہے۔ اس طرح کے خصوصی شماروں کا اجراء دراصل جماعتی تاریخ میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ مولانا محمد خلیل نسیم صدیقی صاحب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔

مولانا عبدالحق قاسمی (ممبئی) رحمہ اللہ

حیات وخدمات

۱۹۳۵ء.......... ۲۰۱۲ء

ذبیح اللہ اویس انور
سنابل، نئی دہلی

حرف آغاز:

اس عالم رنگ وبو میں بہت سی ایسی یکتائے روزگار ہستیاں پیدا ہوئیں جنہوں نے لازوال نقوش اور بے مثال نمونے قائم کئے اور اپنی حیات مستعار کو قوم وملت کی تشکیل میں تج دیا، انہیں ستودہ صفات ہستیوں میں سے شیدائی اسلام، فدائے ملت، صدق وصفا کے پیکر عظیم، غریبوں وبدحالوں کے غم خوار وہمدرد، داعی ممبئی، دعوت وتبلیغ کے بے تاج بادشاہ، آبروئے سلف، جامع صفات مولانا عبد الحق قاسمی رحمہ اللہ بھی ہیں۔ بقول شاعر:

اولئك آبائي فجئني بمثلهم
اذا جمعتنا يا جرير المجامع

خاندانی پس منظر:

آپ نے ایک زمیندار گھرانے میں آنکھیں کھولیں، آپ کے والد اپنے علاقے کے زمیندار اور چودھری تھے، آپ کے والد اگرچہ کم پڑھے لکھے تھے مگر دینی حمیت، خدمت خلق، مہمان نوازی، نفاست پسندی جیسے اوصاف حمیدہ کے حامل شخص تھے۔ (۱)

نام ونسبت اور کنیت:

آپ کا نام عبدالحق اور کنیت ابوعبداللہ ہے۔

سلسلہ نسب کچھ اس طرح ہے: ابوعبداللہ عبدالحق بن منصب دار بن عبدالرزاق چودھری قاسمی۔ (۲)

ولادت: آپ برصغیر کے ملک ہندوستان کے مشہور صوبہ اتر پردیش ضلع سدھارتھ نگر، تحصیل بانسی، پوسٹ پتھرا بازار کے قریب منکورہ تیواری نامی ایک چھوٹے سے قریہ میں ۱۹۳۵ء میں پیدا ہوئے۔

ذریعہ معاش:

آپ نے تکمیل تعلیم کے بعد راجستھان کے کوٹہ میں تقریباً تین سال تک درس وتدریس ہی کو ذریعہ معاش بنایا، چونکہ تجارت

ایک نفع بخش سودا ہے، لہٰذا اس کے بعد انہوں نے ممبئ کا قصد کیا۔ اسی شوق نے ۱۹۶۵ء میں آپ کو عروس البلاد ممبئ پہنچا دیا۔ فیض آباد کے ایک شخص احمد بھائی کے ہمراہ آپ ممبئ آئے، یہ ایک نہایت شریف، مخلص انسان تھے، ان کا یہاں کپڑے کا کاروبار تھا، لہٰذا انہوں نے موصوف کو اپنے کاروبار میں شریک کر لیا، مگر کچھ دنوں کے بعد اپنے متعارفین اور علاقائی اشخاص کے طرز کسب پر آپ بھی لوہے کا کاروبار کرنے لگے، پروردگار نے آپ کے کاروبار میں برکت دی اور ہر نیا دن آپ کی ترقی کا پیغام لے کر آتا۔ (۳)

حلیہ:

آپ تام الخلقت، سانولا رنگ کالی آنکھیں، کشادہ کندھا، گول چہرہ، نرم وملائم داڑھی، ہشاش وبشاش، خنداں اور میانہ قد تھے۔ آپ کلی دار قمیص اور علی گڑھ والا پاجامہ زیب تن کرتے، سر پر گول ٹوپی اور کندھے پر قاسمی رومال جس کو بوقت ضرورت صفائی کے کام میں استعمال کرتے تھے۔ (۴)

آپ کا پہلا مدرسہ آپ کی والدہ ہی تھیں۔ کچھ بڑے ہونے کے بعد اردو اور قران پاک ناظرہ اور ابتدائی دینی تعلیم گاؤں کے ہی مکتب میں ہوئی۔ پرائمری کی تعلیم گاؤں کے دوکلومیٹر کے فاصلے پر واقع پتھرا بازار کے سرکاری اسکول میں اور مڈل تک کی تعلیم تحصیل بانسی کے قریب گوری نامی گاؤں کے ایک سرکاری اسکول میں حاصل کی۔ مڈل کی تعلیم کے بعد کچھ ایسے حالات پیش آئے جن کی وجہ سے آگے کی تعلیم کو جاری رکھنا ممکن نہ تھا، لیکن آپ کو تعلیم سے دلچسپی نے گھر میں نہیں بیٹھنے دیا، لہٰذا گھر والوں کے مشورے سے دینی تعلیم کے حصول کے لئے گاؤں سے قریب مدرسہ قاسم العلوم ریواں میں داخلہ لیا۔ (۵)

حصول علم کے لئے مختصر شہروں کا سفر:

جب علمی تشنگی بڑھی تو اس کی سیرابی کے لئے آپ نے مئو کی قدیم اور عظیم درسگاہ فیض عام مئو کا قصد کیا، وہاں کے جید اور ماہر فن اساتذہ سے کسب فیض کیا۔ یہاں ۶ سال گزارنے کے بعد ۱۹۵۸ء میں آپ دار العلوم دیوبند تشریف لے گئے اور یہاں پر دلجمعی کے ساتھ فراغت تک کی تعلیم حاصل کی۔ آپ اپنی قابلیت واہلیت کی وجہ سے ہر کلاس میں ممتاز اور طلبہ واساتذہ کے مابین ہمیشہ مقبول رہے اور پانچ سال تک آپ یہاں اپنی قابلیت کی وجہ سے ضلعی انجمن ''تہذیب الکلام'' کے صدر بھی رہے۔ (۶)

ازدواجی وعائلی زندگی:

آپ نے ایک شادی کی جس سے اللہ رب العالمین نے چھ اولادیں، پانچ بیٹے اور ایک بیٹی۔ ان کے اسماء درج ذیل ہیں:

بیٹے: عبداللہ، مولانا عبدالعلی سلفی، مولانا عبدالشکور مدنی، حافظ عبدالغفور، حافظ عبدالرب عثمانی۔ بیٹی: زینب

اساتذہ کرام:

(۱) مولانا رضا حسن صاحب، (۲) مولانا ممتاز علی بستوی رحمہ اللہ۔ ۷، (۳) مولانا عابد علی رحمہ اللہ، (۴) مولانا محمد احمد رحمہ

اللہ، (۵) مولانا عبدالرحمٰن رحمہ اللہ، (۶) مولانا حبیب الرحمٰن رحمہ اللہ۔ ۸

علمی گہرائی و گیرائی:

آپ کا بیک وقت مناظر، داعی، مصنف اور واعظ ہونا آپ کی علمی گہرائی و گیرائی پر دلالت کرتا ہے۔(۹)

اخلاق واوصاف:

آپ عقیدۂ سلف اور سنت رسول کے سلسلہ میں بلا کی غیرت رکھتے تھے، جو ایک صالح مومن اور متبع سنت کی صفت ہوتی ہے۔ اچھے اخلاق والے تھے، سچی اور درست بات کو جلد پہچان لیتے، حق کے جھنڈے کو ہمیشہ تھامے رہتے، ذہن کافی وسیع تھا، عالموں کی بے انتہا قدر کرتے اور دین پہ قربان ہونے کا جذبہ تھا۔

آپ نے تقلید سے کبھی سمجھوتا نہیں کیا، سنت کی راہ میں آپ نے تقلید کو ہمیشہ کانٹوں سے تعبیر کیا، ایک دفعہ جمعیت کے آفس واقع آشیانہ بلڈنگ میں کچھ احباب جماعت اور علماء بیٹھے تھے اور حنفی امام کے پیچھے نماز کے جواز پر بات چل پڑی، آپ نے ایک بوڑھے شیر کی طرح گرج کر یہ شعر پڑھا:

خلاف پیمبر کسے رہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید

اس واقعہ سے آپ کی سلفیت کے سلسلے میں غیرت کا پتہ چلتا ہے۔ آپ کی یہ سب سی بڑی خوبی تھی کہ کبھی کسی کی برائی اس کے پیچھے بیان نہیں کرتے اور اسی طرح حق آجانے کے بعد اسے بسر وچشم قبول کر لیتے۔

عبدالرؤف حیرت بستوی نے ان کے اخلاق کے سلسلے میں کہا ہے کہ:

عالم دین عبد حق خوش خلق خوش اوطار تھے
حق شناسی، حق پرستی کے علم بردار تھے
وہ وسیع الذہن عالم خوش نظر انسان تھے
رحمت للعالمین کے دین پر قربان تھے(۱۰)

وفات:

آخری ایام میں ضعیفی و پیری کے باوجود الحمدللہ آپ کافی چاق و چوبند تھے۔ بقول قادری:

زندگی، زندہ دلی، ذوق طلب، شوق عمل
عہد پیری میں بھی ایسے زور جواں ہیں کچھ لوگ

بلآخر ''الموت قدح و کل نفس شاربه'' کے تحت تقریباً رات دو بجے ۵ / جولائی ۲۰۱۳ء کو بروز بدھ آپ کی روح قفص عنصری سے پرواز کرگئی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

بقول شاعر:

موت اس کی ہے کرے جس کا زمانہ افسوس
یوں تو دنیا میں سبھی آئے ہیں مرنے کے لئے

اور بعد نماز ظہر آپ کا جنازہ جری مری قبرستان لے کر جایا گیا، جہاں پر معتقدین ومتعارفین اور عوام الناس کا ایک اژدہام اُمڈ پڑا اور جماعت سے منسلک تقریباً تمام افراد نے شرکت کی۔ مولانا عبدالسلام سلفی امیر صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی نے نماز جنازہ پڑھائی۔(۱۱)

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

مختلف جرائد اور شخصیات کی جانب سے تعزیتی کلمات:

آپ کی وفات پر تقریباً دس جرائد نے تعزیتی کلمات لکھے اس میں سے چند درج ذیل ہیں:

(۱) روزنامہ انقلاب ممبئی (۲) روزنامہ اردو ٹائمز ممبئی (۳) روزنامہ راشٹریہ سہارا ممبئی

اور شخصیات میں تقریباً پچاس سے زائد لوگوں نے تعزیتی کلمات کہے ہیں جن میں سے چند کے اسماء درج ذیل ہیں:

(۱) مولانا عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ، بانی ومؤسس ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سینٹر، نئی دہلی
(۲) سید معراج ربانی، داعی ومبلغ سعودیہ عربیہ
(۳) شیخ فضل الرحمٰن صاحب ندوی، استاذ جامعہ اسلامیہ سنابل، نئی دہلی
(۴) شیخ محمد خلیل نسیم صدیقی، ایڈیٹر 'امن کا پیغام' ممبئی
(۵) شیخ سعید احمد بستوی، نائب امیر صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی
(۶) عبدالباری شفیق سلفی، نائب مدیر مجلہ 'النور' ممبئی
(۷) کرپا شنکر سنگھ، ایم ایل اے ممبئی
(۸) محمد عاقل جدہ
(۹) عبدالرؤف حیرت بستوی۔(۲۱) وغیرہ وغیرہ۔

خدمات:

ان کی خدمات کو اگر نوک قلم پر لایا جائے تو ایک کتاب تیار ہو جائے، البتہ میں ان کی خدمات کے سلسلہ میں سرسری

روشنی ڈالنے کی سعی کر رہا ہوں:

دعوتی وملی خدمات:

آپ نے انبیاء وصلحائے امت کے نقش قدم پر چلتے ہوئے معاشرہ میں پھیلی ہوئی بدامنی، اخلاقی انارکی، قبر پرستی اور تقلید پرستی جیسے قبیح وشنیع فعل کو اللہ کی توفیق اور طویل محنت شاقہ کے ذریعہ ختم کیا۔ آپ کی دعوت کا مرکز ممبئی اور اطراف ممبئی کا علاقہ جیسے کوکن ،مہسلہ ، روہا، خیراخورد، چورڈا، میٹرکوٹی پابرہ وغیرہ تھا۔ آپ کے اس میدان کی خدمت کا اندازہ مشہور عالم دین، جامعہ اسلامیہ سنابل کے بانی ومؤسس (جو آپ کے رفیق بھی تھے) علامہ عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ کے اس قول سے لگایا جا سکتا ہے، جو انہوں نے ان کی وفات پر کہا تھا ''اس وقت ممبئی کی جماعت اہل حدیث میں جو کچھ حرکت وعمل اور سرگرمی آرہی ہے وہ سب مولانا عبدالحق صاحب رحمہ اللہ کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔'' (۱۳)

تدریسی خدمات:

دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد آپ نے تین سال تک راجستھان کے شہر کوٹہ میں تدریس کا فریضہ انجام دیا، اس کے بعد آپ ممبئی چلے آئے اور پوری محنت ولگن کے ساتھ دعوت وتبلیغ میں لگے رہے۔ (۱۴)

تلامذہ:

آپ نے راجستھان کے کوٹہ میں تین سال تک درس وتدریس کا فریضہ انجام دیا، یقینی بات ہے کہ وہاں آپ کے سینکڑوں شاگرد رہے ہوں گے، لیکن افسوس کہ آپ کے شاگردوں کا نام ہمیں معلوم نہ ہوسکا اس سلسلہ میں آپ کے بیٹوں نے بھی معذرت کا اظہار کیا ہے۔ (۱۵)

تصنیفی خدمات:

آپ کو جب بھی کتاب وسنت کی نصرت وتائید اور شرک وبدعات کے رد میں نوک قلم کو حرکت دینے کی ضرورت پڑی تو اس سے بھی کام لیا، دسیوں پوسٹر و پمفلٹ چھپوا کر مفت تقسیم کئے۔ ان میں چند کا ذکر بطور مثال پیش کیا جارہا ہے۔

(۱) اسلام اور ماہ محرم

(۲) کیا عید میلادالنبی منانا جائز ہے؟

(۳) آٹھ رکعت تراویح کا ثبوت حنفی کتابوں سے

(۴) حیاۃ النبی کا عقیدہ شرک ہے۔

(۵) شب برأت کا عقیدہ شرک ہے۔

خدمت خلق:

معاشرہ کے اندر ایسے لوگوں کی حد درجہ پذیرائی ہوتی ہے جن کے اندر خدمت خلق کا جذبہ ہوتا ہے، اللہ نے آپ کے اندر یہ

جذبہ بدرجۂ اتم پیدا کر رکھا تھا۔جب بھی کوئی پریشان حال آپ کے پاس پہنچتا تھا تو حتی الامکان اس کا تعاون کرتے تھے۔آپ "تَعَاوَنُوعَلَی اَلبِرِّوَ التقوٰی" (١٦) کی عملی تصویر تھے۔اس طرح اگر کوئی مشورہ طلب کرتا تو اسے بہترین مشورہ دیتے تھے، کتنے ایسے تھے جو ممبئی میں مختلف حالات کے شکار تھے، آپ کی رہنمائی کی وجہ سے ان کی پریشانیاں دور ہوگئیں، جتنے لوگوں نے آپ کی سوانح پر خامہ فرسائی کی تھی تقریباً تمام نے آپ کی خدمت خلق کا تذکرہ کیا ہے۔

البتہ شیخ عبداللہ سلفی (امام وخطیب مسجد اہل حدیث کاپڑیا نگرسی ایس ڈی روڈ، کرلا ممبئی) نے جو خامہ فرسائی کی ہے، میں انہی کے تذکرہ پر اکتفا کرتا ہوں۔وہ کہتے ہیں کہ "میں ایک معاملہ میں جس کا تعلق اسپتال سے تھا، سخت الجھا ہوا تھا، مجھ جیسے شخص کے لئے اس کا حل ناممکن نظر آرہا تھا مگر میں نے آپ سے رجوع کیا۔اس معاملہ کا حل آپ نے اس طرح بحسن خوبی انجام دیا کہ مجھے ذرا بھی دقت نہیں ہوئی۔(١٧)

تنظیمی خدمات:

۱۹۸۴ء سے پہلے صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کا نام تک نہیں تھا، البتہ وہاں اہل حدیث موجود تھے، مگر مختلف گوشوں میں متفرق تھے اور ہر ایک کی جمعیت الگ الگ تھی۔لوگوں کا یہاں تک کہنا ہے کہ ۱۹۸۴ء سے پہلے یہاں صرف اور صرف چار اہل حدیث مسجدیں تھیں، مگر قاسمی رحمہ اللہ، محمد امین ریاضی رحمہ اللہ اور جماعت کے دیگر متحرک اشخاص کی کوششوں کے نتیجہ میں آج تقریباً ڈھیڑ سو سے زائد اہل حدیث مسجدیں موجود ہیں۔میں نے یہ تذکرہ کیا کہ جمعیت مختلف حصوں میں بٹی ہوئی تھی، چنانچہ آپ نے جماعت کی سرکردہ شخصیتوں مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ، مولانا محمد اسماعیل امیر غرباء اہل حدیث اور دیگر جماعتی احباب کو اپنے نیک ارادہ کی خبر دے کر ایک میٹنگ طلب کی۔

"مرول ناکہ" کی مسجد اہل حدیث کو میٹنگ کے لئے تجویز کیا گیا، جس میں مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ کی صدارت میں پہلی انتخابی کوشش عمل میں آئی۔چونکہ دعوت دین کے ساتھ معاملہ فہمی، دوراندیشی نیز انتظامی وانصرامی امور پر آپ کو ملکہ حاصل تھا، اس وجہ سے مولانا ندوی رحمہ اللہ نے آپ کو جماعت کا امیر نامزد فرمایا اور دیگر حاضرین نے بھی آپ ہی کی تائید کی اور آپ کو اختیار دیا گیا کہ آپ اپنے صوابدید سے اپنے نائبین کو منتخب کرلیں، چنانچہ آپ نے حافظ عبدالکریم (امام مرول ناکہ) کو نائب صدر، مولانا محمد امین ریاضی صاحب کو ناظم اعلیٰ، شعبۂ نشر واشاعت کے لئے بطور ناظم مولانا عبدالنور راغب اور شعبۂ دعوت وتبلیغ کے لئے حافظ خورشید احمد کو نامزد فرمایا۔اس طرح پہلی مرتبہ صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کا قیام عمل میں آیا۔مولانا موصوف کا مزاج ایک قائدانہ صلاحیت کا حامل تھا، جس کے نتیجے میں انہوں نے اپنی مدبرانہ صلاحیتوں اور انہیں کوششوں کے ذریعہ اسلام کی اشاعت فرمائی۔(١٨)

تعمیری خدمات:

آپ نے تقریباً تیرہ مساجد ومدارس کی تعمیر کی جن کے اسماء درج ذیل ہیں:

(۱)مسجد و مدرسہ جامعہ الرشاد، کرلا، (۲)مسجد و مدرسہ تعلیم القران، اشوک نگر، (۳)مسجد اہل حدیث کٹیر منڈل، کرلا، (۴)مسجد اہل حدیث وائرگلی، کرلا، (۵)مسجد اہل حدیث، جری مری، (۶)مسجد اہل حدیث، خیرانی روڈ، (۷)مدرسہ رحمانیہ ومسجد اہل حدیث گوونڈی۔ یہ مدرسہ ومسجد مولانا جلال الدین فیضی اور جناب عبدالکریم صاحب کے انتھک کوششوں سے تعمیر ہوا،لیکن جب مولانا موصوف جمعیت کے امیر منتخب ہوئے تو آپ نے اس کی تعمیر وترقی میں کافی ہاتھ بٹایا۔

(۸) مدرسہ ومسجد اہل حدیث ،دھیسر ،(۹)مسجد اہل حدیث و مدرسہ سلفیہ،سلفی سوسائیٹی ،ہلاوٗپل روڈ ،(۱۰)مسجد و مدرسہ رہنمائے دین ،ساگر بلڈنگ،(۱۱)مسجد و مدرسہ اہل حدیث سلفیہ دار العلوم ،بھارتیہ،کملانگر، (۱۲)جامعہ اسلامیہ ،نور باغ،ممبرا،(۱۳) کالینا مسجد ''العمر''

آپ کے وہ رفقاء جنہوں نے آپ کا قدم قدم پر ساتھ دیا ان کے اسماء درج ذیل ہیں:

(۱)حاجی خان محمد،مٹی والے،(۲) عبد القدوس ،مٹی والے،(۳)برکت سیٹھ،مٹی والے،(۴)حاجی نذیر احمد،(۵) محمد عباس،(۶)عبداللہ،اسٹیل والے،(۷)محمد شکیل،سریا والے،(۸)محمد یونس وکیل صاحب،(۹)مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ،(۱۱) مولانا عطاء اللہ خان،بھیونڈی،(۱۲)مولانا محمد امین ریاضی حفظہ اللہ،(۱۳)مولانا عبدالنور راغب سلفی صاحب،(۱۴)حافظ خورشید عالم صاحب۔(۲۰)

سیاسی خدمات:

آپ سیاسی طور پر بھی بہت سرگرم رہا کرتے تھے،اس سیاسی سرگرمی میں دینی وسماجی خدمات پنہاں رہا کرتی تھیں۔

آپ ۱۹۷۷ء میں کانگریس پارٹی کرلا تعلقہ کے جزل سکریٹری رہے اور اسپشل ایکزیکیٹیو مجسٹریٹ رہے،آپ سے ملنے کے لئے سیاسی لوگوں کا جماوڑا ہوا کرتا تھا، یہاں تک کہ راجیش پائلٹ جیسے رہنما بھی آپ کی دکان پر آچکے تھے،(یہ سابق ایم پی اور ہندوستان کے بڑے سیاست دانوں میں شمار ہوتے ہیں)۔

وہ شخصیات جن سے آپ کے گہرے تعلقات تھے:

(۱)وزیر محمد عارف نسیم خان

(۲)وریندر بخشی

(۳)پروفیسر جاوید خان

(۴)نواب ملک

(۵)ابوعاصم اعظمی

سیاست میں رہتے ہوئے آپ لوگوں کے پولس اسٹیشن اور میونسپل کارپوریشن کا معاملہ بھی حل کرنے میں مدد فرماتے تھے۔

جب آپ نارائن نگر میں تھے تو اس وقت نارائن نگر میں پانی کی بہت قلت تھی،آپ نے بذات خود اپنے خرچ سے نل لگوا کر لوگوں کو مستفید ہونے کا موقع دیا،جو صدقہ کے طور پر آج بھی جاری ہے۔(۱۲)

بحیثیت مناظر:

آپ ایک بے لاگ داعی، توحید میں پختہ اور دین میں کسی قسم کے لچک کے قائل نہ تھے اور ہمہ وقت منہج سلف کی تبلیغ واشاعت کے لئے کوشاں رہتے تھے۔ آپ کئی چھوٹے بڑے مناظرے میں شریک ہوئے اور دلائل و براہین سے مخالفین کو دندان شکن جواب دیا۔ ایک مرتبہ کرلا، کمانی میں حقیق اللہ اسٹیل والے کی دکان پر مناظرہ رکھا گیا۔ آپ مولانا علیم الدین رحمہ اللہ اور مولانا عبدالنور راغب رحمہ اللہ کو لے کر مناظرہ میں بیٹھ گئے، نتیجتاً مخالفین کو مناظرہ کے اختتام سے پہلے ہی بھاگنا پڑا۔ اسی طرح کا ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ رکعتِ تراویح کے مسئلہ پر مباحثہ ومناظرہ کرنے کے لئے ایک کوکنی کی دعوت پر مولانا اور عبدالنور راغب سلفی ضلع رتنا گیری کے ایک گاؤں پہنچے، امام صاحب اور ان کے ساتھیوں کو جب بلایا گیا تو معلوم ہوا کہ وہ لوگ چھٹیوں پر کرناٹک چلے گئے اور کئی دنوں کے بعد آئیں گے۔ (۲۲)

علمی مجالس:

آپ کی علمی مجلسیں آپ کی دکان پر ہوا کرتی تھیں اور آپ جلسے میں بھی جایا کرتے تھے، لیکن اکثر وبیشتر لوگ آپ کی دکان پر آتے اور سوال کر کے تشفی بخش جواب پا کر استفادہ کیا کرتے تھے۔ (۲۳)

دفاع سنت کا جذبہ:

آپ دارالعلوم دیوبند کے فارغین میں سے ہیں اس کے باوجود تقلید کی ذرا بھی بو آپ میں نہیں تھی۔ جب بھی تقلید کی بات آئی تو دفاع سنت کے جذبہ سے سرشار ہو کر میدان میں کود پڑے اور مخالفوں کی مخالفت کا خیال کئے بغیر ردّ تقلید و بدعات پر آپ نے کئی پمفلٹ، پوسٹر اور کتابچے تحریر کئے اور بلاخوف وخطر اسے عوامی جگہوں پر چسپاں کرتے رہے، کئی جگہوں پر تو ایسے پوسٹر کو تعصب وتنگ نظری کی بنا پر پھاڑا گیا، لیکن آپ اپنے مشن کو آگے بڑھاتے رہے۔ (۲۴)

عقیدہ وعمل:

آپ نے دوسرے لوگوں کی طرح عزلت گزینی اور گوشہ نشینی اختیار نہیں کہ بلکہ ایک زبردست مناظر اور کامیاب داعی کی زندگی بسر کی۔ قرآن وحدیث اور منہج سلف کے طریق کو مشعل راہ بنایا اور اس راہ میں آپ نے کسی قسم کے تعصب کو حائل نہیں ہونے دیا۔ (۲۵)

مغز سخن:

آپ کی علمی، تبلیغی اور اصلاحی کارناموں کی داستان اس یقین محکم کے ساتھ ختم کی جارہی ہے کہ آپ کے کارناموں کی بازگشت اس وقت تک سنی جاتی رہے گی جب تک ممبئی اور اطراف ممبئی میں قرآن وسنت کا پیغام باقی رہے گا۔ اس شعر کے ساتھ میں اپنی بات ختم

کرتا ہوں جس کے آپ حقیقی مصداق تھے:

مرا وجود مری قوم کی امانت ہے
میں اپنے آپ کو برباد کر نہیں سکتا
مرے قلم کی سیاہی سے جو چراغ جلا
میں اس کی روشنی محدود کر نہیں سکتا

مراجع:

۱۔ شیخ فضل الرحمٰن صاحب ندوی حفظہ اللہ سے گفتگو پر مبنی معلومات

۲۔ مولانا رحمہ اللہ کے بیٹے عبدالشکور سنابلی مدنی حفظہ اللہ سے ٹیلیفونک گفتگو۔

۳۔ امن کا پیغام ممبئی، جون ۲۰۱۳ء، ص ۷

۴۔ مولانا رحمہ اللہ کے بڑے بیٹے عبداللہ حفظہ اللہ سے ٹیلیفونک گفتگو۔

۵۔ امن کا پیغام ممبئی، جون ۲۰۱۳ء، ص ۸۷

۶۔ التبیان، نئی دہلی، ستمبر ۲۰۱۳ء، ص ۳۱

۷۔ مولانا رحمہ اللہ کے بیٹے مولانا عبدالعلی حفظہ اللہ سے ٹیلیفونک گفتگو۔

۸۔ مولانا رحمہ اللہ کے بڑے بیٹے عبداللہ حفظہ اللہ سے ٹیلیفونک گفتگو۔

۹۔ مولانا محمد خلیل نسیم صدیقی حفظہ اللہ سے ٹیلیفونک گفتگو۔

۱۰۔ مولانا رحمہ اللہ کے بیٹے حافظ عبدالرب عثمانی حفظہ اللہ سے ٹیلیفونک گفتگو۔

۱۱۔ امن کا پیغام ممبئی، جون ۲۰۱۳ء، ص ۱۴

۱۲۔ مولانا محمد خلیل نسیم صدیقی حفظہ اللہ سے ٹیلیفونک گفتگو۔

۱۳۔ شیخ فضل الرحمن صاحب ندوی حفظہ اللہ سے گفتگو پر مبنی معلومات۔

۱۴۔ مولانا محمد خلیل نسیم صدیقی حفظہ اللہ سے ٹیلیفونک گفتگو۔

۱۵۔ مولانا رحمہ اللہ کے بڑے بیٹے عبداللہ حفظہ اللہ سے ٹیلیفونک گفتگو سے ماخوذ۔

۱۶۔ المائدۃ: آیت نمبر ۲

۱۷۔ امن کا پیغام ممبئی، جون ۲۰۱۳ء، ص ۴۵

۱۸۔ التبیان، نئی دہلی، ستمبر ۲۰۱۳ء، ص ۳۲

۱۹۔ امن کا پیغام ممبئی، جون ۲۰۱۳ء، ص ۱۳

۲۰۔مولانا رحمہ اللہ کے بیٹے عبدالغفور حفظہ اللہ کی گفتگو سے ماخوذ۔

۲۱۔امن کا پیغام ممبئی، جون ۲۰۱۳ء، ص ۵۸

۲۲۔مولانا رحمہ اللہ کے بڑے بیٹے عبدالرب عثمانی کی گفتگو سے ماخوذ۔

۲۳۔مولانا محمد خلیل نسیم صدیقی حفظہ اللہ کی گفتگو سے ماخوذ۔

۲۴۔ التبیان، نئی دہلی، ستمبر ۲۰۱۳ء، ص ۲۹۔۳۰

۲۵۔التبیان، نئی دہلی، ستمبر ۲۰۱۳ء، ص ۳۱



استاذ گرامی مولانا عبدالسلام رحمانی رحمہ اللہ

۱۹۳۸ء.......... ۲۰۱۳ء

شیخ صلاح الدین مقبول احمد

● مولانا عبدالسلام رحمانی رحمہ اللہ بہترین تعلیم وتربیت، اخلاق وآداب، ظرافت وخوش طبعی، نظافت وخوش پوشی، کثرت اسفار اور معلومات عامہ وغیرہ کے سبب اپنے ہم عصروں میں ممتاز تھے۔ ان میں تدریس وتحریر کی اعلیٰ صلاحیت تھی، جماعت کے اعلیٰ ترین عہدوں پر فائز ہونے کی وجہ سے نظامت وادارت کا عمدہ تجربہ تھا، دعوت وتبلیغ، مسلکی غیرت وحمیت اور جماعت کی تنظیم وشیرازہ بندی کے لئے دوروں میں ان کا اہم کردار رہا ہے۔ بحث وتحقیق، تصنیف وتالیف، صحافت ومقالہ نگاری کے فن سے بخوبی واقف تھے۔ شعروادب سے گہری دلچسپی تھی، درحقیقت انہیں موقع بہ موقع اشعار اور واقعات سے اپنی گفتگو کو مزین کرنے کا ہنر آتا تھا۔

● استاذ گرامی کی زندگی کا اہم پہلو سیروسیاحت سے ان کی دلچسپی تھی، جزیرۂ فیجی میں قیام نے اس کے لئے راستہ ہموار کیا، فیجی سے آتے جاتے پانچوں براعظموں (ایشیاء، یوروپ، امریکہ، افریقہ اور آسٹریلیا) کے اہم ممالک کے بڑے شہروں کے دورے، سیاحتی مقامات سے لطف اندوزی، اسلامی شخصیات سے ملاقاتیں، مدارس مساجد اور جمعیات کی دعوتی سرگرمیوں میں شرکت کے لئے مواقع فراہم ہوئے، جس کی تفصیلات ان کے سفرنامہ ''دیار غیر میں'' میں موجود ہیں۔

سفر ہے شرط مسافر نواز بہتیرے
ہزار ہا شجرِ سایہ دار راہ میں ہیں

قابل ذکر ہے کہ صحت کے زمانے میں ان کا کوئی سال بیرون ملک سفر سے خالی نہ رہا۔ ۱۹۷۸ء تک وہ ۳۳ /انٹرنیشنل ایئرلائنوں سے سفر کر چکے تھے اور ۱۹۸۴ء میں انہوں نے فیجی سے فیجی تک کرۂ ارض کا مدوّر سفر بھی کیا ''روداد سفر بیک نظر'' کے مطابق ۱۹۷۸ء سے ۱۹۹۹ء تک بذریعہ ہوائی جہاز وہ (۵۹) جہتوں کی طرف پرواز کر چکے تھے۔ شاید توحید وسنت کے کسی علمبردار نے دعوت وتبلیغ کے حوالے سے اتنے ممالک کے اسفار کئے ہوں، بلاشبہ انہیں جماعت اہل حدیث کے ابن بطوطہ اور اسلام کے مایہ ناز عالمی مبلغ کا خطاب دیا جاسکتا ہے۔

مولانا کے اسفار کے سلسلے میں برصغیر کے عظیم مورخ وبزرگ صحافی مولانا محمد اسحاق بھٹی حفظہ اللہ کا اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

''مولانا عبدالسلام رحمانی کے سلسلۂ اسفار کا آغاز ۱۹۷۳ء سے حج بیت اللہ سے ہوتا ہے۔ پھر یہ سلسلہ بڑھتا ہی چلا گیا۔ انہوں نے دنیا کی تینتیس ایئرلائنوں کے بہت سے ہوائی جہازوں پر سفر کیا۔ صرف تین سیٹ والے جہاز سے بھی اور سب سے بڑے جہاز بوئنگ ۷۴۷ (جمبو جٹ) سے بھی۔ بعض ایئرلائنوں پر تو بار بار سفر کرنے کا اتفاق ہوا۔ اپنے ملک ہندوستان کے مختلف مقامات کے سفروں کے علاوہ انہوں نے جن ممالک کے سفر کئے ہیں وہ فیجی، ملائشیا، سڈنی، سنگاپور، نیوزی لینڈ، امریکہ، آسٹریلیا، جاپان، اٹلی، ابوظہبی،

سعودی عرب، چین، انگلستان، مصر، کویت، نیپال، پاکستان، دوبئی، بحرین، مسقط، دوحہ، شام، اردن، انڈونیشیا، کنیڈا، جنیوا، ڈنمارک۔ پھر جن ممالک میں انہیں جانے کا اتفاق ہوا، اسکے بہت سے شہروں میں گھومے پھرے، ان تمام ملکوں کے سفروں میں انہوں نے مختلف سنٹروں اور اداروں میں تقریریں کیں اور ہر جگہ اسلام کی تبلیغ کی۔ اس طرح کہنا چاہیے کہ انہوں نے دنیا کے بہت سے بلاد وامصار میں اسلام کا پیغام حق پہنچایا اور اللہ کا کلمہ بلند کیا۔ بہ الفاظ دیگر دنیا کے بہت بڑے مبلغین اسلام میں ان کا شمار ہوا'' (دبستان حدیث: ص ۶۰۵)

جہاں میں اہل ایماں صورتِ خورشید جیتے ہیں
اِدھر ڈوبے اُدھر نکلے، اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے

● مولانا عبدالسلام رحمانی رحمہ اللہ نے ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں کے معروف مدرسہ ''جامعہ سراج العلوم'' (کنڈو بونڈیہار) میں حاصل کی اس کے بعد اپنے عم محترم استاذ گرامی مولانا محمد عابد رحمانی رحمہ اللہ کی کوششوں سے ۱۹۴۷ء میں دارالحدیث رحمانیہ میں داخلہ لیا لیکن تقسیم ہند کے وقت ہنگامہ خیز حالات کے سبب وطن واپس آگئے اور ۱۹۵۱ء میں جامعہ رحمانیہ بنارس میں داخل ہوکر مولانا نذیر احمد رحمانی رحمہ اللہ جیسے اساتذہ فن کی نگرانی میں اپنی تعلیم مکمل کی۔

مارچ ۱۹۵۸ء میں علوم مروجہ سے فراغت کے بعد ایک سال کی مدت مدھیہ پردیش (اسی دوران تکمیل الطب لکھنؤ میں داخلے کی کوشش اور اس سے برگشتگی)، سکندرآباد (بلندشہر)، مرادآباد، گنور، بدایوں، علی گڑھ اور آگرہ میں گزری۔ ۱۹۵۹ء میں مدرسہ اسلامیہ اکرہرا سے منسلک ہوئے پھر مارچ ۱۹۶۰ء سے ۱۹۶۳ء تک جامعہ سراج العلوم جھنڈا نگر نیپال میں تدریس کا فریضہ انجام دیا۔ وہاں سے بحکم شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانی مبارکپوری رحمہ اللہ، مولانا عبدالصمد شرف الدین رحمہ اللہ (صاحب الدار القیمۃ، بھمڑی۔ ممبئی) کے زیر نگرانی ''تحفۃ الاشراف للمزی'' اور ''المعجم المفہرس لألفاظ الحدیث النبوی'' کی تحقیق اور ایڈیٹنگ میں حصہ لیا، پھر اپنے والد گرامی کے انتقال پر گھر واپس آئے اور اپنی والدہ کے اصرار پر وہیں رک گئے۔ پھر سات سال ۱۹۹۶ء سے ۱۹۷۲ء تک جامعہ رحمانیہ بنارس میں بھی مدرس رہے (یہیں اس راقم کو ان سے تلمذ کا شرف حاصل ہوا۔) جامعہ رحمانیہ میں تدریس کے دوران اس وقت کے ناظم اعلیٰ جمعیت اہل حدیث ہند مولانا عبدالجلیل رحمانی رحمہ اللہ کے حسب حکم رمضان ۱۳۸۸ھ میں جنوبی ہند اور رمضان ۱۳۸۹ھ میں کوکن کے دورے کئے۔

● ۱۹۷۲ء میں ڈاکٹر عبدالحفیظ سلفی رحمہ اللہ کی صدارت (جس میں مولانا عبدالوحید سلفی رناظم اعلیٰ جامعہ سلفیہ، اور حافظ یحییٰ نائب صدر تھے) اور مولانا عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ کی نظامت کے دور میں مولانا جمعیت کے نائب ناظم اور پھر ناظم اعلیٰ اور پندرہ روزہ ترجمان کے مدیر رہے۔ مسلم پرسنل لا بورڈ کے رکن تھے، اس کی میٹنگوں میں اپنی علالت سے قبل برابر شریک ہوتے رہے۔

● انجمن اہل حدیث فیجی کی دعوت پر ۱۹۷۸ء میں فیجی تشریف لے گئے جماعت ومسلک کی سات سالہ خدمت کے بعد ۱۹۸۵ء میں وہاں سے واپس آئے اور اپنے آبائی مدرسہ ''جامعہ سراج العلوم'' بونڈیہار (بلرام پور) کے اہتمام کا عہدہ سنبھالا۔ مئی ۱۹۸۰ء میں بنگلور کے اجلاس شوریٰ میں انہیں پھر جمعیت کے نظامت علیا کا عہدہ تفویض کیا گیا۔

جامعہ سراج العلوم (کنڈو بونڈیہار) جہاں سے ان کی تعلیم کی ابتدا ہوئی تھی وہیں ان ذمہ داریوں کی انتہا بھی ہوئی، مرور ایام

کے ساتھ بیماریوں نے آگھیرا، دل کا عارضہ لاحق ہوا، بائی پاس سرجری ہوئی، طویل علالت کے بعد ۲۹ ردسمبر بروز اتوار صبح نو بجے اس دارفانی سے دار بقا کی طرف روانہ ہوگئے۔''اناللہ وانا الیہ راجعون'' اسی روز بعد نماز عصر اعزہ واقارب، قرب وجوار ضلعوں کے عمائدین، علمائے کرام، طلبہ اورعوام کے جم غفیر کی موجودگی میں نماز جنازہ ہوئی اور بونڈیہار کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔(اللھم اغفرلہ، وارحمہ، وعافہ، واعفُ عنہٗ، واکرم نزلہ ووسع مدخلہ!)۔

● مولانا نے اپنی فراغت کے بعد صحت وعافیت کے آخری دورتک بھرپور زندگی گزاری۔ ہمیشہ تعلیم وتربیت، تصنیف وتالیف اور تنظیم جماعت سے ان کی وابستگی رہی۔ جماعت کے اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے، کرۂ ارض کا مدور سفر کیا جہاں پہنچے توحید وسنت کی دعوت پیش کی اور حیات مستعار کے ایام گذار کر مالک حقیقی کی آواز پر لبیک کہا۔

● مولانا علمی ودعوتی امور میں اپنے استاد مولانا نذیر احمد رحمانی، اپنے مقامی استاذ مولانا محمد اقبال رحمانی، اور پھر شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانی مبارکپوری سے کافی متاثر تھے، بیرون ملک کی شخصیات میں علامہ ابن باز (سابق مفتی اعظم سعودی عرب) اور محدث الشام علامہ محمد ناصرالدین البانی (سیریا) مولانا محمد اسماعیل سلفی اور مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی (پاکستان) رحمہم اللہ وغیرہ ان کی نظر میں آئیڈیل تھے۔

مختلف مدارس (مدرسہ اسلامیہ اکرہرا، جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر نیپال، جامعہ رحمانیہ بنارس، جامعہ سراج العلوم بونڈیہار اور فیجی وغیرہ) میں تدریس کے سبب ملک وبیرون ملک میں آپ کے شاگردوں کی ایک بڑی تعداد موجود ہے۔

● ۱۳۸۹ھ۔ ۱۹۶۹ء میں جماعت رابعہ (جامعہ رحمانیہ بنارس) کے ہمارے قابلِ احترام اورذی شان رفقائے درس (جومولانا رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں) کی فہرست درج ذیل ہے جواپنے اپنے میدانہائے عمل میں کامیاب ترین نظماء، مصنفین ومحققین ، دعاۃ ومبلغین اور مدرسین کی حیثیت سے ملک وبیرون ملک میں معروف ہیں:

☆ مولانا عبداللہ سعود سلفی (ناظم اعلیٰ جامعہ سلفیہ بنارس)

☆ ڈاکٹر رضاء اللہ مبارکپوری رحمہ اللہ (سابق شیخ الجامعہ، بنارس)

☆ مولانا عزیر شمس (معروف محقق، مکہ مکرمہ)

☆ مولانا رفیع احمد عاقل (داعی ومبلغ، آسٹریلیا)

☆ مولانا عبدالقدوس خیراللہ (سینئر مدرس، جامعہ محمدیہ مالیگاؤں)

☆ مولانا الطاف الرحمن عبدالحلیم بنارسی (داعی اورتاجر حیدرآباد)

☆ ڈاکٹر بدرالزماں نیپالی (صدر جمعیۃ التوحید کپل وستو۔ نیپال)

☆ مولانا محمد عزیر املوی (عالمیت کے بعد تجارت میں مصروف ہوگئے)

☆ صلاح الدین مقبول احمد (راقم السطور)

ہمارے ان رفقائے جامعہ رحمانیہ میں ڈاکٹر رضاء اللہ مبارکپوری (رحمہ اللہ) نے سوئے منزل روانگی میں سبقت فرمائی، اور ہماری درماندگی کا خیال نہ کرکے ہمیں کچھ بعد میں اطمینان سے آنے کے لئے چھوڑ گئے (انتم سبقتم ونحن بکم لاحقون) اللہ تعالیٰ انہیں غریق رحمت فرمائے اور ہمارا حامی وناصر ہو!

● راقم السطور کو جامعہ رحمانیہ (بنارس) میں جب سے ان سے تلمذ کا شرف حاصل ہوا، اس دور طالب علمی سے لے کر ہوش وحواس کی بقا تک ہمیشہ مشفقانہ برتاؤ رہا، علالت کے بعد گاہے بگاہے عیادت کے لئے دولت خانے پر حاضری ہوتی رہی۔ لیکن ہر بار صحت روبہ زوال نظر آئی اور محفل کو اپنی علمی ودعوتی لطافت وظرافت سے قہقہہ زار بنانے والا استاذ بجھا بجھا سا رہا۔

● زمانہ طالب علمی سے ہی مولانا رحمہ اللہ میں تحریری رجحان موجود تھا، ۱۹۵۹ء سے باقاعدہ رسائل وجرائد میں مضامین کی اشاعت کا سلسلہ جاری ہوا۔ ۱۹۷۲ء سے ۱۹۷۸ء تک پندرہ روزہ ترجمان کے معاون مدیر اور پھر مدیر رہے، مرکزی جمعیت کی نظامت کے دوسرے دور میں اس کے مدیر مسئول رہے۔ جماعت کے تمام جرائد ومجلّات سے قلمی رشتہ رہا، بطور خاص ''نورتوحید'' نیپال (بہ ادارت مولانا عبداللہ مدنی) سے گہری وابستگی رہی، اس میں برابر ان کے مضامین شائع ہوتے رہے۔ ''نورتوحید'' کی اشاعت کے پندرہ سال پورے ہونے پر اس کی طرف سے انہیں علمی ایوارڈ دیا گیا۔ مولانا نے جہاں ''**تحفة الاشراف**'' اور **المعجم المفهرس**' کی تحقیق واشاعت میں ہاتھ بٹایا وہیں آپ نے تقریباً (۲۵) کتابیں تصنیف کی ہیں جن میں (۱۷) سے زائد کتابیں مطبوع ہیں۔ جو بچوں سے لے کر تمام عمر کے لوگوں کے لئے یکساں مفید ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں مصنف کیلئے ذخیرۂ آخر بنائے!

● استاذ گرامی کی علم دوستی، علماء وطلبہ سے تعلق خاطر اور اپنے اس شاگرد (راقم السطور) اور اس کے ماحول کے بارے میں انہیں کے الفاظ میں ان کے تاثرات ملاحظہ فرمائیں:

''ہمیں کویت کی جو چیز سب سے زیادہ پسند آئی وہ وہاں کی دینی فضا تھی۔ وہاں ہمارا ملنا جلنا رہنا سہنا اپنے سلفی اخوان میں ہوا۔ وہاں سلفی العقیدہ نوجوان نسل کی الحمدللہ بہت بڑی تعداد ہے جو عقیدہ میں بھی بہت پختہ ہیں اور عملی حالت بھی ان کی اس قدر بہتر ہے کہ ہم نے ویسے صالح شباب کہیں نہ دیکھے۔ ان میں علمی شوق اور استفادہ کا رجحان بہت نظر آیا۔ محدث عصر علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ کی کتابوں اور ان کی تحقیقات وتعلیقات سے استفادہ کا بہت نمایاں وخصوصی لگاؤ میں نے ان میں دیکھا۔ کم عمر نوجوانوں تک کی یہ کیفیت میں نے دیکھی کہ احادیث کی معلومات اور ان احادیث کے صحت وسقم سے آگاہی ان میں بہت زیادہ تھی۔ مجھے یہ دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی اور بار بار ان شباب کے لئے دل سے نیک دعائیں نکلتی رہیں اور رشک ہوتا رہا کہ کاش ہم نے بھی اسی فضا میں آنکھیں کھولی ہوتیں اور اسی طرح عمر گزاری ہوتی۔ وہاں کے شباب کو ہم نے اپنے محترم عزیز بھائی شیخ صلاح الدین مقبول احمد سے بھی بہت متاثر پایا جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے بڑی صلاحیت وصالحیت عطا فرمائی ہے۔ **بارک الله له في علمه وعمله وعمره** (دیار غیر میں: ص ۲۵۵)

استاذ گرامی رحمہ اللہ دار حق میں اللہ رحیم وکریم کے سپرد ہیں وہ ان کی مغفرت فرمائے اور اپنے شاگرد (راقم السطور) اور اس کے گردوپیش ماحول کے بارے میں ان کے ان تاثرات، احساسات وجذبات، نیک خواہشات اور دعاؤں کو شرف قبولیت بخشے!

● فیجی میں قیام ترک کر کے ہندوستان واپسی کے وقت اللہ کے حضور عاجزی وانکساری اور اپنی دعوتی کوششوں کی قبولیت کے سلسلے میں ان کی آہ وزاری ملاحظہ فرمائیں:

''میں نے فیجی میں تقریباً سات سال تبلیغی خدمات انجام دیے۔ (از ۱۵/رجب ۱۳۹۸ھ تا ۱۷/جمادی الاخری ۱۴۰۵ھ) میں

اپنے رحیم وکریم آقا مولیٰ سے بتضرع وزاری دعا والتجا کرتا ہوں کہ بارالٰہا! تو میری تمام ترکوتاہیوں وخامیوں کے باوجود میری ان کمترین محنتوں وکوششوں کو اپنے فضل وکرم سے شرف قبولیت عطا فرما اور اسے میرے لئے فلاح اخروی کا ذریعہ بنادے۔ میں تیرا بندۂ ناچیز تیری کرم گستری وذرہ نوازی کو سوچتا ہوں تو دل کہتا ہے کہ تو میرے ان ٹوٹے پھوٹے اعمال کو بھی اپنے فضل وکرم سے شرف قبول عطا کرے گا اور تو اسے میری تمام تر لغزشات کے باوجود بھی ضائع نہ فرمائے گا۔

تو کریم ہے تو رحیم ہے مری لغزشوں پہ نظر نہ کر
تری خو عطا، میری خو خطا، نہ وہ تجھ میں کم ، نہ یہ مجھ میں کم

اس تحریر سے تضرع اور انابت الی اللہ کا عجیب منظر ابھر کر سامنے آرہا ہے۔ اللہ تعالیٰ تیرا یہ بندہ اب تیرے سپرد ہے تو اس پر رحم فرما!

● اس تضرع کے بعد مولانا رحمہ اللہ رقم طراز ہیں: ''اس موقع پر جی چاہتا ہے کہ میں اپنا ایک خواب ذکر کردوں جو مجھ جیسے ناچیز وکمترین کے لئے بڑی سعادت ومسرت کا موجب ہے۔۔۔۔۔۔''

''جمعرات ۱۷ رذی الحجہ ۱۳۹۹ھ مطابق ۸ رنومبر ۱۹۷۹ء کی صبح تبلیغی پروگرام مکمل کر لینے کے بعد میں جناب واجد علی صاحب کے مکان والے اپنے اسی رہائشی کمرہ میں سویا ہوا تھا کہ مجھے حبیب کبریا احمد مجتبیٰ محمد مصطفی فداہ ابی وامی ﷺ کا دیدار نصیب ہوا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کسی مہم سے فارغ ہو کر آئے ہیں اور اب رسول اللہ ﷺ ہم سے رخصت ہو رہے ہیں۔ میں نے آپ سے سلام کیا اور مصافحہ کیا۔ آپ نے میرے سلام کا جواب دیا اور صرف دایاں ہاتھ بڑھا کر مصافحہ کیا جو مجھے بڑا شفقت آمیز محسوس ہوا۔ میرے سامنے پانچ چھ گز کے فاصلے پر لٹوکا کے بھائی محمد حنیف صاحب تھے جن میں بڑی مسلکی حمیت تھی (اب اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں، رحمہ اللہ وغفرلہ وادخلہ جنۃ الفردوس) میں نے ان سے کہا: دیکھئے رسول اللہ ﷺ صرف ایک ہاتھ سے مصافحہ کر رہے ہیں''

میرا دل اس خواب کے بعد فرط مسرت سے معمور تھا اور سوچتا ہوں کہ شاید اللہ تعالی نے ہماری اس تبلیغی مہم کو شرف قبول عطا فرمایا اور اس خواب کے سبب دل کہتا ہے کہ شاید اللہ تعالیٰ نے ہماری یہ تبلیغی کوشش قبول فرمالی'' (دیار غیر میں: ص ۱۳۹ تا ۱۴۲)

حدیث میں وارد شرائط کے ساتھ خواب میں نبی کریم ﷺ کی رویت خواب دیکھنے والے کے لئے بشارت ہے۔ اللہ اسے مولانا رحمہ اللہ کے حق میں واقعی بنادے۔!

● استاذ گرامی رحمہ اللہ سے جامعہ رحمانیہ (۱۹۶۹ء) میں شرف تلمذ کے بعد کم وبیش سفر وحضر میں بھی ان کے ساتھ رہنے کا موقع ملا۔ جس طرح ان کا طریقۂ تدریس نرالا، انداز افہام وتفہیم دلنشین اور معلومات عامہ، لطائف وحکایات اور اشعار سے مزین ہوتا تھا اسی طرح مجلسوں میں عام گفتگو کے دوران بھی ان کا انداز تخاطب ناصحانہ، مشفقانہ اور ظریفانہ ہوتا۔

مدینہ یونیورسٹی کے زمانے میں ایک بار فیجی کے اہل حدیث حجاج کے ساتھ تشریف لائے تو ان کی ذرہ نوازی کہیے کہ ازدحام کے سبب کئی راتیں ہاسٹل میں گذاریں۔ کویت کئی بار تشریف لے گئے، پہلے سفر میں ان کا قیام راقم کے پاس تھا مجلسوں اور تفریحی پروگراموں میں کویت کے نوجوانوں سے ملاقاتیں رہیں۔ فیجی میں دعوت وتبلیغ کے حوالے سے عجیب وغریب واقعات بیان فرماتے۔ انہیں واقعات میں سے ایک دلچسپ واقعہ قابل ذکر ہے:

''فیجی کے اصلی باشندے سوا سو ڈیڑھ سو سال قبل جنگلی اور آدم خور تھے، برطانیہ کے تسلط کے بعد حکومت زبردستی ان سے گنے کی کاشت کرواتی تھی، دن بھر ڈر کے سبب کام کرتے اور رات کو اسے اکھیڑ دیتے۔ ایک بار مشن کا ایک پادری عیسائیت کی تبلیغ کے لئے ان کے پاس جنگل میں گیا، اس کی باتیں ان جنگلیوں نے بڑے غور سے سنیں اور کہا کہ تمہاری بات بہت اچھی ہے، لیکن تمہارا گوشت اس سے بھی اچھا ہے، پھر اسے قتل کر کے جوتے سمیت پکا ڈالا (انہیں یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ لوگ جوتے پہنتے ہیں)۔

ان جیسے واقعات سے کویتی جوان بے حد محظوظ ہوئے اور مولانا کی مجلسوں کو وہ ابھی تک یاد کرتے ہیں، پھر بعد میں مولانا جب بھی کویت تشریف لے جاتے تو بڑی محبت سے ان کا استقبال کرتے اور ان سے مستفید ہوتے۔ ان نوجوانوں کے بارے میں مولانا رحمہ اللہ کے تأثرات گذر چکے ہیں۔

● استاذ گرامی رحمہ اللہ کے سفرنامہ ''دیار غیر میں'' کے مطالعے سے ان کا نقشہ ایک باغیرت عالم دین اور سلفیت کے عالمی نمائندہ کی حیثیت سے ابھر کر سامنے آتا ہے۔ فیجی میں سلفیت کی بنیاد کو آپ نے مضبوط کیا، اس کے بعد مولانا رفیع احمد عاقل کی کوششیں بھی شامل رہیں، جماعت کے معروف قلم کار مولانا عبدالمعید مدنی نے جمعیت کی مضبوطی کے لئے ذہن سازی کر کے افراد تیار کئے اور اپنے آپ کو وہیں سے منسوب کر لیا۔ اللہ تعالیٰ ان تمام حضرات کو اجرِ جزیل سے نوازے۔

مولانا رحمہ اللہ نے اپنے کسی سفر میں امریکہ سے خاکسار کو ایک خط لکھا کہ یہاں قصابوں کی مختلف دکانوں سے گوشت جمع کیا جاتا ہے اور اسے خلافِ واقعہ اسلامی طریقے پر ذبح کرنے کا اسٹیکر لگا کر کویت بھیجا جاتا ہے لہٰذا حقیقت حال سے ذمہ داروں کو باخبر کیا جائے تاکہ اس کا تدارک ہو سکے!

مولانا رحمہ اللہ نے بڑے غیرتمندانہ انداز میں مجھے مخاطب کیا اور اکسپورٹ اور امپورٹ کرنے والی دونوں کمپنیوں کا نام بھی لکھا۔ میں نے مولانا رحمہ اللہ کے حسب حکم ذمہ دار دوستوں سے اس سلسلے میں رابطہ قائم کیا، انہوں نے بھی غیرت مندی کا ثبوت دیتے ہوئے معاملے کی تحقیق کی تو پتہ چلا کہ امپورٹ کرنے والی کمپنی کا گوشت مسلمان نہیں صرف کورین اور چینی مزدور وغیرہ کھاتے ہیں جن کے یہاں حلال وحرام کی کوئی تمیز نہیں بلکہ ان کی وجہ سے کویت میں تو کتوں اور بلیوں کا وجود خطرے میں ہے، اللہ تعالیٰ مولانا رحمہ اللہ کو ان کی اس غیرت پر اجر جزیل عطا فرمائے۔

مولانا سے متعلق اس طرح کے کتنے واقعات وحادثات ہیں جو ان کے شاگردوں کو معلوم ہوں گے ضروری ہے کہ ان کو قلم بند کر کے ان کی شاگردی کا حق ادا کیا جائے۔

دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ دعوت وتبلیغ کے لئے مختلف ممالک میں مولانا کی تگ وتاز کو شرف قبولیت بخشے، اور ان کی بشری لغزشوں سے درگذر فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے نوازے۔ آمین۔

(نوٹ: مولانا رحمانی رحمہ اللہ کے دعوتی اسفار کی تفصیلی کے لئے ملاحظہ ہو ان کا سفرنامہ ''دیار غیر میں'')

(ماہنامہ محدث بنارس، مارچ ۲۰۱۴ء)

❑❑❑

شیخ اشفاق احمد نعیم الدین مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ

کچھ بھولی بسری یادیں

۱۹۵۵ء ۲۰۱۴ء

مولانا شریف اللہ محمد قاسم سلفی

سابق شیخ الجامعہ، جامعہ عالیہ عربیہ، مئو

متحدہ ضلع بستی وگونڈہ (بلرام پور، سنت کبیر نگر، سدھارتھنگر) مہراج گنج، گورکھپور، دیوریا، بہار کے قریبی اضلاع اور نیپال کے ترائی علاقہ میں توحید وسنت کی جو روشنی دکھائی پڑتی ہے وہ مولانا جعفر علی نقوی مجھوا میر اوران کے مخلص احباب کی مخلصانہ اور انتھک کوششوں کا ثمرہ ہے، مولانا جعفر علی نقوی مولانا شاہ اسماعیل اور سید احمد رحمہا اللہ کے فیض یافتہ اور معتمد خاص تھے اوران کے ساتھ سرحد پر رہتے تھے، یہ بذات خود ایک مجاہد اور ممتاز عالم دین بھی تھے۔ سانحۂ بالاکوٹ کے بعد امیر وقت شیخ محمد پھلتی رحمہ اللہ سے اجازت لے کر گھر آ گئے اور دعوت وتبلیغ کے ساتھ مدارس کے قیام کی زبردست تحریک چلائی اور گاؤں گاؤں، قصبہ قصبہ، شہر شہر گھوم کر مدرسے قائم کرتے، وہاں کچھ دن قیام کرتے اور پھر کسی کو منتظم بنا کر آگے بڑھ جاتے۔ ۱۸۵۴ء میں آپ نے دارالہدی یوسف پور کی بنیاد ڈالی جو زمانہ کے نشیب وفراز سے گزرتے ہوئے آج تک دین کی نشر واشاعت کرتا چلا آرہا ہے۔

یوسف پور میں مولانا عباد اللہ رحمہ اللہ، مولانا جعفر علی نقوی کے معتمد خاص تھے، آپ نے ان کے مشن کو کامیاب بنانے میں اہم رول ادا کیا ہے اور یوسف پور واطراف میں ان کے کارہائے نمایاں اظہر من الشمس ہیں۔

ایک بیدار مغز سرپرست:

یوسف پور سے اتر ''بلوہی'' نام کا ایک گاؤں ہے جو مولانا اشفاق احمد مدنی رحمہ اللہ کا مسکن ہے، ان کے والد محترم نعیم الدینؒ مولانا عباد اللہ کے تربیت یافتہ تھے، وہ بہت ہی ذہین اور ہوشیار تھے، باقاعدہ سند یافتہ تو نہیں تھے مگر علماء کی صحبت سے بہت زیادہ دینی مسائل کا علم رکھتے تھے اور حالات حاضرہ پر بہت گہری نگاہ رکھتے تھے، جب تک باحیات رہے گاؤں کی پوری سیاست انہیں کے اردگرد گھومتی تھی۔ اپنے حسن اخلاق، معاملہ فہمی، رواداری، نزاعی صورت میں عدل وانصاف، بلا تفریق ہر ایک کے کام آنا، غرباء ومساکین کی خفیہ مدد کرنا آپ کا محبوب مشغلہ تھا۔ علم اور اہل علم سے از حد محبت کرتے تھے اور علماء کی صحبت میں رہنا پسند کرتے تھے۔ یہ علم اور اہل علم سے دوستی ہی کا اثر ہے کہ اپنے گاؤں بلوہی میں آپ نے ایک دینی مکتب بنام شمس العلوم قائم کیا اور اس کے ذریعہ گاؤں اور قرب وجوار میں علم کی روشنی پھیلانے کی کامیاب کوشش کی۔ اس مکتب سے اپنی تعلیم کا آغاز کرنے والے بہت سے افراد آج تعلیمی

میدان میں نمایاں ہیں اور کچھ دوسرے تجارتی اور سیاسی اعتبار سے بہت آگے ہیں۔

مدرسہ شمس العلوم کے مستفیدین کے سرخیل شیخ اشفاق احمد مدنیؒ کے والد محترم کی دلی خواہش تھی اور اپنی حد تک کوشش بھی کی کہ میرے پانچوں لڑکے عالم دین بنیں مگر ایسا نہیں ہوسکا۔ ''وماتشاؤن الا ان یشاء اللہ'' (یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا'')۔

والد محترم کی دلی خواہش کی تکمیل شیخ اشفاق احمد رحمہ اللہ سے ہوئی، اس لئے آپ انہیں اپنی تمام اولاد میں سب سے زیادہ پیار کرتے تھے اور اپنے تمام امور اور مشوروں میں شریک بھی کرتے تھے جیسا کہ میں نے مشاہدہ کیا ہے۔ ایک مرتبہ میں بلوہی میں تھا۔ بہت ہی ضروری کام سے نکلنا تھا۔ کھانا کھانے کے بعد میں فوراً تیار ہوگیا۔ مگر مولانا اشفاق احمد رحمہ اللہ کے والد نے ان سے کہا کہ آدھا گھنٹہ لیٹ لیجئے تب چلتے ہیں، اور پھر وہی ہوا۔ پھر مجھ سے کہنے لگے: ''مولانا کی طبیعت کی فکر زیادہ رہتی ہے اس لئے کہا کہ آرام کر لیجئے۔ آدھا گھنٹہ بعد چلیں گے۔

نام ونسب: اشفاق احمد بن نعیم الدین بن محمد رضا

مولود: نو جولائی سن انیس سو پچپن عیسوی (۹/۷/۱۹۵۵ء)

تعلیمی مراکز:

آپ نے اپنی تعلیم کا آغاز گاؤں کے مدرسہ شمس العلوم سے کیا اور درجہ پنجم اچھے نمبرات سے پاس کرنے کے بعد دار الہدیٰ یوسف پور آئے اور ۵/سال درجہ ۶ سے عربی جماعت ثالثہ تک وہاں کے اساتذہ سے فیض یاب ہوئے، ان دنوں اس علاقہ میں مفتی عبد العزیز مئویؒ کا بڑا شہرہ تھا جو مدرسہ انوار العلوم پرساعماد سدھارتھ نگر میں بحیثیت مفتی وشیخ الحدیث تھے۔ ان سے استفادہ کی غرض سے آپ انوار العلوم پرساعماد گئے، ایک سال رہ کر جامعہ سلفیہ بنارس کا رخ کیا۔ ان دنوں جامعہ سلفیہ تعلیم وتربیت دونوں اعتبار سے ممتاز تھا اور داخلہ امتحان بہت ٹھوس ہوتا تھا، تعلیمی ماحول بہت اچھا تھا، اساتذہ وطلبہ کے مابین خوشگوار روابط رہتے تھے۔ ایسے ماحول میں ہر باشعور طالب تعلیم حاصل کرنے کا خواہاں رہتا تھا، آپ کی قسمت نے یاوری کی اور آپ کا داخلہ عالم اول میں ہوگیا، پھر چھ سال تک اسی علمی ماحول میں پلے بڑھے اور اپنے آپ کو کسی لائق بنانے کی کامیاب کوشش کی اور ۱۳۹۷ھ میں عالم وفاضل کی ڈگری اچھے نمبرات سے حاصل کی۔ ۱۳۹۷ھ میں فراغت کے بعد اساتذہ کرام کی رہنمائی سے مدرسہ احیاء العلوم جلالی پور بنارس میں درس وتدریس کا فریضہ انجام دینے لگے۔ دوران تدریس جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ میں داخلہ کی کارروائی بھی کرتے رہے اور ایک سال پورا ہوتے ہوتے جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ میں داخلہ کی خوشخبری آ گئی۔ ان دنوں طلبۂ جامعہ سلفیہ بنارس کے لئے جامعہ اسلامیہ کا دروازہ کھلا تھا اور بہت سے خوش نصیبوں کو استفادہ کا سنہری موقع ملا اور حرم نبوی میں صلاۃ ادا کرنے کی ان کی دلی خواہش پوری ہوئی۔ آپ نے جامعہ اسلامیہ میں کلیۃ الحدیث میں داخلہ لیا اور پورے چار سال محنت کر کے لیسانس (بی اے) کی ڈگری حاصل کی۔ ان دنوں جامعہ اسلامیہ مدینہ کے فارغین کو دعوت وتبلیغ کے لئے دنیا کے مختلف خطوں میں بھیجا جاتا تھا۔ فراغت کے بعد آپ نے بھی درخواست دی اور محترم شیخ قعود نے انٹرویو لیا اور کامیاب ہوگئے، اس انٹرویو کے متعلق آپ کا بیان ہے کہ انٹرویو کے بعد جب مجھے معلوم ہوا کہ شیخ قعود نے میرا انٹرویو لیا ہے تو مجھ پر سکتہ طاری ہوگیا، اگر مجھے پہلے معلوم ہوجاتا کہ شیخ قعود میرا انٹرویو لیں گے تو میں اتنے اطمینان سے

جواب نہیں دے پاتا۔ بہر حال آپ انٹرویو میں کامیاب ہو گئے اور میدان عمل کے انتخاب میں آپ نے جامعہ عالیہ عربیہ کو ترجیح دی۔ جامعہ عالیہ عربیہ کے بارے میں معلوم کیا تو پتہ چلا کہ میرے دو ساتھی (مولانا اقبال احمد کفایت اللہ سلفیؒ اور راقم الحروف) جامعہ عالیہ میں اطمینان سے ہیں تو مجھ کو ایسا لگا کہ وہاں کا ماحول اچھا ہے اس لئے میں نے اسے ترجیح دی اور یہاں آنے کے بعد میرا فیصلہ صحیح ثابت ہوا۔ پھر جب آپ مئو آ گئے تو یہیں کے ہو کر رہ گئے حتیٰ کہ مشیت الٰہی سے مئو کو اپنی آخری آرام گاہ بھی بنا لیا۔

حلیہ:

سانولا رنگ مگر بہتر نقوش، جاذب نظر، دیکھنے میں سنجیدگی و شرافت ٹپکتی تھی، گول چہرہ جس پر ہلکی مسکراہٹ رقصاں رہتی تھی، گھنی داڑھی، چوڑی پیشانی جس سے ذہانت کا پتہ چلتا تھا، آنکھیں قدرے بڑی جن سے وفا جھلکتی تھی، درمیانہ قد جو خیر الامور اوسطہا کا نمونہ تھا، راستہ چلتے وقت عموماً بائیں جانب رہنا پسند کرتے تھے اور آہستہ آہستہ چلتے تھے، سلام کرنے والوں کا جواب ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ دیتے تھے، سفید لباس ہی پہلی پسند تھی، کبھی بھی رنگین لباس پسند نہیں کیا، سر کو جودھپوری مخملی ٹوپی سے زینت دیتے تھے، لیکن ادھر آخری ایام میں کپڑے کی ٹوپی بھی استعمال کرنے لگے تھے۔

معمولات:

۱۹۸۲ء میں مئو آئے، کچھ دنوں تک محلہ ڈومن پورہ حبہّ میں اکیلے رہے اور پھر بچوں کے ساتھ رہنے لگے اور اخیر تک بچوں کے ساتھ رہے۔ اپنا ذاتی مکان بھی بنا لیا ہے۔ سویرے اٹھنا، فجر کی صلاۃ کے بعد چہل قدمی کرنا اور پھر غسل و ناشتہ کر کے درس و تدریس کے لئے جامعہ کا رخ کرنا، جامعہ آنے کے بعد مفوضہ ذمہ داری بحسن وخوبی انجام دینا آپ کا روزمرہ کا معمول تھا، جامعہ میں آپ کو جو بھی ذمہ داری دی جاتی حسب استطاعت بہترین طریقے سے انجام دیتے، کسی بھی ذمہ داری کے قبول کرنے سے کبھی انکار نہیں کیا، ایسا لگتا تھا کہ ان کی زندگی میں انکار کا لفظ تھا ہی نہیں، جامعہ سے گھر پہنچنے پر دوپہر کا کھانا کھا کر قیلولہ ضرور کرتے تھے۔ بعد صلاۃ عصر گھریلو ضروریات کی فراہمی کے لئے باہر نکلتے، مغرب کی صلاۃ محلے کی مسجد میں ادا کرتے اور پھر گھر جانے کے بعد رات دیر تک کتابوں کی ورق گردانی کرتے رہتے تھے۔

اخلاق وعادات:

آپ اعلیٰ اخلاق کے حامل تھے، خوددار تھے، بلند ہمت والے تھے، فارغ البال تھے اور احباب کی محفل میں ''ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم'' کی سچی تصویر تھے۔ مرنجان مرنج طبیعت کے مالک تھے۔ ہندوستان کے سبھی عربی مدارس کے کیمپس میں کچھ کم وبیش کشاکش کا جو ماحول رہتا ہے بالخصوص اساتذہ کا آپس میں، اساتذہ اور طلبہ میں جو دوری رہتی ہے، ایسے ماحول میں جو شخص اپنا دامن بچا کر نکل جائے وہ حقیقتاً بہت اونچے اخلاق کا حامل، نیک بخت اور لائق تعریف ہی نہیں بلکہ لائق تقلید بھی ہے۔ شیخ ایسے ماحول سے بھی بڑی حکمت سے گزر گئے ''نہ کاہو سے دوستی نہ کاہو سے بیر'' یہ آپ کی عظیم حکمت ودانائی اور بصیرت ہی تھی کہ کسی بھی موڑ پر کسی

سے تو تو میں میں نہیں کرتے۔ اگر کوئی چیز اچھی نہیں لگی یا کسی کی کوئی بات مناسب نہیں معلوم ہوئی تو ماحول کو بھانپ لینے کے بعد اگر جواب دینا مناسب سمجھتے تو جواب دیتے ورنہ خاموش رہتے اور پورے معاملہ کو اللہ کے حوالے کر دیتے۔ یہ تو ان کا اپنا ذاتی معاملہ تھا، خود میرے بارے میں اگر کبھی میں ذہنی انتشار کا شکار یا مایوس و غمگین ہو جاتا تو فرماتے: سنئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث سامنے رکھئے: ''اگر پوری دنیا کے لوگ مل کر تمہیں نقصان پہنچانا چاہیں تو اتنا ہی نقصان پہنچا پائیں گے جتنا اللہ نے مقدر کر رکھا ہے اور اگر پوری دنیا کے لوگ مل کر فائدہ پہنچانا چاہیں تو اتنا ہی پہنچا پائیں گے جتنا اللہ نے مقدر کر رکھا ہے'' اور اللہ کا یہ فرمان بھی یاد رکھئے: {وَإِن يَمْسَسْكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ وَإِن يُرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَادَّ لِفَضْلِهِ يُصِيبُ بِهِ مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَهُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ} (یونس:۱۰۷)

اس لئے الجھنے سے کوئی فائدہ نہیں، اللہ پر کامل یقین رکھو وہ سب دیکھ رہا ہے، آپ کے لئے اور ہمارے لئے جو مناسب ہوگا وہی کرے گا، وہی سب کچھ کرتا ہے، اسی کو کرنا بھی ہے، یہ اور اس طرح کی حوصلہ افزا باتیں ہوا کرتی تھیں۔

البتہ اگر کوئی آپ کو دھوکہ دیتا یا جھوٹ بول کر کچھ نقصان کر دیتا یا وہ اپنا الوسید ھا کر لیتا ایسے موڑ پر بھی آپ تکرار پسند نہیں کرتے بلکہ اس سے جھگڑنے کے بجائے دور ہو جاتے اور اس کی اصلاح کے لئے دعا کرتے اور یہ کہا کرتے: اللہ مجھے صبر دے اور اسے ہدایت دے۔

رمضان کے کچھ دنوں پہلے آپ کی والدہ محترمہ کا جو بہت زیادہ دنوں سے بیمار تھیں، انتقال ہو گیا، آپ کو صدمہ تو زبردست تھا مگر اللہ کا فیصلہ اٹل ہے۔ کہا کرتے تھے: ''اپنی طاقت کے مطابق والدہ کی خدمت اور علاج و معالجہ میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ ان کی جدائی کا غم تو زندگی بھر رہے گا۔ اب میں بھی آپ کی طرح دنیا کی بے لوث خدمت گزار ماں کے سایۂ عاطفت اور ان کی بابرکت دعاؤں سے محروم ہو گیا، اب وہ ہماری دعاؤں کی محتاج ہو گئیں'' قدرت کا حکمت سے لبریز یہ فیصلہ دیکھئے کہ ابھی چند ہی دن گزرے ہیں کہ آپ بھی دوسروں کی دعاؤں کے محتاج ہو گئے۔

والدہ محترمہ کے انتقال کے چند ہی دنوں بعد بھائیوں نے بٹوارہ کر لیا اور بظاہر آپ کا نقصان رہا، کچھ دنوں تک بہت دکھی رہے مگر کچھ میری تسلی اور زیادہ تر اپنی فطری عادت کی بنا پر صبر کر گئے اور بھائیوں سے منہ موڑنے کی نوبت نہیں آئی جب کہ ایسے موڑ پر لوگ بری طرح بکھر جاتے ہیں اور سارے رشتے منقطع کر لیتے ہیں، لیکن آپ کو منجانب اللہ صبر کی جو دولت نصیب ہوئی تھی اسے آپ نے اپنایا اور جو فیصلہ بھائیوں کی موجودگی میں ہوا اس پر راضی ہو گئے، اب آپ نہیں ہیں مگر آپ کی اولاد آپ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اس پر راضی رہے گی۔ (ان شاء اللہ)

آپ بہت صابر و شاکر تھے، اس کا اندازہ اس سے لگا سکتے ہیں کہ بیماری نے کافی دنوں سے آپ کے گھر کو گھیر رکھا ہے، والد محترم کی بیماری، علاج و معالجہ اور پھر وفات، بڑے بھائی کی بیماری اور وفات، پھر والدہ محترمہ کی کئی سالوں سے علالت، علاج و معالجہ اور پھر جدائی، خود آپ کی شریک حیات کی ایک مدت سے بیماری اور علاج اور ادھر اپنا خود دوا علاج، ساتھ ہی بچیوں کی بیماری میں بے تحاشہ خرچ (بحمد للہ اب صحتیاب ہیں) اتنی ساری پریشانیوں کے بیچ رہ کر بھی کبھی ناشکری کے کلمات نہیں سنے گئے حتی کہ یہ بھی نہیں کہا کہ بڑی پریشانی ہے بلکہ ہر حال میں اللہ کی حمد و ثناء کرتے رہے۔ اللہ کے فیصلے پر اپنی رضا کا اظہار کرتے اور کہا کرتے: ''یہ تو اللہ کی

آزمائش ہے۔اللہ تعالیٰ کامیاب کرے اور آخرت کی کڑی آزمائش سے بچائے۔آمین‘‘

آپ از حد نرم دل اور نرم مزاج تھے، مجبور و بے کس اور غریب و مسکین سے پیار کرتے، ان کی خفیہ مدد کرتے، ذی علم، صاحب ثروت اور فارغ البال ہونے کے باوجود لومۃ لائم کی پرواہ کئے بغیر ساتھ رہنا پسند کرتے تھے۔

مدرسہ کے پڑوس میں ایک مجبور بوڑھی عورت ہے غالباً پہلی مرتبہ اسے دیکھا، اس نے سلام کیا اور کسی کھانے والی چیز کا مطالبہ کر بیٹھی، آپ نے فوراً کچھ روپیہ نکال کر ہاتھ پر رکھ دیا۔اس نے کہا: میں روپیہ لے کر کیا کروں گی میں تو چل پھر نہیں سکتی، مجھے کچھ کھانے والی چیز دے دیجئے، آپ نے کہا: پیسہ رکھ لو میں کھانے کی چیز بھجوادیتا ہوں اور پھر ایک بچے کے ذریعے ڈھیڑ سا کھانے کا سامان بھجوادیا۔اس کے بعد بہت دردانگیز آواز میں کہتے ہیں: اسی طرح میری ماں بھی کافی دنوں تک بیمار تھیں اور مجبور تھیں اور آگے کچھ نہیں کہہ سکے کیوں کہ آواز بھرائی ہوئی تھی جس سے دلی تکلیف کا اندازہ ہوتا تھا، غریبوں کیساتھ رہ کر ان کی مدد کرنے میں کافی سکون محسوس کرتے تھے، ایسے لوگ آج بھی تڑپ رہے ہیں۔اللہ تعالیٰ ان کے لئے کوئی سبیل پیدا کردے۔آمین۔

جہاں تک مجھے معلوم ہے آپ از حد امین تھے اور امانت میں کبھی خیانت نہیں کرتے تھے۔اہم اور غیر اہم کوئی بھی بات یا راز ہوا سے اپنے سینے میں محفوظ رکھتے تھے، اگر اس کے متعلق کوئی پوچھتا بھی تو اظہار نہیں کرتے اور اپنے آپ کو بچالیتے۔ایک جگہ رہتے ہوئے ایک دوسرے کے کام آنا اور قرض لینا اور دینا آپ سے بھی ہوتا تھا مگر آپ اس بارے میں بہت حساس تھے اور کبھی قرض واپس کرنے میں ٹال مٹول نہیں کرتے تھے۔البتہ قرض کی وصولیابی میں از حد نرمی برتتے تھے، اس وجہ سے میری معلومات کی حد تک بہت سی رقم واپس نہیں ملی مگر اس پر کوئی غلط تبصرہ یا جھگڑا وغیرہ نہیں کیا۔تقریباً پندرہ سال پہلے کا واقعہ ہے ایک صاحب نے آپ سے ایک متعارف کو بطور قرض کافی رقم دلادی۔واپسی کی ساری ذمہ داری اپنے ذمہ لی۔مگر از حد معمولی رقم کے علاوہ کچھ بھی نہیں ملا اور حسب وعدہ خود بھی ادا نہیں کیا۔پھر بھی آپ صبر کر گئے البتہ جس نے رقم دلائی تھی اس سے دور ہو گئے، اس طرح کے کئی واقعات ہیں جو آپ کی امانت و دیانت پر مکمل طور پر شاہد عدل ہیں۔ایک ساتھ رہتے ہوئے آپس میں کبھی کبھی تلخی آجاتی ہے یا کچھ ناخوشگوار حالات پیدا ہوجاتے ہیں جس سے دودلوں میں کچھ دوری ہوجاتی ہے۔مگر میں بڑے وثوق سے یہ لکھ رہا ہوں کہ ۳۳ سالہ رفاقت میں ایک دن بھی ایسا نہیں گزرا کہ میرے اور ان کے درمیان کوئی تلخی ہوئی ہو۔تو تو میں میں کی بات تو بہت دور کی ہے۔ہاں کبھی کبھی نظریاتی اختلافات ہوا ہے مگر وہ صرف اور صرف اسی مجلس تک اور گفتگو کے اختتام تک اور اس کے بعد کوئی اثر نہیں، میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ میرا اور ان کا تعلق الحب للہ تھا اس لئے اس میں کبھی دراڑ نہیں پڑی، اگر آج شیخ موجود ہوتے تو اس سے زیادہ زوردار الفاظ میں اس کی تائید کرتے۔

تدریسی ادارے:

دوران تعلیم آپ پانچ اداروں کے خوشہ چیں رہے اور وہاں کے اساتذہ سے بھرپور استفادہ کیا اور ان کی علمی صحبت سے ظاہر و باطن صیقل کیا۔مگر درس و تدریس کے صرف دو ادارے دکھائی پڑتے ہیں:

(۱) مدرسہ احیاء العلوم جلالی پور بنارس، جہاں آپ صرف ایک سال رہے (شوال ۱۳۹۷ھ سے شعبان ۱۳۹۷ھ تک) وہ بھی

جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ طیبہ جانے سے پہلے۔

(۲) جامعہ عالیہ عربیہ مئو۔ مئو میں آپ محرم ۱۴۰۳ھ میں تشریف لائے اور اخیر عمر (ذی الحجہ ۱۴۳۵ھ) تک رہے۔

درس وتدریس کا انداز:

آپ ماہر درسیات تھے، آپ کی پوری توجہ درسی کتابوں پر رہتی تھی۔ اس کا فائدہ طلباء کو یہ ملتا تھا کہ جو بھی کتاب آپ کے حصے میں آتی اس کا حق ادا کر دیتے، آواز قدرے مدھم تھی مگر سمجھانے کا انداز دلکش تھا۔ ہر طالب علم پورا درس سمجھ جاتا تھا۔ درس گاہ میں طلباء پر مکمل کنٹرول رہتا تھا اور کوئی بھی طالب کسی دوسری چیز میں مشغول نہیں ہوسکتا تھا، آپ کے ملکۂ افہام وتفہیم اور نکات دروس سے متاثر ہوکر جامعہ عالیہ عربیہ کے سابق شیخ الجامعہ شیخ محمد اعظمی حفظہ اللہ نے کہا تھا: ''آپ خاموش سمندر ہیں'' طلباء کے دلوں میں آپ کی قدر وقیمت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ جماعت کے طلبہ کی یہ خواہش رہتی کہ مولانا ہم لوگوں کو ضرور پڑھائیں۔ طلبہ بڑے ادب واحترام سے آپ کے ساتھ پیش آتے۔

درس نظامی کی اکثر کتابیں مع صحیحین آپ کے زیر درس رہ چکی ہیں۔ تفسیر، علوم قرآن، حدیث، علوم حدیث، ادب، فقہ، اصول فقہ اور بلاغت وغیرہ جو بھی فن دیا اس کا حق ادا کیا۔

مشہور اساتذۂ کرام:

آپ نے چار اداروں میں تعلیم حاصل کی ہے۔ ظاہر ہے کہ اساتذہ کی فہرست لمبی ہوگی ان میں سے کچھ اہم اساتذہ کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

مولانا محمد ابراہیم حفظہ اللہ، مولانا رحمت اللہ اثری رحمہ اللہ، ڈاکٹر جلال الدین حفظہ اللہ، مولانا محمد ادریس الیدہ پوری حفظہ اللہ، مولانا عبدالسلام مدنی حفظہ اللہ، مولانا حکیم محمد یونس حفظہ اللہ، مفتی عبدالعزیز اعظمی رحمہ اللہ، مولانا عظیم اللہ مئو رحمہ اللہ، مولانا عبدالوحید رحمانی شیخ الجامعہ جامعہ سلفیہ بنارس رحمہ اللہ، مولانا محمد ادریس آزاد رحمانی رحمہ اللہ، مولانا عبدالمعید بنارسی رحمہ اللہ، مولانا شمس الحق سلفی رحمہ اللہ، مولانا عابد حسن رحمانی رحمہ اللہ، مولانا محمد رئیس ندوی رحمہ اللہ، شیخ ربیع ہادی حفظہ اللہ، شیخ علی مشرف حفظہ اللہ، شیخ عبداللہ غنیمان رحمہ، ڈاکٹر عبدالرحمن لیثی حفظہ اللہ وغیرہم۔

اور جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ کے اساتذہ میں سے محترم جناب ڈاکٹر ہاشم عراقی حفظہ اللہ، ڈاکٹر عبدالمنعم حفظہ اللہ، ڈاکٹر محمد شریف، شیخ عمر فلاتہ رحمہ اللہ، ڈاکٹر ضیاء الرحمن عمری حفظہ اللہ، ڈاکٹر عمر نصیف جو اس وقت کلیہ کے ذمہ دار تھے، شیخ ابوبکر سوڈانی، ڈاکٹر ربیع ہادی المدخلی حفظہ اللہ وغیرہم۔

شاگردان:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نفع بخش علم کو صدقہ جاریہ بتایا ہے (او علم ینتفع بہ) اس ناحیہ سے مولانا رحمہ اللہ خوش

نصیب ہیں کہ آپ نے ۳۴ سال تک بڑے خلوص سے درس وتدریس کا فریضہ انجام دیا ہے اور اتنے مستفیدین چھوڑے ہیں جن کا احصاء ناممکن تونہیں مگر مشکل ضرور ہے۔ یہ آپ کو مسلسل ثواب پہنچانے کا ذریعہ ہوں گے (ان شاءاللہ)۔آپ سے براہ راست استفادہ کرنے والوں میں آج کل شیخ الحدیث، شیخ الجامعہ، بانیان جامعہ ومدرسہ، مہتمم جامعہ، ماہرین درسیات، قابل ذکر مقرر وخطیب اور صاحب قلم بھی ہیں۔اس گروہ میں سرفہرست شیخ اسعد اعظمی بن محمد اعظمی حفظہ اللہ ہیں جو بروقت جامعہ سلفیہ بنارس میں استاذ،صوت الامۃ کے ایڈیٹر اور رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کے رکن بھی ہیں، اللہ آپ کی خدمات کو شرف قبولیت سے نوازے اور ذخیرۂ آخرت بنائے۔آمین۔

تصنیفات:

آپ کی پوری توجہ درسی کتابوں پر رہتی،تصنیف وتالیف کی طرف رجحان برائے نام تھا، اسی لئے آپ کی کوئی مستقل تصنیف یا تالیف نہیں ہے۔البتہ کچھ مقالے، احادیث کے دروس اور کچھ تاثرات وغیرہ پائے جاتے ہیں، مثلاً:

الامام الدار قطنی حیاته و آثاره (عربی غیر مطبوع) آداب حج وعمرہ وزیارت ترجمہ: تحریر فضیلۃ الشیخ عبداللہ بن حمید۔ دروس احادیث اور تاثرات وغیرہ ابھی گزشتہ سال مزید چار مقالے تحریر کئے تھے۔کن موضوعات پر تھے؟ یاد نہیں اور نہ مقالے مل رہے ہیں۔

مصروفیات:

جامعہ عالیہ اور مدرسہ عالیہ نسواں مئو میں تدریسی خدمات کے ساتھ محلہ کی مسجد میں امامت وخطابت کا فریضہ انجام دیتے۔مختلف مساجد میں قرآن وحدیث کے دروس کا اہتمام کرتے۔ جامعہ کے طلبہ مجلہ ''تہذیب'' اور حصول اسناد کے لئے جو مقالے لکھتے ان میں کچھ آپ کے اشراف میں لکھے جاتے۔طلبہ کی مشہور انجمن ''انجمن تہذیب البیان'' کے مشرف ومربی ہوتے۔طلبہ کے تحریری وتقریری پروگراموں میں بحیثیت حکم ضرور شریک ہوتے۔اپنی ابتدائی تعلیم گاہ اور مدرسہ شمس العلوم کی مکمل سرپرستی کرتے۔اگرچہ کاغذی اعتبار سے صرف معاون ناظم تھے مگر سارا نظام آپ کی نگرانی میں ہی تھا۔

بیماری اور وفات:

تقریباً چار سال سے آپ کو ہائی بلڈ پریشر کی شکایت تھی اور لگ بھگ دو سال سے شوگر اور ذیابطیس کا حملہ ہوا، ان دونوں پر کنٹرول تھا،کوئی خاص اثر نہیں تھا اس لئے کہ آپ دوا کے ساتھ پرہیز برابر کرتے تھے البتہ تقریباً اب چھ مہینے پہلے ہاتھ کی انگلیوں میں کچھ جھنجھناہٹ ہوئی، مئو اور بنارس کے ماہر ڈاکٹروں کی خدمات حاصل کی گئیں مگر افاقہ نہیں ہوا بلکہ یہ مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی، مرض بڑھ کر پیروں تک پہنچ گیا، پیروں میں بھی شکایت ہوگئی جس سے چلنے پھرنے میں پریشانی ہونے لگی۔بیس رمضان کے بعد پریشانی زیادہ بڑھی، چیک اپ ہوا تو معلوم ہوا کہ گردہ میں یوریا ہے، آپ کے مخلص دوست محترم شیخ ابوالقاسم عبدالعظیم حفظہ اللہ کے مشورہ سے للتا ہاسپٹل (Lalita Hospital) میں عید سے ایک دن پہلے داخل ہوگئے اور عید کے بعد ہاسپٹل سے باہر آئے۔افاقہ تو ہوا مگر کمزوری حد درجہ بڑھ گئی تھی، بغیر سہارا کے اٹھنا بیٹھنا تک مشکل ہوگیا تھا۔یوریا میں کچھ کمی تو ضرور ہوئی مگر اتنی طاقت نہیں ہوئی کہ بذات خود اٹھ بیٹھ سکیں۔اس بیچ ایک نیوروسرجن ڈاکٹر ابوظفر مئوی سے رجوع کیا گیا تو انہوں نے بتلایا کہ گردن کی ایک رگ دب

رہی ہے جس کی وجہ سے ہاتھ پاؤں میں یہ تکلیف ہے، اس کے لئے بہتر یہ ہے کہ آپریشن کرالیں اور پھر انہوں نے اپنے سے ایک سینئر نیروسرجن کی طرف رہنمائی کی اور بتلایا کہ وہ بنارس کے مشہور ہاسپیٹل ہیری ٹیج میں کچھ وقت رہتے ہیں اور وہیں آپریشن بھی کرتے ہیں، ویسے ان کا اپنا ذاتی ہاسپیٹل سٹی نیرو ہاسپیٹل سٹی اسٹیشن بنارس میں زیر تعمیر ہے مگر ہیری ٹیج میں مشینیں زیادہ ہیں اس لئے وہیں آپریشن کرتے ہیں۔ ڈاکٹر ابوظفر کی رائے اور مشورہ کی روشنی میں جامعہ عالیہ عربیہ مئو کے صدر کمیٹی محترم عشرت کمال ایڈوکیٹ صاحب، محترم ناظم اعلیٰ مولانا مظہر احسن ازھری صاحب، نائب ناظم حافظ صفات احمد صاحب، سینئر رکن الحاج حبیب الرحمن پہلوان صاحب، مولانا عبدالرحمان انصاری صاحب، اور شیخ ابوالقاسم عبدالعظیم مدنی وغیرہم سے تبادلہ خیالات کے بعد یہ طے ہوا کہ ڈاکٹر ابوظفر کی رائے صحیح ہے۔ ہیری ٹیج ہی میں آپریشن کرایا جائے۔ ۱۶/۹/ ۲۰۱۴ء بروز منگل ہیری ٹیج میں داخل کیا گیا، جہاں بلڈ پریشر، ذیابیطس اور گردہ کے ماہرین کی نگرانی میں رہے اور تین دن بعد ۸۰ سے ۹۰ فیصد نارمل رپورٹ ملنے کے بعد جمعہ ۱۹ر ستمبر ۲۰۱۴ء کو آپریشن کامیاب رہا اور ہم سب خوش خوش جامعہ واپس آئے۔ آپریشن کے بعد آپ کو انتہائی نگہداشت والے کمرہ (I.C.U.) میں رکھا گیا، رات میں اچانک آپ کی سانس رک گئی مگر فوراً ڈاکٹروں کی ٹیم پہنچ گئی اور کنٹرول ہو گیا۔ پھر دو دن تک حالت بالکل ٹھیک تھی۔ ۲۱ر ستمبر اتوار کو رات ڈاکٹر نے چیک اپ کیا تو خوشی کا اظہار کیا اور کہا: حالت بالکل ٹھیک ہے کل صبح آئی سی یو سے نکال دیں گے۔ اللہ کی مصلحت اسی رات ایک مرتبہ پھر سانس رک گئی، دوبارہ ایسا کیوں ہوا؟ ڈاکٹر خود پریشان تھے، بہرحال آپ آئی سی یو سے باہر نہیں آسکے۔ آپریشن کی کامیابی سے ہاتھ پیر میں کافی طاقت آگئی مگر بقول ڈاکٹر ابھی میں کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہتا اس لئے ابھی یہ آئی سی یو میں ہی رہیں گے۔

۲۵ر ستمبر ۲۰۱۴ء کو ڈاکٹر نے کہا کہ اب خطرہ سے باہر ہیں۔ اس لئے آئی سی یو سے نکال دیا جاتا ہے۔ اس طرح آپ اسپیشل وارڈ میں آئے، ایک حد تک پورے جسم میں طاقت آگئی تھی، جمعہ ۲۶ر ستمبر کو شیخ ابوالقاسم مدنی حفظہ اللہ اور کئی لوگ اسپتال میں تھے، ممبئی سے آپ کے چھوٹے بھائی برادرم شفیق احمد بھی تھے وہاں بڑی دیر تک گفتگو رہی، آپ بھی بات چیت میں حصہ لیتے رہے، اچھی خبر آئی۔ ۲۷ر ستمبر ۲۰۱۴ء بروز سنیچر ڈاکٹر نے جانچ کی، حالات نارمل رہے اور پھر گھر جانے کی اجازت دے دی، حسب معمول ۲۷ر ستمبر کی شب تقریباً ۹ بجے جب میں نے حالات کی جانکاری کے لئے فون کیا تو معلوم ہوا کہ سب لوگ گھر آرہے ہیں، گزشتہ دن کے حالات کی روشنی میں ہم لوگ خوش تھے کہ حالات زیادہ بہتر ہیں اس لئے گھر آرہے ہیں، مگر ہم لوگوں کی یہ خوشی عارضی ثابت ہوئی۔ کیوں ۲۸ر ستمبر کی دلخراش خبر نے یہ کہنے پر مجبور کیا کہ ڈاکٹر نے حالات کو بھانپ لیا تھا تب اسپتال سے چھٹی دی تھی، صحت کی بنیاد پر نہیں دی تھی، تاکہ گھر آرام سے پہنچ جائیں اور گھر والوں سے خوشی خوشی ملاقات کرلیں۔

ایک ماہر اور متعارف ڈاکٹر سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے آپ کی بیماری اور علاج کے متعلق جانکاری حاصل کی، پوری کیفیات سننے کے بعد انہوں نے کہا: یوریا اور گردہ کی وجہ سے ان کی وفات نہیں ہوئی ہے بلکہ ان کی وفات آپریشن کے وقت کسی اہم رگ میں خون جم جانے کی وجہ سے ہوئی ہے۔ ڈاکٹر اپنے آپریشن کے فیل ہونے کو نہیں بتلارہے ہیں۔

۲۸ر ستمبر اتوار کو بعد صلاۃ ظہر آپ کی طبیعت کچھ مضمحل ہوئی مگر ہم لوگوں کو اطلاع نہیں ملی، بعد صلاۃ عصر عزیزم محمد کا فون آیا کہ آپ فوراً آیئے اور کسی ڈاکٹر کو لے کر آیئے، ابو کی حالت کچھ ٹھیک نہیں لگ رہی ہے، یہ سنتے ہی میرے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے یا

الٰہی ! یہ کیا ہوگیا؟ اور اب کیا ہونے والا ہے؟ فون آنے سے پہلے ہی میں مولانا سے ملنے کے لئے جا رہا تھا مگر اس فون نے میرے پیروں میں مزید چستی بھر دی۔ میں فوراً پہنچا، دیکھا تو حالت دگرگوں تھی فوراً دو ڈاکٹر آئے اور علاج شروع کر دیا مگر افاقہ نہیں ہوا۔ پھر ڈاکٹر نے مشورہ دیا کہ انہیں فوراً پی جی آئی لکھنؤ لے جائیں، ویسے اس وقت فاطمہ اسپتال میں داخل کر دیں اور صبح لکھنؤ جائیں۔ فوراً ایمبولینس آئی اور ہم تین آدمی (شیخ ابوالقاسم مدنی، عزیز غیاث الدین سلمہ اللہ اور راقم الحروف) فاطمہ اسپتال کے لئے روانہ ہوئے، میں اگلی سیٹ پر تھا، مولانا ابوالقاسم مدنی اور غیاث الدین مولانا کے بغل میں بیٹھے تھے، تھوڑی دور جانے کے بعد مولانا ابوالقاسم صاحب نے زور سے کلمۂ توحید کی تلقین کی اور فوراً مجھ سے کہا کہ ذرا دیکھئے شیخ جی کو بلایئے۔ فوراً مڑا، آواز دی مگر اب کہاں میری آواز سننے والے ہیں وہ ہم سبھوں کو چھوڑ کر اپنے دائمی گھر جا چکے تھے۔ ''اناللہ وانا الیہ راجعون'' پڑھا، ایمبولینس واپس آئی اور دوسرے دن ۲۹ رستمبر کو بعد صلاۃ ظہر دو بجے مئو میں تدفین عمل میں آئی، اہالیان مئو، اہل علم کی ایک جماعت اور جامعہ سلفیہ بنارس کے احباب بھی شامل تھے، علم وشرافت کا یہ نیر تاباں ہمیشہ ہمیش کے لئے خاموش ہوگیا ؂

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

پسماندگان:

مولانا رحمہ اللہ پانچ بھائی تھے، سب سے بڑے بھائی محترم محی الدین صاحب کا آپ سے پہلے انتقال ہو چکا تھا۔ باقی ان کی اور دیگر ۳ بھائیوں کی اولاد اور پورا خاندان بھرا پڑا ہے۔ ان کے علاوہ آپ کی شریک حیات کے علاوہ چار بیٹے، تین بیٹیاں دس نواسے نواسیاں اور چار پوتے پوتیاں موجود ہیں، ایک اطمینان بخش بات یہ ہے کہ تینوں بیٹیوں کی شادی ہو چکی ہے صاحب اولاد ہیں اور خوش حال ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی خوشی برقرار رکھے، آمین۔

بیٹوں میں سب سے بڑے مولوی غیاث الدین ندوی ہیں جو صاحب اولاد ہیں، برسر روزگار ہیں اور اب انہیں کے کندھوں پر گھر کا سارا بوجھ آن پڑا ہے، ان سے چھوٹے عزیزم اظہر الدین ہیں جو بی ایس سی کرنے کے بعد ایم ایس سی کرنا چاہتے تھے مگر الٰہی فیصلہ کچھ اور ہی تھا۔ شبلی نیشنل کالج اعظم گڑھ میں داخلہ نہیں ہوسکا تو مولانا کی بیماری کی وجہ سے کہیں دور نہیں جا سکے اور اب تلاش معاش کے لئے ممبئی کا رخ کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کامیاب کرے۔

تیسرے نمبر کے صاحب زادے عزیز محمد سلمہ بی کام کر رہے ہیں اور سب سے چھوٹے صاحبزادے عزیز ضیاء الدین سلمہ امسال ہائی اسکول کا امتحان دیں گے۔ اللہ تعالیٰ انہیں کامیاب کرے، اللہ مسبب الاسباب ہے، بظاہر تو یہ بچے یتیم نظر آرہے ہیں اور فکر معاش کے لئے ابھی کچھ ہمت نہیں جٹا پاتے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ روزی دے رہا ہے، اور دے گا اور ضرور کوئی سبیل پیدا کرے گا، وہ یوں ہی بے کار نہیں چھوڑے گا۔ وہی سب کا حامی وناصر ہے۔

(ماہنامہ التبیان دہلی۔ جنوری ۲۰۱۵ء)

❑❑❑

شاعراسلام حیرت بستوی

حیات وکارنامے

۱۹۳۱ء............۲۰۱۵ء

مولانا عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی

ضلع بستی سدھارتھ نگر کی مردم خیز سرزمین سے جہاں بہت سارے اساطینِ علم دین اور ماہرین شرع متین ابھرے، وہیں اس خطۂ علمی کو شعر سخن اور ادب نوازی کا بھی شرف حاصل رہا ہے۔ اور مختلف شعراء، ادباء اور فنکار یہاں پیدا ہوئے۔ مولانا ذکراللہ ذاکر ندوی، عبدالمبین منظر، انجم جمال اثری، عارف سراجی، حامد سراجی، انور بستوی، عبدالعلیم ماہر ان کے علاوہ موجودین میں عتیق اثر ندوی، شائق بستوی، طاہر سلفی، عزیز الرحمن سلفی، تابش یس نگری، سالک بستوی اور دیگر فضلاء وشعراء کو کون نہیں جانتا۔ مگر بزم شعر وسخن کے اس میدان کے ایک عظیم المرتبت شاعر جنہوں نے ایک الگ انداز اور اسلوب کی شاعری کی اور اس کا ذوق اور مزاج لوگوں کو دیا جسے ہم دعوتی اور اصلاحی شاعری یا باحوالہ مستند اسلامی شاعری کہہ سکتے ہیں۔ انہیں دنیائے علم وداب میں قلمی نام ''حیرت بستوی'' سے جانا جاتا ہے۔ ذیل میں ان کی حیات وخدمات کی ایک جھلک پیش کی جارہی ہے تاکہ علم وعمل کا یہ میدان ہمیشہ ہماری نسل نو کو اپنے بزرگوں اور اسلاف کرام کی عبرت آموز قربانیوں سے رشتہ مضبوط رکھنے میں مشعل راہ ثابت ہو۔ اللہ غریق رحمت فرمائے اور آپ کی لغزشوں کو معاف کرے۔ اور آپ کی خدمات کو آپ کے لئے صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین۔

نام ونسب: عبدالرؤف سلمانی بن الحاج حکم دار سلمانی ملقب بہ حیرت بستوی، آپ نے شعروسخن اور علم وفن کی دنیا میں حیرت بستوی کے قلمی نام سے شہرت حاصل کی اور یہی نام آپ کی اور آپ کی شاعری اور فنکاری کی پہچان بن گیا۔

تاریخ ولادت: ۶/اکتوبر ۱۹۳۱ء کو ضلع سدھارتھنگر یوپی کے مشہور قصبہ شہرت گڑھ سے قریب ایک مشہور گاؤں انتری بازار میں ولادت ہوئی۔ یہ وہی گاؤں ہے جسے جماعت کی ایک بزرگ شخصیت مولانا محمد زماں رحمانی اور آپ کے فرزند مولانا عبدالحنان فیضی مفتی جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر اور ان کے خانوادہ علم وفن کے مسکن ہونے کا شرف حاصل ہے۔ یہاں کسی زمانہ میں ایک بہترین عربی درس گاہ بحرالعلوم، انتری بازار کے نام سے بے حد شہرت یافتہ تھی۔ مگر مرور زمانہ اور غیر جماعتی اور تحریکی انداز فکر کے سر دیلغار نے اسے بھی مرجھانے پر مجبور کردیا۔ اللہ ہمارے جماعتی قلعوں کی باطل افکار ونظریات اور ان کے حاملین اصحاب شبہات وشہوات کی دسیسہ کاریوں سے حفاظت فرمائے۔ آمین

تعلیمی لیاقت: (۱) کامل (۲) ادیب کامل (۳) ایم۔اے (۴) اوراسی طرح کئی اعلیٰ ڈگریوں کے آپ حامل تھے۔ گورکھپور یونیورسٹی سے فرسٹ پوزیشن پر کئی اسناد آپ کو تفویض کی گئیں۔

خانوادۂ حیرت: سنت نبوی کے مطابق حیرت صاحب کی شادی زیب النساء نامی خاتون سے ہوئی اور ایک خوشگوار زندگی آپ نے گزاری مگر اللہ کی مشیئت سے آپ کو کوئی اولاد نہ ہوئی جس کی وجہ سے آپ کے شعری ذوق اور سوز و درد سے بھر پور نغمات سے ہم یکا یک محروم ہو گئے۔ آپ کے خانوادہ میں آپ کے بھائی اور ان کے لڑکے وغیرہ ہیں جو انتہائی تعلیم یافتہ اور سلیقہ مند مانے جاتے ہیں ان کا شجرۂ نسب و سلسلہ حسب ملاحظہ کریں:

شجرہ خاندان:

خاندانی نام:	عبدالرؤف سلمانی
ادبی نام:	حیرت بستوی
والدہ ماجدہ:	پھلیلہ خاتون
ہمشیرہ:	صابرہ خاتون
جیون سنگنی:	زیب النساء

عزیز القدر برادر: عبداللطیف سلمانی آئی۔ جی۔ ڈی۔ ایچ۔ ٹی۔ سی۔ ایم۔ اے (عمرانیات) ◻ حسیب النساء، رفیقۂ حیات ماسٹر عبداللطیف سلمانی ◻، نفیسہ خاتون دختر نیک اختر ماسٹر عبداللطیف سلمانی۔

ابناء الاخ: لیکھ پال لقمان، حمران احمد سلمانی (انٹر) ذی شان احمد سلمانی (ہائی اسکول) حال نزیل مدینہ منورہ، وزان احمد سلمانی (جونیئر ہائی اسکول)، حسان احمد (انٹر سائنس کے ساتھ) (یہ شجرہ حیرت صاحب نے اپنی کتاب ''شعاع قلم'' کے اخیر میں شامل اشاعت کیا ہے۔) (شعاع قلم: ص ۱۹۲)

تصنیفات و شعری مجموعات: حیرت بستوی کی شاعری کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ قرآنی آیات اور مستند احادیث مبارکہ اور صحیح اسلامی واقعات کی اشعار میں بہترین ترجمانی کرتے تھے اور اس میں انہیں اللہ نے ایک راسخ ملکہ عطا کیا تھا۔ اس پر مستزاد یہ کہ اپنے شعری فکر اور سوچ کے لئے معتبر حوالے بھی ساتھ میں تحریر کرتے تھے۔ شعر و سخن کی دنیا میں اس طرح کی شاعری بہت ہی کمیاب نظر آتی ہے۔ اور یہ اچھوتا انداز اور نرالا اسلوب حیرت صاحب کے حصہ میں قدرت نے عطا فرمایا تھا۔ آپ کے شعری مجموعات درج ذیل ہیں:

(۱) نغمہ کہکشاں (۶۶ صفحات)، (۲) ریحان ایمان (۴۸ صفحات)، (۳) شعاع حرم (۱۸۴ صفحات)، (۴) شعاعِ قلم (۱۹۲ صفحات) یہ تمام مجموعے توحید و سنت، حمد و نعت اور مستند اسلامی اور اصلاحی قطعات و نظموں پر مشتمل ہیں۔

حیرت بستوی اہل علم کی نگاہ میں:

۱۔ مشہور شاعر فضا ابن فیضی کے تاثرات: حیرت بستوی اسلامی شاعری کے ایک نمائندہ شاعر ہیں جنہوں نے شاعری کے ذریعہ توحید و سنت کے جام لنڈھائے ہیں: (شعاع قلم: ۱۸۷)

۲۔ مشہور ادیب اور قلم کار ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری کے کلمات: محترم حیرت بستوی کا کلام اسلامی ادب کی بہترین ترجمانی کرتا

ہے، موصوف نے قرآن وحدیث کے معانی کو شعر کا جامہ پہنانے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ زبان کی سلاست اور وقتی تقاضوں کی رعایت اس پر مستزاد ہے۔ (شعاع قلم: ۱۹۱)

۳۔ مولانا محمد مستقیم سلفی سابق شیخ الجامعہ السلفیہ بنارس کے خیالات: موصوف کا شمار غزل گو اور قادر الکلام شعراء میں ہوتا ہے آپ تقریباً نصف صدی سے علمی وادبی رسائل وجرائد اور دینی وتبلیغی مجالس میں اپنی علمی بصیرت کے جوت جگا کر بالغ نظر ادباء، علماء اور خطباء سے خراج تحسین حاصل کر رہے ہیں۔ (شعاع قلم: ۱۸۷)

۴۔ تسنیم فاروقی لکھنؤ: نغمہ کہکشاں بہرحال اس قابل ہے کہ اس کے روشن خدوخال سے اکتساب سخن کیا جاسکے۔ (شعاع قلم: ۱۸۹)

۵۔ مشہور ادیب مجاز اعظمی مئو: شعاع حرم پر تبصرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ: یہ مجموعہ جو شعاع حرم کے نام سے زیر تبصرہ ہے اپنے طرز بیان اور معانی کے اعتبار سے ایسا ہے کہ ناخواندہ شخص بھی اس روحانی پیغام کو سن کر جھوم اٹھے گا اور اس کے مواد پر اس کا دل محو ہو جائے گا۔ (شعاع قلم: ۱۸۵)

وفات: حیرت صاحب کی زندگی آخری عمر تک رواں رواں تھی ہمیشہ جماعت اور اہل علم سے وابستگی رہی اور چلتے پھرتے ہر دم کہیں نہ کہیں اجلاس اور کانفرنسوں میں نظر آجایا کرتے تھے۔ انتہائی سنجیدہ طبیعت اور ہمیشہ فکر وفن کی دنیا میں گم، مگر موت سے کس کو رستگاری ہے۔ ایک دن باری آگئی اور عرش والے کا بلاوا آہی گیا، بالآخر عمر عزیز کی آٹھ دہائیاں مکمل کر کے ۵/مارچ ۲۰۱۵ء بروز جمعرات اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

اللھم اغفر لہ وارحمہ ادخلہ الفردوس الاعلیٰ

(ماہنامہ صوت الاسلام ممبئی، نومبر ۲۰۱۷)



علامہ حیرت بستوی ایک اسلامی شاعر

سالک بستوی

ایک راسخ العقیدہ قلم کسی کی موت اور کسی کی زندگی سے یوں تو کسی طرح کا شگون نہیں لیتا، پر شدت کے ساتھ نقصانات اور محرومیوں کو محسوس کئے بغیر نہیں رہ پاتا، شاعر اسلام علامہ حیرت بستوی کے اٹھ جانے سے اردو ادب اور علمی دنیا کو جو صدمہ پہنچا ہے سردست تلافی مافات کے ساز وسامان نظر نہیں آتے، یہ اپنے سینوں میں حساس دل، آنکھوں میں مشاہدات کا گہرا رنگ اور سسکتی اور کراہتی ہوئی انسانیت کے لئے نسخہ ہائے کیمیار کھتے تھے۔

زمانے بھر کو محبت کی روشنی دے کر
اندھیری قبر میں وہ مہربان سویا ہے
جو میں نے قبر کو دیکھا تو یوں ہوا محسوس
زمیں کی گود میں اک آسمان سویا ہے

جناب حیرت بستوی صاحب کثیر الجہات خوبیوں کے مالک تھے ان کا دائرہ فکر بڑا وسیع تھا ان کی زندگی کا ہر لمحہ ایک نئی جہت تھی اور جب تک کسی فرد میں یہ جذبہ نہ ہو اس کی زندگی میں کوئی بیداری نہیں ہوتی۔

حیرت بستوی صاحب شعری دعوت وتبلیغ کے اک کوکب دری تھے آپ کی زندگی مسلک وجماعت کے لئے وقف تھی جس کا وجود کحل الجواہر سے کم نہیں تھا افسوس اس شجرہ طوبیٰ کے گھنیرے سایوں سے ہم محروم ہوگئے۔

افسوس اک خلوص کا پیکر چلا گیا
بحر ادب کا قیمتی گوہر چلا گیا
سکتہ میں کیوں نہ ہو بھلا اسلامی شاعری
ناز سخن تھا جو وہ سخنور چلا گیا

آپ کی ذات میں ایثار وخلوص، شرافت ومروت، وفاداری، وضع داری، کشادہ قلبی اور انسانی دوستی کے جلوے قرینے کے ساتھ سجے ہوئے تھے بقول جگر مرادآبادی۔

عرش تک ہو نہیں سکتی جو رسائی نہ سہی
یہی انسان کی معراج ہے انساں ہوجائے

وہ روز اول کی طرح آخری دم تک جوش وخروش کے ساتھ دین اسلام کی سربلندی میں سرگرمی کے ساتھ منہمک تھے، ان کے منفی

آثار نہ ذہن پر تھے، نہ جسم پر، نہ نوک قلم پر، وہ پامال روش پر چلنے سے گریز کرتے تھے، نئے نئے گوشوں کی تلاش میں نہ جانے کتنے کتابوں کو کھنگالتے رہتے تھے، اپنے گھر کے صحن میں موصوف نے اپنے سرمایہ سے ایک مسجد کی تعمیر فرمائی تھی اسی مسجد میں کتابوں کے مطالعہ میں ہمہ تن مصروف رہتے۔ آپ کی چار کتابیں نغمۂ کہکشاں، ریحان ایمان، شعاع حرم اور شعاع قلم طبع ہو کر تشنہ کامان شعروادب کو سیراب کر چکی ہیں۔

حیرت بستوی صاحب کے کلام میں ایک خاص بات یہ تھی کہ عقیدہ کی پختگی کا درس اشعار کے قالب میں ڈال کر نہایت ہی عمدہ پیرایہ میں پیش فرمایا کرتے تھے، ان کی کتابوں میں قرآن وحدیث، تاریخ وسیر کے حوالہ جات اتنے ہیں کہ قارئین پڑھ کر دنگ رہ جاتا ہے۔ آپ کے شعاع قلم کے تفکرات ملاحظہ فرمائیں۔

التجا، انتباہ، افکار عالیہ، حمد کی ڈائری، اجر حسن، منشور، وعظ حسن عمل، مصاحبہ، بے بسی، فیصلہ، ہمقدم، آفتاب حرا، کیمیائے سعادت، دنیا عجب بازار ہے، حاکم زندگی، حدیث دلبری وغیرہ۔ روزنامہ انقلاب ممبئی مجریہ ۲۰۰۵ء نے ریحان ایمان کو ایک خوبصورت تحفہ کہا ہے، نغمۂ کہکشاں پر ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری نے ماہنامہ محدث میں گیارہ صفحات پر تبصرہ فرمایا ہے اور نغمۂ کہکشاں پر نیا دور لکھنو میں تسنیم فاروق نے بڑا زوردار تبصرہ فرمایا ہے، غنچہ بجنور نے یکم اکتوبر ۱۹۵۷ء میں ایک شاندار نظم شائع کی ہے۔ سالنامہ رسالہ غنچہ ۱۹۵۳ء بجنور میں بچوں کی دعا۔

گل بن کے مسکراؤ سبزوں سا لہلہاؤ
وہ بانکپن دکھاؤ رنگیں فضا پہ چھاؤ
بچو چمن سجاؤ بچو چمن سجاؤ

فتاویٰ ثنائیہ جلد اول مرتب حضرت مولانا داؤد راز صاحب تاریخی قطعات چراغ اوج محفل ۱۳۷۲ھ اور ہدیہ غیر فانی ۱۳۷۳ھ آپ ہی کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ ماہنامہ فروغ اردو شمارہ ماہ ستمبر ۱۹۶۵ء میں ایک غزل شائع ہوئی ہے ملاحظہ فرمائیں۔

آج کی محفل میں شربت بھی ہے سم الفار بھی ہے
حق پرستی کا صلہ انعام بھی ہے دار بھی ہے
آشیاں ہے اور حیرت بجلیوں کا وار بھی ہے
کوشش تعمیر بھی تخریب کا اوزار بھی ہے

حیرت بستوی صاحب نے شعاع قلم کو چار عنوانات دیئے ہیں، مشک خلد بریں (حمد ونعت اور اسلامی نظمیں) نغمۂ معتبر (غزلیات اور جمہوری نظمیں) آبدیدۂ بیاں عطر نقد ونظر (تبصرہ وتنقید) ملاحظہ فرمائیں۔

بنالو درختوں کو لکھنے کا آلہ
سمندر کی امواج کو روشنائی

زمیں پر لکھو حمد رب زمانہ
نہ ہوگی کبھی ختم رب کی بڑائی

توحید کے اشعار ملاحظہ فرمائیں

کیوں کسی دیوتا کا پجاری بنوں
دیوتا آدمی کو بناتا ہے نہیں
رب کونین کی یہ مدھر شان ہے
رزق تقسیم کرتا ہے کھاتا نہیں
رب کا سجدہ کررہے ہیں مہرومہ انجم شجر
یہ زمیں کیا آسماں کا بھی وہی سلطان ہے
قطرۂ شبنم نہ دے پائیں گے ابدال وصنم
ابردریا باد کا یہ دلربا اعلان ہے
گھر پہ غیروں کے قبضہ مناسب نہیں
قبر کی کوٹھری کہہ رہی ہے میاں
کھل کے کہتے ہیں کھنڈر کپل وستو کے
رب کی ہستی بہت ہی بڑی ہے میاں
دیوتا کون ہے جو بلادے اسے
یہ سڑی کھوپڑی جو پڑی ہے میاں
بندگی صرف اس کی بھلی ہے میاں
جس کی بخشی ہوئی زندگی ہے میاں
غور سے تونے اس کو پڑھا ہی نہیں
زندگی حمد کی ڈائری ہے میاں
کسی کی قبر کے اندر زمیں داری نہیں ہوتی
یہ فرعون وثمود وعاد وتبع کی کہانی ہے
کئی ٹکڑوں میں وہ دشمن کی آنتوں کو اتارے گا

سنو اے کافرو دوزخ کا اتنا گرم پانی ہے
قلم کی نوک سے تحریر کا چشمہ ابلتا ہے
قلم کی روشنائی پی کے ہر مضمون پلتا ہے
قلم افکار کے ہیروں کو کاغذ پر اگلتا ہے
قلم کے فیض سے اہل نظر کا دل بہلتا ہے
جو چاہو خدا کے کرم کا اجالا
جگر میں بسا لوحرم کا اجالا
سجایا ہے مولا نے عرش بریں تک
محمد کے نقش قدم کا اجالا

آبدید و بیان میں حیرت بستوی صاحب نے جماعت کے مقتدر علماء جو دنیا سے رخصت ہو گئے ہیں، ان کی خوبیوں کو نظم میں وضاحت فرمائی ہے۔ مثلاً مناظر اسلام مولانا عبدالمبین منظر سمراوی، شیخ الحدیث علامہ ابوالحسن عبیداللہ رحمانی مبارکپوری، خطیب الاسلام مولانا عبدالرؤف جھنڈانگری، علامہ ناصرالدین البانی، مولانا رضاء اللہ محمد ادریس مبارکپوری، ڈاکٹر مقتدی حسن ازھری، مفسر قرآن مولانا عبدالقیوم رحمانی، مولانا مفتی عبدالعزیز مئوی، مولانا محمد رئیس ندوی، مولانا مجاز اعظمی، مولانا ذاکر ندوی، مولانا محمد اقبال سلفی موتی پوری، مولانا عبدالرشید ازہری، منشی عبدالتواب صاحب والد محترم مولانا عبداللہ مدنی جھنڈانگری، مولانا عبدالجلیل رحمانی، مولانا مختار احمد ندوی، مولانا عبدالحق قاسمی وغیرہ۔

سوانحی خاکہ: نام: عبدالرؤف سلمانی بن الحاج حکم دار سلمانی

قلمی نام: حیرت بستوی

ولادت: ۶ر اکتوبر ۱۹۱۳ء (انتری بازار، سدھارتھ نگر)

تعلیمی قابلیت: کامل، ادیب کامل، ایم اے، آئی ڈی ایچ ٹی سی وشاردہ دیا واچسپت دھرم رتن، وشاردہ اردو اساتذہ اہلیتی سرٹیفکیٹ فرسٹ ڈویژن، اردو میں گورکھپور یونیورسٹی سے فرسٹ پوزیشن۔

شعری مجموعہ: نغمۂ کہکشاں، ریحان ایمان، شعاع حرم، شعاع قلم۔

۱۹۷۳ء میں تلاش علم کے لئے جامعہ دارالہدیٰ یوسف پور پہنچا تو اسے قدرت کی خصوصی دست گیری کہنا چاہیے کہ مجھے حیرت بستوی صاحب جیسا مخلص، غمگسار، چارہ ساز مل گیا جوں جوں اجنبیت کا پردہ چاک ہوتا گیا بے تکلفیاں بڑھتی گئیں پھر ایسا محسوس ہوا کہ ہم دونوں ایک ہی راہ کے راہی ہیں اور میں نے لالہ صحراء اپنے بارے میں لکھا بھی ہے۔

کہ میری فکر کسی سخنور مربی کی تلاش میں بھٹک رہی تھی اور میں خود اپنی قلمی کاوشوں پر خندہ زن اور متاسف تھا کہ مخدوی عالی

جناب علامہ حیرت بستوی صاحب جیسا مشفق اور خردنواز و محسن مل گیا، واقعہ یہ ہے کہ میرے قلم کو کجروی سے بچانے اور میری فکر کو صحیح سمت دینے میں حیرت بستوی صاحب کی کوششوں کا بھرپور دخل ہے۔

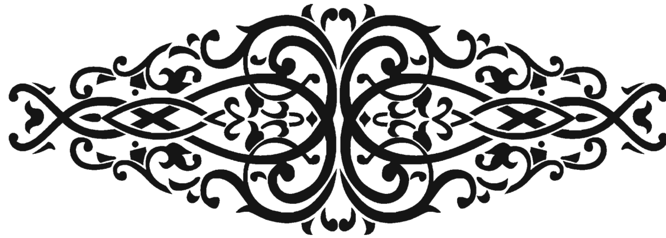
آج علامہ حیرت بستوی ہم میں نہیں ہیں مگران کے یہ اشعار وادبی کارنامے انہیں آفاق ادب میں ہمیشہ زندہ رکھیں گے ان شاء اللہ۔

آنکھوں میں نئے خواب بسائے جس نے
راہوں میں نئے دیپ جلائے جس نے
لو اٹھ گئے محفل سے وہ حیرت صاحب
شعروں کے لئے پھول کھلائے جس نے

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کی لغزشوں کو معاف فرما کر اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین۔

(جریدہ ترجمان ۱۵۔ا جنوری ۲۰۱۶ء)

❑❑❑



شیخ الحدیث مولانا امان اللہ خاں فیضی رحمہ اللہ بہار

۱۹۳۴ء.........۲۰۱۵ء

مولانا محمد سکندر اصلاحی محمد پور، پٹنہ

دینی و جماعتی حلقوں میں یہ خبر انتہائی افسوس کے ساتھ سنی جائے گی کہ استاذ محترم حضرت مولانا امان اللہ خان فیضی نے بتاریخ ۴ رذی قعدہ ۱۴۳۶ھ مطابق ۹ ستمبر ۲۰۱۵ء بدھ کی رات ۲ بجے طویل علالت کے بعد ۷۵ سال کی عمر میں اس دار فانی کو الوداع کہا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ وصیت کے مطابق ان کا جسم خاکی بذریعہ ایمبولینس (Ambulance) دہلی سے ان کے آبائی گاؤں بھکور ہر ضلع سیتا مڑھی لایا گیا اور وہیں تدفین عمل میں آئی۔ صلوۃ جنازہ ان کے بڑے صاحبزادے عزیزم مولانا علی اختر مکی استاذ جامعہ ریاض العلوم، دہلی نے پڑھایا۔

خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں
نور سے معمور یہ خاکی شبستان ہو ترا
مثل ایوان سحر مرقد فروزاں ہو ترا
آسماں ان کی لحد پہ شبنم افشانی کرے
سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

آپ ایک سلفی جید عالم دین اور بے باک مقرر تھے، منطق، فلسفہ کے علاوہ تفسیر، حدیث اور فن میراث پر گہری نظر تھی۔ شروع سے ہی درس و تدریس سے وابستہ رہے، اس لئے تصنیفی میدان میں کام کرنے کا موقعہ نہیں ملا، آپ کی جدائی سے جماعت اہل حدیث کو بڑا جھٹکا لگا اور ایک خلا پیدا ہو گیا، جس کا پر کرنا ممکن نظر نہیں آتا۔ آپ نے مدرسہ فیض عام مئو ناتھ بھنجن (یوپی) سے ۱۹۵۰ء میں فراغت حاصل کی، آپ ایک مشہور علمی خانوادے کے چشم و چراغ تھے، والد ماجد مولانا تسلیم خان رحمانی دہلی کے مشہور و معروف سلفی ادارہ دارالحدیث رحمانیہ کے فارغین میں سے تھے۔ صاحبزادوں میں عزیزان مولانا علی اختر مکی اور مولانا ولی اختر ندوی بھی جید عالم دین ہیں۔ عزیزم مولانا علی اختر مکی کے صاحبزادہ عزیزم محمد ساجد سلمہ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں زیر تعلیم ہیں۔ تو گویا ''ایں خانہ ہمہ آفتاب است'' کے مصداق ہیں۔

فراغت کے بعد صادقانِ صادق پور پٹنہ کے تحریکی اداروں مدرسہ اصلاح المسلمین پتھر کی مسجد پٹنہ سے تدریس کا آغاز ۱۹۵۲ء سے کیا اور چند سال تدریسی فریضہ انجام دیا۔ پھر جب مرکزی دارالعلوم بنارس (جامعہ سلفیہ) کا قیام ۱۹۶۳ء میں عمل میں آیا تو وہاں ماہر فن اساتذہ کی ضرورت تھی، باہمی مشورہ سے آپ نے بنارس کا رخ کیا، دو سال آپ نے خدمت کی اور اپنی علالت کی وجہ سے بنارس کو خیر آباد کہا۔ پھر اپنے گھر کے قریب ایک ہائی اسکول میں اردو فارسی پڑھانے کا فریضہ انجام دیا۔ جب ذمہ داران مدرسہ اصلاح

المسلمین پتھر کی مسجد پٹنہ کو معلوم ہوا کہ آپ گھر ہی میں قیام پذیر ہیں تو اہل پٹنہ نے دوبارہ آپ کو خدمت کے لئے مدعو کیا، اس وقت شیخ الحدیث کے عہدے پر مولانا عبدالغفار صاحب آرویؒ فائز تھے، تدریسی فریضہ انجام دینے کے بعد فتاویٰ کا جواب بھی دیا کرتے تھے۔ آپ کے انتقال کے بعد استاذ گرامی حضرت مولانا صداقت حسین صاحبؒ دوستیا چمپارن (والد ماجد ڈاکٹر ابوالحیات اشرف صاحب علیگ) نے یہ عہدہ سنبھالا، جب آپ پر فالج کا حملہ ہوا اور آپ ذی فراش ہو گئے تو آپ کی جگہ استاذ گرامی حضرت مولانا امان اللہ خاں فیضی نے لی اور بہت خوش اسلوبی سے چلایا۔ درس وتدریس، افتاء، جامعہ کے نظم ونسق کے علاوہ مستقل طور پر جامع مسجد گرہٹہ میں خطابت وامامت کا فریضہ انجام دیتے رہے، آپ حافظ قرآن بھی تھے، تراویح میں قرآن مجید جامع مسجد شاہ گنج، قصاب ٹولہ، پٹنہ میں سنایا کرتے تھے اور رمضان میں خطابت وامامت کا فریضہ بھی اسی مسجد میں انجام دیا کرتے تھے۔ یہ سلسلہ کئی برسوں تک چلتا رہا، آپ کے متعارفین کی تعداد پٹنہ میں کثیر تھی، لیکن ایسے لوگ پیوند خاک ہو گئے اور نئی پود نا واقف ہے۔

پھر اچانک حالات نے کروٹ بدلی اور مدرسہ کے ناخوشگوار ماحول کی وجہ سے آپ نے مدرسہ کو خیر آباد کہا۔ وقتی طور پر آپ نے شاہ گنج، قصاب ٹولہ، پٹنہ کے ایک مکتب میں جگہ پکڑی اور دینی خدمات میں مصروف ہو گئے، عزیز گرامی مولانا علی اختر سلمہ کو نحو کی مشہور اور پیچیدہ کتاب کافیہ کا اسی مکتب میں درس دیتے رہے سبق یاد نہ ہوتا تو سلمہ کی زبردست خبر لیتے تھے۔ میرا گھر اسی محلہ میں واقع ہے اس لئے میں اکثر مکتب میں علمی استفادہ کی غرض سے جایا کرتا تھا۔ آپ کی علمی صلاحیت بہت زبردست تھی۔ جامعہ ریاض العلوم دہلی میں اس زمانہ میں جگہ خالی تھی آپ کو مدعو کیا گیا، آپ نے لبیک کہا، اور مولانا عبدالسلام بستویؒ کے جامعہ ریاض العلوم میں درس وتدریس کا فریضہ انجام دیا، کافی عرصہ تک آپ وہاں صحیح بخاری اور دیگر علوم وفنون کا درس دیتے رہے۔ عمر زیادہ ہو گئی اور سفر کرنا دشوار معلوم ہوا تو آپ نے دہلی کو بھی چھوڑ دیا، دہلی کے بعد آپ اپنے گھر کے قریبی ادارہ جامعہ ابن تیمیہ چندن بارہ مشرقی چمپارن تشریف لائے اور مسند درس کو سنبھالا اور شیخ الحدیث کی حیثیت سے کئی سالوں تک درجات علیا کے طلبہ کو کتاب وسنت کا درس دیا۔ آپ کی شخصیت طلبہ اور اساتذہ کے مابین کافی مقبول تھی، ان کے مشفقانہ برتاؤ اور کریمانہ اخلاق کی وجہ سے طلبہ بہت جلد ان سے مانوس ہو جاتے تھے، انہوں نے کم وبیش پچاس سال تک تدریسی فریضہ انجام دیا۔ پھر ضعیف العمری کی وجہ سے آپ نے جامعہ ابن تیمیہ کو بھی چھوڑ دیا، لیکن تبلیغی مشن برقرار رکھا اور اپنے گاؤں میں ایک چھوٹا سا مدرسہ قائم کر کے بچے اور بچیوں کی تعلیم کا نظم کیا۔

یہاں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ تعزیت کے سلسلہ میں اپنے رسول مقبول ﷺ کے طریقے اور علماء سلف کے مؤقف کو مختصراً ہدیہ قارئین کرتا چلوں، فرمان رسول ہے ''بلغوا عنی ولو آیۃ'' ہماری طرف سے ہر وہ بات جو تمہیں معلوم ہوا گرچہ معمولی اور مختصر سی کیوں نہ ہو دوسروں تک پہنچا دو۔ تعزیت سنت رسول ہے، لیکن تعزیتی مجلس کا انعقاد شرعاً غلط ہے یہ ایک ایسی بدعت ہے جس کا اسلام میں کوئی تصور نہیں، رسول اللہ ﷺ کے فرمان گرامی سے اس بدعت کی تردید ہوتی ہے ''من احدث فی امرنا ھذا مالیس منا فھو رد'' (صحیح بخاری) جس نے ہمارے دین میں کوئی ایسی نئی بات ایجاد کی جس کا ہماری لائی ہوئی شریعت میں کوئی ثبوت نہ ہو وہ مردود ہے۔

اس لئے کسی بڑی یا علمی شخصیت کی وفات پر جمع ہو کر تعزیتی جلسہ کرنا اور پھر وفات پانے والے شخص کے تعارف کے لئے اس کے کارنامے کو بیان کرنا، اس کی تعریف میں غلو سے کام لینا اور پھر اختتام پر اس کے لئے اجتماعی دعا کا اہتمام کرنا جائز نہیں، اگر ایسا کرنا جائز ہوتا

توسلف صالحین ضرور اس کو انجام دیتے، نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کسی کی وفات کی خبر پا کر لوگوں کو جمع ہونے کا حکم فرماتے اور اجتماعی دعا کا اہتمام فرماتے۔غزوۂ موتہ کے موقع پر جب نبی کریم ﷺ کو بذریعہ وحی الٰہی حضرت جعفر بن ابی طالبؓ، حضرت عبداللہ بن رواحہؓ اور حضرت زید بن حارثہؓ کی شہادت کی خبر ملی تو آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو بھی ان کی شہادت کی بات بتائی، اسی طرح نجاشی کی وفات کی خبر صحابہ کرامؓ کو دی، مگر ان دونوں موقعوں پر نہ تو لوگوں کو جمع کیا اور نہ ہی ان کے کارناموں کو بیان فرمایا اور نہ ہی اجتماعی دعا کا اہتمام کیا، لیکن برصغیر ہندو پاک کے بیشتر مدارس اسلامیہ میں ایسا ہوتا کہ جامعہ یا مدرسہ کا کوئی ذمہ دار یا کوئی عظیم شخصیت کے مرجانے کی خبر موصول ہوتی ہے تو تعزیتی جلسہ منعقد کیا جاتا ہے اور اخیر میں ان کے لئے اجتماعی دعا کا اہتمام کیا جاتا ہے، اس لئے ہمیں ہر اس عمل سے گریز کرنا چاہیے جس پر کوئی شرعی دلیل نہ پائی جائے۔(بحوالہ جنازے کے مسائل مکتب توعیۃ الجالیات، سعودیہ عربیہ)

بالآخر رشد و ہدایت کا یہ نیر تاباں، علم و عمل کا پیکر جس کو موت نے اپنی آغوش میں لے لیا، اسلام کا سچا ترجمان جماعت اہل حدیث کو روتا بلکتا ہوا چھوڑ کر ۹ رستمبر ۲۰۱۵ء کو رخصت ہوگیا۔ کارخانۂ قدرت کا نظام یہی ہے اس کے خلاف کوئی دم نہیں مار سکتا نہ اپنی خواہش سے کوئی آسکتا ہے، نہ کوئی اپنی خواہش سے جاسکتا ہے۔ یہ نظام الٰہی اور قانون فطرت ہے موت ہر ذی حیات کی تقدیر ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کل من علیہا فان" اس دھرتی پر جو بھی ہے اسے فنا سے دوچار ہونا ہے۔اسی قاعدہ کلیہ کے تحت آپ کو بھی فنا کا لباس زیب تن کرنا پڑا اور تمام وابستگان اور پسماندگان کو آبدیدہ چھوڑ کر عالم فنا سے عالم بقا کی طرف تنہا سفر کرنا پڑا۔ اللہ عزوجل سے دعا ہے کہ آپ کی خطاؤں اور لغزشوں سے درگزر فرمائے اور آپ کو دامن عفو میں جگہ دے اور ان کو انبیاء صدیقین ،شہداء اور صالحین کی معیت عطا فرمائے۔آمین۔

زوجہ کے علاوہ آپ کے چار صاحبزادے ہیں۔آپ کے ہونہار لائق صاحبزادگان میں مولانا علی اختر مکی استاذ جامعہ ریاض العلوم دہلی اور پروفیسر ولی اختر ندوی صدر شعبۂ عربی دہلی یونیورسٹی، جمیل اختر کا تعلق صحافتی میدان سے ہے اور سہیل اختر ندوی سلمہ چھوٹے صاحبزادے ہیں۔ پسماندگان کے غم میں ہم بھی برابر کے شریک ہیں۔ مجھے بہت افسوس ہے کہ اپنی بیماری کے سبب (لیور کی نلی جام ہے اور ڈاکٹر نے آرام کرنے کا مشورہ دیا) آپ کے دولت کدہ پر جا نہیں سکا، میں نے ان کے لئے دعاء مغفرت کی اور تلاوت قرآن مجید کے بعد ہر روز مولانا کے لئے دعا کرتا ہوں اور کرتا رہوں گا، ساتھ ہی اس بات کی بھی وضاحت کرتا چلوں کہ کیا اچھا ہوتا کہ آپ کے دونوں صاحبزادے عزیزان مولانا علی اختر مکی اور مولانا ولی اختر ندوی پروفیسر دہلی یونیورسٹی والد ماجد کے نام سے ایک نمبر شائع کرنے کا بیڑا اٹھاتے تو آئندہ نسل اپنے اسلاف کو پہچانتی اور ان کی خدمات سے واقف ہوتی۔

اخیر میں ہم اور ہمارے تمام اعزہ واقارب، احباب واخوان جماعت، ملت اسلامیہ کے باحوصلہ افراد آپ کی تعلیمی خدمات کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے بارگاہ الٰہی میں دست بدعا ہیں کہ رب کریم مرحوم کی تمام نیکیوں کو قبول فرمائے، ان کی کوتاہیوں، لغزشوں کو معاف فرما کر اپنی رحمت سے ان کو نیکیوں میں بدل دے اور ان کو کروٹ کروٹ آرام نصیب فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العالمین۔

(جریدہ ترجمان ۱۳۱-۱۶ جنوری ۲۰۱۶ء)

□□□

شیخ الحدیث مولانا امان اللہ فیضی رحمہ اللہ

حیات وخدمات

۱۹۳۳ء.........۲۰۱۵ء

آصف تنویر تیمی

ولادت اورابتدائی تعلیم وتربیت: آپ ۱۹۳۳ء میں صوبہ بہار کے موتیہاری کے گاؤں پٹھان پٹی (جوآپ کا نانیہالی گاؤں ہے) میں پیدا ہوئے۔اس کے کچھ ماہ بعد آپ اپنے آبائی وطن بھکورہر چلے آئے، آپ کی تعلیم وتربیت خالص دینی اور علمی ماحول میں ہوئی، چونکہ والد ماجد رحمانی عالم دین تھے اس لئے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد مولانا محمد تسلیم رحمانیؒ سے حاصل کی۔جب کچھ ہوش سنبھالا تو والد صاحب کے مشورہ سے مدرسہ آزاد میں داخلہ لے لیا، اس وقت یہ مدرسہ گہوارہ علم ومعرفت تصور کیا جاتا تھا، بڑے بڑے اساطین علم وفن کی مسندیں وہاں لگتیں، اور عاشقان کتاب وسنت ان سے استفادہ کرتے، یہاں موصوف نے نحو وصرف اور چند دیگر شرعی علوم میں پختگی پیدا کی، خاص طور سے آپ مولوی زبیر صاحب قاسمی رحمہ اللہ کا تذکرہ کرتے، جن کو نحو وصرف میں غیر معمولی کمال حاصل تھا۔

اعلیٰ تعلیم: آپ کی غیر معمولی ذہانت وفطانت کو دیکھتے ہوئے آزاد مدرسہ کے اساتذہ اور ذمہ داروں کا ارادہ تھا کہ آپ اعلیٰ تعلیم کے لئے دارالعلوم دیوبند جائیں، مگر چونکہ گھرانہ اہل حدیثوں کا تھا، والد ماجد صاحب اسکے لئے بالکل راضی نہ ہوئے، اور منبع علم ومعرفت مدرسہ احمدیہ سلفیہ دربھنگہ چلے گئے، آخر کار ایک سال سے بھی کم مدت میں مدرسہ کو خیرآباد کہنا پڑا۔اور مدرسہ اسلامیہ فیض عام مئو میں داخلہ لیا۔مئو ہمیشہ سے ماہر علماء وفضلاء کا گڑھ سمجھا جاتا رہا ہے، شہر مئو میں میاں نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ کے بہت سے تلامذہ تھے۔آپ کی سند سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ۱۵رشوال ۱۳۷۲ھ کو مدرسہ فیض عام میں داخلہ لیا، اور تقریباً چار سالہ اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے ماہ شعبان ۱۳۷۶ھ/۱۹۵۷ء میں سند فراغت حاصل کی۔آپ نے فیض عام کے آخری سال میں جو کتابیں پڑھیں ان میں تفسیر جلالین، تفسیر بیضاوی میں سورہ فاتحہ اور سورہ بقرہ کی تفسیر، صحیح بخاری، صحیح مسلم، مؤطا امام مالک وغیرہ تھیں۔ یہاں پر یہ لطیفہ بھی ملاحظہ ہو کہ آپ نے ۱۳۷۶ھ/۱۹۵۷ء میں فراغت حاصل کی، مگر آپ نے سند نہیں لی، اور نہ اس کی ضرورت محسوس کی، کسی نے بھی سرٹیفکٹ نہیں مانگا۔لیکن دہلی میں قیام کے دوران سند کی تلاش ہوئی، اس وقت آپ کے بڑے فرزند مولانا علی اختر صاحب مکی فیض عام گئے تب ۱۴را کتوبر ۱۹۸۲ء کو ۲۶ سال بعد آپ کا شہادہ فیض عام سے نکالا گیا۔اور الحمد للہ یہ شہادۃ آج بھی میرے پاس بطور امانت موجود ہے۔

آپ کے اساتذہ: مولانا محمد تسلیم رحمانی (آپ کے والد ماجد)، مولانا عبدالغفور بسکوہری، مولانا حبیب الرحمن اعظمی، مولانا

مصلح الدین اعظمی (والد ماجد ڈاکٹر مفضل استاذ جامعہ الاسلامیہ سنابل دہلی) مولانا عبداللہ شائق، مولانا احمد صاحب (ناظم مدرسہ فیض عام) مولانا زبیر قاسمی، مولانا شمس الحق سلفی، مولانا عبدالرحمان نحوی، مولانا فضل الرحمن مظفر پوری وغیرہم۔

تدریسی ذمہ داریاں: ۱۳۷۶ھ/ ۱۹۵۷ء میں جب آپ فیض عام سے فارغ ہوئے تو ذمہ داران مدرسہ نے آپ کو مدرسہ میں تدریسی فریضہ انجام دینے کی پیش کش کی، لیکن ساتھ ہی یہ شرط عائد کی کہ ایک سال تک بلا تنخواہ یہ ذمہ داری ادا کریں، شرط آپ کو پسند نہ تھی، اسلئے فیض عام میں تدریسی ذمہ داری ادا نہ کرسکے۔ اور گھر لوٹ آئے، گھر آتے ہی مولانا عبیداللہ رحمانی مبارکپوری رحمہ اللہ (صاحب مرعاۃ المفاتیح) کا خط موصول ہوا کہ آپ مرکزی دارالعلوم جامعہ سلفیہ بنارس تشریف لاکر تدریسی فریضہ انجام دیں۔ جامعہ سلفیہ کا یہ ابتدائی زمانہ تھا، ایک سے بڑھ کر ایک قابل اساتذہ اور طلبہ موجود تھے، اساتذہ اور طلبہ دونوں میں علم کا شوق بدرجہ اتم پایا جاتا تھا، ماحول بھی خالص علمی اور دینی تھا، شیخ فیضی رحمہ اللہ کہا کرتے تھے کہ مدرسہ تو مدرسہ جب ہم لوگ فجر کے بعد بنارس کی گلیوں اور سڑکوں میں چہل قدمی کے لئے نکلتے تو عام مسلمانوں کے گھروں سے قرآن کی تلاوت کی ایسی آواز آتی کہ گویا شہد کی مکھی گنگناتی ہوں۔ جامعہ کے اکثر طلبہ تہجد گزار تھے۔ آپ اس وقت جامعہ کے کم عمر اساتذہ میں شمار ہوتے تھے۔ یہاں آپ نے حجۃ اللہ البالغہ، مشکوۃ المصابیح وغیرہ کتابیں پڑھائیں، آپ کے شاگردوں میں مولانا سلیمان میرٹھی، مولانا رفیق احمد سلفی، (باحث دارالدعوۃ، شاہین باغ) وغیرہ ہیں، آخر الذکر نے خود مجھ سے یہ بتلایا کہ میں نے شیخ سے مشکوۃ المصابیح پڑھی ہے۔

بنارس سے مدرسہ اصلاح المسلمین پٹنہ مولانا عبدالخبیر صاحب صادقپوری رحمہ اللہ کی دعوت پر بحیثیت مدرس آپ وہاں چلے گئے۔ وہاں چھ سات سال تک مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھاتے رہے، مولانا صادق پوری آپ کی بڑی عزت کرتے، تدریس کے ساتھ ساتھ آپ دعوتی کام بھی کرتے، یہاں کے شاگردوں میں مولانا ممتاز عبداللطیف (امواشیخ ٹولی)، حافظ سمیع اللہ اصلاحی (برادر شفیق) مولانا سکندر اصلاحی اور مولانا عبدالاحد اصلاحی، حفظہم اللہ قابل ذکر ہیں، اس کے بعد ادارہ بوجوہ چھوڑ دیا۔

مگر مدرسہ اصلاح المسلمین کے ذمہ داروں کے اصرار پر آپ دوبارہ پٹنہ چلے گئے، اور مزید پانچ سات سال تک مدرسہ کی خدمت کی، قال اللہ وقال الرسول کی صداؤں سے شہر پٹنہ گونجتا رہا۔ پٹنہ کے قیام کے دوران ہی قرآن مجید حفظ کیا، ۱۹۷۶ء میں پٹنہ چھوڑ کر اپنے استاذ شیخ الحدیث مولانا شمس الحق سلفی کے مشورہ سے مدرسہ ریاض العلوم دہلی تشریف لے گئے اور ۲۲/ اکتوبر ۱۹۹۲ء تک وہاں درس وتدریس کا فریضہ انجام دیتے رہے، آپ کو نحو وصرف میں غیر معمولی ملکہ حاصل تھا۔ طلبہ کو نحو وصرف ایسا ازبر کراتے جیسے سورہ فاتحہ ہو۔ ہم لوگوں نے ہدایۃ النحو شیخ سے پڑھی تھی، اور پڑھی ہی نہیں بلکہ سورہ فاتحہ کی طرح یاد کیا تھا۔ اس وقت ریاض العلوم کے اساتذہ میں جو آپ سے خصوصی راہ ورسم رکھتے تھے مولانا یونس صاحب اثری، مولانا عبدالتواب صاحب مدنی، مولانا عبداللطیف صاحب کشمیری کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔

طبیعت کی کمزوری کے بعد آپ نے دہلی چھوڑنے کا فیصلہ کرلیا، خود آپ کی آبائی بستی کے قریب، ڈاکٹر محمد لقمان سلفی حفظہ اللہ ایک عالیشان جامعہ کی بنیاد ڈال چکے تھے۔ عالمیت اور فضیلت تک کی پڑھائی شروع ہوچکی تھی شدت سے ان کا اصرار تھا کہ آپ ان کے جامعہ میں تشریف لے آئیں، چنانچہ آپ باضابطہ طور پر یکم نومبر ۱۹۹۲ء سے جامعہ میں درس وتدریس کا فریضہ انجام دینے لگے۔

آپ کو بحیثیت شیخ الحدیث اس جامعہ میں لایا گیا، کلیہ سید نذیر حسین محدث دہلوی اور کلیہ خدیجۃ الکبری میں بہ یک وقت آپ صحیح بخاری کا درس دیتے، اس کے علاوہ بھی دیگر حدیث کی کتابوں کے ساتھ صرف ونحو کی کتابیں پڑھاتے، فتوی بھی لکھتے، گھر چونکہ یہاں سے قریب تھا اس لئے باضابطہ اپنے گاؤں میں جمعہ کا خطبہ دیا کرتے تھے۔

جامعہ ابن تیمیہ میں آپ تقریباً دس سال تک رہے، ۲۰۰۱ء کے اخیر میں آپ اپنی تدریسی ذمہ داری سے سبکدوش ہوئے۔ اور اپنے گاؤں کی مسجد ہی میں ایک مکتب قائم کیا، مسجد کی امامت شروع کی، ساتھ ہی لوگوں کو منظم اور متحد کرنے کی بھرپور کوشش کی۔

اخلاق وکردار: آپ جس طرح ایک بلند پایہ عالم تھے، اسی طرح بلند اخلاق وکردار مسلمان بھی تھے، ظاہر وباطن میں اللہ سے خوف کھاتے تھے، نماز اور قرآن سے حد درجہ محبت تھی، تہجد کا اہتمام کرتے تھے، قرآن سے لگاؤ ہی کا نتیجہ تھا کہ تدریسی زندگی میں ہی قرآن حفظ کرلیا، اور اس کے بعد سے تقریباً تیس سالوں تک بلا ناغہ تراویح پڑھاتے رہے۔ پنجوقتہ نمازوں کی امامت میں آپ قرآن ترتیب کے ساتھ پڑھتے، روزانہ کے معمول میں سے فجر اور عصر بعد قرآن کی تلاوت تھی۔

آپ کو بے نمازیوں اور سود خوروں سے سخت دشمنی تھی، یہاں تک کہ ان کے سلام کا جواب بھی نہیں دیتے، اور اپنے اس موقف کے لئے صحیح بخاری کے باب ''باب مایجوز من الھجران لمن عصی'' اور کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے واقعہ جب اللہ کے نبی ﷺ اور صحابہ نے ان سے بات کرنی چھوڑ دی تھی۔ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہ جب انہوں نے اپنے بیٹے سے گفتگو ترک کردی تھی، سے استدلال کرتے تھے۔ آپ کے اعلیٰ اخلاق وکردار کی وجہ سے ہمہ وقت آپ کے دروازہ پر لوگوں کی بھیڑ ہوتی تھی، اور آپ وسعت بھر ان کی ضیافت کرتے اور علمی گفتگو ہوا کرتی تھی۔

علم دوستی اور مطالعہ: مطالعہ اور علم دوستی ہر زمانے میں سلف کا وطیرہ رہا ہے ہمارے استاد گرامی یادگار سلف مولانا امان اللہ کا بھی یہی وطیرہ تھا ان کا ایک ایک منٹ کتابوں کے لئے وقف ہوا کرتا تھا، جو کتابیں آپ کے زیر تدریس ہوا کرتی تھیں ان کا عام طور سے عصر اور مغرب بعد خوب مطالعہ کرتے، ضروری حواشی اور نوٹ تیار کرتے، پھر جا کر کلاس روم میں طلبہ کو پڑھاتے، بعض کتابیں جیسے صحیح بخاری یا صرف ونحو کی چھوٹی چھوٹی کتابیں جن میں عام طور سے آپ نے اپنی زندگی بسر کردی، مگر پھر بھی بلا مطالعہ نہیں پڑھاتے۔ درسیات کے مطالعہ کے بعد جو وقت بچتا اسے سلف کی مشہور ومعروف کتابوں کے پڑھنے میں لگاتے۔

سماجی خدمات: ویسے تو فراغت کے بعد سے تعلیم وتدریس کی خاطر ہمیشہ گاؤں اور گھر سے باہر رہے، صرف چھٹی میں گھر آتے اور پھر چلے جاتے، مگر پھر بھی ایک عالم دین ہونے کے ناطے آپ کی اپنی سماجی وملی ذمہ داریوں کا احساس تھا، اسی لئے غالباً آپ نے ۱۹۷۰ء میں ''امارت کمیٹی بھکورہر'' قائم کی۔ گاؤں کے بالغ النظر شخصیات کو اس کا ممبر نامزد کیا، گاؤں کے افراد نے آپ کو امیر مقرر کیا، اور بھلا آپ سے بہتر امیر کی ذمہ داریوں کو کون سمجھ سکتا تھا، عہدہ سنبھالتے ہی گاؤں میں چل رہے متعدد مقدمات کو صلح وصفائی سے ختم کرایا، لوگوں میں اخوت ومحبت کی تخم ریزی کی، آپسی معاملات کو تھانے اور کورٹ میں لے جائے بغیر آپس میں مل بیٹھ کر ختم کرنے کی سعی کی، زکاۃ، عشر، فطرہ، چرم قربانی کا اسلامی نظم قائم کیا، غریبوں، مسکینوں تک ان کا حق پہنچایا جانے لگا۔ امانت کا اس قدر خیال رکھتے کہ بیت المال سے مستحقین پر خرچ کرتے اور بقیہ چیزیں سال بھر اپنی جگہ رہا کرتیں۔ اور اس سماجی خدمت پر آپ نے کبھی کوئی

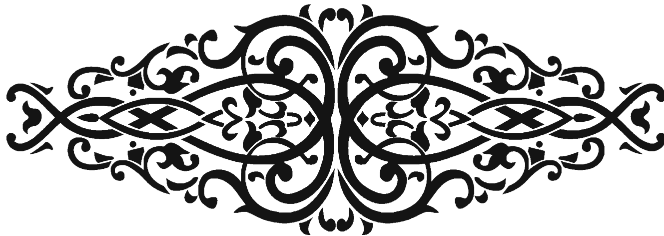
معاوضہ نہیں لیا، پورے خلوص کے ساتھ اہل بستی کی دینی ودنیوی خدمت تا حیات کرتے رہے۔

آپ بحیثیت ماہر تعلیم: اللہ تعالیٰ نے آپ کو نوع بہ نوع خوبیوں سے نوازا تھا، ان خوبیوں میں سے ایک اہم خوبی تعلیم وتعلّم کی تھی، مدارس اور جامعات میں تو آپ نصاب تعلیم کے پابند تھے، اس لئے اپنی مرضی کا استعمال نہیں کر سکتے تھے، لیکن اپنے بچوں کی تعلیم میں آپ کی تدریس کا ایک اچھوتا انداز تھا، آپ نے اپنے تمام بیٹوں کو ویسے ہی تعلیم دی جیسا کہ سلف صالحین کا تدریس کا طریقہ تھا۔ سب سے پہلے آپ اردو کتابیں پڑھاتے، جب ایک حد تک اردو کا فہم ہو جاتا تو عربی شروع کرتے، پھر صرف ونحو اور اس کے بعد دھیرے دھیرے دیگر علوم شرعیہ کی تعلیم دیتے، بیک وقت ساری کتابوں کا بوجھ بچوں کے کندھے پر نہ ڈالتے۔ آپ کی پوری کوشش ہوتی کہ جو بنیادی کتابیں ہیں، وہ پہلے پورے طور پر سمجھ میں آجائیں، خاص طور سے نحو وصرف میں کوئی کسر باقی نہ رہے، اور صرف کتابوں کی مثالوں پر اکتفا کئے بغیر قرآنی آیات سے قواعد کی تطبیق کراتے۔ آپ نے اپنے بچوں کو ایک معلم اور استاذ کی طرح وقت دیا، ان کی ذہنی ودینی تربیت کی، پڑھائی کے معاملہ میں کوئی رعایت کئے بغیر خالی وقتوں میں ان کے ساتھ فٹ بال اور بیڈمنٹن بھی کھیلا۔ آپ کی انہیں محنت اور محبت کا نتیجہ ہے کہ آج آپ کے چاروں فرزند اعلیٰ دینی ودنیوی تعلیم سے آراستہ اور اعلیٰ روزگار سے جڑے ہوئے ہیں۔

اس طرح علم وعمل کا یہ روشن ستارہ کم وبیش چھ دہائیوں تک کتاب وسنت کی ضیاء پاشی کرنے کے بعد اس افق سے غروب ہو گیا، اللہ ان کی قبر کو نور سے بھر دے، جنت الفردوس میں جگہ دے، ان کی خدمات کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔ اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل عطا کرے۔ آمین (بشکریہ طوبیٰ ماہنامہ)

(مجلہ اہل حدیث شکراوہ، دسمبر ۲۰۱۵ء)





خاندان صادق پور کے گل سرسبد

مولانا سید عبدالسمیع جعفری مدنی رحمہ اللہ۔حیات وخدمات

۱۹۳۶ء.............۲۰۱۵ء

مولانا عاشق علی اثری
سکریٹری ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر، نئی دہلی

نام ونسب: مولانا سید عبدالسمیع جعفری مدنی (م ۴/اکتوبر ۲۰۱۵ء) بن مولانا حکیم عبدالخبیر جعفری (م ۱۹۷۳ء۔۱۳۹۳ھ) بن مولانا حکیم عبدالحکیم جعفری (م ۱۵/محرم ۱۳۳۷ھ) بن مولانا احمد اللہ جعفری (م ۲۸/ذی الحجہ ۱۲۹۸ھ) بن مولانا حکیم الٰہی بخش جعفری (م ۱۲۷۵ھ) رحمهم الله تعالیٰ جميعاً رحمة واسعة وغفر لهم۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا عبدالسمیع صاحب علمی ودینی خانوادہ کے چشم وچراغ تھے۔اسی کے ساتھ یہ خاندان ریاست وثروت، عزوجاہ اور قدرومنزلت میں بھی یکتائے روزگار تھا۔مولانا جعفری کے دادا کے دادا جناب مولانا حکیم الٰہی بخشؒ کا سلسلہ نسب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچیرے بھائی اور علی رضی اللہ عنہ کے بڑے بھائی جعفر طیار رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔مولانا الٰہی بخشؒ کا تفصیلی سلسلہ نسب تذکرۂ صادقہ مؤلفہ مولانا عبدالرحیم صادق پوری ص ۴۲ پر موجود ہے۔

خاندانی پس منظر:

مولانا رحمہ اللہ عظیم آباد کے عظیم اور ہردل عزیز خاندان ''خاندان صادق پور'' کی سنہری کڑی کے ایک عظیم اور ہردل عزیز فرد تھے۔جس خاندان کے سپوتوں نے دعوت وتبلیغ، کتاب وسنت کی نشرواشاعت اوران کی بالادستی کوقائم کرنے، معاشرہ میں توحید کا بول بالا کرنے، شرک وبدعت اور اوہام وخرافات کا قلع قمع کرنے، شہیدین (سید احمد رائے بریلوی، شاہ اسماعیل دہلوی) کی تحریک تجدید دین وجہاد کو عام کرنے کے لئے گاؤں گاؤں اور شہر شہر کا چکر لگایا اور جب فرنگیوں کی ستم رانیوں اوران کے ظلم وجور سے باشندگان ہند خواہ وہ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتے رہے ہوں بلبلا اٹھے، اور وطن عزیز کوان کے پنجۂ استبداد سے نجات دلانے کے لئے کمربستہ ہوئے تو خاندان صادقپور کے جیالوں نے اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور تن، من اور دھن سب کچھ وطن عزیز کی آزادی کی راہ میں نچھاور کردیا۔عبور دریائے شور (کالا پانی) تک کی سزائیں بڑی خندہ پیشانی سے برداشت کیں۔

آزادئ ہند کے بعد وطن عزیز کے پہلے وزیر تعلیم، حامی سنت، قامع بدعت مولانا ابوالکلام آزاد (م ۱۹۵۸ء) رحمہ اللہ نے

تذکرۂ صادقہ مؤلفہ مولانا عبدالرحیم زبیر الہاشمی صادق پوری (م ۱۳۴۱ھ) کے بارے میں اپنی تقریظ میں جو تبصرہ فرمایا ہے۔اس سے خاندان صادقپور کے حالات اور پس منظر پر بھرپور روشنی پڑتی ہے، موصوف لکھتے ہیں:

''وضع زمانہ قابل دیدن دوبارہ نیست

روپش نہ کرد ہر کہ ازیں کارواں گذشت

''تذکرۃ الاسلاف لتبصرۃ الاخلاف'' عربی کا ایک اعلیٰ درجہ کا مقولہ ہے جس کا سچا مصداق یہ ''تذکرۂ اہل صادقپور'' ہے۔ اس کے مؤلف اس خاندان کی یادگار جناب مولانا عبدالرحیم صاحب صادقپوری ہیں جن کا ترجمہ (حالات زندگی) اس کتاب میں درج ہے۔

فاضل مؤلف نے اس تذکرہ میں اس خاندان کی تمام کیفیت اور تمام اہل خاندان کے حالات نہایت عمدگی سے تحریر کئے ہیں۔ بالخصوص ایسی حالت میں کہ تمام خاندان کا شیرازہ پریشان ہو چکا ہو اور واقفیت و تحقیق کے بہت کم ذرائع باقی رہ گئے ہوں۔ان کی یہ کتاب نہایت مفید اور خاندان کے بنائے دوام کا عمدہ ذریعہ ہے۔

غور سے دیکھو تو جس قدر یہ تذکرہ عبرت کا یقین دیتا ہے اور جس قدر اس خاندان کے تمام واقعات انسان کی طبیعت کو مؤثر کرتے ہیں غالباً بہت کم ایسے تذاکر اور ایسے واقعات ہوں گے۔

اول تو ''عروج وزوال'' کی تصویر جس قدر بہتر اس تذکرہ سے کھنچ سکتی ہے کسی واقعہ سے نہیں کھنچ سکتی۔ایک خاندان کا یہاں تک ترقی کرنا کہ دولت علم اور دولت مال میں ان کی نظیر نہ ہو، ہزاروں ان کے جاننے والے ہوں۔ ہزاروں جانثاری کے لئے موجود ہوں۔ خاندان کا خاندان ایک موقع پر مسکن گزیں ہو جائے اور اتفاقی صورت کا نام ''صادقپور'' اختیار کرے۔ باوجود یہ کہ نام ایک شہر کے کسی حصہ سے تعلق رکھتا ہو مگر مسمی کی ترقیات جزئی شہرت سے بڑھ کر کلی شہرت سے بھی بڑھ جائے۔

علمی حیثیت سے دیکھو تو بڑے بڑے مصنف، اعلیٰ درجہ کے واعظ خاندان میں موجود ہوں۔ دولت کے لحاظ سے دیکھو تو تمام موجودہ دولت مندوں میں ان کے ڈنکے بجتے ہوں۔ پھر یکایک اس خاندان کا ایسے ورطۂ تنزل میں آپڑنا جس سے اس کی تمام ترقیات پر پانی پھر جائے یعنی سرے سے بیڑا ہی ڈوب جائے۔کوئی نام لیوا نہ نظر آئے۔کوئی جانثار جانثاری نہ کرے۔خود حاکم وقت وبخت برگشتہ کی طرح پھر جائے۔خود اپنے پرائے ہو جائیں۔دم کے دم میں کارخانہ ہی پلٹ جائے اور ایک آنکھ بند کرنے والا جب ایک پل کے بعد آنکھ کھولے تو اسے بجائے ایک خوبصورت محل کے ایک وحشت ناک لق ودق میدان چٹیل نظر آئے۔ نہ اس کے سربفلک محلوں کا کچھ نشان معلوم ہو اور نہ اس صادقپوری دیواروں کی کچھ یادگار باقی ہو۔پس ایک انقلابی صورت دیکھنے والے کو حیرت اور مبہوت بنادے! آں صادقپور بہ کجاست! واہل صادقپور بہ کجا اند! نہ مکان را مکینے! ونہ مکین را مکنے! الٰہی ایں چیست!۔۔۔۔۔۔

پھر اس خاندان کے جو پس ماندہ تھے ان کے ساتھ کس طرح یہ فلک کج رفتاری سے پیش آیا۔کون سی مصیبت تھی کہ ان پر نہ آئی ہو؟ اور وہ کون سی سختی تھی کہ انہوں نے جھیلی نہ ہو؟ مگر ساتھ ہی ان کا بے نظیر صبر وتحمل اور اس جانگداز حالت میں بھی اللہ کا شکر ادا کرنا۔ صبر وشکر کی ایسی عمدہ تعلیم دیتا ہے کہ اس سے بہتر اور کوئی نہیں ہو سکتی۔اس کے بعد پھر اتفاق اور استقلال کا ساتھ دینا۔ایک کوشش

کرنے والے کی کوشش سے خاندان کا پھر ترقی کرنا اسکول کا جاری ہونا علم کا ساتھ دینا۔اس سب کچھ کا ایک اتفاق کی بدولت ہونا۔کیا اتفاق کی تعلیم نہیں دیتا''

(الدرالمنثور فی تراجم اہل صادق فور معروف بہ تذکرۃ صادقہ ص الف۔ج طبع سوم، ۱۳۸۴ھ۔ ۱۹۶۴ء، مطبوعہ: دی آزاد پریس، سبزی باغ پٹنہ)

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس خاندان کے سلسلہ میں مشہور تاریخ نگار مولانا غلام رسول مہر (م نومبر ۱۹۷۱ء) رحمہ اللہ نے جو تحریر کیا ہے اس کا بھی ذکر کر دیا جائے تاکہ اس خاندان اور اس کے اصلاحی اور مجاہدانہ کارنامے روز روشن کی طرح نمایاں ہو جائیں۔

موصوف رقمطراز ہیں:

''عظیم آباد کے تین خاندان:

عظیم آباد کے تین خاندان تھے جن کے زیادہ تر ارکان سید احمد سے وابستہ ہوئے اور ان اصحاب نے وابستگی کے تقاضوں کو جس للّٰہیت اور اخلاص سے پورا کیا اور جیسی عظیم الشان قربانیوں کی توفیق بارگاہ الٰہی سے پائی اس کی کوئی مثال ہمارے دور زوال کی تاریخ میں نہیں ملتی۔تینوں خاندانوں کو عظیم آباد میں اول درجہ کی امیری کا رتبہ حاصل تھا۔وہ سب کے سب پشتوں سے انتہائی فارغ البالی اور راحت و آسائش کی زندگیاں بسر کر رہے تھے لیکن سید صاحب سے وابستگی کے بعد ان سب کے طرز حیات میں بنیادی تغیر پیدا ہو گیا اور انہوں نے اپنا سب کچھ اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے وقف کر دیا۔ان کی کیفیت ذیل میں درج ہے:

۱۔شاہ محمد حسین تمو ہیہ کا خاندان جو عباس عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل سے تھے۔

۲۔مولوی الٰہی بخش کا خاندان جس کا سلسلہ نسب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچیرے بھائی جعفر طیار سے ملتا ہے۔اس بزرگ کے فرزندوں نے ہندوستان میں دعوت و تنظیم جہاد اور فراہمی زر مجاہدین کے اہم کام جس اعلیٰ پیمانے پر انجام دیے وہ اپنی مثال آپ ہیں۔بعض افراد میدان جہاد کی جان فشانیوں میں بھی حصہ دار بنے۔

۳۔مولوی فتح علی کا خاندان جن کا سلسلہ نسب زبیر رضی اللہ عنہ عم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا ہے۔مولانا ولایت علی اور مولانا عنایت علی انہیں کے فرزند تھے۔امیر المجاہدین مولانا عبداللہ بھی اسی خاندان سے تھے اور جماعت کے مجاہدات کی باگ ڈور مولانا ولایت علی کے وقت سے زیادہ تر اسی خاندان کے ہاتھ میں رہی۔اس کے جو افراد میدان جنگ میں شریک نہ ہو سکے وہ اپنے وطن میں تنظیم کا کام انجام دیتے رہے'' (سرگزشت مجاہدین۔مولانا غلام رسول مہر۔ص ۵۴۳،مطبوعہ غلام علی، پرنٹرز لاہور)

خاندان صادق پور کی قربانیوں کی بابت ملک کے پہلے وزیر اعظم جواہر لال نہرو کی شہادت:

خاندان صادق پور کی قربانیوں کے سلسلہ میں مولانا قاضی محمد اسلم سیف فیروز پوری لکھتے ہیں:

محلہ صادق پور پٹنہ صوبۂ بہار اہل حدیث اور اہل دین کا ایک بہت بڑا مرکز تھا جس نے متعدد عبقری رجال اور نابغۂ عصر شخصیتیں

پیدا کرنے میں بڑا نام پایا، مولانا ولایت علی، مولانا عنایت علی، مولانا احمد اللہ، شیخ الٰہی بخش، مولانا یحییٰ علی اسی خانوادہ علم وفضل کے روشن چراغ تھے، امیر عبداللہ، امیر رحمت اللہ، امیر نعمت اللہ، شہزادہ برکت اللہ بھی اسی مقدس اور معظم محلہ سے آبائی نسبت رکھتے تھے، آخری ایام میں اس علمی اور تاریخی خاندان کے گل سرسبد مولانا عبدالخبیر تھے۔ یہی وہ شخصیت تھی کہ آزادی ہند کے بعد وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا: ''حضرت اگر سارے ملک کے حریت پسندوں کی وطن کی آزادی کے لئے خدمات ایک پلڑا میں ڈال دی جائیں اور دوسرے پلڑا میں صرف علماء صادق پور کی خدمات ڈالی جائیں تو صادق پور علماء کا پلڑا بھاری ہوگا۔ تحریک مجاہدین، صادقپوری خاندان کے دم قدم سے ڈیڑھ سو سال تک انگریز کے خلاف نبرد آزما رہی، جائیداد کی قربانیوں اور مال ومتاع کی ضبطگیوں کے مرحلے بھی اسی عظیم خاندان کو پیش آئے، کالے پانی اور عبور دریائے شور کی سزائیں بھی اسی خاندان کے افراد کو دی گئیں، مقدمات بغاوت بھی ان پر قائم کئے گئے۔ میں آپ کی ان خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے آپ کو اس کا صلہ دینا چاہتا ہوں۔ فرمائیں آپ زرخیز زمین کا ٹکڑا پسند فرمائیں گے یا آپ کو کارخانہ فیکٹری دی جائے؟''

مولانا عبدالخبیر۔ رحمہ اللہ نے ان کی پیشکش اور ان کے اس احساس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے فرمایا:

''ہمیں نہ صلہ کی تمنا ہے نہ ستائش کی پرواہ، ہم نے یہ عظیم قربانیاں محض اللہ کی رضا جوئی کے لئے دی ہیں اس لئے اسی سے اجر وثواب حاصل کریں گے''۔

(تحریک اہل حدیث تاریخ کے آئینہ میں، ص ۵۱۹۔ ۵۲۰ طبع اول اپریل ۱۹۹۶ء، الکتاب انٹرنیشنل، جامعہ نگر، نئی دہلی)

معرکۂ بالاکوٹ ۲۴ رذی قعدہ ۱۲۴۶ھ مطابق ۶ رمئی ۱۸۳۱ء میں جناب سید احمد رائے بریلوی اور شاہ اسماعیل دہلوی۔ رحمہما اللہ کے حادثۂ وفات کے بعد تحریک کا پورا نظام 'علمائے صادق پور' کے ہاتھوں میں رہا۔ درج ذیل نقشہ سے خاندان صادق پور کی سیادت وقیادت اور ان کے خلوص وللّٰہیت اور جذبہ صادقہ پر بھرپور روشنی پڑتی ہے:

۱۲۴۶ھ مطابق ۱۸۳۱ء حادثۂ شہادت کے بعد تحریک کے نظم کا نقشہ:

سرحد پر:

۱۔ مولانا ولایت علی صادقپوری متوفی (۱۲۰۵ھ مطابق ۱۷۹۰ء۔ ۱۲۶۹ھ مطابق ۱۸۵۲ء) ۱۲۶۲ھ مطابق ۱۸۴۶ء سے ۱۲۶۳ھ مطابق ۱۸۴۷ء تک امیر رہے۔

۲۔ میر اولاد علی (ف ۱۲۷۱ھ مطابق ۱۸۵۵ء) ۱۲۶۲ھ مطابق ۱۸۴۷ء سے ۱۲۶۷ھ مطابق ۱۸۵۱ء تک

۳۔ مولانا ولایت علی صادقپور صاحب ۸ ربیع الآخر ۱۲۶۷ھ مطابق ۱۰ رفروری ۱۸۵۱ء سے ۲۲ رمحرم ۱۲۶۹ھ مطابق ۵ رنومبر ۱۸۵۲ء تک۔

۴۔ مولانا عنایت علی غازی متوفی (۱۲۰۳ھ مطابق ۱۷۸۸ء۔ ۱۲۷۴ھ مطابق ۱۸۵۸ء) ۲۲ رمحرم ۱۲۶۹ھ مطابق ۵ رنومبر ۱۸۵۲ء سے ۱۲۷۴ھ مطابق ۱۸۵۸ء تک۔

۵۔ مولانا نور اللہ ۱۲۷۴ھ مطابق ۱۸۵۸ء سے ۱۲۷۶ھ مطابق ۱۸۶۰ء تک۔

۶۔میر مقصود علی ۱۲۷۶ھ مطابق ۱۸۶۰ء سے ۱۲۷۸ھ مطابق ۱۸۶۲ء تک۔

۷۔مولانا عبداللہ صادقپوری بن مولانا ولایت علی متوفی (۱۲۴۲ھ۔۱۳۲۰ھ) ۱۲۷۸ھ مطابق ۱۸۶۲ء سے ۱۳۲۰ھ مطابق ۱۹۰۲ء تک۔

۸۔مولانا عبدالکریم (متوفی ۱۲۵۵۔۱۳۳۳ھ مطابق 1915ء) ۱۳۲۰ھ مطابق ۱۹۰۲ء سے ۱۳۳۳ھ مطابق 1915ء تک۔

۹۔غازی نعمت اللہ (متوفی ۱۹۲۱ء) ۱۳۳۳ھ مطابق 1915ء سے ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹۲۱ء تک۔

۱۰۔امیر رحمت اللہ ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹۲۱ء سے تقسیم ہند تک۔

ملک کے اندر:

مولانا ولایت علی صادقپوری، ۱۲۴۶ھ مطابق ۱۸۳۱ء سے ملک کے اندر و باہر ہر جگہ کی قیادت آپ ہی کے ذمہ تھی۔جب آپ ہجرت کر گئے تو اندرونی نظم کی شکل بدلی:

۱۔مولانا ولایت علی ۱۲۴۶ھ مطابق ۱۸۳۱ء سے ۱۲۶۵ھ مطابق ۱۸۴۹ء تک۔

۲۔مولانا فرحت حسین (متوفی ۱۲۲۶ھ۔۱۲۷۴ھ) ۱۲۶۵ھ مطابق ۱۸۴۹ء سے ۱۲۷۴ھ مطابق ۱۸۵۸ء تک۔

۳۔مولانا یحییٰ علی (متوفی ۱۲۳۸ھ۔۱۲۸۴ھ) ۱۲۷۴ھ مطابق ۱۸۵۸ء سے اپنی گرفتاری ۱۲۸۰ھ مطابق ۱۸۶۴ء تک۔

۴۔مولانا احمد اللہ (متوفی ۱۲۲۲ھ۔۱۲۹۸ھ) ۱۲۸۰ھ مطابق ۱۸۶۴ء سے اپنی گرفتاری ۱۲۸۱ھ مطابق ۱۸۶۵ء تک۔

۵۔مولانا مبارک علی (متوفی تقریباً ۱۲۸۸ھ مطابق ۱۸۷۱ء) ۱۲۸۱ھ مطابق ۱۸۶۵ء سے اپنی گرفتاری ۱۲۸۵ھ مطابق ۱۸۶۸ء تک۔

۶۔مولانا محمد حسن ذبیح (متوفی ۱۲۶۴ھ ۱۳۰۷ء) ۱۲۸۵ھ مطابق ۱۸۶۸ء سے ۱۳۰۰ھ مطابق ۱۸۸۳ء تک۔

۷۔مولانا عبدالرحیم (متوفی ۱۳۵۱ھ) ۱۳۰۰ھ مطابق ۱۸۸۳ء سے ۱۳۴۱ھ/ ۱۹۲۴ء تک۔

۸۔مولانا عبدالخبیر صادقپوری ۱۳۴۱ھ/ ۱۹۲۴ء سے تقسیم ملک (۱۹۴۷ء) تک۔

(مجموعہ مقالات مولانا عبدالحمید رحمانی ۳/ ۳۰۔۳۱ طبع اول فروری ۲۰۱۴ء مطبوعہ مجمع الشیخ عبدالحمید الرحمانی للبحوث العلمیۃ الاسلامیہ، نئی دہلی)

مولانا حکیم عبدالخبیر رحمۃ اللہ علیہ ۱۳۴۱ھ مطابق ۱۹۲۴ء سے ملک کی تقسیم ۱۹۴۷ء تک اور تقسیم ملک کے بعد ۱۹۷۳ء تک امیر تھے۔اس کے بعد جب آپ مختلف بیماریوں میں مبتلا ہو گئے تو اپنے چھوٹے صاحبزادے سید مولانا عبدالسمیع جعفری کو جو اس وقت جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ میں زیر تعلیم تھے جماعت اور امارت کی ذمہ داریاں سونپ دیں۔اس وقت سے اپنی وفات ۴؍اکتوبر ۲۰۱۵ء تک آپ نے ان ذمہ داریوں کو بحسن وخوبی نبھایا۔اور اپنی زندگی ہی میں اپنے منجھلے بیٹے جناب مولانا ابوعبداللہ غازی سلمہ اللہ تعالیٰ و وفقہ کو اپنی نیابت سونپ دی۔

اللہ تعالیٰ عزیز گرامی مولانا غازی کو اپنے اسلاف کی امانت کو کما حقہ ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

پیدائش:

مولانا عبدالسمیع جعفری۔ رحمہ اللہ کی پیدائش کے سلسلہ میں راقم سطور کو دو تحریریں باصرہ نواز ہوئیں۔ ایک آپ کے صاحبزادہ مولانا غازی صاحب کی ارسال کردہ معلومات میں اور دوسری روزنامہ قومی تنظیم پٹنہ ۶ / اکتوبر ۲۰۱۵ء، صفحہ 9 کی پریس ریلیز میں۔ مولانا غازی صاحب نے اس میں مولانا رحمہ اللہ کی پیدائش ۱۰ ستمبر ۱۹۳۷ء لکھی ہے اور قومی تنظیم پٹنہ کی پریس ریلیز میں ۱۴/ ستمبر ۱۹۳۶ء درج ہے جب کہ مولانا جعفری رحمہ اللہ کی ایک تحریر جو جمعیۃ الشبان المسلمین بجرڈیہہ بنارس کے لیٹر ہیڈ پر خود مولانا کے دستخط کے ساتھ بانی مرکز مولانا عبدالحمید رحمانی۔ رحمہ اللہ کے کاغذات میں راقم سطور کو ملی ہے اس میں تاریخ کے بغیر آپ کی پیدائش ماہ نومبر ۱۹۳۶ء درج ہے۔ لہٰذا راقم سطور کے نزدیک آپ کی یہی تاریخ پیدائش راجح معلوم ہوتی ہے۔

تعلیم و تربیت:

مولانا جعفری۔ رحمہ اللہ نے ابتدائی تعلیم مختلف اتالیق کے زیر نگرانی حاصل کی۔ بعدہ دینی، اسلامی اور عربی کی ابتدائی تعلیم اپنے والد گرامی جناب حکیم مولانا سید عبدالخبیر صادق پوری۔ رحمہ اللہ سے حاصل کر کے مدرسہ اصلاح المسلمین (موجودہ جامعہ اصلاحیہ سلفیہ) پتھر کی مسجد، پٹنہ سے خوشہ چینی کر کے ۱۹۶۰ء میں سند فراغت حاصل کی۔ اصلاح المسلمین میں تحصیل علم کے دوران جامعہ اردو علی گڑھ سے بعض امتحانات پاس کئے۔ اصلاح المسلمین سے فراغت کے بعد دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں داخل ہوئے اور التخصص فی الادب العربی کے تین سالہ کورس کی تکمیل کی اور اسی اثناء میں جامعہ اردو علی گڑھ سے ادیب ماہر کا امتحان پاس کیا اور ۱۹۶۸ء میں سعودی عرب کا سفر کیا اور جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ میں کلیۃ الشریعۃ و اصول الدین میں داخل ہو کر وہاں کے بڑے بڑے علماء اور مشائخ سے بھرپور استفادہ کیا۔

نوٹ: مذکورہ بالا معلومات کی بنیاد مولانا رحمہ اللہ کی ایک تحریر مورخہ ۱۹/ ۲/ ۱۴۲۵ھ مطابق ۱۰/ ۴/ ۲۰۰۴ء ہے۔

خدمات واعمال:

درس وتدریس اور دعوت وتبلیغ:

آپ نے اپنی عملی زندگی کا آغاز اپنی مادر علمی مدرسہ اصلاح المسلمین پٹنہ سے درس وتدریس اور تعلیم وتربیت کے ذریعہ کیا۔ آپ کے خاندانی بزرگ مولانا عبدالرحیم صادق پوری اسیر کالا پانی مؤلف تذکرۂ صادقہ نے یہ تعلیم وتربیتی ادارہ ۱۳۰۸ھ میں قائم کیا تھا۔ اس میں آپ نے دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے سند فراغت حاصل کرنے اور جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ میں اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے جانے سے پہلے تقریباً پانچ سال تک تدریسی خدمات انجام دے کر تشنگان علوم دینیہ کو سیراب کیا۔

۱۹۶۸ء میں جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ کے چشمۂ صافی سے سیرابی حاصل کرنے کے لئے تشریف لے گئے اور کلیۃ

الدعوۃ واصول الدین کے چار سالہ کورس کی تکمیل کر کے لیسانس (بی اے) کی سند حاصل کی تو حکومت سعودی عرب کی طرف سے بحیثیت مدرس وداعی منتخب کر کے نائیجیریا بھیج دیئے گئے۔ وہاں دو سال تک ''جماعۃ نصرۃ الاسلام'' کی زیر نگرانی ''کدونا'' شہر کے اندر دعوتی وتبلیغی خدمات انجام دیتے رہے۔ جس کے بانی شیخ الحاج ابوبکر غومی تھے۔ مولانا وہاں نومسلموں کی تعلیم وتربیت اور قادیانیوں سے مناظرے کے ساتھ ساتھ جماعت کی نگرانی میں چلنے والے ایک مدرسہ میں تدریس وتربیت کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ اس کے بعد مملکت توحید سعودی عرب۔ حرسھا اللہ من کل شر وفتنۃ کا رخ کیا۔

مولانا۔ رحمہ اللہ نے مرکز کی مجلس عاملہ اور مجلس شوریٰ کی میٹنگوں میں شرکت کے لئے اپنی آمد پر متعدد بار راقم سطور سے اپنی نائیجیریا سے واپسی کا سبب یوں بتایا کہ وہاں پر کام کرنے کے لئے مجھے 'میدان عمل' نہیں ملتا تھا۔ طلبہ بھی نہیں آتے تھے کہ ان کی تعلیم وتربیت میں شب وروز گزارا جائے۔ تنخواہ تو میں پوری لوں اور اس کے بدلے خاطر خواہ کام نہ ہو تو میرے لئے سوہان روح تھا۔ میں ذمہ دار مدرسہ سے اپنی اس پریشانی کا بار بار ذکر کرتا اور وہ مجھے برابر تسلی دیتے رہتے مگر کام نہ ملنے کی وجہ سے میں عجیب اضطراب اور قلق میں مبتلا رہتا۔ بالآخر میں نے اسی میں عافیت سمجھی کہ نائیجیریا چھوڑ کر سعودی عرب چلا جاؤں۔

مولانا نے اپنے فیصلہ کو عملی جامہ پہنایا اور نائیجیریا سے رخت سفر باندھ کر اسلام کے مرکز اصلی اور مہبط وحی مکہ مکرمہ تشریف لے گئے اور وہاں جامعہ ام القریٰ کی سنٹر لائبریری میں ملازمت اختیار کی اور سات سال تک لائبریری کی خدمت اور مکتبہ کے اہم مصادر ومراجع اور کتابوں سے خوشہ چینی کرتے رہے۔

اس درمیان امریکہ، برطانیہ اور جاپان کے لئے تمام تر سہولیات کے ساتھ آپ کے پاس پیشکش ہوتی رہی مگر آپ کو دولت دنیا اپنی طرف نہیں کھینچ سکی اور آپ نے استخارہ کر کے اپنے ملک میں رہ کر دین اور علم کی خدمت کرنے کو ترجیح دی۔ چنانچہ آپ نے اپنی ایک تحریر میں مکہ مکرمہ کی ملازمت چھوڑ کر وطن واپسی کے تعلق سے خود لکھا ہے:

''پھر از خود بعد از استخارہ اپنے وطن مالوف دینی خدمات کے جذبہ سے واپسی۔ اسی درمیان امریکہ، برطانیہ، جاپان کے لئے پیش کش تمام تر سہولتوں کے وعدہ کے ساتھ، ادھر میرا اصرار کہ جب مرکز اسلام سے نکلیں گے تو اپنے وطن عزیز کے لوگ زیادہ مستحق ہیں کہ ان کے درمیان رہ کر ہی دین کی خدمات انجام دی جائیں'' (تحریر مولانا جعفری۔ رحمہ اللہ۔ مورخہ ۱۹ر ۲ر ۱۴۲۵ھ مطابق ۱۰ر ۴ر ۲۰۰۴ء)

بالآخر مدرسہ اصلاح المسلمین، پٹنہ اور امارت اہل حدیث صادقپور، ہند کی ضرورت اور مدرسہ اور امارت کے ہمدردوں اور بہی خواہوں کے شدید اصرار پر ۱۹۸۵ء میں جامعہ ام القری مکہ مکرمہ کی عیش وعشرت کی زندگی کو چھوڑ کر اپنے وطن ہندوستان تشریف لے آئے اور نہایت تنگی اور عسرت کے عالم میں مدرسہ اور امارت کی باگ ڈور سنبھالی اور تاحیات درس وتدریس، دعوت وتبلیغ اور تقریر وتحریر کے ذریعہ کتاب وسنت کی نشر واشاعت میں لگے رہے۔

اس لمبے عرصہ میں جو تقریباً تین دہے پر مشتمل ہے آپ مدرسہ کی تعمیر وترقی میں منہمک رہے۔ مدرسہ کو پتھر کی مسجد، پٹنہ سے نکال کر گنگا کے ساحل پر آباد کیا، کلاس روم، ہاسٹل، مطبخ اور مسجد وغیرہ کی تعمیر کی اور تعلیمی شعبہ کو بھی خوب ترقی دی۔ امارت اہل حدیث

صادق پور کے ذریعہ بھی ضرورت مند اخوان جماعت وملت اور برادران وطن کی بھرپور مدد کی۔

اسی طرح دعوت وتبلیغ کے میدان میں بھی سرگرم عمل رہے، پٹنہ شہر کے علاوہ پورے بہار و بنگال میں آپ نے دعوت وارشاد کا عمل جاری رکھا، مساجد میں دروس، اجلاس میں شرکت اور وعظ ونصیحت آپ کا محبوب مشغلہ رہا۔ دعوت وارشاد کے لئے پیرانہ سالی اور صحت کی خرابی کے ایام میں بھی آپ کبھی کبھار جنوبی ہند اور ممبئی وغیرہ کا سفر کرتے رہتے تھے۔ جب تک صحت نے ساتھ دیا آپ ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر، نئی دہلی کی میٹنگوں میں شرکت کرتے رہے اور جب بھی سنٹر میں تشریف لاتے تو آپ کی پراثر اور دل نشیں تقریر سے اساتذہ ،طلبہ اورعوام الناس بھرپور فائدہ اٹھاتے، کبھی بانی مرکز مولانا رحمانی (م ۲۰ راگست ۲۰۱۳ء) رحمہ اللہ کی گزارش پر اور کبھی ہم خردوں کی درخواست پر وعظ ونصیحت اور تقریر کے لئے تیار ہوجاتے۔ کبھی جامعہ اسلامیہ سنابل کے اساتذہ اور طلبہ اور کبھی عائشہ صدیقہ شریعت کالج، جوگا بائی کی طالبات اور معلمات کو اور کبھی مرکز کی جامع مسجد ابوبکر صدیق، جوگا بائی کے مصلیان اور جمعہ میں شرکت کرنے والوں کو اپنے گرانقدر پند ونصائح سے نوازتے، اور کبھی بھی اپنی بیماری، سفر، تھکان اور پیرانہ سالی کا عذر نہیں کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ مولانا کے اعمال صالحہ کو شرف قبولیت بخشے اور ان کی سیئات سے درگزر فرمائے اور انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے۔ آمین۔

مساجد کی تعمیر: مولانا رحمہ اللہ نے صرف پٹنہ شہر میں ستائیس مساجد کی تعمیر وتوسیع کرائی اور پٹنہ کے علاوہ دیگر مقامات پر جہاں مساجد نہیں تھیں اور لوگوں کو مساجد کی شدید ضرورت تھی وہاں بھی نئی مسجدیں بنوائیں۔ مولانا مرکز کی مجلس عاملہ اور مجلس شوری کی میٹنگوں میں شرکت کے لئے جب تشریف لاتے اور اس میں مرکز کے تحت ملک کے طول وعرض میں زیر تعمیر مسجدوں کا ذکر آتا تو مولانا رحمانی۔ رحمہ اللہ، مولانا جعفری رحمہ اللہ کی تعمیر وتوسیع اور تجدید مساجد کا ذکر بڑے والہانہ انداز میں فرماتے اور کہتے کہ ''لوگ عرب حضرات کے تعاون سے مسجدیں بنواتے ہیں اور ہمارے شیخ عبدالسمیع صادق پوری عوامی چندوں سے مساجد تعمیر کراتے ہیں''۔

مولانا نے صرف مسجدوں کی تعمیر وتجدید اور توسیع ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ مسجدوں کی معنوی آبادی، خطبۂ جمعہ اور درس قرآن وحدیث کا زبردست اہتمام فرماتے تھے، کسی مسجد میں خود جمعہ پڑھاتے اور متعدد مساجد میں جامعہ اصلاحیہ سلفیہ کے اساتذہ کو مامور کرتے۔ اس طرح آپ نے کتاب وسنت کی دعوت کو عام کرنے اور معاشرہ سے بدعات وخرافات، پیر پرستی اور قبر پرستی کو ختم کرنے کے لئے دعاۃ ومبلغین کو ہفتہ واری اور ماہانہ پروگراموں کے تحت خود شہر پٹنہ کے ساتھ اس کے مضافات بلکہ پورے صوبہ بہار میں روانہ کرتے۔ جس سے کافی لوگوں کو فائدہ ہوا اور وہ باپ دادا کی پرانی ڈگر کو ترک کرکے صراط مستقیم پر گامزن ہوکر کتاب وسنت کے شیدائی اور ان کے داعی بنے۔

جامعہ اصلاحیہ سلفیہ کی تعمیر وترقی:

مدرسہ اصلاح المسلمین، پتھر کی مسجد، پٹنہ کا قیام آپ کے خاندانی بزرگ مولانا عبدالرحیم صادقپوری اسیر کالا پانی مؤلف

تذکرہ صادقہ کے ہاتھوں ۱۳۰۸ھ میں عمل میں آیا تھا جب کہ اس سے قبل جامع مسجد تمو ہیہ، میر شکار ٹولہ پٹنہ میں چل رہا تھا اور محدود دائرہ میں تشنگان علوم نبوت اور شیدایان کتاب وسنت کی تعلیم وتربیت کا فریضہ انجام دے رہا تھا جس سے بہت سے علماء ربانیین نے استفادہ کر کے کتاب وسنت کی روشنی پورے معاشرہ میں پھیلایا، خود مولانا جعفریؒ نے بھی اسی مدرسہ سے سند فراغت حاصل کی لیکن جب مولانا ۱۹۸۵ء میں جامعہ ام القری، مکہ مکرمہ سے وطن واپس تشریف لائے تو اپنی پوری زندگی مدرسہ اور امارت اہل حدیث صادق پور، پٹنہ کی خدمت کے لئے وقف کردی۔ مدرسہ اصلاح المسلمین کو ترقی دے کر اس کا نام ''جامعہ اصلاحیہ سلفیہ'' رکھا اور اس جامعہ کو ''پتھر کی مسجد'' علاقہ کے تنگ نائے سے نکال کر لب گنگا شیش محل، پٹھان ٹولہ، عادل گنج، پٹنہ میں ایک لاکھ بیالیس ہزار ستر مربع فٹ کی ایک وسیع وعریض قطعۂ آراضی پر منتقل کیا اور جامعہ کی شایان شان اس کی ضرورت کے لحاظ سے کلاس روم، ہاسٹل، مطبخ، مطعم، مسجد، آفس، لائبریری وغیرہ کی تعمیر کرائی۔ جامعہ کی ترقی کے ساتھ اس کی تعلیم وتربیت پر بھرپور توجہ دی، نونہالان ملت کی تعلیم وتربیت میں خود بھی مشغول ہوئے اور اچھے اور ماہر اساتذہ کی ایک مناسب ٹیم کی خدمات بھی حاصل کیں۔ اس وقت کا جامعہ اصلاحیہ سلفیہ قابل دید وشنید تھا۔ اچھی تعلیم وتربیت، بہتر اور اچھا نظم ونسق، جامعہ کی نگرانی وسرپرستی کے لئے مولانا صبح وشام بہ نفس نفیس خود جامعہ تشریف لایا کرتے تھے۔

ایک وقت ایسا آیا کہ مولانا جعفریؒ نے جامعہ کو اتنی وسعت اور ترقی دی کہ اس کی شہر پٹنہ میں بارہ اور بیرون پٹنہ آٹھ شاخیں قائم کیں۔ (آئینہ جامعہ اصلاحیہ سلفیہ، ص ۱، مطبوعہ ۶/۱۱/۱۴۱۹ھ مطابق ۱۳/۲/۱۹۹۹ء)

امارت اہل حدیث صادق پور کی خدمات:

جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ امارت کے آخری امیر اور قائد آپ کے والد گرامی مولانا حکیم سید عبدالخبیر صادق پوریؒ تھے لیکن جب آپ کے والد بزرگوار پیرانہ سالی میں داخل ہوگئے اور مختلف عوارض اور امراض نے آپ کا پیچھا کیا تو آپ نے اپنے لائق وفائق اور ہونہار چھوٹے بیٹے مولانا عبدالسمیع جعفری مدنی۔ رحمہ اللہ کو جماعت وامارت کی ذمہ داریاں سونپ دیں۔ اس وقت مولانا عبدالسمیع صاحب جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ میں زیر تعلیم تھے۔ مولانا کی امارت اور قیادت سے متعلق علامہ عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ۔ رقمطراز ہیں:

''فارسی کا ایک شعر ہے ؎

ایں سلسلہ طلائے ناب ست
ایں خانہ ہمہ آفتاب ست

برصغیر ہندوستان کی گزشتہ سوا سو سال کی ہنگامہ خیز تاریخ میں اس شعر کا صحیح مصداق اگر کوئی خاندان رہا ہے تو وہ خاندان سعادت صادقپور ہے۔ امام مولانا ولایت علی صادقپوری۔ رحمہ اللہ سے لے کر موجودہ امیر مولانا عبدالخبیر صادقپوری تک اس خاندان نے ہندوستان کی اصلاحی، تبلیغی اور سیاسی تاریخ میں جو دور رس اثرات چھوڑے ہیں ان کی نظیر ملنی ناممکن ہے۔ اس خاندان کی جانی ومالی اور

دوسری ہمہ گیر قربانیاں پورے ہندوستان کی قربانیوں پر بھاری ہیں۔ جماعت اہل حدیث نے ہر دور میں اس خاندان کی قیادت پر اعتماد کیا ہے اور اس کے جھنڈے تلے استعماری قوتوں سے نبرد آزما ہوئی ہے۔

موجودہ امیر مولانا سید عبدالخبیر جعفری صادقپوری حفظہ اللہ وعافاہ سالہا سال سے مختلف بیماریوں میں مبتلا ہیں۔ آپ اپنی عمر کی ۹۳ ویں منزل میں ہیں اور ادھر دو سال سے آپ کی صحت انتہائی نازک صورتِ حال سے گزر رہی ہے۔ (**عافاہ اللہ و شفاہ شفاء کاملاً عاجلاً**)

جماعت اہل حدیث پٹنہ و بہار کو آپ کی صحت کی خرابی کی وجہ سے جماعت کی قیادت کی بابت سخت پریشانی تھی اور صرف جماعت ہی نہیں بلکہ دوسرے ہمدردان ملت بھی اس مسئلہ کو بہت اہم سمجھتے تھے۔ میں جب جسٹس خلیل صاحب سے انٹرویو لینے گیا تو موصوف نے بھی اس پہلو کی طرف توجہ دلائی۔

چنانچہ ان احساسات کو مدنظر رکھتے ہوئے امیر موصوف نے پوری جماعت سے مشورہ کے بعد اپنے چھوٹے لائق صاحبزادہ مولوی عبدالسمیع صاحب متعلم جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کو جماعت کی ذمہ داریاں سونپ دیں، حسن اتفاق سے مولوی عبدالسمیع صاحب کو مدینہ یونیورسٹی میں داخلہ مل گیا (بحمد للہ اس گنہگار کی کوششوں کا اس میں سب سے زیادہ دخل تھا) مدینہ یونیورسٹی میں جب موصوف کو والد کی صحت کی نزاکت کا علم ہوا تو وہ اس سال پٹنہ تشریف لائے اور چونکہ ابھی تعلیم کی تکمیل میں دو سال کی مدت باقی ہے۔ بنابریں جماعت کے حلقوں میں یہ سوال پیدا ہوا کہ اس دو سالہ مدت میں جماعتی نظم کی ذمہ داریاں کون سنبھالے؟ حضرت امیر صادقپوری کے سامنے بھی یہ مسئلہ اٹھایا گیا، چنانچہ امیر موصوف نے مولوی عبدالسمیع اور جماعت کے مشورہ کے بعد یہ دانشمندانہ فیصلہ فرمایا کہ مولوی عبدالسمیع کی غیر حاضری میں جماعت کی قیادت کے فرائض مولانا ڈاکٹر عبدالحفیظ سلفی انجام دیں گے" (مجموعہ مقالات مولانا عبدالحمید رحمانی ۱/ ۲۱۳۔ ۲۱۴، طبع اول فروری ۲۰۱۴ء مطبوعہ مجمع الشیخ عبدالحمید الرحمانی للبحوث العلمیہ الاسلامیہ، نئی دہلی)

امارت کے پلیٹ فارم سے مولانا جعفریؒ مسکینوں، بیواؤں اور غریب و مسکین طلبہ کو وظائف دیتے، مریضوں اور مقروضوں کے ساتھ بھرپور تعاون کر کے ان کے علاج و معالجہ اور قرضوں کی ادائیگی کی حتی المقدور کوشش فرماتے۔ لاوارث اور غریب اموات کی تجہیز و تکفین اور مسافروں کی امداد کرتے تھے۔ آفات و حادثات سماویہ وارضیہ کے مصیبت زدگان کی مصیبت میں حتی المقدور تعاون کرتے تھے۔

علاوہ ازیں مولاناؒ وقتاً فوقتاً حساس اور اہم موضوعات پر اپنے دردمندانہ دل کی آواز بغرض اصلاح معاشرہ ہینڈبل اور پمفلٹ کے ذریعہ لوگوں تک پہنچاتے رہتے تھے۔ ان میں سے چند کے نام جو راقم سطور کو دستیاب ہوئے ملاحظہ ہوں:

۱۔ اسلام کے سپوتوں سے چند باتیں کپوتوں سے نہیں۔ (۲) روحانیت کی سالانہ پریڈ کا مہینہ اور مسلم معاشرہ۔ (۳) غور سے پڑھئے (رمضان کے مبارک موقع پر)۔ (۴) ہوالشافی۔ صحت وعافیت کی بحالی اور برقراری کے لئے "نیچرل پیتھی" کے ذریعہ علاج کا نسخہ۔ (۵) آنے والے نئے اسلامی سال کی مبارکباد۔ (۶) فوری توجہ چاہت (اس میں ۱۰ ذی الحجہ سے ۱۳/ ذی الحجہ چار دنوں تک قربانی کا جواز پیش کر کے مسلمانوں کو اتباع رسول۔ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت دی گئی ہے۔)

اجلاس اور کانفرنسیں:

مولانا جعفریؒ امارت اہل حدیث صادق پور کے پلیٹ فارم سے حسب امکانیات اجلاس اور کانفرنسیں بھی منعقد کیا کرتے تھے۔ چنانچہ یکم ودوئم محرم الحرام ۱۴۱۹ھ مطابق ۲۸۔۲۹ اپریل ۱۹۹۸ء میں ''وطن عزیز کی آزادی میں علماء صادق پور، پٹنہ، بہار کی قربانیاں'' کے موضوع پر ایک دوروزہ عظیم الشان کانفرنس، بمقام عیدگاہ باغ عبدالخبیر، صندل پور، پٹنہ منعقد کی۔ اس میں علماء دین، داعیان ملت اسلامیہ، شعراء کرام کے علاوہ سیاسی رہنما بھی شریک ہوئے تھے جن میں اس وقت کے بہار کے وزیر اعلیٰ جناب لالو پرساد یادو، اپنی اہلیہ محترمہ رابڑی دیوی کے ساتھ بہ نفس نفیس مہمان خصوصی کی حیثیت شریک کانفرنس ہوئے تھے۔ ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر، نئی دہلی کی طرف سے ایک سہ نفری وفد بانی مرکز مولانا عبدالحمید رحمانیؒ کی معیت میں شریک ہوا تھا۔ مولانا عبدالحمید رحمانیؒ نے بھی مذکورہ بالا موضوع پر اپنا مقالہ تحریر فرمایا تھا اور اسے کانفرنس میں پڑھنے کی ذمہ داری راقم سطور کے سپرد کی تھی، مولانا کے حسب حکم میں نے وہ گرانقدر مقالہ پیش کیا جسے کافی پسند کیا گیا۔ مولانا رحمانیؒ نے وہ مقالہ اپنے پاس رکھ لیا تھا اور اس پر نظر ثانی کرکے پھر مولانا جعفری کے پاس بھیجنے کا ارادہ تھا مگر افسوس کہ اس مقالہ کا سراغ نہیں مل سکا۔ نہ مولانا جعفری کے یہاں اور نہ مولانا رحمانی کے کاغذات میں۔

ذمہ داران نے اس کانفرنس میں مولانا رحمانیؒ کی تقریر بھی اس نشست میں رکھی تھی جس میں جناب لالو پرساد یادو صاحب اپنی اہلیہ کے ساتھ بحیثیت مہمان خصوصی شریک کانفرنس تھے۔ مولانا رحمانی۔ رحمہ اللہ نے اس پروگرام میں ''وطن عزیز کی آزادی میں علماء صادقپور کی قربانیاں'' کے موضوع پر اپنے اچھوتے اور دل نشیں انداز میں بھرپور روشنی ڈالی اور ان قربانیوں کے صلہ میں خاندان صادقپور کی تباہی وبربادی اور ان کے باقیات کوختم کرنے کی سازش کا پردہ فاش کرتے ہوئے وزیر اعلیٰ بہار سے خاندان صادقپور کی اس زمین وجائیداد پرجس پر میونسپل کارپوریشن کی آفسیں بنی ہوئی ہیں علماء صادق پور کی یادگار قائم کرنے کا مطالبہ کرڈالا۔ مولانا رحمانی۔ رحمہ اللہ کی تقریر ایسی مدلل اور موثر تھی کہ وزیر اعلیٰ نے مولانا کی تقریر کے بعد بھرپور انداز میں ان کا شکریہ ادا کیا اور اسی پروگرام میں علماء صادق پور کی یادگار قائم کرنے کا وعدہ کیا۔ مگر افسوس کہ موصوف کا وہ وعدہ صرف سیاسی وعدہ ثابت ہوا۔

مولانا جعفری۔ رحمۃ اللہ علیہ۔ اسی طرح کے تاریخی، دعوتی اور اصلاحی پروگرام کبھی کبھی کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ ۳ر محرم الحرام ۱۴۲۶ھ مطابق ۱۳ فروری ۲۰۰۵ء کو بھی ایک شبی اجلاس امارت اہل حدیث صادقپور کی طرف سے جامع مسجد درزی ٹولہ، پٹنہ میں منعقد کیا تھا اور مولانا رحمانی۔ رحمہ اللہ کو ''تحریک اہل حدیث'' ایک تعریف، ایک حقیقت'' کے موضوع پر خطاب کی دعوت دی تھی۔ مولانا نے اس اجلاس میں اپنی شرکت کی منظوری دی تھی مگر صحت کی گراوٹ مولانا کے اس اہم اجلاس میں شرکت سے مانع رہی۔ قدر اللہ وماشاء فعل۔

رفاہی خدمات:

مولانا جعفری۔ رحمہ اللہ کے سینہ میں شفقت ورحمت، پیار ومحبت اور رحم دلی وغریب پروری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ اس

سلسلہ میں مولانا اپنے اور غیروں میں تفریق کے قائل نہیں تھے۔ آپ کی شفقتیں، مہربانیاں اور ہمدردیاں جس طرح اپنے خاندان والوں کے ساتھ تھیں اسی طرح عام محتاجوں، غریبوں اور مریضوں کے ساتھ بھی تھیں۔ حتی کہ اس کارخیر اور خدمت خلق میں مسلم اور غیر مسلم میں بھی آپ کوئی امتیازی سلوک نہیں کرتے تھے۔ مولانا کے صاحبزادہ گرامی مولانا غازی۔ سلمہ اللہ تعالیٰ۔ نے مولانا کی زندگی سے متعلق اپنی معلوماتی رپورٹ میں مولانا کی غرباء پروری کا ایک واقعہ ذکر کیا ہے جس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

ایک مرتبہ ایک غیر مسلم پنجابی اپنی پوری فیملی کے ساتھ بہار کی راجدھانی پٹنہ میں آیا اور عالم گنج میں ایک کرایہ کے مکان میں قیام پذیر ہوا۔ قسمت کی بد نصیبی کہ میاں بیوی دونوں بیمار پڑ گئے اور پوری فیملی سخت پریشانی میں مبتلا ہوگئی۔ کسی بہی خواہ نے جو مولانا کی ''خدمت خلق'' کی اعلیٰ صفت سے اچھی طرح واقف تھا اس کی بیٹیوں کو مولانا کے اوصاف جمیلہ کو بتاتے ہوئے یہ مشورہ دیا کہ آپ لوگ مولانا عبدالسمیع صاحب صادقپوری کے پاس جائیں، ان کے پاس تمہاری پریشانیوں کا کوئی نہ کوئی حل ضرور نکل آئے گا۔ چنانچہ وہ بچیاں مولانا کے پاس گئیں اور اپنے والدین کی بیماری اور اس کے نتیجہ میں پیش آنے والی پریشانیوں کا ذکر کیا تو واقعی مولانا تڑپ اٹھے اور صلاۃ عصر کی ادائیگی کے بعد مولانا غازی صاحب کو ہمراہ لے کر اس پنجابی کی رہائش گاہ پر تشریف لے گئے۔ بیماروں کی عیادت کی ،گھر واپس آ کر ان مریضوں کے علاج و معالجہ کا بھرپور انتظام کیا اور جب تک وہ پٹنہ میں مقیم رہے ان کے مکان کا کرایہ ادا کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی پوری فیملی کے خرد و نوش اور دیگر ضروریات کا انتظام بھی کرتے رہے۔ مولانا کے ان اخلاق کریمانہ اور اسلام کی انسانیت نوازی سے وہ لوگ بہت متاثر ہوئے اور کہا کہ ہم لوگ جلد ہی اسلام قبول کر کے اسلام کی دامن امن و عافیت اور ہمدردی و غم گساری میں پناہ لے لیں گے مگر اس کے بعد اچانک وہ لوگ پٹنہ سے چلے گئے۔ سچ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے: {إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ} (القصص:۲۸:۵۶)

''آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں کر سکتے بلکہ اللہ تعالیٰ ہی جسے چاہے ہدایت کرتا ہے۔ ہدایت والوں سے وہی خوب آگاہ ہے''۔

مولانا اپنی غم گساری اور رفاہی خدمات میں بہت معروف تھے۔ موسم سرما میں حالت سفر میں آپ اپنے ہمراہ اپنی ضرورت سے زیادہ گرم کپڑے لے کے چلتے تھے اور اگر کسی کو سردی سے ٹھٹھرتے دیکھتے اور اس کے پاس سردی سے بچنے کا سامان نہیں ہوتا تو اس گرم کپڑے سے اس کو نواز دیتے۔ بسا اوقات زائد کپڑے نہ ہوتے تو اپنا کپڑا ہی اتار کر ضرورت مند کو دے دیتے۔ کیوں نہ ہو جبکہ آپ کا سلسلۂ نسب اسی رحمۃ للعالمین اور دنیا کے سب سے بڑے ہمدرد و غم گسار محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچیرے بھائی جعفر طیار رضی اللہ عنہ سے ہی تو ملتا ہے۔ سچ کہا ہے شاعر نے ؎

بھوکے رہتے تھے پر اوروں کو کھلا دیتے تھے
کیسے صابر تھے محمد کے گھرانے والے

مریم اسپتال کا قیام:

مولانا جعفری۔ رحمۃ اللہ علیہ۔ کے لئے ملت کے غرباء، مساکین، بیواؤں اور یتیموں اور ملک کے دوسرے پریشان حال

اور مصیبت کے شکار لوگوں کے حالات ہمیشہ پریشان کن رہے اور اس سلسلہ میں آپ حسب امکان اپنا دست تعاون برابر بڑھاتے رہے۔ اسی کے ساتھ عام بیماریاں اور عورتوں کے مخصوص امراض بھی آپ کے لئے سوہان روح بنے رہتے اس لئے آپ نے پتھر کی مسجد میں واقع مدرسہ اصلاح المسلمین کی قدیم عمارت کو مسمار کر کے اس کی جگہ تیس جنرل بیڈ اور تین پرائیویٹ بیڈ کا ایک مریم اسپتال قائم کیا مگر شومیٔ قسمت کہ اس اسپتال پر اپنے اور غیروں کی نظر بد لگی اور زیادہ دنوں تک یہ خدمت خلق کا فریضہ انجام نہیں دے سکا۔

اسی مریم اسپتال کی پہلی منزل پر آپ نے ایک کمرہ کو اپنا آفس بنا رکھا تھا، جب آپ مختلف عوارض کے شکار ہوئے اور چلنے پھرنے سے معذور ہو گئے تو اسی کو آپ جامعہ اصلاحیہ سلفیہ اور امارت اہل حدیث صادق پور کے آفس اور اپنی رہائش اور لوگوں سے ملاقات کے لئے استعمال کرتے تھے۔

بعض اوصاف حمیدہ:

مولانا جعفری۔ رحمۃ اللہ علیہ۔ ایک بلند پایہ عالم دین، ممتاز اور کامیاب مدرس، پرجوش و بے باک داعی ومبلغ، فصیح و بلیغ مقرر، نکتہ رس و بذلہ سنج واعظ و خطیب اور اعلی درجہ کے منتظم تھے، زہد وتقوی، خشیت الٰہی، انابت الی اللہ، رجوع الی الحق، ظرافت و خوش مزاجی، سخاوت و فیاضی، خدمت خلق، اکرام مسلم، احترام علماء، ہمدردی و غمگساری وغیرہ میں معروف و ممتاز تھے۔ آپ ہر مذہب، مسلک، مشرب اور مکتب فکر کے نزدیک ہر دل عزیز اور محبوب تھے۔ چنانچہ مولانا محمد عالم قاسمی خطیب وامام جامع مسجد دریا پور سبزی باغ، پٹنہ لکھتے ہیں:

''مولانا عبدالسمیع جعفری کی رحلت سے ملت میں ایک خلا پیدا ہو گیا ہے۔ موصوف نیک صفت، باصلاحیت عالم دین تھے، ساتھ ہی بے لوث اور بے باک مقرر تھے، آپ کی صحت مندی کے زمانہ میں جامعہ اصلاحیہ سلفیہ نے کافی ترقی کی۔ آپ کی شہر کے ہر طبقہ میں بلا اختلاف مسلک مقبولیت ہوئی، مسلکی اور گروہی تفریق سے بلند ہو کر ملت کی اجتماعی کوشش میں ہمیشہ شامل رہے اور اتحاد امت کے لئے کوشش کرتے، عام لوگوں سے والہانہ انداز میں ملتے، اس حقیر سے بھی گہرا تعلق تھا اور جب تک صحت نے ساتھ دیا میری دعوت پر برابر درس قرآن کے لئے ہم لوگوں کی مسجد میں تشریف لاتے۔ دیگر ملی امور پر بھی بہت دل سوزی سے بات کرتے'' (قومی تنظیم، پٹنہ، ص۹، ۶/اکتوبر ۲۰۱۵ء)

چشم فلک نے اور شہر پٹنہ کی گلیوں اور کوچوں نے آپ کی ہر دل عزیزی کا نظارہ اس وقت خوب دیکھا جب کہ صرف ایک شبہہ کی بنا پر بغیر کسی اطلاع ونوٹس کے سی بی آئی نے آپ کی دولت خانہ پر چھاپہ ماری کی تو بلا مسلک ومذہب ہر مکتب فکر کے مسلمان اور ہر مذہب کے ماننے والے برادران اپنے گھروں سے نکل کر روڈوں پر آ گئے اور سی بی آئی کی اس غلط حرکت پر اجتماعیت کا ثبوت دیتے ہوئے سد سکندری بن گئے، مجبور ہو کر انہیں مولانا جعفری۔ رحمہ اللہ۔ کو چھوڑ کر ندامت کے ساتھ واپس جانا پڑا۔

مولانا جعفری۔ رحمہ اللہ بڑے نفاست پسند تھے، جب تک طاقت وصحت نے ساتھ دیا آپ لیٹرن اور باتھ روم کی صفائی خود کر لیا کرتے، نفاست ونظافت کا یہ عالم تھا کہ آپ ہمیشہ دو رومال (دستی) ساتھ میں رکھتے تھے۔ ایک کرتا کی دائیں جیب میں

اور ایک بائیں جیب میں۔ دائیں جیب کا رومال صرف ہاتھ اور منہ کی صفائی کے لئے استعمال کرتے اور بائیں جیب کا رومال ناک وغیرہ کی صفائی کے لئے استعمال کرتے۔ جس کمرہ میں رہتے اس کی صفائی خود کرلیا کرتے تھے یہاں تک کہ کسی کے یہاں مہمان ہوتے تو بھی حتیٰ الامکان کمرہ کی صفائی کی کوشش خود کرتے تھے۔ کھانے سے فارغ ہو کر جب تک سنت نبوی کے مطابق پلیٹ اور کٹورہ کو اچھی طرح چاٹ کر صاف نہیں کر لیتے انہیں چھوڑتے نہیں اور دسترخوان کی صفائی کی بھی کوشش کرتے، مجبور ہو کر میزبان کو زبردستی مولانا کے ہاتھ سے دسترخوان چھینا پڑتا۔

مناصب اور عہدے:

مولانا رحمہ اللہ جن عہدوں اور مناصب پر فائز رہے وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ امیر امارت اہل حدیث صادق پور (ہند) پٹنہ، بہار۔

۲۔ صدر و سرپرست اعلی جامعہ اصلاحیہ سلفیہ، پٹنہ، بہار۔

۳۔ بانی مریم اسپتال، پتھر کی مسجد، پٹنہ، بہار۔

۴۔ ممبر دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، یوپی

۵۔ ممبر مجلس عاملہ وشوری ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر، جامعہ نگر، نئی دہلی۔

۶۔ ممبر مجلس شوری، امارت شرعیہ، بہار۔

نوٹ: مذکورہ بالا ابتدائی پانچ اداروں کی امارت، صدارت اور رکنیت کا ذکر مولانا۔ رحمہ اللہ۔ نے اپنے ایک خط بنام جناب اسماعیل رحمانی صاحب۔ سلمہ اللہ۔ مورخہ ۲۶/ ۱۲/ ۱۴۲۹ھ مطابق ۲۵/ ۱۲/ ۲۰۰۸ء میں خود کیا ہے اور امارت شرعیہ بہار کی رکنیت کا ذکر محترم جناب انیس الرحمن صاحب قاسمی ناظم امارت شرعیہ، بہار نے اپنے تعزیتی پیغام میں کیا ہے۔ موصوف لکھتے ہیں:

''مولانا عبدالسمیع جعفری ندوی کی شخصیت دینی وعلمی اعتبار سے ایک مقبول شخصیت تھی، آپ نے پوری زندگی دین وعلم کی خدمت میں گذاردی، اللہ تعالی نے مزاج میں دین وملت کی بہبودی عطا کر رکھی تھی۔ اس لئے امارت شرعیہ اور اکابر امارت سے ہمیشہ محبت رکھتے رہے۔ آپ امارت شرعیہ کے رکن کی حیثیت سے شوری کے اجلاس میں جب بھی تشریف لاتے اپنی بات نہایت موثر اور باوزن انداز میں رکھتے، ملت کے مفاد میں ہمیشہ آپ کی آراء قابل قدر تھیں، آپ کے انتقال سے نہ صرف امارت شرعیہ بلکہ ملت اپنے ایک ہمدرد اور بڑے عالم دین سے محروم ہوگئی'' (قومی تنظیم، پٹنہ، ص ۴۔ ۶/ اکتوبر ۲۰۱۵ء)

ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر، نئی دہلی کے آپ یکم فروری ۱۹۸۷ء کو باضابطہ ممبر منتخب کئے گئے اور جب تک صحت نے ساتھ دیا برابر اس کی میٹنگوں میں شرکت کرتے اور اپنے گرانقدر مشوروں اور آراء سے نوازتے رہے۔ جب ۲۰۱۲ء میں آپ کی صحت زیادہ خراب ہوگئی اور آپ چلنے پھرنے سے یکسر معذور و مجبور ہوگئے تو آپ نے ممبر شپ سے اپنا استعفیٰ پیش کردیا۔ سنٹر کی طرف سے میٹنگ میں شرکت کا ایجنڈا بھیجا گیا تو مولانا نے اس کے جواب میں سکریٹری سنٹر کے نام اپنا خط ۱، ۶۴۲/ ۵/ ۴۰/ ۷ مورخہ

۴؍۴؍۲۰۱۲ء بھیجا جس میں تحریر فرمایا:

’’جواباً عرض ہے کہ آپ لوگوں سے خصوصاً آپ سے یہ بات مخفی نہیں کہ یہ عاجز وناتواں ساڑھے تین سالوں سے پر کٹے پرندے کی طرح زندگی کے لیل ونہار وروز وشب گزار رہا ہے، اتنے لمبے عرصہ میں پٹنہ میں رہتے ہوئے اپنے بال بچوں کے پاس جانا نصیب نہیں ہوا ہے۔ صاحبزادگان اور صاحبزادیوں کی آمد ورفت رہتی ہے۔ صبح کا ناشتہ، دن کا کھانا، رات کا کھانا گھر سے آتا رہتا ہے۔

الحاصل یہ کہ دعوت ناموں کے ارسال کرنے پر اچھی خاصی رقم آپ کے ادارہ کی خرچ ہوتی رہتی ہے، اس لئے میرے اس خط کو استعفیٰ نامہ تصور کیا جائے۔ جہاں تک قلبی لگاؤ اور نیک دعاؤں اور نیک تمناؤں کی بات ہے وہ اپنی جگہ ان شاء اللہ باقی رہے گی‘‘۔

مولانا جعفری۔ رحمہ اللہ۔ کے مذکورہ بالا استعفیٰ کی منظوری کے سلسلہ میں مولانا کی خدمات کو سراہتے ہوئے سکریٹری مرکز کی طرف سے درج ذیل خط مورخہ ۲۹؍۴؍۲۰۱۲ء مولانا کی خدمت میں بھیجا گیا:

’’آپ کا شفقت نامہ نمبر ۱؍۲۴۲؍۶؍۵؍۰۴۷ مورخہ ۴؍۴؍۲۰۱۲ء موصول ہوا۔ جس میں آنجناب نے ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر، نئی دہلی کی رکنیت سے اپنا استعفیٰ پیش کیا ہے۔

آپ کا مذکورہ بالا استعفیٰ مرکز کی گورننگ باڈی (مجلس عاملہ) کے اجلاس مورخہ ۲۹؍اپریل ۲۰۱۲ء مطابق ۷؍جمادی الآخرہ ۱۴۳۳ھ میں پیش کیا گیا۔ گورننگ باڈی کے معزز ممبران اور مدعووین خصوصی نے بہت گہرائی سے اس پر غور کیا اور نہ چاہتے ہوئے بھی محض آپ کی مجبوری کا لحاظ کرتے ہوئے آپ کا استعفیٰ منظور کر لیا ہے۔

اس موقع پر تمام ممبران اور حاضرین نے مرکز اور جامعہ اصلاحیہ پٹنہ اور امارت اہل حدیث، صادقپور، پٹنہ کے تئیں آپ کی خاموش خدمات کو سراہا اور آپ کی خدمات کا شکریہ ادا کرتے ہوئے آپ کے لئے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ آپ کی ان تمام خدمات کو شرف قبولیت سے نوازے اور بروز قیامت انہیں آپ کی میزان حسنات میں شامل فرمائے اور آپ کا سایہ عاطفت صحت وعافیت کے ساتھ ہم پر تا دیر باقی رکھے تا کہ آپ مزید دین صحیح کی خدمت کر سکیں۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز۔

اس مناسبت سے آپ کی خدمت میں مرکز کی طرف سے ایک حقیر سا تحفہ مبلغ ترپن ہزار (۵۳،۰۰۰) روپئے پیش ہیں جو آپ کی خدمت میں صدر مرکز حفظہ اللہ وتولاہ کے پوتے عزیزم عبدالرحمن بن عبدالسلام رحمانی۔ سلمہ اللہ۔ کی معرفت ارسال ہے۔ امید کہ اسے قبول فرمائیں گے اور ملنے پر مطلع کریں گے‘‘۔

بیماریاں: مولانا عبدالسمیع جعفری مدنی۔ رحمہ اللہ ۲۰۰۴ء کے نصف میں بیماری کے شکار ہوئے اور مختلف ادوار اور مختلف امراض سے نبرد آزما ہوتے ہوئے اکتوبر ۲۰۱۵ء میں سفر آخرت پر روانہ ہو گئے۔

اس لمبے عرصہ میں بیماریوں نے آپ کو اسیر خانہ ضرور بنا دیا تھا مگر فرائض منصبی کی ادائیگی میں کوتاہی کبھی نہیں کی، ۲۰۰۴ء میں آپ کو ریڑھ کی ہڈی میں چوٹ آ گئی تھی جس کی وجہ سے اٹھنا بیٹھنا اور چلنا پھرنا مشکل ہو گیا، تقریباً چار مہینے کے علاج ومعالجہ کے بعد ڈاکٹر کے مشورہ سے بیلٹ بنوایا، اس کو کمر اور پیٹھ پر باندھ کر بیٹھتے اور چھڑی کے سہارے چلنے پھرنے کے قابل ہوئے چنانچہ آپ

مولانا عبدالحمید رحمانی۔رحمہ اللہ۔کے نام اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں:

اخلاقی طور اتنی تاخیر سے یہ خط نہیں لکھنا چاہیے تھا مگر میں اپنی صحت کے پہلو سے، یہ چوتھا مہینہ چل رہا ہے کہ ذی فراش زندگی کے لیل ونہار گزار رہا ہوں۔ یہ تقدیر کا کوئی گلہ وشکوہ نہیں، بلکہ تذکرہ تحریر کرنا پڑ رہا ہے''۔آپ آگے لکھتے ہیں:''اسپائنل کوڈ کا معاملہ ہے، بظاہر ریسٹ کی مدت بحمد اللہ گزر چکی ہے، بیلٹ بھی معالج ڈاکٹر کے آرڈر پر بن چکا ہے، اس کو لگا کر بیٹھ لیتا ہوں، نیز چھڑی کے سہارے چل بھی لیتا ہوں، **فللہ الحمد و الشکر**''۔(خط مولانا جعفری بنام مولانا رحمانی۔رحمہما اللہ۔ مورخہ ۲۴/۷/۱۴۲۵ھ مطابق ۱۰/۹/۲۰۰۴ء)

اس بیماری سے افاقہ ہونے کے بعد درس وتدریس، دعوت وتبلیغ اور دیگر فرائض منصبی کی ادائیگی میں تگ ودو کرنے لگے کہ ۲۰۰۹ء میں گھر کے آنگن میں صلاۃ فجر کے وقت چکر کھا کر گر گئے جس کی وجہ سے کولہے کی ہڈی میں بال پڑ گیا تھا اور آپ کافی دنوں تک زیر علاج رہے جس کی وجہ سے گھر جانا یا اسپتال سے باہر نکلنا بند ہوگیا۔جیسا کہ آپ راقم سطور (عاشق علی اثری) کے نام اپنے خط مورخہ ۱۰/۵/۱۴۳۱ھ مطابق ۲۶/۴/۲۰۱۰ء میں رقم طراز ہیں:

مرسلہ ملفوف مورخہ ۱۴/۴/۲۰۱۰ء بتاریخ ۲۹/۴/۱۴۳۱ھ مطابق ۱۵/۴/۲۰۱۰ء باصرہ نواز ہوا تھا۔

''اطلاعاً عرض ہے کہ بندہ ۴رشعبان ۱۴۳۰ھ مطابق ۲۷رجولائی ۲۰۰۹ء سے مسلسل تاہنوز اپنے مریم ہسپتال میں ہی ہے، نہ تو عیدالفطر میں گھر جانا نصیب ہوا اور نہ ہی عید قرباں میں''

کافی علاج ومعالجہ کے بعد بحمد اللہ طبیعت ٹھیک ہوگئی تھی البتہ اٹھنے بیٹھنے اور چلنے پھرنے میں پریشانی تھی جس کی بنا پر اسپتال کے ایک کمرہ میں محبوس ہو کر رہ گئے تھے جسے اپنا چھوٹا سا آفس بنا رکھا تھا اور وہیں بیٹھ کر سارے امور انجام دے رہے تھے چنانچہ سکریٹری مرکز کے ایک خط کے جواب میں لکھتے ہیں:

''مرسلہ عنایت نامہ مورخہ ۴/۴/۲۰۱۱ء حوالہ نمبر ۰۰۶/ایس، ایم/۱۱ بتاریخ ۳/۵/۱۴۳۲ھ مطابق ۸/۴/۲۰۱۱ء موصول ہوا تھا۔

اپنا حالیہ حال یہ ہے کہ ایک سال دس مہینوں سے مسلسل اپنے مریم ہسپتال میں ہی گویا قیام پذیر ہیں، نہ سال گذشتہ عیدین میں گھر جا سکے نہ ہی امسال، بچے لوگ اور بیٹیاں آتی رہتی ہیں۔۔مرکز کی طرف سے بلائی گئی مجلس کے دن ارکان شوریٰ کی خدمت میں سلام عرض کر دیں گے۔اپنی رائے وہی ہوگی جو مرکز کے جنرل سکریٹری کی ہوگی''۔

آپ کے شب وروز اور ایام وماہ اسی طرح گزرتے رہے کہ ۲۰۱۴ء میں دوبارہ گر گئے اور شری رام ہاسپٹل پٹنہ میں داخل ہو گئے اور علاج ومعالجہ کا یہ سلسلہ تقریباً اکتالیس دنوں تک چلتا رہا۔

وفات اور صلاۃ جنازہ:

۲۰۱۴ء میں گرنے کے بعد علاج سے افاقہ ضرور ہوا مگر آپ میں چلنے پھرنے کی طاقت اس حد تک جواب دے گئی کہ بغیر کسی سہارے کے آپ بیت الخلاء میں بھی نہیں جا سکتے تھے بالآخر وہ وقت موعود آپہنچا جو ہر متنفس اور جاندار کا مقدر ہے۔

۱۹/ذی الحجہ ۱۴۳۶ھ مطابق ۴/اکتوبر ۲۰۱۵ء بروز اتوار رات ۱۰:۴۵ بجے آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا اور خاندان صادقپور اور متعلقین پٹنہ وعظیم آباد اور جماعت وملت کے دیگر متعلقین کو سوگوار چھوڑ کر راہی ملک بقاء ہو گئے۔ **انا للہ و انا الیہ راجعون۔**

آپ کی صلاۃ جنازہ عیدگاہ باغ عبدالخبیر صندل پور، پٹنہ میں ۹:۳۰ بجے صبح آپ کے صاحبزادہ گرامی مولانا غازی اصلاحی نے پڑھائی، پھر عیدگاہ سے آپ کا جنازہ آپ کے آبائی قبرستان متصل مرکزی مسجد اہل حدیث میر شکار ٹولہ، پٹنہ لایا گیا اور بعد صلاۃ ظہر تدفین عمل میں آئی، آپ کی صلاۃ جنازہ میں بلا اختلاف مسلک ومشرب ہر طبقہ کے علماء وفضلاء، طلبہ اور عام لوگوں نے کافی تعداد میں شرکت کی، عمر رسیدہ بزرگوں کے بیان کے مطابق مولانا جعفری، کے والد گرامی مولانا عبدالخبیر صادق پوری۔ رحمہ اللہ۔ کے بعد پٹنہ میں اتنی بڑی تعداد کسی کے جنازہ میں نہ دیکھی گئی جتنی مولانا عبدالسمیع۔ رحمہ اللہ۔ کے جنازہ میں تھی۔ **رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ وغفر لہ وادخلہ فی فردوس جناتہ۔**

مثل ایوان سحر مرقد فروزاں ہو ترا
نور سے معمور یہ خاکی شبستاں ہو ترا
آسماں تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

پسماندگان:

اللہ تعالیٰ نے مولانا۔ رحمہ اللہ کو کل چار بیٹیاں اور چار بیٹے عنایت فرمائے تھے۔ جن میں سے ایک بیٹی مدینہ طیبہ میں اور ایک بیٹا مکہ مکرمہ میں بچپن ہی میں فوت ہو گئے تھے اور وہیں سپرد خاک ہوئے۔ ۲۰۱۱ میں چھوٹی بیٹی اور ۲۰۱۵ء کے شروع میں بڑی بیٹی بھی آپ کو داغ مفارقت دے کر اور صبر کے پیکر مولانا جعفری۔ رحمہا اللہ پر پیرانہ سالی اور مختلف عوارض جسمانی کی حالت میں مزید غموں کا پہاڑ گرا کر دنیا سے رخصت ہو گئی۔

اس وقت مولانا کے پسماندگان میں تین بیٹے عزیزان محمد (بڑے)، ابوعبداللہ غازی (منجھلے) اور عبدالبدیع عرف مجاہد (چھوٹے) اور ایک بیٹی اور ایک پوتا اور ایک پوتی کے علاوہ خود آپ کی اہلیہ محترمہ۔ حفظہا اللہ ورعاہا۔ موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ مولانا کی اہلیہ کو صحت وعافیت اور عمل خیر کے ساتھ اولاد کی سرپرستی کے لئے تادیر زندہ رکھے اور ان کی تمام اولاد واحفاد کو مولانا کے مشن اور ان کے لگائے ہوئے پودوں کی آبیاری کر کے پروان چڑھانے کی توفیق ارزانی بخشے۔ آمین۔

خاتمہ: مولانا جعفری رحمہ اللہ کی حیات وخدمات، درس وتدریس، دعوت واصلاح اور ان کی زندگی کے نشیب وفراز سے متعلق یہ امور حوالۂ قرطاس کرنے کا مقصد نئی نسل کو اپنے اسلاف کے کارناموں سے واقف کرانا ہے تا کہ ان کی زندگی سے عبرت ونصیحت حاصل کر کے مستقبل میں انہیں مشعل راہ بنایا جائے، اس لئے کہ جو قومیں اپنی تاریخ اور اپنے اسلاف کے کارناموں سے ناواقف ہوتی

ہیں وہ قعر مذلت میں گر جاتی ہیں۔

مجھے امید ہے کہ درس وتدریس، دعوت وتبلیغ اور اصلاح معاشرہ کے میدانوں میں کام کرنے والے احباب کے لئے مولانا کی زندگی میں عبرت کے بہت سے سامان ملیں گے۔

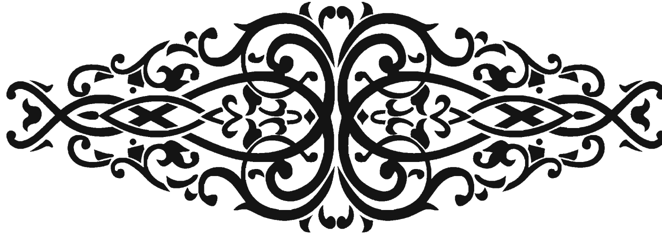
دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا کی حسنات کو قبول فرمائے، ان کی بشری لغزشوں کو معاف فرمائے اور انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے۔آمین۔

سبحانك اللهم ربنا وبحمدِكَ واشهد ان لا اله الا انت استغفرك واتوب اليك۔

وصلى الله على نبينا ورسولنا محمد وعلىٰ آله وصحبه وبارك وسلم تسليماً كثيرا۔

(ماہنامہ التبیان دہلی۔مئی ۲۰۱۶)





ایں خانہ ہمہ آفتاب است

خاندان صادقپور کے گل سرسبد مولانا عبدالسمیع جعفری رحمہ اللہ کی یاد میں

۱۹۳۶ء..........۲۰۱۵ء

مولانا عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی

خاندان جعفری اوراس کا پس منظر: عظیم آباد میں تین خاندانوں کو بڑی اہمیت حاصل تھی، اور وقت کے اعتبار سے یہ تینوں خاندان اس علاقے میں معتبر اور صاحب حیثیت مانے جاتے تھے۔

(۱) مولوی فتح علی صاحب کا خاندان جس سے مولانا ولایت علی اور مولانا عنایت علی وغیرہم جیسی عظیم الشان ہستیاں وابستہ تھیں۔

(۲) شاہ محمد حسین تمو ہیہ خاندان جنہوں نے سید احمد شہید کے ہاتھوں پر بیعت کیا تھا۔

(۳) مولوی الٰہی بخش کا خاندان جن کا سلسلہ نسب کئی واسطوں سے ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچیرے بھائی جعفر طیار تک پہونچتا ہے، جس کی وجہ سے ان کو جعفری بھی کہا جاتا تھا، مولانا عبدالسمیع صاحب جعفری اسی خاندان علم وفضل کے گل سرسبد تھے، اوراس طرح جماعت مجاہدین کی ایک عظیم ہستی مولوی الٰہی بخش آپ کے پردادا احمد اللہ کے والد تھے، چنانچہ مولوی الٰہی بخش کے سلسلے میں مشہور تاریخ نگار غلام رسول مہر رقمطراز ہیں کہ ''مولوی الٰہی بخش کا خاندان جس کا سلسلہ نسب حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچیرے بھائی حضرت جعفر طیار سے ملتا ہے، اسی بزرگ کے فرزندوں نے ہندوستان میں دعوت وتنظیم جہاد اور فراہمی زرومجاہدین کے اہم کام جس اعلیٰ پیمانے پر انجام دیئے، وہ اپنی مثال آپ ہیں، بعض افراد میدان جہاد کی جانفشانیوں میں بھی حصہ دار بنے'' (سرگزشت مجاہدین ص ۴۵۳)

مولوی الٰہی بخش کی اولاد: آپ کی اولادوں میں احمد اللہ، مولانا فیاض علی، مولانا یحییٰ علی، مولانا اکبر علی وغیرہ ہیں۔ مولانا عبدالسمیع جعفری مولوی الٰہی بخش کے فرزند احمد اللہ کے سلسلہ نسب سے ہیں۔

آپ کا نسب نامہ یوں ہے، عبدالسمیع بن عبدالخبیر بن عبدالحکیم بن احمد اللہ بن الٰہی بخش جعفری صادقپوری۔

آپ کے پردادا احمد اللہ کے سلسلے میں مولانا غلام رسول مہر یوں لکھتے ہیں'' آپ مولوی الٰہی بخش جعفری کے خلف اکبر تھے، ۱۲۲۳ھ/ ۱۸۰۸ء میں پیدا ہوئے، والد نے احمد بخش نام رکھا تھا، سید صاحب سے وابستگی پیدا ہوئی تو انہوں نے احمد اللہ نام تجویز فرمایا، دینی علوم دوسرے اساتذہ کے علاوہ مولانا ولایت علی سے حاصل کئے، بہت ذہین اور ذکی تھے، فہم وفراست میں یگانہ مانے جاتے تھے، وقت کے رئیس ہونے کے باوجود بہت حلیم الطبع، منکسر المزاج اور صاحب مروت تھے، آپ کی شادی شاہ محمد حسین

تمو ہیہ کی بڑی صاحبزادی سے ہوئی تھی‘‘(سرگزشت مجاہدین ص ۴۵۶)

مولانا یحییٰ علی کے بعد تحریک کے خلیفہ بھی آپ تھے آپ کی مدت امارت ۱۲۸۰ھ/ ۱۸۶۴ء سے اپنی گرفتاری ۱۲۸۱ھ/ ۱۸۶۵ء تک تھی، اس کے بعد مولانا مبارک علی تین سال تک اور مولانا محمد حسن ذبیح تقریباً ۱۵ سال تک اور پھر مولانا عبدالرحیم ۴۱ سالوں تک، اور سب سے آخری امیر جو تقسیم ملک تک تھے، اور بعد میں بھی باحیات رہے، وہ مولانا عبدالسمیع جعفری کے والد ماجد مولانا حکیم عبدالخبیر صادقپوری رحمہ اللہ تھے، آپ ۱۳۴۱ھ مطابق ۱۹۲۴ء سے لے کر تقسیم ملک ۱۹۴۷ء تک اوراس کے بعد ۱۹۷۳ء تک امیر تھے، پھراس کے بعد مولانا عبدالسمیع جعفری کو اپنا جانشین نامزد کردیا تھا(مجموعہ مقالات رحمانی صاحب جلد سوم ص ۱۳۱ اور جلد اول ص ۲۱۳)

نہرو جی اور خاندان صادقپور: علمائے اہل حدیث صادقپور کی سرفروشانہ اور مجاہدانہ قربانیوں کی وجہ سے نہرو جی بھی انکی بڑی عزت وتکریم کیا کرتے تھے، اوراسی کا نتیجہ تھا کہ ایک دفعہ مولانا ابوالکلام آزاد ہندوستان کے وزیراعظم پنڈت جواہرلال نہرو کے ساتھ آزادی وطن کے بعد امارت کے آخری چشم وچراغ مولانا عبدالخبیر صادقپوری کی خدمت میں ان کے گھر محلہ صادقپور پٹنہ حاضر ہوئے، اوراس موقع پر نہرو جی نے چاندی کے سکوں سے بھری ایک تھیلی پیش کی مگر حکیم عبدالخبیر صادقپوری نے اسے یہ کہہ کر واپس کردیا کہ ہمارے بزرگوں کی قربانیوں کا صلہ انہیں رب العالمین دے گا اس موقع پر نہرو جی نے کہا تھا’’وطن عزیز کی آزادی میں جتنی قربانیاں دی گئیں ہیں اگر انہیں ترازو کے ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے اور علماء صادقپور کی قربانیاں دوسرے پلڑے میں تو علمائے صادقپور کا پلڑا بھاری پڑ جائیگا‘‘ اور یہ تاریخ جہاد وآزادی کی وہ سچائی ہے جس کا انکار تو جاہل ہی کرسکتا ہے یا متعصب آدمی، اور یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ علمائے صادقپور اوران کا خانوادہ سب کے سب اہل حدیث تھے۔(تحریک اہل حدیث تاریخ کے آئینے میں/ قاضی اسلم سیف فیروزپوری)

پیدائش: آپ کی پیدائش صادقپور کے اسی عظیم خانوادہ سعادت مند میں نومبر ۱۹۳۶ء کو ہوئی اور یوں ایک علمی اور تاریخی گھرانہ میں آپ نے آنکھیں کھولیں، اور پھر بفضل الٰہی اسی سعادتمندی اور خوش بختی کے ماحول میں آپ پرورش پاتے رہے اور رفتہ رفتہ پروان چڑھتے رہے۔ بعض اہل قلم نے آپ کی تاریخ پیدائش ۱۰ ستمبر ۱۹۳۷ء بھی لکھی ہے۔

تعلیم وتعلم: ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم حکیم عبدالخبیر صادقپوری سے حاصل کی اردو، عربی فارسی بھی انہیں سے پڑھی اور نحو وصرف اور قرآن مجید ترجمہ، وتفسیر بھی سیکھا اوراس کے بعد مدرسہ اصلاح المسلمین پتھر کی مسجد پٹنہ میں داخلہ لے لیا، اور یہاں سے فراغت حاصل کی، بعدہ ادب عربی میں تخصص اور مہارت حاصل کرنے کی غرض سے ندوۃ العلماء لکھنؤ میں داخلہ لیا، اور وہاں سے فراغت کے بعد مادر علمی اصلاح المسلمین پٹنہ میں تدریس کا فریضہ انجام دینے لگے، رب العالمین کو منظور تھا وہ سعادت مند گھڑی آگئی اور ۱۹۶۸ء میں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں آپ کو داخلہ مل گیا وہاں کلیہ الدعوۃ واصول الدین میں داخل ہوگئے اور پھر اساطین علم وفن سے چار سالوں تک کسب فیض کرتے رہے، اوراسطرح کلیہ یعنی گریجویشن کے چار سال مکمل کرکے مدینہ یونیورسٹی سے فارغ التحصیل ہوگئے **فللہ الحمد والمنہ۔**

تدریس ودعوت اور دیگر ذمہ داریاں: مدینہ یونیورسٹی سے فراغت کے بعد دعوت وتبلیغ کیلئے آپ کا تقرر نائیجریا میں دارالافتاء کی طرف کیا گیا، دوسالوں تک وہاں دعوت کا فریضہ انجام دیتے رہے، اچانک وہاں کی فوج نے حکومت کا تختہ پلٹ کردیا اور فوجی انقلاب کے ذریعہ ایک سورش کھڑی کردی جسکی وجہ سے آپ کو مجبوراً نائیجریا چھوڑ کر مصر آنا پڑا یہاں کچھ دنوں تک مقیم رہے، اور پھر وہاں سے سعودی عرب آگئے، جامعہ ام القریٰ کی لائبریری میں آپ کو ایک اچھی ملازمت معاون لائبریرین کی شکل میں مل گئی، دعوتی کام سے استعفیٰ دیے کر ام القریٰ یونیورسٹی کی لائبریری سے منسلک ہوگئے، عربی سیکشن میں کافی دنوں تک ذمہ داریاں انجام دیتے رہے، اور اخیر سال میں انگلش سیکشن کی بھی اضافی ذمہ داری مل گئی اور پوری امانت داری اور محنت ولگن سے ام القری میں یہ خدمت انجام دیتے رہے اور پھر ہمدردانِ جماعت اور والد محترم کے پیہم اصرار پر آپ امارت کی ذمہ داریوں کو سنبھالنے کے لئے واپس ہندوستان چلے آئے، نامزدگی تو دوران تعلیم ہی ہوچکی تھی، ڈاکٹر سید عبدالحفیظ سلفی نیابت کررہے تھے، بالآخر ۱۹۸۵ء میں اپنے آبائی وطن بہار واپس آگئے اور امارت صادقپور کی باگ ڈور سنبھال لی، مدرسہ اصلاح المسلمین پٹنہ کی ذمہ داریاں بھی تھیں، اس عرصہ میں آپ نے مدرسہ کی تعمیر وترقی اور بلڈنگ وغیرہ کے قیام میں بڑی محنت کی، مساجد کو آباد کیا گیا اور اس طرح یہ قافلہ حق وصداقت اپنی پوری آن بان شان کے ساتھ رواں دواں رہا اور تاحیات امارت صادق پور پٹنہ اور مدرسہ اصلاح المسلمین کے کاروان توحید وسنت کے سالار قافلہ بنے رہے، اور اپنی ہنرمندیوں اور صلاحیتوں کے جوہر دکھاتے رہے۔

تشکیل امارت اور مولانا عبدالسمیع جعفری: مولانا عبدالسمیع جعفری کے والد ماجد حکیم عبدالخبیر صادقپوری شہیدین کی شہادت کے بعد تحریک کے آخری خلفاء میں سے تھے، آپ کا دورامارت ۱۳۴۱ھ/ ۱۹۲۴ء سے لے کر تقسیم ملک اور اس کے بعد ۱۹۷۳ء تک ہے، مورخ جماعت مولانا عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ تشکیل امارت کے سلسلے میں رقمطراز ہیں کہ: برصغیر ہندوستان کی گزشتہ سواسو سال کی ہنگامہ خیز تاریخ میں اس شعر (ایں سلسلہ طلائے ناب است۔ ایں خانہ ہمہ آفتاب است) کا صحیح مصداق اگر کوئی خاندان رہا ہے تو وہ خاندان سعادت صادقپور ہے، امام مولانا ولایت علی صادقپوری رحمہ اللہ سے لے کر موجودہ امیر مولانا عبدالخبیر صادقپوری تک اس خاندان نے ہندوستان کی اصلاحی تبلیغی اور سیاسی تاریخ میں جو دوررس اثرات چھوڑے ہیں ان کی نظیر ملنی ناممکن ہے، اس خاندان کی جانی ومالی اور دوسری ہمہ گیر قربانیاں پورے ہندوستان کی قربانیوں پر بھاری ہیں، جماعت اہل حدیث نے ہر دور میں اس خاندان کی قیادت پر اعتماد کیا ہے اور اس کے جھنڈے تلے استعماری قوتوں سے نبرد آزما ہوئی ہے، موجودہ امیر حضرت مولانا عبدالخبیر جعفری صادقپوری حفظہ اللہ سالہا سال سے مختلف بیماریوں میں مبتلا ہیں، آپ اپنی عمر کی ۹۳ ویں منزل میں ہیں اور ادھر دو سال سے آپ کی صحت انتہائی نازک صورت حال سے گزر رہی ہے (عافاہ اللہ) جماعت اہل حدیث پٹنہ وبہار کو آپ کی صحت کی خرابی کی وجہ سے جماعت کی قیادت کی بابت سخت پریشانی تھی اور صرف جماعت ہی نہیں بلکہ دوسرے ہمدردان ملت بھی اس مسئلہ کو بہت اہم سمجھتے تھے میں جب جسٹس خلیل صاحب سے انٹرویو لینے گیا تو موصوف نے بھی اس پہلو کی طرف توجہ دلائی، چنانچہ ان احساسات کو مدنظر رکھتے ہوئے امیر موصوف نے پوری جماعت سے مشورہ کے بعد اپنے چھوٹے لائق صاحبزادے مولوی عبدالسمیع صاحب

متعلم جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کو جماعت کی ذمہ داریاں سونپ دیں، حسن اخلاق سے مولوی عبدالسمیع صاحب کو مدینہ یونیورسٹی میں داخلہ مل گیا، (بحمد للہ اس گنہگار کی کوششوں کا اس میں سب سے زیادہ دخل تھا) مدینہ یونیورسٹی میں جب موصوف کو والد کی صحت کی نزاکت کا علم ہوا تو وہ اسی سال پٹنہ تشریف لائے اور چونکہ ابھی تعلیم کی تکمیل میں دوسال کی مدت باقی ہے، بنابریں جماعتی حلقوں میں یہ سوال پیدا ہوا کہ اس دوسالہ مدت میں جماعتی نظم کی ذمہ داریاں کون سنبھالے، حضرت امیر صادقپوری کے سامنے بھی یہ مسئلہ اٹھایا گیا چنانچہ امیر موصوف نے مولوی عبدالسمیع اور جماعت سے مشورہ کے بعد یہ دانشمندانہ فیصلہ فرمایا کہ مولوی عبدالسمیع کی غیر حاضری میں جماعت کی قیادت کے فرائض مولانا ڈاکٹر سید عبدالحفیظ سلفی انجام دیں گے (مجموعہ مقالات رعبدالحمید رحمانی جلداول ص ۲۱۳)

چنانچہ ۱۹۷۳ میں جماعت کے مخلصین افراد کے پیہم اصرار کے پیش نظر آپ کے والد نے اپنی حیات میں ہی اپنا جانشین مقرر کردیا، اور پھر ۱۹۸۵ء میں جب آپ تعلیم وغیرہ سے فراغت کے بعد ہندوستان آئے تو سابقہ فیصلہ کی روشنی میں آپ سے جماعت کے افراد نے بیعت کی اور اس طرح آپ نے امارت کی باگ ڈور سنبھال لی، آپ کی مدت امارت ۱۹۷۳ء رمطابق ۱۳۹۳ھ سے لے کر 2015ء مطابق ۱۴۳۶ھ آپ کی وفات تک رہی۔

دعوتی وصحافتی خدمات: مولانا جعفری صاحب ایک باکمال مقرر اور مدرس کے ساتھ ساتھ بہترین صحافی اور قلمکار بھی تھے، آپ کے کچھ مضامین اخبارات وجرائد کے حوالے سے بالخصوص ماہنامہ صوت الاسلام ممبئی کے صفحات پر باصرہ نواز ہوئے، درد اور فکر میں ڈوبی ہوئی ایک غیر تمند اور اصلاح پسند تحریر جو دلوں کی گہرائیوں میں اتر کر تزکیہ اور تصفیہ نفس کا کام کرے اور سماج کی سدھار میں ایک موثر اور اہم رول ادا کرے، اس طرح کی خدمات واحساسات پر مشتمل آپ کی تحریریں اور نگارشات ہوا کرتی تھیں آپ ایک ادبی ولغوی شخصیت کے مالک تھے اور شاعرانہ ذوق بھی رکھتے تھے جس کے لئے مضطر کا تخلص استعمال ہوتا تھا۔

پٹنہ صادق پور اور بہار و بنگال کے علاقے میں آپ نے دعوت وارشاد کا ایک عظیم عمل اور بہترین خدمت اور اس کا نمونہ قائم کیا تھا، مجھے تو ویسے سردست آپ کی تقاریر یا خطبات وغیرہ سننے کا موقعہ نہ ملا البتہ بعض احباب علماء ودعاۃ کے ذریعہ یہ بات معلوم ہوئی کہ آپ کی آواز میں بڑی تاثیر اور خطبات وتقاریر میں بڑی اثر پذیری اور جاذبیت تھی، اللہ قبول فرمائے آمین۔

بیماری، وفات اور جنازہ: مولانا عبدالسمیع جعفری کافی دنوں سے علیل چل رہے تھے، کم وبیش ۱۳ر۱۴ سال پہلے آپ کو ریڑھ کی ہڈی میں چوٹ آئی تھی جس کی وجہ سے کافی تکلیف رہا کرتی تھی، علاج ومعالجہ جاری تھا اور کافی افاقہ تھا کہ اچانک تھوڑے عرصہ کے بعد فجر کی نماز کے وقت گھر کے آنگن میں چکر کھا کر گر گئے جس کی وجہ سے کولہے کی ہڈی متاثر ہوگئی، کافی علاج معالجہ ہوا طبیعت ٹھیک تھی صرف اٹھنے بیٹھنے کی تکلیف تھی، ۲۰۱۴ء میں واپس گر گئے، بالآخر وفات سے پہلے سخت تکلیف ہوئی کم وبیش ۱۴۱ دنوں تک شری رام ہاسپٹل میں داخل رہے، مشیت الٰہی کو کچھ اور منظور تھا کہ ۱۹ ذی الحجہ ۱۴۳۶ھ مطابق ۱۴را کتوبر 2015ء بروز اتوار شام ۱۰:۴۵ بجے وقت موعود آپہنچا اور اس طرح طویل علالت کے بعد مولانا خاندان صادقپور اور پٹنہ وعظیم آباد کے اہل حدیثان اور

برادران اسلام کو سوگوار چھوڑ کر اللہ کو پیارے ہو گئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔

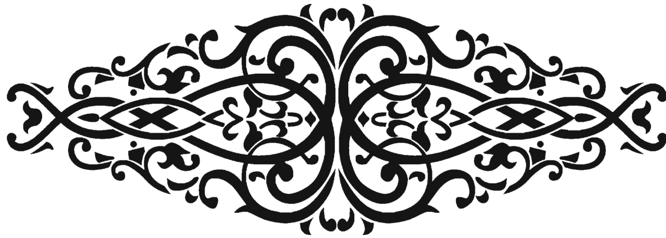
آپ کی نماز جنازہ عیدگاہ باغ صندلپور میں ۵/ اکتوبر ۲۰۱۵ء کو صبح ۹:۳۰ بجے پڑھی گئی جنازہ میں ہر مکتب فکر ومسلک کے لوگوں کا جمع غفیر تھا، بزرگوں اور عمر رسیدہ لوگوں کا بیان ہے کہ مولانا عبدالخبیر صادقپوری کے بعد شہر پٹنہ میں کسی کے جنازہ میں اتنے افراد نظر نہ آئے جتنا مولانا عبدالسمیع جعفری صاحب کے جنازہ میں تھے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ کروٹ کروٹ آپ کو جنت نصیب فرمائے آمین۔

اولاد واحفاد: شیخ جعفری کی شادی مضافات پٹنہ شیر پور کے ساکن جناب امیر محمد حمزہ کی بڑی بیٹی سے ہوئی تھی، آپ کے بچوں کی کل تعداد آٹھ ہے چار بیٹے اور چار بیٹیاں ہیں، آپ نے اپنی زندگی ہی میں اپنے بیٹے ابوعبداللہ غازی کو اپنے تمام معاملات کا جانشین بنایا تھا، اور آپ کی وفات کے بعد محترم غازی صاحب ہی آپ کے جانشین اور امارتِ اہل حدیث صادق پور پٹنہ کے امیر ہیں۔

نوٹ: مذکورہ مضمون میں غلام رسول مہر اور مولانا عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ کے افادات کے علاوہ شیخ عبدالسمیع جعفری صاحب کے صاحبزادگان کے ارسال کردہ معلومات سے استفادہ کیا گیا ہے۔

(ماہنامہ صوت الاسلام ممبئی، دسمبر ۲۰۱۵)





شیخ عبداللہ مدنی جھنڈانگری رحمہ اللہ

شخصیت اور کارنامے

۱۹۵۵ء............۲۰۱۵ء

مولانا مطیع اللہ حقیق اللہ مدنی

استاذ مدرسہ خدیجۃ الکبریٰ، کرشنانگر

یہ دسمبر کی سترہویں تاریخ تھی میں صبح آٹھ بجے مدرسہ خدیجۃ الکبریٰ پر پہنچا، دیکھا کہ عزیزم جواد ایک سوٹ کیس اٹھائے ہوئے تھے، پوچھنے پر پتہ چلا کہ ان کے والد گرامی مولانا عبداللہ صاحب مدنی کاٹھمنڈو کے سفر پر روانہ ہور ہے ہیں اتنے میں مولانا اپنے گھر ''العریش'' سے باہر نکلے، میں نے سلام کیا انہوں نے جواب دیا اور پوچھا کہ آپ نے قافلہ دعویہ کی روداد نہیں سنائی۔

دراصل میں چند افاضل علماء ودعاۃ کی معیت میں پہاڑی علاقہ میں ایک دعوتی سفر طے کر کے چند دن قبل واپس ہوا تھا، میں نے کہا کہ آپ واپس آجائیں پھر تفصیل سے روداد سناؤں گا، ان کے ساتھ ان کی گاڑی تک چلتا ہوا گیا، میں نے اور عزیزم جواد بن عبداللہ مدنی نے مولانا کو سلام ودعاء کے ساتھ رخصت کیا، مولانا نے بتایا کہ قطر ایمبیسی میں قطر کے یوم وطنی کی تقریب میں شرکت اور جمعیت اہل حدیث نیپال کے کاز سے متعلق یہ سفر ہے، آپ اس وقت بالکل چاق وچوبند نظر آئے، صحت بالکل ٹھیک ٹھاک نظر آرہی تھی، وہ کاٹھمنڈو پہونچے، قطری سفارتخانہ میں یوم وطنی کی تقریب میں شرکت کی اور اس کے بعد آپ کی صحت متاثر ہوئی، ضعف کا احساس ہوا، احباب سے رابطہ کیا، اسپتال میں داخل ہوئے، شوگر کافی بڑھا ہوا تھا، ابتدائی علاج کے بعد طبیعت کچھ سنبھلی مگر بعد میں دل کا دورہ پڑا پھر آئی سی یو میں وینٹی لیٹر پر رہے اور بروز منگل بوقت ۹:۳۰ بجے بتاریخ ۲۲/دسمبر ۲۰۱۵ء کو آپ کی وفات واقع ہوگئی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

میں ایک مریض کی عیادت کے لئے ابھیراؤں آیا تھا، واپس آرہا تھا کہ راستے میں وفات کی اطلاع ملی، احباب ومتعارفین کے فون کالز کا ایک طویل سلسلہ رہا، افتاں خیزاں مدرسہ پہنچا اور مولانا کے بچوں کی تعزیت کی، مولانا عبداللہ مدنی کی وفات ان کے اہل خانہ اور اہل خاندان کے لئے ایک غمناک سانحہ ہے، اچانک اور دیار غیر میں وفات سے اپنوں پر شدت غم میں اضافہ ہوا، انہیں اور دیگر کو کافی سے زیادہ غم زدہ کر گیا، اللہ تعالیٰ کے فیصلے یوں ہی اٹل ہوتے ہیں (وما تدری نفس بأی ارض تموت) کی سچائی بہت پختہ ہے، اللہ تعالیٰ مولانا کے ساتھ رحمت وعفو کا معاملہ فرمائے اور انہیں جنت نصیب کرے، اور تمام پسماندگان بالخصوص ان کے اہل وعیال اور اقرباء کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔

مولانا عبداللہ صاحب مدنی کی وفات جہاں ان کے اہل خانہ کیلئے غم والم سے پر ایک وقوعہ ہے وہیں پر مرکز التوحید نیپال اور مدرسہ خدیجۃ الکبریٰ للبنات کرشانگر کے لئے ایک شدید سانحہ ہے کہ آپ ہی اس کے میر مجلس اور روح رواں تھے۔

مولانا عبداللہ صاحب مدنی ملک نیپال کے ایک معروف عالم دین تھے، ان کی اپنی ایک شخصیت تھی، جس میں متعدد زاویے سے انفرادیت جھلکتی تھی اور ان کے اپنے نمایاں تدریسی، تعلیمی ودعوتی کارنامے تھے، آپ صاحب طرز انشاء پرداز اور غزل گو شاعر بھی تھے۔

ذیل میں آپ کی شخصیت اور کارہائے نمایاں پر مختصر روشنی ڈالنے کی سعی کی گئی ہے، استیعاب مقصود نہیں ہے۔

مولانا عبداللہ صاحب مدنی کی ولادت ۱۹۵۵ء جھنڈانگر نیپال میں ایک علم دوست گھرانے میں ہوئی، آپ کے دادا محترم میاں محمد زکریا علیہ الرحمہ تھے، میاں صاحب مدرسہ سراج العلوم جھنڈانگر (جواب جامعہ سراج العلوم السّلفیہ ہے) کے اولین مدرسین میں سے تھے، جھنڈانگر اور اس کے نواح کے مدرسہ سراج العلوم کے تمام خوشہ چین میاں صاحب کے تلامذہ ہیں، میاں صاحب ایک دین دار اور صالح شخص تھے، اللہ غریق رحمت کرے اور انہیں جنت دے۔ آمین۔

میاں صاحب کے پانچ نرینہ اولادوں میں ایک منشی عبدالتواب علیہ الرحمہ تھے، جو ایک مشہور تاجر تھے اور تجارت میں کامیابی وکامرانی ان کی حلیف رہی ہے، وہ ایک پابند صوم وصلوٰۃ شخص تھے، دیکھنے والے انہیں نماز میں اکثر صف اول میں پاتے تھے، یہ علماء کے قدرداں تھے۔

مولانا عبداللہ صاحب مدنی انہیں منشی عبدالتواب کے بڑے فرزند تھے، آپ نے ابتدائی تعلیم مدرسہ سراج العلوم میں اپنے دادا محترم میاں صاحب سے پائی اور عربی درجات کی تعلیم شروع کی، بعدہ مدرسہ اسلامیہ اکرہرا کا رخ کیا، آپ جامعہ سلفیہ بنارس میں زیر تعلیم رہے، تخصص کے لئے ندوہ کا رخ کیا۔

تمتع　　زہر　　گوشئہ　　یافتم
زہر　　خرمن　　خوشئہ　　یافتم

آپ کو جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں داخلہ کی سعادت حاصل ہوئی ۱۹۸۱ء میں فراغت وسند اجازہ سے شادکام ہوئے، دارالافتاء کے مبعوث بن کر جامعہ سلفیہ جنک پوردھام سے اپنی تدریسی ودعوتی زندگی کا آغاز کیا، نیپال کی راجدھانی کاٹھمنڈو میں داعی ومبلغ کی حیثیت سے مصروف عمل رہے، چند سالوں تک وہاں پر دعوتی خدمات کی انجام دہی کے بعد آپ مرکز الامام احمد بن حنبل الاسلامی کے زیر اشراف مدرسہ ''المعہد الاسلامی'' میں تدریسی فرائض انجام دیتے رہے اور دعوتی ذمہ داریاں حسن وخوبی کے ساتھ ادا کرتے رہے۔

ادھر آپ کے عم گرامی قدر مولانا عبدالوہاب ریاضی اور آپ کے پدر نامدار منشی عبدالتواب نے آپ کے مشورہ وتعاون سے ایک مدرسہ نسواں ''مدرسہ خدیجۃ الکبریٰ للبنات'' کا آغاز ۱۹۸۹ء میں کردیا تھا، لہٰذا آپ نے تولہوا سے کرشانگر کا رخ فرمایا اور مدرسہ کی پوری ذمہ داری اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اپنے خون جگر سے اس کی آبیاری کی اور دیکھتے ہی دیکھتے چند سالوں میں یہ ایک عظیم مدرسہ بن گیا جس میں ملک نیپال اور ہندوستان کے دور دراز کی بچیاں زیر تعلیم ہیں۔

آپ نے دعوتی میدان میں اچھی خدمات انجام دی ہیں، آپ ایک بہتر خطیب تھے اور خطابت کا اسلوب عمدہ تھا، زبان و بیان میں مٹھاس پائی جاتی تھی، لب ولہجہ میں شیرینی پائی جاتی تھی ''حب رسول'' کے موضوع پر آپ کا خطاب بہت موثر اور دلکش ہوتا تھا، تقریباً ۱۹۹۴ء تک آپ المعہد الاسلامی تولہوا سے منسلک رہے۔

آپ کا ایک عظیم کارنامہ اور شاہکار عمل یہ ہے کہ آپ نے ملک نیپال سے ایک اردو ماہنامہ ''نور توحید'' کی اشاعت کی داغ بیل ڈالی اور مئی ۱۹۸۸ء کو اس موقر مجلہ کا پہلا شمارہ زیور طباعت سے آراستہ ہو کر منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوا اور ملک نیپال سے شائع ہونے والا اردو کا پہلا ماہانہ مجلہ ہونے کا اعزاز حاصل کیا اور پھر اس چراغ سے چراغ جلتے گئے اور آج کل نیپال سے متعدد ماہنامے شائع ہو رہے ہیں، اس مجلہ کا امتیاز یہ رہا ہے کہ وہ مسلسل اٹھائیس برس سے شائع ہو رہا ہے اور اب تک جاری ہے، اس کا آخری شمارہ جو آپ کی حیات میں مرتب ہوا اور اس کا اداریہ برائے ٹائپنگ حوالہ کاتب کیا، یہی اداریہ آپ کی آخری تحریر ہے، اللہ کرے یہ مجلہ اپنا نور مستقبل میں بکھیرتا رہے اور ملک وملت کی خدمت کے ساتھ اہل اسلام کی دینی رہنمائی کرتا رہے، یہ مجلہ آپ کے لئے صدقہ جاریہ ہوگا، کہ آپ اس کے بانی و مؤسس ہیں، جب تک یہ رسالہ اپنا علمی و دینی نور پھیلاتا رہے گا، مؤسس موصوف علیہ الرحمہ کو اجر وثواب پہنچتا رہے گا۔ ان شاء اللہ۔

آپ کا ایک میدانِ عمل تدریس کا رہا ہے اور ۱۹۸۱ء سے ۲۰۰۷ء تک آپ متعدد مدارس و معاہد و جامعات سے منسلک رہ کر برابر تدریسی خدمات انجام دیتے رہے ہیں، یوں بنین و بنات کی ایک بڑی تعداد کو آپ سے شرف تلمذ حاصل ہے، یہ طلبہ وطالبات بھی آپ کیلئے صدقہ جاریہ ثابت ہوں گے۔

آپ کا ایک نمایاں عمل اور امتیازی کارنامہ دعوت وارشاد کا رہا ہے، آپ نے ہمیشہ اپنے کو اس میدان سے وابستہ رکھا، دعوتی میدان میں آپ کا کردار نمایاں رہا ہے، آپ خطبات جمعہ کا اہتمام کرتے تھے، اور ملک و بیرون ملک متعدد اہم کانفرنسوں، سیمیناروں میں شرکت کرتے تھے اور ان میں اپنی خطابت کا جادو جگاتے تھے، علاقہ وجوار کے اجلاس میں آپ شریک ہوتے تھے، آپ کی یہ نمایاں خصوصیت تھی کہ آپ منتظمین اجلاس کی جانب سے کوئی معاوضہ نہ قبول کرتے تھے، جیسا کہ ان کے برادر صغیر نے ایک مجلس میں ان کا ذکر کیا، آپ کا انداز خطابت عمدہ تھا، اسلوب میں شیرینی وحلاوت اور انداز بیان میں سنجیدگی ومتانت پائی جاتی تھی۔

آپ اپنے قائم کردہ مرکز التوحید کے صدر تھے، مرکز کے متعدد اقسام وشعبہ جات تھے اور ہر ایک کے ذمہ دار آپ ہی تھے اور تمام تر نشاطات اور سرگرمیوں کی انجام دہی آپ کا کارنامہ تھا اور تمام نشاطات کو بحسن وخوبی انجام دینے میں آپ کافی حد تک کامیاب تھے، ہاں ان کے رفقاء کار آپ کے بہترین معاون کا کردار ادا کرتے تھے۔

مرکز کا اہم تعلیمی شعبہ مدرسہ خدیجۃ الکبریٰ ہے، اس کے ناظم آپ ہی تھے اور اپنی لگن اور محنت سے اس مدرسہ کو کافی ترقی دی اور جلد ہی اس کو ایک عظیم نسواں درسگاہ بنا دیا، جس میں کثیر تعداد میں بچیاں تعلیم حاصل کر رہی ہیں، ہزار سے زائد عالمہ وفاضلہ بن کر کارگاہ حیات میں مصروف عمل ہیں، کوئی معلمہ وداعیہ ہے تو کوئی گھر کی مربیہ بن کر اپنی گھریلو زندگی میں ایک بہتر کردار ادا کر رہی ہے۔

مرکز کا ایک اہم شعبہ رفاہی امور کا ہے، آپ کی رہنمائی میں مرکز کا یہ شعبہ ہمیشہ سرگرم عمل رہا ہے، موسمی مشاریع کی تنفیذ کے علاوہ مختلف آفات وحوادث کے موقع پر اس شعبہ کے ذریعہ ریلیف کا کام بہت عمدہ پیمانے پر انجام دیا گیا، ابھی ۵/اپریل کے زلزلے کے موقع پر مرکز نے زلزلہ سے متاثرہ علاقوں میں زبردست تعاون وامداد کا کارنامہ انجام دیا ہے، ایسے مواقع پر آپ کی فکرمندی قابل تعریف ہوتی تھی۔

مرکز التوحید کا ایک اہم شعبہ صحافت کا شعبہ ہے، اسی شعبہ سے ماہانہ مجلہ ''نورتوحید'' اٹھائیس برسوں سے شائع ہورہا ہے، اس کے بانی اور روح رواں آپ تھے، آپ کا یہ اداریہ اختصار مفید کا آئینہ دار ہوا کرتا تھا، ایک صفحہ پر مشتمل شعوروآگہی کالم کے تحت آپ کا اداریہ اہل علم ونظر کے نزدیک کافی پسند کیا جاتا تھا، اسی شعبہ سے متعدد علمی ودعوتی کتب کی اشاعت عمل میں آئی اور اشاعت پذیر بعض کتب درج ذیل ہیں:

۱۔سوئے حرم: مولانا عبداللہ مدنی جھنڈانگری رحمہ اللہ

۲۔ضعیف وموضوع احادیث: مولانا عبدالسلام رحمانی

۳۔اتباع سنت: ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍

۴۔میڈیا روپ بہروپ: سہیل انجم حفظہ اللہ

۵۔خوشہ کشتِ حرم: حماد انجم رحمہ اللہ

اسی شعبہ سے نیپالی زبان میں ایک ماہانہ مجلہ کی اشاعت کا آغاز مولانا مدنی نے بڑے عزم وہمت سے کام لیتے ہوئے کیا تھا اس کے لئے کاٹھمنڈو میں ایک آفس قائم کی اور اس مجلہ کا بڑا پیارا نام تجویز کرکے رکھا تھا ''ہامروسوغات''، ''ہمارا تحفہ'' اس کے چند شمارے شائع ہوئے لیکن بوجوہ وہ مجلہ بند ہوگیا، کاش یہ مجلہ جاری رہتا اور صرف نیپالی زبان سے واقف اہل وطن اسلامی تعلیمات سے روشناس ہوتے رہتے ولکن قدر اللہ ماشاء فعل۔

مرکز کا ایک اہم شعبہ دعوت وارشاد ہے، اس شعبہ کے ذریعہ مولانا عبداللہ مدنی کے نمایاں کارنامے درج ذیل ہیں:

☆ خود آپ نے متعدد اجلاس سیمینار اور کانفرنسوں کا انعقاد کیا، جیسا کہ ذکر آچکا ہے۔

☆ خود آپ کے دینی خطبات، محاضرات ومقالات جو بیشتر نورتوحید میں شائع ہیں۔

☆ آپ نے متعدد اجلاس، سیمینار اور کانفرنسوں کا انعقاد کیا، جنہیں ملک وبیرون ملک کے نامور اہل علم کو مدعو کیا اور ان پروگراموں کو کامیابی سے ہمکنار کرنے میں کافی تگ ودو کیا کرتے تھے اور ان کے اخوان اور رفقاء کار ان کا ساتھ نبھاتے تھے۔

۲۰۰۵ء میں آپ نے ایک اہم کانفرنس کا انعقاد کیا موضوع تھا۔ صحافت کانفرنس۔ اس میں ملک وبیرون ملک کی نامور شخصیات کی شرکت ہوئی تھی، کانفرنس بہت ہی کامیاب تھی، اس کی پوری تفصیل نورتوحید کے خصوصی نمبر میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

آپ نے انتہائی حساس اور سلگتے ہوئے موضوع پر ایک کانفرنس ''انسداد منشیات کانفرنس'' کا اہتمام کیا اور اس میں متعدد

ادیان و مذاہب کے اہل علم واختصاص اور متعدد شعراء کو مدعو کیا، اپنی نوعیت کی منفرد کانفرنس تھی، اس میں مسلم اسکالروں کے ساتھ، نصرانی، سکھ، ہندومت، اور بدھ مت کے ماننے والے مذہبی رہنماؤں کو مدعو کیا اور انسداد منشیات کے موضوع پر اظہار خیال کا موقع دیا اور اسی موضوع پر ادبی، شعری مجلس کا بھی اہتمام کیا۔

یہ بھی ایک کامیاب کانفرنس تھی، اس سے سماج میں ایک بہترین پیغام گیا، اور اس کا عمدہ اثر مرتب ہوا، پوری تفصیل مجلہ نور توحید کے انسدادِ منشیات کانفرنس نمبر میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے، اصلاح معاشرہ کانفرنسوں کا انعقاد آپ کا ایک عظیم کارنامہ ہے۔

آپ نے ایک بہترین خطیب اور مقرر کی حیثیت سے بعض ٹی وی چینل پر دینی موضوعات پر اپنا بیان ریکارڈ کروایا، چنانچہ پیس ٹی وی اور ذی سلام ٹی وی پر آپ کی تقاریر نشر ہوتی رہی اور سامعین عالم آپ کو سماعت فرماتے اور اس کے ذریعہ آپ نے عالمی سطح پر شہرت پائی۔

خلاصہ یہ ہے کہ آپ نے اپنی حیات میں متعدد اہم کارنامے انجام دینے میں کامیابی حاصل کی، یوں علمی ودعوتی امور سے آپ کا گہرا لگاؤ تھا، کارنامے اور بھی ہیں آپ نے مرکز التوحید کے زیر اہتمام کل نیپال مسابقات علمیہ کا انعقاد کیا، ایک بار مسابقہ حفظ قرآن کریم وحفظ حدیث کا مسابقہ کرشنا نگر میں منعقد ہوا، حفظ حدیث کے زمرہ میں طالبات بھی شریک ہوئی تھیں، یہ مسابقہ بہت کامیاب تھا۔

ایک کل نیپال مسابقہ حفظ قرآن کریم وحفظ احادیث نبویہ کا انعقاد آپ نے کاٹھمنڈو میں کیا، بیرون ملک سے ممتحنین کو مدعو کیا گیا تھا، یہ مسابقہ بڑی اہمیت کا حامل تھا، اس کا آخری تقسیم انعامات پروگرام بہت آب وتاب کے ساتھ ہوٹل ہمالیہ کے گراؤنڈ ہال میں منعقد ہوا تھا، اس میں مہمانان خصوصی سفیر مصر برائے نیپال، مولانا عبدالوہاب صاحب خلجی، مولانا صلاح الدین مقبول احمد مدنی، مولانا ارشد مختار صدر جامعہ محمدیہ منصورہ، مالیگاؤں شریک ہوئے، متعدد سماجی وسیاسی رہنما اور علماء کی ایک بڑی تعداد شریک محفل تھی، دراصل اس پروگرام میں صدر جمہوریہ نیپال عالی جناب رام برن یادو کو مدعو کیا تھا انہوں نے آپ کی دعوت قبول کرلی تھی، مگر پھر بوجوہ وہ خود ہوٹل میں تشریف نہ لائے بلکہ ایک مختصر تعداد کو صدارتی محل شیتل بھون میں مدعو کیا اور وہیں پر تقسیم ایوارڈ کی مجلس منعقد ہوئی راقم بھی حاضر تھا وہاں۔

کل ۳۲ آدمی شریک ہوئے پروگرام کا آغاز نیپال کے قومی ترانہ سے ہوا، پھر قرآن کی تلاوت سے محفل کا آغاز ہوا، نیپال کی تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا کہ جب اہم ترین سرکاری مقام یعنی صدارتی محل میں صدر نیپال اور دیگر معززین کی موجودگی میں قرآن کریم کی آواز گونجی اور قرآن کریم کے حوالہ سے کسی اولین مجلس کا انعقاد تھا، میں سمجھتا ہوں کہ یہ مولانا عبداللہ صاحب کا ایک عظیم نادر کارنامہ تھا، اس مسابقہ کی تفصیلی رپورٹ راقم کے قلم سے نور توحید کے ایک شمارے میں شائع ہوچکی ہے۔

اللہ تعالیٰ مولانا عبداللہ مدنی علیہ الرحمہ کی خدمات کو قبول فرمائے اور ان کیلئے ذخیرہ آخرت بنائے۔ آمین

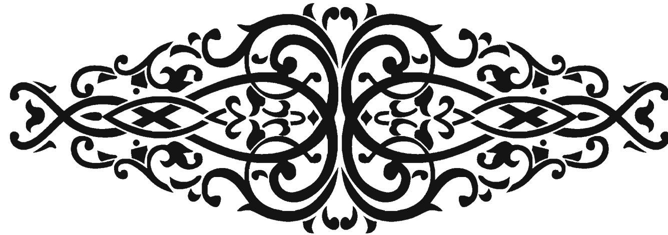
انسان خواہ کتنا عظیم ہو اس کی کتنی خوبیاں ہوں مگر ایک بشر کے ناطے اس میں خامیاں بیشک پائی جاتی ہیں، مولانا میں خوبیاں تھی

کمیاں بھی رہی ہوں گی، اللہ تعالیٰ مولانا کے حسنات پر اجر سے نوازے اور سیئات سے درگذر کرے اور آپ کو کروٹ کروٹ جنت دے۔ **اللھم اغفر لہ وارحمہ وادخلہ جنت النعیم۔**

آپ کی وفات کاٹھمنڈو ٹیچنگ ہاسپٹل میں ہوئی تھی وہاں سے مولانا کی نعش منگل بدھ کی درمیانی شب میں کرشنا نگر پہونچی اور بدھ کو بعد ظہر جنازہ کی صلوٰۃ پڑھی گئی، جنازہ میں عوام کا ازدہام وہجوم تھا، علما وطلباء کی تعداد کافی تھی ،مولانا عبدالرحمن رحمانی مبارکپوری حفظہ اللہ نے جنازہ کی صلوٰۃ پڑھائی بعدہ آپ کی تدفین عمل میں آئی۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

(نورتوحید جھنڈانگر، فروری ۲۰۱۶ء)





مولانا عبداللہ مدنی جھنڈانگری کی حیات وخدمات کے مختلف گوشے کے مطالعہ کے لئے نورتوحید کا خصوصی شمارہ جنوری تا اپریل ۲۰۱۶ء ضرور ملاحظہ کریں۔

کاروانِ سلف کا ایک حدی خواں اور نہ رہا

آہ! مولانا عبداللہ مدنی جھنڈانگریؒ

مولانا عبدالحکیم عبدالمعبود مدنی

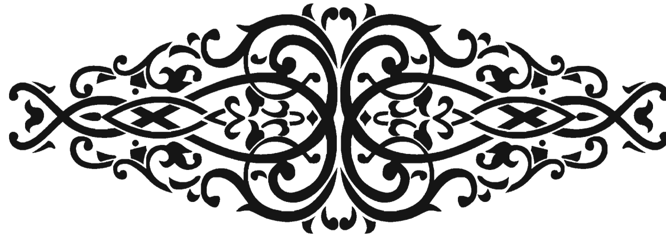
ضلع سدھارتھ نگر کے سرحدی علاقے بڑھنی سے متصل نیپال بارڈر پر ایک بستی واقع ہے جسے جھنڈانگر کے نام سے جانا پہچانا جاتا ہے، اس گمنام بستی کو خطیب الاسلام مولانا عبدالرؤف جھنڈانگری اور آپ کے خانوادہ صدق وصفا نے حقیقی معنوں میں جھنڈانگر بنا دیا اور انہیں کے دم قدم سے آج جھنڈانگر پوری دنیا میں مشہور ومعروف ہے، اور بحمد للہ پورے ملک میں نیپال اور عالم اسلام کو یہاں سے علمی فیض پہونچ رہا ہے، کسی زمانے میں اس چھوٹی سی بستی میں ایک مہاجر خاندان مولانا میاں زکریاؒ کا بیت نار سے ہجرت کر کے آ بسا اور رفتہ رفتہ اس کے قرب وجوار میں اس خاندان کی نیک نامی اور دینداری کا چرچہ ہونے لگا، خانوادۂ زکریاؒ کی نیکیوں اور ان کے حوصلہ وعزائم اور دین پسندی کے تذکرے آج بھی قرب وجوار کے بڑے بزرگوں کی زبان زد ہیں، انہیں نیکیوں کا ثمرہ کہیے یا رب العالمین کی مہربانی وتوفیق کہیے کہ اس علاقے کو اللہ تعالیٰ نے ایک اور عبقری انسان خانوادۂ زکریاؒ کے چشم وچراغ عبداللہ مدنی کی شکل میں عطا فرما دیا، جنہوں نے جھنڈانگر کو خطیب الاسلام مولانا عبدالرؤف جھنڈانگری کے بسائے ہوئے گلستان توحید وسنت کے ساتھ ایک اور علمی مرکز اور تعلیمی ادارے سے شاد آباد کر دیا، آپ کی یادوں کی حسین سوغات آج بھی مرکز التوحید، مدرسہ خدیجۃ الکبریٰ اور اس کی شاندار عمارت، ماہنامہ نور توحید اور اس کے علاوہ ایک علمی ودعوتی گھرانہ کی شکل میں جھنڈانگر میں پوری آب وتاب کے ساتھ دکھائی دے رہے ہیں، مولانا عبداللہ مدنی کا علمی سفر ابتدائی تعلیم کے بعد جامعہ سلفیہ بنارس، ندوۃ العلماء لکھنؤ تک جاری رہا اور پھر بتوفیق الٰہی عالم اسلام کی آبرو مدینہ یونیورسٹی میں آپ کو داخلہ کا نوید جانفزا ملا، وہاں کی پرنور فضاؤں میں رہ کر توحید وسنت اور سلفی منہج کے معتبر اساطین علم وفن سے آپ نے چار سالوں تک بھرپور فیض حاصل کیا، اور پھر سینوں میں دعوت دین کے حسین سپنوں کو سجائے ۱۹۸۸ء میں وہاں سے فارغ التحصیل ہوئے اور انہیں سپنوں کو شرمندہ تعبیر کرنے کے لئے مسلسل ۳۵ سالوں کے طویل عرصہ پر محیط سانس کے آخری لمحہ تک اپنی پوری زندگی لگا دی، آپ زندگی بھر نیپال کے ترائی اور پہاڑی علاقوں میں سلفی دعوت کے فروغ اور اسلام کی سربلندی کے لئے کوشاں رہے، تولہوا، اور جھنڈانگر سے لیکر مختلف ترائی وپہاڑی علاقوں سے گزرتے ہوئے ملک نیپال کی عظیم راجدھانی کاٹھمنڈو تک آپ نے اپنی سلفی دعوت کے دست وبازو بکھیر دیئے اور رفتہ رفتہ جھنڈانگر میں توحید کا ایک عظیم مرکز قائم کر کے اپنے خوابوں کو عملی جامہ پہنا دیا اور پھر اس طرح چمکے کہ پوری دنیا میں آپ کو ملک نیپال کی نمائندگی کا شرف حاصل ہوا بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ عبداللہ مدنی جھنڈانگری نے اپنی علمی بصیرت، علمی صلاحیت اور سلفی منہج کے حوالہ سے اپنی خدمات وقربانیوں کے ذریعہ ملک نیپال کو لالہ زار بنا دیا تو بے جا نہ ہوگا، ابھی حال ہی میں جامعہ ملیہ دہلی میں منعقدہ

ایک عظیم الشان تعلیمی ورکشاپ میں آپ سے روبرو ملاقات اوراستفادہ کا شرف رہا، اپنی مصروفیتوں اورطبیعت کی ناسازی کے باوجود پورے عزم وحوصلہ کے ساتھ پروگرام کی تمام نشستوں میں شریک رہے، اوراپنی دینی دعوتی بصیرت اورعلمی تجربات سے شرکاء پروگرام کوفیض بھی پہنچاتے رہے، کسے پتہ تھا کہ شاید یہ زندگی کے آخری لمحات ہیں، حسن اتفاق چھٹیوں کی مناسبت اوربعض دعوتی پروگراموں میں شرکت کے لئے میں وطن گیاہوا تھا کہ اچانک وہیں ۲۲ دسمبر بروز منگل ۲۰۱۵ء کو یہ خبر وحشت والمنا کی کے ساتھ ملی کہ مولانا عبداللہ مدنی دارفانی سے کوچ کر گئے اناللہ و انا الیہ راجعون، یہ مری خوش نصیبی تھی کہ اس وقت گھر پر تھا اور یوں مجھے جنازہ میں شرکت کرنے کا موقع نصیب ہوا، رب العالمین قیراطین کے ثواب سے بہرہ اندوز فرمائے، آپ کی نماز جنازہ شیخ الحدیث کے خلف الرشید مولانا عبدالرحمن مبارکپوری حفظہ اللہ نے پڑھائی اور یوں ہندوستان کے اعاظم اورکابرین علماء کے پرنم آنکھوں اورعوام الناس کے جم غفیر میں سلفیت کا یہ حدی خواں سپرد خاک ہوا۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

آمین تقبل یارب العالمین۔

❑❑❑



پروفیسر عبدالودود اظہر دہلوی رحمہ اللہ

۱۹۳۶ء..........۲۰۱۶ء

ابن احمد نقوی

عبدالودود سے میری پہلی ملاقات ماسٹر سید عبداللہ المحض کے ٹیوٹوریل اسکول میں ہوئی۔ ماسٹر صاحب کا یہ اسکول محلہ کشن گنج کے ایک بالائی مکان میں واقع تھا، اس کا پورا نام ٹیوٹوریل ڈسپیلینری انسٹی ٹیوٹ تھا جسے اردو میں وہ موسسہ تربیہ لکھتے تھے، اس اسکول میں ۸۔۱۰ لڑکے تعلیم پاتے تھے، میں اسی سال ۱۹۵۰ء میں دلی آیا تھا اور ماسٹر صاحب کے اسکول میں داخلہ لیا تھا، کچھ عرصہ بعد عبدالودود بھی وہاں آ گئے وہ اس سے پہلے جامعہ ملیہ کے پرائمری اسکول میں پڑھتے تھے اور اسکول میں انہیں نونہال کہا جاتا تھا۔ جامعہ کے پرائمری اسکول کے بچے نونہال کہے جاتے تھے۔ عبدالودود بھی خود کو نونہال ہی کہتے تھے۔

اسکول کے دیگر لڑکے اردو پڑھتے تھے، جب کہ میں اور عبدالودود انگریزی پڑھتے تھے۔ اس لئے ہمارا ایک دونفری گروپ بن گیا تھا۔ اسکول کے لڑکے ایک بڑے کمرے میں بیٹھتے تھے اور خود ماسٹر صاحب متصل کے چھوٹے کمرے میں بیٹھتے تھے۔ پڑھائی کے ساتھ لڑکوں کے درمیان مکالمہ بھی ہوتا رہتا تھا۔ ایک دن بات آئی کہ سب بتائیں کہ انہیں کتنا جیب خرچ ملتا ہے؟ کسی نے کہا ایک آنہ اور کسی نے کہا کہ دو پیسے، بعض نے کہا انہیں کچھ نہیں ملتا۔ عبدالودود سے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ انہیں سو روپے ماہانہ جیب خرچ کے طور پر ملتے ہیں۔ سارے کلاس پر سناٹا چھا گیا۔ سب کے چہروں پر مرعوبیت صاف دکھائی دے رہی تھی۔ اس وقت یعنی ۱۹۵۰ء میں سو روپے ایک بہت بڑی رقم تھی۔ سرکاری محکموں میں بھی درمیانے درجے کے افسران کو ہی سو، سوا سو روپے ماہانہ تنخواہ ملتی تھی۔ بہت سوں نے تو سو روپے کا نوٹ دیکھا بھی نہیں تھا۔ بہرکیف اس کے بعد عبدالودود اسکول کی ایک مرعوب کن شخصیت بن گئے۔ تعلیم کا سلسلہ جاری تھا۔ ایک دن عبدالودود کہنے لگے کہ ہمیں شاعری کرنی چاہیے، میں نے بھی اس سے اتفاق کیا۔ اب بات آئی کہ شاعری کے لئے تخلص بھی ضروری ہے اس لئے اب تخلص کی تلاش ہوئی۔ میں مراد آباد میں مدرسہ امدادیہ کے پرائمری اسکول میں پڑھتا تھا، وہاں ایک ماسٹر عبداللہ تھے، بڑے دیدہ زیب اور جامہ زیب، شاعر بھی تھے اور ان کا تخلص اطہر تھا، وہ مجھ پر بہت مشفق تھے ان کا کہنا تھا کہ یہ لڑکا محنتی ہے اور ذہین بھی۔ ان کی شفقت نے میرے دل میں ان کے لئے عقیدت کا گہرا جذبہ پیدا کر دیا تھا جو آج بھی قائم ہے۔ جب تخلص کی بات آئی تو مجھے ماسٹر عبداللہ اطہر یاد آئے اور میں نے کہا میں اطہر تخلص رکھوں گا۔ عبدالودود بولے میں نونہال رکھوں گا، لیکن پھر یہ خیال ہوا کہ نونہال غیر شاعرانہ سا تخلص ہوگا۔ اس لئے دوسرے تخلص زیر غور آ گئے۔ لیکن بات بنی نہیں۔ میں نے کہا میرا تخلص اطہر ہے، تم اس پر ایک نقطہ لگا کر اظہر اپنا تخلص رکھ لو۔ عبدالودود کو میری بات پسند آئی اور وہ عبدالودود نونہال سے عبدالودود اظہر ہو گئے۔ تخلص رکھنے کے بعد گویا شاعری ہم پر فرض ہو گئی تھی چنانچہ تک بندی شروع ہوئی، اظہر نے چند دنوں اس میں

سر کھپایا، پھر دیکھا کہ طبیعت مائل نہیں ہوئی تو شاعری چھوڑ دی لیکن تخلص نہیں چھوڑا۔

کشن گنج کے باہر قریب میں ہی مسجد اہل حدیث ہے۔ ماسٹر عبداللہ المحض بڑے کٹر اہل حدیث تھے اور پنج وقتہ نماز اپنی مسجد میں ادا کرتے تھے۔ ہم دونوں بھی عصر کی نماز وہیں ادا کرتے تھے۔ انہی دنوں مئو سے مولانا عبدالحکیم مجاز اعظمی صاحب دلی آئے تھے۔ وہ اخبار اہل حدیث میں سب ایڈیٹر کے طور پر کام کرتے تھے اور کشن گنج کی مسجد اہل حدیث میں امامت بھی کرتے تھے اور مسجد کے بالائی حجرے میں رہتے تھے۔ ہماری ان سے ملاقات ہوئی تو وہ بڑی خندہ پیشانی اور گرمجوشی سے ملے۔ حالانکہ عمر میں وہ ہم سے دس بارہ سال بڑے تھے۔ دارالحدیث رحمانیہ کے فارغ، جید عالم تھے، ان کے آگے ہماری حیثیت نیم خواندہ بلکہ ناخواندہ کی سی تھی، لیکن وہ ہمیں برابر کا درجہ دیتے تھے۔ اس لئے ہم بہت جلد ان سے بہت قریب ہوگئے۔ اتوار کے دن ہم دونوں ان کے پاس جاتے اور کافی دیر تک گفتگو رہتی۔ کچھ دنوں بعد ان کے ایک عزیز نورالحسن انصاری بھی آگئے۔ وہ میرٹھ کے مدرسہ فیض عام میں پڑھتے تھے اور اب دہلی آگئے تھے۔ ہماری ملاقات اور زیادہ طویل ہوگئی تھی۔ ۱۹۵۲ء میں ماسٹر صاحب کا اسکول چھوڑ کر مولانا نور محمد قریشی کے ادارہ شرفیہ باڑہ ہندوراؤ میں داخلہ لیا اور پنجاب یونیورسٹی سے منشی، فاضل یعنی آنرز ان پرشین کا امتحان دے کر کامیابی حاصل کی۔ منشی، فاضل، مولوی و منشی معیار کے مطابق یونیورسٹی میں گریجویشن کے مساوی مانا جاتا تھا۔ میرے بعد اظہر نے بھی منشی، فاضل کا امتحان دیا، لیکن وہ کامیاب نہیں ہوسکے۔ منشی فاضل پاس کر کے میں نے ادیب فاضل یعنی آنرز ان اردو کی تیاری شروع کر دی۔ میرے پاس منشی فاضل کے نصاب کی جو کتابیں تھیں وہ اب میرے لئے فاضل یعنی فالتو تھیں، اس زمانے میں یہ ہوتا تھا کہ شاید آج بھی ہوتا ہے کہ نئے آنے والے پرانے داموں سے ان کا کورس خرید لیتے تھے۔ کیونکہ یہ سیکنڈ ہینڈ کتابیں سستی مل جاتی تھیں۔ مجھ سے بھی ایک شخص نے منشی فاضل کورس ۳۵ روپئے میں خرید لیا۔ میں نے یہ کتابیں فروخت کر کے ادیب فاضل کا کورس خرید لیا۔ اظہر اب اینگلو عربک اسکول سے سینئر سکنڈری کر رہے تھے۔ ہم اکثر ملتے تھے وہ میرے پاس باڑہ آتے اور کبھی میں ان کے گھر صدر بازار جاتا تھا۔ ایک دن میں ان کے کمرے میں بیٹھا تھا تو میری نگاہ ایک کونے میں رکھی ہوئی کتابوں پر پڑی۔ میں نے غور سے دیکھا تو حیرت زدہ رہ گیا۔ یہ میرے منشی فاضل کے کورس کی کتابیں تھی جو ایک شخص نے مجھ سے ۳۵ روپیہ میں خریدی تھیں۔ میرے سمجھ میں نہیں آیا کہ میری یہ کتابیں اظہر کے پاس کیسے پہنچ گئیں۔ دماغ پر زور دیا تو اندازہ ہوا کہ اظہر نے یہ کتابیں براہ راست مجھ سے نہ خرید کر تیسرے آدمی کے ذریعہ خریدی تھیں، شاید انہیں گمان ہوا ہوگا کہ میں ان سے قیمت نہیں لوں گا۔ میں احساس ندامت میں غرق ہوگیا کہ میں نے اپنی کتابیں اپنے دوست کو فروخت کیں۔ مجھے تو یہ ہدیہ دینی چاہیے تھیں، لیکن اب کیا ہوسکتا تھا، میرے پاس ۳۵ روپیہ نہیں تھے جو میں اظہر کو واپس کرتا اور معذرت کرتا۔ اظہر نے سینئر سکنڈری کے بعد دلی کالج سے فارسی میں ایم اے کیا اور پھر اسی کالج میں لیکچرار ہوگئے، مجھے بھی دہلی یونیورسٹی میں کلرک کی ملازمت مل گئی۔

جب مجھے پہلی تنخواہ ملی تو میں سب سے پہلے اظہر کے پاس گیا، انہیں ۳۵ روپیہ پیش کئے ساری بات سنائی جو اصل واقعہ تھی۔ روپئے واپس کرتے ہوئے جذبات کی شدت سے بے قابو ہوکر رونے لگا۔ میں نے اظہر سے کوتاہی کے لئے معافی مانگی، میرے ساتھ

اظہر بھی اشکبار تھے۔ تھوڑی دیر تک ہم دونوں روتے رہے، اظہر نے وہ روپئے قبول کر لئے۔ اس سے مجھے بڑی طمانیت محسوس ہوئی، کیونکہ اگر وہ نہ لیتے تو میں ندامت کے بوجھ سے آزاد نہیں ہو سکتا تھا۔ ان آنسوؤں نے ہماری دوستی میں اخلاص کی ایک مضبوط بنیاد فراہم کر دی۔ چند ماہ بعد اظہر نے مجھے شیروانی کا کپڑا تحفہ میں دیا۔ جیسا کہ اوپر عرض کیا ہم ہر اتوار کو مجاز صاحب کے پاس جایا کرتے تھے۔ اب وہاں اقبال عمری بھی آتے تھے، وہ حوض رانی میں رہتے تھے، مئو میں تعلیم بھی حاصل کی تھی، اس لئے مجاز صاحب اور مولانا اقبال عمری صاحب سے واقفیت تھی۔ خواجہ قطب الدین مونس کشن گنج میں ہی رہتے تھے، وہ بھی آجاتے۔ عزیزی ظہیر نے اسی سال مدرسہ ریاض العلوم سے عالمیت کی سند حاصل کی تھی، وہ بھی ہوتے تھے، چائے کا دور چلتا، باتیں ہوتیں، طویل بحثیں ہوتیں۔ ایک دن نور الحسن انصاری نے اعلان کیا کہ وہ عربی فارسی بورڈ الہ آباد سے مولوی فاضل کا امتحان دیں گے جب تفصیلات معلوم ہوئیں تو ہم نے کہا کہ ہم بھی مولوی کا امتحان دیں گے۔ بات طے ہوگئی تو اب تیاری بھی شروع ہوگئی۔ مجاز صاحب تھے ہی لہٰذا ہم ان سے عربی پڑھنے لگے، روزانہ فجر کے بعد ہم وہاں پہنچ جاتے اور ایک گھنٹہ تک پڑھتے۔ مجاز صاحب بڑی توجہ سے پڑھاتے تھے، جلد ہی ہم نے جلالین، متنبی، اصول الشاشی اور القرأۃ الرشیدہ کے چاروں حصے پڑھ ڈالے۔ اردو سے عربی میں ترجمہ بھی خاصی سیکھ لیا۔ ان دنوں مجاز صاحب روزانہ اخبار دعوت میں کام کرتے تھے اور کبھی کبھی مصر کا مشہور عربی روزنامہ الاہرام بھی لے آتے تھے۔ اس وقت اس کے ایڈیٹر حسنین ہیکل تھے جو عالمی درجہ کے صحافیوں میں شمار کئے جاتے تھے۔ ہم الاہرام کی سرخیاں پڑھ لیتے تھے۔ جو سمجھ نہیں آتا وہ مجاز صاحب سے پوچھ لیتے تھے۔ ہمیں اپنے مطالعہ کی بنا پر اعتماد تھا کہ مولوی کا امتحان پاس کر لیں گے، پھر نہ جانے کیا ہوا انصاری صاحب نے اعلان کر دیا کہ وہ مولوی فاضل کا امتحان نہیں دیں گے۔ ان کے کندھا ڈالنے سے ہمارا پروگرام بھی معطل ہو گیا اور اچھا خاصا علمی کام ہونے سے رہ گیا، جس کا عمر بھر افسوس رہا۔ لیکن اب بھی ہم عربی پڑھتے تھے مگر چونکہ امتحان دینا نہیں تھا اس لئے وہ زور و شور بھی نہیں تھا۔ اب اظہر مجھے فرانسیسی پڑھایا کرتے تھے جس کا سرٹی فیکیٹ کورس وہ شام کو دہلی یونیورسٹی سے کر رہے تھے۔

اظہر کے والد حاجی عبدالمالک مرحوم دہلی کے ممتاز معزز تاجروں میں سے تھے۔ اس زمانے کے رواج کے مطابق ''دستور المتقی'' اور ''تقویۃ الایمان'' جیسی کتابیں چھپوا کر مفت تقسیم کرتے تھے، غالباً وہ غرباء اہلحدیث سے وابستہ تھے۔ غرباء اہل حدیث کی مسجد جو اس جماعت کا صدر دفتر ہے حاجی عبدالمالک کی دکان سے چند قدم کے فاصلے پر ہے۔ حاجی صاحب کے منجھلے صاحب زادے اور عبدالودود اظہر کے بڑے بھائی عبدالقدوس جماعت غرباء اہل حدیث کے سکریٹری تھے، لیکن خود اظہر صاحب کا اس جماعت سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ وہ پنج وقتہ نماز اہل حدیث مسجد کلاں میں ادا کرتے تھے۔ اظہر کے نانا مولوی عبدالستار کلانوری بھی غالباً اہل حدیث عالم تھے۔ اظہر کے پاس ان کے چند رسالے تھے جنہیں وہ بڑے فخر سے دکھاتے تھے کہ یہ مولوی عبدالستار کلانوری کے لکھے ہوئے ہیں۔ اظہر کو دہلی والا ہونے پر بڑا ناز تھا۔ وہ بڑے اہتمام سے اپنا نام عبدالودود اظہر دہلوی لکھا کرتے تھے۔ انہیں اس بات پر سخت اعتراض تھا کہ انگریزوں نے دہلی کے نام میں تحریف کر کے اسے دلہی کر دیا تھا۔ دلی والے چٹ پٹے اور چٹخارہ دار کھانوں کے بہت شوقین ہوتے ہیں۔ اظہر کو بھی یہ شوق تھا۔ اتوار کے دن جب ہم دونوں مجاز صاحب کے وہاں سے واپس آتے

تو شام کو جامع مسجد جانے کا پروگرام بن جاتا۔ ڈپٹی گنج، بارہ ٹوٹی کے موڑ پر جب ہم جدا ہوتے تو وہ مجھ سے کہتے حتماً آئے گا یعنی شام کو جامع مسجد جانا ضروری ہے، ان کے اس حتماً کی تعمیل میں شام کو ان کے گھر پہنچ جاتا، ہم جامع مسجد کے لئے روانہ ہوتے۔ لال کنوئیں سے آگے سرکی والان میں ایکسلسیر سینما اور تھانہ حوض قاضی کے مقابل ایک دکان تھی جہاں کھیر یا فیرینی تیار ہوتی تھی۔ اظہر سب سے پہلے اس دکان پر جاتے، کھیر کھاتے اور ہم چاوڑی بازار ہوتے ہوئے جامع مسجد پہنچتے۔ اس زمانے میں جامع مسجد کی سیڑھیوں پر جھگی نما دکانیں ہوتی تھیں۔ جامع مسجد کا جو دروازہ مٹیا محل کی جانب ہے اس کی نچلی سیڑھیوں پر پیشاب خانے کے پاس خورشید ہوٹل کے پہلو میں ایک چھوٹی سی دکان جھگی جیسی تھی، اس میں ایک بوڑھے جنہیں لوگ چچا میاں کہتے تھے۔ مچھلی کے کباب، قیمے کی گولیاں، پھلکا اور لونگ چڑھے بیچتے تھے، کڑاہی چڑھی رہتی تھی اور یہ سامان بکتے رہتے تھے۔ اظہر کو چچا میاں کی دکان کے لونگ چڑھے بے حد مرغوب تھے۔ جامع مسجد جائیں اور چچا میاں کی دکان کے لونگ چڑھے نہ کھائیں ایسا ہو ہی نہیں ہوسکتا تھا۔ یہاں سے لونگ چڑھے کھا کر ہم جامع مسجد کے مشرقی دروازہ کی جانب جاتے۔ جو لال قلعہ کی طرف کھلتا ہے، وہاں سیڑھیوں پر ایک خلیفہ جی بڑا سا مٹکا لئے بیٹھے رہتے، اس میں قلفی ہوتی تھی۔ مٹکے میں برف بھرا ہوتا اور اس میں قلفیاں ہوتیں۔ سامنے چند مونڈھے ہوتے جن پر بیٹھ کر گاہک قلفی کھاتے تھے، اظہر یہاں بھی ضرور بیٹھتے تھے، خلیفہ چچا کے پاس مختلف سائز کی قلفیاں ہوتی تھیں اور مقدار کے مطابق ہی قلفی کے دام ہوتے تھے۔ اظہر یہاں ڈبے میں بھری قلفی کھاتے جو مقدار میں سب سے زیادہ ہوتی تھی۔ یہاں سے قلفی کھا کر ہم ایڈورڈ پارک جاتے جو اب سبھاش پارک کہلاتا ہے۔ اس وقت وہاں پارک میں برطانوی شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم کا گھوڑے پر سوار دیو پیکر مجسمہ لگا ہوا تھا۔ اب اس کی جگہ نیتا جی سبھاش چندر بوس کا مجسمہ نصب ہے۔ یہاں کچھ دیر گھاس پر بیٹھ کر ہم ادھر ادھر کی باتیں کرتے، کچھ دیر خاموش بیٹھے رہتے، پھر جب شام کے دھندلے گہرے گہرے ہونے لگتے تو ہم واپسی کا قصد کرتے۔ مٹیا محل کو جانے والے راستے پر حاجی ہوٹل کے نکڑ پر ایک سقہ مشک کمر پر رکھے ہاتھ میں سفید نقری کے نقشی کٹورے لئے کھڑا ہوتا۔ مشک کا ٹھنڈا پانی پیتے اور پھر ٹہلتے ہوئے واپس ہوتے۔

ایک دن اظہر نے پوچھا تم شام کو کیا کرتے ہو، میں نے کہا، کچھ نہیں۔ کہنے لگے تم دلی یونیورسٹی کے پوسٹ گریجویٹ ایوننگ انسٹی ٹیوٹ سے فارسی میں ایم اے کیوں نہیں کر لیتے۔ میں نے حیرت سے انہیں دیکھا، میں میونسپل کارپوریشن میں ایک معمولی کلرک تھا مختصر سی تنخواہ ملتی، میرے لئے مزید تعلیم حاصل کرنا ایسی تمنا تھی جس کا محض خواب ہی دیکھا جا سکتا تھا۔ اگلے ہفتہ جب اظہر پھر آئے تو مجھ سے پوچھا تم نے کیا سوچا۔ میں نے کہا کچھ نہیں سوچا۔ اس پر وہ کچھ جھنجھلائے اور تاکید کی کہ اس بارے میں سوچ کر فیصلہ کرو۔ ان کے اصرار کو دیکھ کر میں نے بھی ذہن بنالیا۔ سرکاری نوکری میں سرکاری ملازم ۲۴ گھنٹے کا نوکر سمجھا جاتا ہے، یعنی سرکار اپنے ملازم کو کسی بھی وقت ڈیوٹی کے لئے طلب کرسکتی ہے۔ اگر کوئی ملازم چھٹی لے کر شہر سے باہر جانا چاہے تو اسے چھٹی کی درخواست میں آؤٹ آف اسٹیشن یعنی شہر سے باہر جانے کی اجازت لینا بھی ضروری ہوتا ہے۔ ورنہ اس سے جواب طلب کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح مزید تعلیم کے لئے بھی دفتر سے اجازت لازمی ہے۔ اگر کوئی بغیر اجازت پڑھتا رہے تو امتحان کے لئے اسے رخصت ملنا ضروری نہیں

ہے۔اس لئے میں نے مزید تعلیم کے لئے دفتر میں درخواست پیش کر دی اور ہفتہ میں مجھے رسمی شرائط کی پابندی کی تلقین کے ساتھ تحریری اجازت نامہ مل گیا۔میں نے وہ اظہر کو دکھایا، وہ مجھے شعبۂ فارسی کے صدر پروفیسر یوگ دھیان آہوجہ کے پاس لے گئے۔میں نے انہیں منشی فاضل کی سند دکھائی تو انہوں نے داخلہ فارم پر منظوری دے دی۔دستخط کر دیئے اور یوں ایم اے فارسی میں میرا داخلہ ہوگیا۔نورالحسن انصاری پہلے ہی وہاں لکچرر کے طور پر موجود تھے اس لئے اجنبیت کا ماحول نہیں رہا۔۱۹۶۳ء سے ۱۹۶۵ء یعنی دو سال میں میں نے فارسی ایم اے کی ڈگری حاصل کر لی۔اس دوران اظہر بھی یونیورسٹی آئے پھر وہ کئی ڈپلومے حاصل کر چکے تھے فرانسیسی، عربی لسانیات اور مزید کئی ڈپلومے ان کے پاس تھے۔خانہ فرہنگ ایران سے جدید فارسی کا ڈپلومہ وہ بہت پہلے حاصل کر چکے تھے انہیں پڑھنے اور ڈپلومے حاصل کرنے کا شوق تھا۔

۱۹۶۶ء میں جامع مسجد علاقہ کے ایک صحافی اور سیاسی نیتا انور علی صاحب کی صاحبزادی سے اظہر کی شادی ہوئی۔شادی کے کچھ عرصہ بعد وہ شاہی وظیفہ پر ایران چلے گئے جہاں انہوں نے رامائن پر تحقیقی مقالہ لکھ کر ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ایران سے واپس آ کر وہ جواہر لال نہرو یونیورسٹی میں فارسی کے پروفیسر اور پھر فیکلٹی کے ڈین بن گئے۔اس وقت ان کی زندگی بے حد مصروف تھی۔کابل، تہران ماسکو، تاشقند سیمیناروں میں شرکت کے لئے جاتے رہتے تھے۔علی گڑھ یونیورسٹی کورٹ کے ممبر تھے۔لائبریری رام پور کونسل کے بھی ممبر تھے۔عثمانیہ یونیورسٹی سے بھی تعلق تھا اور وہ اکثر ان شہروں کو جایا کرتے تھے۔جامعہ ملیہ اسلامیہ میں وائس چانسلر کی تقرری کے لئے پینل بنا تو انہوں نے مجھے بتایا کہ اس پینل میں ان کا نام بھی ہے پھر ایک ریٹائرڈ فوجی جنرل کو منتخب کر لیا گیا۔انہیں کشمیر یونیورسٹی کے وائس چانسلر کا عہدہ بھی پیش کیا گیا لیکن وہ پروفیسر مشیر الحق کا دردناک انجام دیکھ چکے تھے اس لئے وہاں جانے کو راضی نہیں ہوئے۔ہمدرد دواخانے کے مالک اور متولی حکیم عبدالحمید صاحب مطالعاتی دورے پر ایران گئے تو پروفیسر عبدالودود اظہر کو بطور گائڈ اپنے ساتھ لے گئے تھے۔

۲۰۰۱ء میں ۶۵ سال کی عمر میں وہ یونیورسٹی کی ملازمت سے سبکدوش ہوگئے۔میں پہلے ہی ۱۹۹۳ء میں ریٹائر ہو چکا تھا۔ریٹائرمنٹ کے بعد اظہر مصروف رہتے تھے، کریسینٹ اسکول کے منیجر تھے۔ایرانی سفارت خانے کی علمی سرگرمیوں میں منہمک رہتے تھے۔اس دوران ان سے ملاقات مرکزی جمعیۃ اہل حدیث ہند کی مجلس عاملہ کی میٹنگوں میں ہوتی تھی۔وہ مجلس عاملہ کے ممبر تھے اور اس کی میٹنگوں میں پابندی سے شرکت کرتے تھے اور ایجنڈے کی ہر شق پر اظہار خیال کرتے تھے۔لیکن بعض اوقات وہ کچھ ایسی باتیں بھی کہہ جاتے تھے جس سے جمعیۃ کے ذمہ داران الجھن میں پڑ جاتے تھے۔ایک زمانے میں حکومت کو جماعت اہل حدیث کے افراد کی بابت کچھ زیادہ ہی شکوک وشبہات تھے۔سب تفتیش کے دائرے میں تھے، میرے پاس بھی کئی بار آئی بی کے کارندے آئے۔آپ کب سے کب تک جمعیۃ کے سکریٹری رہے، کتنے بچے ہیں، کیا کرتے ہیں، راشن کارڈ دکھایئے وغیرہ۔اظہر بھی جماعت کے ممتاز ارکان میں سے تھے لہٰذا انہیں بھی پولس ہیڈکوارٹر میں طلب کیا گیا، وہ گئے کیونکہ جے این یو کے پروفیسر تھے اس لئے پولس ڈپٹی کمشنر نے دوستانہ انداز سے بات کی اور انہیں چائے بھی پلائی۔

صدر بازار میں حاجی عبدالمالک کا خاصا وسیع مکان ہے جس کی قیمت آج کے دور میں کروڑوں نہیں بلکہ اربوں میں ہوسکتی ہے کیونکہ یہ مکان صدر بازار کے تجارتی مرکز کے درمیان میں واقع ہے۔ حاجی صاحب کے انتقال کے بعد ان کے بیٹوں نے پہلی منزل کے صحن جس میں کبھی حاجی صاحب بیٹھتے تھے پر چھت ڈال کر نیم تاریک کمرے میں تبدیل کردیا۔ اور اوپر ایک اور منزل تعمیر کرکے گھر کی خواتین کو اس منزل میں پہنچادیا۔ اب یہی نیم تاریک کمرہ اظہر صاحب کی قیام گاہ تھا۔ کمرے کی دیوار کے ساتھ فرش سے چھت تک بڑے بڑے ریک لگے ہیں جن میں سینکڑوں کتابیں رکھی ہوئی ہیں، یہ وہ کتابیں ہیں جو اظہر صاحب نے خود خریدیں یا انہیں تحفہ میں ملیں۔ وہ غیر ملکی دوروں پر جاتے تو تحفہ میں کتابیں ہی لاتے تھے۔ یہ کتابیں ان ریکوں میں سجادی جاتی تھیں۔ ان میں سے کتنی کتابیں ہیں جنہیں اظہر صاحب نے پڑھا نہیں ہوگا اور شاید بعض کو کھول کر بھی نہیں دیکھا ہوگا۔ ایک خاصی بڑی لائبریری کے برابر یہ علمی ذخیرہ اب کہاں جائے گا یہ کہنا مشکل ہے۔ ان کے دونوں صاحبزادے اپنی کاروباری مصروفیتوں میں رہتے ہیں۔ اظہر صاحب کے بڑے بھائی عبدالقدوس اور چھوٹے بھائی محمد مسلم دونوں ذیابیطس کے مریض تھے اور اسی موذی مرض نے ان کی جان لی۔ کہتے ہیں کہ ذیابیطس مرض موروثی ہوتا ہے، پتا نہیں اظہر صاحب بھی ذیابیطس سے متاثر رہے ہوں گے۔ ذیابیطس کے مریض کے لئے علاج کے ساتھ پیدل چلنا اور سیر کرنا بھی علاج کا لازمی حصہ ہوتا ہے۔ لیکن دہلی جو کبھی شاہجہاں آباد اور اب فصیل بند یا طنزیہ طور پر دلی نمبر ۶ کہا جاتا ہے۔ کنکریٹ کے ایک گھنے اور تاریک جنگل میں تبدیل ہوچکا ہے۔ صدر بازار کے آس پاس ہی نہیں بلکہ دور دور تک کوئی کھلی جگہ نہیں ہے۔ ہر طرف دوکانیں، تنگ گلیاں ہیں۔ جامع مسجد کا بھی یہی حال ہے۔ کبھی ایڈورڈ پارک تھا جو اب محض ایک چھوٹا سا ہر طرف سے گھرا ہوا پارک ہے، اور ٹہلنے یا سیر کرنے کی جگہ نہیں ہے۔ اگر دوسری طرف ترکمان گیٹ کے باہر رام لیلا گراؤنڈ نہ ہو تو وہاں بھی گھٹن کا ماحول ہے۔ دلی کے بہت سے غیر مسلم افراد نے فصیل بند کی اس گھٹن سے بچنے کے لئے دور دراز کی نئی کالونیوں میں فلیٹ لے لئے۔ اور وہاں کھلی آب وہوا میں رہتے ہیں۔ دن کو پرانی دلی میں کاروبار کرتے ہیں اور شام کو اپنی گاڑیوں سے گھر چلے جاتے ہیں۔ بہت سے مسلم دکان داروں اور کارخانہ داروں نے پرانے شہر کو چھوڑ کر اوکھلا ابوالفضل انکلیو اور شاہین باغ وغیرہ میں فلیٹ لے لیے ہیں۔ جو پرانی دہلی کے گھٹن کے مقابلے میں کافی کشادہ ہیں۔ اظہر سے بھی میں نے ایک بار کہا تھا کہ شاہین باغ میں فلیٹ لے لو لیکن وہ ہنس کر ٹال گئے۔ ان کے صدر بازار کے مکان میں ان کے علاوہ ان کے دونوں بھائیوں کی فیملی بھی مقیم ہے۔ اس لئے شاید وہ اکیلے نہ جانا چاہتے ہوں یا ان سب کے ساتھ جانا ممکن نہ ہو۔

بہرحال اس نیم تاریک کمرے میں جب بھی بجلی جاتی تو اندھیرا چھا جاتا تھا۔ اظہر وہیں بیٹھے رہتے تھے۔ وہ اس کمرے سے باہر آتے یا زینے سے اترتے بھی یا نہیں۔ اگر وہ صدر بازار سے چل کر ۳۰ ہزاری سے آگے موری گیٹ کے باہر سبزہ تک جاتے جہاں جماعت اہل حدیث اور غرباء اہل حدیث کے افراد عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نماز ادا کرتے ہیں تو ان کی صحت کے لئے بہتر ہوتا۔ اچھی سرسبز وشاداب جگہ ہے، کھلا سبزہ زار بھی پاس ہے۔ کشمیری گیٹ اور علی پور روڈ کے رہنے والے افراد وہاں سیر کرتے ہوں گے، اظہر بھی اگر ایک دو گھنٹہ اس کھلی ہوا اور شاداب فضا میں گذارتے تو ان کی صحت کے لئے بہت بہتر ہوتا۔ لیکن وہ اس کے لئے خود کو تیار نہ کرسکے

ہوں۔اوراس گھٹن اورنیم تاریک کمرے نے ان کی صحت کو برباد کردیا۔

برسوں سے ان سے ملاقات نہیں ہوئی، مجھ میں اب جامعہ نگر سے صدر بازار جانے کی ہمت نہیں تھی۔اب میرے پاس ٹیلیفون بھی نہیں، موبائل کا توسوال ہی نہیں۔ان سے کوئی رابطہ نہیں تھا۔ایک بارکسی صاحب کے موبائل پرانہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ میں مرنے سے پہلے ایک بارتم سے ملنا چاہتا ہوں۔میں نے اسے رسمی سی بات سمجھا اورزیادہ اہمیت نہیں دی۔مجھے قطعا بالکل اندازہ نہیں تھا کہ بیماری اتنی شدت اختیار کرچکی ہے۔کوئی ایسا ذریعہ بھی نہیں تھا کہ ان کی خیریت معلوم کریں میں یہی سمجھتا تھا کہ معمولی بیماری جوڈھلتی عمر کا تقاضا ہوتی ہے انہیں لاحق ہوگی اوروہ اپنی علمی مصروفیتوں میں منہمک ہوں گے۔ابھی چندسال پہلے حج بھی کرآئے تھے۔یکم اکتوبرکوبیٹی نے مجھے اخبار پڑھ کرسنایا۔تواس میں پروفیسرعبدالودوداظہر کے انتقال پرمولانا اصغرعلی ناظم عمومی کا تعزیتی بیان شائع ہوا تھا۔میں یہ خبرسن کردہل کررہ گیا۔یوں سمجھئے گویا خودموت کی تاریکیوں میں ڈوب گیا۔

میں نے خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ اظہراس طرح اچانک مجھے چھوڑکرچلے جائیں گے۔میں تصوربھی نہیں کرسکتا تھا کہ وہ موت سے اس قدرقریب ہیں۔میرے تصورمیں اب تک ان کی وہی نوجوانی کی تصویرتھی۔زندہ دل زندگی کی توانائیوں سے بھرپور ہے۔یارچل نخرے مت کر،اورشام کوجامع مسجدچلیں گے،چچامیاں کی دکان سے لونگ چڑھے کھائیں گے۔ایسے زندہ دل شخص کے بارے میں کون سوچ سکتا ہے کہ وہ موت کی آغوش میں چلا جائے گا۔پہلے میرے دل نے اس خبرکوماننے سے انکارکردیا،یہ ہوہی نہیں سکتا،جیسے دل کے گوشہ سے آواز آئی۔

لیکن اخبارہندوستان ایکسپریس سامنے پڑا تھا اوراس کے آخری صفحہ پراظہرصاحب کے انتقال پرمولانا اصغرعلی امام مہدی سلفی کا تعزیتی بیان شائع ہوا تھا۔میری آنکھوں سے آنسوجاری ہوگئے۔کافی دیرتک سکتہ سی کیفیت طاری رہی۔پھرہوش آیا توروح کے کسی گوشہ سے ایک آواز ابھری۔**تدمع عيني تصدع قلبي وما نقول الا مايرضى ربنا انا بفراقک لمحزونون يا عبدالودود۔**

عبدالودود ۱۹۳۶ء میں پیدا ہوئے تھے اور ۲۰۱۶ء میں رفیق اعلیٰ سے جاملے۔۸۰ سال عمرہوئی۔اس میں ۶۶ سال ہماری دوستی کا عرصہ۔اس میں قربت اوردوری دونوں رہے۔یعنی تقریبا پون صدی تک ہماراساتھ رہا۔

فضا صاحب،مجازؔصاحب،خواجہ صاحب اوراب عبدالودوداظہربھی چلے گئے میں اکیلا رہ گیا۔زندگی ایک دشت بےسایہ شجرکی طرح ہے۔اب کتنی سانسیں باقی رہ گئی ہیں۔یہ اللہ ہی جانتا ہے۔لیکن اظہرکے جانے کے بعداب زندہ رہنے کی تمنا بھی نہیں رہی۔ایک ویران بےسایہ شجرتنہا،یاس ومحرومی سے بدحال زندگی کوزندگی کیسے کہیں۔ابھی جب تک سانس ہے زندہ رہنا ہے۔اللہ عاقبت بخیر کرے اوراظہرکوجنت الفردوس میں جگہ دے۔**اللهم اغفرله وارحمه وعاف عنه۔**

(جریدہ ترجمان ۱۔۳۱۔۱۶ دسمبر ۲۰۱۶ء)

❑❑❑

پروفیسر عبدالودود اظہر کا انتقال عظیم علمی وادبی خسارہ

مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی

نئی دہلی: یکم اکتوبر ۲۰۱۶ء: مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے ناظم عمومی مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی نے اخبار کے نام جاری ایک بیان میں فارسی کے نامور ادیب ودانشور اور مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے سابق رکن عاملہ وشوری پروفیسر عبدالودود اظہر کے سانحہ ارتحال پر شدید رنج وغم اور افسوس کا اظہار کیا ہے اور ان کی موت کو عظیم علمی، ادبی، قومی وملی اور جماعتی خسارہ قرار دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ پروفیسر عبدالودود اظہر کو اللہ تعالی نے بڑی خوبیوں اور صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ اور انہوں نے مختلف دینی، علمی، تعلیمی، سماجی اداروں اور پلیٹ فارموں سے قوم وملت و جماعت اور انسانیت کی بڑی خدمات انجام دیں۔ گذشتہ کل صبح ساڑھے سات بجے چار سال کی طویل علالت کے بعد ان کا انتقال ہوگیا۔ اور بعد نماز جمعہ قبرستان خواجہ باقی باللہ میں ان کی تدفین عمل میں آئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، جنت الفردوس کا مکین بنائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔

پریس ریلیز کے مطابق پروفیسر عبدالودود اظہر نے ذاکر حسین کالج سے تعلیم حاصل کی اور وہیں لیکچرار مقرر ہوئے بعدازاں آپ ایران تشریف لے گئے اور وہاں سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ پھر ۱۹۷۰ء میں جب جواہر لال نہرو یونیورسٹی وگیان بھون میں قائم ہوئی تو وہ فارسی کے ایسوسی ایٹ پروفیسر بنائے گئے۔ جہاں آپ متعدد بار صدر شعبہ فارسی بنائے گئے۔ وہیں اسکول آف ایفرو ایشین لینگویجز کے ڈین بھی مقرر ہوئے۔ آپ نے رامائن کا دو جلدوں میں فارسی ترجمہ کیا۔ اسی طرح آپ نے متعدد کتابیں لکھیں اور سیمیناروں اور رسالوں کے لئے اہم علمی وتحقیقی مقالات تحریر فرمائے آپ متعدد علمی وتحقیقی اداروں سے بھی وابستہ رہے جن میں ساہتیہ اکیڈمی، غالب اکیڈمی، اردو اکیڈمی دہلی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ آپ جواہر لال نہرو یونیورسٹی کے علاوہ کئی تعلیمی اداروں سے بھی بحیثیت اعلیٰ عہدے دار منسلک رہے مثلاً کریسنٹ اسکول دریا گنج، ماڈرن فیل اسکول باڑہ ہندوراؤ وغیرہ۔

پروفیسر عبدالودود اظہر نے ایکانڈ وفرینڈ شپ سوسائٹی فار پرموشن آف سینٹرل ایشین لینگویجز قائم کی تھی جس میں تاجک، فارسی، ترکی، ازبک، آرویری زبانوں پر کام ہوتا تھا۔ اس کے آپ صدر نشین تھے۔ آپ کی علمی وادبی نگارشات کی وجہ سے آپ کو نہ صرف ہندوستان بلکہ سینٹرل ایشیا اور ایران میں بھی نہایت عزت واحترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ آپ کی گراں قدر علمی وادبی خدمات کے اعتراف میں ۱۹۸۸ء میں صدر جمہوریہ ایوارڈ سے نوازا گیا۔ اسی طرح غالب انسٹی ٹیوٹ نے بھی آپ کو اپنے اہم فارسی انعام فخر الدین علی احمد غالب انعام برائے فارسی تحقیق وتنقید سے نوازا۔ پسماندگان میں اہلیہ اور دو صاحب زادے فروخ اور شاہ رخ ہیں۔

پریس ریلیز کے مطابق مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے امیر حافظ محمد یحیٰ دہلوی، ناظم عمومی مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی، نائب امراء حافظ محمد عبدالقیوم، ڈاکٹر سید عبدالعزیز سلفی، ناظم مالیات الحاج وکیل پرویز، نائب ناظم مولانا ریاض احمد ودیگر ذمہ داران واراکین مجلس عاملہ وشوری وکارکن جمعیت نے بھی پروفیسر عبدالودود اظہر کے انتقال پر گہرے رنج وافسوس کا اظہار کیا ہے اور دعا گو ہیں کہ بارالہ ان کی مغفرت فرما اور ان کی لغزشوں سے درگزر فرما، جنت الفردوس کا مکین بنا اور پسماندگان کو صبر جمیل وسلوان کی توفیق ارزانی فرما۔ (جریدہ ترجمان ۳۱-۱۶/ اکتوبر ۲۰۱۶ء)

باب چہارم

عالم اسلام کے سلفی اساطین

حیات البانیؒ کے چند درخشاں پہلو

عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی

مختصر سوانحی خاکہ وخدمات:

علامہ ناصرالدین البانیؒ چودھویں ہجری میں عالم اسلام کے نامور محدث اور علم حدیث اور جرح وتعدیل کے امام تھے۔

نام ونسب: محمد ناصرالدین البانی بن نوح بن آدم بن نجاتی الالبانی ہے۔آپ کی پیدائش البانیا کے دارالحکومت اشقودرہ میں ہوئی۔البانیا پر احمد زوغو کے قابض ہونے کے بعد بڑھتے ہوئے مظالم کے پیش نظر آپ کے والد ملک شام ہجرت کر آئے۔

تاریخ پیدائش: ۱۹۱۴ء،مطابق ۱۳۳۲ھ

تعلیم: (۱) دمشق کے جمعیۃ الاسعاف الخیریۃ نامی مدرسہ میں ابتدائی تعلیم حاصل کی اور چھ سال کا کورس چار سال میں مکمل کرلیا۔

(۲) والدمحترم سے قرآن مجید اور فقہ حنفی اور صرف کی تعلیم پائی۔

(۳) شیخ سعید ربانی سے فقہ حنفی، بلاغت، نحو اور نورالایضاح کی شرح مراقی الایضاح پڑھی۔

(۴) مسجد تقوی میں منعقد ہونے والے حلقات دروس سے بھرپور فیض اٹھایا۔

(۵) مکتبہ ظاہریہ میں ذاتی مطالعہ اور بحث وتحقیق سے ایک عبقری عالم بن کر عالم اسلام میں طلوع ہوئے۔

(۶) اس طرح مصر کے مشہور عالم علامہ رشید رضاء حلب کے محدث محمد راغب طباخ،شام کے علامہ محمد بھجۃ البیطار وغیرہم جیسے اساطین علم سے بھی آپ نے شرف تلمذ پایا اور بھرپور فائدہ اٹھایا۔

(۷) شیخ محمد راغب طباخ سے آپ کو سند اجازہ بھی حاصل ہے۔

خدمات: درس وتدریس، دعوت وتبلیغ کے ساتھ آپ کی خدمات حدیث بے حد معتبر اور قابل ذکر ہیں۔

- دمشق کے قرب وجوار اور دور دراز کے علاقوں میں آپ نے کئی بار دعوتی دورے کئے اور ہزاروں لوگوں کے صحیح عقیدہ، وعمل سے آگاہ فرمایا۔
- آپ کے حلقہ درس میں طلباء کے علاوہ اساتذہ بھی شریک رہا کرتے تھے۔
- جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں تین سال تک استاد رہے اور بین الاقوامی شہرت کے حامل ٹھہرے۔
- کلمہ حق کہنے کی پاداش میں دومرتبہ جیل میں قید وبند کی صعوبتیں برداشت کی۔ایک مرتبہ اسی جیل میں دمشق میں رہے جہاں ابن تیمیہ رحمہ اللہ کو قید رکھا گیا تھا۔
- آپ کے تصنیفی وتحقیقی کارناموں میں احادیث کی تصحیح وتضعیف کا عمل ایک بڑا سنہری کارنامہ ہے۔خاص طور پر السلسلۃ الصحیحہ

اور السلسلہ الضعیفہ جیسی معرکۃ الآراء کتابوں نے آپ کو اس صدی کا مجدد اور محدث بنا دیا۔

اعزاز: ۱۹۹۹ء میں آپ کو شاہ فیصل عالمی ایوارڈ برائے خدمات اسلام سے سرفراز کیا گیا۔

وفات: ۲۲ جمادی الاخری ۱۴۲۰ھ مطابق ۱۴ اکتوبر ۱۹۹۹ء شہر عمان میں وفات ہوئی اور یہیں سنت کے مطابق تدفین ہوئی۔

چند درخشاں پہلو:

☆ **شوق مطالعہ:** بچپن میں مذہبی وعلمی ماحول کی وجہ سے علامہ البانیؒ کو مطالعہ کا اتنا شدید شوق ہو گیا تھا کہ **الف لیلہ و لیلہ، عنترہ بن شداد، صلاح الدین ایوبی، ذات الھمۃ والابطال** جیسی کتابوں کا مطالعہ کیا کرتے تھے، جس سے زبان اور گفتگو پر کافی قدرت حاصل ہوگئی اور ذوق مطالعہ بھی پورا ہو گیا۔

☆ **بوڑھے مصری سے ملاقات:** علماء وشیوخ کے دروس سے استفادہ حاصل کرنے کے لئے علامہ البانیؒ مسجد اموی جایا کرتے تھے۔ اسی اثناء میں اللہ تعالیٰ نے ان کی ملاقات ایک بوڑھے مصری سے کروادی جو بوسیدہ کتابوں کو خریدا کرتا اور انہیں مسجد اموی کے مغربی دروازے کے سامنے اپنی چھوٹی سے دکان میں رکھا کرتا تھا۔ اس سے کچھ کتابیں کرائے پر لیتے اور پڑھنے کے بعد واپس کر دیتے۔ کتنا عظیم تھا ذوق مطالعہ اور کتنی ہمت تھی طالب علم کے اس عمل جلیل میں۔

☆ **مجلہ المنار کے بعض شمارے مل گئے:** علامہ البانیؒ کا جذبہ مطالعہ اور شوق طلب اتنا ہمہ گیر تھا کہ ہر آن مجلہ المنار کی تلاش میں رہتے اتفاق سے اس کے بعض شمارے ملے جس میں شیخ رشید رضا مصری کا ایک مضمون تھا، جس میں انہوں نے علامہ غزالی کی کتاب احیاء العلوم کا تنقیدی جائزہ لیا تھا۔ اور اس میں رشید رضا مصری نے امام زین الدین عراقی کی کتاب ''**المغنی عن حمل الاسفار فی الاسفار فی تخریج مافی الاحیاء من الأخبار**'' کا تذکرہ بھی کیا تھا۔ یہ پڑھتے ہوئے ہی علامہ البانیؒ اس کتاب کی تلاش وجستجو میں پاگلوں کی طرح لگ گئے۔ اچانک ایک آدمی کے پاس یہ کتاب ملی۔ کتاب کو غربت کی وجہ سے خرید نہ سکے تو کرایہ پر لے کر پوری کتاب من وعن نوٹ کر ڈالی اور اس پر تعلیق چڑھانے کا کام کیا۔ نوعمری میں یہ کام دو ہزار بارہ صفحات پر مشتمل چار اجزاء میں مکمل ہوا۔ اور یہیں سے علم حدیث کا مزید شوق مطالعہ علامہ کے دلوں میں پیوست ہوتا چلا گیا۔

☆ **علم الحدیث صنعۃ المفالیس:** علامہ البانی کے والد متعصب حنفی تھے۔ آپ کے شوق طلب حدیث کو دیکھ کر استھزاء ومزاق کے طور پر کہتے کہ علم حدیث کا مطالعہ کر کے تم کیا کرو گے۔ یہ مفلسوں اور محتاجوں کا کام ہے مگر قربان جایئے کہ فدائے سلفیت اور سرخیل تحقیق نے حدیث کا مطالعہ جاری رکھا یہاں تک کہ فن حدیث میں تحقیق وتخریج کے امام تسلیم کر لئے گئے۔ آج بھی یہی حال ہمارے متعصبین علماء اور طلباء کا حدیث کے ساتھ برقرار ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں البانی کی سمجھ اور توفیق عطا فرمائے اور حدیث سے محبت کا سچا جذبہ عنایت فرمائے۔

☆ **ایک ورق کی تلاش میں ۵۰۰ ر سے زائد مجلّات کا مطالعہ:** علامہ البانیؒ کی طبیعت کی خرابی اور ڈاکٹروں کے مطالعہ سے پرہیز کے مشوروں کے باوجود ابن ابی الدنیا کی کتاب ''**ذم الملاھی**'' کو مکتبہ ظاہریہ سے تلاش کیا اور اس کے نسخ کا حکم دیا بعد

میں معلوم ہوا کہ ایک ورق کتاب کا غائب ہے۔ کتاب کے اس غائب شدہ ورق کی تلاش میں مکتبہ ظاہریہ کے پانچ سو مجلّات کو کھنگال ڈالا۔ دوران مطالعہ مفید معلوماتی باتیں نوٹ بھی فرماتے۔ کتنا لگن تھا، اور کیسی جستجو تھی علم کی موتیوں کو سمیٹنے اور حاصل کرنے کی۔

☆ **مکتبہ ظاہریہ کے مخطوطات کی فہرست سازی اور ترتیب:** گم شدہ ورق کی تلاش نے علامہ کے جوش وجذبہ کو بیدار کر دیا دوران تلاش جن کتابوں کا نام تحریر کیا تھا اس پر نظر ثانی کی اور مولفین کے ناموں پر حروف تہجی کے اعتبار سے مخطوطات کی فہرست مرتب کر دی جو کہ علمی اور تحقیقی کام کرنے والوں کے لئے آسان راستہ بن گیا۔

☆ **مخطوطات کا مطالعہ اور ان سے حدیثی فوائد کا استخراج وترتیب:** مخطوطات کی فہرست سازی کے بعد علامہ البانیؒ نے ان کا مطالعہ شروع کر دیا اور ان سے حدیثی فوائد کو نکال کر نوٹ فرماتے گئے اور انہیں بعد میں حروف تہجی کے اعتبار سے مرتب کر کے ایک قیمتی ورثہ چھوڑ گئے۔

☆ **شیخ البانیؒ کے لئے مکتبہ ظاہریہ میں خصوصی کمرہ الاٹ کر دیا گیا:** مطالعہ اور تحقیق کا ذوق دیکھ کر اپنے اصول وقوانین کی پابندیوں کو توڑتے ہوئے مکتبہ ظاہریہ کے ذمہ داروں نے شیخ کے لئے ایک کمرہ خاص کر دیا اور اوقات یومیہ کی پابندی کو ختم کر کے شیخ کو مکتبہ کی ایک کنجی دے دی اور چوکیدار کو حکم دیا کہ کسی بھی وقت شیخ کو مکتبہ میں داخل ہونے سے نہ روکا جائے۔

ظاہر ہے کہ علم وتحقیق، صبر، امانت ودیانت اور شوق مطالعہ نے ان تمام پابندیوں کو توڑنے پر مجبور کیا ہوگا۔ **فیاللّٰہ العجب۔**

☆ **علامہ البانیؒ کے بارے میں ایک شامی عالم کی شہادت:** عالم اسلام کی معزز شخصیت شیخ عبدالباری فتح اللہ المدنی رقمطراز ہیں: ''علامہ کے فضل ومنقبت کا ایک درخشاں باب یہ ہے کہ حق گوئی اور عزیمت کے راستے میں آپ نے یوسف زنداں امام احمد بن حنبل، اور مالک بن انس کی تاریخ کو زندہ کیا۔ حق گوئی کی پاداش میں قید وبند کی زندگی، ملک بدر ہونے کی صعوبتیں اور ہجرت کی تلخیاں اٹھانی پڑیں۔ ایک شامی عالم کا قول صد فیصد سچ ہے کہ اس دور میں کوئی عالم ایسا نہیں دیکھا گیا کہ جس نے کسی سنت کو کبھی کسی ہیبت یا ذاتی مصلحت کی بنا پر ترک نہ کیا ہو، مگر علامہ البانیؒ نے کبھی کوئی سنت کسی کی ہیبت یا ذاتی مصلحت کی بنا پر ترک نہ کی'' (صفۃ صلاۃ النبی: ٦٤)

☆ **تحقیق حدیث میں بے مثال کارنامہ:** آپ کی ساری مطبوعات سے قطع نظر اگر صرف سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ اور سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ کو ہی سامنے رکھا جائے تو کہنا مناسب ہوگا کہ حدیث کی تصحیح وتضعیف کے تعلق سے آپ سے پہلے اور آپ کے زمانے میں کسی نے اتنا بے باک کارنامہ انجام نہیں دیا۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ علامہ البانیؒ نے اپنی گرانقدر تحقیقی خدمات سے عصر حاضر میں حدیث انسائکلو پیڈیا کی مستقبل بنیاد ڈالی ہے تو بے جا نہ ہوگا۔

☆ **علامہ البانیؒ کا ایک عظیم کارنامہ: معجم الحدیث النبوی جس کی دنیائے تحقیق منتظر ہے:** علامہ البانیؒ کی یہ کتاب چالیس جلدوں سے زیادہ بلکہ بعض شاگردوں کے احصاء کے مطابق انچاس جلدوں پر مشتمل ہے۔ علامہ کی تیس سالہ محنت شاقہ اور جانفشانیوں کا نتیجہ ہے۔ جو حدیث انسائیکلو پیڈیا کے طور پر مخطوطہ کی شکل میں موجود ہے کاش کہ علامہ کی یہ کاوش آج بھی منظر عام پر آجاتی تو علم حدیث کی دنیا میں ایک وسیع انسائیکلو پیڈیا ثابت ہوتی۔

علامہ البانیؒ کی چند علمی وحدیثی تصنیفات: یوں تو شیخ البانی رحمہ اللہ کی تصنیف وتحقیق کردہ کتابوں کی تعداد ۳۰۹ یا اس سے زیادہ ہے۔ ذیل میں چند مشہور کتابوں کے نام درج ہیں۔

۱۔ارواء الغلیل فی تخریج احادیث منار السبیل

۲۔سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ وشئی من فقھہاء وفوائدھا

۳۔// // الضعیفہ واثرھا السیئ فی الامتہ

۴۔صحیح الجامع الصغیر وزیادتہ

۵۔ضعیف الجامع الصغیر وزیادتہ

۶۔صحیح سنن الترمذی

۷۔ضعیف سنن الترمذی

۸۔صحیح سنن ابی داؤد

۹۔ضعیف //

۱۰۔صحیح سنن ابن ماجہ

۱۱۔ضعیف //

۱۲۔صحیح سنن النسائی

۱۳۔ضعیف //

۱۴۔صحیح الادب المفرد للبخاری

۱۵۔ضعیف //

۱۶۔صحیح الترغیب والترھیب

۱۷۔ضعیف //

۱۸۔صحیح ابن خزیمہ بتحقیق محمد مصطفی الاعظمی مراجعہ وتعلیق

۱۹۔صحیح کشف الاستار عن زوائد البزار للھیشمی

۲۰۔ضعیف // // // //

۲۱۔صحیح الکلم الطیب لابن تیمیہ

۲۲۔صحیح موارد الظمآن

۲۳۔ضعیف //

۲۴۔صحیح السیرۃ النبویۃ منتقاۃ من السیرۃ النبویۃ لابن کثیر

۲۵۔مختصر الشمائل المحمدیۃ

۲۶۔مختصر صحیح البخاری
۲۷۔مختصر صحیح مسلم
۲۸۔مختصر صحیح مسلم للمنذری
۲۹۔مشکاۃ المصابیح للتبریزی
۳۰۔ھدایۃ الرواۃ الی تخریج احادیث المصابیح والمشکاۃ لابن حجر
۳۱۔معجم الحدیث النبوی
۳۲۔آداب الزفاف فی السنۃ المطہرۃ
۳۳۔احکام الجنائز وبدعہا
۳۴۔صفۃ صلاۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
۳۵۔تمام المنۃ فی التعلیق علی فقہ السنۃ
۳۶۔التعلیقات الحسان علی ترتیب صحیح ابن حبان

ان کے علاوہ دیگر بے شمار علمی تحقیقی وتخریجی کتابیں ہیں جن سے اہل علم استفادہ کرتے ہیں اور ان میں سے کچھ ابھی تک مطبوع نہ ہوسکی ہیں۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ انہیں زیور طباعت سے آراستے کرنے کی اہل خیر واصحاب علم کوتوفیق عطا فرمائے تاکہ ان کا فیض عام ہوسکے۔آمین

مراجع ومصادر

حیاۃ الالبانیؒ /للشیبانی
مقدمہ صفۃ صلاۃ النبی /شیخ عبدالباری المدنی
صفحات بیضاء من حیاۃ الامام ناصر الدین البانیؒ
ابواسماء عطیہ المصری



پاسبانِ توحید وسنت امام کعبہ

شیخ محمد بن عبداللہ السبیل رحمہ اللہ

حیات وخدمات

۱۹۲۴ء.............۲۰۱۲ء

عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی

عالم اسلام کی قابل اعتبار علمی شخصیت، سعودی کبار علماء کمیٹی کے رکن رکین اور کعبہ مقدسہ کے مشہور ومعروف امام اور مصلیان حرم کے ہردلعزیز خطیب شیخ محمد بن عبداللہ السبیل رحمہ اللہ مسلسل ۴۴ر سالوں تک کعبہ میں امامت وخطابت کے بعد ایک طویل علالت کی وجہ سے عمر کی ۸۸ر بہاریں دیکھ کر ۱۷ر دسمبر ۲۰۱۲ء مطابق ۳ر صفر ۱۴۳۴ھ بروز سوموار بوقت عصر اللہ کو پیارے ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

شیخ محترم اپنی آواز، اپنے لب لہجہ، عالم اسلام کی فکرمندی اور پوری دنیا میں ختم نبوت مومنٹ اور اس کے علاوہ دین کی دعوت اور توحید وسلفیت کی اشاعت میں سرگرم عمل تنظیموں اور جماعتوں کی سرپرستی کے لئے جانے اور پہچانے جاتے تھے، پوری دنیا میں آپ نے کتاب وسنت کی بالادستی کے لئے سو سے زیادہ دعوتی اسفار اور دورے کئے اور اپنے بیش قیمت تجربات اور علمی بصیرت سے علماء و عوام کو روشناس کیا، مشیت ربانی کے مطابق علم وعمل اور فضل وآگہی کا یہ آفتاب گہربار عالم اسلام اور عرب وعجم میں ہزاروں سوگواروں کو چھوڑ کر راہی ملک بقا ہو چلا۔

ذیل کے سطور انتہائی عجلت میں ترتیب دیئے گئے ہیں اور امید کہ قارئین کرام کو شیخ کی زندگی کے سنہرے اوراق اور آپ کی خدمات وکاوشوں کے سلسلے میں سطور ذیل سے رہنمائی حاصل ہوگی۔ اللہ تعالیٰ امام کعبہ پر اپنی رحمتوں کا ابر بہاراں برسائے۔ آمین۔

نام ونسب:

محمد بن عبداللہ بن محمد بن عبدالعزیز آل عثمان ''السبیل''۔ آل عثمان کا تعلق عرب کے مشہور ومعروف علاقہ ''نجد'' میں قبیلہ بنی زید سے تھا اور قبیلہ بنی زید کا تعلق قضاعۃ سے ہوتے ہوئے عرب کے مشہور خاندان قبیلہ قحطان سے ہے اور یہ قبیلہ عرب میں بڑا اعالی اور شریف ومعتبر خاندان مانا جاتا ہے۔ ''السبیل'' آپ کے والد کا مشہور لقب تھا جو بعد میں آپ کی اولاد میں جاری ہو گیا۔

پیدائش اور تعلیم وتربیت:

آپ کی پیدائش ۱۹۲۴ء مطابق ۱۳۴۵ھ میں سعودی عرب کے معروف علاقہ القصیم کے شہر ''بکیریۃ'' میں ہوئی اور یہیں پر ایک

معتبر علمی گھرانہ ''السبیل'' میں آپ پروان چڑھے اور اپنے والد کے زیر سایہ عمدہ تعلیم وتربیت کا فیض اٹھانے لگے۔

حفظ قرآن مجید:

گھر کا ماحول علمی تھا اور نجد کا یہ علاقہ بڑا ہی متدین اور دین پرست مانا جاتا تھا۔ چنانچہ شیخ محمد السبیل نے سب سے پہلے قرآن سیکھنے اور حفظ کرنے کی ابتداء کی اور آہستہ آہستہ اپنے والد محترم سے قرآن کی تعلیم پانے لگے اور پھر والد محترم کی محنتوں کے ساتھ شیخ عبدالرحمن الکریدیس کے پاس بھی حفظ قرآن کے لئے جانے لگے بالآخران کے ہاتھوں پر چودہ سال کی عمر میں آپ نے حفظ قرآن مکمل کرلیا اور بعد میں مکہ مکرمہ میں لبنان کے مشہور سلفی قاری شیخ سعدی یاسین سے قرأت قرآن اور تجوید کی تعلیم حاصل کی۔ شیخ سعدی یاسین نے آپ کو قرأت قرآن میں سند اجازت دی، شیخ سعدی لبنان کے مشہور سلفی عالم تھے اور رابطہ عالم اسلامی کے تاسیسی ممبر اور رکن تھے۔

دینی تعلیم کا حصول:

نجد کے روایتی طریقے کے مطابق دینی تعلیم مساجد میں حاصل کی جاتی تھی، مختلف مساجد میں مختلف علماء کی علمی مجلسیں منعقد ہوتی اور طلباء اپنے ذوق کے اعتبار سے مختلف فنون کو حاصل کرنے کیلئے ان مسجدوں کا رخ کرتے تھے، شیخ السبیلؒ بھی اسی روایتی طریقہ کے مطابق بکیریہ کی مسجد میں علمی حلقات میں شرکت کرنے اور مختلف اساتذہ ومدرسین سے علم حاصل کرنے لگے چنانچہ آپ نے یہاں پر نحو، صرف، عقیدہ، تفسیر اور حدیث کی کتابیں پڑھیں اور ان تمام میں مہارت تامہ حاصل کرلی آپ کے اساتذہ میں درج ذیل کا نام مشہور ومعروف ہے۔

(۱) شیخ محمد بن مقبل قاضی بکیریۃ

(۲) شیخ عبدالعزیز السبیل جو آپ کے بھائی تھے اور اس وقت بکیریۃ کے قاضی بھی تھے اور بعد میں حرم مکی میں بھی تدریس کا فریضہ انجام دیتے رہے۔

(۳) شیخ عبداللہ بن محمد بن حمید چیف جسٹس القصیم، آپ بریدہ میں رہتے تھے اور عرب میں آپ کی بڑی علمی شہرت تھی، شیخ السبیلؒ کو بھی رب العالمین نے آپ سے بریدہ جاکر تعلیم حاصل کرنے کی سعادت عطا کی۔

(۴) شیخ عبدالحق الہاشمی جو اس وقت مکہ مکرمہ میں ایک معتمد محدث مانے جاتے تھے آپ نے ان سے علم حدیث حاصل کیا۔

(۵) شیخ ابوسعید عبداللہ الہندی مکہ مکرمہ میں آپ کا حلقہ حدیث بہت مشہور تھا شیخ السبیل نے آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا اور فن حدیث وروایت حدیث میں آپ سے سند اجازت حاصل کی۔

میدان عمل میں:

تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد ۱۳۶۷ھ میں آپ میدان عمل میں اتر گئے اور تقریباً ۱۸ رسالوں تک وزارۃ المعارف کے تابع مختلف مدارس ومعاہدہ میں تعلیم وتدریس کا فریضہ انجام دیتے رہے جس کا خاکہ درج ذیل ہے۔

(۱) ۱۳۶۷ھ میں بکیریہ کے ابتدائی مدرسہ میں مدرس منتخب کئے گئے اور یہاں چھ سال تک تدریس کا فریضہ انجام دیتے رہے۔

(۲) ۱۳۷۳ھ میں شہر بریدہ القصیم میں المعہد العلمی کے مدرس منتخب ہوئے اور اس طرح بارہ سالوں تک حدیث، تفسیر، عقیدہ اور دیگر فنون کی تعلیم دیتے رہے۔

دامن حرم میں:

رب العزت کے فضل وتوفیق سے اٹھارہ سالوں کے طویل تعلیمی وتدریسی تجربہ کے بعد وہ ساعت مسعود آ گئی جو آپ کو معمار کعبہ ابراہیم علیہ السلام کے تعمیر کردہ حرم مکی تک کھینچ لائی اور اس طرح ۱۳۸۵ھ میں شاہی فرمان کے مطابق آپ کو حرم مکی کا امام وخطیب مقرر کر دیا گیا اور جب سے آپ کعبہ مقدسہ میں قدم رنجہ ہوئے حرم کی محبت، چاشنی، لذت اور اس کی عظمتوں نے آپ کو اپنے سینے سے لگائے رکھا اور دلوں میں بٹھائے رکھا۔ آپ کی علمی، انتظامی صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے حرم مکی اور کعبہ کی دینی وتعلیمی ترقی کیلئے مزید ذمہ داریاں بھی دی گئیں جو درج ذیل ہیں:

۱) ۱۳۸۵ھ میں امام وخطیب کے ساتھ مسجد حرام کی تعلیمی کمیٹی کے آپ صدر منتخب کئے گئے۔

۲) ۱۳۹۰ھ میں آپ مسجد حرام کے مذہبی کمیٹی کے نائب صدر کے عہدے پر فائز ہوئے۔

۳) ۱۳۹۳ھ میں جب مسجد حرم مکہ کے ساتھ مسجد نبوی کی ذمہ داریاں بھی جوڑ دی گئیں اور حرمین شریفین کے لئے مشترکہ کمیٹی بنائی گئی تو بھی آپ کو اس کا نائب صدر باقی رکھا گیا اور برسوں یہ خدمت آپ انجام دیتے رہے۔

۴) ۱۴۱۱ھ تک آپ کو مذکورہ شئون الحرمین کمیٹی کا رئیس اور صدر بنا دیا گیا اور مسلسل دس سالوں تک آپ حرمین کی تعمیر وترقی اور مذہبی وتعلیمی امور کی نگہبانی کرتے رہے۔

۵) ۱۳۸۵ھ سے مسلسل ۴۴ برسوں تک آپ حرم مکی اور کعبہ مقدسہ میں امامت وخطابت کا فریضہ انجام دیتے رہے اور جب عمر رفتہ نے ساتھ چھوڑنا شروع کیا تو ۱۴۲۹ھ میں آپ نے بیماری اور بڑھاپے کی وجہ سے خود ہی ریٹائرمنٹ لے لیا۔

دیگر عہدے اور مناصب:

قدرت نے آپ کو علم غزیر، ملکہ راسخہ اور قوت حافظہ عطا کیا تھا جس کی وجہ سے عالم عرب وعجم میں آپ قبولیت واحترام کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے، آپ کے علمی مقام ومرتبے، اصابت فکر، صلابت رائے، قوت اجتہاد اور وسیع تر خدمات وتجربات کی وجہ سے ۱۴۱۳ھ میں سعودی حکومت نے کبار علماء کمیٹی کا رکن منتخب کر لیا اور اس طرح رابطۂ عالم اسلامی کی فقہ اکیڈمی کے بھی آپ ممبر بنا دیئے گئے جس کی تاریخی تفصیلات ذیل ہیں۔

۱) ۱۴۱۳ھ سے ۱۴۲۷ھ تک آپ سعودی کبار علماء کمیٹی کے رکن رکین اور ایک معتبر ومعتمد ممبر رہے اور تقریباً چودہ سالوں تک اپنے علم وفضل اور تجربات ومشاہدات کا فیض بہم پہنچاتے رہے۔

۲) ۱۳۹۷ھ سے ۱۴۳۲ھ تک آپ رابطہ عالم اسلامی کی فقہ اکیڈمی کے مسلسل ۳۵ سالوں تک ممبر رہے اور فقہ اکیڈمی کی دینی و

تحقیقی نیز پیش آمدہ مسائل کے لئے منعقدہ مجالس میں اپنی اجتہادی قوت اور علمی بصیرت کا مظاہرہ کرتے رہے اور اسطرح آپ کے اجتہادات وتجربات، تحریرات ومقالات سے ایک عالم فائدہ اٹھاتی رہی۔

تلامذہ وشاگردان:

یوں تو آپ کے شاگردوں اور مستفیدین کی تعداد بے شمار ہے جن میں اہم علمی شخصیات بھی شامل ہیں، حرم میں جانے والا اور وہاں زیارت کے لئے حاضری دینے والا کوئی ایسا فرد نہ ہوگا جس نے شیخ السبیل رحمہ اللہ سے ان کے اوقات عمل میں فائدہ نہ اٹھایا ہوتا ہم آپ کے شاگردوں میں دو شخصیتوں کا نام قابل ذکر ہے جو عالم عرب وعجم میں آج بھی توحید وسنت کی دعوت اور اس کی نشر واشاعت میں اپنے علمی، دعوتی اور تصنیفی جهود کے لئے مشہور ومعروف ہیں۔

(۱) سعودی عرب کے مشہور ومعروف بین الاقوامی سلفی محقق **شیخ صالح الفوزان حفظه الله** جن کے علمی دروس اور تحقیقی مقالات محاضرات کا ایک سلسلہ ہے جو برسوں سے جاری وساری ہے اللہ تعالیٰ اسے تادیر باقی رکھے۔

۲) یمن کے مشہور ومعروف محدث **شیخ مقبل بن هادی الوادعی** رحفظہ اللہ جو کہ شیخ السبیل سے استفادہ کرنے کے بعد برسوں سے یمن کی سرزمین پر دعوت سلفیت اور علم حدیث کے فروغ میں ایک نمایاں مقام حاصل کر چکے ہیں۔ الحمد للہ آپ کے شاگردوں کا ایک وسیع حلقہ ہے جو پوری دنیا میں موجود ہے۔

دعوتی اسفار:

حرم مکی میں امامت وخطابت اور درس وتدریس نیز اہم کلیدی مناصب اور عالمی اداروں میں عضویت ورکنیت جیسے اہم ترین مشغولیات کے باوجود دعوت توحید وسنت کو دنیا کے مختلف گوشوں تک پہنچانے اور عام کرنے کے لئے ایشیا، افریقہ اور یورپ کے پچاس ملکوں میں کم وبیش آپ نے ۱۰۰ سے زیادہ علمی ودعوتی اسفار اور دورے کئے ہیں، دنیا کے کونے کونے میں منعقد ہونے والی بین الاقوامی کانفرنسوں میں آپ کی آواز بڑے انہماک اور جذبہ سے سنی جاتی تھی انٹرنیشنل ختم نبوت مومنٹ سمیت دین کی اشاعت اور توحید وسنت کے لئے سرگرم تنظیموں اور جماعتوں کی آپ نے ہمیشہ سرپرستی کی اور عالم اسلام میں سلگتے ہوئے موضوعات پر آپ نے ملت اسلامیہ کی بھرپور رہنمائی کی۔

جامعہ سلفیہ بنارس، ندوۃ العلماء لکھنؤ، اور ملک کی علمی وتاریخی شخصیت مولانا عبدالحمید رحمانی ررحمہ اللہ وغیرہم کی دعوت پر آپ کئی بار ہندوستان کے دورے پر بھی تشریف لا چکے ہیں اور آپ کے وسیع تجربات، علمی ودعوتی بصیرت سے یہاں کے علماء وعوام کو متعدد کانفرنسوں وجلسوں میں فیض اٹھانے کا موقع مل چکا ہے۔ الحمد للہ راقم کو بھی متعدد بار آپ سے ملاقات اور خدمت کرنے کا شرف حاصل رہا ہے۔

تالیفات وتصنیفات:

کعبہ مقدسہ میں امامت وخطابت کے ساتھ مختلف اہم اور سلگتے موضوعات پر آپ کے اشہب قلم سے متعدد کتابیں منظر عام پر

آچکی ہیں اور یہ بڑی عجیب بات ہے کہ مختلف فنون کے ساتھ آپ کو شعروشاعری سے خصوصی دلچسپی تھی آپ کا عربی زبان میں دیوان شعر بھی زیور طبع سے آراستہ ہو چکا ہے۔ ذیل میں چند قلمی کاوشوں کے نام درج ہیں:

(۱)''من منبر المسجد الحرام'' عربی زبان میں یہ آپ کے خانہ کعبہ میں دوران عمل دیئے گئے خطبات کا مجموعہ اور دیوان ہے جو مطبوع او متداول ہے۔

(۲)''خطبات حرم'' مذکورہ عربی کتاب کا اردو ترجمہ ہے جسے ہمارے استاذ محترم شیخ ابوالمکرّم عبدالجلیل سلفی رحمہ اللہ نے کیا تھا، الحمدللہ جامعہ سلفیہ بنارس نے اس کی عمدہ اور شاندار اشاعت کر کے اسے برسوں پہلے ہندوستان میں مفت تقسیم کیا ہے۔

(۳)رسالة فی حق الراعی والرعية۔

(۴)رسالة فی حکم الاستعانة بغير المسلمين فی الجهاد۔

(۵)رسالة فی حد السرقة۔

(۶)دعوة المصطفی ﷺ۔

(۷)من هدی المصطفی ﷺ۔ (یہ دروس حدیث کا مجموعہ ہے)

(۸)الخط المشير الی الحجر الاسود ومدی مشروعيته۔

۹)حکم التجنس بجنسية دولة غير اسلامية۔

(۱۰)فتاوی ورسائل مختارة۔

(۱۱)ديوان الشعر۔

☆سعودی ریڈیو پر ''نور علی الادب'' کے عنوان سے آپ کے پروگرام اور فتاوے برابر نشر ہوتے تھے۔

اولاد واحفاد:

آپ کی تین بیویاں تھیں تاہم اولاد کی بالضبط تعداد ابھی معلوم نہ ہو سکی ہے تاہم آپ کی اولاد میں بعض ایسی علمی وہمہ گیر شخصیات بھی اللہ نے پیدا کیں جو باپ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے سعودی عرب اور عالم اسلام میں عزت واحترام کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں جن کے نام درج ذیل ہیں:

(۱)ڈاکٹر عمر السبیل:

آپ کے لائق وہونہار فرزند تھے اور قدرت نے والد ہی کی طرح آواز میں جاذبیت عطا کی تھی۔ الحمدللہ آپ کے ساتھ ہی آپ کے لائق فرزند شیخ دکتور عمر السبیل کو خانہ کعبہ میں امامت کا حسین موقع ملا اور برسوں آپ نے امامت کے اس خدمت جلیلہ کو انجام دیا لیکن زندگی وفا نہ کر سکی اور والد محترم سے پہلے ہی ایک کار حادثہ کا شکار ہو کر اللہ کو پیارے ہو گئے۔

(۲) ڈاکٹر عبدالعزیز السبیل:

آپ کے ہونہار فرزندوں میں دکتور عبدالعزیز کا شمار ہوتا ہے بروقت سعودی ایجوکیشن منسٹری میں وزیر تعلیم کے مشیر خاص کے اہم ترین عہدے پر فائز ہیں۔

(۳) ڈاکٹر عبدالملک السبیل:

آپ جامعہ ام القریٰ یونیورسٹی مکہ مکرمہ میں سینئر پروفسر ہیں اور برسوں سے تعلیم وتدریس اور ریسرچ وتحقیق کے میدان سے جڑے ہوئے ہیں۔

(۴) استاذ عبداللہ السبیل:

پہلے آپ سعودی میونسپل کارپوریشن میں اعلیٰ عہدے پر فائز تھے اور فی الوقت عرب شہری ڈیولیمنٹ اتھارٹی کویت کے تابع المعہد العربی میں نائب مدیر کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔

اس کے علاوہ شیخ کے کئی بیٹے اور بیٹیاں ہیں اللہ تعالیٰ تمام کو صبر وثبات اور حوصلہ عطا فرمائے آمین

مہدیٔ موعود کا جہیمانی فتنہ اور شیخ کی سلامتی:

۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء میں جہیمان نام کے ایک گمراہ آدمی نے مہدی موعود کا نعرہ دے کر مختلف لوگوں کو اپنے فتنہ کا شکار بنا دیا اور ایک پوری مسلح ٹیم تیار کرلی جس کے نتیجہ میں اچانک ان گمراہوں نے پورے منظم پلاننگ کے تحت فجر کی نماز میں حرم میں مہدی موعود کا اعلان کر دیا اور ایک بڑا فتنہ کھڑا کر کے پورے حرم اور اس کے مصلیان کو یرغمال بنالیا، شیخ السبیل رحمہ اللہ اس وقت فجر کی نماز میں امامت کر رہے تھے، رب العالمین نے آپ کو ان کے ارادہ قتل اور اغواء کے فتنے سے بال بال بچالیا اور پھر آپ کی فراست اور حکومتی اثر ورسوخ کی بنیاد پر فوری طور پر سعودی حکومت نے ان گمراہوں کے خلاف کاروائی شروع کردی بالآخر ان کے فتنے سے حرم اور مصلیان حرم کو نجات حاصل ہوئی۔

وفات وتدفین:

مسلسل ۴۴ر سالوں تک حرم مکی کی بے لوث امامت، اپنے مخصوص لب ولہجہ میں قرآن مجید کی تلاوت اور شؤن الحرمین کی نگہبانی، ریاست وقیادت کے بعد بالآخر ۱۴۲۹ھ میں بیماری اور بڑھاپے کے مدنظر آپ نے خود ہی حکومت سے رضا کارانہ طور پر ریٹائرمنٹ لے لیا۔ اور گھر میں آرام کرنے لگے مگر رفتہ رفتہ بیماری نے آپ کی زندگی میں بسیرا ڈال دیا، برسوں دوا وعلاج کے بعد آپ صاحب فراش ہوگئے۔ بالآخر طویل علالت کے بعد کومہ میں چلے گئے اور عمر کی ۸۸ر بہاریں دیکھ کر ۱۷ر دسمبر ۲۰۱۲ء مطابق ۳ر صفر ۱۴۳۴ھ بروز سوموار بوقت عصر اللہ کو پیارے ہوگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

سعودی حکومت کے شاہی فرمان کے مطابق آپ کو دوسرے دن ۱۸ر دسمبر ۲۰۱۲ء مطابق ۴ر صفر ۱۴۳۴ھ عصر کی نماز کے بعد

مکہ مکرمہ کے ''مقبرۃ العدل'' نامی قبرستان میں ہزاروں پرنم آنکھوں کی موجودگی میں سپرد خاک کیا گیا۔ جنازہ میں شاہی گھرانے کے امراء، حکومتی وسرکاری اہلکاروں، ائمہ حرمین، علماء وداعیان اور آپ کے وابستگان ومصلیان حرم پر مشتمل ہزاروں کی جم غفیر شریک تھی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو کروٹ کروٹ جنت الفردوس نصیب فرمائے۔ آمین

دراصل شیخ سبیل رحمہ اللہ نے اپنی علم وبصیرت اور اخلاص وللٰہیت کی وجہ سے خانہ کعبہ کی امامت وخطابت کو ایک عالمی اعتبار عطا کیا اور مسجد حرام کے ائمہ کی صدائیں اور منبر کعبہ سے علماء حرم کی تقریریں پوری دنیا کے مسلمانوں کے لئے مشعل راہ بن گئیں، عالم اسلام، عرب وعجم کے مسلمان ائمہ حرم پر اعتماد کرتے ہوئے ان ہدایات اور ارشادات کو اپنی زندگیوں کے لئے نشان راہ سمجھنے لگے اور الحمدللہ یہ معتبریت اور مرجعیت آج بھی باقی ہے۔

مشیت ربانی کے مطابق علم وفضل کا یہ آفتاب گہربار اور حرم ابراہیمی میں توحید وسنت کا یہ پاسبان بالآخر ایک دن ہم سے جدا ہو چلا۔ رب العالمین سے دعا ہے کہ آپ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور آپ کی اولاد واحفاد اور تمام وابستگان عالم کو صبر وثبات عطا کرے۔ آمین تقبل اللہ یا رب العالمین۔



مورخ اہل حدیث مولانا محمد اسحٰق بھٹی رحمہ اللہ

۱۹۲۵ء۔۔۔۔۔۔۔۔۔۲۰۱۵ء

رانا شفیق خان پسروری

پاکستان کے مشہور اسکالر اور تقریباً چالیس کتابوں کے مصنف مولانا محمد اسحاق بھٹی ۱۵ مارچ ۱۹۲۵ء کو کوٹ کپورہ ریاست فرید کوٹ (ضلع فیروز پور مشرقی پنجاب) میں پیدا ہوئے۔ ناظرہ قرآن مجید اور اردو کی ابتدائی کتابیں اپنے دادا میاں محمد مرحوم سے پڑھیں۔ ۱۹۳۴ء میں وہاں مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی تشریف لے گئے تو ان سے درس نظامی کے نصاب کے مطابق تعلیم کا آغاز کیا اور اسکول کی تعلیم کے ساتھ ساتھ تفسیر و حدیث، فقہ و اصول، عربی ادبیات اور صرف و نحو کی تمام مروجہ کتابیں ان سے پڑھیں۔ پھر مولانا ممدوح کے حکم سے گوجراں والا سے تفسیر و حدیث اور علم فقہ کی کتابیں دوبارہ پڑھنے کی سعادت حاصل کی۔ ۱۹۴۲ء میں تعلیم سے فراغت پائی تو ایک سال ہیڈ سلیمان کی میں محکمہ نہر میں بطور کلرک سرکاری ملازمت کی۔ یہ ملازمت چھوڑ کر ایک سال کے قریب ہندوستان کے مختلف شہروں (آگرہ، دہلی، متھرا، دھول پور، گوالیار، کان پور وغیرہ) کی سیر و سیاحت کرتے رہے۔

اپریل ۱۹۴۳ء میں ضلع فیروز پور کی ایک درس گاہ میں جو مرکز الاسلام میں جامع محمدیہ کے نام سے موسوم تھی، تدریس کا فریضہ انجام دینے لگے، اس درس گاہ کے منتظم مولانا محمد علی لکھوی کے فرزندان گرامی مولانا محی الدین لکھوی اور مولانا معین الدین لکھوی تھے۔ اس میں جدید و قدیم دونوں طرز کی تعلیم دی جاتی تھی۔ اس سے ڈیڑھ میل کے فاصلے پر موضع ''لکھو کے'' تھا، جس میں کم و بیش ۱۹۲۰ء سے دینی مدرسہ قائم تھا جو ایک بزرگ حافظ احمد نے جاری کیا تھا اور ان کی وفات کے بعد ان کے بیٹے حافظ بارک اللہ لکھوی اور پوتے حافظ محمد لکھوی نے نہایت خوش اسلوبی سے جاری رکھا اور بے شمار شائقین علم نے اس مدرسے میں تعلیم حاصل کی۔ مولانا محی الدین لکھوی اور مولانا معین الدین لکھوی، انہیں بزرگان عالیقدر کی اولاد میں سے تھے۔ لکھوکے کے مدرسے کا انتظام بھی انہیں دونوں بھائیوں کے ہاتھ میں تھا۔

محمد اسحاق بھٹی صاحب اگست ۱۹۴۷ء تک مرکز الاسلام کے جامعہ محمدیہ میں فریضہ تدریس سرانجام دیتے رہے۔

۱۹۴۵ء میں ریاست فرید کوٹ میں ایک سیاسی جماعت ''پرجامنڈل'' نے تحریک آزادی شروع کی تو بھٹی صاحب نے اس میں بھرپور حصہ لیا اور اپنے تیرہ مسلمان ہندو اور سکھ ساتھیوں سمیت گرفتار ہوئے اور فرید کوٹ کی پرجامنڈل کے سکریٹری اور گیانی ذیل سنگھ کو پریذیڈنٹ منتخب کیا۔ گیانی ذیل سنگھ ریاست فرید کوٹ کے ایک گاؤں ''سندھوان'' کے رہنے والے تھے۔ آزادی کے بعد یہ پانچ سال ہندوستان کے منصب صدارت پر فائز رہے۔

تقسیم ملک کے بعد محمد اسحاق بھٹی اپنے خاندان اور قدیم مسکن کوٹ کپورہ کے بہت سے لوگوں کے ساتھ ضلع فیصل آباد کی تحصیل

جڑاں والا کے ایک گاؤں چک نمبر ۵۳ گ ڈھیپاں آئے اور وہاں سکونت پذیر ہو گئے۔ ۲۴ جولائی ۱۹۴۸ء کو دارالعلوم تقویۃ الاسلام (شیش محل روڈ) لاہور میں مولانا سید محمد داؤد غزنوی کے زیر صدارت جماعت اہل حدیث کے علماء وزعماء کا اجلاس منعقد ہوا تو مرکزی جمعیت اہل حدیث مغربی پاکستان کے نام سے جماعت کی تنظیم قائم کی گئی۔ جمعیت کا صدر مولانا سید محمد داؤد غزنوی کو، ناظم اعلیٰ پروفیسر عبدالقیوم کو اور ناظم مالیات میاں عبدالمجید کو منتخب کیا۔ بھٹی صاحب کو جمعیت کا ناظم دفتر بنایا گیا اور وہ اپنے گاؤں سے لاہور آ گئے۔ انہوں نے نہایت محنت کے ساتھ دفتری نظامت کا فریضہ سرانجام دینا شروع کیا اور دفتری نظام کو ایک باوقار جماعت کے شایان شان بنا دیا۔ مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے بعد مرکزی جمعیت اہل حدیث مغربی پاکستان کو مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان کہا جانے لگا۔

اگست ۱۹۴۹ء میں جمعیت اہل حدیث کی ترجمانی کے لئے ہفت روزہ اخبار ''الاعتصام'' جاری ہوا تو مولانا محمد حنیف ندوی کا بطور مدیر اور بھٹی صاحب کا بطور نائب مدیر تقرر عمل میں آیا۔ مئی ۱۹۵۱ء میں مولانا محمد حنیف ندوی ادارہ ثقافت اسلامیہ میں چلے گئے تو ان کی جگہ اس اخبار کا مدیر بھٹی صاحب کو بنا دیا گیا۔ یہ بہت بڑا اعزاز تھا جس کے بھٹی صاحب حق دار قرار پائے۔ انہوں نے انتہائی خوش اسلوبی سے ادارت کے فرائض سرانجام دیے اور اس کے کئی خاص نمبر شائع کئے، جن میں ایک ضخیم نمبر حجیت حدیث تھا جو فروری ۱۹۵۶ء میں شائع ہوا۔ اور ایک ۱۸۵۷ء نمبر تھا جو مئی ۱۹۵۹ء کو معرض اشاعت میں آیا۔ بھٹی صاحب کے اسلوب تحریر سے قارئین بہت خوش تھے۔ وہ کم وبیش سولہ سال اس منصب پر فائز رہے۔ اس اثناء میں اپنا اخبار سہ روزہ ''منہاج'' بھی جاری کیا، جس نے صرف چودہ مہینے عمر پائی۔ ۳۰ مئی ۱۹۶۵ء کو انہوں نے اخبار الاعتصام کی ادارت سے استعفیٰ دے دیا۔ یکم جولائی ۱۹۶۵ء کو لاہور (شیش محل روڈ) سے ہفت روزہ ''توحید'' جاری کیا گیا جس کے ایڈیٹر بھٹی صاحب اور نگراں حضرت مولانا سید محمد داؤد غزنوی کے فرزند گرامی پروفیسر سید ابوبکر غزنوی مرحوم تھے لیکن حالات ایسے پیدا ہوئے کہ ۱۸ ستمبر ۱۹۶۵ء کو (جب پاکستان اور ہندوستان کے درمیان جنگ ہو رہی تھی) بھٹی صاحب اس اخبار سے مستعفی ہو گئے۔ پھر یہ اخبار بند ہو گیا۔

اس وقت ادارہ اسلامیہ کے ڈائریکٹر ایم ایم شریف تھے۔ ۲۰ اکتوبر ۱۹۶۵ء کو ادارہ ثقافت اسلامیہ کے دو جلیل القدر اسکالر (مولانا محمد حنیف ندوی اور سید رئیس احمد جعفری) بھٹی صاحب کے گھر تشریف لائے اور میاں صاحب کا پیغام دیا کہ وہ ادارہ ثقافت اسلامیہ سے وابستگی اختیار کر لیں، چنانچہ ۲۱/اکتوبر ۱۹۶۵ء کو بھٹی صاحب ادارے سے بحیثیت ریسرچ فیلو وابستہ ہو گئے۔ اب ادارہ ثقافت اسلامیہ کیلئے ان کی خدمات ملاحظہ ہوں۔

۱۔ سب سے پہلے انہوں نے محمد بن اسحاق ابن ندیم وراق بغدادی (متوفی ۳۹۱ھ) کی کتاب الفہرست کا اردو میں ترجمہ کیا اور حل طلب مقامات پر حواشی لکھے۔

۲۔ برصغیر میں علم فقہ: صفحات ۴۰۰۔ یہ اس موضوع کی نہایت اہم اور پہلی کتاب ہے۔

۳۔ برصغیر میں اسلام کے اولین نقوش: اس میں بتایا گیا ہے کہ برصغیر میں پچیس صحابہ کرام ۴۲ تابعین اور ۱۸ تبع تابعین

تشریف لائے۔صفحات ۲۲۴۔

۴۔فقہائے ہند: دس جلدیں پہلی صدی ہجری سے تیرہویں صدی ہجری تک۔اس میں برصغیر کے تقریباً دو ہزار علماء وفقہا کے حالات درج ہیں۔صفحات ۳۶۵۰۔

۵۔ارمغان حنیف: مولانا محمد حنیف ندوی کے حالات میں صفحات ۳۷۲۔

تصنیف وتالیف کے علاوہ ادارہ ثقافت اسلامیہ کے ماہنامے 'المعارف' کی ادارت بھی ان کے ذمے تھی۔اس میں یہ اداریہ بھی لکھتے تھے۔کتابوں پر تبصرے بھی کرتے تھے۔مختلف موضوعات پر مضامین بھی لکھتے تھے۔

پی ایچ ڈی کے تین مقالے انہوں نے ایڈٹ کئے جو ادارے کی طرف شائع ہوئے وہ مقالے مندرجہ ذیل تھے۔

اردو نثر کے ارتقاء میں علماء کا حصہ (شمالی ہند میں ۱۸۵۷ء تک) یہ ڈاکٹر محمد ایوب قادری مرحوم کا مقالہ ہے۔اس مقالے پر بھٹی صاحب نے مقدمہ بھی لکھا۔قاضی ثناء اللہ پانی پتی: ڈاکٹر محمود الحسن عارف کا مقالہ

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اوران کی علمی خدمات: یہ ڈاکٹر ثریا ڈار کا مقالہ یہ جو اس وقت اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور کے شعبہ عربی کی چیئرمین پرسن تھیں۔وفات پا گئی ہیں۔اس مقالے پر بھی بھٹی صاحب نے مقدمہ تحریر کیا۔

پی ایچ ڈی کے مندرجہ بالا مقالوں کے علاوہ ایک مقالہ پروفیسر عبدالقیوم مرحوم کی صاحب زادی غزالہ حامد کا ایم اے کا مقالہ ہے،عنوان ہے ''شرح صحیح بخاری'' اس پر بھٹی صاحب نے مقدمہ لکھا۔

انہوں نے شاہ محمد جعفر پھلواروی کی کتاب ''پیغمبر انسانیت'' اور مولانا ابویحییٰ امام خاں نوشہروی کی کتاب ''فقہ عمر'' کی ایڈیٹنگ بھی کی۔ادارے کی طرف سے چھپنے والی بہت سی کتابوں پر انہوں نے فلیپ لکھے۔ادارے میں چھپنے کیلئے مختلف مصنفین کے جو مسودات آتے تھے انہیں پڑھنا اوران کی اشاعت سے متعلق فیصلہ کن رائے دینا انہیں کے ذمہ تھا۔انہوں نے ۳۲ سال ادارہ ثقافت اسلامیہ میں تصنیفی خدمات سرانجام دیں۔۱۶ مارچ ۱۹۹۷ء کو اس سے سبکدوش ہوئے۔

ادارہ ثقافت اسلامیہ کے علاوہ انہوں نے جو کتابیں تصنیف کیں وہ بہ ترتیب نمبر شمار مندرجہ ذیل ہیں۔

۶۔قصوری خاندان۔شائع کردہ مکتبہ تعلیمات اسلامیہ ماموں کانجن ضلع فیصل آباد، ۱۹۹۴ء صفحات ۲۰۸۔

۷۔نقوش عظمت رفتہ: ناشر مکتبہ قدوسیہ اردو بازار، لاہور۔۱۹۹۶ء، صفحات ۶۴۰۔

۸۔میاں فضل حق اوران کی خدمات: ناشر میاں فضل حق ویلفیئر ٹرسٹ لاہور، ۱۹۹۷ء صفحات ۲۴۴۔

۹۔چہرہ نبوت قرآن کے آئینے میں: اس کتاب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ قرآن کی روشنی میں بیان کی گئی ہے۔ناشر: علم وعرفان پبلشرز، اردو بازار، لاہور، ۱۹۹۹ء صفحات ۳۲۶۔

۱۰۔لسان القرآن (جلد سوم) ناشر: علم وعرفان پبلشرز۔لاہور ۱۹۹۹ء صفحات ۳۴۴ (اس کی پہلی اور دوسری جلدیں مولانا محمد حنیف ندوی نے لکھیں)۔

۱۱۔کاروان سلف: ناشر مکتبہ اسلامیہ فیصل آباد ۲۰۰۳ء صفحات ۵۱۰۔

۱۲۔قافلہ حدیث: ناشر مکتبہ قدوسیہ: لاہور صفحات ۶۴۵۔

۱۳۔برصغیر میں اہل حدیث کی آمد: ناشر مکتبہ قدوسیہ ۲۰۰۴ء صفحات ۳۴۸۔

۱۴۔بزم ارجمنداں: ناشر مکتبہ قدوسیہ، اردو بازار، لاہور ۲۰۰۶ء صفحات ۶۳۲۔

۱۵۔ہفت اقلیم: ناشر مکتبہ قدوسیہ، اردو بازار، لاہور ۲۰۰۹ء، صفحات ۵۰۵۔

۱۶۔تذکرہ صوفی محمد عبداللہ مرحوم ومغفور: ناشر مکتبہ سلفیہ شیش محل روڈ، لاہور ۲۰۰۶ء صفحات ۲۴۴۔

۱۷۔میاں عبدالعزیز مالواڈہ بیرسٹر: ناشر کتاب سرائے اردو بازار، لاہور ۲۰۰۶ء صفحات ۵۹۲۔

۱۸۔سیرت قاضی محمد سلیمان منصوری پوری: ناشر، مکتبہ سلفیہ شیش محل روڈ لاہور، ۲۰۰۷ء صفحات: ۴۹۶۔

۱۹۔اسلام کی بیٹیاں: ناشر مکتبہ قدوسیہ لاہور، صفحات ۶۰۰

۲۰۔تذکرہ مولانا غلام قلعوی: ناشر مولانا غلام رسول ویلفیئر سوسائٹی قلعہ میہاں سنگھ، ضلع گوجراں والا، ۲۰۱۲ء، صفحات ۵۲۸۔

۲۱۔برصغیر میں اہل حدیث کی سرگزشت: ناشر، مکتبہ سلفیہ، لاہور، ۲۰۱۲ء صفحات ۳۴۴۔

۲۲۔صدارتی واستقبالیہ خطبات: ناشر مکتبہ سلفیہ، لاہور، یہ وہ خطبات ہیں جو تحریری صورت میں مرکزی جمعیت اہل حدیث کی کانفرنسوں میں پڑھے گئے۔ ۲۰۱۲ء صفحات ۳۶۸۔

۲۳۔روپڑی علمائے حدیث: ناشر محدث روپڑی اکیڈمی، جامعہ قدس اہل حدیث۔ چوک دالگراں۔ لاہور ۲۰۱۱ء صفحات ۳۵۰۔

۲۴۔گزر گئی گزران: (خودنوشت) ناشر کتاب سرائے اردو بازار لاہور، ۲۰۱۱ء صفحات ۴۶۶۔

۲۵۔سوانح مولانا احمد الدین گکھڑوی: ناشر مکتبہ قدوسیہ لاہور ۲۰۱۱ء صفحات ۲۴۷۔

۲۶۔ترجمہ ریاض الصالحین: (دو جلد) صفحات ۸۷۲۔

۲۷۔ارمغان حدیث: ناشر طارق اکیڈمی، فیصل آباد ۲۰۰۸ء صفحات ۲۷۲۔

۲۸۔برصغیر میں اہل حدیث کی اولیات: ناشر دار ابی الطیب گلی نمبر ۵ حمید کالونی، گل روڈ گوجراں والا، ۲۰۱۲ء صفحات ۱۸۲۔

۲۹۔حضرت ابوبکر صدیق: ناشر الفیصل۔ اردو بازار، لاہور۔ ۲۰۱۰ء صفحات ۶۲۰۔

۳۰۔دبستان حدیث: ناشر مکتبہ قدوسیہ، لاہور ۲۰۰۸ء صفحات ۶۷۳۔

۳۱۔چمنستان حدیث: ناشر مکتبہ قدوسیہ، لاہور صفحات ۸۰۰۔

۳۲۔گلستان حدیث: ناشر مکتبہ قدوسیہ، لاہور ۲۰۱۱ء صفحات ۵۸۵۔

۳۳۔برصغیر کے اہل حدیث خدام القرآن: ناشر مکتبہ قدوسیہ، لاہور، صفحات ۷۰۰۔

۳۴۔تذکار مولانا محی الدین لکھوی: صفحات ۴۰۰۔

۳۵۔محفل دانشمنداں: زیر طبع، صفحات ۶۰۰۔

۳۶۔تذکرہ مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی۔ زیر طبع، صفحات ۲۰۰۔

۳۷۔ مقالات قرآن وحدیث: زیر طبع، صفحات ۴۰۰۔

بھٹی صاحب کی ایک تحریری خدمت یہ ہے کہ انھوں نے پنجاب یونیورسٹی کے انسائیکلو پیڈیا آف اسلام میں مختلف موضوعات پر پچاس سے زیادہ مقالے لکھے، جن میں پانچ مقالے قرآن مجید سے متعلق ہیں، وہ ہیں (۱) جمع وتدوین قرآن (۲) فضائل قرآن (۳) واقعات وقصص القرآن (۴) مضامین قرآن اور (۵) اعجاز قرآن۔ یہ مقالے دوسو سے زائد صفحات پر محیط ہیں۔ پھر مسجد، ملائکہ ، منافقون، مرتبین فتاویٰ عالم گیری کے عنوانات پر مقالات لکھے اور متعدد مقالات مختلف شخصیات کے بارے میں تحریر کئے، جن میں سے بعض چھپ گئے ہیں اور بعض اشاعت کے مراحل میں ہیں۔

ریڈیو پاکستان میں بھی بھٹی صاحب نے تقریریں کیں۔ پہلی تقریر ۲۵ دسمبر ۱۹۶۵ء کو ہوئی اور پھر یہ سلسلہ ۱۹۹۷ء تک جاری رہا۔ ان کی تقریریں صراط مستقیم، صحابہ کرام کے حالات، بزرگان دین کے واقعات، آیات بینات، زندہ تابندہ، سیرت طیبہ، کتابوں پر تبصرے اور اس قسم کے دیگر موضوعات پر اپنی رائے کا اظہار کرتے رہے، نیز پنجابی زبان سوہنی دھرتی اور فوجی بھائیوں کے بارے میں نشر ہونے والے پروگراموں میں بھی آپ کا سلسلہ گفتگو طویل عرصے تک جاری رہا۔

اس زمانے میں صرف سرکاری ٹیلی وژن ہوتا تھا۔ اس میں آپ کی پہلی تقریر ۲۷ جولائی ۱۹۷۲ء کو ''بصیرت'' پروگرام میں نشر ہوئی۔ جس کا دورانیہ پانچ منٹ کا تھا۔ پھر مختلف موضوعات پر ہونے والے پروگراموں میں آپ کی علمی رائے سے استفادہ کیا جاتا رہا۔ روزنامہ اخبار ''امروز'' اپنے عہد کا بہت بڑا اخبار تھا۔ بھٹی صاحب اس میں کئی سال جمعہ اور اتوار کو مضامین لکھتے رہے۔ کچھ عرصہ روزنامہ ''پاکستان'' (لاہور) میں ان کے مضامین چھپے۔ ماہنامہ ''قومی ڈائجسٹ'' (لاہور) میں بہت سی شخصیات پر ان کے تحریر کردہ خاکے چھپتے رہے۔ متعدد جرائد ورسائل میں ان کے مضامین کی اشاعت کا سلسلہ جاری رہا اور جاری ہے۔

ان کی خاکہ نگاری پر ایک خاتون پروفیسر فوزیہ سحر نے پنجاب یونیورسٹی کی طرف سے ''محمد اسحاق بھٹی کی خاکہ نگاری'' کے عنوان سے ایم فل کا مقالہ لکھا، جس کی ڈگری انہیں مل گئی۔ یہ مقالہ کتابی صورت میں چھپ گیا ہے۔

ایک مقالہ محمد انس سرور صاحب نے لکھا۔ اس کا عنوان ہے ''مولانا محمد اسحاق بھٹی کی سوانح نگاری فقہائے ہند کے تناظر میں'' یہ مقالہ پروفیسر ڈاکٹر محمد حماد لکھوی کی نگرانی میں مکمل ہوا۔ اس کی سند پنجاب یونیورسٹی کی طرف سے مقالہ نگار کو مل گئی۔

بھٹی صاحب پر بہت سے اہل قلم نے مختلف اخبارات ورسائل میں مضامین لکھے، ان میں سے جو مضامین مل سکے، وہ مولانا محمد رمضان یوسف سلفی نے مرتب کئے اور ابتداء میں طویل مضمون تحریر کیا۔ یہ مضامین ''مورخ اہل حدیث محمد اسحاق بھٹی۔ حیات وخدمات'' کے نام سے شیخ الحدیث مولانا محمد علی جانباز کے فرزند گرامی صاحب زادہ عبدالحنان جانباز نے اپنے مکتبہ رحمانیہ ناصر روڈ سیالکوٹ کی طرف سے کتابی صورت میں شائع کئے۔ یہ کتاب ۲۴۰ صفحات پر مشتمل ہے۔

بھٹی صاحب اس عہد کے بہت بڑے مصنف اور سکالر ہیں۔ صاحب طرز ادیب اور بہترین انشا پرداز۔ ان کی بہت سی تصانیف میں سے ہندوستان کے ایک اسکالر سید ابن احمد نقوی نے بعض شخصیتوں کے واقعات حیات کا انگریزی میں ترجمہ کر کے شائع کیا۔ انہی قابل احترام اسکالر نے بھٹی صاحب کی کتاب ''اسلام کی بیٹیاں'' سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے واقعات

وحالات کا ترجمہ انگریزی زبان میں کیا ہے۔

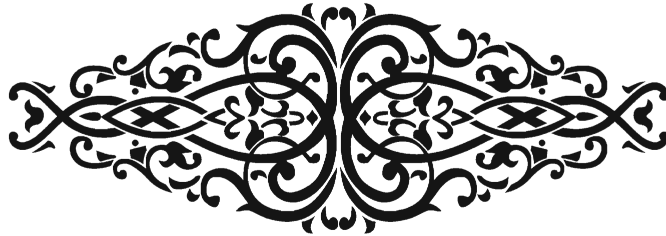
اپنی کتاب ''بزم ارجمندان'' میں مولانا ابوالکلام آزاد کے بارے میں بھٹی صاحب نے مضمون لکھا۔ یہ مضمون اس کتاب کے حوالے سے ہندوستان کے کئی اخباروں میں چھپا۔ پھر کتابی صورت میں ہندوستان کی بہت بڑی لائبریری (جو خدا بخش پٹنہ لائبریری کے نام سے مشہور ہے) کے شعبہ نشر واشاعت کی طرف سے کتابی صورت میں شائع کیا گیا۔ اس کے بعد صوبہ یوپی کے ایک شہر مئوناتھ بھنجن کے مکتبہ فہیم سے معرض اشاعت میں آیا۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ برصغیر کے علمی حلقوں میں بھٹی صاحب کی تحریروں کو بڑے شوق اور دلچسپی سے پڑھا جاتا ہے۔

ساتھ آٹھ مقامات میں بھٹی صاحب سے متعلق تقریبات کا انعقاد کیا گیا، جن میں اہل علم نے ان کی خدمات کی وضاحت کی اور انہیں شیلڈیں پیش کی گئیں۔ ایک تقریب جولائی ۲۰۰۸ء میں کویت میں منعقد ہوئی، جس میں کویتی اور کویت میں رہنے والے پاکستانی و ہندوستانی علمائے کرام نے تقریریں کیں اور بھٹی صاحب کو ان کی تحریری خدمات کی بنا پر ''مورخ اہل حدث'' کا خطاب دیا گیا۔ شیلڈ بھی پیش کی گئی۔

اکتوبر ۲۰۱۱ء میں کویت سے پھر دعوت آئی، وہ ان سے متعلق دوبارہ تقریب کرنا چاہتے تھے۔ مگر اپنی تصنیفی مصروفیات کی وجہ سے نہیں جا سکے۔ دبئی، قطر اور ہندوستان کے متعدد مقامات سے انہیں دعوت نامے موصول ہوئے۔ اپنی علمی و تصنیفی مصروفیات کی بنا پر ان دعوت ناموں کی بھی تعمیل نہیں کر سکے۔ (ماخوذ)

(ماہنامہ صراط مستقیم برمنگھم فروری ۲۰۱۶ء)





اور قلم چلتا رہا

مورخ اہل حدیث محمد اسحاق بھٹیؒ کی یاد میں

مولانا عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی

برصغیر ہندوپاک میں جماعت اہل حدیث کی تاریخ بے حد قدیم ہے، اور یہ دعوت، اصلاح معاشرہ، کلمہ حق کی سربلندی، گلشن توحید وسنت کی آبیاری اور وطن کے لئے سرفروشی جیسے عظیم کارناموں سے عبارت ہے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تعالیٰ کے عہد مبارک اور مختلف صحابہ کرام کی آمد سے لے کر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی، مسلم عہد حکمرانی، انگریزی استعمار اور پھر آزادی ہند تک برصغیر کی افق پر ہزاروں اہل حدیث جیالوں نے دعوت وتعلیم اور اصلاح وتربیت کے باب میں اپنی اپنی قربانیوں کے نہ جانے کتنے انمٹ نقوش چھوڑے ہیں، مگر یہ ہماری بدنصیبی کہیئے یا لاپرواہی کہ تاریخ کی ان عظمتوں کو قلم وقرطاس کے حوالہ نہ کیا جاسکا اور کما حقہ وسیع پیمانہ پر علماء اہل حدیث کی خدمات اور ان کی ہمہ جہت قربانیوں کو قلمبند نہ کیا جاسکا، غیروں نے اس کا فائدہ اٹھایا اور اس میں کتر بیونت کر کے جماعت کو حاشیہ پر ڈالنے کی سازش کی، اللہ جزائے خیر دے علماء اہل حدیث کے ان جیالوں کو جنہوں نے تاخیر سے سہی ان سنہری کرداروں کو قلمبند کرنے کی جسارت اور شروعات کی، مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی، مولانا محمد اسماعیل سلفی گجرانولہ، مولانا غلام رسول مہر، مولانا احمد دہلوی، مولانا ثناء اللہ امرتسری، اسلم سیف فیروز پوری، اور دیگر قلمکاروں نے اس سلسلہ کو آگے بڑھایا اور تاریخ اہل حدیث اور ان کی عظمتوں کے انمٹ نقوش اور قربانیوں کی سنہری داستان کو قلم وقرطاس کے حوالہ کرنا شروع کیا، مگر ایک طویل عہد رفتہ اور ہزاروں نفوس قدسیہ پر مشتمل ہونے اور وسعتوں وعظمتوں کے ایک لامتناہی سلسلے کی وجہ سے یہ کام ادھورا ہی رہ گیا، اور جذبات سردمہری کے شکار ہو گئے، ہندو پاک کا بٹوارہ ہو گیا اور صلاحیتیں منتشر ہو گئیں، ضرورت تھی کسی عبقری صاحب قلم اور وسیع المطالعہ مرد مجاہد کی جو تاریخ اہل حدیث کی عظمتوں کے اس وسیع سمندر میں اپنی ہستی گم کردے اور وہاں سے لعل وگہر اور سیپ وجواہر پارے نکال کر تاریخ کے صفحات پر بکھیر دے، الحمدللہ بے حد انتظار ومایوسی کے بعد رب العالمین نے اس ضرورت کی تکمیل کا بھی انتظام فرمادیا، بالآخر مشرقی پنجاب ریاست فریڈکوٹ کے رہنے والے، اور مولانا اسماعیل سلفی، عطاء اللہ بھوجیانی، رئیس احمد جعفری، مولانا داؤد غزنوی جیسے اساطین علماء کے حلقہ علم وفن سے خوشہ چینی کرنے والے ایک مرد مجاہد کو یہ سعادت حاصل ہوئی جسے دنیائے علم وادب اور ثقافت وتاریخ محمد اسحاق بھٹی کے نام سے جانتی ہے، اللہ نے انہیں اتنی توفیق دی کہ ۱۹۶۵ء میں جب قلم اٹھایا تو پچاس سالوں تک مسلسل وہ قلم چلتا رہا اور مختلف کتابوں اور تذکروں کے ذریعہ علماء اہل حدیث کی عظمتوں کے نقوش اجاگر کرتا رہا۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

چنانچہ آپ ایک معتبر مورخ، صحافی، تجزیہ نگار، خاکہ نگار، سوانح نگار کی حیثیت سے مشہور ومعروف ہوئے۔

۱۵ / مارچ ۱۹۲۵ء کو ریاست فرید کوٹ (مشرقی پنجاب) کے مشہور علاقہ کوٹ کپورہ میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم دادا محترم سے حاصل کی اور نحو وصرف، عربی زبان وادب کے لئے حضرت مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی کے در کی خوشہ چینی کی، آزادی سے پہلے گیانی ذیل سنگھ کی تحریک آزادی پرجا منڈل میں تن من سے شریک رہے مختلف قسم کی اذیتوں کے شکار چڑھے اور ۲۴ جولائی ۱۹۴۸ء کو پاکستان بننے کے بعد وہیں ہجرت کر گئے۔

میدان عمل میں قدم رکھا تو مولانا داؤد غزنوی، مولانا محمد اسماعیل سلفی اور مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی جیسے عباقرہ علم وہنر کا ساتھ ملا، برسوں آپ ان علماء کی قیادت میں مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان کے ناظم دفتر رہے، جماعت نے ہفت روزہ الاعتصام نامی مجلہ کا اجراء کیا اور مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی کو ایڈیٹر مقرر کیا، نیابت کے لئے اسحاق بھٹی پر نگاہ پڑی آپ کو نائب ایڈیٹر منتخب کر لیا گیا اور پھر بھوجیانی صاحب کے مستعفی ہونے پر برسوں ایڈیٹر رہے ۱۲ / اکتوبر ۱۹۶۵ء سے لے کر ۱۹۹۷ء تک مسلسل ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور سے وابستہ رہے، اور بحیثیت ریسرچ اسکالر اپنی صلاحیتوں کے موتی بکھیرتے رہے، اس ادارہ سے اس زمانے میں شیخ محمد اکرام، مولانا محمد حنیف ندوی، سید جعفر شاہ پھلواری اور رئیس احمد جعفری جیسے سرکردہ علماء کی ٹیم بھی وابستہ تھی، رب العالمین نے عمر کے آخری پڑاؤ سے پہلے مولانا اسحاق بھٹی کو اتنی توفیق دی کی تاریخ وسیرت اور سوانح وخدمات پر مشتمل ضخیم جلدوں کی شکل میں بے شمار کتابیں منظر عام پر آئیں اور مقبول خاص وعام ہوئیں، نقوش عظمت رفتہ، بزم ارجمنداں، کاروان سلف، قافلۂ حدیث، گلستانِ حدیث، دبستان حدیث، عارفان حدیث، چمنستان حدیث، تذکرہ قاضی سلیمان منصور پوری، تذکرہ مولانا غلام رسول قلعاوی، تذکرہ صوفی محمد عبداللہ، قصوری خاندان، ارمغان حنیف، تذکرہ مولانا اسماعیل سلفی، برصغیر میں اہل حدیث کی آمد، برصغیر میں اسلام کے اولین نقوش، فقہائے پاک وہند، میاں فضل حق اور ان کی خدمات، تذکرہ محدث روپڑی، برصغیر کے اہل حدیث خدام قرآن، برصغیر میں اہل حدیث کی تدریسی خدمات، برصغیر میں اہل حدیث کی اولیات، عربی کے تین ہندوستانی ادیب، آثار ماضی، محفل دانشمنداں، اسلام کی بیٹیاں، لسان القرآن، ترجمہ ریاض الصالحین، ترجمہ: فہرست ابن ندیم وغیرہ جیسی شاہکار اور مستند ومعتبر کتابیں ہیں، یہی وجہ ہے کہ آپ کی زندگی ہی میں آپ کی خدمات پر مقالے اور مضامین لکھے گئے، پروفیسر فوزیہ سحر ملک نے اپنے مقالے کے لئے آپ کی خاکہ نگاری کو عنوان بنایا اور ''محمد اسحاق بھٹی کی خاکہ نگاری'' پر ایک تحقیقی کتاب لکھی، جسے ادارہ قرطاس نے شائع کیا، الغرض وہ کام جسے ہم ادھورا سمجھتے تھے، اور جس کے پورا کرنے کی پوری جماعت منتظر تھی محمد اسحاق بھٹی نے اسے رب کی توفیق سے کما حقہ مکمل کر دیا اور قلم وقرطاس کا یہ مرد آہنی لکھتے لکھتے ۲۲ دسمبر 2015ء بروز منگل کو قضاء الٰہی کے مطابق اپنی عظمتوں اور ہنرمندیوں کے نقوش چھوڑ کر راہ ملک بقا ہو چلا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ غریق رحمت فرمائے، کروٹ کروٹ جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے، آمین تقبل یارب العالمین۔

❑❑❑

باب پنجم

مرحومین علمائے اہل حدیث

۲۰۱۷ء

ناموں کی ترتیب تاریخ وفات کے اعتبار سے رکھی گئی ہے

مولانا عبدالمجید اصلاحی رحمہ اللہ

حیات وخدمات

وفات جنوری ۲۰۱۷ء

بقلم ابونافع اعظمی

آج مورخہ ۱۸ر جنوری ۲۰۱۷ء فجر سے ایک گھنٹہ قبل میرے وطن جیراج پور سے فون آیا کہ میرے والد محترم مولانا عبدالمجید اصلاحی اچانک داعی اجل کو لبیک کہہ گئے، تب سے مسلسل شخصی اور سوشل میڈیا پہ سیکڑوں تعزیتی پیغامات موصول ہو رہے ہیں۔ ان تمام بہی خواہوں کا بیحد شکریہ۔ وجزاهم الله خير الجزاء دل قابو میں نہیں آرہا ہے لیکن پھر بھی ان کی زندگی کے کچھ گوشوں پہ روشنی ڈالنا مناسب حال لگتا ہے۔

والد محترم غالباً ۱۹۳۳ء میں جیراجپور، اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے، بچپن میں یتیم ہو گئے، ان کے والد وقت کے حاذق طبیب جناب حکیم عبدالحمید تھے جن کے بارے میں مولانا اسلم جیراجپوری رحمہ اللہ کے بڑے صاحبزادے ڈاکٹر معظم صاحب نے راقم سے ذکر کیا تھا وہ بھی نواب آف بھوپال کے یہاں مولانا اسلم جیراجپوری کے ہمراہ طبیب کی حیثیت سے ایک سال اور کچھ ماہ متعین رہے، ان کی پرورش ہماری چچیری پھوپھی مولانا قمرالدین صاحب اصلاحی کانپور کے شعراء کے استاد شاعر کی زوجہ قمرالنساء رحمہا اللہ کے ہاتھوں ہوئی۔ والد محترم آخری عمر تک انہیں حقیقی بہن بلکہ ماں کا درجہ دیتے رہے۔ ابتدائی تعلیم گاؤں کے سرکاری پرائمری ہندی میڈیم اسکول میں ہوئی لیکن اس وقت اردو اور دینیات بھی سرکاری نصاب میں شامل ہوتے تھے۔ بعد ازاں مدرسہ اصلاح سرائے میر میں عربی تعلیم کے لئے داخل ہوئے، چھٹیوں میں مولانا اسلم جیراجپوری صاحب سے استفادہ بھی کرتے رہتے، ۱۹۵۰ء کے قریب مدرسہ اصلاح سے امتیازی نمبروں سے پاس ہوئے اور فراغت کے بعد ہی چند سال عربی ادب وانشاء کی کلاسیں لینے کا موقع ملا، لیکن انہیں مزید علوم حاصل کرنے کی دھن سوار تھی، ان کے ہم عصر حضرات ان کے اندر بے پناہ صلاحیت اور ذہانت کا ذکر کرتے ہیں۔

چنانچہ ۱۹۶۰ء کے قریب انہوں نے لکھنؤ طبیہ کالج میں داخلہ لیا اور وہاں سے ایف ایم بی ایس آج کل کا بی یو ایم ایس کی ڈگری حاصل کی، پوری یونیورسٹی ٹاپ کیا اس کے بعد کا دوران کی زندگی میں بڑی آزمائش کا رہا، اس دوران انہوں نے تعلیم وتدریس کے علاوہ اپنی طبی پریکٹس مئو میں شروع کر دی لیکن ان پہ زبوں حالی کا دور دورہ تھا اور کہا جاتا ہے کہ ان کی ذہنی حالت تشویش زدہ تھی۔ راقم الحروف کی پیدائش انہیں حالات میں چار بہنوں کے بعد مئو میں غالباً ۱۹۶۷ء میں ہوئی۔ ۱۹۷۷ء تک ان کے حالات دگرگوں رہے تا آنکہ مولانا فراہی رحمہ اللہ کے پوتے اور مدرسہ اصلاح کے ناظم علی میاں رحمہ اللہ نے انہیں دوبارہ مدرسہ اصلاح میں مدعو کیا اس

کے بعد سے ان کی زندگی میں ٹھہراؤ دیکھنے کو ملا۔

والد محترم نے مدرسہ اصلاح میں طالب علمی کے دوران جن لوگوں سے خاص طور سے استفادہ کیا ان میں مولانا اختر احسن اصلاحی صاحب اور مولانا بدرالدین اصلاحی خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ وہ مولانا فراہی کے قرآنی نوٹس بزبانی مولانا اختر احسن سے استفادہ کا بھی ذکر کرتے رہتے تھے۔ اس کے علاوہ ان کی پریشانی کے دنوں میں مولانا قمرالدین صاحب اصلاحی جوان سے سات سال بڑے ہیں اور بقید حیات ہیں کو اپنا بڑا بھائی مانتے ہیں کہ انہوں نے اس دگرگوں صورتحال سے ان کو بخوبی نکالا تھا۔ انہوں نے غالباً ۱۹۷۲ء میں کچھ ماہ وسال جامعہ سلفیہ بنارس میں بھی تدریس کے فرائض انجام دیئے، وہیں مولانا عبدالحمید رحمہ اللہ رحمانی سے ملاقات ہوئی، والد صاحب معتدل سلفیت کے قائل تھے۔ مولانا رحمانی اور دیگر سلفی علماء ان کی صلاحیتوں کے بڑے معترف تھے یہی وجہ ہے کہ جب مولانا نے دہلی میں اپنا مدرسہ کھولا تو والد محترم سے مسلسل اپنے یہاں آنے کیلئے اصرار کرتے رہے۔ چنانچہ ۱۹۸۴ء سے ۱۹۸۷ء تک وہاں عربی ادب وانشاء کے استاذ رہے۔

(مولانا اصلاحی صاحب رحمہ اللہ نے ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر کے تعلیمی شعبہ میں کام نہیں کیا ہے بلکہ مکمل یکسوئی کے ساتھ زادالمعاد کے ترجمہ میں لگے رہے اور اس عرصہ میں اس کی ۵ جلدوں کا ترجمہ مکمل کیا۔ (عاشق علی اثری)

اس دوران انہوں نے مولانا رحمانی صاحب کے ایماء پہ امام ابن القیم کی شاہکار تصنیف (زادالمعاد فی ہدی خیرالعباد) کا ترجمہ بنام ''توشۂ آخرت'' کیا۔ پہلی جلد چھپی لیکن باقی جلدوں کے بارے میں راقم الحروف کو کوئی علم نہیں۔ اس دوران ماہنامہ ''التوعیہ'' میں مقالہ نگاری کا کام بھی کرتے رہے۔

غالباً ۱۹۵۰ء کے دہے میں والد محترم کی عربی صلاحیتوں کا ادراک اس وقت تمام علماء کو ہی تھا۔ والد محترم ماہرالقادری صاحب کے ماہنامہ ''الفاران'' میں وقتاً فوقتاً قرآنیات اور دیگر علوم پر مضامین بھی لکھتے رہے ہیں۔ ان کی صلاحیتوں کا علم وقت کے نابغہ مولانا مودودی علیہ الرحمہ کو بھی ہوا۔ ان کی دعوت پہ وہ دارالعروبہ کو جوائن کرنے پاکستان بھی گئے اور اس وقت دارالعروبہ کے ذمہ دار روح رواں مولانا مسعود عالم ندوی تھے، شاید مولانا خلیل حامدی صاحب کا ذکر بھی ابا کرتے تھے لیکن پاکستان کی آب وہوا ان کو راس نہیں آئی اور چند ہفتوں میں وہ ہندوستان واپس آگئے۔ ۱۹۷۷ء میں جب والد صاحب نے مدرسہ اصلاح دوبارہ جوائن کیا تو راقم الحروف کو وہاں مکتب درجہ چہارم میں داخل کرایا۔ اس دوران اندازہ ہوا کہ والد محترم نونہالان قوم کے لئے سیرت پہ اپنی کتاب رہبر کامل مرتب کررہے ہیں وہ کتاب شائع ہوئی اور آج بھی بعض مکاتب میں شامل نصاب ہے۔ مدرسہ اصلاح اپنی دوسری اننگ کے دوران انہوں نے ابتدائی عربی طلبہ کے لئے القراءۃ العربیہ دوحصوں میں مرتب کی جو آج بھی اصلاح کے نصاب میں شامل ہے جن دنوں وہ دہلی میں مقیم تھے اسی دوران انہیں ایک سرکاری طبی ادارہ NCPUL نے ابن ابی اصیبعۃ کی طب پہ مشہور کتاب طبقات الاطباء کا پروجیکٹ ملا جس کی بیشتر جلدوں کا انہوں نے فصیح اردو میں ترجمہ کیا۔ ۱۹۸۷ء کے اختتام یا ۱۹۸۸ء کے آغاز پہ والد محترم اپنے گاؤں منتقل ہوگئے۔ گاؤں پہ والدہ رحمہا اللہ نے گھر کے اندر گاؤں کی بچیوں کے لئے ناظرہ قرآن اور اردو کی بنیادی تعلیم کی نرسری کھول رکھی

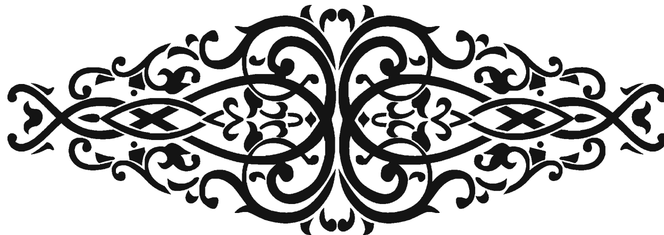
تھی۔ والدمحترم نے پڑوس میں زمین لے کر باقاعدہ بچیوں کا اسکول قائم کردیا جہاں آج بھی گاؤں اور پاس پڑوس کی بچیاں زیر تعلیم ہیں۔ اس دوران وہ سماجی وملی ودینی سرگرمیوں میں مصروف رہے۔ کئی سال جماعت اہل حدیث کے ضلعی ناظم رہے لیکن اپنی معتدل اور سماجی طبیعت کی وجہ سے ہر حلقے میں محبوب رہے۔ گاؤں کی جامع مسجد بنوائی اور اس میں کھیت بیچ کر آج سے بیس سال قبل پچاس ہزار کی خطیر رقم اپنی جیب خاص سے ادا کی۔ ایک اور مسجد پڑوس کے ہندو گاؤں میں بنوائی جہاں دو چار کمزور گھر مسلمانوں کے تھے۔ ۲۰۱۰ء میں والدہ کے گزر جانے کے بعد بڑا حوصلہ رکھا، آخری سالوں میں بینائی سے محروم ہونے کے باوجود سرگرم عمل رہے، والدہ کے نام سے غریب ونادار بچیوں کے لئے فنڈ قائم کیا۔ ایک بہت اہم صفت تھی کہ وہ تعاون کا ہاتھ بڑھانے میں ہندو مسلم کا بھید بھاؤ نہیں کرتے تھے۔ ابھی ہفتہ دس روز پہلے ایک ہندو لڑکی کی شادی میں خود بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور ہم لوگوں کو ترغیب دیتے رہے، ویسے تو ان کے تلامذہ اور ان کے جاننے اور چاہنے والوں کا وسیع حلقہ ہے لیکن بطور خاص ان کے تلامذہ میں دارالمصنفین کے ڈائریکٹر پروفیسر ڈاکٹر اشتیاق احمد ظلی صاحب، جناب مولانا عبدالمجید ندوی صاحب، ڈاکٹر مظفر احسن اصلاحی صاحب، جناب سرفراز اصلاحی ندوی مدرس مدرسہ اصلاح، جناب ابوالفیض صاحب اصلاحی مدنی، مولانا محمد عارف صاحب عمری، ڈاکٹر صفدر سلطان اصلاحی مسلم یونیورسٹی علی گڈھ، ڈاکٹر اشہد رفیق ندوی اور ڈاکٹر ایاز اصلاحی، پروفیسر عرب اسٹڈیز لکھنو یونیورسٹی کے اسماء گرامی نمایاں ہیں۔

اس کے علاوہ ماہنامہ ''نوائے اسلام'' کے مولانا عبدالعزیز سلفی حفظہ اللہ اور ان کے رفقاء والد صاحب کے خاص شیدائیوں میں سے ہیں۔ ان لوگوں کی دعوت پہ کسی سلفی عالم کے سانحۂ ارتحال پہ ابانے **فما کان قیس ھلکہ ملک واحد ولکنہ بنیان قوم تھدما** کے عنوان سے نوائے اسلام میں تاثراتی مضمون شروع کیا تھا۔ آج صبح سے بہی خواہان کے اتنے تعزیتی پیغامات موصول ہو رہے ہیں کہ میرا دل بھر آیا ہے۔ بقول شاعر۔

اک دھوپ تھی جو اٹھ گئی آفتاب کے۔ ذہانت، مجاہدہ اور انقلابیت کے نقیب: مولانا عبدالمجید اصلاحی نہ رہے۔

(ماہنامہ التبیان دہلی، فروری ۲۰۱۷ء)





مولانا عبدالمجید اصلاحی جیراجپوریؒ

عزیز عمر سلفی، نوائے اسلام

عربی زبان وادب کی عہد آفریں شخصیت مولانا عبدالمجید اصلاحی نے ۱۸؍جنوری ۲۰۱۷ء مطابق ۱۹؍ربیع الآخر بروز چہار شنبہ طلوع فجر سے قبل ۸۵ سال کی عمر میں داعی اجل کو لبیک کہہ دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا عبدالمجید اصلاحی جیراجپوری ہندوستان کے نامور عالم دین اور زبردست ادیب تھے۔ وہ جیراجپور کی علمی روایت کے پاسدار تھے۔ جیراجپور مولانا سلامت اللہ جیراجپوری، مولانا اسلم جیراجپوری، مولانا اسحاق جیراجپوری، مولانا مصلح الدین جیراجپوری، مولانا ضیاء الدین اصلاحی (مدیر معارف) رحمہم اللہ اور ڈاکٹر شمیم جیراجپوری سابق وائس چانسلر مولانا آزاد یونیورسٹی حیدرآباد جیسے بڑے بڑے علماء ودانشوران کی سرزمین رہی ہے۔ جیراجپور سے ملحق بندول گاؤں ہے جہاں کی خاک سے علامہ شبلی نعمانی اٹھے اور بین الاقوامی شہرت کے حامل ہوئے۔ مولانا عبدالمجید اصلاحی جیراجپوری کی ایک مضبوط علمی کڑی تھی۔ ذیل میں ان کی حیات مستعار کے چند نقوش سپرد قرطاس کئے جارہے ہیں۔

مولانا عبدالمجید اصلاحی یکم جولائی ۱۹۳۲ء میں اعظم گڑھ کے مردم خیز مقام جیراجپور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اسلامی مکتب اور سرکاری اسکول میں حاصل کی۔ والد محترم حکیم عبدالحمید ایک باعمل اہل حدیث عالم تھے اور تجربہ کار طبیب تھے۔

۱۹۴۵ء میں جامعہ الہیات کانپور میں عربی اور انگریزی پڑھی۔ عربی میں نحو وصرف اور زبان وادب نیز قرآن وحدیث کی ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ پھر ۱۹۴۹ء میں مدرسۃ الاصلاح سرائے میر اعظم گڈھ میں داخلہ لیا، جہاں سے ۱۹۵۳ء میں سند فراغت حاصل کی۔ فراغت کے فوراً بعد مدرسۃ الاصلاح کے اندر زبان وادب کی تعلیم پر مامور ہوئے۔

۱۹۵۹ء میں تکمیل الطب۔ طبیہ کالج۔ لکھنؤ میں داخلہ لیا اور پانچ سال تک زیر تعلیم رہ کر یہاں سے ایف ایم بی ایس کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۶۴ء میں مئوناتھ بھنجن کے اندر مطب شروع کیا۔ مئو کے علماء ومشائخ سے روابط مضبوط ہوئے۔

۱۹۷۰ء میں تکمیل الطب کالج لکھنؤ میں پیتھالوجی کے لیکچرار کی حیثیت سے تقرر ہوا۔

چند ماہ کے بعد دوبارہ عربی زبان وادب کے استاذ کی حیثیت سے مدرسۃ الاصلاح میں مفوض ہوئے۔

کچھ دنوں تک عدم صحت اور دماغ میں تیزی کے عارضہ کی وجہ سے اصلاحی صاحب نے سب کچھ خیر باد کہہ دیا تھا۔ مولانا عبدالحمید رحمانی مرحوم کے تدریسی دور میں جب وہ جامعہ رحمانیہ بنارس میں استاذ تھے تو اصلاحی صاحب ان کے پاس ہفتوں مقیم رہے اور جب مولانا رحمانی نے مرکزی جمعیۃ اہل حدیث کی نظامت سنبھالی تو اصلاحی صاحب کو دہلی بلالیا اور دینی صحافت میں ان کی معاونت حاصل کرلی۔ مولانا عبدالحمید رحمانی کی نظامت سے سبکدوشی سے پیشتر اصلاحی صاحب نے دہلی کو خیر باد کہہ دیا اور پھر متاع گمشدہ

ہو گئے اور پھر مولانا رحمانی کی خواہش پر ان کی دوبارہ بازیابی ہوئی۔

۱۹۸۰ء میں مرکز ابوالکلام آزاد دہلی نے ان سے تصنیف وترجمہ کا اردہ بنایا مگر وہ کسی بھی عنوان پر دستیاب نہیں ہوئے۔ مدیر نوائے اسلام نے ان کی کھوج لگائی، ان کو تیار کیا اور وہ پھر کنوارہ گھنی سے چل کر انوارالعلوم املومبارکپور آئے۔ مدرسہ کے انتظامیہ کو چارج دیا اور حسب وعدہ کچھ دنوں بعد دہلی پہنچ گئے اور امام ابن القیم کی معروف ومعرکۃ الآرا کتاب زادالمعاد کا ترجمہ ''توشہ آخرت'' کے نام سے کیا۔ ۱۹۸۵ء تک وہ جامعہ محمدیہ مالیگاؤں، جامعۃ الرشاد اعظم گڈھ جیسے اداروں میں عربی زبان وادب اور انشاء کے منتہی درجات کے اسباق پڑھاتے تھے۔ ان کی علمی قابلیت کے قائل حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی رحمہ اللہ بھی تھے۔

اصلاحی صاحب انتظامی امور میں دلچسپی رکھتے تھے۔ دہلی آنے سے قبل اپنی ننہال پرسیا بڑہرا ضلع مہراج گنج یوپی میں درسگاہ اسلامیہ کے نام سے ایک تعلیمی ادارہ قائم کیا تھا جو وسائل کی کمی کی وجہ سے جلد ہی بند ہو گیا۔ ۱۹۸۶ء میں جامعہ نگر نئی دہلی میں مسلم بچیوں کی پہلی درسگاہ (جس کے موسس عبدالرزاق صاحب مرحوم تھے) میں منتظم کار بنے۔ اس کے ساتھ طبی کتابوں کے تراجم کا کام بھی شروع کر دیا۔ اسی دوران ۱۹۸۶ء میں اپنے وطن جیراج پور اعظم گڑھ میں اسلامیہ نسواں اسکول کی بنیاد اپنے گھر کے صحن میں ڈال دی جواب المدرسۃ الاسلامیہ للبنات کے نام سے علاقہ کا تناور اور سایہ دار درخت بن چکا ہے اور کثیر تعداد میں بچیاں زیر تعلیم ہیں:۔

مولانا اصلاحی مرحوم نے اہل حدیث اور جماعت اسلامی کے مختلف اخبارات ورسائل میں مضامین لکھے اور تراجم شائع کروائے۔ علاوہ ازیں بچوں کے لئے ایک کتاب رہبر کامل صلی اللہ علیہ وسلم کے عنوان سے ترتیب دی جو مدارس اسلامیہ میں داخل نصاب ہے۔ اسی طرح القرأۃ العربیہ کے نام سے دو عربی ریڈرز لکھیں جو نحوی وصرفی مسائل کے پہلو بہ پہلو چلنے والی ریڈر ہے جو مدرسۃ اصلاح اور دیگر مدارس کے ابتدائی سالوں میں داخل نصاب ہے۔ عربی میں جامعۃ الرشاد اعظم گڈھ اور مدرسۃ الاصلاح کا تعارف لکھا۔ اس کے بعد ''نصیحتیں ووصیتیں'' کے عنوان سے بھی اردو میں ایک کتاب مرتب کی جس میں پیغمبروں کے بیٹوں کے نام، مصلحین اور دانشوران عالم کی وصیتیں اور ہدایات درج کی گئی ہیں۔ چند کتابوں کے ترجمے بھی کئے جو متعدد بار مختلف اداروں کی طرف سے شائع ہو چکے ہیں۔ ان میں سے ایک ''البناء والھدم فی الدعوات'' دکتور عبدالعزیز کامل کی کتاب ہے جس کا ترجمہ ''دینی تحریکوں میں بناؤ وبگاڑ کا مفہوم'' رکھا ہے، جو مکتبہ ترجمان دہلی سے شائع ہوئی تھی۔ اسی طرح سید قطب شہید کی کتاب نحو مجتمع اسلامی کا ترجمہ ''اسلامی سماج اور اس کی تعمیر'' کے نام سے کیا جس کو محمود الحسن الہ آبادی نے اہتمام کے ساتھ اپنے یہاں بھیونڈی سے شائع کیا۔ علامہ البانیؒ کی کتاب ''**حجاب المرأۃ**'' اور خطیب بغدادی کی ''**الخطوط العریضہ**'' کا ترجمہ ''آڑی ترچھی لکیریں'' کے نام سے کیا ہے۔

زادالمعاد کے ترجمہ کا ذکر پہلے آ چکا ہے۔ یہ کتاب ''**زادالمعاد فی ھدی خیر العباد**'' بہ تحقیق شعیب ارناؤط وعبدالقادر ارناؤط پانچ جلدوں میں محققین کی تخریجات وتعلیقات کے ساتھ ساتھ ہوئی ہے۔ ان پانچوں جلدوں کا ترجمہ ابوالکلام آزاد للتوعیہ الاسلامیہ نئی دہلی کے ادارہ معہد الدراسات الاسلامیہ جوگابائی کے زیر اہتمام کئی سال پہلے شائع ہو چکا ہے۔

طبی کتابوں کے تراجم میں اصلاحی صاحب کو بہت ملکہ حاصل تھا۔ ابن ابی اصیبعۃ کی کتاب ''عیون الانباء فی طبقات الاطباء'' کا دو جلدوں میں ترجمہ کیا ہے۔ اس کتاب میں مشہور اطباء وعلماء کی اہم تحریکوں اور نسخوں کے تراجم شامل ہیں، جس کو حکومت ہند کا ادارہ سنٹرل کونسل فار ریسرچ ان یونانی میڈیسن نئی دہلی نے شائع کیا ہے۔

امام زکریا رازی کی عظیم تالیف ''الحاوی فی الطب'' ہے۔ جو عربی زبان میں طبی انسائیکلو پیڈیا ہے۔ اس کتاب میں طب کے ہر مسئلہ نیز یونانی عربی اطباء کی آرا نقل کی گئی ہیں۔ اس کی چار جلدوں کا ترجمہ کیا۔ اس کے بعد اس خدمت سے خود کو الگ کرلیا تھا۔ طب کی بڑی اہم کتاب المعالجات البقراطیہ نظر ثانی فرمائی۔ یہ کتاب دس مقالات پر مشتمل ہے۔

دلی چھوڑنے کے ساتھ ''الحاوی فی الطب'' کے ترجمہ کا کام رک گیا۔ حکومت نے کچھ اور لوگوں کو اس کام پر مامور کیا۔ اب یہ بڑا علمی کام کہاں تک پہنچا ہے معلوم نہیں ہے۔ اصلاحی صاحب پھر اپنے قائم کردہ مدرسۃ البنات الاسلامیہ جیراجپور کے لئے وقف ہو گئے اور آخری دم تک اسی کے لئے کوشاں رہے۔

مولانا عبدالمجید اصلاحی علم کے کشکول تھے۔ ابن روشن کے نام سے مضامین ومقالے لکھتے تھے۔ لیٹر پیڈ پر ان کا پتہ دارالفکر جیراجپور اعظم گڈھ چھپتا تھا۔ اصلاحی صاحب کو بہت سے اہل علم کے ساتھ کام کرنے کا اتفاق ہوا ہے۔ مولانا مودودی کی دعوت پر دارالعروبۃ میں مولانا مسعود عالم ندوی کے ساتھ کام کرنے کا تجربہ رکھتے تھے۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اور مولانا وحیدالدین خان کی تفسیری کوششوں کو اسلاف کے منہج کے خلاف گردانتے تھے۔

محدث عصر شیخ الحدیث علامہ عبیداللہ رحمانی مبارکپوری صاحب کی مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح کے بے حد قدرداں تھے۔ حضرت شیخ الحدیث کو ہندوستان کا امام طاؤس کہتے تھے۔ وہ تمام معاملات میں شیخ الحدیث مبارکپوری سے رجوع کرتے تھے حتیٰ کہ طب وصحت میں بھی صلاح ومشورہ لیتے تھے۔ مفتی عبدالعزیز اعظمی عمری کے تبحر علمی اور ان کی ظرافت کے بہت گرویدہ تھے ان کو مکمل مفتی تسلیم کرتے تھے۔ ان کے فتاوے اور سعودی مفتی اعظم شیخ ابن باز کے فتاویٰ کو ہم مزاج قرار دیتے تھے۔ دونوں کے تفقہ وتوسع کے بہت قائل تھے۔

حکیم ابوالحسن عبیداللہ رحمانی رائے بریلی طب میں اصلاحی صاحب کے استاذ تھے۔ حکیم عبیداللہ رحمانی ہندوستان کے چوٹی کے عالم تھے۔ کشمیر میں طبیہ کالج قائم ہوا تو ان کو پرنسپل کے طور پر انہیں بلایا گیا تھا اور وہیں سے ان کے نام کے ساتھ کشمیری جڑ گیا۔ حکیم عبیداللہ کشمیری اصلاحی صاحب کی ادبی صلاحیت کے معترف تھے۔ دلی میں متعدد بار ایک دوسرے سے علمی مذاکرہ کرتے دیکھا گیا ہے جہاں گنجہائے دفینہ کا مشاہدہ اہل علم حضرات خوب کرتے تھے۔

اصلاحی صاحب جب بھی دہلی آتے تو نوائے اسلام کے دفتر میں قیام فرما ہوتے اور دہلی کے اپنے احباب ومتعلقین سے ملاقات کرتے تھے۔ کبھی کبھار دفتر سے بھی کسی کو ساتھ لے لیتے تھے۔ صوفی نذیر احمد کاشمیری، مولانا ابواللیث اصلاحی، مولانا وحیدالدین خان، صحافی محفوظ الرحمن، ڈاکٹر محبوب احمد اور الطاف الرحمن اعظمی وغیرہم ان کے ملاقاتیوں کی ہر فہرست میں رہتے تھے۔ آخری بار دو سال قبل دہلی آئے تھے۔ ان کی بینائی تیزی سے رخصت ہو رہی تھی وہ ممبئی، بھیونڈی ہو کر دہلی آئے تھے، سفر آخرت سے قبل

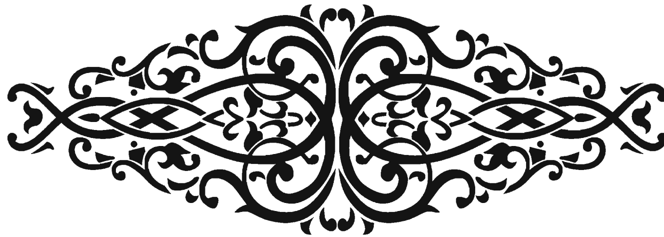
دوروز قیام کے بعد اپنی بیٹی کے پاس ہلدوانی گئے، وہاں آنکھ کا علاج کرایا، پھر اعظم گڈھ لوٹ گئے، مگر بینائی رکی نہیں، اس کے باوجود ضلع مہراج گنج میں پرتاول، نچلول وغیرہ کا دورہ کیا اور لوگوں سے ملاقاتیں کی۔ وہ آخر آخر تک زندہ دلی اور کشادہ طبعی کا مظاہرہ کرتے رہے۔ ان کی مجلس میں کبھی کوئی بور نہیں ہوتا تھا وہ بے تکلف زندگی گزارتے تھے۔ وہ جس قدر پرمزاج تھے، اسی قدر سنجیدہ بھی تھے۔ ان سے جو شخص ملتا وہ ان کو ہمیشہ یاد رکھتا تھا اور وہ جس سے ملتے، اسے اس کے نام، گاؤں یعنی پورے ایڈریس کے ساتھ اس کو یاد رکھتے تھے۔

اصلاحی صاحب کی کمزوری بیڑی اور سگریٹ نوشی تھی۔ اس نے انہیں بری طرح جکڑ رکھا تھا۔ قدرشناس ان کو بیڑی کا بنڈل تھما کر بند کمرے میں مقالے لکھوا لیتے تھے۔ سفر آخرت سے پیشتر کئی سال پہلے سے بیڑی سے آزاد ہو چکے تھے۔ قوت سماعت وقوت بصارت دونوں سے محروم ہو چکے تھے مگر قوت سماعت قابل توجہ تھی۔ ان کی عیادت کے لئے جب کسی صاحب علم کا ورود ہوتا تو علمی نکات سے اس کے دامن کو بھر دیتے تھے۔ ڈاکٹر رضاء اللہ مبارکپوری مرحوم نے ایک بار دوران گفتگو فرمایا کہ آپ کے اندر سے فراہیت بول رہی ہے۔ اصلاحی صاحب نے اُس کی تردید کی اور کہا علم کا دریچہ کھلا ہوا ہے اس پر کسی شخصیت کا اجارہ نہیں ہے۔ وہ علم کی بالادستی کے قائل تھے۔ بے سروپا کی باتوں پر دھیان نہیں دیتے تھے۔ مولانا عبدالمعید سلفی کی عربی ادب اور ان کی علمی صلاحیت کی ستائش کرتے تھے۔ مولانا ابوالکلام احمد صاحب کو تدریس کا مرد آہن کہتے تھے۔ مئوناتھ بھنجن سے ان کا تعلق خاطر خواہ تھا۔ وہاں کے بہت سے خواص اور علماء کا ذکر کرتے تھے۔ مولانا عزیز الحق اور مولانا محفوظ الرحمن فیضی کو بڑی علمی شخصیت مانتے تھے۔

متحدہ بستی گونڈہ کے علماء مشائخ میں سب سے ان کے تعلقات تھے اور سب ان کی علمی قابلیت کے معترف تھے۔ اصلاحی صاحب کو کشمیر سے کنیا کماری تک کے لوگ ان کی علمی خوبیوں کی وجہ سے پہچانتے تھے۔ اور ان کے بارے میں پوچھتے رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اپنی جوار رحمت میں جگہ دے۔ آمین ۔ بہر حال اصلاحی صاحب اب ہمارے درمیان نہیں رہے مگر ان کی یادیں برابر ساتھ رہیں گی۔ (ادارہ)

(ماہنامہ نوائے اسلام، فروری ۲۰۱۷ء)





فرسان القلم مولانا عبدالمجید اصلاحی جیراجپوری رحمہ اللہ

انصار بن زبیر محمدی الاعظمی

ہمارے مشک کی قیمت وہی بتائیں گے

ختن سے دور جو زخمی غزال ہیں چپ چاپ

فضا ابن فیضی

ہندو پاک میں علامہ ابن تیمیہ اوران کے شاگرد علامہ ابن قیم کو جن چند علماء نے اردو زبان میں سب سے پہلے متعارف کرایا ہے، ان میں جماعت اہل حدیث کا خاندان غزنویہ، علامہ شبلی نعمانی، مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی کے بعد ماضی قریب میں ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری، مولانا عبدالمجید اصلاحی اور ڈاکٹر عبدالرحمان الفریوائی کا نام سرفہرست ہے، زیر نظر تحریر میں مولانا اصلاحی رحمہ اللہ کا مختصر تذکرہ پیش خدمت ہے۔

مولانا عبدالمجید اصلاحی جیراجپوری رحمہ اللہ قلم کے شہسوار، تواضع کے پہاڑ، علم وفن کے شناور، زبان وادب کے ترجمان، اور گدڑی میں لعل کی حیثیت رکھتے تھے، ۱۸ رجنوری ۲۰۱۷ء کی صبح ان کی وفات ہوگئی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا عبدالمجید بن عبدالحمید اصلاحی جیراجپوری رحمہ اللہ کی پیدائش ۱۹۳۲ء میں ہندوستان کے صوبہ اتر پردیش کے ایک مردم خیز ضلع اعظم گڑھ کی ایک علمی بستی جیراجپور میں ہوئی، جیراج پور ضلع اعظم گڑھ کے شمال میں ایک اہل حدیث بستی ہے، جو مولانا اسلم جیراج پوری، مولانا سلامت اللہ جیراج پوری رحمہم اللہ جیسے علماء کا مسکن رہا ہے، جیراج پور کے سامنے سڑک کے اس پار بندول نامی بستی بھی ہے، جہاں علامہ شبلی نعمانی جیسی شخصیتوں نے جنم لیا ہے، دونوں بستیوں میں تنافس اور مسابقہ آرائی کا ایک خوشگوار ماحول رہا ہے، جس کے نتیجہ میں وہاں سے ملک کی کئی یونیورسٹیوں کو وائس چانسلر، پروفیسر، لکچرر، اوراعلیٰ درجہ کے سرکاری افسران، وزراء اور سیاستداں بھی میسر ہوئے، لیکن ان تمام میں اہل علم کی شان ہی نرالی رہی ہے، پروفیسر شمیم جیراجپوری سابق وائس چانسلر مولانا ابوالکلام آزاد یونیورسٹی، حیدرآباد، ڈاکٹر نسیم سابق وائس چانسلر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، موجودہ دور میں ڈاکٹر مفضل مدنی جیراجپوری، استاذ جامعہ اسلامیہ سنابل نیو دہلی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

مولانا عبدالمجید اصلاحی جیراجپوری رحمہ اللہ اپنے والدین کی اکلوتی اولاد ہونے کی وجہ سے بڑی آزاد طبیعت کے مالک ہونے کے ساتھ انتہائی جفاکش اور بلند عزم وحوصلہ کے مالک بھی تھے، اس لئے کہ حالات سے نبرد آزمائی آپ کو عہد طفولیت ہی سے ملی تھی، جب آپ چار ماہ کے تھے تو آپ کی والدہ کی وفات ہوگئی، آپ کے والد عبدالحمید صاحب علاقہ کے مشہور حکیم

اور طبیب تھے، آپ کی والدہ کی وفات کے بعد آپ کی رضاعت کا بڑا عمدہ انتظام کیا، یہی وجہ ہے کہ آپ کی کئی رضاعی مائیں تھیں، جن کا آپ بڑا احترام کیا کرتے تھے، پھر جب آپ چار سال کے ہوئے تو والد محترم بھی وفات پا گئے، اس کے بعد آپ کی چچی خدیجہ خاتون نے آپ کی پرورش کی۔

ابتدائی تعلیم گاؤں کے سرکاری ہندی پرائمری اسکول میں حاصل کی، جہاں اردو اور دینیات کا نظم تھا، اس کے بعد اپنے چچا زاد بھائی مولانا ایوب اصلاحی جیراجپوری کی زیر سرپرستی اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے علاقہ کی معروف درسگاہ مدرسۃ الاصلاح سرائے میر ضلع اعظم گڑھ میں داخلہ لیا، اور وہاں اپنی تعلیم مکمل کی۔ مدرسۃ الاصلاح سرائے میر کو ان دنوں ندوۃ العلماء لکھنؤ کے بعد بڑا مقام حاصل تھا۔

مدرسۃ الاصلاح سرائے میر کے بانی مولانا محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ ضلع اعظم گڑھ کی ایک بستی سیدھا سلطان پور کے رہنے والے تھے، جو شیخ الکل فی الکل میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ کے شاگرد تھے۔ مولانا فیض اللہ مئوی جنہوں نے ۱۲۸۵ھ ۱۸۶۸ء میں مدرسہ عالیہ (اب جامعہ عالیہ) مئو قائم کیا تھا، میاں صاحب کے ہم عصر تھے، مدرسہ عالیہ قائم کرنے سے پہلے آپ اعظم گڑھ میں پڑھاتے تھے، جہاں فخر اعظم گڑھ علامہ شبلی نعمانی اور بانی مدرسۃ الاصلاح مولانا شفیع صاحب رحمہما اللہ نے آپ سے تعلیم حاصل کی۔ میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد جب مولانا شفیع صاحب اپنے وطن واپس لوٹے تو انہوں نے اپنے دیار میں اصلاح معاشرہ کے نام سے ایک تحریک قائم کی جو بعد میں مدرسۃ الاصلاح کے قیام کا سبب بنی۔ (مزید تفصیل کے لئے دیکھئے تذکرہ علماء اعظم گڈھ، حیات شبلی۔ الحیات بعد الممات ۱۰۴۔)

اللہ کے فضل اور توفیق سے ندوۃ العلماء لکھنؤ کی طرح مدرسۃ الاصلاح سرائے میر کے قیام اور اس کی آبیاری میں بھی علماء اہل حدیث کا کلیدی کردار رہا ہے، شیخ الحدیث علامہ عبید اللہ رحمانی مبارکپوری رحمہ اللہ کے ایک شاگرد پروفیسر حکیم عبید اللہ رحمانی کشمیری رحمہ اللہ وہاں شیخ الحدیث رہ چکے ہیں، دور طالب علمی میں خوش قسمتی سے حکیم عبید اللہ رحمہ اللہ سے راقم کو بھی استفادہ کی سعادت حاصل رہی ہے، آپ فرماتے تھے کہ مدرسۃ الاصلاح میں تدریس کے لئے میں اپنے استاذ شیخ الحدیث مولانا عبید اللہ مبارک پوری رحمہ اللہ کے حکم پر گیا تھا، پہلے سال میں نے وہاں صحیح بخاری و مسلم پڑھائی، اس کے بعد منطق و فلسفہ بھی میرے حصہ میں آئی تو میں نے اسے بھی پڑھایا۔

مولانا عبد المجید اصلاحی نے ۱۹۵۰ء میں مدرسۃ الاصلاح سے اپنی تعلیم مکمل کی، اور مادر علمی کی نسبت کرتے ہوئے اصلاحی کہلائے۔ اور فضیلت کے بعد وہاں کی انتظامیہ نے انہیں اونچی کلاسوں کو عربی زبان وادب پڑھانے کے لئے بحیثیت استاد مقرر کیا۔ اصلاح میں قیام کے دوران آپ نے طلبہ کی سہولت اور انہیں بہ آسانی عربی زبان سیکھنے کی خاطر (القراۃ العربیۃ) مرتب کی۔

مدرسہ اصلاح میں تدریس کے درمیان ہی بندی کلاں ضلع اعظم گڈھ کے ایک تعلیم یافتہ خاندان میں آپ کی شادی ہوگئی۔ آپ کی شادی رمضان المبارک کے مقدس مہینہ میں ہوئی تھی، افطار کے بعد نکاح اور سحری کے بعد انتہائی سادگی سے رخصتی ہوئی۔ آپ کی

اہلیہ حور النساء سے چار بیٹیاں اور تین بیٹے پیدا ہوئے، دو بیٹے بچپن ہی میں وفات پا گئے، باقی چاروں بیٹیاں اور ایک بیٹے ابونافع بقید حیات ہیں۔ بیٹیاں اپنے اپنے خاندان کے ساتھ بخوشی زندگی گزار رہی ہیں اور بیٹے ابونافع دوحہ قطر وزارۃ الدفاع میں مترجم کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔

چونکہ مولانا عبدالمجید اصلاحی قلم کے شہسوار تھے، مدرسۃ الاصلاح میں تدریس کے دوران ہی ہندوپاک میں آپ کی قلمی صلاحیتوں کا چرچا ہونے لگا تھا، اسی دوران مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ نے آپ کو پاکستان آنے کی دعوت دی اور ان کی دعوت پر آپ دارالعروبہ پٹھان کوٹ پاکستان تشریف لے گئے اور وہاں مولانا مسعود عالم ندوی رحمہ اللہ کی زیر نگرانی کام کرنے لگے، لیکن آپ کو وہاں کی آب وہوا راس نہیں آئی اور چند ہفتوں میں وہ ہندوستان واپس لوٹ آئے۔ پھر ۱۹۶۰ء کے لپیٹ میں آپ نے طب کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے لکھنؤ طبیہ کالج میں داخلہ لیا اور طب کی تعلیم مکمل کی اور وہاں سے ایف، ایم، بی، ایس جو موجودہ بی یو ایم ایس، کے مساوی ہے، مکمل کیا۔ اور ۱۹۶۵ء میں پوری یونیورسٹی میں ٹاپ کیا۔ اور اس کے بعد قصبہ مئو (جو اس وقت اعظم گڑھ کا ایک حصہ تھا) میں مطب قائم کیا۔ پھر کچھ عرصہ تک وہ ذہنی آزمائش میں بھی رہے، آپ کے بہنوئی مولانا قمر الدین اصلاحی نے ان حالات میں آپ کی بڑی مدد کی۔ اور پھر اللہ نے آپ کو شفا عطا فرمائی۔

۱۹۷۲ء اور اس کے بعد کچھ عرصہ تک اہل حدیثان ہند کی مرکزی درسگاہ جامعہ سلفیہ بنارس میں بھی تفسیر وادب اور بلاغت کے استاذ رہے، اس کے بعد خطیب الاسلام مولانا عبدالرؤف جھنڈانگری رحمہ اللہ کی دعوت پر تدریسی خدمات انجام دینے کے لئے جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر نیپال کا رخ کیا، وہاں سے واپسی کے بعد اپنی مادر علمی مدرسۃ الاصلاح سرائے میر میں پھر دوبارہ مدرس ہو گئے، پھر ۱۹۸۳ء اور ۱۹۸۴ء کے عرصہ میں جامع المنقول والمعقول مولانا نذیر احمد رحمانی املوی کے قائم کردہ ادارہ مدرسہ اسلامیہ انوار العلوم املو مبارکپور میں تدریسی خدمات انجام دی۔ چونکہ جامعہ سلفیہ بنارس میں قیام کے دوران مورخ جماعت مولانا عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ سے تعارف ہو چکا تھا اور رحمانی صاحب جیسے نبض شناس آپ کی صلاحیتوں سے بخوبی واقف ہو چکے تھے، چنانچہ المعہد التعلیمی الاسلامی کے قیام کے بعد مولانا عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ کے اصرار پر ان کی دعوت قبول کرتے ہوئے دہلی تشریف لے گئے اور وہاں طلبہ کو آپ ادب، انشاء اور تفسیر پڑھاتے رہے۔ جب ماہنامہ التوعیہ جاری ہوا تو وہاں رہ کر شاندار طریقہ سے التوعیہ کی ادارت سنبھالی۔ مولانا عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ نے آپ کو علامہ ابن القیم رحمہ اللہ کی شہرہ آفاق تصنیف (زادالمعاد) کے ترجمہ کا کام عطا کیا، جسے آپ نے بہت کم عرصہ میں مکمل کر کے ان کے سپرد کر دیا، ابھی تک جس کی پہلی جلد چھپ سکی ہے، اللہ سے دعا ہے کہ باقی جلدوں کی طباعت واشاعت کی راہ ہموار فرمائے۔

جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں کے قیام کے ابتدائی سالوں میں وہاں بھی آپ نے تدریسی خدمات انجام دیں، آپ کا ایک واقعہ جو حافظ شمیم املوی نے مجھے بتایا کہ ابتداء میں مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ نے اساتذہ کی بروقت حاضری کا ایک نظام بنایا تھا اور پہلی گھنٹی لگتے ہی وہ کسی بھی کلاس میں داخل ہو جاتے تھے، ایک دن اچانک پہلی گھنٹی لگنے کے ساتھ ہی ایک کلاس میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ

مولانا عبدالمجید اصلاحی پانچ منٹ پہلے ہی سے وہاں موجود ہیں، آپ کی مثالی حاضری پر مولانا مختار احمد ندوی بہت خوش ہوئے۔ یوں بھی وقت کی پابندی اور اپنے کاموں کو وقت پر پورا کرنا آپ کا نمایاں وصف تھا۔ مولانا کے پڑھانے کا انداز نرالا تھا، طلبہ کے سامنے نوادرات کو خوب بیان کرتے تھے، ان کی تربیت کے لئے عربی مجلّات کے مضامین یا عربی کتابوں کے بعض صفحات مقرر کر کے انہیں اس کا اردو ترجمہ کرنے پر مامور کردیتے، اس طرح ابتدا ہی سے طلبہ میں صلاحیتوں کو نکھرنے کا موقع مل جاتا تھا۔

التوعیۃ کی ادارت اور نوائے اسلام دہلی میں خصوصی کالم نگار ہونے کے ساتھ عمر بھر قلم کا بامقصد استعمال کرتے رہے، زاد المعاد کے ترجمہ کے علاوہ متعدد کتب کا ترجمہ کیا ہے، بعض کتابوں کی تالیف فرمائی ہے، خاندان نوائے اسلام دہلی کے آپ معتمد افراد میں سے تھے، اور گاہے بگاہے نوائے اسلام میں لکھتے رہتے تھے۔ مکتب میں زیر تعلیم بچوں کو سیرت طیبہ سکھانے کے لئے آپ نے (رہبر کامل) تصنیف فرمائی، جو مختلف مکاتب میں داخل نصاب ہے، مدرسہ تعلیم الاسلام گاؤں بندی کلاں میں مکتب کی تعلیم کے دوران ہمیں یہ کتاب پڑھائی جاتی تھی۔

۱۹۸۸ء میں آپ مستقل طور پر اپنے وطن واپس لوٹ آئے، اور ادارہ دار الفکر جیراجپور قائم کیا، ابتدا میں آپ کی اہلیہ محترمہ نے اپنے گھر ہی میں بچیوں کو ناظرہ قرآن پڑھانا شروع کیا اور پھر گھر کے قریب ہی جگہ خرید کر مدرسہ کو وہاں منتقل کیا، مدرسۃ البنات کے نام سے یہ ادارہ آج بھی اپنی روشنی بکھیر رہا ہے، جہاں عالمیت وفضیلت تک تعلیم دی جاتی ہے، گاؤں اور محلہ اور اطراف کی طالبات اس سے مستفید ہو رہی ہیں، اس ادارہ کو مولانا نے اپنے خون جگر سے سینچا ہے، مولانا شمیم سلفی املوی کافی عرصہ سے جیراجپور میں مقیم ہو کر ادارہ کا انتظام دیکھ رہے ہیں، اللہ اس ادارہ کو قائم ودائم رکھے۔

علماء واطباء میں شاذ ونادر ہی ایسے ملیں گے جو علم طب کے ساتھ عربی اور انگریزی ہر دو زبانوں کے ماہر ہوں، یہ خوبی اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی تھی، حکومت ہند کے تحت چلنے والی وزارت صحت وخاندانی بہبود کے ادارہ (مرکزی کونسل برائے تحقیقات طب یونانی نئی دہلی CCRUM) ایک خود مختار ادارہ ہے، اس کے شعبہ لٹریچر ریسرچ یونٹ کے تحت عربی مصادر کے ترجمہ کا منصوبہ بنایا گیا تو پورے ملک میں ذمہ داروں کی نگہ انتخاب آپ پر پڑی، پھر اللہ کی توفیق سے آں رحمہ اللہ نے کونسل کی مختلف کتابوں کا اردو زبان میں ترجمہ کیا، جس میں مورخ طب ابن ابی الصیبعہ کی کتاب (عیون الانبیاء فی طبقات الاطباء، مجلدین (اور مشہور طبیب ابوبکر محمد بن زکریا رازی کی شہرہ آفاق تصنیف (الحاوی الکبیر فی الطب) ۲۳ مجلد۔ کی ابتدائی ۷ جلدوں کا ترجمہ آپ ہی نے کیا، ان کے علاوہ بھی آپ نے طب کی کتابوں کے ترجمہ کا کام کیا ہے، لیکن CCRUM کی کتابوں میں مترجم کا نام نہ ہونے کی وجہ سے سراغ لگانا آسان نہیں ہے، کتابوں کے ترجمہ کا کام خدمت خلق اور خدمت دین کے ساتھ آپ کی معیشت کے لئے بہترین انتظام تھا، پھر جب آپ کے فرزند ابونافع قطر کی وزارۃ الدفاع میں مترجم کی حیثیت سے کام کرنے لگے تو آپ معاش سے فارغ البال ہوگئے۔

جیراج پور کی نئی جامع مسجد نئے انداز میں آپ ہی کے توسط سے تعمیر شدہ ہے۔ جیراج پور کے پڑوس میں معاشی لحاظ سے انتہائی کمزور مسلمانوں کی ایک چھوٹی سے بستی ہے، جہاں آپ نے ایک چھوٹی سی مسجد تعمیر کرائی، اور فرماتے تھے کہ یہاں مسجد کی تعمیر سے جہاں

لوگوں کوصلاۃ ادا کرنے کی سہولت ہوجائے گی وہیں ان کے بچوں کو دینی تعلیم کا یہ ایک بہترین نظم ہوجائے گا۔

۲۰۰۰ء میں جب آپ اپنی اہلیہ کے ساتھ حج کے لئے تشریف لے گئے تو ان دنوں راقم سعودی عرب کی **وزارة الشئون الاسلامیةوالاوقاف والدعوة والارشاد کے ادارہ التوعیة الاسلامیة فی الحج** کی طرف سے حجاج کی دینی رہنمائی پر مامور تھا، میری ڈیوٹی، دوارکدی، المسفلہ کے مرکز میں تھی جوحرم مکی سے کافی قریب ہے، جس کی وجہ سے اس دوران آپ سے بار بار ملاقات ہوا کرتی تھی، ملنے پر اپنی خوشی کا اظہار کرتے اورڈھیر ساری دعائیں دیتے، انہیں دنوں میں نے علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی مشہور کتاب (**الفرقان بین اولیاء الرحمن واولیاء الشیطان**) کا اردو ترجمہ (اولیاء حق وباطل) کے نام سے کیا تھا، جب آپ سے اس کے مراجعہ کی درخواست کی تو آپ نے بخوشی قبول کرلیا، اور انتہائی کم عرصہ میں انتہائی دقت کے ساتھ مراجعہ فرمایا، ترجمہ اور ترجمانی کے بارے میں کچھ ہدایتیں بھی دی، ان کی حج سے واپسی کے چند ماہ بعد جب میں سعودی عرب سے چھٹیاں گزارنے وطن پہنچا تو آپ سے کتاب کے مراجعہ کے بارے میں پوچھا تو فرمایا کہ تمہاری کتاب کا مراجعہ تو مکمل ہوگیا ہے، لیکن اسے اسی وقت دوں گا جب تم جیراج پور میں آکر جمعہ کا خطبہ دوگے، سبحان اللہ! تربیت کا کیسا پیارا انداز تھا، آپ نے میری کتاب کے ترجمہ کا مراجعہ کیا اوراپنی موجودگی میں جیراج پور کی مرکزی جامع مسجد میں خطبہ دلوا کر ایک اعزاز اوراعتماد بھی عطا کیا، **فجزاہ اللہ خیر الجزاء، واسکنہ فسیح جناتہ ورفع درجتہ فی علیین۔**

چونکہ توحید خالص کی دعوت کو بعض تحریکی اکابر کی لغزشوں کی وجہ سے بڑا نقصان پہنچا ہے، اس لئے اپنے مقاصد کے لئے انہوں نے کلمہ کا مفہوم بدل دیا تھا، **لاالہ الا اللہ** کے معنی لامعبود بحق الا اللہ، یہ معروف ہے، لیکن بعض لوگوں کے نزدیک لاالہ کا مفہوم **لاحاکمیة الا اللہ** ہے، گویا انہوں نے توحید کی تعریف ہی بدل دی، کلمہ طیبہ کی اس غلط اور گمراہ کن تشریح کی حقیقت کو بیان کرنے کے لئے عالم اسلام کے کبار علماء ومشائخ کے مشورہ پر **دکتور عمر احمد الملیباری استاد جامعة الامام ریاض** کا ایک رسالہ (لاالہ الا اللہ کا مفہوم اوراختلاف) بڑا جامع اورمختصر چھپا ہے، جس کا آں رحمہ اللہ نے سلیس اردو میں ترجمہ کیا تھا، جسے پڑھنے کے بعد کلمہ کے مفہوم میں تحریف سمجھ میں آجاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے قلم میں وہ طاقت وقوت دی تھی کہ ایک بار جو آپ کو پڑھ لیتا یا کسی موضوع کو چھیڑ دیتا تو آپ جس قدر جولانیاں بکھیرتے جاتے سارے لوگ خوب مستفید ہوتے۔

ایک مرتبہ ریاض سعودی عرب کے معروف دعوتی ادارہ (**الندوة العالمیة للشباب الاسلامی**) (WAMY) میں کسی اصلاحی نسبت رکھنے والے مترجم نے الندوۃ کے ڈائریکٹر **دکتور مانع الجھنی رحمہ اللہ** کی خدمت میں کسی کتاب کا ترجمہ پیش کرکے الندوہ سے اس کی اشاعت کی سفارش کی تو ڈاکٹر مانع الجہنی نے بڑی صراحت کے ساتھ فرمایا کہ اگر یہ کسی اصلاحی کا ترجمہ ہے تو **نحن لا نعرف الا الشیخ عبدالمجید الاصلاحی** ہمیں تو صرف عبدالمجید اصلاحی کا ترجمہ چاہیے، ہم تو صرف انہیں کو جانتے ہیں۔ اس واقعہ کو راقم سے خود مولانا عبدالمجید اصلاحی رحمہ اللہ نے متعدد بار بیان کیا ہے۔ آپ اپنے ادارہ مدرسۃ البنات کے لئے ممبئی کا سفر برابر کیا کرتے تھے، ابھی سال گزشتہ ممبئی آمد پر جب آں رحمہ اللہ دفتر صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی تشریف لائے تو ملاقات ہوئی

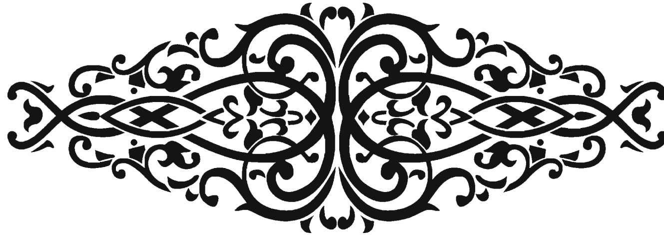
تھی، اور پھر اسی سفر میں ایک دن ظہرانہ پر حاضر ہو کر مجھے بھی اعزاز بخشا تھا۔

ضلع اعظم گڑھ میں باستثنائے املو مبارکپور تحریک شہیدین کے اثرات جیسے جیسے کمزور پڑتے گئے اسی لحاظ سے تحریک اہل حدیث کمزور پڑتی گئی، اور وہاں کے لوگ تحریک اسلامی اور تحریک تبلیغی سے جڑتے گئے، حالانکہ اس ضلع میں میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ کے متعدد تلامذہ کا ذکر ملتا ہے، شاید ماحول سازگار نہ ہونے کی وجہ سے یہاں جماعت کا کام بہت کم ہوا، شیخ الحدیث علامہ عبیداللہ رحمانی مبارکپوری رحمہ اللہ کی سفارش پر مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ نے اعظم گڑھ کے محلہ تکیہ میں ایک اہل حدیث مسجد تعمیر کرائی تھی، مگر وہاں پر اہل حدیثوں کی تعداد کم ہونے کی وجہ سے وہ مسجد ان کے ہاتھ سے جاتی رہی اور آج اس پر تبلیغی جماعت کے بھائیوں کا قبضہ ہے۔ اعظم گڑھ کے ان حالات میں بھی آں رحمہ اللہ نے کئی سالوں تک ضلعی جمعیت اہل حدیث اعظم گڑھ کی نظامت سنبھالی، گزشتہ پندرہ برسوں کے اندر مکاتب توعیۃ الجالیات سے مستفید احباب کے تعاون سے اعظم گڑھ کے مختلف مقامات پر متعدد اجلاس اور کانفرنسوں کا انعقاد کیا گیا جو انہیں کے دور نظامت اور ڈاکٹر عبدالعزیز مبارکپوری کی امارت میں مولانا عبدالرحمن مبارکپوری اور شیخ نور العین سلفی حفظہم اللہ کی سرپرستی میں انتہائی کامیابی سے جاری رہیں۔

اللہ سے دعا ہے کہ مولانا عبدالمجید اصلاحی رحمہ اللہ کی مغفرت فرمائے، اور جمعیت و جماعت اور عالم اسلام کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔ اور جنت الفردوس میں آپ کے درجات بلند فرمائے، اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔

(ماہنامہ الجماعۃ، ممبئی۔ فروری ۲۰۱۷ء)





مفتئ جامعہ مولانا عبدالحنان فیضیؔ رحمہ کا انتقال پرملال

جامعہ کے درو بام سوگوار اور مسند تدریس وافتاء سونی سونی

وفات فروری ۲۰۱۷ء

شمیم احمد ندوی

۳؍فروری جمعہ کی شب دس بجے جامعہ سراج العلوم السّلفیہ جھنڈانگر کی فضا یک لخت سوگوار ہوگئی اوراس کے درو بام اس وقت اشک بار ہوگئے جب جامعہ کے مفتی وشیخ الحدیث اوراستاذ الاساتذہ مولانا عبدالحنان فیضیؔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ وتغمدہ بواسع مغفرتہ وادخلہ فسیح جناتہ۔ نے ایک مختصر علالت کے بعد ۸۵ سال کی عمر میں داعی اجل کو لبیک کہا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

یوں تو شیخ رحمہ اللہ عمر طبعی کو پہنچ چکے تھے اور عارضہ قلب اور مرض ذیابطیس وتنفس سمیت کئی جان لیوا عوارض کا شکار تھے، ہارٹ سرجری کے سلسلہ میں ''پیس میکر'' بھی لگا ہوا تھا، لیکن کچھ وقتی تکالیف کے علاوہ بحیثیت مجموعی ان کی صحت اطمینان بخش تھی اور ایسا کوئی فوری خطرہ نہیں تھا کہ وہ اس طرح اچانک جامعہ کی مسند درس وافتاء کو سونی چھوڑ کر ہمیں داغ مفارقت دے جائیں گے۔

صرف ایک ہفتہ قبل ان کی بیماری نے شدت اختیار کرلی، اضطراب وبے چینی میں اضافہ کے ساتھ تنفس کی شکایت بڑھ گئی، لیکن پھر بھی اللہ کے فضل خاص سے آخر وقت تک ہوش وحواس قائم رہے، عیادت کرنے والوں کا تانتا بندھا ہوا تھا، سب لوگوں کو پہچانتے اوران سے دعا کی درخواست کرتے رہے، وفات سے صرف ایک روز قبل لکھنؤ سے مدرسہ حاضر ہوکر جب راقم سطور نے بھی مفتی صاحب سے ملاقات اوران کی عیادت کی سعادت حاصل کی تو نہ صرف یہ کہ وہ مجھ ناچیز کو پہچان گئے بلکہ خود میری صحت کا حال دریافت کرتے ہوئے میری صحت ودرازی عمر کے لئے دعا فرمائی اوراپنی تکالیف کو رفع کرنے کے لئے مجھ سے بھی دعا کی درخواست کرتے رہے، اس وقت بھی ہم سب کو کسی فوری خطرہ کا احساس نہ تھا، تاہم بعد نماز جمعہ یہاں کے مشہور معالج ڈاکٹر انوار احمد خاں کے مشورہ پر انہیں ہاسپٹل میں ایڈمٹ کرنے کے لئے لکھنؤ لے جانے کا فیصلہ کیا گیا، ڈاکٹر صاحب کے مشورہ کے مطابق ٹرین کے سفر کو ترجیح دی گئی، سنیچر کی صبح ۶ بجے بڑھنی سے روانہ ہونے والی ایکسپریس ٹرین میں جو صرف ۴ گھنٹہ میں لکھنؤ پہنچتی ہے تیمارداروں (بیٹے مولانا عبدالمنان سلفی، پوتے سعود اختر سلفی وحماد اور نواسے سالم اکرم) کے ہمراہ ٹکٹ بک کرالیا گیا، میڈیکل کالج کے شعبۂ قلب کے مرکز ''لاری کارڈیالوجی'' میں داخل کرنے کا فیصلہ کیا گیا جہاں ۸؍مارچ ۲۰۰۸ء کو پیس میکر لگایا گیا تھا، لیکن رات ہی میں وقت موعود آپہنچا اورسارے انتظامات اورتدابیر دھری کی دھری رہ گئیں، تقدیر کا فیصلہ پورا ہوا جس میں کسی بھی تدبیر سے وقت رحلت میں ایک لمحہ کی بھی تقدیم وتاخیر ممکن نہیں، یعنی ؎

''الٹی ہوگئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا''

مولانا کا سانحہ ارتحال نہ صرف ان کے اعزہ واقرباء اوران کی اولادواحفاد کے لئے انتہائی صدمہ کا باعث ہے، بلکہ جامعہ سراج العلوم اوراس سے وابستہ تمام اداروں، جامعہ کے اساتذہ وکارکنان، جامعہ سے تعلق رکھنے والے تمام وابستگان اوران کے ہزاروں تلامذہ اورعقیدت مندوں کے لئے ایک ناقابل فراموش صدمہ ہے، کیونکہ ان کی حیات مستعار کا بیشتر حصہ جامعہ سے ہی وابستہ ہے اور یہاں کی تاریخ کے ورق ورق پران کی خدمات کی داستان رقم ہے، انہوں نے ثانویہ تک کی تعلیم یہیں حاصل کی جہاں ان کوخطیب الاسلام علامہ عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری جیسا معلم ومربی ملا، جنہوں نے ان کے والد مولانا محمد زماں رحمانی رحمہ اللہ کی خدمات کا لحاظ کرتے ہوئے خصوصی مراعات سے بھی نوازا اور طلب علم کی راہ میں ان کی دلچسپی ومحنت اوران کی خفتہ صلاحیتوں کو بھی پہچانا اور بلفظ دیگر اس نایاب ہیرا کوتراش خراش کے بعد جوہر قابل بنایا، پھر مختلف ادوار سے گذرتے ہوئے وہ دومرحلوں میں جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر میں تدریسی خدمات کی انجام دہی پر مامور ہوئے، تدریسی ذمہ داریوں کا یہ کل دورانیہ تقریباً ۵۰ سال پر محیط ہے، پہلا مرحلہ ان کے دورجوانی کا ہے جو ۱۱ سالوں پر محیط ہے، جس میں کئی سال وہ صدرالمدرسین کے منصب پر فائز رہے، پھر جب خطیب الاسلام رحمہ اللہ رابطہ عالم الاسلامی کی رکنیت کے باوقار منصب پر فائز کئے گئے توان کی کوششوں سے جامعہ کی تعلیم عالمیت تک ہونے لگی، عالمیت تک کی تعلیم کے لئے اچھے، لائق اور کہنہ مشق اساتذہ کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے خطیب الاسلام مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری رحمہ اللہ ان کو بہت اصرار سے جامعہ سلفیہ سے دوبارہ جھنڈانگر لے کر آئے تاکہ جامعہ کا تعلیمی معیار بلند کیا جاسکے اوراس کواس لائق بنایا جاسکے کہ جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ سے اس کا معادلہ منظور ہوجائے، الحمد اللہ ان کی کوششیں بارآور ہوئیں اور جامعہ کا معادلہ جامعہ اسلامیہ اور سعودی وزارت تعلیم عالی سے منظور ہوا۔

مولانا عبدالحنان فیضی رحمہ اللہ کو دوسرے مرحلہ میں ۱۹۷۸ء میں مسند درس کو رونق بخشنے کی پیش کش ہوئی جسے انہوں نے برضا ورغبت قبول کیا، پھرتو درس وتدریس اورافتاء وتحقیق کا یہ سلسلہ جسم وجان کا رشتہ باقی رہنے تک کسی نہ کسی شکل میں قائم رہا، درمیان میں تمام اساتذہ میں سے بیشتر کا شماران کے تلامذہ میں ہوتا تھا اورسب کی نظروں میں ان کا حد درجہ احترام تھا، پھر اپنی تدریسی لیاقتوں کی وجہ سے بھی اس منصب وذمہ داری کا ان سے بڑھ کر کوئی اہل نہ تھا، کیونکہ سراج العلوم کے نصاب میں داخل کتابوں میں سے مشکل وادق اوراونچی جماعتوں میں پڑھائی جانے والی کلیدی کتابوں کا درس انہیں کے ذمہ تھا، جن میں صحیحین کے علاوہ سنن کی بعض کتابیں ابوداؤد، ترمذی وغیرہ اورتفسیر جلالین، تفسیر بیضاوی، تفسیر ابن کثیر کے علاوہ عربی ادب وبلاغت کی کتابیں بھی وقفہ وقفہ سے ان کے زیر درس رہیں، اورحقیقت یہ ہے کہ سارے مضامین کی تدریس کا حق وہ ادا کردیتے تھے اورطلباء کی علمی تشنگی بجھا کرانہیں شادکام کیا کرتے تھے۔

اپنے استاذ محترم خطیب الاسلام جھنڈانگری رحمہ اللہ کے حسب ایماء اورکلیہ عائشہ صدیقہ کے ناظم بھائی عبدالرشید خاں صاحب کی خواہش واصرار پرکلیہ میں بھی کئی سال تک تدریسی خدمات انجام دیتے رہے، پھر جب قلب کا عارضہ لاحق ہوا اورنقل

وحرکت سے بھی بڑی حد تک معذور ہو گئے تو اس اضافی خدمت سے معذرت کر لی، بہر حال ایک عرصہ تک وہ جامعہ سراج العلوم جھنڈا نگر کے شعبۂ عربی اور کلیہ عائشہ صدیقہ دونوں اداروں میں بیک وقت پڑھاتے رہے اور دونوں جگہ اپنی تدریسی ذمہ داریوں کا حق ادا کرتے رہے۔

اسی طرح جامعہ سراج العلوم جھنڈا نگر کی جامع مسجد میں ایک عرصہ تک امامت وخطابت کے فرائض بھی انجام دیتے رہے، مولانا صبغۃ اللہ ندوی رحمہ اللہ کی وفات کے بعد ان کو یہ اضافی ذمہ داری سونپی گئی، ان کی شہرت گرچہ بہت بڑے خطیب اور شعلہ بار مقرر کی حیثیت سے کبھی نہیں رہی لیکن ان کے مواعظ حسنہ اور ان کا دل نشین انداز بیان اور قرآنی آیات اور صحیح احادیث سے مزین ان کے وعظ وارشاد کی مجلسیں عوام وخواص میں یکساں مقبول تھیں، اسی طرح انہوں نے دسیوں برس جامعہ کی جامع مسجد میں بعد نماز فجر اور پھر بعد نماز عشاء ''ریاض الصالحین'' کا پابندی کے ساتھ درس بھی دیا جس میں حضرت خطیب الاسلام پابندی سے شریک ہوتے تھے، درس حدیث کی اس مبارک مجلس میں آپ نے متعدد بار ریاض الصالحین ختم کرنے کی سعادت حاصل کی، ان کا مطالعہ اتنا گہرا اور علم اس قدر وسیع تھا کہ لچھے دار باتوں، مقفع مسجع عبارتوں اور بے سروپا حکایتوں کے ذریعہ کم علمی پر پردہ ڈالنے کی ضرورت ان کو نہیں تھی، ان کی ذات سے مساجد کے منبر ومحراب کو رونق ملی، لیکن وہ جلسوں واسٹیج کے آدمی نہیں تھے، جہاں لوگ علم کی گہرائی ناپنے کے بجائے مقرر کی اداؤں اور لفاظیوں کو زیادہ پسند کرتے ہیں۔

ان کی سب سے بڑی پہچان مفتی جامعہ کی حیثیت سے تھی، قرب وجوار اور دور ونزدیک کے لوگ ان سے سب سے زیادہ مفتی جامعہ کی حیثیت سے واقفیت رکھتے تھے اور ان کو اکثر لوگ صرف مفتی صاحب کے لقب سے ہی پکارتے تھے۔ عوام وخواص میں ان کو بہت مقبولیت ملی ہوئی تھی اور سب کے دلوں میں ان کا احترام تھا، یعنی وہ ایک بالکل ہی غیر متنازعہ شخصیت کی حیثیت سے متعارف تھے، میں نے ہوش سنبھالنے اور ان سے واقفیت کے بعد کبھی کسی کو ان کے پیٹھ پیچھے ان کو برا کہتے نہیں سنا، یہ خصوصیت ومقبولیت کم لوگوں کو حاصل ہوتی ہے۔

غرض کہ ان کی ذات میں بے شمار خوبیاں تھیں لیکن ان سطور میں میں نے صرف ان خصائص وامتیازات کا ذکر کرنا مناسب سمجھا جن کا تعلق صرف جامعہ سراج العلوم سے ہے، ان کی زندگی کے دیگر علمی، دعوتی، اخلاقی اور انسانی پہلوؤں پر بھی روشنی ڈالنے کی ضرورت ہے تا کہ اپنے نونہالوں اور آئندہ نسلوں کیلئے ہم ان کو بطور نمونہ پیش کر سکیں۔

اسی لئے ماہنامہ ''السراج'' کی مجلس ادارت نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ان کی حیات وخدمات پر مشتمل ماہنامہ ''السراج'' کا خصوصی شمارہ شائع کر کے ان کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کیا جائے، کیونکہ جہاں اس ناچیز راقم سطور کو اس ادارہ کے ناظم ہونے کا شرف حاصل ہے، جہاں مفتی صاحب کی زندگی کے قیمتی ماہ وسال گذرے وہیں راقم اس پرچہ کا مدیر مسئول بھی ہے، اسی طرح مولانا عبدالمنان سلفی ان کے فرزند اور نسبی وعلمی وارث ہونے کے ساتھ مجلہ کے مدیر بھی ہیں۔

ان کی وفات حسرت آیات سے جامعہ میں ویرانی کا منظر ہے، ان کی ذات جامعہ کے لئے باعث خیر وبرکت تھی اور ان کی

وفات سے جامعہ کی مسند درس وافتاء جو خالی ہوئی ہے اس جگہ کو پر کرنے کے لئے کوئی متبادل موجودنہیں ہے، یہ سانحہ ان کے اہل خانہ اور پسماندگان کے علاوہ ذاتی طور پر جامعہ کے لئے ایک بڑے خسارہ اورمحرومی کی حیثیت رکھتا ہے، اسی لئے ملک وبیرون ملک سے تعزیت کرنے والوں میں سے بعض نے مجھ ناچیز کے ساتھ بھی اظہار تعزیت کیا اوران کی وفات کو جامعہ کے لئے ایک ناقابل تلافی نقصان قرار دیا، اورحقیقت یہ ہے کہ ایسے اصحاب علم وفضل اورزہدوورع اور سادگی وقناعت سے مزین افراد کا ہم سے جدا ہوجانا پوری ملت وجماعت کے لئے ایک ایسا خسارہ ہے جس کی تلافی مستقبل قریب میں نظرنہیں آتی۔

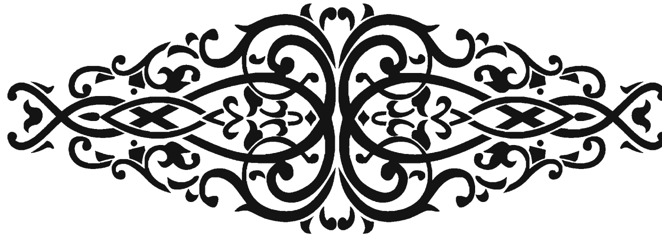
جو بادکش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں
کہیں سے آب بقائے دوام لا ساقی

وفات کے اگلے دن ۴رفروری ۲۰۱۷ء کو بعد نماز ظہر ان کی نماز جنازہ ادا کی گئی جس میں عقیدت مندوں وسوگواروں کا ایک ہجوم اورجم غفیر تھا، جن میں بڑی تعداد علماء ودعاۃ، طلبائے مدارس اور دینی وملی تنظیموں کے ذمہ داران کی تھی، اس کے علاوہ ایک بڑی تعداد ان کے تلامذہ وشاگردوں اوران سے علمی فیض پانے والوں کی تھی جو ہند ونیپال کے علاوہ خلیجی ملکوں میں بکھرے پڑے ہیں، نماز جنازہ میں جھنڈانگر کے مضافات اور نیپال وہند کے اضلاع کپل وستو وسدھارتھ نگر کے علاوہ دونوں ملکوں کے دور دراز اضلاع، شہروں اورخطوں سے بڑی تعداد میں اہل علم نے شرکت کی، بالخصوص مئو، کانپور، لکھنؤ، سنت کبیر نگر، مہراج گنج، بستی، بلرام پور، روپندیہی، دانگ اور کاٹھمنڈو وغیرہ سے لوگ گاڑیاں بک کراکے شریک جنازہ ہوئے، نماز جنازہ کی امامت بزرگ عالم دین، نمونۂ سلف مولانا ڈاکٹر عبدالرحمن رحمانی مبارکپوری رحفظہ اللہ خلف الرشید شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ مبارکپوری رحمہ اللہ نے فرمائی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مفتی صاحب کی بال بال مغفرت فرمائے، ان کی قبر کونور سے بھردے، ان کے درجات کو بلند فرمائے اوران کی خطاؤں ولغزشوں سے درگذر فرماتے ہوئے جامعہ کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے آمین یا رب العالمین! **اللهم اغفر له وارحمه وعافه واعف عنه۔**

(ماہنامہ السراج جھنڈانگر، فروری ۲۰۱۷ء)





اور مسند افتاء سونی ہوگئ

(مولانا عبدالحنان فیضی رحمہ اللہ، جھنڈا نگر چند یادیں چند باتیں)

وفات فروری ۲۰۱۷ء

مولانا عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی

سدھارتھ نگر، گونڈہ بستی کا سرحدی علاقہ جنگ آزادی سے ماقبل اور تحریک مجاہدین کے زمانے سے ہی توحید وسنت کا مرکز رہا ہے، اس سرزمین کو شیخ الکل میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی کے شاگردان باوفا اور تحریک مجاہدین کے بعض جیالوں کی قدم رنجہ فرمائی کا شرف بھی حاصل ہے۔ اور برصغیر کے مایہ ناز علماء اہل حدیث کے مسکن وموطن ہونے کا اعزاز بھی۔ منشی محمد جعفر مجھوا میر، مولانا عباداللہ بستوی، مولانا عبدالشکور بسکوہری، مولانا عبدالرحمن مبارکپوری صاحب تحفہ اور مولانا عبدالرحمن بجواوی سے لے کر مولانا عبدالمبین منظر، مولانا عبدالقیوم رحمانی، مولانا عبدالجلیل رحمانی، مولانا عبدالحمید رحمانی رحمہم اللہ ودیگر اعیان واشراف اور اسی سلسلہ ذھبیہ کی کڑی در کڑی اور ان کے شاگردان کو کون نہیں جانتا۔ علماء اہل حدیث کی اس عظیم الشان سلسلہ کی ایک حسین کڑی انتری بازار، سدھارتھ نگر، (بستی) کے مشہور عالم دین مولانا محمد زماں رحمانی رحمہ اللہ (متوفی ۱۹۷۸ء) اور آپ کے علمی خانوادہ کی ہے۔ مولانا محمد زماں رحمانی کے سنہرے نقوش اور علمی واصلاحی خدمات کے حسین آثار آج بھی گاؤں گاؤں، قریہ قریہ موجود ہیں۔ پورا علاقہ آپ کی تبلیغی مساعی اور اس سلسلے کی دعوتی خدمات سے سرشار ہے۔ آپ کے فیوض وبرکات میں جہاں آپ کی مساعی جمیلہ اور خدمات جلیلہ کے سنہرے نقوش ہیں وہیں پر اس سلسلے کی ایک عظیم علمی وراثت آپ کے اکلوتے فرزند بھی ہیں جنہیں دنیائے علم وادب حضرت العلام مفتی مولانا عبدالحنان فیضی یا شیخ الجامعہ سراج العلوم جھنڈا نگر کے نام سے جانتی ہے۔ ''ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات'' کے مصداق آپ نے اپنے والد بزرگوار مولانا محمد زماں رحمانی رحمہ اللہ کی نہ صرف علمی وتدریسی وراثت کو سنبھالے رکھا بلکہ اس میدان کار میں ۶۰ سالہ تدریسی خدمات کا ایک سنہری ریکارڈ بھی تاریخ کے پنوں میں ثبت فرمادیا۔ اللھم تقبل جھودہ واجعلھا فی میزان حسناتہ۔

برصغیر میں افتاء نویسی کے باب میں آپ کی علمی شہرت اور پورے خطہ سدھارتھ نگر، ترائی اور انڈیا ونیپال کے سرحدی علاقوں میں سکونت پذیر اہل علم اور عوام وخواص کا اس بابت آپ پر استناد کو اعتماد یہ آپ کی شخصیت کو چار چاند لگانے کے لئے کافی ہیں۔

دعوت وتبلیغ کی محفل ہو یا اصلاح معاشرہ کا اہم ترین معاملہ، مجلس نکاح ہو یا عائلی مسائل پر مشتمل علاقائی پنچایت تقریباً ہر جگہ آپ میر مجلس بن کر حاضر ہوتے۔ اور بڑی دردمندی، دوراندیشی سے کتاب وسنت کی روشنی میں بے باکی وجرأتمندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے لوگوں کی رہنمائی کرتے۔ آپ کی علمی شخصیت سے نہ صرف جامعہ سراج العلوم جھنڈا نگر نیپال کے اساتذہ، طلباء اور وابستگان علم وفن نے

بھرپور فائدہ اٹھایا بلکہ ہندونیپال کے سرحدی علاقوں پر بسنے والے ہزاروں باشندگان نے فیضیابی حاصل کی۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ابھی آپ بڑھنی بازار کی گلیوں اور جھنڈانگر کے پرہجوم شاہراہوں میں اور جامعہ کے صحن وچمن میں ایک مسکراتی ہوئی کلی کی طرح چلتے پھرتے نظر آرہے ہیں۔ اللہ غریق رحمت فرمائے اور آپ کی علمی وراثت سے تا قیامت امت مسلمہ کو فائدہ اٹھانے کی سعادت عطا فرمائے۔ آمین اللہم اغفرلہ وارحمہ واعف عنہ واسکنہ جنات الفردوس۔

تاریخ ولادت: آپ کی ولادت ماہ رمضان المبارک ۱۳۵۳ھ مطابق دسمبر ۱۹۳۴ء کو ہوئی۔ جیسا کہ آپ کے فرزند شیخ عبدالمنان سلفی حفظہ اللہ کے حوالے سے بھٹی صاحب وغیرہم نے ثبت فرمایا ہے۔ تراجم علمائے حدیث مؤلفہ خالد حنیف صدیقی میں ذکر کردہ تاریخ ولادت بہت زیادہ مستند نہیں ہے۔

مراحل تعلیم: (۱) ابتدائی و پرائمری تعلیم اپنے آبائی گاؤں بحرالعلوم انتری بازار میں منشی علمدار سے حاصل کی۔

(۲) فارسی اور عربی کی تعلیم ۱۹۴۷ء کے آس پاس مفکر جماعت مولانا عبدالجلیل رحمانی کے قائم کردہ ادارہ دارالعلوم ششہنیاں میں حاصل کی یہاں آپ نے اپنے والد مولانا محمد زماں رحمانی، مولانا عبدالقدوس ٹکریاوی اور مولانا عبدالجلیل رحمانی جیسے اساتذہ علم وفن سے فیض حاصل کیا۔

(۳) ۱۹۴۹ء میں مدرسہ سراج العلوم جھنڈانگر میں خطیب الاسلام مولانا عبدالرؤف رحمانی، امام الفرائض مولانا عبدالرحمن بجواوی اور اپنے والد مولانا محمد زماں رحمانی سے عربی علوم اور فن تفسیر وحدیث کی بعض کتابیں پڑھیں۔ (اس دوران آپ کے والد ششہنیاں سے سراج العلوم منتقل ہو گئے تھے۔)

(۴) ۱۹۵۰ء میں اپنے گاؤں انتری بازار مدرسہ بحرالعلوم چلے گئے جہاں مولانا عبدالغفور بسکوہری تدریس کے لئے مقرر کئے گئے تھے وہاں آپ نے مولانا عبدالغفور بسکوہری سے بھرپور استفادہ کیا۔

(۵) ۱۹۵۱ء میں واپس سراج العلوم جھنڈانگر پہنچے جہاں دو سال ۱۹۵۱ء۔ ۱۹۵۲ء میں رہ کر مختلف فنون کی تکمیل کی۔ اور وہاں کے اساطین علم وفن سے بھرپور استفادہ حاصل کیا۔

(۶) ۱۹۵۲ء کے آپ پاس جامعہ فیض عام مئو کے لئے رخت سفر باندھا اور وہاں داخلہ لے لیا اور مسلسل چھ سال تک رہ کر وہیں سے فراغت حاصل کی۔ اور مولانا محمد احمد، مولانا مصلح الدین اعظمی، مولانا عبدالمعید بنارسی جیسے اعاظم رجال سے علمی وادبی فیض حاصل کیا۔

(۷) ۱۹۵۸ء میں جامعہ فیض عام مئو سے فراغت حاصل کی اور اسی کی طرف نسبت کرتے ہوئے فیضی کہلائے اور اس طرح آپ کا یہ تعلیمی سفر مکمل ہوا۔

اساتذہ: آپ کے اساتذہ کی فہرست میں اس زمانے کے نامور ومشاہیر علم وفن کے نام شامل ہیں۔ ذیل میں تفصیل درج ہے:

(۱) منشی علمدار مرحوم (مدرسہ بحرالعلوم، انتری بازار، آبائی گاؤں)، (۲) مفکر جماعت مولانا عبدالجلیل رحمانیؒ، (۳) مولانا عبدالقدوس ٹکریاویؒ، (۴) آپ کے والد مولانا محمد زماں رحمانیؒ، (۵) خطیب الاسلام مولانا عبدالرؤف رحمانیؒ، (۶) امام الفرائض مولانا عبدالرحمن بجواویؒ، (۷) شیخ الحدیث مولانا شمس الحق سلفیؒ، (۸) مولانا مصلح الدین اعظمیؒ، (۹) مولانا عبدالمعید بنارسیؒ، (۱۰) مولانا عبدالرحمن نحویؒ، (۱۱) مفتی حبیب الرحمن فیضیؒ، مئو، (۱۲) مولانا عظیم اللہ مئویؒ، (۱۳) ناظم مولانا محمد احمد صاحبؒ، (۱۴) مولانا

عبداللہ شائق مئویؒ، (۱۵) مولانا عبدالغفور بسکوہریؒ،

رفقائے درس اور معاصرین طلباء: آپ کے رفقاء درس میں : (۱) مولانا امان اللہ فیضی، بہار جو ریاض العلوم دہلی میں برسوں شیخ الحدیث رہ چکے ہیں اور اللہ کو پیارے ہو گئے۔ اور (۲) مولانا مظہر احسن ازہری (مئو) (۳) مولانا حقیق اللہ فیضی نیپال۔ (آپ بھی اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں) ان کے علاوہ معاصرین طلباء جو فیض عام میں زیر تعلیم تھے، (۱) ڈاکٹر مقتدی حسن ازہریؒ (۲) مولانا صفی الرحمن مبارکپوریؒ (۳) ڈاکٹر عبدالعلی ازہری (لندن) وغیرہم جیسی نابغہ روزگار ہستیاں ہیں جو کہ ایک دو سال آگے پیچھے فیض عام مئو میں اس عرصہ میں زیر تعلیم تھے۔

تلامذہ وشاگردان: ۶۰ سال کی ایک طویل مدت تک مختلف مدارس وجامعات میں جسے تدریس کا شرف عظیم حاصل ہوا اس کے طلباء وشاگردان کی تعداد تو ہزاروں سے متجاوز ہوگی۔ اللہ تعالیٰ شرف وقبول عطا فرمائے۔ ذیل میں بعض مشاہیر تلامذہ اور شاگردان کے نام درج کئے جا رہے ہیں تا کہ سند رہے۔

(۱) ڈاکٹر رضاء اللہ محمد ادریس مبارک پوری (مرحوم) (۲) مولانا محمد مستقیم سلفی (بنارس) (۳) ڈاکٹر عبدالباری فتح اللہ مدنی (ریاض) (۴) شیخ صلاح الدین مقبول احمد مدنی (کویت) (۵) شیخ عزیر شمس (مکہ) (۶) ڈاکٹر اقبال احمد بسکوہری مدنی (مالیگاؤں) (۷) شیخ عبدالمعید مدنی (علی گڑھ) (۸) ڈاکٹر عبدالقیوم مدنی (قطر) (۹) مولانا عبداللہ مدنی جھنڈانگر (مرحوم) (۱۰) ڈاکٹر الطاف الرحمن مدنی) اونرہوا حال مدرس جامعہ اسلامیہ مدینہ) (۱۱) مولانا عبدالواحد مدنی، ڈومریا گنج (۱۲) حافظ محمد الیاس سلفی (ریاض) (۱۳) مولانا احسن جمیل سلفی (بنارس) (۱۴) مولانا عبداللہ سعود سلفی (بنارس) (۱۵) مولانا محمد یونس مدنی (بنارس) (۱۶) مولانا عبدالرشید مدنی (جھنڈانگر) (۱۷) مولانا خورشید احمد سلفی، جھنڈانگر (۱۸) مولانا محمد نسیم مدنی (نیپال) (۱۹) مولانا وصی اللہ مدنی (جھنڈانگر) (۲۰) مولانا شمیم احمد خلیل سلفی (قطر) (۲۱) شیخ رضاء اللہ عبدالکریم مدنی (دہلی) (۲۲) آپ کے اکلوتے فرزند شیخ عبدالمنان سلفی، جھنڈانگر۔ وغیرہم کثیر وکثیر۔

علمی مشاغل اور خدمات جلیلہ: (۱) آپ کی زندگی کا ایک طویل عرصہ قریباً ساٹھ سال پر مشتمل جامعہ سلفیہ بنارس اور دیگر مکاتب ومدارس سے لیکر جامعہ سراج العلوم، جھنڈانگر میں تدریس وتعلیم میں گذرا جہاں آپ کے زیر تربیت سیکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں طالبان علوم نبوت نے علمی فیض حاصل کیا اور فی الوقت پوری دنیا میں آپ کے شاگردان خدمات انجام دے رہے ہیں۔ البتہ یہ یاد رہے کہ تدریس کا چالیس سالہ دور آپ نے جھنڈانگر میں ہی لگایا ہے۔ اللہ تعالیٰ شرف قبولیت عطا فرمائے۔ آمین۔

(۲) تدریسی عمل کے ساتھ آپ ہمیشہ جماعتی پلیٹ فارم سے منسلک رہے اور دعوت الی اللہ کا فریضہ اصلاح عقائد واعمال، اور خطابات ودروس سے بالخصوص خطبۂ جمعہ سے عوام وخواص کی رہنمائی اور ان کی دینی تربیت واصلاح کرتے رہے۔ جو بظاہر آنکھوں سے نظر نہ آئے لیکن اس کے دور رس اثرات ومفید نتائج برسوں محسوس کئے جائیں گے۔ اور اس عمل پر علاقے کے باشعور افراد بالخصوص عمر رسیدہ لوگ گواہ ہیں۔ میرے والد محترم جو ابھی شوال ۷ ۱۴۳ھ ۲۰۱۶ء میں اللہ کو پیارے ہو گئے آپ کی علمی ودعوتی خدمات کا ذکر جمیل کیا کرتے تھے۔

(۳) عملی ودعوتی، تدریسی وتعلیمی مشاغل کے ساتھ آپ کی زندگی کا ایک اہم باب فتویٰ نویسی اور پیش آمدہ مسائل ومعاملات میں شرعی فیصلے اور دینی رہنمائی ورہبری کا تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ آپ نہ صرف علاقائی سطح پر بلکہ ملکی پیمانہ پر ایک مستند مفتی اور قابل اعتماد شرعی قاضی تسلیم کئے جاتے تھے۔ دور دراز سے بھٹکے ہوئے لوگ اور عائلی مسائل میں الجھے ہوئے بے شمار افراد تھے جو آپ سے فتویٰ لے کر اپنے مسائل کا شرعی حل پا لیتے تھے اور اپنی روحانی پیاس بجھالیا کرتے تھے۔ آپ کے فتاویٰ کا ایک ضخیم دفتر آپ کے فرزند باوقار ہمارے استاد محترم شیخ عبدالمنان حفظہ اللہ کے پاس موجود ہے اور اس کی تدوین واشاعت کا کام جاری ہے۔ اللہ کرے کہ فتاویٰ کا یہ علمی ذخیرہ جلد از جلد منظر عام پر آجائے اور ملت اسلامیہ اس سے بھرپور فیض حاصل کرے۔ آمین

وفات حسرت آیات: عمر کی ۸۵ بہاریں گزار کر بتاریخ ۳؍فروری، ۲۰۱۷ء بروز جمعرات سوا دس بجے کے قریب آپ اللہ کو پیارے ہو گئے اور اپنے پیچھے ایک علمی خانوادہ شیخ عبدالمنان سلفی، وکیل الجامعہ سراج العلوم جھنڈا نگر اور دیگر اہل خانہ کو روتا بلکتا چھوڑ کر دار فانی سے رخصت پذیر ہوئے۔ جھنڈا نگر کے قبرستان میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔ اللہ کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے۔ اور اہل خانہ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔

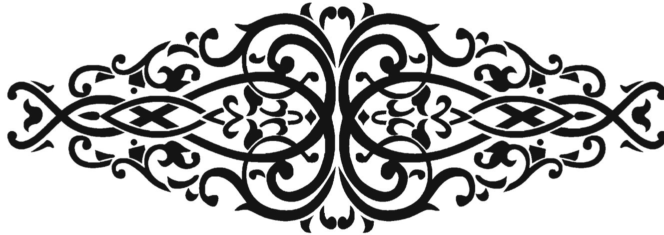
اللھم اغفر لہ وارحمہ واسکنہ فی الفردوس الاعلیٰ۔

مراجع: (۱) تراجم علماء اہل حدیث: خالد صدیقی ص ا

(۲) چمنستان حدیث، بھٹی صاحب ص، ۵۵٦

(۳) ماہنامہ السراج، فروری ۲۰۱۷ء ص ۳٦

❑❑❑



میرے ''کافیہ ابن حاجب'' کے استاذ

مولانا مجیب اللہ فیضی رحمہ اللہ، سدھارتھ نگر

۱۹۳۶ء.........۲۰۱۷ء

عبدالرحیم امینی
جامعہ دارالہدیٰ یوسف پور

سند وقت، شیخ الکل فی الکل، سید نذیر حسین محدث دہلوی کے زمرہ اولین کے تلامذہ میں مولانا عباد اللہ یوسف پوری رحمہ اللہ کا نام لیا جاتا ہے۔ آپ نے حضرت مولانا جعفر علی نقویؒ میر منشی قافلہ جہاد کے حسب ارشاد وایماء اپنے مولد ومسکن گاؤں یوسف پور میں مدرسہ دارالہدیٰ کی بنیاد رکھی، یہ بات ۱۸۵۴ء یا اس کے پس وپیش کی ہے، آج سے تقریباً ڈیڑھ صدی پہلے کتاب وسنت کی ترویج واشاعت کے لئے جو پودا نصب کیا گیا تھا وہ نہ صرف تناور درخت بنا بلکہ اس کی چھاؤں سے لاکھوں کی تعداد میں طالبان علوم نبوت، عوام اور خواص مستفید ومستریح ہوئے، سلسلہ فیض بحمد اللہ آج بھی جاری وساری ہے، علماء مستفیدین میں مفکر ملت مولانا عبدالجلیل صاحب رحمانی رحمہ اللہ، ڈاکٹر وصی اللہ عباس، شیخ عبدالقدوس مدنی وغیرھم حفظھم اللہ کے اسماء جامعہ کے مفاخر میں شمار کئے جاسکتے ہیں، جامعہ کے فیض یافتگان ملک وبیرون ملک میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اور ضلع بستی، گونڈہ وبلرامپور، سدھارتھ نگر، بہرائچ اور نیپال کے متصل سرحدی علاقے تو جامعہ کے جرعہ نوشوں سے بھرے پڑے ہیں۔ جامعہ کے اکثر وبیشتر اساتذہ کے علم وفضل کا خمیر یہیں کی خاک سے اٹھا، بعد میں یہیں مسند نشین بھی ہوئے، مرحلۂ تقاعد بھی آیا اور پھر سفر آخرت۔

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب اثری، حضرت مولانا مجیب اللہ صاحب فیضی، حضرت مولانا اسد اللہ صاحب فیضی، حضرت مولانا محمد یونس صاحب اثری، حضرت مولانا محمد الیاس صاحب سلفی، حضرت مولانا عبدالرشید صاحب اثری، حضرت مولانا محمد مجتبیٰ صاحب سلفی رحمہم اللہ نے یہاں سے کسب فیض فرمایا، فریضۂ تدریس پر مامور ہوئے، اور مولانا عبدالرشید اثری جن کی وفات دوران ملازمت ہوئی کے علاوہ سب عمر تقاعد کو پہنچے بالآخر ہم سب کو داغ مفارقت دے کر مکین عالم برزخ ہوگئے، اللھم اغفرلہ وارحمہ۔

چلی سمت غیب سے اک ہوا کہ چمن سرور کا جل گیا
مگر ایک شاخ نہال غم جسے دل کہیں سو ہری رہی

گزشتہ سطور میں جن اساتذہ وعلم وفن اور اقانیم جامعہ کا نام لیا گیا ہے ان میں سے بعض کے تذکرے جماعتی مجلات میں شائع

ہو چکے ہیں، ہنوز اکثر پر لکھا جانا باقی ہے۔

سب کہاں کچھ لالہ وگل میں نمایاں ہوگئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کی پنہاں ہوگئیں

بعض احباب کے تقاضا واصرار پر اساتذہ راحلین کے ذکر کا یہ سلسلہ شروع کیا جارہا ہے اللہ کرے، یکے بعد دیگرے پورا ہو جائے۔

سردست استاذی مولانا مجیب اللہ فیضی رحمہ اللہ کے حوالے سے چند یادیں لکھی جارہی ہیں:

چھریرا بدن، سانولا رنگ، تیز رو، آتش مزاج، راسخ العزم، منطقیانہ گفتگو، فلسفیانہ موشگافی یہ ایک طرح سے مولانا کا قلمی حلیہ ہے۔

نام ونسب: مجیب اللہ بن عبداللہ خان بن احسان اللہ خان بن بھنڈاری خان بن جبین خاں۔

جبین خان کی وجہ تسمیہ بھی عجیب ہے ان کے کئی برادران یکے بعد دیگرے وفات پاتے گئے، والد محترم نے بطور تفاؤل جبین نام رکھ دیا، حالانکہ ناموں سے زندگیوں میں کمی بیشی نہیں ہوتی۔

سميتة يحيىٰ ليحى فلم يكن
الى رد امر الله فيه سبيل

یہ اور بات ہے کہ اللہ نے انہیں اپنے فضل وکرم سے لمبی زندگی بخشی۔

۱۸۵۷ء کی غدر میں انگریزوں کے ظلم واستبداد سے تنگ آکر موضع مدو، ضلع بستی سے شیخا جوت کے لئے ہجرت فرمائی، اور یہیں ایک زمین دار خانوادے میں ۶ فروری ۱۹۳۶ء میں مولانا کی ولادت ہوئی۔

اس خاندان کی سینکڑوں بیگھے کی زرعی آراضی ''موہن کولہ'' میں بھی ہے، اور اسی اسرۂ علمی کے ایک روشن چراغ مولانا محمد حنیف فیضی رحمہ اللہ تھے۔

ابتدائی تعلیم دارالہدی یوسف پور میں مولانا عبدالاحد پرینہ سے حاصل کی، ۱۹۵۱ء کے پس وپیش میں فیض عام مئوشریف لے گئے، پھر ادیب وقت استاذ العلماء مولانا عبداللہ شائق مرحوم نے فیض عام کو خیر آباد کہا اور جامعہ اثریہ دارالحدیث کی داغ بیل ڈالی، مولانا بھی اپنے استاذ کے ساتھ دارالحدیث چلے گئے، حالات وظروف نے کروٹ لی، دوبارہ اساتذہ فیض عام کے سامنے زانوے تلمذتہ فرمایا اور یہیں سے ۱۳/ شعبان المعظم ۱۳۷۷ھ مطابق ۱۹۵۷ء میں فارغ التحصیل ہوئے، اساتذہ میں شیخ الحدیث مولانا حبیب الرحمن مئوی، شیخ الحدیث مولانا مصلح الدین، مولانا محمد جمیل، مولانا عبدالرحمن اور مولانا محمد احمد ناظم جامعہ، رحمہم اللہ کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔

فراغت کے بعد راہ علم کا یہ سالک خاموش نہیں بیٹھا، بلکہ اور زیادہ علوم کے لئے دہلی، دیوبند یہاں تک کہ مدرسہ اشرفیہ

مبارکپور تک کی خاک چھانی، مولانا کے ان علمی رحلات کا تو مجھے علم ہے پر ان دانشکدوں میں آپ کے اساتذہ کا تتبع بسیار کے بعد بھی مجھے علم نہیں ہوسکا۔

جامعہ دارالہدیٰ میں آپ کی تدریس کا عہد دو حصوں میں منقسم ہے، عہد اول مختصر اور عہد ثانی ۵ رجنوری ۱۹۶۴ء سے شروع ہوکر ۳۰ رجون ۱۹۹۶ء میں سبکدوش ہوگئے۔

کئی سال خوشحالی کے ساتھ ملازمت سے دور رہے، جامعہ کے بغل میں واقع کلیۃ الصالحات میں منتظمین کی شدید اصرار پر بچیوں کو صحیحین کا درس بھی دیا۔

مولانا رحمہ اللہ منتظمین مدارس کے رویوں سے ہمیشہ نالاں رہے، تملق و چاپلوسی کا ہنر نہیں جانتے تھے، اراکین مدرسہ سے کنارہ کش، پر کیسہ و کشادہ دست، اپنی دنیا میں خوش رہنا آپ کا امتیاز تھا۔

اخیر دنوں میں پروسٹیٹ کی شکایت ہوئی، پی، جی، آئی لکھنؤ میں علاج شروع ہوا، انفیکشن ہوتا رہا، تاحیات ڈاکٹر نے دوا لینے کی صلاح دی، بظاہر رو بصحت تھے، کہ اچانک ۱۷ رمارچ ۲۰۱۷ء بعد نماز جمعہ تقریباً ۲ ربجے قضا و قدر پر عالمانہ اور مومنانہ گفتگو کرتے ہوئے مالک حقیقی سے جا ملے، دوسرے دن جم غفیر کی موجودگی میں بقیۃ السلف حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب رحمانی کی امامت میں صلاۃ جنازہ ادا کی گئی، اللھم اغفرلہ وارحمہ۔

مولانا منطق، فلسفہ اور علم نحو میں ید طولی رکھتے تھے، اور فن کی زیادہ تر کتابیں آپ سے متعلق رہتی تھیں، اخیر عمر میں تفسیر و حدیث کی طرف میلان خاطر ہوا، بڑے انہاک کے ساتھ صحیحین کا درس دیتے تھے، فنی کتابوں کی ضروری عبارتیں ازبر تھیں، گفتگو میں بھی منطق و فلسفہ کے اصول سے استدلال فرماتے، واکابر سے ملنے کا شوق رکھتے، دہلی کے اردو کانفرنس میں مولانا آزاد کو دیکھا اور سنا، اساتذہ کی مجلسوں میں مولانا آزاد کے جملے نقل فرماتے، مولانا حفظ الرحمن سیوہارویؒ سے ان کی آفس میں ملے، سیوہارویؒ کی باتیں بھی بڑے ذوق و شوق کے ساتھ سناتے، اقبال کی شاعری سے بیحد متاثر تھے، پوری پوری نظمیں نوک زبان پہ تھیں۔

کہتے ہیں لوگ ذوق جہاں سے گذر گیا
کیا خوب آدمی تھا، خدا مغفرت کرے

(صوت الاسلام ممبئی، ستمبر ۲۰۱۸ء)



مولانا خلیل الرحمن صاحب اعظمی عمری رحمہ اللہ، عمرآباد۔ تامل ناڈو

۱۹۳۵ء.........۲۰۱۷ء

مولانا عبدالوہاب جامعی

نام ونسب:

مولانا خلیل الرحمن اعظمی بن مولانا عبدالسبحان اعظمی بن شیخ الحدیث مولانا محمد نعمان بن حاجی عبدالرحمن شہید، ڈومن پورہ، مئوناتھ بھنجن۔

ولادت وتعلیم:

آپ کی ولادت غالباً ۱۹۳۵ء میں مولانا عبدالسبحان اعظمی کے گھر عمرآباد میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم سے حاصل کی۔ نوبرس کے رہے ہوں گے کہ قرآن مجید ناظرہ مکمل، اور اردو اتنا پڑھا لکھا کہ ۱۹۴۴ء میں جامعہ دارالسلام میں داخلہ کے قابل ہوگئے۔

آپ کے دور طالب علمی سے متعلق آپ کے استاذ گرامی مولانا ابوالبیان حماد عمریؒ تحریر فرماتے ہیں ''میں نے دور طالب علمی سے اعظمی خانوادے کو فرض شناسی، احساس ذمہ داری، اصول پسندی اور وقت کی پابندی میں ممتاز پایا۔ یہ خاندانی خوبی مولانا خلیل الرحمن میں بھی بدرجہ اتم موجود تھی۔ طالب علمی کے زمانے میں بھی وہ ان صفات کے حامل تھے اور فراغت کے بعد جب استاذ جامعہ مقرر ہوئے اس وقت سے لے کر اخیر تک یہ خصوصیات نمایاں دیکھی گئیں'' آپ نے جامعہ دارالسلام میں تقریباً نوسال تک تعلیم حاصل کی اور ۵۳۔۱۹۵۲ء میں فارغ ہوئے۔

آپ کے اساتذہ:

آپ کے دادا شیخ الحدیث مولانا نعمان اعظمی، آپ کے والد مولانا عبدالسبحان اعظمی، مولانا غضنفر حسین شاکر نائطی، مولانا عبدالواجد عمری رحمانی، مولانا حافظ عبیداللہ صاحبؒ اور مولانا ابوالبیان حماد عمری حفظہ اللہ کے آگے آپ نے زانوئے تلمذ تہہ کیا تھا۔

جامعہ دارالسلام میں تدریسی خدمات:

فراغت کے بعد آپ کو اپنی مادر علمی جامعہ دارالسلام ہی میں تدریسی خدمات پر مامور کیا گیا۔ اس ذمہ داری کو آپ نے امانت سمجھ کر اس کا پورا پورا حق ادا کردیا۔ مبتدی سے لے کے منتہی طلباء کو آپ نے پڑھایا۔ ۳۵ برس تک مشکوۃ المصابیح کا اور اپنے والد محترم کے بعد ان کی جگہ ابوداؤد اور صحیح مسلم کا بھی درس دیا۔

آپ نے مدراس یونیورسٹی سے افضل العلماء کیا تھا۔ جامعہ دارالسلام میں یونیورسٹی کے اسٹاف میں شامل تھے۔ اس قبیل کے

امتحانوں کے ممتحن تھے، کچھ عرصہ بعد بورڈ کے چیرمین بھی ہو گئے تھے، اس ذمہ داری کو بھی آپ نے بحسن وخوبی نبھایا۔

جامعہ دارالسلام میں بحیثیت ناظم:

مولانا ابوالبیان حمادؔ حفظہ اللہ رقم طراز ہیں: جب مولانا ظہیرالدین اثری رحمانی عہدہ نظامت سے سبکدوش ہوئے تو ذمہ داران جامعہ نے اس عظیم منصب پر آپ کو فائز کیا۔ مولانا نے اپنی حسن خدمت سے اس منصب کا حق ادا کردیا بلکہ اس کے وقار میں اضافہ کردیا' اپنے دور نظامت میں جامعہ کے نظم ونسق کو مثالی بنانے اور قانون کی بالادستی قائم کرنے میں بڑی محنت کی۔ خود بھی جامعہ کے قوانین کی حددرجہ پابندی کرتے اور اساتذہ، طلبہ رفقائے کار سے بھی اس کی امید رکھتے اس معاملے میں بسااوقات سختی سے بھی کام لیتے تھے۔ جو وقتی طور پر ناگوار گزرتی تھی لیکن جامعہ کے مفاد کے لئے وہ کسی کی خوشی ناخوشی کو کبھی خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ اس حوالے سے ان کے دور نظامت کو جامعہ کی تاریخ میں ایک روشن باب کہنا مبالغہ نہ ہوگا۔

آپ کے چچا مولانا حافظ حفیظ الرحمن صاحب اعظمی عمری مدنی ناظم جامعہ دارالسلام آپ کے دور نظامت سے متعلق تحریر فرماتے ہیں "جامعہ دارالسلام میں اساتذہ طلبہ ملک کے ہر گوشے سے تعلق رکھتے ہیں۔ سب کے مزاج، عادات واطوار اور اخلاق وکردار کو جاننا اوران کے ساتھ ایسا سلوک اور معاملہ کرنا کہ ہر ایک مطمئن ہو یہ کوئی آسان کام نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی شخصیت کو کچھ ایسا رعب دار بنایا تھا کہ اشاروں ہی اشاروں میں بہت سارے کام انجام پذیر ہو جاتے۔ آپ کا وجود دلوں پر حکمران ہوتا"۔

آگے تحریر فرماتے ہیں: "لکھنے بیٹھیں گے تو یہی شہادت ہر ایک کی زبان پر ہوگی جیسے آپ کی ساری خوبیاں حسن انتظام وانصرام ہی کے دائرے میں سمٹ کر رہ گئی ہوں، سالوں کا مشاہدہ وتجربہ ہے کہ جو خوبی حد سے زیادہ نمایاں ہو جاتی تو وہی سب پر چھائی رہتی ہے اور بقیہ ہزاروں اوصاف وکمالات اس کے نیچے دبے رہ جاتے ہیں۔ یا اس میں سمو دیے جاتے ہیں"۔

نظامت کی جو ذمہ داری آپ پر ۱۹۸۲ء میں ڈالی گئی تھی ۲۰۱۳ء تک نبھاتے رہے۔ ازیں قبل ۱۹۷۶ء تا ۱۹۸۲ء نائب ناظم کی حیثیت سے جو خدمات انجام دیں وہ الگ سے تھیں۔ یوں آپ کی حیات کے ساٹھ سال جامعہ دارالسلام کی تدریسی وتنظیمی خدمات میں لگ گئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی ان تمام خدمات کو آپ کے لئے صدقہ جاریہ فرمائے۔ آمین

جماعتی خدمات:

آپ کی دینی خدمات صرف جامعہ دارالسلام عمرآباد تک محدود نہیں تھیں، بلکہ اپنے استاذ مولانا عبدالواجد رحمانی کے بعد پیارم پیٹ کی روڈ مسجد میں ۱۹۸۹ء تا ۲۰۰۶ء تقریباً سولہ سترہ سال خطبہ جمعہ دیتے ہوئے منبرومحراب کو زینت بخشی۔

مولانا ثناء اللہ عمری ایم اے عثمانیہ حفظہ اللہ نے ۱۹۸۶ء میں صوبائی جمعیت اہلحدیث آندھرا پردیش کے اجلاس "ایلور" میں شرکت وخطاب کی دعوت دی تو حاضر ہوئے اور خطاب فرمایا۔

راقم الحروف نے دوروزہ آل کرناٹک یوتھ سلفی کانفرنس چتر ادرگہ (کرناٹک) جنوبی ہند اہل حدیث کانفرنس ہسور (تامل

ناڈو) دوروزہ اجلاس عام صوبائی جمعیت اہل حدیث ہاسپیٹ (کرناٹک) دوروزہ اجلاس عام سری نواس پور (کرناٹک) میں شرکت وخطاب کی دعوت دی تو شریک ہوئے اور سامعین کو اتباع سنت حجیت حدیث محاسن اسلام تربیت اولاد جیسے عناوین پر بصیرت افروز خطاب فرماتے۔ بوقت رخصتی مصارف سفر پیش کرنے پر شکریہ کے ساتھ قبول کرنے سے انکار فرمایا اور گویا ہوئے ''دین کی راہ میں ناچیز اتنے اخراجات تو برداشت کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔ یہ سب پیش کر کے ہمیں شرمندہ نہ کیجئے، کہیں اس پر عنداللہ ہمارا مواخذہ نہ ہوجائے''۔

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی جانب سے ''آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس پاکوڑ'' (جھارکھنڈ) میں شرکت وخطاب کی دعوت ملی تو جماعتی محبت میں دور دراز کا یہ سفر بھی طے کیا اور اجلاس کے تینوں دن شرکت فرمائی اور خطاب بھی کیا۔

راقم کی مولانا سے مراسلت:

راقم نے مولانا ممدوح کے نام مولانا عبدالشکور صاحب رحمانی سرسی، مولانا حافظ عبدالوہاب صاحب کرنولی، مولانا عبدالحمید کنچوری، ہسکوٹہ وغیرہ کی متعلق خطوط روانہ کیے تاکہ جامعہ دارالسلام کے ریکارڈ سے معلومات حاصل کی جائیں۔ ادھر سے میرا خط آپ کے نام پہنچا فوراً جواب روانہ فرمادیا۔ جس میں تمام تفصیلات درج ہوتیں۔ اور آپ نے میرے کام کی تحسین بھی فرمائی تھی۔ گویا خطوط کے جواب دینے کو آپ اپنے اوپر فرض سمجھتے تھے۔

مولانا موصوف نے راقم کو اپنے دو صاحبزادوں محمد اسحاق صاحب اعظمی اور دکتور محمد الیاس اعظمی کی خانہ آبادی میں یاد فرمایا تو یہ راقم نکاح میں شریک رہا۔ اور مبارکبادی پیش کی تو بااصرار کہا کہ ولیمہ میں بھی شریک رہوں' آپ کی محبت وعنایت کو دیکھتے ہوئے ولیمہ میں بھی حاضر رہا۔

اوصاف واخلاق:

عبادت گزاری، اطاعت شعاری اور مستقل مزاجی آپ کو وراثت میں ملی تھی نماز دعا اور وظائف کے وہ بہت پابند تھے۔ عام طور پر مسجد میں پہلے آنے والوں میں اور اخیر میں مسجد سے جانے والوں میں ہوتے۔ اپنے والد محترم کی طرح امام کے بالکل پیچھے تکبیر تحریمہ سے شریک جماعت ہوتے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ۱۹۹۰ء میں فریضہ حج کی ادائیگی کا موقع بھی نصیب فرمایا تھا۔

آپ کے لائق وفائق فرزند ڈاکٹر محمد الیاس صاحب مدنی تحریر فرماتے ہیں ''مولانا خانہ نشین ہوجانے کے بعد جامعہ کے طلبہ ملاقاتیوں سے ملتے بولتے تھے ''پوتا'' پوتی کو کچھ پڑھاتے سکھاتے تھے۔ اوقات نماز سے بہت پہلے وضو فرماتے اور دیر تک اذکار اور دعاؤں میں مشغول رہتے ان معمولات میں حتی الوسع خلل نہیں ہوتا تھا''۔

مولانا حافظ حفیظ الرحمن صاحب عمری مدنی رقم طراز ہیں ''آپ کے اوصاف حمیدہ میں سب سے نمایاں آپ کا جذبہ خدمت تھا جس سے سارا زمانہ واقف تھا ایک اور وصف جس کی گواہی سارے اہل خانہ وخاندان دیں گے وہ آپ کی صلہ رحمی

تھی۔ رشتوں کو جوڑ کر رکھنا ہر ایک کے ساتھ اس کے شایان شان معاملہ کرنا، بڑوں کا احترام، چھوٹوں پر شفقت کریں۔

مزاج قانونی تھا۔ دماغ قوانین وفرامین وضع کرنے میں سرگرداں رہتا تھا۔ دل بہر حال دل تھا۔ سنگ وخشت نہیں۔ المناک واقعات اور رنج وغم کے حادثات میں پسیج جاتا۔

نکاح واولاد:

۱۹۵۷ء میں آپ نے شہر آمبور میں ''جلال'' خاندان میں نکاح فرمایا۔ جن سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو تین لڑکے اور دو لڑکیاں عنایت فرمائیں۔

لڑکے: (۱) محمد ابراہیم صاحب اعظمی تاجر ہیں۔ (۲) محمد اسحاق صاحب ایم ایس سی مملکت سعودیہ عربیہ میں ملازمت کرتے ہیں۔ (۳) دکتور محمد الیاس اعظمی جامعہ دارالسلام عمرآباد میں تدریسی خدمت پر مامور ہیں۔ رہی لڑکیاں ایک مدراس میں اور دوسری وانمباڑی میں رہتی ہیں۔

مصائب پر صبر اور وفات:

۲۰۱۴ء کو جمعہ کے دن غسل کیا، جانے سے کیسے بیٹھے کہ کرسی الٹ گئی مولانا گر پڑے اور کولھے کی ہڈی ٹوٹ گئی اس طرح مدتوں صاحب فراش ہو کر رہ گئے۔

۳۰ ستمبر ۲۰۱۶ء کو آپ کے بھائی مولانا عبیدالرحمن اعظمی سفر آخرت پر روانہ ہو گئے، اس سانحے کے صرف ساڑھے تین ماہ بعد ۱۴/جنوری ۲۰۱۷ء کو رفیقہ حیات ساٹھ سالہ رفاقت کے بعد دائمی مفارقت کا داغ دے گئیں، ان تمام مصائب پر آپ نے صبر سے کام لیا۔ آخر بروز اتوار ۲۹/رمضان المبارک ۱۴۳۸ھ موافق ۲۵/جون ۲۰۱۷ء کی صبح قوم وملت کے اس بے لوث خادم نے اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

نماز جنازہ بعد نماز مغرب جامعہ دارالسلام کی مسجد میں ادا کی گئی، مولانا کے فرزند دکتور محمد الیاس صاحب اعظمی نے امامت فرمائی۔ تدفین عمرآباد وگڑھ آمبور کے درمیان واقع قبرستان میں ہوئی۔ اللھم اغفر لہ وارحمہ۔ (آمین)

ماخوذ از: (تاریخ اہل حدیث جنوبی ہند کے درخشاں پہلو ص ۴۱۷)



قدیم وشہیر ادارہ جامعہ دارالسلام کے سابق مہتمم مولانا خلیل الرحمن صاحب کا سانحۂ ارتحال

مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی

دہلی ۲۵؍جون ۲۰۱۷ء: مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے ناظم عمومی مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی کے جاری کردہ پریس ریلیز کے مطابق علم وعمل کا ماہتاب تعلیم وتربیت کا آفتاب خانوادہ فیض یافتگان مدرسہ میاں صاحب سید نذیر حسین محدث دہلویؒ اور مرکز علم وفن مئو کے سپوت اور چشم وچراغ معروف اور عالمی شہرت یافتہ سلفی ادارہ جامعہ عمر آباد دارالسلام کے سابق مہتمم وناظم اور جماعت اہل حدیث کی مخلص اور عظیم شخصیت محترم مولانا خلیل الرحمن ابن مولانا عبدالسبحان بن مولانا محمد نعمان اعظمی کا انتقال ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مولانا عبدالعلیم عمری ناظم اعلیٰ صوبائی جمعیت اہل حدیث تمل ناڈو اور پانڈیچیری کی سرسری اطلاع کے مطابق آج مورخہ ۲۵؍جون ۲۰۱۷ء کو دس بجے دن میں بنگلور میں سانحہ ارتحال پیش آگیا جہاں ان کو علاج کے لئے لے جایا گیا تھا۔ آج شام بعد نماز مغرب ان کی تدفین عمر آباد میں عمل میں آئی۔ ان کی عمر تقریباً نوے سال تھی۔

آپ کا آبائی وطن مئوناتھ بھنجن کا وہ مردم خیز شہر ہے جس میں قوم وملت اور جماعت اہل حدیث کی عظیم شخصیات پیدا ہوئی ہیں اور اپنے علوم وفنون خصوصاً علوم کتاب وسنت سے ایک عالم کو فیض یاب کیا۔ آپ کے والد محترم پچھلی نسل کے عظیم معلم ومربی تھے تو آپ کے دادا مولانا محمد نعمان اعظمی دبستان ولی اللہی کے حقیقی جانشین میاں سید نذیر حسین دہلوی کے ارشد واعظم تلامذہ میں سے تھے۔ آپ کے پانچوں برادران ذی علم وذی وقار رہے ہیں خصوصاً محترم جناب مولانا شیخ انیس الرحمن اعظمی ادیب اریب اور معلم شہیر اور مربی عظیم استاد الاساتذہ حفظہم اللہ یگانہ روزگار ہستیوں میں سے ایک ہیں اور یوں آپ کا خانوادہ ایں خانہ ہمہ چراغ است کے مصداق ہے۔ آج اسی خانوادہ کا ایک عظیم ترین چراغ بجھ گیا۔ ایک عظیم خلا چھوڑ گیا اور کتنوں کو سوگوار واشکبار کر گیا۔ **انا للہ وانا الیہ راجعون، اللهم اغفر له وارحمه وعافه واعف عنه وانزل عليه شآبيب رحمتک۔**

ناظم عمومی مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی نے کہا کہ حضرۃ العلام اعظمی صاحب کی جائے پیدائش عمر آباد تاملناڈو ہے۔ تعلیم وتربیت دارالسلام عمر آباد میں ہوئی اور وہیں کے ہوکر رہ گئے وہاں زمانہ دراز تک درس وتدریس کا فریضہ انجام دیا۔ مدتوں اس کے ناظم ومہتمم رہے آپ کے بے شمار تلامذہ ہیں جو عرب وعجم میں اپنے علمی ودعوتی فیوض سے عالم کو مستفید فرما رہے ہیں جو آپ کے لئے صدقہ جاریہ ہیں۔ عصر حاضر کے عظیم مربی وادیب ومعلم شیخ انیس الرحمن اعظمی حفظہ اللہ استاذ الاساتذہ کے استاذ اور بڑے بھائی ہیں۔ جمعیت اہل حدیث سے بے حد محبت وعقیدت تھی اور مسلک اہل حدیث کے مناد تھے۔ مدتوں وانم باڑی اور پرنام بٹ کی جمعیت اہل حدیث کے امیر رہے۔ ہر ملاقات میں جمعیت سے ایسی وابستگی اور جماعت سے ہمدردی کا اظہار فرماتے کہ دامن دل آپ کی طرف کھنچتا چلا جاتا اور اس کی لذت واپنائیت تادیر محسوس ہوتی رہتی خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را۔

مولانا مرحوم نے لاکھوں سوگوار چھوڑے ہیں ان میں ان کی دو صاحبزادیاں اور تین صاحب زادے خصوصاً مولانا ڈاکٹر محمد الیاس اعظمی آپ کے حقیقی جانشین ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت الفردوس عطا کرے اور پسماندگان کو صبر جمیل اور جماعت وجمعیت کو نعم البدل عطا کرے۔ جو مشکل ہے مگر۔ **ولیس علی اللہ بعزیز۔** (جریدہ ترجمان جون ۲۰۱۷ء) ❑❑❑

مولانا اسداللہ فیضی سدھارتھ نگر

حیات وخدمات کے نمایاں اوراق

وفات اگست ۲۰۱۷ء

مولانا عبدالحکیم عبدالمعبود مدنی

شمالی ہندوستان کا ایک مشہور علاقہ ضلع بستی حال سدھارتھ نگر ہے جو جماعت اہل حدیث کا مرکز مانا جاتا ہے۔ کسی زمانہ میں یہاں جماعت مجاہدین اوران کے قافلے بھی اترا کرتے تھے۔ علماء اجلاء کی آمد ورفت سے یہ خطہ ہمیشہ سرشار رہا ہے۔ اس پر مزید یہ کہ بڑے بڑے رحمانی وغیر رحمانی علماء کے مسکن ہونے کا بھی اسے شرف حاصل ہے۔ مولانا عبدالجلیل رحمانی، مولانا عبدالغفور بسکوہری، مولانا محمد زماں رحمانی، مولانا عبدالقیوم رحمانی اوران کے علاوہ سیکڑوں نام ہیں جو اس فہرست میں شامل ہیں۔ علماء اہل حدیث اور تاریخ اہل حدیث کے رمز شناس ایک عظیم مورخ حضرت مولانا عبدالحمید رحمانیؒ کا تعلق بھی اسی منطقہ اور خطے سے تھا۔ حسن اتفاق زیر قلم ہمارے مرحوم مولانا اسداللہ فیضی کو آپ کی علمی صحبت اور کلاس ساتھی اوراس مردم خیز خطہ سے ہونے کا شرف حاصل ہے اور ہمیشہ سے تادم آخر آپ نے رحمانی صاحب کا ہر محاذ پر ساتھ نبھایا ہے۔

مولانا اسداللہ فیضی ایک باکمال مدرس، کہنہ مشق عالم دین، اور جماعت اہل حدیث کے انتہائی سنجیدہ اور باوقار حوصلہ مند سپوت تھے۔ ۳۶ سالہ طویل عرصے پر آپ کی تدریسی خدمات محیط ہیں جماعت کے دعوتی مشن اور جمعیت اہل حدیث کے منہجی کاز سے آپ ہمیشہ مضبوطی سے وابستہ رہے۔ چھوٹا بڑا کوئی بھی اجلاس ہو آپ کی اس میں بے لوث شرکت رہا کرتی تھی۔ جماعتی اداروں کو تعاون اور آفت زدگان کی ریلیف اور مدد کا معاملہ ہو آپ نے ہمیشہ اپنے بل پر ترائی کے دیہات علاقوں سے بھاری رقمیں وصول کر ادا کیا ہے۔ مگر موت سے کس کو رستگاری ہے۔ ایک دن قضا آئی اور لے چلی ۱۴/اگست ۲۰۱۷ کو رب العالمین کی طرف سے بلاوا آ گیا اور یہ علمی ہستی بالآخر ہم سے رخصت پذیر ہوگئی۔ **انا للہ وانا الیہ راجعون، اللھم اغفرلہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ وادخلہ الفردوس الاعلی۔**

ذیل میں آپ کی حیات وخدمات کے تعلق سے چند مفید اور علمی باتیں درج کی جارہی ہیں تاکہ تاریخ اہل حدیث میں آپ کی قربانیاں وخدمات ثبت رہیں۔ اور ہماری نسل تابناک ماضی کی روشنی میں اپنے سنہری مستقبل کو تلاش کرسکے۔

ملاحظہ: مورخہ ۱۰ ستمبر ۲۰۱۷ء بروز اتوار آپ کے آبائی گاؤں گھیراؤ جوت میں ایک تعزیتی نشست کا انعقاد آپ کے داماد عزیز القدر عبدالرحیم مونس فیضی نے کیا تھا جس میں علاقہ کے اجلاّ علماء کی شرکت تھی اور مولانا کی خدمات کو سراہتے ہوئے تمام اہل علم نے خراج عقیدت پیش فرمایا تھا۔ اس مجلس میں شیخ الحدیث مولانا محمد ابراہیم رحمانی، مولانا عبدالمنان سلفی، مولانا عبدالرحیم امینی، مولانا

مطیع اللہ مدنی، مولانا غیاث الدین سلفی اور خاکسار عبدالحکیم عبدالمعبود مدنی اور اس کے علاوہ بے شمار شعراء سالک بستوی وغیرہم شریک محفل تھے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے۔ آمین۔

نام ونسب: مولانا اسداللہ فیضی بن احسان اللہ۔ آپ کا خاندان زراعت پیشہ ہے۔ والد صاحب کی تمناؤں سے آپ نے علم دین حاصل کیا اور عالم بنے، خاندان کے لوگ دینی جذبے کے حامل تھے اور جماعت اہل حدیث کے عقیدہ ومنہج پر گامزن تھے۔ موہانہ چوراہانزد یوسف پور جہاں جماعت کا قدیم ادارہ دارالہدیٰ یوسف پور واقع ہے اس کے قریب ایک گاؤں گھیراؤ جوت ہے وہیں آباد تھے اور آج بھی یہی گاؤں اس خاندان کا مسکن وماویٰ ہے۔

تاریخ ولادت ومقام پیدائش: آپ ستمبر ۱۹۴۴ء کو مقام گھیراؤ جوت، پوسٹ شیو پتی نگر (نزد موہانہ چوراہا ودارالہدیٰ یوسف پور) سدھارتھنگر پیدا ہوئے۔ اور یہیں آپ کی پرورش وپرداخت ہوئی۔

ابتدائی واعلیٰ تعلیم: (۱) ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب میں ہوئی جو مکتبی نصاب تعلیم کے اعتبار سے بچوں کی درسگاہ تھی۔

(۲) عربی تعلیم کے حصول کے لئے علاقہ کے مشہور جماعتی ادارہ دارالہدیٰ یوسف پور گئے وہاں عربی کی ابتدائی درجات تک تعلیم مکمل کی۔

(۳) اعلیٰ تعلیم کے لئے جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو گئے۔ اور وہیں سے ۱۹۶۱ء میں سند فراغت حاصل کی اس وقت آپ کی عمر ۱۷ سال کی تھی جیسا کہ تاریخ پیدائش سے واضح ہے۔

(۴) بعد میں فاضل ادب اور دینیات نیز ڈاکٹری وطبی کورس کی ڈگریاں بھی اچھے نمبرات سے حاصل کی تھیں۔

آپ کے مشہور اساتذہ: مولانا عبدالرحمن نحوی، شیخ الحدیث شمس الحق سلفی، مولانا عظیم اللہ مئوی، مفتی حبیب الرحمن مئوی، مولانا عبدالمعید بنارسی، مولانا محمد اسحاق مئوی رحمہم اللہ اجمعین۔

آپ کے مشہور تلامذہ: چونکہ آپ نے ۲۶ سال کی ایک طویل مدت تک جامعہ دارالہدی یوسف پور میں تدریسی خدمات انجام دی ہیں اس لئے یہ بات متحقق ہے کہ آپ کے شاگردوں کی تعداد سیکڑوں سے متجاوز ہوگی۔ افادہ کے لئے چند مشاہیر کے نام درج ذیل ہیں۔

مولانا محمد ہاشم سلفی، مولانا اقبال فیضی، مولانا حمید اللہ یوسفی، مولانا عبدالصمد سلفی، مولانا عبدالرحمن یوسفی، مولانا شمس الدین فیضی، مولانا محمد فاروق نیپالی فیضی وغیرہم کثیر۔

خدمات اور کارنامے: (۱) فراغت کے بعد کانپور فیصل گنج مشہور مسجد اہل حدیث فتح پل میں امامت وخطابت کرتے رہے۔

(۲) ۱۹۸۰ء یا ۱۹۸۱ء کے آس پاس جامعہ دارالہدیٰ یوسف پور میں تدریسی خدمات سے وابستہ ہوئے اور ۲۶ سالوں تک جامعہ سے منسلک رہے۔ ۲۰۰۷ء میں وہاں سے ریٹائرڈ ہوئے۔ اس دوران عربی اعلیٰ درجات کی کتابیں آپ کے زیر تدریس رہا کرتی تھی اور سیکڑوں طالبان علوم نبوت آپ سے فیض پاکر راہِ دعوت وتعلیم کے مسافر بنے اور ملت وجماعت کی خدمت کرنے کا انہیں شرف عظیم ملا۔ اللہ قبول فرمائے۔ آمین۔

(۳) آپ تدریس کے ساتھ ہمیشہ جماعت اہل حدیث کی علاقائی، ضلعی اور صوبائی مرکزی یونٹوں سے جڑے رہے۔ ہمیشہ جماعت ومنہج کی خدمت کرنا آپ کا شیوہ تھا۔ علاقے میں کوئی چھوٹا بڑا جلسہ ہو، جماعت کی میٹنگ ہو یا صوبائی ومرکزی کانفرنسیں ہوں آپ نے وہاں اپنی حاضری سے جماعت ومنہج کو استحکام بخشا، ہمیشہ میدان دعوت سے وابستہ رہے۔ آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس پاکوڑ، مئو، رام لیلا میدان دہلی اور اسی طرح رحمانی صاحب کی حیات پر منعقدہ عالمی سیمینار اوکھلا دہلی میں حاضر وشریک رہے۔

(۴) علاقے میں مستقل کہیں نہ کہیں خطبات جمعہ کے لئے ضرور سفر کیا کرتے تھے اور اپنے علم وعمل سے گاؤں گاؤں حاضر ہوکر قال اللہ وقال الرسول کی صدائے دلنواز سے بندگانِ خدا کو جگایا کرتے تھے۔ خطبات جمعہ کی بڑی اہمیت ہے اور وہ بھی دیہات اور قریہ قریہ جاکر علاقوں میں جہاں آمدورفت کے وسائل نہ ہوں، بجلی وپنکھوں کا انتظام نہ ہوایسے میں سفر کی کلفتوں کو جھیلنا اور خطبہ جمعہ کے لئے کسی دور دراز کے دیہاتی علاقے میں جانا بڑی قربانی کا کام ہے۔ یہ قربانی مولانا اسد اللہ فیضی کے حصے میں بھی بہت ہی تسلسل کے ساتھ دیکھنے میں آتی ہے۔ اللہ شرف قبولیت عطا فرمائے۔

(۵) جامعہ دار الہدیٰ یوسف پور سے تدریسی ذمہ داریوں سے ۲۰۰۷ء میں سبکدوش ہونے کے بعد آپ اپنے علاقے کے ایک مشہور گاؤں سپاٹو پور میں واقع ایک تعلیمی نسواں ادارہ جامعۃ الطیبات سے وابستہ ہوگئے اور وہاں صحیحین کا درس دیتے رہے جب تک صحت بحال تھی اس عظیم کام میں لگے رہے۔ بعد میں خرابی صحت کی وجہ سے اس سے علیحدہ ہونا پڑا اور ڈاکٹروں کے مشورہ کے مطابق آرام کے لئے مجبور ہونا پڑا۔

(۶) خرابی صحت اور بڑھاپے کی کمزوری واضمحلال طبیعت کے باوجود بھی آپ تاحیات رواں دواں رہے۔ خدمت خلق کا جذبہ تھا وہ جاری رہا لوگوں کا علاج معالجہ کرتے رہے اور جماعتی مشن سے وابستہ رہے۔ 2015ء میں صوبائی جمعیت اہل حدیث مشرقی یوپی کی طرف سے منعقد صوبائی کانفرنس لکھنؤ میں آپ بنفس نفیس شریک رہے۔ خاکسار سے وہیں ملاقات ہوئی۔ عزم جواں، حوصلے بلند اور لوگوں سے ملاقات کا جذبہ اس کی قدردانی ہونی چاہیے۔ قربانیاں اس کے بغیر نہیں دی جاسکتی ہیں۔ اور یہ ساری صفات مولانا میں کوٹ کوٹ کر بھری تھیں۔

اہم ذمہ داریاں اور مناصب: (۱) جمعیت اہل حدیث حلقہ نوگڑھ کے برسوں امیر رہے۔

(۲) ضلعی جمعیت اہل حدیث سدھارتھ نگر کے نائب امیر رہے۔

(۳) ٹیچر ایسوسی ایشن اتر پردیش کے رکن خاص تھے۔

(۴) مولانا عبد الحمید رحمانی صاحب کے عالمی ادارہ مرکز ابو الکلام آزاد اسلامک اویکننگ سینٹر دہلی کے رکن تھے اور ہمیشہ دامے درمے قدمے سخنے اس سے وابستہ رہے۔ رحمانی صاحب آپ کی بڑی قدردانی فرماتے تھے اور آپ بھی ہمیشہ ان کے مشن کے ساتھ کھڑے رہے۔

اہم رفقاء وزملاء درس: آپ کو جماعت کے اجلہ علماء کی رفاقت وہم سبق ساتھی ہونے کا شرف حاصل ہے۔ جن میں چند مشاہیر کے نام ذکر ہیں جو اس وقت فیض عام میں آپ کے ساتھ ہم عصر تھے۔

(مولانا عبدالحمید رحمانیؒ، دہلی (۲) ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہریؒ، بنارس (۳) مولانا صفی الرحمن مبارکپوریؒ، صاحب الرحیق المختوم۔ (۴) ڈاکٹر عبدالعلی ازہری، لندن وغیرہم۔

بیماری ووفات: برسوں سے شوگر اور بلڈ پریشر کا عارضہ لاحق تھا دوا علاج لیتے رہے اور زندگی رواں دواں رہی آخری وقت میں فالج کا اٹیک ہوا اور پھر اس سے جانبر نہ ہوسکے بالآخر ۱۴/اگست ۲۰۱۷ء بروز سوموار دوپہر ایک بجکر ۱۵ منٹ پر روح قفص عنصری سے پرواز کرگئی۔ایک پرہجوم مجمع کے ساتھ نماز جنازہ شیخ الحدیث مولانا محمد ابراہیم رحمانی صاحب نے پڑھائی اور پرنم آنکھوں سے ہزاروں سوگواروں کی موجودگی میں سپرد خاک ہوئے۔ **اللھم اغفرله واسکنه الفردوس۔ آمین**

پسماندگان: آپ کے پسماندگان میں ایک بیوہ (زوجہ باحیات) جو مولانا عبدالرحیم رحمہ اللہ، پرینا کی صاحبزادی ہیں۔ایک اکلوتا لڑکا شمیم احسن فیضی ہے جو کہ عالم دین ہیں اور برسرروزگار ہیں۔اور چھ لڑکیاں ہیں جو کہ جامعۃ الطیبات سے فارغ التحصیل اور شادی شدہ ہیں۔

آپ کے ایک داماد مولانا عبدالرحیم فیضی مونس ہیں جو آپ کی وفات کے بعد آپ کی خدمات وحیات کو اجاگر کرنے کے لئے کمربستہ ہیں۔اللہ تعالیٰ آپ کی محنتوں کو قبول فرمائے اور اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچائے۔

(ماہنامہ صوت الاسلام ممبئی ۲۰۱۷ء)



آپ کے بعد کمی آپ کی ستاتی ہے

(بیاد فضیلۃ الشیخ مولانا اسد اللہ فیضی رحمہ اللہ)

تحریر: عبدالرحیم مونس فیضی

''جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں'' کے مصداق ایک چراغ سحر اور گل ہوگیا۔ سدھارتھ نگر کے ترائی علاقہ اور جماعت کی قدیم ترین درس گاہ جامعہ دارالہدیٰ یوسف پور کے ایک عظیم المرتبت مربی ومدرس مولانا اسداللہ فیضی ۱۴/اگست ۲۰۱۷ء بروز سوموار اس دارفانی سے رخصت ہوگئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ آپ یوسف پور مہانا کے قریب موضع گھیراؤ جوت کے رہنے والے تھے ۱۹۴۴ء آپ کا سن ولادت ہے۔ ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب سے شروع کی اس کے بعد عربی تعلیم جامعہ دارالہدیٰ یوسف پور اور فیض عام مئو سے مکمل کی۔ جامعہ اسلامیہ فیض عام سے ۱۹۶۱ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔ اور کچھ برسوں تک کانپور فیصل گنج کی جامع مسجد اہل حدیث میں امام وخطیب رہے۔

غالباً ۱۹۸۱ء میں بغرض ملازمت وتدریس جامعہ دارالہدیٰ یوسف پور سے منسلک ہوگئے اور کم وبیش ۲۶ سالوں تک تدریس وتعلیم کا دینی فریضہ انجام دیتے رہے۔ اور تشنگان علوم نبوت کو فیض پہنچاتے رہے۔ ۲۰۰۷ء میں ریٹائرڈ ہوئے اور اس کے بعد کچھ سالوں تک سپاٹو پور سدھارتھ نگر کے نسواں ادارہ جامعۃ الطیبات میں صحیحین پڑھاتے رہے۔ صحت کی خرابی کی وجہ سے بالآخر وہاں سے مستعفی ہوگئے اور تاحیات جماعت وجمعیت اور دعوتی مشن سے جڑے رہے۔ آپ مولانا عبدالحمید رحمانی کے بے لوث ساتھیوں میں سے تھے۔ اسی تعلق کی بنیاد پر آپ رحمانی صاحب کے ادارہ مرکز ابوالکلام آزاد دہلی کے ممبر بھی رہے۔ علم وعمل اور تدریسی وتعلیمی خدمات نیز دعوتی وجماعتی نشاطات سے بھرپور ایک زندگی گزار کر رخصت ہوگئے۔ **انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللھم اغفر لہ وارحمہ واسکنہ الفردوس۔** زیر نظر مضمون آپ کے داماد مولانا عبدالرحیم مونس سدھارتھ نگر کے قلمی احساسات ہیں جو بغرض افادہ قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے اہل خانہ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ ادارہ صوت الاسلام اور جامعہ رحمانیہ آپ کے غم میں برابر شریک ہے۔ (عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی)

صحت مند جسم، متوسط قد، گورا رنگ، کلی دار کرتا، علی گڑھی پائجامہ، صدری اور اونچی مدراسی ٹوپی، گفتار رفتار میں متانت وتحمل اور بردباری یہ ہے مولانا اسداللہ فیضی رحمہ اللہ کا مختصر سا قلمی خاکہ۔

ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب میں ہوئی، یہاں سے سیدھے جامعہ دارالہدیٰ یوسف پور میں وارد ہوئے۔ ان دنوں جامعہ میں حضرت مولانا عبدالاحد پرینا کی مسند درس بچھی ہوئی تھی۔ یہ سن ۱۹۵۸ء کی بات ہے دارالہدیٰ یوسف پور سے فیض عام مئو تشریف لے گئے، وہاں حضرت مولانا عبدالرحمن نحوی، شیخ الحدیث شمس الحق سلفی، شیخ الحدیث مولانا عظیم اللہ مئوی، مفتی حبیب الرحمن مئوی، مولانا

عبدالرحمن مبارکپوری، مولانا عبدالمعید بنارسی، مولانا محمد اسحاق مئوی رحمہم اللہ جیسے اساطین علم وفن سے کسب فیض کرتے ہوئے یہیں سے سن ۱۹۶۱ء میں فارغ التحصیل ہوئے اور نام کے آگے فیضی لکھنے کا سلسلہ شروع ہوا۔ آپ کے مقتدر ساتھیوں میں ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری، مولانا صفی الرحمن مبارکپوریؒ، مولانا عبدالحمید رحمانیؒ اور ڈاکٹر عبدالعلی ازہری حفظہ اللہ جیسے نوابغ ہستیاں شامل ہیں۔

مولانا رحمہ اللہ کے تعلقات اپنے اساتذہ اور رفقائے درس کے ساتھ ہمیشہ خوشگوار اور استوار رہے اور علامہ عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ سے تو اس حد تک تعلق خاطر تھا کہ آپ مرکز ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر کے ممبر بھی رہے۔

مولانا فیضیؔ رحمہ اللہ کم سخن، خوش گفتار، خوش پوش، راست گو اور عالمانہ وضع قطع کے حامل انسان تھے۔ مسلکی غیرت اور جماعت وجمعیت سے والہانہ تعلق آپ کا طرۂ امتیاز تھا۔ جمعیت اہل حدیث حلقہ نوگڑھ کی امارت مولانا رحمت اللہ اثریؒ کی وفات کے بعد آپ کے نام مختص رہی۔ ضلعی جمعیت اہل حدیث سدھارتھ نگر کی مجالس ونشاطات میں ہمیشہ آپ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ مرکزی جمعیت کے حسب ارشاد جب بھی ضلع کے پیمانہ پر ریلیف فنڈ کی فراہمی کی بات آئی تو آپ ہمیشہ پیش پیش رہے۔

جامعہ دارالہدیٰ یوسف پور میں ایک عرصہ دراز تک منصب درس وتدریس پر پوری ایمانداری کے ساتھ فائز رہے اور یہیں سے باوقار طریقے سے ۲۰۰۷ء میں ریٹائرڈ ہوئے۔ حالیہ پرنسپل مولانا عبدالعزیز اثری نے فرمایا کہ مولانا مرحوم جامعہ ہمیشہ وقت سے آتے بلکہ اکثر قبل از وقت تشریف لاتے اور پوری تندہی کے ساتھ کلاسوں میں پہنچتے، اساتذہ کیلئے نمونہ تھے۔

غالباً کانپور کے فیصل گنج جامع مسجد اہل حدیث سے ملازمت کا آغاز ہوا، خطبات جمعہ اور دعوتی سرگرمیاں شروع ہوئیں، جامعہ دارالہدیٰ یوسف پور سے ریٹائرڈ منٹ کے بعد جامعۃ الطیبات سپاٹو پور میں بچیوں کو صحیحین پڑھاتے رہے۔ بعد میں خرابی صحت کی وجہ سے مستعفی ہوگئے اور مستقل طور پر گھر ہی رہنے لگے۔

جامعہ سے بغرض حصول تعاون مدراس، حیدرآباد اور بنگلور کے اسفار کا سلسلہ دورانِ ملازمت جاری رہا نیز ان تینوں شہروں میں آپ کے قدردانوں اور خیر خواہوں کی ایک لمبی تعداد آج بھی موجود ہے۔ مولانا کے سفر کے ساتھیوں میں بطور خاص مولانا عبدالرحیم امینیؔ اور مولانا ذبیح اللہ ندوی، مولانا حمید الدین یوسفیؔ کے نام لئے جاسکتے ہیں۔ امینی صاحب کا نام آپ بڑے احترام کے ساتھ لیتے تھے۔ مولانا امینیؔ صاحب نے بتایا کہ فیضیؔ صاحب جیسا وضع دار انسان اور خوش خلق میں نے اپنی زندگی میں نہیں دیکھا۔

مولانا فیضی رحمہ اللہ کا خطاب انتہائی مربوط، دلکش اور کتاب وسنت سے آراستہ ہوا کرتا تھا۔ خطبات جمعہ علاقے کی بڑی مساجد میں تاحیات دیتے رہے۔ موہانہ چوراہا کی قدیم مسجد حفیظیہ کا منبر ومحراب آپ کی توجہات کا خاص مرکز تھا۔ یکے بعد دیگرے کئی بیماریوں نے آپ کی صحت پر برا اثر ڈالا اور پھر آہستہ آہستہ آپ کمزور ہوتے چلے گئے پھر بھی مردانہ وار اور مومنانہ صبر وتحمل سے آپ ان سے لڑتے رہے۔ جماعتی پروگراموں میں آمدورفت کا سلسلہ جاری رہا۔ دور دراز کے سفر سے بھی ان حالات کے باوجود آپ نہیں گھبراتے، لیکن کب تک بالآخر وہ شمع جو ۱۹۴۴ء میں موضع گھیراؤجوت، موہانا، سدھارتھ نگر میں روشن ہوئی تھی ۷۲ سالوں تک جلنے کے بعد ۱۴؍اگست ۲۰۱۷ء بروز سوموار بوقت ۱ بج کر ۱۵ منٹ پر بجھ گئی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا کے اکلوتے لڑکے مولوی شمیم احسن فیضیؔ کی قطر سے واپسی کو دیکھتے ہوئے دوسرے دن ۱۵؍اگست کو ۱ بج کر ۵۰ منٹ پر ایک جم غفیر عوام وخواص، علماء اور طلباء کی موجودگی میں شیخ الحدیث مولانا محمد ابراہیم مدنی رحمانی صاحب کی امامت میں نماز جنازہ

ادا کی گئی۔نم آنکھوں اور لرزتے ہاتھوں سے تجہیز وتکفین کا عمل پورا کیا گیا۔ **اللھم اغفر لہ وارحمہ۔۔۔۔۔۔۔** ؎

آپ کے بعد کمی آپ کی ستاتی ہے
آپ کی یاد ہمیں بار بار آتی ہے

آپ کے پسماندگان میں اہلیہ، ایک لڑکا شمیم احسن فیضیؔ، چھ بچیاں، جمیلہ طیباتی، رئیسہ، انیسہ طیباتی، شاہدہ طیباتی، یاسمین طیباتی، شاہین طیباتی نیز پورے پوتیاں اور نواسے شامل ہیں۔مولانا محمد حسن فیضیؔ استاذ دارالہدیٰ یوسف پور نے مولانا رحمہ اللہ کے حرم مکی کی اس دعا کا ذکر کیا جو فیضی رحمہ اللہ نے بطور خاص مانگی تھی کہ مولائے کریم جب تک میں بچیوں کی شادی سے فارغ نہ ہو جاؤں مجھے زندہ رکھنا اور اس عظیم ذمہ داری کی راہیں آسان فرمانا، حرم مکی کی دعا مقبول ہوئی اور الحمد للہ بچے اور بچیوں کی شادیوں سے آپ بہت پہلے بحسن وخوبی فارغ ہو چکے تھے۔آپ کا اہل خانہ زیور تعلیم سے آراستہ ہے۔بچیاں جامعات الطیبات سے فارغ التحصیل ہیں نیز نسواں درسگاہوں میں درس وتدریس اور کتاب وسنت کا پیغام کئی برسوں تک دیتی رہی ہیں جو مولانا رحمہ اللہ کے خوابوں کی تعبیر اور توشہ ہائے آخرت ہیں۔جاتے جاتے مولانا کے زبان سے اللہ اللہ کی آواز سنائی دیتی رہی اور دیکھتے دیکھتے ہمیشہ کے لئے آنکھ بند کر لئے اور اہل نظر سے یہ کہہ گئے کہ ؎

تم بلاؤ گے ہم نہ بولیں گے
آج کے بعد لب نہ کھولیں گے

دعاء ہے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ مولانا مرحوم کی بشری لغزشوں کو معاف فرماتے ہوئے جنت الفردوس میں شادکام فرمائے، آمین ؎

آہٹ بھی نہ محسوس ہوئی ختم سفر تک
یہ عمرِ رواں کتنے دبے پاؤں چلی ہے

راقم آثم کو دامادی کا شرف حاصل ہے۔مولانا کے حوالے سے یادوں کا ایک طویل سلسلہ ہے۔مجلّات کی پالیسیاں اور صفحات کی تنگ دامانیاں مطمح نظر ہیں، کیا لکھوں اور کیا نظر انداز کروں سمجھ میں نہیں آتا، دعا ہی بہتر خراج عقیدت ہے اس لئے میرے مولیٰ ؎

ہے دعائے غم زدہ بندے کی نگرانی رہے
حشر کے جملہ مراحل میں بھی آسانی رہے
حکم سے حاضر ہے بندہ اب ترا تیرے حضور
جنت الفردوس میں تیری نگہبانی رہے۔

آمین ثم آمین

غمزدہ
عبدالرحیم مونس فیضی، سدھارتھ نگر

❑❑❑

رحمانی علماء کی آخری کڑی حضرت مولانا ظہیرالدین رحمانی اثریؒ

وفات اگست ۲۰۱۷ء

مولانا عبدالحکیم عبدالمعبود مدنی

بڑے ہی رنج وغم کے ساتھ یہ اطلاع دی جارہی ہے کہ عالم عرب وعجم کی ایک معروف علمی شخصیت اور رحمانی علماء کے سلسلے کی آخری کڑی حضرت مولانا ظہیرالدین رحمانی اثری سابق شیخ الحدیث جامعہ دارالسلام عمرآباد، عمر کی ۹۷ بہاریں مکمل کر کے ۱۴/اگست ۲۰۱۷ء بروز سوموار اللہ کو پیارے ہو گئے۔ (اللھم اغفر لہ وارحمہ واسکنہ فسیح جناتہ، آمین)۔

آپ کا آبائی وطن ''حسین آباد'' مبارکپور ہے مگر عمر عزیز کا ایک طویل عرصہ ۱۹۴۹ء سے لیکر تا حال ۲۰۱۷ء جنوبی ہندوستان میں علم حدیث کی خدمت اور منہج سلف کی نشرواشاعت میں لگادی۔ ابتدائی تعلیم والدہ ماجدہ سے شروع کی اور دارالتعلیم مبارکپور میں ثانویہ کے بعد مدرسہ فیض عام مئو میں چھٹی تک کی تعلیم حاصل کی۔ کچھ دنوں تک دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لے کر تعلیم حاصل کرتے رہے مگر والد محترم نے وہاں سے واپس بلا کر دارالحدیث رحمانیہ دہلی حضرت مولانا عبیداللہ رحمانی مبارک پوری کے پاس روانہ کردیا۔ چھٹی جماعت میں داخلہ ہوا، تین سال تک رحمانیہ دہلی کی پرکیف علمی فضاؤں میں اساطین علم وادب کی شاگردی میں رہے ۱۹۴۰ء میں وہاں سے فراغت حاصل کی اور سند فضیلت سے نوازے گئے بعد میں دوران تدریس ای وی یونیورسٹی تروپتی میں منشی فاضل کے امتحانات بھی امتیازی نمبرات سے پاس کئے۔

آپ کے اساتذہ میں مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری صاحب تحفہ شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانی مبارکپوری، استاذ الاساتذہ مولانا احمد اللہ محدث پرتاپ گڈھی، مولانا عبدالصمد حسین آبادی۔ مولانا نذیر احمد املوی اور مولانا شکر اللہ بانی مدرسہ احیا العلوم، مولانا احمد صاحب مئو، مولانا عبداللہ شائق مئو، مولانا عبدالرحمٰن نحوی، مولانا عبدالجلیل رحمانی بستوی، مولانا اصحاب الدین وغیرہم جیسے مشاہیر علماء وفضلاء تھے۔ جامعہ رحمانیہ دہلی سے فراغت کے بعد چند سالوں تک دارالتعلیم مبارکپور اور مدرسہ قاسم العلوم آگرہ وغیرہ میں تدریسی فریضہ انجام دینے کے بعد ۱۹۴۹ء میں ہندوستان کی عظیم سلفی درسگاہ جامعہ محمدیہ رائیدرگ چلے گئے وہاں کئی سالوں تک خدمات انجام دی اور وہیں شادی کی اور پھر ۱۹۵۸ء میں احباب کے مشورے اور جامعہ دارالسلام کے ذمہ داران کی فرمائش پر جنوبی ہند کی اس عظیم درسگاہ سے منسلک ہو گئے۔ اور پوری عمر علم حدیث اور تدریس حدیث میں گزار دی وہاں کے برسوں شیخ الحدیث رہے۔ آپ کی تدریسی زندگی کا اگر حساب لگایا جائے تو کم وبیش ۷۷ سال پر مشتمل ایک طویل تدریسی ودعوتی زندگی طے کرتے ہوئے ہزاروں طلباء کو فیض پہنچا کر دار فانی سے رخصت ہو گئے۔ چونکہ شیخ محترم بیک واسطہ

علامہ سید نذیر محدث دہلوی سے کتب احادیث بالخصوص صحیح مسلم کی روایت کے لئے مجاز تھے اور آپ کو اس کی عالی سند کے حصول کا شرف حاصل تھا اس لئے پوری دنیا سے اہل علم اور متلاشیانِ علم حدیث نے آپ سے اس سند عالی اور اجازۂ حدیث کو لینے کے لئے آپ کی شاگردی اختیار کی۔ بالخصوص مسجد نبوی کے امام شیخ عبدالمحسن قاسم اور ان کے دیگر عرب ساتھیوں نے آپ کو مدینہ منورہ بلا کر دس دنوں تک مسلسل صحیح مسلم بڑھ کر سند اجازہ حاصل کیا۔ اور آپ کو امام موصوف نے علم کا بادشاہ جیسے عظیم لقب سے یاد کیا۔ آپ سے سند اجازہ لینے والے اساتذہ میں شیخ محمد اعظمی پروفیسر مدینہ یونیورسٹی، شیخ صالح العصیمی ممبر کبار علماء کمیٹی سعودیہ عربیہ، شیخ السدیس امام حرم مکی اور دیگر مشاہیر علم وفن ہیں جنوبی ہندوستان میں مسلک سلف اور منہج اہل حدیث کی بے باک ترجمانی اور دعوت اہل حدیث کے فروغ میں آپ کا بڑا سنہرا کردار ہے۔ اللہ شرف قبولیت عطا فرمائے۔

مراجع: (۱) مولانا ظہیر الدین رحمانی کی کہانی خود مولانی کی زبانی۔ مرتب: عبداللہ نادر.......
(۲) تراجم علمائے اہل حدیث، خالد حنیف صدیقی ص ۳۴۹



شیخ الحدیث مولانا ظہیر الدین اثری رحمانی رحمہ اللہ سے ایک اہم انٹرویو

مولانا یار محمد سلفی دہلی

آزادی ہند سے تقریباً نصف صدی قبل مبارک پور کی مردم خیز سرزمین پر علم کا ایک چراغ روشن ہوا تھا۔ جو آزادی کے ۷۱ برس کے بعد یوم آزادی کے ایک روز پہلے ۱۴/اگست ۲۰۱۷ء بعد صلاۃ مغرب گل ہو گیا۔ مولانا ظہیر الدین رحمہ اللہ، علامہ عبدالرحمٰن محدث مبارک پوری، شیخ احمد اللہ قریشی دہلوی، شیخ حسام الدین مئوی، علامہ نذیر احمد رحمانی املوی، شیخ الحدیث عبید اللہ مبارکپوری رحمہم اللہ اور دیگر بہت سے اہل علم حضرات سے بالخصوص علم حدیث حاصل کرنے کے بعد برصغیر ہندو پاک میں اجازۂ حدیث کی سند عالی کے ذریعہ دنیا کے بہت سے خطوں میں علم حدیث کی روشنی بکھیرنے کے بعد آخر وفات پا گئے۔ اجازۂ حدیث کے لئے عرب دنیا کے لئے بے شمار مشائخ وطلاب ان کے پاس تشریف لاتے رہے اور ان سے شرف تلمذ حاصل کرتے رہے، ان کے لئے مختلف عرب ممالک میں مسند حدیث کا اہتمام کرتے بھی بہت سے افراد نے ان سے علم سیکھا۔ بعض ائمہ حرمین نے بھی ان سے اجازۂ حدیث حاصل کی۔

مولانا ظہیر الدین بن عبدالسبحان مبارکپوری رحمہ اللہ دارالحدیث رحمانیہ دہلی سے فارغ التحصیل فضلاء کی آخری نشانیوں میں سے تھے۔ دارالحدیث رحمانیہ دہلی سے انہوں سے آزادی ہند سے سات سال قبل ہی فراغت حاصل کر لی تھی۔ وہ بڑے نیک طبیعت انسان اور متواضع ومنکسر المزاج عالم دین تھے۔ اپنی عمر کا بیشتر حصہ انہوں نے جامعہ دارالسلام عمر آباد تملناڈو میں گزار دیا اور دارالسلام کو چھوڑنے کے بعد بھی اسی علاقہ میں سکونت پذیر رہے۔

مولانا ظہیر الدین رحمہ اللہ کا تعلق میرے والد گرامی مولانا عبدالحمید صاحب رحمانی رحمہ اللہ اور ان کے خاص استاذ مولانا نذیر احمد رحمانی سے بہت گہرا رہا، املو کے مدرسہ دارالتعلیم میں وہ مدرس بھی رہے اور آزادی سے قبل دارالحدیث رحمانیہ دہلی میں بھی انہوں نے مولانا نذیر احمد رحمانی رحمہ اللہ سے بھرپور استفادہ کیا۔ ماضی میں ابوالکلام آزاد اسلامک اویکنگ سینٹر، نئی دہلی، اس کے تعلیمی اداروں اور بالخصوص اس کے ترجمان ماہانہ ''التوعیہ'' سے وہ بڑی گہرائی کی حد تک وابستہ تھے۔

جامعہ دارالسلام عمرآباد میں ایک طویل عرصہ تک تدریس کا کام انجام دینے کے باوجود وہ وہاں کی چند چیزوں سے مطمئن نہیں تھے اور خاص کر والد گرامی رحمہ اللہ علیہ کی دارالسلام سے متعلق خصوصی کاوشوں اور اس کے اصل خاکہ اور نشاۃ ثانیہ کی پوری ترتیب، اس کی پلاننگ اور اس کی عرب دنیا کے اسفار اور تعاون جمع کرنے کے بعد ان کے ساتھ دارالسلام کے ذمہ داران کے ناروا سلوک سے ان کو سخت تکلیف تھی، اور والد محترم رحمہ اللہ کی قدردانی کے اسباب میں ان کی تاریخ اہل الحدیث پر نظر اور گہرائی کی حد تک اس کا علم رکھنے کے علاوہ ایک سبب دارالسلام کی جانب سے ان کے ساتھ ناروا سلوک بھی تھا۔

اگست ۲۰۱۳ء میں والد گرامی کے وفات کے بعد ''بعنوان مولانا عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ- حیات و خدمات اور برصغیر میں اسلامی دعوت کی تاریخ'' جو عالمی سیمینار منعقد ہوا تھا اسی کی مناسبت سے مولانا ظہیر الدین صاحب رحمہ اللہ کے لئے بھی اس وقت ایک سوالنامہ تیار کیا گیا تھا تاکہ والد رحمہ اللہ کے متعلق ان کے تاثرات اور ان کی یادداشتیں قلم بند کی جاسکیں۔ لہٰذا حسب پروگرام سینٹر کے دعوت وتبلیغ کے ذمہ دار مولانا یار محمد سلفی حفظہ اللہ، مولانا ظہیر الدین مبارکپوری رحمہ اللہ کے پاس عمرآباد تشریف لے گئے اور مولانا رحمہ اللہ کا انٹرویو ریکارڈ کیا۔ اس انٹرویو میں انہوں نے بذات خود اپنی زندگی کا ایک خاکہ پیش کیا تھا نیز جامعہ دارالسلام عمرآباد سے متعلق بھی چند یادداشتیں درج کرائیں تھیں اور والد رحمہ اللہ کے متعلق بھی چند حقائق کا تذکرہ کیا تھا۔ نیز عمرآباد سے ان کے تعلق کی حقیقت بھی بیان کی تھی۔ اس میں مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے متعلق بھی ان کے لگاؤ اور ہمدردی کا تذکرہ ہے۔ اور مولانا ابوالکلام رحمہ اللہ اور دیگر بہت سے علماء اہل حدیث کا ذکر خیر بھی۔

مولانا رحمہ اللہ کی وفات کے بعد ان کے اس انٹرویو کو مضمون کی شکل میں ''التبیان'' میں ہدیۂ قارئین کیا جا رہا ہے۔ ابوالکلام اسلامک اویکنگ سینٹر کے تمام ذمہ داران، اساتذہ، طلباء اور تمام متعلقین مولانا ظہیر رحمہ اللہ کی وفات پر پسماندگان کے غم میں برابر کے شریک ہیں اور دعا گو ہیں کہ اللہ رب العالمین ان کا حشر انبیاء، شہداء اور صلحاء کے ساتھ فرمائے اور ان شاگردوں اور ان کے ذریعہ حدیث کے مشن کو آگے بڑھانے والے افراد کو ان کے لئے صدقۂ جاریہ بنائے، آمین۔ (محمد رحمانی)

....

میں اترپردیش کے معروف شہر مبارکپور سے متصل واضع موضوع حسین آباد میں پیدا ہوا۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ دار التعلیم مبارکپور میں ہوئی، مولانا محمد احمد صاحب الملوی ومنشی ظہیر صاحبان حساب وجغرافیہ وغیرہ پڑھاتے تھے اور منشی اخلاق صاحب بھی کچھ کتابیں پڑھاتے تھے، یہاں تعلیم حاصل کرنے کے بعد ڈرامائی طریقے سے مدرسہ فیض عام مئوناتھ بھنجن میں داخلہ ہوا جس کی وضاحت بعد میں آئے گی۔

مدرسہ دار التعلیم کے پیچھے علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری کا مکان ہے، اس کی دوسری طرف روڈ تھا اس جانب سے ایک دواخانہ تھا جس کا نام مفید عام تھا اور اندر سے پورا خالی رہتا تھا، اس میں مکان کا ایک حصہ مولانا عبدالرحمٰن محدث مبارکپوری دار التصنیف کے طور پر استعمال کرتے تھے یعنی وہیں بیٹھ کر کتابیں تصنیف کرتے تھے، لکڑی کا ایک بڑا تخت ہوتا تھا اس پر چاروں طرف کتابیں رکھی ہوتی تھیں اور جب ہم نے انہیں دیکھا تو اس وقت وہ مکفوف البصر ہو چکے تھے۔ ان کے تعاون کے لئے مستقل دو آدمی تھے اور غیر مستقل طور پر کچھ مدت کے لئے مولانا محمد صاحب گوندلوی رحمہ اللہ علیہ پنجابی آیا کرتے تھے۔ مستقل طور پر مولانا عبیداللہ رحمانی تھے جن کو ان کی مدد و تعاون کے لئے شیخ عطاء الرحمٰن صاحب نے بھیجا تھا، ان کی تنخواہ وہی دے رہے تھے اور دوسرے مولانا عبدالصمد صاحب تھے۔ (مولانا موصوف حسین آباد میں رہنے والے تھے جو مولانا صفی الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ کے تایا اور میرے استاذ ہیں اور دور کے چچا بھی تھے) اور صورت یہ ہوتی تھی کہ "تحفہ الاحوذی" تو انہوں نے مکمل لکھ لی تھی مگر اس کی اصل تصویب، کچھ گھٹانا بڑھانا، حکّ وناحکّ یعنی اس پر نظر ثانی باقی تھی تو یہ دونوں آپس میں طے کر کے کچھ صفحات لے لیتے تھے۔ مولانا عبدالصمد صاحب پڑھتے اس وقت اس پر مناقشہ ہوتا کہ اس میں یہ جملہ نکال دو وہ جملہ نکال دو یا فلاں کتاب کا حوالہ دیتے کہ وہ کتاب نکال کر دیکھو، اچھا وہ عبارت کاٹ دو، یہ عبارت یہاں سے لے لو اس طرح تحقیق و مراجعہ کے بعد وہ لکھتے تھے، اس کے بعد مولانا عبیداللہ صاحب ان کا جو حصہ ہوتا وہ پڑھتے تھے، اس وقت غور ہوتا اس میں حوالہ کیا ہے پھر فیصلہ ہوتا کہ نہیں یہ چھوڑ دو، اس کا حوالہ فلاں فلاں کتاب سے دو، مکمل چھان بین اور تحقیق کے بعد وہ لکھتے، اس طرح پوری تحفہ الاحوذی تحقیق و مراجعہ کے بعد لکھی گئی، اس زمانہ میں ہم لوگ وہاں کھیلنے کے لئے آتے تھے، اس دور سے کئی تاریخی واقعات وابستہ ہیں، اسی زمانہ میں مراکش کے ایک بہت بڑے عالم دین جنہوں نے ہندوستان آکر پڑھائی کی اور بڑے مشہور ہوئے "علامہ تقی الدین ہلالی" وہ سنن ترمذی کے کچھ اسباق میں رہتے تھے، ان سے ملاقات ہوئی، دوسرے نجد سے ایک عالم آئے تھے، جن کا نام عبداللہ تھا، ان کی نسبت بھی ہے جو میں بھول رہا ہوں وہ مسجد میں رہتے تھے ان سے ملاقات ہوئی، وہ بھی مولانا عبدالرحمٰن صاحب رحمہ اللہ سے پڑھتے تھے۔

اس وقت ہم لوگ مدرسہ دار التعلیم میں پڑھتے تھے، ہم تین ساتھی تھے، کچھ ایسا ہوا کہ مولانا اصغر صاحب نے مدرسہ سے استعفیٰ دے دیا تو ہماری کتاب مولانا محمد صاحب کے پاس منتقل ہوگئی، ان کتابوں میں سے جو مولانا اصغر صاحب کے مستعفی ہونے کے بعد ان کے پاس منتقل کی گئی، ہدایۃ النحو بھی تھی، مولانا کی زبان میں لکنت تھی، ایک اچھے عالم تھے مگر سمجھا نہیں پاتے تھے یا ہم سمجھ نہیں پاتے تھے اس کی وجہ سے ہم لوگوں کی طبیعت ان کے پاس پڑھنے سے اچاٹ ہوگئی، سامنے مسجد ہے آتے ہی اس کی دیوار پر کھیلتے، گھنٹی بجتی تو گھر چلے جاتے اور ماں باپ سمجھتے کہ بیٹے پڑھ کر آئے ہیں، اسی طرح کئی دن ہو گئے تو ہماری شکایت مولانا عبدالرحمٰن صاحب سے کی گئی، اس پر مولانا صاحب نے ہمیں بلایا، ساتھیوں میں میں ہی ذرا بیباک تھا حالانکہ عمر تو اس وقت بالکل کم تھی، زیادہ سے زیادہ آٹھ، نو سال کا رہا ہوں گا، میں نے اصل قصہ کہہ دیا کہ مولانا (اصغر صاحب) کی کتابیں یہاں آئیں اور مولوی صاحب بولتے ہیں تو ایسا بولتے ہیں، ہم نے ان کی نقل بھی اتار دی، اس لئے ہماری سمجھ میں کچھ نہیں آتا، اس پر مولانا عبدالرحمٰن صاحب بولے اچھا وہ کتاب ہمارے پاس لاکر پڑھو تو میں اور ان کے ایک رشتہ دار تھے عبداللہ بستوی

جن کا انتقال ہو گیا ہے وہ رحمانیہ سے فارغ ہوئے تھے ہم دونوں وہاں پڑھنے جاتے۔

اس زمانے میں وہاں مولانا ابوالکلام آزاد آئے اور وہیں ٹھہرے، وہ کبھی کبھی آتے تھے، ہم لوگ مولانا عبدالرحمٰن صاحب کے پاس سبق پڑھنے جاتے تھے، مولانا ادھر کرسی پر بیٹھے ہوتے اور دوسری جانب ادھر ایک کرسی رکھ دی گئی تھی، اس پر مولانا آزاد آ کر بیٹھے، مولانا ہم کو سبق پڑھاتے اور سمجھاتے، مولانا آزاد کی آمد پر ہم جاتے اور ان سے سلام کرتے، ہم چھوٹے تھے یعنی ہم اس وقت اس عمر تک نہیں پہنچے تھے کہ ہم مولانا ابوالکلام سے کچھ استفادہ کر لیتے، اسی زمانہ میں پہلی مرتبہ مولانا آزاد علیہ الرحمہ سے ملاقات ہوئی بعد میں مولانا موصوف کئی مرتبہ آئے اور ان سے ملاقاتین ہوتی رہیں، وہ مولانا عبدالرحمٰن صاحب کو اپنا استاد مانتے تھے اور ان سے بہت متاثر تھے، چونکہ میں اہل حدیث ہوں اس لئے صاف طریقے سے کہہ دوں کہ مولانا ابوالکلام آزاد بھی بڑے پختہ اور بڑے سخت قسم کے اہل حدیث تھے۔ جو مولانا عبدالرحمٰن صاحب کا اثر تھا اور دوسرے کن علماء اہل حدیث کا اثر تھا وہ بھی میں جانتا ہوں کہ کن کن سے ان کو عقیدت تھی۔

مولانا ابوالکلام آزاد جب واپسی کے لئے تیار ہوئے تو انہوں نے اپنے ملازم جس کا نام عبداللہ تھا سے کہا: عبداللہ! ذرا سوٹ کیس میں سے وہ کتاب نکال لاؤ، نئی نئی ان کی ''تذکرہ'' کتاب چھپی تھی وہ کتاب لائے، اس کے ٹائیٹل پیج پر انہوں نے لکھا جسے جھانک کر ہم نے دیکھا ''**هديه الاخاء والاخلاص من احمد المكنى بابى الكلام**'' یہ پہلا عربی لفظ ہمارے ذہن میں آیا ہم نے یہ لفظ پڑھ لیا، لکھنے کے بعد انہوں نے دستخط کیا، احمد مولانا کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا یہ حقیر کا تحفہ ہے، مولانا عبدالرحمٰن نے لینے کے لئے ہاتھ بڑھایا کیونکہ مکفوف البصر ہونے کی وجہ سے وہ دیکھتے نہیں تھے، مگر فوراً ہی مولانا نے ہاتھ کھینچ لیا اور کتاب نہیں لی اور پیچھے ہٹ گئے، یہ دیکھ کر ہم کو تعجب ہوا، مولانا ابوالکلام نے کتاب کھولی اس کے پہلے صفحے پر ان کا فوٹو چھپا تھا جو ان کی مرضی کے خلاف بھی تھا اس کا اظہار بھی انہوں نے مقدمہ میں کیا ہے، اجمل صاحب ان کے سکریٹری تھے، یہ ان کا کارنامہ تھا، جسے انہوں نے بیکار میں چھپوا دیا تھا، مولانا عبدالرحمٰن فوٹو کھنچوانے کے قائل نہیں تھے اور خود مولانا آزاد بھی اس کے قائل نہیں تھے، انہوں نے کہا کہ اس میں میرا فوٹو ہے، تو یہ بے ادبی ہوگی، اور پیچھے ہٹ کر اپنا فوٹو پھاڑ لیا اور پھر کہا یہ میرا حقیر تحفہ ہے، مولانا عبدالرحمٰن صاحب نے اسے لے کر اپنے پاس رکھ لیا، یہ واقعہ ہے مولانا ابوالکلام آزاد کا۔

مئو میں ہماری جماعت اہل حدیث بہت بڑی ہے جو اس وقت دو حصوں میں منقسم تھی، پہلے مئو دو حصوں میں بٹا ہوا تھا، پورب کا حصہ اور پچھّم کا حصہ اور یہ آج بھی ہے۔ ان کے درمیان بڑا اختلاف تھا، رسالہ بازی، نعرہ حق، تشنۂ حق، خنجر حق، ایک دوسرے کے خلاف اس قسم کے رسالے لکھے جاتے تھے، بہت بری صورت حال تھی، مئو کا ایک محلہ کیاری ٹولہ ہے، اس میں ایک فرشتہ صفت حافظ صاحب رہتے تھے، بڑے مالدار آدمی تھے، ان کا نام حافظ عظیم اللہ تھا، وہ ایک مرتبہ مولانا عبدالرحمٰن صاحب کے پاس مبارک پور آئے اور انہوں نے مئو کی کیفیت کو بیان کیا کہ ایسے اختلافات ہیں، اگر آپ وہاں آئیں تو یہ اختلافات دور ہو سکتے ہیں اور ہماری جماعت میں اتفاق پیدا ہو جائے گا اور علماء میں جو یہ بری صورت حال پیدا ہو گئی ہے اور ایک دوسرے کے خلاف جو بوچھار ہو رہی ہے یہ بند ہو جائے گی۔ اس صورت حال کو سوچ کر مولانا عبدالرحمٰن صاحب نے اپنے مکفوف البصر ہونے کے باوجود بھی ان کی درخواست

کومنظور کرلیا اور جانے کی تاریخ متعین ہوگئی اور یہ طے پایا کہ حافظ عظیم اللہ صاحب اس تاریخ کو کار لے کر آئیں گے اور مولانا عبد الرحمٰن صاحب کو کار میں بلا لے جائیں گے۔

حسین آباد میں لوگ جب بھی مبارک پور جاتے تو مولانا عبدالرحمٰن سے ملنے جاتے، ہمارے والد صاحب بھی جاتے تو مولانا سے سلام ومصافحہ کے لئے جاتے، دوسرے دن جب میرے والد صاحب مولانا سے ملنے گئے تو انہوں نے کہا کہ تمہارا بیٹا پڑھنے میں ذرا ہوشیار ہے، ہم مئو جارہے ہیں تم ہمارے ساتھ اسے مئو بھیج دو، ہم مدرسہ فیض عام میں اسے داخل کروادیں گے، وہاں وہ اچھی طرح پڑھ لے گا، ہمارے والد صاحب نے کہا ٹھیک ہے، دوسرے دن آکر ہماری والدہ سے کہہ دیا کہ ظہیر صاحب فلاں تاریخ کو وہاں (مئو) جائیں گے ان کے لئے کپڑے وغیرہ درست کر دو، کپڑے نہ ہوں تو دو تین جوڑے سلا دو، والدہ صاحبہ نے کہا ٹھیک ہے، چنانچہ اس تاریخ کو ہم حسین آباد سے مبارکپور آئے اور مولانا عبدالرحمٰن کے ساتھ کار میں بیٹھ کر مئو گئے، وہاں پہنچ کر ہم حافظ عظیم اللہ کے یہاں کیاری ٹولہ میں ٹھہرے، وہاں مولانا سے ملنے کے لئے علماء آئے، ان ملنے والے علماء میں سے مولانا عبدالرحمٰن شائق صاحب مئوی، بھی تھے جو اس وقت مدرسہ فیض عام کے ذمہ دار مدرس تھے، داخلہ اور کتب خانہ کے ذمہ دار تھے، ادب کے استاذ تھے، سنن ترمذی ہم لوگوں نے انہیں سے پڑھی، مولانا عبد الرحمٰن نے میرے بارے میں معلوم نہیں ان سے کیا کہا۔ شاید یہی کہا ہوگا کہ بچہ میرے ساتھ آیا ہے اسے مدرسہ فیض عام میں داخل کرلو، مولانا عبداللہ صاحب نے کسی کے ذریعہ مدرسے سے ایک بچہ کو بلوایا جو فیض عام میں پڑھتا تھا، وہ بچہ آیا، اس سے شائق صاحب نے کہا: ان کا بکس لے لو اور ان کے ساتھ چلے جاؤ اور مسجد کے نیچے فلاں کمرے میں فلاں کے ساتھ ان کو ٹھہراؤ، صبح ان کا فیصلہ کریں گے۔ چنانچہ صبح ہوئی، نہ جانے کون سی کارروائی ہوئی، بس اتنا معلوم ہوا کہ ان کا داخلہ ہوگیا ہے اور آپ وہاں سے جاکر کتابیں لے لیجئے اور ہم سے کہہ دیا گیا کہ آپ کی رہائش یہاں نہیں ہے، اس (فیض عام) کے بڑے استاذ مولانا احمد بن حسام الدین تھے مئو میں اہلحدیث کو اہلحدیث بنانے والے یہ دو علماء ہیں، ایک مولانا حسام الدین اور مولانا فیض اللہ مئوی، یہ دونوں میاں نذیر حسین صاحب کے شاگرد ہیں، مئو میں مولانا احمد صاحب بڑے مولوی صاحب کے نام سے مشہور تھے، ان کا گھر قاضی داموں پورہ میں ہے، ان کا ایک حجرہ باہر ہے، اس میں وہ کچھ مبارکپوری طلبہ کو رکھتے تھے، ہم کو بھی اس میں جگہ دے دی گئی، ہم رہتے وہاں تھے اور پڑھتے فیض عام میں۔

فیض عام میں ہمارے اساتذہ میں مولانا احمد بن حسام الدین صاحب، مولانا عبداللہ صاحب شائق، مولانا عبدالرحمٰن صاحب نحوی، مولانا عبدالعلی طرفدار صاحب، مولانا قاری عبدالسبحان صاحب تھے، یہ اس زمانے کے مئو کے مشہور اور قابل اساتذہ میں ہیں مولانا عبدالرحمٰن صاحب نحوی نحو کے ماہر تھے وہ نحو کی کتابیں پڑھاتے تھے اور نحوی کے نام سے مشہور تھے۔

کچھ دنوں کے بعد ایسا ہوا کہ ہم وہاں سے بھاگ کر چھ مہینے کے لئے دارالعلوم دیوبند پہنچ گئے، مگر وہ ہمارے والد صاحب کو پسند نہیں آیا..... اس میں کچھ واقعات ہیں جن کی وجہ سے انہوں نے فیصلہ کرلیا کہ مجھے دارالعلوم دیوبند نہیں جانا ہے، اس سلسلے میں ساری تفصیلات انہوں نے مولانا عبیداللہ صاحب کے سامنے رکھیں کہ ایسا قصہ ہے اس لئے ظہیر صاحب کو آپ اپنے ساتھ جامعہ رحمانیہ دہلی لے جائیں، انہوں نے اس پر آمادگی کا اظہار فرمادیا اور کہا ٹھیک ہے دہلی جانے کی تاریخ متعین ہوگئی اور والد صاحب نے مجھ سے کہا کہ آپ کو فلاں تاریخ کو مولانا عبیداللہ صاحب کے ساتھ دہلی جانا ہے، چنانچہ ہم مولانا کے ساتھ دہلی چلے گئے، وہاں رحمانیہ میں مولانا

نذیر احمد صاحب املوی رحمہ اللہ نے ہمارا امتحان داخلہ لیا اور ساتویں جماعت میں میرا داخلہ ہوگیا، اس موقع پر مولانا عبیداللہ صاحب نے میرے بارے میں تعریفی کلمات پر مشتمل خط لکھا کہ ماشاءاللہ آپ کے بچہ کا داخلہ ساتویں جماعت میں ہوگیا ہے لیکن میری رائے یہ ہے کہ ان کو ایک جماعت نیچے اتار دیا جائے، چھٹی جماعت میں ان کو داخل کیا جائے، کم از کم وہ تین سال جامعہ رحمانیہ میں رہیں گے تو ان کے اندر پختگی پیدا ہوگی۔ یعنی پختہ اہل حدیث بنیں گے، نہیں تو ان کے اندر کچھ حنفیت آ گئی ہے، یہ مطلب تھا ان کا، لہٰذا ہم چھٹی جماعت میں اتارے گئے، تین سال ہم رحمانیہ میں رہے اور ۱۹۴۰ء میں وہاں سے فارغ ہوئے یہ ہمارا مختصر تعارف ہے۔

مولانا عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ اور جامعہ دارالسلام عمرآباد سے متعلق مولانا ظہیر رحمہ اللہ کے تاثرات

مولانا عبدالحمید صاحب سے غائبانہ تعارف پہلے ہی سے تھا، ان کے مضامین پڑھتا تھا، ان کو تاریخ اہلحدیث سے بڑی دلچسپی تھی، کم از کم ہندوستان میں تاریخ اہلحدیث کے اتنے بڑے حافظ کے طور پر میں نے کسی دوسرے کو نہیں دیکھا، مجھے بھی دلچسپی ہے، تاریخ اہلحدیث میں بھی جانتا ہوں۔

۱۹۵۸ء میں یہاں دارالسلام عمرآباد میں آ گیا اور اس وقت سے اب تک یہیں ہوں، ۱۹۶۲ء کے بعد عمر بابو سے کبھی کبھی بات ہوتی تو (اس وقت مدرسہ پرانی عمارت میں تھا، سوڈیڑھ سو طلبہ رہتے تھے، درسگاہوں میں دو، دو کمرے تھے، ان میں طلبہ رہتے اور سامنے مدرسین بیٹھ کر پڑھاتے، بس وہی دارالسلام تھا) مدرسہ کی تعمیر و ترقی اور اس کے آئندہ کے عزائم اور منصوبوں کی بابت غور کیا جاتا کہ آگے یہ اسکیم ہے وہ اسکیم ہے وغیرہ وغیرہ۔ جس سال میں یہاں آیا اسی سال یہ دارالسلام جماعت کا مدرسہ بنا ورنہ اس سے پہلے یہ شخصی مدرسہ تھا۔

اس وقت بابو عمر صاحب کو میں نے ایک رائے دی کہ یہ مدرسہ اگر آپ ہندوستان کے مالداروں کے چندے پر انحصار کریں تو جتنا ہے اتنا ہی رہے گا نہیں تو اس سے بھی کم ہو جائے گا، آگے نہیں بڑھے گا، اگر اسے آگے بڑھانا ہے تو عربوں سے خاص طور پر سعودیہ عربیہ سے تعلق پیدا کرنا ہے۔ موجودہ حالات کیا ہیں اور آئندہ کیا کیا پروگرام ہیں ان سب کا ایک خاکہ اور نقشہ بنایا جائے اور پورا اسٹرکچر عربی میں بنایا جائے اور اس کے ساتھ جو عرب کے شیوخ سے واقفیت رکھتا ہو اس کے ہمراہ سفر کیا جائے۔ انہوں نے میری باتوں پر توجہ دی، ممکن ہے دوسروں سے بھی مشورہ کیا ہو، اس معاملہ میں ہم نے بھی ذرا سی غلطی کی اور اس کام کے لئے مولانا عبدالحمید رحمانی کا نام لے لیا۔ اس وقت یہ بات سب کو معلوم تھی کہ سعودیہ عربیہ کے علماء و مشائخ سے خاص طور پر اور باقی عرب کے شیوخ سے عام طور پر جتنے اچھے اور مضبوط اور عام تعلقات مولانا عبدالحمید صاحب کے ہیں دوسروں کے نہیں ہیں اور تکلم اور عربی لب ولہجہ سے جتنا وہ واقف ہیں کوئی دوسرا ہندوستان میں واقف نہیں ہے، خیر مولانا عبدالحمید صاحب بلائے گئے وہ آئے، مدراس میں ان لوگوں کا مکان کرایہ پر پہلے ہی سے تھا اب جامعہ کا آفس وہی ہے اس میں ٹھہرائے گئے اور اس وقت مدرسہ کا تعارف، اغراض و مقاصد، قواعد و ضوابط، کچھ اشتہارات، موجودہ وسائل و ذرائع، ضروریات اور آئندہ کے تعلیمی و تعمیری عزائم اور اس کے پروجیکٹ کا پلان، نقشہ اور لائحہ عمل بتایا گیا اور سب کچھ پہلے اردو میں لکھا گیا اس کے بعد تمام چیزوں کو عربی میں لکھا گیا، وہ سب کچھ لکھنے اور تیار کرنے والے عبدالحمید تھے اور ان کے قلم کا لکھا ہوا ریکارڈ ابھی موجود ہوگا مگر آپ (راقم) کو کوئی نہیں بتائے گا۔ سارا خاکہ اور پلان عبدالحمید صاحب کا لکھا ہوا ہے۔

خیر مولانا عبدالحمید صاحب کے ساتھ یہ لوگ سفر پر گئے، مولانا عبدالحمید صاحب کے یوں تو تمام ہی شیوخ سے تعلقات تھے مگر ان کا خصوصی تعلق علامہ ابن باز رحمہ اللہ سے تھا اور شیخ ابن باز رحمہ اللہ ان کو اتنا مانتے تھے کہ ان کو اپنے بیٹے کے برابر سمجھتے تھے اور عبدالحمید جو کہہ دے ابن باز اس سے انکار نہیں کرتے تھے، ان کے پاس عبدالحمید صاحب کے ساتھ پہلی مرتبہ عمر بابو جو اس وقت دارالسلام کے سکریٹری تھے اور ان کے چھوٹے بھائی صاحب مولانا کا کا سعید صاحب یہ دونوں گئے، وہاں اس وقت جیسا ماحول تھا ایک ہوٹل میں ٹھہرے اور اس سفر میں سب سے پہلے شیخ ابن باز سے ملاقات ہوئی۔ عبدالحمید رحمانی صاحب ان کو لے کر کے گئے اور انہوں نے شیخ ابن باز سے اس حیثیت سے ۔۔۔، میں اس وقت وہ الفاظ بیان کرنا نہیں چاہتا، مولانا عبدالحمید صاحب نے تعارف کرایا اور ان کو یقین دلایا کہ یہ بانی لوگ اہلحدیث اور سلفی ہیں اور آئندہ جو پروجیکٹ ہے وہ بھی وہی ہے، عبدالحمید صاحب کے تعارف کرنے کے بعد شیخ ابن باز کو کچھ اعتماد ہوگیا اور انہوں نے بہت سارے شیوخ کے نام لکھا کر سفارش کر دی۔ یہ لوگ ان سے ملے اور جو کچھ ملنا تھا ملا بھی، مجھے سب کچھ معلوم ہے مگر تفصیل کی ضرورت نہیں ہے اور اس موقع پر یہ اسکیم بن گئی کہ آپ عالمی پیمانہ پر ایک بہت بڑا جلسہ کریں، اس میں عرب کے فلاں اور فلاں جگہ کے جو سفارتخانے ہیں ان کے سفراء کو اور سعودیہ عربیہ کے فلاں اور فلاں شیوخ اور علماء کو اس میں شرکت کی دعوت دیں، مولانا عبدالحمید صاحب نے ایک فہرست بنائی اور مزید کہا کہ آپ لوگ اپنے طور پر ہر جگہ جن علماء اور شخصیتوں کو دعوت دینا چاہتے ہیں انہیں بھی دے دیں چنانچہ اس تجویز کے مطابق طے ہوا کہ ۱۹۷۷ء میں یہ جلسہ منعقد کیا جائے اور اس کی تاریخ ۱۶، ۱۷، ۱۸/ اپریل ۱۹۷۷ء متعین ہوگئی۔

ایک ہفتہ سعودیہ عربیہ میں رہ کر عبدالحمید صاحب اس وفد کے ساتھ واپس آئے، وہیں راستے میں انہوں نے کچھ بھانپ لیا اور وہ تفصیلات بھی مجھے معلوم ہیں (جن کے تذکرہ کی ضرورت نہیں) اور وہ سیدھے سعودی عرب سے دلی چلے گئے اور کہا کہ میں عمرآباد نہیں آسکتا اور یہ لوگ عمرآباد واپس آگئے جب سے ان لوگوں کے تعلقات کشیدہ ہوگئے۔ یہ چیز اپنے طور پر رکھئے کہ اس کی نشاۃ ثانیہ کی بنیاد عبدالحمید رحمانی صاحب نے ڈالی، یہ حقیقت ہے۔

اس سفر میں جب وہ مدراس میں تھے میری ان سے بار بار ملاقات ہوئی، ہم دونوں میں خیالات کے اعتبار سے چونکہ بہت زیادہ یکسانیت تھی اس لئے وہ مجھے اور میں ان کو بہت زیادہ علم والا اور بہت زیادہ متحمس سمجھتے تھے۔

میں کچھ زمانے تک صوبائی جمعیت اہل حدیث تاملناڈ کا امیر تھا اور مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے شوریٰ اور عاملہ کا ممبر بھی تھا تو جب بھی اس کے جلسے ہوتے میں دہلی جاتا۔ پہلی مرتبہ میں جب شوریٰ کے اجلاس میں شریک ہوا تو اس وقت میرے ساتھ مولانا رؤف احمد عمری، مولانا عبدالحافظ صاحب عمری جن کا انتقال ہوگیا ہے، مدراس میں رہتے تھے اور اب جو باؤ ٹابیڑی کے ذمہ دار احسان صاحب ہیں اس وقت عبداللہ صاحب، اس کے ذمہ دار تھے مگر میرے ساتھ یہی احسان اللہ صاحب آئے تھے جو مدراس میں ایک پختہ اہل حدیث تھے، عبداللہ خاں صاحب جو بینک میں ملازم تھے اب ان کا بھی انتقال ہوگیا ہے وہ بھی ہمارے ساتھ آئے تھے۔ یہ وہ سال ہے جس سال مولانا عبدالحمید صاحب نے مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی نظامت سے استعفیٰ دیا اور ان کی جگہ مولانا مختار احمد صاحب ندوی منتخب ہوئے۔

میں یہ بھی بتادوں جب ہم اس اجلاس میں شریک ہوئے تو ہماری گاڑی ذرا دیر پہنچی، ہم اسٹیشن سے بذریعہ تانگا میٹنگ میں شرکت کے لئے وہاں پہنچے تو یہ معلوم ہوا شوریٰ کا اجلاس مسجد فتح پور کے اوپری حصہ کے بڑے حال میں ہو رہا ہے، وہیں سامان رکھ کر

اور ناشتہ وغیرہ سے فارغ ہو کر کے ہم اجلاس میں شرکت کے لئے آ گئے اور پہنچ کر دیکھا تو وہاں ایک مجمع کثیر ہے، اندر جانے کی جگہ نہیں، کسی طرح اندر گئے تو دیکھا کہ جنگ کے بعد جو کیفیت ہوتی ہے وہ کیفیت ہے، یہ اس کا منہ دیکھ رہا ہے وہ اس کا، یہ اس کو برا بھلا کہہ رہا ہے، وہ اس کو، ہوا یہ کہ مولانا عبدالحمید صاحب کے خلاف ایک محاذ بنایا گیا تھا، لوگ ان کے خلاف جو بولنا ہے بول رہے ہیں، مولانا عبدالحمید صاحب وہاں موجود ہیں، البتہ مولانا مختار احمد صاحب کے حامی ان کی تائید میں بول رہے تھے، بڑی مشکل سے ہم اندر داخل ہوئے، ہمارے دوسرے ساتھی لوگ فکر میں پڑ گئے میں نے صرف اتنا کہا کہ یہ کیا ہنگامہ بازی ہے، یہ اہل حدیث اسٹیج ہے، یہ سب ٹھیک نہیں ہے، اس موقع پر کسی نے کچھ کہا، کسی نے کچھ، بہرحال فوراً یہ ہوا کہ اوٹنگ شروع ہوگئی، اوٹنگ میں مولانا مختار احمد صاحب کا نام آیا مولانا عبدالحمید صاحب نے پہلے ہی سے استعفیٰ نامہ لکھ کر کے تیار رکھا تھا اسے بڑھا کر دے دیا، خلاصہ یہ ہے کہ مولانا عبدالحمید صاحب نے استعفیٰ نہیں دیا بلکہ ان کے خلاف محاذ بنا کر کے ان کو نشانہ گاہ بنالیا کہ یہ لکھئے وہ لکھئے، انہیں استعفیٰ دینے پر مجبور کیا گیا۔

یہ تاریخ ہے جسے میں جانتا ہوں ان کے بعد بھی میں کئی مرتبہ دہلی گیا، ہر مرتبہ میں ان کے ادارہ میں جاتا، ان سے ملاقات ہوتی اور باتیں ہوتیں۔ ایک زمانہ تک جوان کا رسالہ ''التوعیہ'' نکلتا تھا میں اسے بہت پسند کرتا تھا، ان کے مضامین بڑے محقق، بڑے جامع اور بڑے اچھے ہوتے تھے اور لکھنے والے بھی اچھے ہوتے تھے۔ میں اسے بڑے شوق سے پڑھتا تھا، اس میں میرے بھی ایک دو مضامین چھپے ہیں، وہ رسالہ کسی وجہ سے بند ہو گیا تو انہوں نے ''التبیان'' نکالنا شروع کیا مگر میں اس کا خریدار نہیں بن سکا۔ اس سلسلہ میں بھی مولانا عبدالحمید صاحب سے بہت سی باتیں ہوتیں۔

میرے اور مولانا عبدالحمید صاحب میں آپس میں جو بہت زیادہ یکسانیت اور دوستی ہوتی تو اسی لئے بھی مولانا ابوالکلام آزاد کے عقیدت مندوں میں وہ بھی تھے اور میں بھی۔ ان کا بھی خیال یہ تھا کہ مولانا ابوالکلام متحمس اہل حدیث ہیں اور اگر وہ سیاست میں نہ جاتے تو اس زمانے کے ابن تیمیہ تو نہیں مگر ان کے جیسے علم والے ہوتے یعنی مذہبی ازم میں ان کو وہ ابن تیمیہ جیسا مانتے تھے اور میں بھی مانتا ہوں، مولانا عبدالحمید صاحب ان کو بہت پسند کرتے تھے۔

میں نے ان کی لائبریری بھی دیکھی اس میں مولانا ابوالکلام آزاد کی جتنی کتابیں اور جتنی تحریریں ان کو مل سکیں سب جمع کر رکھی تھیں ،مگر بہت سی چیزیں نہیں تھیں تو میں نے بعض چیزوں کی رہنمائی کی تو وہ بڑے خوش ہوئے، اس میں ایک کتاب ''میرا عقیدہ'' مولانا ابوالکلام آزاد کی ایک چھوٹی سی کتاب ہے، وہ نہیں تھی، اس کو بھی تلاش کر کے انہوں نے منگایا۔

''میرا عقیدہ'' نامی کتاب اصل میں مولانا ابوالکلام آزاد نے جب ترجمان القرآن لکھی تو سب سے پہلے انہوں نے ترجمان القرآن کا سورۃ فاتحہ کی تفسیر والا حصہ چھپوایا، اس میں کچھ ایسی عبارتیں ہیں جن سے لوگوں نے یہ مطلب سمجھا کہ مولانا کے اندر وحدت ادیان یعنی تمام مذاہب ایک ہیں کا تصور پایا جاتا ہے اور مولانا ابوالکلام آزاد پر یہ الزام لگایا گیا کہ وہ اسی کے قائل ہیں۔ اس سے پہلے ایڈیشن میں اس طرح کی کچھ مبہم عبارتیں ہیں۔

اس سلسلہ میں ہمارے مولانا ثناء اللہ صاحب اور مولانا محمد ابراہیم صاحب میر سیالکوٹی نے مولانا ابولکلام آزاد کو خط لکھا اور

رہنمائی فرمائی اورانہوں نے اس سے رجوع کرلیا کہ ہاں میرا یہ خیال تھا مگر وہ صحیح نہیں ہے، اب صحیح یہ ہے، انہوں نے اعتراف کرلیا اور ان کو اعتراف کا خط لکھا تو یہ چیز انہوں نے ''میرا عقیدہ'' نامی کتاب میں ذکر کی ہے۔ اور یہ مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری اور مولانا محمد ابراہیم صاحب میر سیالکوٹی کی جو خط وکتابت ہے اس میں بھی ہے۔ مگر یہ دنیا کو معلوم نہیں جب کہ معلوم ہونا چاہیے، خاص طور پر اہل حدیث لوگوں کو یہ معلومات رکھنی چاہیے، دنیا کچھ بھی کہہ دے مگر ابوالکلام آزاد پکے اہل حدیث تھے اور اہل حدیث جماعت کو یہ ماننا چاہیے کہ وہ ہمارے سب سے بڑے عالم تھے، یہ مولانا عبدالحمید صاحب کا بھی خیال تھا اور میرا بھی خیال ہے۔ جس وقت ان کا انتقال ہوا اس وقت میں ہندوستان میں نہیں تھا میں اپنی معذوری کے باوجود بھی کئی سالوں سے متحدہ امارات کا سفر کرتا ہوں، وہاں کے لوگ حدیث کے دورے کی مجلس قائم کرتے ہیں، اس کے لئے مجھے دعوت دیتے ہیں، پچھلی مرتبہ سعودیہ عربیہ کے مشہور شہر دمام کے جڑواشہر ''الخبر'' میں وہ مجلس قائم کی گئی تھی، پندرہ روز کا پروگرام تھا اس میں شرکت کے لئے میں وہاں گیا ہوا تھا کہ وہاں مجھے ایک عرب عقیدت مند کے ذریعہ اطلاع ملی کہ انڈیا میں مولانا عبدالحمید رحمانی کا انتقال ہوگیا ہے یہ سن کر مجھے بڑا صدمہ ہوا، بہت افسوس ہوا۔۔۔ بعد میں وہاں کی ایک بڑی مسجد ہے، اس میں ہمارے کچھ عمری برادران جو جالیات میں ملازم ہیں وہاں صلاۃ ادا کرتے ہیں، انہوں نے اس مسجد میں میرا پروگرام رکھا تھا میں وہاں گیا اور تقریر کے بعد مولانا عبدالحمید صاحب کی وفات کا اعلان کیا، اور لوگوں سے دعاء مغفرت کی درخواست کی، چنانچہ میری تقریر کے بعد اس مسجد میں مولانا کے لئے دعاء مغفرت کی گئی۔

اس کے بعد ہی میں ہندوستان واپس آگیا اور ان کی وفات پر کافی افسوس رہا، میں ان کے بارے میں کچھ لکھنا ہی چاہتا تھا کہ اسی اثناء میں مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کا ترجمان آیا اس میں میرے ایک شناسا عزیز، اس لئے کہ میں ۱۹۵۰ء سے لے کر ۵۵۔ ۱۹۵۴ء تک ہر سال برابر دہلی جاتا تھا وہاں میں جب بھی جاتا مولانا سید تقریظ احمد صاحب کے پاس ٹھہرتا، مولانا تو خود زبیدیہ مسجد میں رہتے تھے مگر ان کے ایک لڑکے عبدالقدوس جواب ابن احمد نقوی کے نام سے مشہور ہیں، وہ اور ان کے ایک بھتیجے محمد صبیح یہ دونوں مولانا محمد کوٹھی کے سامنے باڑہ ہندوراؤ میں کونے میں ایک چھوٹی سی مسجد ہے اسے کونے کی مسجد ہی بولتے تھے اس کے حجرہ میں رہتے تھے، میں دہلی جاتا تو وہیں رہتا، یہ دونوں مجھ سے چھوٹے تھے اور اس وقت پڑھتے تھے، مجھے مولوی سمجھ کر میری بڑی عزت وتکریم کرتے تھے، اس لئے وہ دونوں میرے عزیز ہیں۔

انہوں نے مولانا عبدالحمید صاحب کے بارے میں اداریہ لکھا ہے، میں آپ (راقم) سے یہ کہتا ہوں کہ وہ اداریہ پڑھ کر، میں نے سمجھا کہ یہ میرے دل اور زبان کی آواز ہے۔ میرے دل کی بات ہے، میں اس کے مختصر ہونے کے باوجود بھی اس کی ہر بات کی تصدیق کرتا ہوں، اور میں آپ سے یہ کہتا ہوں کہ اگر آپ اعلان کرنا چاہیں تو کہہ سکتے ہیں کہ میرے دل کا مضمون ہے، بس اس سے زیادہ میں مولانا عبدالحمید صاحب کے بارے میں کچھ اور کہنا نہیں چاہتا، اللہ ان کی مغفرت فرمائے اور ان کے درجات کو بلند کرے، آمین۔

(ماہنامہ التبیان، ستمبر ۲۰۱۷ء)

❑❑❑

مولانا ظہیر الدین رحمانی رحمہ اللہ عمر آباد، تامل ناڈو

وفات اگست ۲۰۱۷ء

مولانا عبدالوہاب جامعی

ولادت وابتدائی تعلیم:

مولانا محمد ظہیر الدین رحمانی بن محمد بہادر عرف عبدالسبحان کی ولادت صوبہ اتر پردیش کے معروف شہر مبارکپور سے متصل واقع موضع ''حسین آباد'' میں ۱۹۲۰ء کو ہوئی۔ آپ نے ابتداء میں اپنی والدہ محترمہ خدیجہ بیگم بن پیر حافظ نظام الدین سے قرآن کے چند پارے پڑھے اس کے بعد اپنے نانا کے شاگرد حافظ عبدالعزیز سے ناظرہ قرآن کی باقی تعلیم مکمل کی۔ پھر آپ کو مدرسہ دارالتعلیم مبارکپور میں داخلہ دیا گیا۔ یہاں آپ کے اساتذہ میں مولانا محمد احمد مئوی، مولانا عبدالصمد (مولانا صفی الرحمن مبارکپوری کے تایا) اور منشی اخلاق احمد و منشی ظہیر صاحبان کے نام قابل ذکر ہیں۔

صاحب تحفۃ الاحوذی سے اکتساب علم:

مولانا ظہیر الدین رحمانی رحمہ اللہ نے ابوالکلام آزاد اویکننگ سنٹر دہلی کو دیے گئے انٹرویو میں فرمایا ہے:

''مدرسہ دارالتعلیم کے پیچھے علامہ عبدالرحمن محدث مبارکپوریؒ کا مکان ہے اس کی دوسری طرف روڈ تھا۔ اسی جانب ایک دواخانہ تھا جس کا نام ''دواخانہ مفید عام'' تھا اور اندر سے پورا خالی رہتا تھا، اس میں مکان کا ایک حصہ مولانا عبدالرحمن محدث مبارکپوری دارالتصنیف کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ یعنی وہیں بیٹھ کر کتاب ''تحفۃ الاحوذی'' تصنیف کرتے تھے، لکڑی کا ایک بڑا تخت ہوتا تھا اس پر چاروں طرف کتابیں رکھی ہوتی تھیں اور جب ہم نے انہیں دیکھا تو اس وقت وہ مکفوف البصر ہو چکے تھے۔ ان کے تعاون کے لئے مستقل طور پر دو آدمی تھے اور غیر مستقل طور پر کچھ مدت کے لئے مولانا محمد صاحب گوندلویؒ پنجابی آیا کرتے تھے۔ مستقل طور پر مولانا عبیداللہ صاحب رحمانی تھے، جن کو ان کی مدد و تعاون کے لئے شیخ عطاء الرحمن نے بھیجا تھا۔ ان کی تنخواہ وہی دے رہے تھے۔ اور دوسرے مولانا عبدالصمد صاحب تھے۔ (مولانا موصوف حسین آباد کے رہنے والے تھے، جو مولانا صفی الرحمن صاحبؒ کے تایا اور میرے استاذ ہیں۔ اور دور کے چچا بھی تھے) اور صورت یہ ہوئی کہ ''تحفۃ الاحوذی'' تو انہوں نے مکمل لکھ لی تھی مگر اس کی اصل تصویب، کچھ گھٹانا بڑھانا' حک وناحک یعنی اس پر نظر ثانی باقی تھی تو یہ دونوں آپس میں طے کر کے کچھ صفحات لے لیتے تھے۔ مولانا عبدالصمد صاحبؒ پڑھتے اس وقت اس پر مناقشہ ہوتا کہ اس میں یہ جملہ نکال دو، وہ جملہ نکال دو، یا فلاں کتاب کا حوالہ دیتے کہ وہ کتاب نکال کر دیکھو، اچھا وہ عبارت کاٹ دو۔ یہ عبارت یہاں سے لے لو اس طرح تحقیق و مراجعہ کے بعد وہ لکھتے تھے، اس کے

بعد مولانا عبیداللہ صاحب ان کا جو حصہ ہوتا اسے وہ پڑھتے تھے۔ اس وقت غور ہوتا کہ اس میں حوالہ کیا ہے پھر فیصلہ ہوتا کہ نہیں یہ چھوڑ دو' اس کا حوالہ فلاں فلاں کتاب سے دو۔ مکمل چھان بین اور تحقیق کے بعد وہ لکھتے، اس طرح سے پوری ''تحفۃ الاحوذی'' تحقیق ومراجعہ کے بعد لکھی گئی۔ اس زمانہ میں ہم لوگ وہاں کھیلنے کے لئے آتے تھے۔ اس دور سے کئی تاریخی واقعات وابستہ ہیں۔ اسی زمانہ میں مراکش کے ایک بہت بڑے عالم دین جنہوں نے ہندوستان آکر پڑھائی کی اور پھر بڑے مشہور ہوئے ''علامہ تقی الدین ہلالی'' وہ سنن ترمذی کے کچھ اسباق میں رہتے تھے ان سے ملاقات ہوئی، دوسرے نجد سے ایک عالم آئے تھے جن کا نام عبداللہ تھا۔ ان کی نسبت بھی ہے جو میں بھول رہا ہوں وہ مسجد میں رہتے تھے۔ ان سے ملاقات ہوئی وہ بھی مولانا عبدالرحمن صاحبؒ سے پڑھتے تھے۔

اس وقت ہم لوگ مدرسہ دارالتعلیم میں پڑھتے تھے۔ ہم تین ساتھی تھے کچھ ایسا ہوا کہ مولانا اصغر صاحب نے کسی وجہ سے مدرسہ سے استعفیٰ دے دیا، تو ہماری کتاب مولانا محمد صاحب کے پاس منتقل ہوگئی ان کتابوں میں سے جو مولانا اصغر صاحب کے مستعفی ہونے کے بعد ان کے پاس منتقل کی گئی۔ ہدایۃ النحو بھی تھی، مولانا کی زبان میں لکنت تھی، اچھے عالم تھے مگر سمجھا نہیں پاتے تھے۔ یا ہم سمجھ نہیں پاتے تھے۔ اس کی وجہ سے ہم لوگوں کی طبیعت ان کے پاس پڑھنے سے اچاٹ ہوگئی، سامنے مسجد ہے، آتے اس کی دیواروں پر جاکر کھیلتے، گھنٹی بجتی تو گھر چلے جاتے اور ماں باپ سمجھتے کہ بیٹے پڑھ کر کے آئے ہیں۔ اس طرح کئی دن ہوگئے تو ہماری شکایت مولانا عبدالرحمن صاحب سے کی گئی، اس پر مولانا صاحب نے ہمیں بلایا، ساتھیوں میں میں ہی ذرا بیباک تھا حالانکہ عمر تو اس وقت بالکل کم تھی، زیادہ سے زیادہ آٹھ نو سال کا رہا ہوں گا۔ میں نے اصل قصہ کہہ دیا کہ (اصغر صاحب) کی کتابیں یہاں آئیں اور مولوی صاحب بولتے ہیں تو ایسا بولتے ہیں، ہم نے ان کی نقل بھی اتار دی۔ اس لئے ہماری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ اس پر مولانا عبدالرحمن صاحب بولے اچھا وہ کتاب لاکر ہمارے پاس پڑھو تو میں اور ان کے ایک رشتہ دار تھے عبداللہ بستوی جن کا انتقال ہوگیا ہے وہ رحمانیہ سے فارغ ہوئے تھے ہم دونوں وہاں پڑھنے جاتے۔ اسی زمانہ میں وہاں مولانا ابوالکلام آزاد آئے اور وہیں ٹھہرے وہ کبھی کبھی آتے تھے۔ ہم لوگ مولانا عبدالرحمن صاحب کے پاس سبق پڑھنے جاتے تھے، مولانا ادھر کرسی پر بیٹھے ہوتے اور دوسری جانب ادھر ایک کرسی رکھ دی گئی تھی۔ اس پر مولانا آزاد آکر بیٹھے۔ مولانا ہم کو سبق پڑھاتے اور سمجھاتے مولانا آزاد کی آمد پر ہم جاتے اور ان سے سلام کرتے۔ ہم چھوٹے تھے یعنی اس وقت اس عمر کو نہیں پہنچے تھے کہ ہم مولانا ابوالکلام آزاد سے کچھ استفادہ کر لیتے۔ اسی زمانہ میں پہلی مرتبہ مولانا آزادؒ سے ملاقات ہوئی۔ بعد میں مولانا موصوف کئی مرتبہ آئے اور ان سے ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ وہ مولانا عبدالرحمن صاحب کو اپنا استاد مانتے تھے۔ اور ان سے بہت متاثر تھے چونکہ میں اہل حدیث ہوں اس لئے صاف طریقہ سے کہہ دوں کہ مولانا ابوالکلام آزاد بھی بڑے پختہ اور بڑے سخت قسم کے اہلحدیث تھے۔ جو مولانا عبدالرحمن صاحب کا اثر تھا، اور دوسرے کئی علماء اہل حدیث کا اثر تھا وہ بھی میں جانتا ہوں کہ کن کن سے ان کو عقیدت تھی۔

مولانا ابوالکلام آزاد جب واپسی کے لئے تیار ہوئے تو انہوں نے اپنے ملازم جس کا نام عبداللہ تھا۔ اسے کہا: عبداللہ! ذرا سوٹ کیس میں سے وہ کتاب نکال لاؤ۔ نئی نئی ان کی ''تذکرہ'' کتاب چھپی تھی وہ کتاب لائے۔ اس کے ٹائٹل پیج پر انہوں نے لکھا جسے

جھانک کر ہم نے دیکھا ''هدية الايخاء و الاخلاص من احمد المكنى بابى الكلام'' یہ پہلا عربی جملہ ہمارے ذہن میں آیا ہم نے یہ جملہ پڑھ لیا، لکھنے کے بعد انہوں نے دستخط کیا۔ مولانا ابوالکلام آزاد مولانا کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا یہ حقیر کا تحفہ ہے۔ مولانا عبدالرحمن صاحب نے لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا کیوں کہ مکفوف البصر ہونے کی وجہ سے وہ دیکھتے نہیں تھے۔ مگر مولانا آزاد نے ہاتھ کھینچ لیا اور کتاب نہیں دی۔ یہ دیکھ کر ہم کو تعجب ہوا۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے کتاب کھولی اس میں پہلے صفحہ پر ان کا فوٹو چھپا تھا جو ان کی مرضی کے خلاف بھی تھا اس کا اظہار بھی انہوں نے مقدمہ میں کیا ہے۔ اجمل صاحب ان کے سکریٹری تھے یہ ان کا کارنامہ تھا۔ مولانا عبدالرحمن صاحب فوٹو کھنچوانے کے قائل نہیں تھے۔ اپنا فوٹو پھاڑ لیا اور مولانا عبدالرحمن کو دیا۔ مولانا نے اسے لے کر اپنے پاس رکھ لیا یہ واقعہ ہے مولانا ابوالکلام آزاد کا''

مدرسہ فیض عام میں داخلہ: مولانا ظہیر الدین فرماتے ہیں:

''حسین آباد کے لوگ جب بھی مبارکپور جاتے تو شیخ الحدیث مولانا عبدالرحمن صاحب مبارک پوریؒ سے ملنے جاتے۔ ہمارے والد صاحب بھی جاتے تو مولانا سے سلام و مصافحہ کے لئے جاتے جب میرے والد صاحب مولانا سے ملنے گئے تو انہوں نے ان سے کہا کہ تمہارا بیٹا پڑھنے میں ذرا ہوشیار ہے۔ ہم مئو جا رہے ہیں تم ہمارے ساتھ اسے مئو بھیج دو، ہم مدرسہ فیض عام میں اسے داخل کرا دیں گے۔ وہاں وہ اچھی طرح پڑھ لے گا۔ ہمارے والد صاحب نے کہا کہ ٹھیک ہے۔ دوسرے دن آ کر کے ہماری والدہ سے کہہ دیا کہ محمد ظہیر الدین فلاں تاریخ کو (مئو) جائیں گے۔ ان کے لئے کپڑے وغیرہ درست کر دو۔ کپڑے نہ ہوں تو دو تین جوڑے سلا دو۔ والدہ صاحبہ نے کہا کہ ٹھیک ہے، چنانچہ اس تاریخ کو ہم حسین آباد سے مبارکپور آئے اور مولانا عبدالرحمن صاحب مبارکپوریؒ کے ساتھ کار میں بیٹھ کر مئو گئے۔ وہاں پہنچ کر ہم حافظ عظیم اللہ صاحب کے یہاں کیاری ٹولہ میں ٹھہرے، وہاں مولانا سے ملنے کے لئے علماء آئے ان ملنے والے علماء میں سے مولانا عبداللہ شائق صاحب مئوی بھی تھے۔ جو اس وقت مدرسہ فیض عام کے ذمہ دار مدرس تھے۔ طلبا کے داخلہ کے ذمہ دار تھے، ادب کے استاد تھے، سنن ترمذی ہم لوگوں نے انہیں سے پڑھی، مولانا عبدالرحمن نے میرے بارے میں معلوم نہیں ان سے کیا کہا۔ شاید یہی کہا ہوگا کہ بچہ میرے ساتھ آیا ہے، اسے مدرسہ فیض عام میں داخل کر لو۔ مولانا عبداللہ شائق نے کسی کے ذریعہ مدرسہ سے ایک بچہ کو بلوایا جو فیض عام میں پڑھتا تھا وہ بچہ آیا اس سے شائق صاحب نے کہا: اس کا بکس لے لو اور ان کو ساتھ بلا لے جاؤ۔ اور مسجد کے نیچے فلاں کمرے میں فلاں کے ساتھ ان کو ٹھہراؤ۔ صبح ان کا فیصلہ کریں گے۔ چنانچہ صبح ہوئی، معلوم نہیں کیا کارروائی ہوئی۔ بس اتنا معلوم ہوا کہ میرا داخلہ ہو گیا ہے۔ اور آپ وہاں سے جا کر کتابیں لے لیجئے۔ اور ہم سے کہہ دیا گیا کہ اب آپ کی رہائش یہاں نہیں ہے۔ اس (فیض عام) کے بڑے استاذ مولانا احمد بن حسام الدین تھے۔ مئو میں اہل حدیث جماعت کو اہلحدیث بنانے والے یہ دو علماء ہیں۔ ایک مولانا حسام الدین اور مولانا فیض اللہ مئوی یہ دونوں میاں نذیر حسین صاحب کے شاگرد ہیں۔ مئو میں مولانا احمد صاحب بڑے مولوی صاحب کے نام سے مشہور تھے۔ ان کا گھر قاضی داموں پورہ میں ہے۔ ان کا ایک حجرہ باہر ہے۔ اس میں وہ کچھ مبارکپوری طلبہ کو رکھتے تھے، ہم کو بھی اسی میں جگہ دی گئی۔ ہم رہتے وہاں تھے اور پڑھتے تھے فیض عام میں۔

فیض عام میں ہمارے اساتذہ مولانا احمد بن حسام الدین صاحب، مولانا عبداللہ صاحب شائق، مولانا عبدالرحمن نحوی، مولانا عبدالعلی طرفدار صاحب، مولانا قاری عبدالسبحان صاحب تھے۔ یہ اس زمانہ کے مئو کے مشہور اور قابل اساتذہ میں تھے۔ مولانا عبدالرحمن صاحب نحوی نحو کے ماہر تھے۔ وہ نحو کی کتابیں پڑھاتے تھے اور نحوی کے نام سے مشہور تھے۔''

کچھ عرصہ دارالعلوم دیوبند میں۔ مولانا مزید فرماتے ہیں:

''کچھ دنوں کے بعد ایسا ہوا کہ ہم وہاں سے بھاگ کر چھ مہینے کے لئے دارالعلوم دیوبند پہنچ گئے، مگر وہ ہمارے والد کو پسند نہیں آیا۔ اس میں کچھ واقعات ہیں جن کی وجہ سے انہوں نے فیصلہ کرلیا کہ مجھے دارالعلوم دیوبند نہیں جانا ہے۔ اس سلسلہ میں ساری تفصیلات انہوں نے مولانا عبیداللہ صاحب مبارکپوری کے سامنے رکھیں کہ ایسا قصہ ہے اس لیے محمد ظہیر الدین کو آپ اپنے ساتھ رحمانیہ دہلی لے جائیں انہوں نے اس پر آمادگی کا اظہار فرمادیا اور کہا کہ ٹھیک ہے اور دہلی جانے کی تاریخ متعین ہوگئی اور والد صاحب نے مجھ سے کہا کہ آپ کو فلاں تاریخ کو مولانا عبیداللہ صاحب کے ساتھ دہلی جانا ہے۔ چنانچہ ہم مولانا کے ساتھ دہلی چلے گئے۔''

دارالحدیث رحمانیہ دہلی میں:

''مولانا نذیر احمد صاحب املویؒ نے ہمارا امتحان داخلہ لیا اور ساتویں جماعت میں میرا داخلہ ہوگیا۔ اس موقع پر مولانا عبیداللہ صاحب نے میرے بارے میں والد صاحب کو تعریفی کلمات پر مشتمل خط لکھا کہ ماشاء اللہ آپ کے بچہ کا داخلہ ساتویں جماعت میں ہوگیا ہے۔ ہمارے والد صاحب خود تو نہیں لکھ سکتے تھے انہوں نے کسی دوسرے سے جواب لکھوایا کہ یہ تو خوشی کی بات ہے کہ آپ نے میرے بچہ کو داخل کرلیا اور اسے ساتویں جماعت میں داخلہ مل گیا۔ لیکن میری رائے ہے کہ ان کو ایک جماعت نیچے اتار دیا جائے، چھٹی جماعت میں ان کو داخل کیا جائے۔ کم از کم وہ تین سال رحمانیہ میں رہیں گے تو ان کے اندر پختگی پیدا ہوگی۔ یعنی پختہ اہلحدیث بنیں گے۔ نہیں تو وہ ان کے اندر کچھ حنفیت آگئی ہے۔ یہ مطلب تھا ان کا۔ لہٰذا ہم چھٹی جماعت میں اتارے گئے تین سال ہم رحمانیہ میں رہے اور ۱۹۴۰ء میں وہاں سے فارغ ہوئے'' (مولانا سے لیا گیا انٹرویو ختم ہوگیا)

مدرسہ رحمانیہ دہلی میں آپ نے شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ مبارکپوری، مولانا نذیر احمد املوی، مولانا احمد اللہ پرتاپ گڑھی سے خصوصی طور پر استفادہ کیا۔

ملازمت:

فراغت کے بعد آپ نے اپنے مادر علمی ''دارالتعلیم'' مبارکپور میں بلا تنخواہ تدریسی خدمات انجام دینی شروع کردیں انہی دنوں دلی میں آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس منعقد تھی، آپ اس میں شریک ہوئے یہاں آپ کی ملاقات الحاج محمد یوسف صاحب ناظم مدرسہ قاسم العلوم کگولی آگرہ سے ہوئی انہوں نے شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانی کے توسط سے آپ کو بہ اصرار مدرسہ قاسم العلوم آگرہ جانے پر راضی کرلیا۔ آپ آگرہ میں ایک ہفتہ سے زیادہ نہ رہ سکے مستعفی ہوکر گھر چلے آئے۔ کچھ دنوں کے بعد ڈاکٹر سید فرید احمد

صاحب بانی وناظم مدرسہ احمدیہ سلفیہ دربھنگہ (بہار) کا خط آپ کے نام آیا جس میں انہوں نے اپنے مدرسہ میں ملازمت کی پیش کش کی تھی۔ چنانچہ آپ دربھنگہ تشریف لے گئے اور تدریسی خدمات شروع کردی۔ لیکن یہاں کی آب وہوا، قیام وطعام آپ کی طبیعت کو راس نہ آیا۔ وہ ہفتوں بعد وہاں سے مستعفی ہوکر گھر چلے آئے۔ ۱۹۴۲ء میں آپ کے والدین کا اچانک ایک ہی دن میں انتقال ہوگیا۔ اس کے بعد آپ نے فیصلہ کرلیا کہ کسی اچھے ادارہ میں جم کر کام کرنا چاہیے۔

جامعہ محمدیہ رائیدرگ میں آمد:

جامعہ محمدیہ رائیدرگ کی سالانہ تعطیلات میں جامعہ کے اساتذہ مولانا فضل الرحمن اعظمی عمری اور مولانا مفتی عبدالعزیز صاحب اعظمی عمری اپنے وطن مئوناتھ بھنجن پہنچے تھے، یہ دونوں حضرات شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ صاحب مبارکپوری سے شرف ملاقات کے لئے جب مبارکپور پہنچے تو حسن اتفاق میرے ممدوح بھی شیخ الحدیث کی ملاقات کے لئے حاضر ہوئے تھے۔ یہاں مولانا فضل الرحمن صاحب اعظمی عمری ناظم جامعہ نے آپ کو تدریسی خدمت کی پیش کش فرمائی، ان سے پہلے مولانا سید اسماعیل صاحب بانی جامعہ کا خط آپ کو موصول ہو چکا تھا۔ یہاں مولانا فضل الرحمن صاحب نے رائیدرگ اور جامعہ محمدیہ رائیدرگ کا کچھ ایسا دل پذیر نقشہ کھینچا کہ آپ رائیدرگ میں ملازمت کے لئے تیار ہوگئے۔ تعلیمی سال کے آغاز میں آپ رائیدرگ پہنچ گئے اور تدریسی خدمات انجام دینی شروع کردیں۔ چھ ماہ کے بعد گھر پہنچے اور استعفیٰ نامہ بھیج دیا۔ لیکن مولانا سید اسماعیل صاحب اور ساتھ میں اساتذہ کے اصرار پر آپ نے دوبارہ تدریسی خدمات انجام دینا شروع کردیں۔ آپ رائیدرگ ہی میں تھے کہ آپ کی اہلیہ محترمہ کا حسین آباد میں اچانک انتقال ہوگیا، طویل سفر کی وجہ سے آپ تجہیز وتکفین میں شریک نہ ہوسکے۔ ۱۹۵۰ء میں مولانا سید اسماعیل صاحب رائیدرگی نے اپنے نسبتی برادر فتح احمد صاحب کی لڑکی سے آپ کا نکاح کرادیا۔ مولانا سید عباس حامی عمری آپ کے ہم زلف تھے۔ شادی کے چند سالوں بعد بعض گھریلو مسائل میں مولانا سید اسماعیل صاحب سے آپ کا اختلاف ہوگیا تو آپ نے جامعہ محمدیہ میں برسرخدمت رہنا مناسب نہیں سمجھا اور وہاں کی ملازمت سے مستعفی ہوگئے۔

آپ ۱۹۴۸ء تا ۱۹۵۸ء تقریباً دس سال جامعہ محمدیہ رائیدرگ میں مدرس رہے۔

جامعہ دارالسلام عمرآباد میں:

جامعہ محمدیہ رائیدرگ کی ملازمت کے دوران آپ کو جامعہ دارالسلام عمرآباد جانے کا اتفاق ہوا تھا۔ یہاں آپ کی ملاقات الحاج کاکا محمد اسماعیل صاحب سرپرست جامعہ دارالسلام سے ہوئی تھی۔ وہ ان دنوں مریض اور چلنے پھرنے سے معذور تھے۔ دوران گفتگو آپ سے کہا تھا "مولانا آپ عمرآباد آجایئے۔ آپ کی جگہ عمرآباد ہی ہے"

ذمہ داران جامعہ دارالسلام کو جب جامعہ محمدیہ رائیدرگ سے آپ کے مستعفی ہونے کی اطلاع ملی تو جامعہ دارالسلام میں ملازمت کی پیش کش کی۔ جس کو آپ نے بڑی مسرت کے ساتھ قبول کرلیا۔ چنانچہ ۱۶ نومبر ۱۹۵۸ء کو عمرآباد پہنچ گئے اور تدریسی خدمات انجام دینی شروع کردیں۔ اس وقت سے زندگی کے آخری لمحے تک آپ یکسوئی واستقامت کے ساتھ عمرآباد ہی کو اپنا مستقل مسکن بنالیا۔

طریقۂ تدریس:

ڈاکٹر کلیم اللہ صمدانی عمری اپنے مضمون مولانا ظہیرالدین اثری رحمانیؒ میں تحریر فرماتے ہیں ''جامعہ دارالسلام میں مولانا کی تدریسی خدمات تقریباً ۵۵ سال پر محیط ہیں۔ اس دوران مولانا سے ہزاروں طلبہ مستفید ہوئے۔ مولانا کا حافظہ بڑا تیز، مشاہدہ گہرااور معلومات بڑے وسیع تھے۔ جس کی وجہ سے ان کا درس بڑا دلچسپ اور پرکشش ہوا کرتا تھا۔ کوئی بھی سبق موقع ومناسبت کے لحاظ سے کسی واقعے کے ذکر سے خالی نہ ہوتا۔ جس سے طلبہ بہت محظوظ ہوتے۔ درس پوری دلچسپی، لگن اور مطالعہ کے ساتھ دیا کرتے تھے۔ کوئی باریک سے باریک مسئلہ ہو، مقدمہ ابن خلدون یا مقدمہ ابن صلاح وغیرہ کی کوئی بھی پیچیدہ عبارت، بڑے سلیقے اور پرلطف انداز سے تشریح فرمایا کرتے تھے''

مولانا جامعہ کے ناظم بھی رہے۔ آپ کی مدت نظامت بالکل مختصر رہی، تاہم اس دوران آپ نے بہت سے اصلاحی کام انجام دیئے۔ اس کے علاوہ آپ جامعہ کے شعبہ افتاء کے برسوں رکن رہے۔

جمعیت اہلحدیث سے وابستگی:

چونکہ آپ کی تعلیم ابتداء سے لے کر انتہا تک اہل حدیث مدارس میں وقت کے مشہور ومعروف علماء اہل حدیث کے پاس ہوئی تھی اس کا اثر تھا کہ آپ پختہ اہل حدیث تھے۔ اور اپنے مسلک میں انتہائی سخت بھی تھے۔ دوران درس طلباء کو تمسک بالکتاب والسنۃ پر زور دیتے، فقہی مذاہب کے موشگافیوں کا پول کھولتے اور اس پر علمی جرح بھی فرماتے۔

شیخ الحدیث مولانا عبدالودود رحمانی کی وفات کے بعد آپ کئی میقات تک جمعیت اہل حدیث تامل ناڈو کے امیر بھی رہے۔ تاریخ اہل حدیث پر آپ اٹھارتی تھے۔

راقم الحروف نے جب بھی ریاست کرناٹک کے مختلف مقامات پر منعقد ہونے والے اجلاس میں شرکت وخطاب کی دعوت دی تو فوراً قبول فرمالیا۔ شریک ہوئے اور خطاب بھی فرمایا کئی بار میرے گھر تشریف لائے، خدمت کا موقع بھی عنایت فرمایا۔

اخلاق وعادات:

آپ عزم وہمت، استقلال واستقامت کی مضبوط چٹان، بلاخوف لومۃ لائم اپنی بات کہہ جاتے تھے۔ روشن ضمیر وروشن دماغ، قوت حافظہ بلا کا، ملنسار، مجلسی آدمی، زندہ دل وخوش مزاج، کامیاب معلم، طلباء کے مشفق مربی، نفاست پسند، علم اور اہل علم کے قدردان بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔

علمی اسفار:

مولانا کو صحیح مسلم کی سند عالی حاصل تھی اس وجہ سے اجازہ حدیث کے لئے عرب دنیا کے بے شمار مشائخ وطلاب آپ کے پاس عمرآباد تشریف لاتے اور شرف تلمذ حاصل کرتے، اس کے علاوہ مختلف ممالک میں سند حدیث کا اہتمام کرکے بھی بہت سے علماء نے

آپ سے علم حدیث سیکھا۔ بعض ائمہ حرمین نے بھی آپ سے اجازۂ حدیث حاصل کی۔ جن مما لک کا آپ سفرنہیں کرسکے یا جو علماء آپ کی خدمت میں حاضر نہ ہوسکے انہوں نے فون اور انٹرنیٹ کے توسط سے روزانہ اپ سے درس حدیث لیا اور سند اجازہ حاصل کی۔

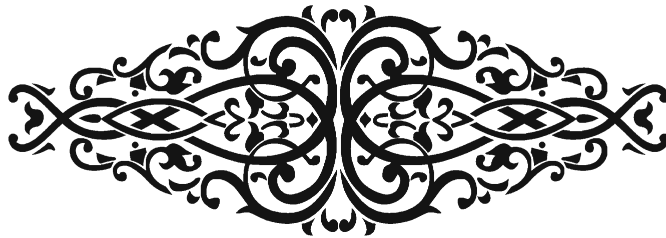
اولاد: اللہ تعالیٰ نے آپ کو تین لڑکے اور چار لڑکیاں عطا کیں سب کو پڑھایا لکھایا اور ان کی شادی خانہ آبادی بھی کی۔ چند ماہ پہلے جوان بیٹے کی وفات کا صدمہ اٹھانا پڑا۔

وفات: مولانا کی صحت اچھی تھی، ادھر چند سالوں سے پیرانہ سالی کی وجہ سے پاؤں میں کچھ تکلیف پیدا ہوگئی تھی۔ چلنے پھرنے میں دشواری محسوس کررہے تھے۔ اس کے باوجود آپ نے دنیا کے مختلف مما لک کا سفر کیا اور علم حدیث سے ایک دنیا کو فیض پہنچایا۔ وفات سے چار دن پہلے صحت کچھ متاثر ہوئی۔ آخر ۱۴؍ اگست ۲۰۱۷ء بروز پیر بعد نماز مغرب آپ کی وفات ہوئی، علم حدیث کا ایک روشن چراغ گل ہوگیا۔ مولاناؒ دارالحدیث رحمانیہ کی آخری یادگار تھے ان کی وفات سے ایک دور کا خاتمہ ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

داغ فراق، صحبت شب کی جلی ہوئی
ایک شمع رہ گئی تھی سووہ بھی خموش ہے

(تاریخ اہلحدیث جنوبی ہند کے درخشاں پہلو۔ عبدالوہاب جامعی ص: ۴۱۷)

□□□



مولانا عبدالرشید اثری رحمہ اللہ ''لدوا'' سدھارتھ نگر

وفات ستمبر ۲۰۱۷ء

مولانا عبدالحکیم عبدالمعبود مدنی

ضلع سدھارتھ نگر کا مٹکا علاقہ اپنی زرخیزی وشادابی کی وجہ سے انتہائی مشہور ومعروف ہے۔اسے میاں سید نذیر حسین دہلوی کے کئی تلامذہ کے مسکن ہونے کا شرف حاصل ہے۔مولانا عباداللہ یوسف پوری بستویؒ (تلمیذ میاں سید نذیر حسین دہلوی) کا قائم کردہ ادارہ (جامعہ دارالھدیٰ یوسف پور) آج بھی اس علاقہ میں ایک تاریخی اہمیت کی حامل درسگاہوں میں شمار کیا جاتا ہے۔مفکر ملت حضرت العلام مولانا عبدالجلیل رحمانیؒ ودیگر اساطین علم وفن نے اپنی علمی وفکری عطر بیزیوں سے علاقہ کو معطر فرمایا تھا۔آج بھی اس کی خوشبوئیں کہیں نہ کہیں محسوس ہوجایا کرتی ہیں۔اسی قافلہ حق وصداقت کی ایک کڑی مولانا عبدالرشید اثریؒ تھے جنھوں نے برسوں تدریس ودعوت میں اپنی زندگی لگائی تھی اوران بزرگوں کے لگائے ہوئے نخلستان علم ودعوت کی آبیاری میں لگے رہے۔ذیل کا مضمون ایک مختصر سوانحی خاکہ ہے جو مولانا کی تعلیمی وتدریسی اور دعوتی زندگی کا عکاس ہے دراصل یہ خاکہ آپ کے فرزند اور ہمارے عزیز محترم عزیز رشید ہندی باحث لغوی جامعہ الامام ریاض کے اس طویل مضمون کی روشنی میں تیار کیا گیا ہے جسے آپ نے اپنے والد محترم کی زندگی پر ۱۵ صفحات سے زیادہ اوراق میں سمیٹا ہے۔اس کے علاوہ آپ کے بعض ساتھیوں اور دیگر رسائل وجرائد میں آپ کی وفات پر چھپی خبروں اور فیس بک اور وہاٹس ایپ پر لکھی گئی یادداشتوں کا بھی اس میں بہت اہم رول ہے۔اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور آپ کے فرزند کو آپ کا جانشین بنائے۔محترم کے شکریہ کے ساتھ یہ خاکہ حوالۂ قرطاس ہے۔جزاک اللہ خیرا واحسن الجزاء۔

نام ونسب: عبدالرشید اثری بن عبدالغفار بن حسن رضا۔

تاریخ ومقام پیدائش: ۱۸/مارچ ۱۹۶۳ء کو ضلع سدھارتھ نگر کے مٹکا علاقہ کے ایک مشہور گاؤں ''لدوا'' میں پیدا ہوئے۔

خاندانی پس منظر: آپ کے خانوادہ میں علم وحکمت کی بنیاد مولانا عبدالجلیل رحمانی کے رفقاء میں سے ایک بزرگ عالم مولانا صدیق حسین بستوی نے ڈالی تھی اوراسی وقت سے یہ سلسلہ علم وعمل چلا آرہا ہے۔

خاندان کے کئی افراد تدریس ودعوت کے میدان سے آج بھی جڑے ہیں۔اللہ تعالیٰ تمام کی کاوشوں کو قبول فرمائے۔آمین۔

تعلیم وتربیت اور اساتذہ: ۱۔ابتدائی تعلیم دوم تک گاؤں کے مکتب مدرسہ اسلامیہ سبل الاسلام میں حاصل کی۔جہاں آپ منشی عبدالغفار اور حافظ صاحب پٹری والے سے فیضیاب ہوئے۔

۲۔درجہ سوم سے پنجم تک کی تعلیم دار العلوم ششہنیاں میں منشیؒ صاحب بنکٹوا والے اور ماسٹر عبد المجید پچپڑھوا والے کے پاس مکمل کی۔

۳۔عربی ادنیٰ سے ثانیہ تک علاقہ کی مشہور درسگاہ جامعہ دار الہدیٰ یوسف پور میں حاصل کی یہاں آپ کے اساتذہ میں مولانا محمد ابراہیم رحمانی، مولانا عبد الکریم ندوی آپ کے چچا مولانا محمد ادریس قاسمی اور مولانا مجیب اللہ فیضی وغیرھم تھے۔

۴۔ثانویہ کی تعلیم (عربی ثالثہ اور اس کے بعد) جامعہ سراج العلوم جھنڈا نگر نیپال مولانا عبد الحنان فیضی، مولانا رحمت اللہ اثری، مولانا صبغت اللہ ندوی، مولانا عبد الحفیظ فیضی، مولانا خورشید احمد سلفی وغیرھم سے حاصل کی۔

۵۔عالمیت جامعہ سراج العلوم کنڈ وبونڈیہار میں مکمل کی وہاں مولانا محمد عمر سلفی، مولانا خلیل رحمانی، مولانا ابو العاص وحیدی، مولانا کمال الدین اثری وغیرھم آپ کے اساتذہ میں سے تھے۔

٦۔فضیلت کی تعلیم چند ماہ جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو، اور اس کے بعد دار الحدیث اثریہ میں مکمل کی اور یہیں سے ۱۹۸۳ء میں اپنے رفقاء مولانا مطیع اللہ حقیق اللہ مدنی، مولانا عبد الرحیم اثری، مولانا محمد صالح میواتی کے ساتھ فارغ ہوئے یہاں آپ کے اساتذہ میں مفتی عبد العزیز صاحب عمری، مولانا محمد احمد اثری، مولانا مختار اختر فیضی اور مولانا فیض الرحمن فیضی وغیرہم تھے۔

خدمات وذمہ داریاں: ۱۔فراغت کے بعد ۱۹۸۳ء سے ۱۹۸۵ء دوسال تک الجامعۃ الاسلامیہ تلکھنا میں تدریس کا فریضہ انجام دیا۔

۲۔۱۹۸٦ء سے ۱۹۸۷ء تک دوسال مدرسہ عربیہ مفتاح العلوم گلہریا نیپال میں تدریس سے وابستہ رہے۔

۳۔۱۹۸۸ء سے جامعہ دار الہدیٰ یوسف پور سے وابستہ ہوگئے اور تاحیات اس ادارہ سے وابستہ رہے اور کم وبیش ۲۹ سالوں تک انتہائی محنت اور دل جمعی سے اس کی آبیاری کرتے رہے اور ابتدائی درجات سے لے کر دورۂ حدیث تک مختلف مضامین پڑھاتے رہے۔طلباء آپ کے افہام وتفہیم سے بے حد مطمئن رہا کرتے تھے۔

۴۔اس دوران آپ دار الاقامہ کی نگرانی بھی کرتے تھے اور طلباء کی تعلیم وتربیت کے لئے اس ذمہ داری کو بیماری کے آخری چند سالوں کو چھوڑ کر آپ نے باحسن طریق انجام دیا۔

۵۔آپ طلبہ کی انجمن ''ندوۃ الخطابۃ'' کے بھی مشرف رہے اور بڑے منظم طریقے سے اسے چلاتے رہے۔

٦۔جامعہ کی لائبریری سید نذیر حسین کے مسئول بھی رہے۔

۷۔خطبات جمعہ کے لئے گاؤں کی مسجد سے لے کر علاقہ ومضافات کی چھوٹی بڑی مسجدوں میں جایا کرتے تھے۔اور انتہائی پر مغز خطاب کرتے تھے۔خطابت کی دنیا میں آپ کی علاقہ میں بڑی مقبولیت تھی۔تعلیم وتربیت اولاد، حجاب نسواں وغیرہ پر آپ کے دلنشین خطابات سے لوگ جھوم جایا کرتے۔

۸۔کئی سالوں تک مقامی جمعیت اہل حدیث حلقہ برڈپور کے ناظم بھی رہے اور علاقہ میں بہترین دعوتی کام انجام دیئے۔

۹۔ اپنے گاؤں لدوا مدرسہ سبل السلام کے ناظم تھے۔

۱۰۔ مدرسہ عربیہ مفتاح العلوم گلہریا اور معہد الامام ابن تیمیہ جگنا، نیپال وغیرہ کے برسوں سکریٹری رہے۔

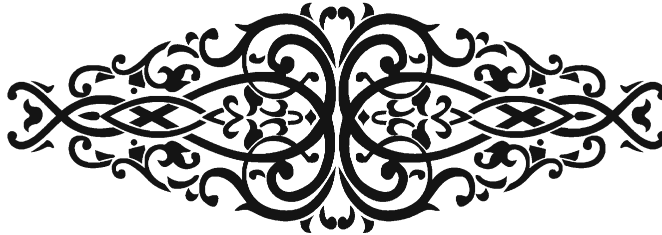
۱۱۔ جمعیت اہل حدیث سدھارتھ نگر کی مجلس شوریٰ وعاملہ کے رکن اور جمعیت اہل حدیث حلقہ نوگڑھ کے نائب ناظم بھی کئی برسوں تک رہے۔

تصنیفات ومضامین: آپ نے ایک رسالہ ''نقوش صحابہ'' اور دوسرا ''اسلام کی دو بنیادی باتیں'' تحریر کیں اور یہ دونوں رسالے مطبوع ہیں اس کے علاوہ مختلف دینی رسائل وجرائد میں کئی مضامین آپ نے لکھیں جو کہ شائع ہوکر نذر قارئین ہوچکی ہیں۔

بیماری اوروفات: فروری ۲۰۱۶ء میں دانت کا عارضہ لاحق ہوا اور رفتہ رفتہ یہ کینسر بن گیا علاج معالجہ ہوا۔ آپریشن کرایا گیا لیکن رب العزت کو کچھ اور ہی منظور تھا افاقہ نہ ہوا بالآخر ۲۳ ستمبر ۲۰۱۷ء کو بروز سنیچر شام ڈھلے عمر کی ۵۳ بہاریں گزار کر راہی ملک بقا ہو چلے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون اللہ مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے آمین۔ اور ۲۴ ستمبر بروز اتوار ۲۰۱۷ء جماعت کی بزرگ شخصیت مولانا ابراہیم رحمانی کی امامت میں نماز جنازہ پڑھائی گئی اور ہزاروں پرنم آنکھوں کی موجودگی میں سپرد خاک کئے گئے۔ اللہ تعالیٰ پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

(ماہنامہ صوت الاسلام جدید ممبئی مارچ ۲۰۱۸ء)





معروف عالم دین مولانا مفتی محمود عالم عمری کے انتقال پر
مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کا تعزیتی پیغام

وفات ستمبر ۲۰۱۷ء

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند سے جاری ایک اخباری بیان میں شمالی بہار کے معروف عالم دین مولانا مفتی محمود عالم عمری واصلاحی کے انتقال پر گہرے رنج وغم کا اظہار کیا ہے۔ اوران کی موت کو ملک وملت اور علمی دنیا کا بڑا خسارہ قرار دیا ہے۔

انہوں نے کہا کہ استاذ الاساتذہ مولانا محمود عالم عمری صاحب ایک متشرع اور باعمل انسان تھے اوران کا مولد ومسکن مغربی چمپارن کی مشہور تاریخی بستی جمہ کا تھی، جہاں اعاظم رجال پیدا ہوئے جنہوں نے تحریک شہیدین اور جدوجہد آزادی وطن میں عظیم قربانیاں دیں۔ ان کا انتقال بتاریخ ۲۴ رستمبر ۲۰۱۷ء یک شنبہ کی صبح ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مفتی محمود عالم صاحب بہار خصوصاً چمپارن کی نئی نسل کے استاذ ومربی تھے۔ جن سے مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے امیر محترم مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی صاحب حفظہ اللہ نے بھی اکتساب فیض کیا تھا اوران کے علمی تفوق اور تحقیقی مزاج سے بہت متاثر تھے۔ وہ تقویٰ وطہارت خصوصاً تمسک بالکتاب والسنۃ اوراس پر عمل پیرا ہونے میں سلف کا نمونہ تھے۔

مولانا نے ابتدائی تعلیم مدرسہ منظر العلوم بلی رام پور میں حاصل کی۔ پھر مدرسہ عالیہ عربیہ مئوناتھ بھنجن میں داخلہ لیا اوراس کے بعد جامعہ فیض عام مئوناتھ بھنجن میں داخل ہوئے اور چند سال وہاں اساطین علم وفن سے علوم متداولہ حاصل کئے، تحصیل علم کے شوق نے ان کو کشاں کشاں جامعہ اصلاحیہ پٹنہ میں شیخ الحدیث مولانا صداقت حسین دوستیاوی رحمہ اللہ کی خدمت میں پہنچا دیا۔ وہاں کئی سال تک کسب فیض کرتے رہے۔ فراغت کے بعد وقت کی عظیم ادیب اورراسخ فی العلم علامہ سید تقریظ سہسوانی رحمہ اللہ کی خدمت میں دہلی آئے اور جامعہ ریاض العلوم میں رہ کر شیخ الحدیث علامہ عبدالسلام بستوی اور سید صاحب سے خوب خوب استفادہ کیا۔ یہاں سے فراغت کے بعد جامعہ دارالسلام عمر آباد کا رخ کیا اوراس میں موجود اساطین علم وعمل سے بھرپور استفادہ کے بعد وطن واپسی ہوئی اور دعوت وتبلیغ اورافتاء وتدریس میں مشغول ہوگئے۔ آپ نے مدرسہ دارالتکمیل مظفر پور سے سلسلہ تدریس کا آغاز کیا۔ پھر مادر علمی مدرسہ منظر العلوم بلی رام پور میں صدر المدرسین کی حیثیت سے تقرری عمل میں آئی جہاں ایک لمبی مدت تک تدریس کے ساتھ ساتھ افتاء کا فریضہ بھی انجام دیتے رہے۔ اوراپنے پیچھے دعاۃ وعلماء کی ایک بڑی تعداد چھوڑ گئے۔ جو بلا شبہ ان کے لئے صدقہ جاریہ ہیں۔ مولانا محمود عالم صاحب مفتی چمپارن کے لقب سے معروف تھے۔ آپ ضلعی جمعیت اہل حدیث مغربی چمپارن کی ہمیشہ سرپرستی فرماتے رہے۔

مولانا کے پسماندگان میں چار بیٹے اورایک بیٹی اور بیوہ ہیں۔ پریس ریلیز کے مطابق مرکزی جمعیت اہل حدیث کے امیر مولانا

اصغر علی امام مہدی سلفی، ناظم عمومی مولانا محمد ہارون سنابلی ودیگر ذمہ داران واراکین وکارکنان نے مولانا کے انتقال پر گہرے رنج وافسوس کا اظہار کیا ہے اور دعا گو ہیں کہ بارالہا ان کی مغفرت فرما، ان کو جنت الفردوس کا مکین بنا، ان کی خدمات کو قبولِ شرف بخش اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق ارزانی فرما۔

(جریدہ ترجمان دہلی، اکتوبر ۱۵۔ ا/ ۲۰۱۷ء)



بقیہ صفحہ ۱۶۵ کا:

مولانا عبدالمبین صاحب منظرؔ ناظم مدرسہ شمس العلوم سمرا، بستی کی وفات حسرت آیات پر استاذ گرامی مولانا عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں کہ: یہ خبر جماعتی حلقوں میں انتہائی رنج وغم کے ساتھ پڑھی جائے گی کہ مورخہ ۲۷/ اکتوبر ۱۹۸۹ء بروز جمعہ مولانا عبدالمبین صاحب منظرؔ رحمہ اللہ اپنے گردے کے آپریشن کے دوران وفات پا گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

استاد محترم مولانا عبدالمبین صاحب منظرؔ جماعت اہل حدیث کے ممتاز عالم، حاضر جواب مناظر، شیریں بیان واعظ، اچھے مصنف اور قادر الکلام شاعر تھے۔

تقسیم ملک کے بعد اپنے وطن سمرا، بستی میں مولانا نے مدرسہ شمس العلوم کی بنیاد ڈالی اور اپنی شب وروز کی جدوجہد سے انہوں نے اس مدرسہ کو بستی، گونڈہ، گورکھپور اور ان اضلاع سے متصل نیپال کے علاقہ کے لئے ایک مثالی درسگاہ بنا دیا۔ اپنی ٹھوس ابتدائی، اردو، فارسی اور عربی تعلیم، بچوں کی تربیت اور مسلکی غیرت وحمیت کے اعتبار سے یہ مدرسہ مولانا کی جوانی کے دور میں ممتاز حیثیت کا حامل رہا ہے۔ مولانا نے تاسیس سے لے کر اپنی زندگی کے آخری سانس تک اس ادارہ کو اپنے خون سے سینچا اور اسے بعض نیم سیاسی تنظیموں کے طالع آزماؤں کی سازشوں سے اللہ کی نصرت وتوفیق سے بچایا۔

مجھے فارسی اور عربی کی ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کا شرف اسی درسگاہ میں اور خود استاذ محترم مولانا عبدالمبین صاحب منظرؔ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کر کے حاصل ہوا۔

مولانا منظرؔ رحمہ اللہ کو قبوری شریعت کے دلدادگان سے مناظرہ میں بڑی مہارت تھی اور آپ کی اس مہارت سے ملک کے مختلف علاقوں نے فیض اٹھایا۔ آپ کئی کتابوں کے مصنف بھی تھے اور اچھے نظم گو بھی، کئی موضوعات پر آپ کی مختصر اور طویل دینی نظمیں آج تک بچوں اور دوسرے لوگوں کی نوکِ زبان ہیں۔

جمعیت اہل حدیث بستی وگونڈہ کی تشکیل وتنظیم سے لے کر نوگڈھ کی آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کے انعقاد تک آپ کے بہت سے جماعتی وتنظیمی کارنامے ہیں۔

(مجموعہ مقالات ۲/ ۳۴۲)



جامعہ احمدیہ سلفیہ، دربھنگہ بہار کے مایہ ناز سپوت

مولانا ڈاکٹر محمد طاہر ندوی سلفی مدنی رحمہ اللہ

وفات ۸/اکتوبر ۲۰۱۷ء

مولانا عبدالحکیم عبدالمعبود مدنی

قافلۂ حق وصداقت کی ابتدائی کڑیاں ہمارے برصغیر میں خاندان ولی اللہی اوران کی جدوجہد، تحریک شہیدین اوران کے جیالوں نیز صادقان صادقپور کی قربانیوں سے عبارت ہیں اور اس قافلے کی منزلوں میں ایک بڑی منزل ارض بہار اور اس کا وہ خطہ ہے جہاں کبھی یہ پڑاؤ ڈالا کرتے تھے۔ یوں تو بہار کا پورا خطہ ان سرفروشوں کی قربانیوں اوران کے حسین تذکروں سے روشن ہے مگر بعض علاقوں کو اس لئے اہمیت حاصل ہے کہ وہ اجلاء علماء بالخصوص سرخیل جماعت سید الطائفہ حضرت میاں صاحب اوران کے شاگردان باصفا کی آمدورفت اور قیام وورود کے مرکز رہے ہیں، میاں صاحب کے شاگردوں میں ایک نام مولانا عبدالعزیز رحیم آبادیؒ کا ہے جو خطہ بہار اور اس کے بعض علاقوں میں سلفی دعوت اور اس کے استحکام وانتشار میں ایک سنہرا نام مانا جاتا ہے مولانا عبدالعزیز رحیم آبادیؒ کی دعوت وتبلیغ کے علاقوں میں ضلع سیتامڑھی بہار کے وہ خطے ہیں جنہیں ''برھروا، مرول، مولانگر، شاہ پور، بچھارپور وغیرہ کے مواضعات سے جانا پہچانا جاتا ہے۔ انہیں بستیوں میں ایک مردم خیز بستی ہمارے صاحب تذکرہ مولانا محمد طاہر ندوی مدنی رحمہ اللہ کا آبائی گاؤں ''آواپور'' بھی ہے جہاں کے لوگ اسی قافلۂ حق وصداقت کے خوشہ چیں ہیں اور اسی گلستاں علم وعمل کے وارث وامین ہیں۔

مولانا رحمہ اللہ کا خانوادہ علم وعمل کے میدان میں مولانا ابراہیم آروی اور مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی جیسے سالار قافلہ کا فیض یافتہ تھا اور یہی خوبو وراثت میں مولانا طاہر مدنی کو ملی تھی، کم وبیش ۴۰ سال سے زائد عمر طویل کا قیمتی حصہ راہ دعوت اور تعلیم وتدریس میں لگادیا اور چلتے پھرتے اس راہ دعوت اور عمل میں اچانک اللہ کو پیارے ہوگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ذیل میں آپ کی سوانح وخدمات کے بعض پہلو درج ہیں اور افادہ عام کے لئے ہدیہ قارئین کیا جارہا ہے۔

مختصر سوانحی خاکہ:

نام ونسب: مولانا محمد طاہر بن محمد یعقوب بن محمد قمرالدین سلفی ندوی مدنی۔

تاریخ ولادت: آپ کی پیدائش ۳/مارچ ۱۹۴۴ء کو ایک زمیندار اور علم وعمل کے معروف گھرانے میں ہوئی۔

آبائی وطن: موضع ''آواپور'' ضلع سیتامڑھی، بہار انڈیا، آپ کا آبائی وطن ہے ویسے کافی عرصہ سے آپ دربھنگہ میں قیام پذیر تھے۔

خاندانی پس منظر: آپ کا گاؤں آواپور ضلع سیتامڑھی کے ان خطوں میں سے ہے جہاں کبھی میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی کے شاگرد مولانا عبدالعزیز رحیم آبادیؒ کی دیگر مواضعات کے ساتھ بکثرت دعوت وتبلیغ کے لئے آمد ہوا کرتی تھی۔ آپ کا خاندان زمیندانہ گھرانے کے ساتھ علم وعمل اور تدین پسندی میں کافی مشہور ومعروف تھا۔ آپ کے والد محترم مولانا محمد یعقوب صاحب مولانا ابومحمد ابراہیم آرویؒ کے قائم کردہ سلفی جامعہ مدرسہ احمدیہ سلفیہ آرہ سے فارغ التحصیل تھے۔ اور دادا مولانا قمرالدین صاحب آزادی سے پہلے یہاں درس وتدریس کا فریضہ انجام دیتے تھے اور ۱۹۱۸ء میں جب اس شمع کو پھر سے مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی نے دربھنگہ میں روشن کیا اور بعد کے ادوار میں ڈاکٹر فرید، ڈاکٹر عبدالحفیظ وغیرہم نے اسے خون جگر سے سینچا اور اوج کمال تک پہنچایا تو آپ نے اپنے والد اور دادا کے نقش قدم پر چلتے ہوئے یہاں علمی تشنگی بھی بجھائی اور پھر بحیثیت مدرس اپنی خدمات بھی پیش کیں، علماء واکابرین کی علمی وجماعتی ماحول میں آپ نے اس طرح نشوونما پائی اور آگے چل کر بلندیوں کے اعلیٰ مقام پر فائز ہوئے۔

ابتدائی واعلیٰ تعلیم: آپ کی ابتدائی واعلیٰ تعلیم اور دیگر علمی اسانید وڈگریوں کی تفصیل درج ذیل ہے۔

۱۔ ابتدائی تعلیم آپ نے چھچھوا گاؤں ضلع مدھوبنی میں حاصل کی۔

۲۔ ۱۹۶۳ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے عالمیت کی سند حاصل کی۔

۳۔ ۱۹۶۴ء میں علی گڑھ سے میٹرک پاس کیا۔

۴۔ ۱۹۵۸ء سے ۱۹۶۰، ۱۹۶۲ء، ۱۹۶۴ء، ۱۹۶۵ء، میں بالترتیب فوقانیہ، مولوی، عالم، فاضل اردو فارسی اور فاضل حدیث کی سند بہار مدرسہ بورڈ سے حاصل کیں۔

۵۔ ۱۹۷۰ء میں آپ نے ہومیو پیتھک میں سنہا کالج، (سنہا ہومیو میڈیکل اینڈ ہاسپٹل) دربھنگہ سے ''ڈپلوما ان میڈیسن اینڈ سرجری'' کی سند حاصل کی۔

۶۔ ۱۹۷۲ء میں کنور سنگھ کالج دربھنگہ سے بی اے کی ڈگری حاصل کی۔

۷۔ ۱۹۷۵ء میں ٹیچر ٹریننگ کالج، سیتامڑھی سے ٹیچرس ٹریننگ کا کورس مکمل کیا۔

۸۔ ۱۹۷۷ء میں دارالعلوم احمدیہ سلفیہ دربھنگہ سے فراغت حاصل کی۔

۹۔ ۱۹۷۹ء میں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں داخلہ ہوا اور چار سالوں تک تعلیم حاصل کرنے کا موقع ملا، ۱۹۸۲ء میں مدینہ یونیورسٹی سے اجازہ عالیہ (بی اے) کی سند سے سرفراز ہوئے۔

مشہور اساتذہ: یہ بات متحقق ہے کہ ندوۃ العلماء لکھنؤ اور احمدیہ سلفیہ دربھنگہ کے اساطین علماء سے آپ نے فیضیابی حاصل کی ہے۔ بعض مآخذ سے معلوم پڑتا ہے کہ آپ کے اساتذہ میں مولانا علی میاں ندویؒ اور مولانا ظہور رحمانیؒ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ جن اساتذہ کے ناموں کا ہمیں علم ہوسکا ہے وہ درج ذیل ہیں۔ (۱) مولانا ابوالحسن علی میاں ندویؒ (۲) مولانا محمد رابع حسنی ندویؒ (۳) مولانا محمد اویس نگرامی ندوی (۴) مولانا محمد اسحاق سندیلوی ندوی (۵) مولانا سعید الرحمن اعظمی (۶) مولانا عبدالماجد ندوی

(۷) مولانا ابوالفضل عبدالحفیظ بلیاوی (۸) مولانا حبیب الرحمن سلطان پوری (۹) شیخ محمد المجذوب (مدینہ) (۱۰) شیخ علی بن عبدالرحمن الحذیفی (مدینہ) (۱۱) شیخ عبداللہ بن محمد الغنیمان (مدینہ) (۱۲) شیخ عبدالکریم مراد (مدینہ) (۱۳) شیخ احمد محمد الحمد (۱۴) شیخ محمد شریف الربیک۔

خدمات: ۱۔ مدینہ منورہ جانے سے قبل دارالعلوم احمدیہ سلفیہ دربھنگہ میں چند سال تک تدریس۔

۲۔ سیتامڑھی، مہسول چوک کی مسجد اہل حدیث میں دو سال امامت وخطابت۔

۳۔ ۱۹۸۳ء سے مسلسل تیس سالوں تک واپس جامعہ احمدیہ سلفیہ دربھنگہ میں تدریس، آپ یہاں تفسیر وحدیث کے ساتھ دیگر فنون کی تدریس پر مامور تھے اور انتہائی کامیاب مدرس مانے جاتے تھے۔

۴۔ محلہ چک زھرہ، دربھنگہ میں واقع عیدگاہ میں امامت عیدین جسے آپ ڈاکٹر سید عبدالحفیظ سلفیؒ کے بیمار اور کمزور پڑ جانے پر آپ کے حکم سے انجام دیتے تھے۔ اس اہم ترین ذمہ داری کے لئے ڈاکٹر صاحب نے آپ کو خود منتخب کیا تھا جسے بحسن وخوبی آپ نے برسوں انجام دیا۔

عہدے اور مناصب: ۱۔ کچھ برسوں تک آپ ضلع جمعیت اہلحدیث سیتامڑھی کے ناظم رہے۔

۲۔ مدرسۃ العلوم الاسلامیہ مُرول، اور ہدایت المسلمین، بچھار پور کے قیام وتاسیس میں آپ کی قائدانہ شرکت تھی۔

۳۔ گاؤں اور آواپور کے مدرسے کے لئے بڑی کوششیں کیا کرتے تھے۔

۴۔ مولانا عبدالعزیز رحیم آبادیؒ کے مدرسے سے گہرا تعلق رکھتے تھے۔

۵۔ تاحیات جامعہ ابن تیمیہؒ چندن باڑہ بہار کی مجلس تنفیذی کے رکن تھے۔

وفات: ۷۳ سال کی عمر میں ۱۸ اکتوبر ۲۰۱۷ء بروز اتوار دوران تدریس اچانک سیڑھی سے پھسل گئے، فوراً منہ سے خون آ گیا، اور اسپتال لے جاتے ہوئے راستے میں ہی روح پرواز کر گئی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

دوسرے دن صبح نو بجے محلہ چک زھرہ قبرستان دربھنگہ میں تدفین ہوئی۔ نماز جنازہ آپ کے داماد شیخ بدر عالم سلفی نے پڑھائی۔ پسماندگان میں ۳ بیٹے، اور ۵ بیٹیاں ہیں، اللہ تعالیٰ صبر کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

ماخوذ:
۱۔ مجلہ طوبیٰ، چندن باڑہ، اکتوبر ونومبر ۲۰۱۷۔
۲۔ جریدہ ترجمان، دہلی ۱۶۔ ۳۱ اکتوبر ۲۰۱۷ء
۳۔ آپ کے فرزند آدم سلفی کا تحریر کردہ مضمون ''خاکہ'' اور دیگر معلومات۔

(صوت الاسلام جدید ممبئی۔ اپریل ۲۰۱۸ء)



جامعہ اسلامیہ سنابل کے مایۂ ناز استاذ

مولانا محمد الیاس سلفی بن محمد ادریس رحمہ اللہ کچھمی نگر، ضلع بلرام پور

وفات نومبر ۲۰۱۷ء

مولانا محمد رحمانی رمولانا نثار احمد سنابلی نئی دہلی

ادھر ماضی قریب سے مسلسل جماعت اہل حدیث بلکہ دوسری جماعتوں کے بھی اہم علماء کی وفیات کا سلسلہ جاری ہے۔ دنیا سے علم، علماء کی وفات کے ساتھ اٹھتا چلا جاتا ہے اور آنے والی نسلوں میں اپنے اسلاف اور بزرگوں کی طرح پختگی اور علمی گہرائی کی کمی نمایاں طور سے نظر آتی ہے، جو سادگی، تواضع، پختگی، گہرائی قناعت وانکساری ہمارے بزرگوں میں پائی جاتی تھی وہ بھی علمی گہرائی کا مظہر تھی۔ یہ خوبیاں بھی اب ختم ہوتی جارہی ہیں۔ نئی نسل کے علماء کے یہاں جہاں علمی کوتاہیوں کا انبار ہے، وہیں علمی سطح بھی ان کی بہت قابل ذکر نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ آج کے پرفتن دور میں وقت کے گزرنے کے ساتھ اہل کلام وبدعت اور غلط نظریات ومنہج کے حاملین اپنے اندر شرعی بنیادوں اور اصولوں کے فقدان کے باوجود محض چرب زبانی، زبان درازی اور منطق وفلسفہ کی موشگافیوں کی بنیاد پر اہل حق پر بھی چڑھ دوڑنے کی سعی نامسعود کرتے ہیں۔ علمی پختگی رکھنے والے علماء کی وفیات کے اس سلسلہ سے امت اسلامیہ میں سب سے بڑا جو خلا پیدا ہوا ہے وہ پڑھے لکھے جاہلوں نے پیدا کیا ہے اور بلا کسی مضبوط لائحہ عمل کے اس خلا کے پر ہونے کی امید بھی بظاہر نظر نہیں آتی۔

ماضی کی تابناک داستان اور حال کے مایوس کن حالات ہمیں علمی گہرائی کی اہمیت سے اگر واقف نہ کراسکیں اور ہم پیچھے لوٹ کر اپنی تاریخ کے سروں کو نہ جوڑسکیں تو یقینا ہمارا اس دنیا میں رہنے کا اہم مقصد فوت ہے۔ شخصیات دنیا میں اس دار فانی سے رخصت ہونے ہی کے لئے آتی ہیں، لیکن اگر ہم قرآن وسنت اور اسوۂ صحابہ کی روشنی میں ان سے کچھ سیکھ لیں تو یہی ہماری کامیابی کا زینہ ہوگا۔ اللہ رب العالمین ہمیں اس کی توفیق سے نوازے آمین۔

ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر نئی دہلی کے اعلیٰ تعلیمی ادارہ ''جامعہ اسلامیہ سنابل'' کے سینئر مدرس مولانا محمد الیاس صاحب سلفی رحمہ اللہ کی وفات کا حادثہ بھی ادارہ کے ذمہ داران اور مدارس اسلامیہ کے نونہالوں کے لئے ایک بڑا حادثہ ہے۔ پانچ نومبر کی صبح میں بنارس سے دہلی کے لئے سفر میں تھا، صلاۃ فجر سے فراغت کے تھوڑی ہی دیر کے بعد مولانا رحمہ اللہ کے شاگرد اور میرے ہم سبق ساتھی مولانا نثار احمد سنابلی مدنی حفظہ اللہ عمید جامعہ اسلامیہ سنابل نے فون پر یہ اندوہناک خبر سنائی کہ مولانا کی وفات ہوگئی۔ میں سفر کے لئے نکلنے سے پہلے اسپتال ان کی

عیادت کے لئے گیا تھا،لیکن وہ ذیابیطس کی بے انتہا زیادتی اور دماغ اور سر پر فالج کے شدید حملے کی وجہ سے مسلسل بے ہوش تھے، میں نے بات کرنے کی پوری کوشش کی لیکن ناکام رہا، ارادہ تھا کہ سفر سے واپسی کے فورا بعد پھر عیادت کے لئے جاؤں گا،لیکن اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔تقریباً صلاۃ ظہر کے قریب گھر پہنچ کر بچوں سے ملاقات کی اور حسب اعلان صلاۃ جنازہ اور تدفین میں شرکت کے لئے سنابل کے عیدگاہ گراؤنڈ کے لئے نکل پڑا۔

قدر اللہ و ماشاء اللہ فعل، انا للہ و انا الیہ راجعون۔

مولانا محمد الیاس سلفی رحمہ اللہ میرے والدگرامی مولانا عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ سے ایک طویل مدت تک بہت قریب رہے۔میں نے ان سے ترجمہ معانی القرآن الکریم اور ابتدائی کلاسوں میں صرف ونحو کے قواعد پر مشتمل کتابیں پڑھی تھیں۔تفسیر قرآن کریم کی بھی چند کتابیں انھوں نے مجھے پڑھائی تھیں۔تدریس کا نرالا انداز تھا، کتاب کو اچھی طرح ازبر کراتے، ذہن میں اتار دینے کا انوکھا اسلوب تھا،نحو وصرف کے قواعد کی کتابیں خوب رٹا دیا کرتے تھے۔ ادارہ کے ابتدائی ایام ہی سے پہلے دہلی میں معہد التعلیم الاسلامی، پھر جامعہ اسلامیہ سنابل سے منسلک رہے۔ادارہ کے تعلیمی شعبہ معہد علی بن ابی طالب لکھنؤ سے بھی وابستہ رہے اور وہاں دروس، خطابت اور تدریس نیز انتظام وانصرام کی ذمہ داریاں بخوبی نبھاتے رہے، پھر وہاں سے تدریس چھوڑ کر نیپال منتقل ہوگئے۔والد رحمہ اللہ سخت علیل تھے، بلکہ مرض الموت میں مبتلا تھے،اسی درمیان مولانا محمد الیاس رحمہ اللہ کا دہلی آنا ہوا اور عیادت کے لئے وہ گھر تشریف لائے ۔والد رحمہ اللہ ان کو دیکھتے ہی رو پڑے اور ان سے بار بار کہتے رہے کہ آپ پھر سے ادارہ سے منسلک ہوجائیں اس کے بعد مولانا رحمہ اللہ سنٹر میں دوبارہ تشریف لائے اور ان کو سنٹر کے نسواں اقامتی ادارہ عائشہ صدیقہ شریعت کالج سے منسلک کردیا گیا۔وہ معہد عثمان بن عفان لتحفیظ وتجوید القرآن الکریم جوگابائی کا اشراف بھی کرتے تھے اور جامع مسجد ابوبکر صدیق جوگابائی میں درس قران کا اہتمام بھی کرتے تھے۔بعض اسباب کی وجہ سے مولانا کو ادارہ نے پھر سے جامعہ اسلامیہ سنابل منتقل کردیا اور وہاں تدریس کا فریضہ انجام دیتے دیتے ان کا وقت موعود آپہنچا۔اس طرح سے ان کا علمی سفر مستقل طور سے جہاں سے شروع ہوا تھا وہیں اختتام پذیر بھی ہوگیا۔

مولانا رحمہ اللہ کے تواضع کا یہ عالم تھا کہ مجھے یاد ہے کہ سنابل کے ہاسٹل میں صلاۃ فجر میں طلبہ کو جگانے سے پہلے ہی اکثر بیت الخلاء اور وضوخانہ کا راؤنڈ لگایا کرتے تھے اور بسا اوقات ضرورت پڑنے پر صفائی بھی کردیا کرتے تھے۔ اللہ رب العالمین مولانا کو اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق سے نوازے۔

مولانا رحمہ اللہ کی وفات پر جماعت کے بزرگ عالم دین اور دسیوں اہم اور قیمتی کتابوں کے مؤلف مولانا عبدالرؤف ندوی حفظہ اللہ کا تعزیتی مکتوب میرے نام ان کے بیٹے محمد ظفر محمدی سلمہ اللہ کی جانب سے موصول ہوا تھا ، وہ تعزیت نامہ بھی قارئین کے افادہ کے لئے اس شمارہ میں شامل اشاعت کیا جارہا ہے۔اللہ رب العالمین مولانا ندوی حفظہ اللہ کو صحت وتندرستی سے نوازے اور جہد مسلسل کی توفیق عطا فرمائے، آمین

(محمد رحمانی)

....

اس مادیت زدہ دور میں مدارس اسلامیہ حقیقی معنوں میں علم وعرفان اور دین وایمان کے مضبوط و مستحکم قلعے اور گہوارے ہیں جہاں سے دین حنیف کی حفاظت اور نشر واشاعت کا کام ہوتا ہے۔ توحید وسنت کا فروغ اور شرک وبدعت کی قباحت وشناعت کو اجاگر کیا جاتا ہے۔ اسلامی تشخص اور تہذیب وتمدن کو رواج ملتا اور رجوع الی الکتاب والسنہ کا حقیقی ذوق وشوق اور جذبہ پیدا ہوتا۔ عظمت اسلام کا احساس اور نعمت ایمان کی قدردانی کا راز معلوم ہوتا ہے، کیونکہ صدیوں سے ان مدارس کی یہ شان رہی ہے کہ وہ تمام بے توجہی وانگشت نمائی اور اپنی بے بضاعتی وتہی دامنی کے باوجود کوہ استقامت بن کر اپنے مقصد کی جانب رواں دواں رہے ہیں۔ ان کے کوکھ سے دین کے علم بردار، کتاب وسنت کے حقیقی نقیب وترجمان جنم لیتے ہیں۔ منبر ومحراب کی زینت اور اعداء اسلام کے لئے آہنی دیوار بن کر صف آرا ہونے والے سخنور، غازی اور قلمکار یہیں سے منصۂ شہود پر جلوہ افروز ہوتے ہیں۔ ہر طرح کے داخلی وخارجی فتنوں کی سرکوبی، خزاں رسیدہ ماحول کی اصلاح وتربیت کا راز یہیں کے فیض یافتگان کی شبانہ روز کاوشوں میں مضمر ہے، اس لئے کہ ان کے دامن میں دین کے بے لوث خادم، مردم گری کے رموز سے آشنا اور انسان سازی کے جذبہ سے سرشار حقیقی عالم ومربی پناہ گزیں ہوتے ہیں۔ ان کے مکینوں میں میراث نبوت کے سچے نگہبان نونہالان ملت کے لئے علم وعمل کے پیکر بن کر اخلاص ووفا کی سچی تصویر پیش کرتے ہیں، جن کی منزل آخرت، جن کا شیوہ خدمت دین ووطن اور جن کا مقصد رب کی رضا ہے۔ ان ہی فقید المثال ہستیوں میں فطری شرافت، دینی حمیت، مسلکی غیرت، صبر واستقامت، سادگی وقناعت، جفاکشی وسخت محنت، خلوص وللّٰہیت اور احساس ذمہ داری واصول پسندی نیز دردمندی وہوش مندی جیسی ان گنت خوبیوں وکمالات کا حسین مجموعہ ہمارے استاد الاساتذہ مولانا الیاس سلفی رحمہ اللہ تھے۔

وہ مایہ ناز ہستیاں جنھوں نے گلستان سنابل کے مالی اور ابوالکلام آزاد اسلامک اویکنگ سنٹر نئی دہلی کے بانی علامہ عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ کے ہم رکاب اور ہم دوش رہ کر خوش حالی وپریشانی، موجودگی وعدم موجودگی میں اپنے خون جگر سے سنٹر اور اس کے دیگر شعبہ جات کی آبیاری کی، اس کے لئے اپنی حیات مستعار کے شام وسحر کو وقف کیا۔ ہمہ وقت اور ہر محاذ پر تعلیمی وتربیتی، دعوتی وسفارتی اعتبار سے ہی نہیں بلکہ گردوپیش کے دشمنان وحاسدین ادارہ ومسلک کا ڈٹ کر مقابلہ کر کے اپنی قربانیوں کے انمٹ نقوش ثبت کئے، جن کے استقامت وعزیمت اور جانفشانیوں کا اعتراف ذمہ داران، علاقہ کے باشندگان، آپ کے حلقۂ احباب اساتذہ ہی کو نہیں ہے بلکہ ہند ونیپال کے آپ کے خوشہ چیں طلبہ کے دل ودماغ میں نقش اور زبان زد خاص وعام ہے۔

آیئے سینٹر کے سلسلۃ الذہب علامہ عبدالحمید رحمانی، ماسٹر محمد مسعود عالم حفید علامہ عبدالوہاب آروی، مولانا محمد سعود سلفی، ماسٹر ابوذر خاں رحمہم اللہ جیسے اہم ستون ومعمار (جن کی محنت شاقہ اور اخلاص ووفا سے بتوفیق الہیٰ ادارہ کے معیار تعلیم کو بلندی اور نظم و انصرام میں پختگی اور حسن پیدا ہوا) کے اس دنیا سے رخصت ہونے کے بعد ان ہی کی راہ کے راہی اور انتہائی اہم وغیر معمولی ستون مولانا محمد الیاس سلفی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے چند اوراق الٹتے ہیں، تاکہ احساس ذمہ داری سے مفقود اور مادہ پرست ماحول میں ہم ارباب مدارس ومعاہد، اصحاب جماعت وجمعیات، تعلیم وتربیت پر مامور اساتذہ ومربیان کے لئے سامان عبرت فراہم ہو سکے اور نئی نسل کے لئے مشعل راہ اور دینی عمل پر قائم ودائم رہنے میں ان کے لیے آسانی پیدا ہو۔ علاوہ ازیں ہماری بکھری ہوئی زریں تاریخ کے

منتشر اوراق قصہ پارینہ بننے کے بجائے ترتیب کی لڑی میں منسلک ہوسکیں۔

نام ونسب:

محمد الیاس بن محمد ادریس بن عبدالجلیل سلفی (عرف بابا)

تاریخ ومقام ولادت:

مولاناؒ اپنے آبائی وطن جیا بھاری، بڑھنی، ضلع سدھارتھ نگر، یوپی میں ۱۹۴۶ء میں پیدا ہوئے۔

تعلیمی لیاقت:

۱۔منشی۔عربی وفارسی بورڈ، الہ آباد، یوپی

۲۔مولوی۔عربی وفارسی بورڈ، الہ آباد، یوپی

۳۔عالم۔عربی وفارسی بورڈ، الہ آباد، یوپی

۴۔عالمیت۔جامعہ سلفیہ، بنارس، یوپی

۵۔فضیلت۔جامعہ سلفیہ، بنارس، یوپی ۱۹۷۰ء

خاندانی پس منظر:

مولانا نے جیا بھاری کے ایک سلفی دیندار، زمیندار اور متمول گھرانے میں آنکھیں کھولیں۔آپ کے دادا محترم جناب عبدالجلیل صاحب کے دو صاحب زادے تھے، ایک آپ کے والد گرامی اور دوسرے آپ کے عم محترم جناب زکریا (عرف ذکری حاجی) تھے۔آپ کے دادا محترم کی زمینداری کا نصف حصہ جیا بھاری میں جب کہ نصف حصہ پچھی نگر ضلع بلرام پور میں تھا، اور آپ کے خاندان کے افراد دونوں جگہوں پر آباد تھے، اس لئے ابھی جب کہ آپ بہت ہی کمسن تھے، آپ کے والد اپنے اہل خانہ کے ہمراہ مستقل طور پر پچھی نگر سکونت پذیر ہو گئے اور عم محترم آبائی وطن جیا بھاری ہی میں مقیم رہے۔مولانا جب کہ عین عنفوان شباب میں تھے اور اپنی عمر عزیز کی اٹھارہویں بہاریں دیکھ رہے تھے کہ والدہ محترمہ کا سایہ عاطفت آپ کے سر سے اٹھ گیا اور انہوں نے داعی اجل کو لبیک کہا، اور والد گرامی نے دوسرا عقد نکاح کیا اور اس طرح آپ کے سگے اور سوتیلے بھائی بہنوں کی کثرت سے آپ کے والد کثیر العیال ہو گئے۔علاوہ ازیں وہ بہت سخی وفیاض اور خاندان کی مصیبت، شادی بیاہ میں بھرپور تعاون کرتے تھے۔آپ اپنی اسی سخاوت وفیاضی، شاہی خرچ اور کثیر العیالی کے سبب اقتصادی طور پر کمزور ہو گئے اور جائیداد ورثہ میں تقسیم در تقسیم ہونے کی وجہ سے مولاناؒ ایک خوش حال گھرانے میں پیدا ہونے کے باوجود انتہائی کسمپرسی کے عالم میں مفلوک الحال زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو گئے، بالآخر اُسکا سارا ذریعہ معاش وہ معمولی تنخواہ رہی جو آپ کو حاصل ہوتی تھی۔پھر جب آپ کے بچے برسر روزگار ہوئے تو خوشحالی کے ایام بحمد اللہ رفتہ رفتہ عود کر آنے لگے۔

تعلیم و تعلم:

آپ نے اپنی ابتدائی تعلیم اپنے ننھیال بجواں کلاں ضلع بلرام پور، یوپی میں امام الفرائض علامہ عبدالرحمن بجواویؒ کے قائم کردہ مدرسہ میں حاصل کی۔اس کے بعد عربی تعلیم کے حصول کے لئے مشہور محدث اور شارح سنن ترمذی علامہ عبدالرحمن مبارکپوریؒ کے قائم کردہ ادارہ کنڈؤ، بونڈیہار گئے، جہاں اس وقت مولانا اقبال رحمانیؒ (بڑے مولانا) کا طوطی بولتا تھا اور وہ درسگاہ معیار تعلیم اور حسن تربیت کی بنیاد پر علاقہ کا انتہائی اہم ادارہ شمار کیا جاتا تھا۔مولانا اقبال رحمانیؒ آپ کے لئے انتہائی شفیق باپ ثابت ہوئے اور وہاں پر آخری درجہ جماعت رابعہ کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد اپنے استاذ گرامی کی سفارش و کوشش نیز اپنی صلاحیت کے بل بوتے ۱۹۶۵ء میں مرکزی دارالعلوم جامعہ سلفیہ جو ابھی اپنے قیام کے ابتدائی مرحلہ میں تھا، عالم ثالث میں داخلہ لیا اور ۱۹۷۰ء میں وہاں سے فضیلت کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد میدان عمل میں اترے۔

ممتاز اساتذہ وشیوخ:

مولانا کے اساتذہ کی فہرست خواہ باحیات ہوں یا وفات پا گئے ہوں، بہت طویل ہے، ان میں عرب وعجم کے چند مشہور اساتذہ کے اسمائے گرامی کچھ اس طرح ہیں: مولانا محمد اقبال رحمانی، مولانا عبدالوحید رحمانی، ابوعبیدہ عبدالمعید بنارسی، مولانا شمس الحق صاحب سلفی (والد گرامی شیخ عزیز شمس)، مولانا ادریس آزاد رحمانی، مولانا عابد حسن رحمانی، ابوالعرفان محمد عمر سلفی، مولانا عبدالحمید رحمانی، ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری، مولانا رئیس الاحرار ندوی اور جامعہ سلفیہ میں عرب مشائخ ڈاکٹر ربیع بن ہادی المدخلی، شیخ صالح عراقی، شیخ عبداللہ الغنیمان، فضیلۃ الشیخ ہادی المدخلی، فضیلۃ الشیخ علی مشرف العمری وغیرہم (**حفظ اللہ الاحیاء منھم ورحم علی موتاھم**)۔

ممتاز اقران ورفقاء درس:

یوں تو آپ کے رفقاء وہم سبق ساتھیوں کو شمار کرنا ایک مشکل امر ہے، البتہ ان میں سے چند مشہور کا تذکرہ زیب قرطاس کیا جاتا ہے: مولانا عزیز الرحمن سلفی (سابق مدرس جامعہ سلفیہ)، مولانا عبدالوہاب حجازی (سابق مدرس جامعہ سلفیہ وایڈیٹر ماہنامہ محدث بنارس)، ڈاکٹر صغیر احمد (شنکر نگر)، حکیم شکر اللہ صاحب (ہمدرد طبیہ کالج)، ڈاکٹر ناصر صاحب (بونڈیہار)، مولانا محمد عیسیٰ صاحب (مدرس مدرسہ رحمانیہ بنارس)، مولانا محمد مسلم صاحب (اونرہوا) **حفظھم اللہ وتولاھم**۔

ممتاز تلامذہ وشاگردان:

آپؒ کا میدان عمل فراغت تا وفات درس وتدریس اور دعوت وتبلیغ ہی تھا، جو تقریباً ۴۸ سال تک جاری رہا، اگر تعلیمی سال کے اعتبار سے دیکھا جائے تو نصف صدی سے بھی متجاوز ہو سکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ایک انتہائی محتاط اندازہ کے مطابق آپ کے فیض یافتگان کی چھٹی نسل تدریس کا فریضہ انجام دے رہی ہے۔اس میں آپ نے ہند و نیپال کے شہر و دیہات میں طلبہ و

طالبات کی غیر معمولی تعداد علماء، دعاۃ اور مختلف میدان ہائے عمل میں کام کرنے والے افراد و ذمہ داران جمعیت و جماعت کی شکل میں چھوڑا ہے۔ ان میں چند مشہور ارشد تلامذہ کے اسماء حوالہ قرطاس کر رہا ہوں۔ سنٹر کے صدر عمومی مولانا محمد رحمانی سنابلی مدنی، جامعہ کے مدیر مولانا وسیم احمد سنابلی ریاضی، وکیل مولانا شکیل احمد سنابلی، عمید راقم الحروف، اس کے مساعدین مولانا شہاب الدین سنابلی و مولانا زبیر احمد سنابلی، عائشہ شریعت کالج کے مینیجر قاری محمد مصطفی عثمانی، اس کے عمید مولانا عبداللہ محمد سعید سنابلی، جامعہ کے سابق عمداء مولانا وسیم احمد سنابلی مدنی، مولانا عبدالبر سنابلی مدنی، سنٹر کے آفس سکریٹری مولانا نصر اللہ سنابلی کے علاوہ ادارہ کی مختلف شاخوں کے اساتذہ و کارکنان سب کے سب آپ کے بالواسطہ یا بلاواسطہ شاگرد اور خوشہ چیں ہیں۔ ان کے علاوہ آپ کے کچھ مشہور طلبہ کے نام درج ذیل ہیں:

مولانا عبدالمنان سلفی (وکیل الجامعہ، جامعہ سراج العلوم السّلفیہ، جھنڈا نگر، نیپال و مدیر مجلہ السراج)، مولانا سعید اختر مدنی (اکرہرا)، جناب محمد محسن صاحب (رکن جماعت اسلامی ہند، دہلی) (ان حضرات نے اکرہرا میں مولانا کی شاگردی اختیار کی) مولانا کے صاحب زادہ عبدالسلام عمری (امین مکتبہ علامہ ابن بازؒ المرکزیہ، سنابل) مولانا عبداللہ سراجی اور مولانا جمیل اثری (ان تینوں نے بھیکم پور میں آپ سے علم حاصل کیا اور اس وقت ثانی الذکر وہاں کے ناظم ہیں)، مولانا سعید معراج ربانی، مدنی (مشہور داعی، شعبہ جالیات، سعودی عرب)، مولانا عطاالرحمن سعیدی، مدنی (داعی شعبہ جالیات، سعودی عرب)، مولانا عبدالحکیم عبدالمعبود مدنی (ممبئی)، مولانا محمد ہارون سنابلی (ناظم عمومی، مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند)، مولانا نورالہدیٰ سنابلی، مدنی (سعودی سفارت خانہ، نئی دہلی)، ڈاکٹر سعید حیات المشرقی (دبئی، متحدہ عرب امارات)، مولانا کے دوسرے صاحب زادہ عبدالصبور سنابلی، مدنی (داعی شعبہ جالیات، سعودی عرب)، مولانا اشتیاق احمد رئیس سنابلی، مدنی (داعی شعبہ جالیات، سعودی عرب)، مولانا مطیع الرحمن بن عبدالمتین مدنی (چیئرمین، توحید ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر ٹرسٹ، کشن گنج، بہار)، ڈاکٹر قطب الدین سنابلی (سعودی سفارت خانہ، نئی دہلی)، ڈاکٹر عبدالتواب سنابلی، مدنی (کویت سفارت خانہ، نئی دہلی)، مولانا عنایت اللہ سنابلی، مدنی (داعی، صوبائی جمعیت اہل حدیث، ممبئی)، مولانا عبدالشکور سنابلی، مدنی (ایڈیٹر ماہنامہ ''اہل السنہ''، ممبئی)، مولانا عبدالقیوم سنابلی (سعودی سفارت خانہ، نئی دہلی)، مولانا کفایت اللہ سنابلی (داعی و محقق، اسلامک انفارمیشن سینٹر، ممبئی)، مولانا محمد مبارک عبدالستار سنابلی، مدنی (ویلفیئر آفیسر، وقف بورڈ، ہریانہ گورنمنٹ)، ڈاکٹر عزیر اسرائیل سنابلی (لکچرر، دہلی یونیورسٹی)، ڈاکٹر عطاء اللہ سنابلی وغیرہم۔

تدریسی و دعوتی خدمات:

(الف) تدریسی خدمات: مولانا کی تدریسی تگ و تاز جیسا کہ ذکر کیا گیا نصف قرن پر محیط ہے، لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے جن جن مدارس میں تدریسی فرائض انجام دیئے ہیں، ان مدارس کا نام مدت تدریس کے ساتھ ترتیب وار ذکر کر دیں، تا کہ قاری کے سامنے ایک خاکہ آجائے:

۱۔ المعہد الاسلامی، اکرہرا، سدھارتھ نگر، یوپی۔ ۱۹۷۱ء تا ۱۹۷۲ء (دو سال)

۲۔ مدرسہ محمدیہ نصرت الاسلام، شنکر نگر، بلرام پور، یوپی۔ ۱۹۷۳ء تا ۱۹۷۵ء (تین سال)
۳۔ مدرسہ ریاض الاسلام، بھیکم پور، بلرام پور، یوپی۔ ۱۹۷۶ء تا ۱۹۷۸ء (تین سال)
(ان تینوں ادارں میں اس وقت جماعت رابعہ تک تعلیم ہوتی تھی اور اس وقت ان کا معیار تعلیم کافی بلند اور علاقہ کے مشہور اداروں میں شمار ہوتا تھا)۔
۴۔ مدرسہ نور الہدی، اونرہوا، بلرام پور، یوپی۔ ۱۹۷۹ء تا ۱۹۸۰ء (دو سال)
۵۔ ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سینٹر، نئی دہلی:
(الف) معہد التعلیم الاسلامی (جامعہ اسلامیہ سنابل) ۲۶/اگست ۱۹۸۱ء تا ۲۲/فروری ۲۰۰۳ء
(ب) معہد ابوبکر الصدیق، بستی، سدھارتھ نگر، یوپی ۲۰۰۳ء تا ۲۰۰۵ء
(ج) معہد علی بن ابی طالب، لکھنؤ، یوپی ۲۰۰۵ء تا ۲۵/دسمبر ۲۰۰۹ء
(کل مدت: ۲۹ سال)
۶۔ کلیہ ضیاء للبنات التابعہ لکلیہ الصفا للشریعہ واللغۃ العربیۃ، ڈومریا گنج، سدھارتھ نگر، یوپی۔ ۲۰۱۰ء (ایک سال)
۷۔ دار الحسنات للبنات التابعۃ لجامعۃ التوحید، بجوا، نیپال۔ ۲۰۱۱ء تا ۲۰۱۴ء (۴ سال)
۸۔ ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سینٹر، نئی دہلی (دوبارہ آمد)
(الف) کلیۃ عائشۃ الصدیقۃ للشریعۃ التابعۃ للجامعۃ الاسلامیۃ سنابل۔ یکم ستمبر ۲۰۱۴ء تا ۲۰۱۶ء (دو سال)
(ب) جامعہ اسلامیہ سنابل، نئی دہلی التابعۃ لمرکز ابوالکلام آزاد للتوعیۃ الاسلامیۃ۔ ۱۸/جولائی ۲۰۱۶ء تا ۲۰۱۷ء (تقریباً ڈیڑھ سال)

مذکورہ تفصیلی خاکہ سے معلوم ہوا کہ فراغت تا وفات تقریباً ۴۸ سال آپ نے تدریسی خدمات انجام دی ہیں۔ پوری زندگی آپ نے لڑکوں کی تعلیم پر وقف کی لیکن اخیر کے سالوں میں نسواں اداروں میں اپنے فیض کو عام کیا۔

مولانا اپنے ابتدائی تدریسی ایام مثلاً اکرہرا، شنکر نگر و بھیکم پور اور معہد کے ابتدائی ایام میں جماعت رابعہ تک کی حسب گنجائش نحو، صرف، عربی ادب، ترجمہ قرآن وحدیث، سبھی مضامین پڑھاتے تھے، لیکن بعد میں آپ کا خاص موضوع ترجمہ وتفسیر قرآن اور صرف تھا۔ گاہے بگاہے حسب حاجت نئے مضامین بھی پڑھاتے تھے، چنانچہ آپ نے ایک سال ہم طلبہ کو نحو کی کتاب ''قطر الندی'' پڑھائی اور امسال آپ کے ذمہ قرآن کے علاوہ تاریخ اسلام بھی زیر تدریس تھی۔

(ب) دعوتی خدمات: بھیکم پور میں قیام کے دوران مولانا کے ذمہ تدریس کے علاوہ امامت وخطابت بھی تھی، جو آپ نے بحسن وخوبی بلا ناغہ پوری مدت قیام میں انجام دی۔ اسی طرح بقول مولانا عزیز الدین سنابلی اونرہوا میں بھی قیام کے دوران مولانا کے ذمہ تدریس کے علاوہ گاؤں کے دوسری طرف سے دور واقع مسجد میں پنج وقتہ صلوات کی امامت وخطابت بھی تھی

اور آپ نے انتہائی احساس ذمہ داری کے ساتھ اس فریضہ کو انجام دیا۔

اس کے علاوہ دہلی کے قیام کے دوران آپ ۱۹۹۴ء سے پہلے مستقل طور پر آزاد مارکیٹ میں واقع اہل حدیث مسجد میں خطبۂ جمعہ دیتے تھے۔ اسی طرح لکھنؤ میں قیام کے دوران معہد علی بن ابی طالب کی جامع مسجد میں آپ مستقل خطبہ جمعہ اور درس قرآن دیتے تھے۔ اسی طرح آپ خصوصی طور پر کلیہ عائشہ میں تدریس کے دوران اور رمضان میں سینٹر کی جامع مسجد ابوبکر صدیق جوگابائی میں درس قرآن دیتے تھے۔ اسی طرح امسال آپ نے رمضان میں بلا ناغہ پورے قرآن کا خلاصہ تراویح کے بعد اپنے مخصوص لب ولہجہ میں پیش فرمایا۔

مولانا بحیثیت مدرس:

مولاناؒ ایک باکمال اور فرض شناس مدرس تھے۔ آپ کے حلقۂ درس میں ثقاہت، زبان میں لطافت تھی۔ انداز بیان انتہائی موثر اور نرالا تھا۔ گویا ایک طرف لفظوں کا آبشار بہہ رہا ہو اور دوسری طرف آواز کی گھن گرج پوری فضا کو اپنا اسیر بنائے ہو۔ اس خود اعتمادی اور اچھوتے انداز میں درس دیتے کہ طلبہ کو کلاس ہی میں درس ازبر ہو جاتا تھا، خصوصا ''صرف'' کو آپ غبی سے غبی طالب علم کے ذہن میں راسخ کرنا جانتے تھے، کیونکہ آپ بغیر مطالعہ کے تدریس کو حرام سمجھتے اور خوب مطالعہ کے بعد ہی کلاس میں حاضر ہوتے تھے۔ درس کی تیاری میں اپنے جونیئر وسینیئر مدرسین خواہ وہ آپ کے شاگرد ہی ہوں، ان کی طرف رجوع کرنے میں کسی قسم کا تردد اور شرم محسوس نہیں کرتے تھے۔ یہی حال شروع سے آخری ایام تک تھا۔ درس قرآن میں حل لغات کے ضمن میں مزید توضیح کے لئے دیہاتی الفاظ کو ڈھونڈ کر اس قدر لاتے کہ جہاں ایک طرف اس سے وہ چیز طلبہ کے ذہن میں راسخ ہو جاتی، وہیں مجلس کے قہقہہ زار ہونے سے غافل طلبہ متنبہ ہو جایا کرتے تھے۔ آپ ایک طبیب حاذق کی طرح دوران درس مخالف آراء پر نشتر بھی چلاتے اور کسی بھی قسم کے تعصب چاہے علاقائی ہوں یا مسلکی یا خاندانی، اس کی سخت مخالفت کرتے اور اپنے موقف پر پورے طور پر قائم رہتے تھے۔ آپ کا پورا تدریسی دور جہاں کمال احساس ذمہ داری کے اعتبار سے ممتاز ہے وہیں حاضری کے ناحیہ سے اور ہی زیادہ قابل قدر ہے، چنانچہ امسال عید الاضحیٰ کے معا بعد بیماری کے سبب جب تین دن رخصت علالت پر مجبور ہوئے تو آپ نے برملا احباب کی محفل میں فرمایا: میری تدریسی زندگی پر داغ لگ گیا۔ اور آپ کی اس پیاری سنت پر ہر جگہ کی تاریخ شاہد بھی ہے۔ گویا کہ شاعر کی زبان میں آپ ہماری آواز تھے:

تنہا تھا جو صحرا میں مسافر کا سہارا
چڑیوں کو بہت آس تھی اس بوڑھے شجر سے

آپ رحمہ اللہ کو اپنے شاگردوں پر بہت ناز تھا۔ آپ ان کی تعریف وثنا خوانی میں اکثر رطب اللسان رہتے تھے اور طلبہ کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی تلقین کرتے۔ یہ آپ کے صدق ووفا، اخلاص اور طلبہ سے بے پناہ محبت کی واضح دلیل تھی۔ گویا کہ آپ ہم طلبہ کو یہ کہہ کر رخصت ہوئے:

کلیوں کو میں سینے کا لہو دے کے چلا ہوں
صدیوں مجھے گلشن کی فضا یاد کرے گی

مولانا بحیثیت داعی ومبلغ:

مولانا رحمہ اللہ قرآنیات کے ماہر ایک شعلہ بار خطیب تھے۔ خلاق عالم سے کامیاب داعی وخطیب کے لئے مطلوبہ خصائص میں سے جہاں آپ کو صلاحیت وصالحیت اور طویل قامت نصیب ہوئی تھی، وہیں آپ کی بلند آواز نے بھی آپ کے اسلوب خطابت کو اور ہی زیادہ موثر بنا دیا تھا۔ مولانا مطالعہ کے بہت شوقین تھے، خصوصا فقہی مسائل سے متعلق مضامین پر خصوصی دلچسپی رکھتے۔ مجھ جیسے بے علم وعمل طالب علم سے اکثر میرے مضامین پر استفسار، حوصلہ افزائی اور مزید مسائل کا ذکر کے ان پر خامہ فرسائی کا حکم صادر فرماتے۔ اللہ آپ کو غریق رحمت فرمائے۔

مولانا ایک سادہ لوح انسان تھے۔ آپ کے اندر مسلکی حمیت وغیرت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، جس کے اظہار میں وہ کسی قسم کے خوف وملامت کی پرواہ نہیں کرتے، اگرچہ اس سے بسا اوقات کچھ لوگ ناراض بھی ہوجاتے لیکن آپ اسے خاطر میں کبھی نہیں لاتے تھے اور جس طرح آپ کا حلقہ درس ہوتا تھا بعینہ وہی چھاپ آپ کے خطبات جمعہ اور دروس پر بھی نظر آتی تھی، چنانچہ تمام موضوع کا احاطہ قرآنی آیات کی کثرت اور پوری مجلس کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے تمام طریقے آپ بروئے کار لاتے تھے۔

واضح رہے کہ مولانا کا تصنیف وتالیف سے تعلق وشغف نہ تھا، یہی وجہ ہے کہ آپ نے دعوتی میدان میں قلم کو وسیلہ بنانے کے بجائے زبان پر اکتفاء کیا، اپنے پر مغز خطابات اور شیریں بیاں مواعظ کے ذریعہ قوم وملت تک پیغام حق کو پہنچانے کی بھرپور کوشش کی۔

مولانا بحیثیت مثالی مربی ومنتظم:

مولانا ایک انتہائی جفاکش، مضبوط قوائے جسمانی کے مالک، عالم باعمل انسان تھے۔ آپ کی شخصیت میں مولانا اقبال رحمانی رحمہ اللہ کا عکس نظر آتا تھا، وہی آپ کے تعلیمی وتربیتی میدان کے آئیڈیل تھے، طلبہ کے تئیں قربانی، انتظام وانصرام کی بابت فکرمندی آپ نے انہیں سے سیکھا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ طلبہ کے مابین آپ اپنے اس مربی ومحسن کا خوب ذکر کرتے تھے۔

زمانۂ طالب علمی سے لے کر مرض الموت کے سبب اسپتال جانے سے پہلے تک فجر سے تقریبا ایک گھنٹہ پہلے ہر موسم میں بیدار ہونے والے انسان تھے۔ آپ جو بھی ذمہ داری قبول فرماتے، اسے پورے دل وجان سے انجام دینے کی بھرپور کوشش کرتے تھے۔ طلبہ کی تعلیم وتربیت کے تئیں بہت ہی زیادہ حساس وفکرمند تھے، چنانچہ آپ کے صاحب زادہ گرامی مولانا عبدالصبور صاحب سنابلی، مدنی فرماتے ہیں کہ ”آپ پریشان حال بچوں کو دلاسہ دے دے کر ہر ممکن کوشش کر کے تعلیم کی طرف راغب کرتے، جیسے میں

خود اور میرے علاوہ بہت سارے طلبہ ہیں، اس کے برعکس خوشحال و مالدار طلبہ جو دینی تعلیم سے بھاگتے، انہیں دین کی رغبت دلا دلا کر تعلیم کی طرف آمادہ کرتے، جیسے کہ مولانا محمد ہارون سنابلی عرف صوفی صاحب (ناظم عمومی مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند)'' آپ کے اخلاص اور غریب و نادار طلبہ کی تعلیمی فکرمندی کا ذکر کرتے ہوئے استاذ الاساتذہ ماسٹر محمد ثروت صاحب حفظہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''مولانا جس زمانے میں آزاد مارکیٹ کی جامع مسجد میں مستقل خطبہ جمعہ دیتے تھے تو ہر جمعہ کو طلبہ اپنی ضرورت کے سامان جا کر مولانا کے پاس نوٹ کراتے اور وہاں سے سستے داموں میں مولانا ان کے سامان لے آیا کرتے تھے''۔ مولانا کس قدر مخلص تھے اور دل و جان سے طلبہ و ادارہ کی خدمت میں ہمہ وقت وقف تھے، بقول ماسٹر صاحب حفظہ اللہ'' آپ ادارہ کے مدرس و نگراں ہی نہیں بلکہ آپ کی احساس ذمہ داری و فکرمندی ایک بانی و ناظم مدرسہ بلکہ چوکیدار سے کہیں زیادہ بڑھ کر تھی، چنانچہ آپ فجر سے ایک گھنٹہ پہلے اپنے معمول کے مطابق بیدار ہوتے تھے اور تمام وضوخانوں اور باتھ روموں کا جائزہ لیتے اگر کہیں صفائی نہ ہوتی تو مولانا اپنے ہاتھ سے خود صاف کرتے اور ہر جگہ پانی کی موجودگی کو یقینی بناتے تا کہ طلبہ کو صلوۃ فجر کی ادائیگی میں کسی قسم کی پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔''

ماسٹر صاحب آپ کی جرأت و ہمت اور کمال صفائی و ستھرائی کے احساس نیز طلبہ کی فلاح و بہبود کے تئیں فکرمندی کا تذکرہ کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں: کہ ایک دفعہ معہد التعلیم الاسلامی، جوگا بائی کے پاس گلی نمبر ۷ میں علاقہ کے مدرسہ کے مخالفین نے سیور لائن بند کر کے باہر سڑک پر ٹاٹ ٹھونک دیا، جس سے ٹینک بھر کر ابلنے لگا اور اس کی وجہ سے بدبو اور گندے پانی سے برا حال تھا، طلبہ و اساتذہ پریشان ہو گئے، چنانچہ اس کے لئے مولانا رحمہ اللہ، ماسٹر محمد ثروت صاحب اور چند بچوں کو ساتھ لے کر آگے آئے اور اپنے ہاتھ سے پانی بھر بھر کر نکالا اور صاف کرایا، پھر بعد میں وہ معاملہ رفع دفع ہوا اور اس مصیبت سے نجات ملی۔

مولانا رحمہ اللہ تربیت کے معاملہ میں بہت سخت گیر واقع ہوئے تھے۔ طلبہ پر سخت نظر رکھتے تھے، اس کی وجہ سے طلبہ آپ سے بہت گھبراتے اور بہت ناعاقبت اندیش تو اچھا بھی نہیں سمجھتے۔ یہ الگ بات ہے کہ ان کا یہ رویہ ان کے حق میں بے حد مفید تھا، چنانچہ دوپہر کے کھانے کے بعد جب کہ تمام طلبہ و اساتذہ قیلولہ کرتے، اسی طرح بعد صلاۃ عشاء جب لوگ اپنے اپنے کمروں میں ہوتے جو سرکش طلبہ کے لئے انتہائی مفید وقت ہوتا ہے، تو مولانا رحمہ اللہ دوپہر کا قیلولہ چھوڑ کر لال بلڈنگ کے نیچے سردی و گرمی میں، لائٹ ہو یا نہ ہو بیٹھے رہتے تا کہ طلبہ لامقصدیت کا شکار ہو کر اپنے مستقبل کو تاریک نہ کریں۔ اس کے برعکس سخت گیری کے ساتھ ساتھ آپ حلیم الطبع بھی واقع ہوئے تھے۔ شیخ معراج ربانی حفظہ اللہ معہد التعلیم الاسلامی کے ابتدائی زمانہ میں اپنے دور جاہلیت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: (جب کہ آپ کی اصلاح کی خاطر رحمانی رحمہ اللہ کی جانب سے سارے اساتذہ پر ایمر جنسی عائد تھی) ''مولانا بہت سادگی پسند، تصنع اور تکلف سے کوسوں دور تھے اور میں چونکہ خالص قبر پرست ٹولہ سے آیا تھا، جہاں کی جبہ و دستار اور تصنع و تکلف کے سوا کچھ نہیں تھا، ایسے میں مولانا مجھے کسی اعتبار سے استاذ نہیں لگتے تھے۔ میں انہیں بہت چھیڑتا اور پریشان کرتا تھا لیکن آپ تمام تر گستاخیوں کو نظر انداز کر دیتے تھے اور ایک دفعہ تو حالت صلاۃ میں پیر ملانے سے متعلق آپ کو خوب تنگ کیا۔ صلاۃ سے فراغت کے بعد زجر و توبیخ کے بجائے انتہائی پیار بھرے لہجہ میں ہمیں سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں سمجھانے کی کوشش کی۔''

مولانا اپنے دو صاحبزادوں عبد السلام اور عبد الصبور کے باپ ہونے کے ساتھ ساتھ استاذ و مربی بھی تھے۔ اول الذکر کو

جماعت رابعہ تک تعلیم دینے کے بعد عمرآباد اعلیٰ تعلیم کے لئے روانہ کیا۔لیکن معہد التعلیم الاسلامی میں اپنے قیام کے دوران جبکہ آپ کی تنخواہ بہت معمولی تھی اوراس میں دیگر اہل خانہ کے اخراجات کا مسئلہ بھی تھا،نصف تنخواہ سے زیادہ انکی تعلیم کے لئے ہر ماہ منی آڈر کرتے تھے اور دوسرے صاحب زادے کو اپنے پاس رکھ کر کمرے میں بند کر کے بہت ہی محنت اور سمجھا بجھا کر اور دوسرے تمام مشاغل سے کنارہ کش رکھ کر تعلیم پر آمادہ کیا اور انکی نیک دعاؤں اور انتھک کوششوں کے سبب دونوں عالم دین ہوئے۔اس سے مولانا کے یہاں تعلیم کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے،یہی وجہ ہے کہ آپ کی تمام ذریت تعلیم سے وابستہ ہے،جو بحمد اللہ ایک خوش آئند شے ہے۔

اخلاق وعادات:

مولانا رحمہ اللہ ایک سادہ لوح،صابر،قناعت پسند اور با اصول،راسخ العقیدہ انسان تھے۔اصول پسندی آپ کا نمایاں وصف تھا۔ہر کام منظم اوراسے صحیح وقت میں انجام دینے والے تھے۔دینی شعائر کی پابندی میں عملی نمونہ پیش کرتے۔صبح وشام کے اذکار ووظائف بآواز بلند پڑھتے۔سنت کے مطابق رات جلدی سونا اور صلاۃ فجر سے تقریبا ایک گھنٹہ پہلے بیدار ہونا ان کی زندگی کا معمول تھا۔جامعہ سلفیہ کے زمانۂ طالب علمی کے آخری تین سالوں میں آپ سے حد درجہ قریب کہ دوسرے لوگ ایک دوسرے کو سگا بھائی سمجھنے لگے تھے،مولانا عبد المنان سلفی بھیکم پوری حفظہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ مولانا بہت سخت جان،با اصول،محنتی اور فجر سے تقریبا ایک گھنٹہ پہلے بیدار ہو کر صف اول میں پابندی کے ساتھ حاضر ہونے والے طالب علم تھے اور آپ کا یہ وصف خاص وفات تک بحمد اللہ باقی رہا۔مولانا رحمہ اللہ کی دینداری اور صالحیت کا اعتراف آپ کے ہر اس مصاحب کو تھا جس نے آپ کو قریب سے دیکھا،چنانچہ شیخ الحدیث علامہ عبید اللہ رحمانی رحمہ اللہ کے قائم کردہ ادارہ ''المعہد الاسلامی'' اکرہرا جہاں سے آپ نے اپنی تدریسی زندگی کا آغاز کیا تھا۔وہاں میں قیام کے دوران کا ایک واقعہ جسے آپ نے اساتذہ جامعہ کے سامنے پیش کیا،جس کو راقم سے مولانا فضل الرحمن ندوی صاحب نے بیان کیا۔کہتے ہیں کہ ایک دفعہ علاقہ میں شدید قسم کی قحط سالی پڑی اور اہل قریہ نے کئی دفعہ صلاۃ استسقاء کا اہتمام کیا لیکن خشک زمین پر آسمان نے اشک نہیں بہائے،بالآخر گاؤں کے نامور وبااثر زمیندار(جو رشتہ میں راقم کے نانا ہوتے ہیں)جناب چراغی صاحب نے کہا:اس بار جیسے فرشتہ صفت صالح نوجوان عالم دین کی امامت میں لوگ صلاۃ استسقاء ادا کریں۔ان شاء اللہ ضرور بارش ہوگی،چنانچہ جب مولانا جیسے متدین عالم دین کی امامت میں لوگوں نے صلاۃ ادا کی اور پرسوز انداز میں دعاوفریاد کی خاطر ہاتھ رب کی جانب بلند ہوئے تو اللہ کی قدرت کو رحم آگیا اور موسلا دھار بارش سے خشک زمین تربتر ہوگئی اور لوگوں نے اطمینان کی سانس لی۔سنت فجر کے بعد مسجد میں اضطجاع(لیٹنے)کی سنت پر کاربند رہتے تھے۔آپ کی زندگی کا ایک نمایاں وصف ''تغییر منکر'' بھی تھا۔جسے حق اور سچ سمجھتے اس پر سختی سے عامل اور لوگوں سے اس پر عمل کی تاکید کرتے، چاہے سامنے والا ناراض ہی کیوں نہ ہوجائے۔مولانا جب سے دہلی آئے اس وقت سے وفات تک آپ کے قلب وجگر ہی نہیں بلکہ جسم وجان میں سنابل اوراپنے طلبہ کی محبت کوٹ کوٹ کر بھری تھی،جہاں بھی گئے یہیں کا ذکر جمیل رہا،اور اللہ کا کرنا بھی ایسا ہوا کہ ادارہ کے تمام شعبہ جات میں آپ کو کام کرنے کا موقع ملا۔دہلی سے منتقلی کے بعد ۲۰۰۵ء میں عائشہ صدیقہ شریعت کالج کا قیام ہوا اور اسی طرح سینٹر کے قرآنی ادارہ ''معہد عثمان بن عفان لتحفیظ وتجوید القرآن الکریم'' سے بھی آپ کا ماضی میں رشتہ نہیں تھا،

لیکن دوبارہ آنے کے بعد دونوں اداروں میں آپ نے خدمت کی اور اخیر میں زندگی کے ڈیڑھ سالہ ایام سنابل میں گزار کر راہی ملک عدم ہوئے۔ ع

پہنچی وہیں پہ خاک ، جہاں کا خمیر تھا

مولانا کو ''والی بال'' کھیلنے کا بھی بہت شوق تھا، چنانچہ 'سینٹر' کے آپ بہت ماہر کھلاڑی تھے۔ اس میں رہ کر اپنی ٹیم کو کنٹرول کرتے اور سستی وغفلت پر سختی سے ڈانٹ کر اپنی ٹیم کو کامیاب بنانے کی پوری کوشش کرتے تھے۔ مختصر یہ کہ آپ ایک عہد، ایک شخصیت، ادارہ کے دینی روایتوں کے امین، وفادار وحساس ذمہ دار تھے۔ آپ ہی جیسے لوگوں سے ادارہ میں حسن تعلیم وتربیت کی طرح پڑی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے فیض یافتگان جو بہت سارے اداروں کے بانی، بہت سارے مدارس، جمعیات وتبلیغی مراکز میں بحیثیت ذمہ دار و کارکن برسرِ عمل ہیں۔ آپ ہی جیسے مربیان کے رہنما عملی اصولوں کو بروئے کار لا کر وہاں کے ماحول پر اثرانداز ہو رہے ہیں، اس کے علاوہ بہت ساری خوبیاں آپ میں تھیں، کمیاں بھی بلاشبہ رہی ہوں گی۔ اللہ آپ کی نیکیوں کو قبول فرمائے اور آپ کو درگزر فرمائے، آپ کے تلامذہ کو آپ کے حق میں صدقہ جاریہ اور کروٹ کروٹ آپ کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے، آمین۔

مولانا کا سفرِ حج:

مولانا رحمہ اللہ کو بجوا، نیپال میں قیام کے آخری سال ۲۰۱۴ء میں اپنی رفیقہ حیات کے ساتھ سفرِ حج کی سعادت نصیب ہوئی، خوش نصیبی سے آپ کے صاحب زادہ گرامی مولانا عبدالصبور مدنی نے حج کے پورے ایام میں آپ کی خوب خدمت کی۔ علاوہ ازیں جامعہ اسلامیہ مدینہ، جامعہ ام القری مکہ، جامعۃ الامام محمد بن سعود اور جامعۃ الملک سعود ریاض میں زیرِ تعلیم آپ کے طلبہ اس طرح شعبۂ جالیات میں دعوتی فرائض انجام دینے والے آپ کے شاگردان نے جو آپ کی قدردانی وعزت افزائی کی، وہ مولانا رحمہ اللہ کے بغیر ناقابل بیان ہے۔

پسماندگان:

مولانا رحمہ اللہ نے اپنے پیچھے اپنی بیوہ کے علاوہ تین بیٹے، ایک بیٹی اور ۱۷ پوتے پوتیاں اور نواسے ونواسیاں چھوڑے ہیں۔ آپ کے بڑے صاحب زادہ مولانا عبدالسلام عمری صاحب ۱۹۸۹ء سے تاحال سینٹر کی علامہ ابن باز لائبریری میں امین المکتبہ کے فرائض انجام دے رہے ہیں اور دوسرے صاحب زادہ مولانا عبدالصبور سنابلی مدنی نے سنابل سے فراغت کے بعد جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ کے ''کلیہ الدعوہ واصول الدین'' سے بی اے کرنے کے بعد ایک سال آسام میں تدریسی فریضہ انجام دیا اور ۲۰۰۱ سے ۲۰۱۰ء تک جامعہ اسلامیہ دریاباد ضلع بستی میں مدرس وعمید کی حیثیت سے تقریباً نو سال دینی خدمات انجام دینے کے بعد ۲۰۱۰ء سے تاحال سعودی عرب کے شعبۂ جالیات منطقہ شرقیہ کے قریہ 'علیا'' میں داعی ومبلغ کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں، اللہ اسے قبول فرمائے۔ تیسرے بیٹے عبدالصمد صاحب چھچھی نگر چورا ہے پر ایک میڈیکل اسٹور چلا رہے ہیں، جبکہ بچی اپنے شوہر ڈاکٹر عبدالحفیظ کے ہمراہ جے پور میں خوش حال زندگی بسر کر رہی ہے، بقیہ ساری ذریت تعلیم سے وابستہ ہے۔

بیماری اور وفات حسرت آیات:

مولانا رحمہ اللہ شوگر، بلڈ پریشر اور الرجی کے دسیوں سال سے مریض تھے، علاوہ ازیں کچھ سالوں سے آپ کو تھائرائیڈ کی بھی شکایت ہوگئی تھی۔ ابھی گزشتہ عیدالاضحیٰ کی تعطیل میں وطن جانے سے پہلے آپ پر خارش کا شدید حملہ ہوا اور گاؤں پہنچتے ہی اس نے مزید شدت اختیار کر لی۔ علاقائی ڈاکٹروں سے علاج ومعالجہ کرنے سے کوئی افاقہ ہونے کے بجائے پھوڑے پھنسی سے آپ کی حالت ناگفتہ بہ ہوگئی اور چلنے پھرنے میں تکلیف محسوس کرنے لگے۔ تعطیل گزار کر جب دہلی تشریف لائے تو تین دن کی رخصت پر مجبور ہوئے اور جب کچھ افاقہ محسوس ہوا تو بمشکل تمام کسی طرح برابر حاضر ہوتے رہے۔ رفتہ رفتہ پھوڑے پھنسی سے نجات مل گئی لیکن خارش نے آپ کا ساتھ نہیں چھوڑا، بالآخر ایک دن ہم ساتھ رہنے والے اساتذہ کو اپنی رہائش گاہ پر طلب کر کے مشورہ لیا اور دوسرے دن ایک خارش کے اسپیشلسٹ ڈاکٹر کے پاس جا کر دوا لی لیکن اس کے تین چار دن بعد ہی ایک رات آپ کے سر میں تکلیف ہوئی اور اس کی صبح کلاس میں گئے تو آپ کے چہرے پر لقوہ کا اثر واضح طور پر سب کو ظاہر ہوا، چنانچہ وہیں اسٹاف روم ہی سے آپ کو خارش کے ڈاکٹر کے پاس لے جایا گیا، اس نے تسلی دی اور چند دن کی دوا دے کر رخصت کیا، لیکن اس سے افاقہ نہ ہوا، اس کے دوسرے دن میں اپنے ایک استاد مولانا فضل الرحمن ندوی صاحب کے ہمراہ بغرض عیادت مولانا کے پاس گیا، آپ نے ہمیں پہچانا اور اپنے زیر تدریس مضامین کا تذکرہ کرتے ہوئے ششماہی کورس کا ذکر کیا، مزید کہا ''جلالین'' کا صرف مکمل نہیں ہے۔ اور یہ آخری ملاقات ثابت ہوئی۔ صبح اپنے پیر سے چل کر آٹو رکشا پر سوار ہو کر ''الشفاء ہاسپٹل'' آئے اور وہاں کے آئی سی یو وارڈ میں ایڈمٹ کئے گئے۔ ڈاکٹروں کے مطابق آپ کے شوگر کا لیول ۶۰۰ سے متجاوز تھا اور آپ پر برین ہیمرج نیز فالج کا بھی اثر ہوگیا تھا۔ بالآخر بے ہوشی کے عالم میں وہیں تیرہ دن تک موت وزیست کی حالت میں گزارے، مگر حالت روز افزوں بگڑتی گئی، پھر وہاں سے ایک بڑے سرکاری اسپتال ''لوک نائک ہاسپٹل'' میں لے جائے گئے اور وہاں تین دن گزار کر ۵/ نومبر ۲۰۱۷ء کی صبح تقریباً ۷:۰۴ بجے آپ کی بچی کے بقول ''والد محترم نے وفات سے قبل تین دفعہ زور کی سانس لی اور کہا، یا اللہ اور پھر دنیا سے رخصت ہو گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

آپ کے وفات کی خبر فوراً جنگل میں آگ کی مانند آپ کے طلبہ، علماء اور ہند وبیرون ہند کے کونے کونے میں مختلف وسائل کے ذریعے عام ہوگئی۔ اعلان کے مطابق بعد صلاۃ العصر ۴/ بجے سینٹر کے صدر عمومی مولانا محمد رحمانی، سنابلی، مدنی کی امامت میں جامعہ کے طلبہ، اساتذہ، سینٹر کے ذمہ داران، دہلی ومضافات دہلی، آپ کے شاگردان یونیورسٹیوں، مختلف جمعیات کے افراد، سیاسی، سماجی شخصیات وعمائدین شہر، سینکڑوں کی تعداد میں جامعہ اسلامیہ سنابل کی عیدگاہ میں آپ کی صلاۃ جنازہ ادا کی اور ایک دوسرے نے آپ کی نعش کو کاندھا دیتے ہوئے نئی قبرستان واقع ابوالفضل انکلیو میں لے گئے اور وہیں پرنم آنکھوں سے آپ کو سپرد خاک کیا۔ اللہ مولانا کی قبر کو بقعۂ نور بنائے اور آپ کو اعلیٰ علیین میں جگہ دے نیز ہم تمام لوگوں کا خاتمہ بالخیر فرمائے، آمین۔

(ماہنامہ التبیان، دسمبر ۲۰۱۷ء)



مولانا حبیب الرحمن زاہد اعظمی عمریؒ (تامل ناڈو)

وفات نومبر ۲۰۱۷ء

مولانا عبدالوہاب جامعی

نام ونسب: مولانا حبیب الرحمن بن مولانا محمد نعمان اعظمی بن حاجی عبدالرحمن شہید، مئو۔

ولادت: زہے نصیب کہ آپ نے ایک ایسے گھرانے میں آنکھیں کھولیں جو دین دار، علم پرور اور اخلاق واقدار میں مثالی اور مشہور تھا۔ میری مراد ہے شیخ الحدیث مولانا محمد نعمان اعظمی تلمیذ میاں نذیر حسین محدث دہلوی کے اعظمی خانوادہ میں، آپ کی ولادت ۱۹۳۵ء میں ''عمرآباد'' ضلع ویلور تامل ناڈو میں ہوئی۔

ابتدائی تعلیم:

آپ کی ابتدائی تعلیم وتربیت اپنے والد محترم ہندوستان کے مایہ ناز عالم دین ابوالعلماء شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد نعمان اعظمی کی خاص نگرانی میں ہوئی۔

جامعہ دارالسلام میں داخلہ:

آپ کی عمر کوئی دس برس کی ہوگی جامعہ دارالسلام عمرآباد میں داخل کیے گئے۔ چھٹی جماعت میں تھے ۱۹۵۱ء میں تقریباً سولہ سال کی عمر رہی ہوگی۔ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ آپ کے برادر عزیز مولانا حافظ حفیظ الرحمن اعظمی عمری مدنی ناظم جامعہ دارالسلام عمرآباد، ماہنامہ ''راہ اعتدال'' دسمبر ۱۹۱۷ء کے اداریہ میں اپنے بھائی کے متعلق تحریر فرماتے ہیں: ''چھٹی جماعت کے طالب علم تھے، گھر کے چھ افراد کی کفالت کا بوجھ اس کم سنی میں آپ کے کندھوں پر پڑا۔ گھر والوں کے پاس دوسرا کوئی ذریعہ معاش نہ تھا۔ بڑے بھائی کا بڑا مرتبہ تو سب کو معلوم ہے، لیکن بڑے ہونے کے ناطے ذمہ داریاں کتنی بڑی ہوتی ہیں اس کا اندازہ وقت آنے پر معلوم ہوتا ہے۔۔۔''

آپ آگے تحریر فرماتے ہیں: ''۱۹۵۱ء کا پرآشوب دور تھا، ملک نیا نیا آزاد ہوا تھا، مسائل کی کثرت اور وسائل معاش کی کمی کو اچھے اچھے جھیل رہے تھے، ایسے میں ایک کم عمر ناتجربہ کار طالب علم کا اس اپنا ہی نہیں پورے کنبہ کا بوجھ سہارنا کمر توڑ کر رکھ دیا صحت متاثر ہوگئی تعلیم کا ناغہ ہوگیا۔۔۔ بہر حال جوں توں کر کے دو سال کے ناغہ کے بعد فراغت ۵۵-۱۹۵۴ء میں ہوئی''۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ حالات نے میرے ممدوح کو علمی طور پر کمزور کر دیا تھا۔ یہ تو شاہین صفت تھے ہی، ذہانت وفطانت آپ کو ورثہ میں ملی تھی، حالات کا ڈٹ کر مقابلہ کیا، اور اپنے تمام ساتھیوں میں ممتاز نکلے۔

آپ کے دور طالب علمی کے متعلق مولانا ڈاکٹر کلیم اللہ صمدانی تحریر فرماتے ہیں: ''دور طالب علمی ہی سے آپ کے مضامین ملک کے موقر رسائل وجرائد میں شائع ہونے لگے۔ یہی وجہ تھی کہ معاصر ساتھیوں میں آپ ممتاز اور اساتذہ کرام کے منظور نظر تھے۔ اس وقت کے معتمد جامعہ جناب کاکا محمد اسماعیل صاحبؒ حد درجہ آپ کے قدرداں اور آپ کی فنی صلاحیتوں کے معترف ومداح تھے۔

علمی زندگی:

جامعہ دارالسلام سے فراغت کے بعد آپ تین سال تک ''عمر لائبریری'' عمر آباد کے ناظر اور گڑھ آمبور مسجد میں امام وخطیب کے فرائض انجام دیتے رہے۔ اس کے بعد مسجد یعقوبیہ مدراس (چنئی) میں امام وخطیب اور مدرسہ چار مینار میں دینیات کے کامیاب مدرس رہے۔

مئی ۱۹۶۳ء سے وانمباڑی کی مسجد اہلحدیث اور مدرسہ البنات اور مدرسہ فیض عام سے وابستہ ہوئے تو بیس سال تک اپنی یادگار خدمات کے ایسے روشن نقوش چھوڑے کہ طلبا وطالبات ان کے سر پرست اور ذمہ داران کے دلوں پر چھائے رہے۔

۱۹۷۶ء کی بات ہے کہ راقم نے وانمباڑی کا سفر کیا تو یہاں ایم یل نثار احمد صاحب حفظہ اللہ کے گھر مہمان رہا۔ اس دوران میں نے مولانا سے مطالعہ کے لئے کوئی ایک کتاب طلب کی تو آپ نے مولانا عبدالماجد دریا آبادی کی ''تفسیر ماجدی'' عنایت فرمائی تھی۔

''ادارہ تحقیقات اسلامی'' عمر آباد میں آمد:

ذمہ داران جامعہ کی دعوت پر ۱۹۸۴ء میں آپ نے عمر آباد کا رخ کیا اور اس ادارہ کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا۔ جی جان سے جٹ کر خدمت کی، کام کرنے کی ایک اچھی مثال پیش کی۔ چھوٹے بڑے، ماتحت اور سر پرست سب آپ کے حسن معاملہ، حسن اخلاق اور فرض شناسی کے مداح رہے۔

آپ استاذ الشعراء تھے:

مولانا ڈاکٹر کلیم اللہ صمدانی عمری رقم طراز ہیں ''بچپن سے مطالعہ کے رسیا تھے، تقریر وتحریر اور ادب وشاعری سے فطری لگاؤ تھا۔ یہ وہ دور تھا جب جامعہ علم وہنر کے مخزن کے ساتھ شعر وادب کا معدن بھی تھا۔ علامہ شاکر نائطی اور ان کے رفقاء کی وجہ سے عمر آباد شعر وادب کا مرکز تھا۔ جامعہ کے اکثر طلبہ خواہ وہ ملیباری کے کیوں نہ ہوں شعر وادب سے دل چسپی رکھتے تھے۔ خود مولانا مرحوم کے والد حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد نعمان اعظمیؒ شاعر تھے اور ناصح تخلص فرمایا کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ مولانا کم سنی ہی میں شعر کہنے لگے۔ طبیعت بھی اس فن کے لئے موزوں پائی تھی۔ اس لئے بہت جلد اپنا ایک منفرد مقام بنانے میں کامیاب ہو گئے''۔

آپ مزید تحریر فرماتے ہیں: ''مولانا زاہد اعظمی عمریؒ بے باک صحافی اور استاذ فن شاعری تھے''۔ (مولانا زاہد اعظمی عمری کچھ یادیں کچھ باتیں'' ماہنامہ راہ اعتدال دسمبر ۲۰۱۷ء) فن شاعری میں آپ کے شاگرد مولانا نور محمد فیاض عمری لکھتے ہیں ''آپ کی وفات دنیاء علم وفن اور شعر وادب کا ایک ایسا عظیم خسارہ ہے جس کی تلافی مشکل ہے۔ (ذکر حبیب اصل میں وصل حبیب ہے۔ حوالہ مذکورہ)

شاعری میں آپ نے ''زاہد'' تخلص اختیار کیا، اس سلسلہ میں مولانا احسن شاکر پیارم پیٹی کے مضمون کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں، کہتے ہیں: ناموں میں بھی بڑا اثر ہوتا ہے۔اس سے پہلے بھی مشاہدے میں یہ بات آئی ہے۔

ایک مثال بھی کہ کچھ سوچ کر ہی تخلص کے لئے لفظ ''زاہد'' کو چنا ہوگا۔اس تخلص کی معنوی پر چھائیاں ظاہراً و باطناً مولانا پر بڑی گہری تھیں۔ جیسے گھنے بادل کو اوڑھ لیے، یا کسی ابر کا دودھیا ٹکڑا اپنی آغوش میں اس طرح چھپائے رکھے کہ۔۔۔ دیکھنے والا ''صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں'' والی کیفیت سے دوچار ہوتا ہے۔(آہ ایک نفس خامہ سروش حوالہ مذکورہ)

مولانا شاکر احسن پیارم پیٹی کا ایک مکمل تعزیتی کلام ہدیہ قارئین ہے۔ملاحظہ فرمائیں اور ان اشعار سے اندازہ لگائیں کہ فن شعر وادب میں آپ کا مقام کتنا اونچا اور اعلیٰ تھا۔

آہ! مولانا زاہد اعظمی عمریؒ

یک بیک یہ کیا ہوا جو راستہ خاموش ہے | کون بچھڑا جس کے غم میں قافلہ خاموش ہے
ہر طرف سناٹا چھایا ہے فضا خاموش ہے | مہر برلب ہر کلی، بادِ صبا خاموش ہے
دل بدست آور ہوئے ہیں تشنگانِ شعر وفن | شہ نشیں محفلِ فکر رسا خاموش ہے
گلستاں میں گونجتی تھی ہر طرف جس کی نوا | بلبل یک خوش نوائے جامعہ خاموش ہے
جامعہ کا کیوں نہ ہو مغموم ہر خرد وکلاں | مادر علمی کا عاشق جاں فدا خاموش ہے
بٹ رہے تھے ہر طرف لعل وگہر جس کے طفیل | اس کا کیا کیجیے وہ گنج بے بہا خاموش ہے
نقش پا تو منزلوں کا بالیقین دیں گے پتا | کیا قیامت ہے کہ اپنا رہ نما خاموش ہے
آدمی مرتا ہے لیکن اس کا فن جاوید ہے | کشتیاں دریا میں تو ہیں، ناخدا خاموش ہے
ہر طرف اک دھند ہے احسن یہاں چھائی ہوئی | جو چراغ زین بزم جامعہ خاموش ہے

آپ کتنے بلند پایہ شاعر تھے؟ آپ کے فکر وفن میں کیا کیا خوبیاں تھیں؟ ان سب پر خامہ فرسائی کرنا مجھ کوتاہ علم کے بس کی بات نہیں۔اس لیے مذکورہ باتوں پر ہی اکتفا مناسب سمجھتا ہوں۔

آپ صاحب دیوان ہیں۔مولانا حافظ حفیظ الرحمن عمری مدنی رقم طراز ہیں ''گوشہ نشینی عزلت اور گم نامی کے ایسے عادی بن گئے تھے کہ ان کا معیاری دیوان عرصہ سے اشاعت کے لئے ان کی اجازت کا منتظر تھا۔معتمد جامعہ حفظہ اللہ کے اصرار پر بھی ہاں کہنے میں اتنی دیر کردی کہ دوسری دنیا ہی میں اسے زیور طبع سے آراستہ دیکھ سکیں گے۔(حوالہ مذکورہ)

تصنیف وتالیف:

صاحب سوانح کی قلمی کاوشوں پر بہت زیادہ لکھنے کے بجائے مولانا حافظ حفیظ الرحمن صاحب عمری مدنی حفظہ اللہ کے اداریہ کا ایک اقتباس نقل کر دینا ہی بہتر سمجھتا ہوں کہ آپ نے سمندر کو کوزہ میں سمو دیا ہے۔آپ تحریر فرماتے ہیں:

''مشفق بھائی مولانا حبیب الرحمن زاہد اعظمی کی وفات کا غم ہی کیا کم تھا کہ مجھ ناتواں انسان کو ان کے فرائض کا بھاری بھرکم بوجھ اٹھانے کا حکم ہو رہا ہے۔(۱)(ماہنامہ ''راہ اعتدال'' کی ادارت اور ادارہ تحقیقات اسلامی عمر آباد کے ڈائریکٹر کی ذمہ داری) ان کا مشاہدہ ان کا منجھا ہوا قلم، دنیا کو دیکھنے کا ایک نقطہ نظر، حساس شاعر کے دھڑکتے دل کا حالات حاضرہ پر تجزیہ، زمانہ کی رفتار کی نبض شناسی اور مکمل پچاس سالوں کا عملی تجربہ کہاں سے لاؤں؟

وہ ادیب تھے، خطیب تھے، شاعر تھے، ساٹھ پینسٹھ سال سے ان کا اشہب قلم، ظلم وستم کے ہر قدم، زمانے کے تیور، بدلتے حالات کے جور و جفا کی شکایات، صدق وصفا کی حکایت، خلوص ومحبت کی برسات، محسنین کی خدمات کے اعتراف تعلق سے ان کے جذبات، یہ سارے عنوان ان کے مضمون تھے۔نثر میں بہت لکھا، شعر بھی خوب کہے، کافی ترجمے کیے، حلقہ احباب وتلامذہ کو ادیب وشاعر بنانے کے کام بھی کیے۔(حوالہ مذکورہ)

اخلاق واوصاف:

آپ کے اخلاق وعادات، اوصاف وکمالات پر آپ کے یار غار مولانا محمد رفیع کلوری عمری حفظہ اللہ نائب مدیر ماہنامہ راہ اعتدال کی شہادت کو پڑھئے۔''مولانا ایک بلند پایہ عالم باعمل، کامیاب معلم، مشفق مربی، ممتاز مقرر نہ جانے کیا کیا تھے۔ یہ سچ ہے کہ ان کی شخصیت مجموعہ خوبی تھی، لیکن میرے نزدیک ان کی دل آویز شخصیت کا سب سے روشن پہلو یہ ہے کہ وہ حیات افروز اخلاق اور انسانیت نواز اقدار کی اس بلندی پر فائز تھے جہاں تک پہنچنا کسی کسی کو نصیب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں مقبولیت، محبوبیت اور ہر دل عزیزی کا وہ مقام بخشا تھا، جو کم ہی لوگوں کے نصیب میں آتا ہے۔مگر اس کے باوجود کسی کا احسان اٹھانا گوارا نہیں کیا۔ ہمیشہ دنیا کو دیتے رہے اور ہر کسی کو نوازتے رہے۔جگر مراد آبادی کا یہ شعر ان کی پوری زندگی کا آئینہ دار تھا۔

تمام عمر اسی احتیاط میں گزری
یہ آشیاں کسی شاخ چمن پہ بار نہ ہو

مولانا کی شخصیت بڑی دل نواز تھی، وہ بڑے خلیق ملنسار، متواضع، خوش وضع شگفتہ مزاج وشفیق بزرگ تھے۔۔۔۔(صدمہ جان کاہ۔ ماہنامہ راہ اعتدال دسمبر ۲۰۱۷ء)

راقم الحروف کی مولانا سے خط وکتابت:

راقم الحروف عمر آباد کے اعظمی خاندان سے قلبی محبت وعقیدت رکھتا ہے بالخصوص مولانا حافظ حفیظ الرحمن اعظمی عمری مدنی حفظہ اللہ اور میرے ممدوح سے جو عقیدت ہے اس کو الفاظ کا جامہ پہنانا میرے لیے مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔ بہرحال کہنا یہ ہے کہ راقم کے مولانا زاہد اعظمی عمریؒ سے دیرینہ مراسم وتعلقات رہے۔آپ سے برابر مراسلت رہی، ہر خط کا جواب دینا آپ فرض سمجھتے تھے۔ادھر خط روانہ کیا، ادھر جواب فوری حاضر، اگر کبھی تاخیر ہوتی تو معذرت بھی فرماتے۔اللہ اللہ کیا خوب صفات تھے آپ کے کہاں وہ پربت، کہاں راقم ذرہ۔بغیر کسی تبصرے کے صرف دو خطوط من وعن نقل کر رہا ہوں۔تاکہ ناظرین مولانا محترم کے اعلیٰ اخلاق کا نمونہ از خود ملاحظہ کریں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بتاریخ:۲۵/۰۳/۲۰۱۰ء

برادر عزیز القدر مولانا عبدالوہاب جامعی زید مجدہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عرض خدمت ہے کہ ''اسلامیہ بینارٹی ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر ٹرسٹ'' ہرپن ہلی'' کے دسویں سالانہ اجلاس کے تعلق سے دعوت نامہ نظرنواز ہوا۔ یادفرمائی اور ذرہ نوازی کا دل سے شکریہ۔

اس دینی اور علمی تقریب میں شرکت میرے لئے یقیناباعث مسرت وسعادت ہوتی ،مگرصحت کی نامساعدت کی وجہ سے بندہ سفر سے مجبور ہے اس اہم اجلاس میں ناچیز کی اگر چہ شرکت نہیں ہوسکے گی۔مگر اجلاس کی کامیابی کے لئے بندے کی مخلصانہ دعائیں اور نیک تمنائیں آپ کے ساتھ ضرور رہوں گی۔ان شاء اللہ۔

یہ جان کرانتہائی مسرت ہوتی ہے کہ آپ نے دینی وملی خدمات کا بہت بڑا بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھار کھا ہےاوراس راہ میں آپ کی مسلسل مساعی لائق تحسین ہیں۔ پوری ایک جماعت کے کرنے کا کام آپ تنہا انجام دیکر ملت کے نوجوانوں کے لئے اولوالعزمی کا ایک مثالی نمونہ پیش کررہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ آپ کی ہمت کومزید بلندی اور خدمت دین کے راستے میں زیادہ سے زیادہ عزیمت واستقامت عطا کرے۔آمین۔

اللہ کرے آپ ہر طرح بخیر وخوبی رہیں اور اجلاس کی تمام کارروائیاں بحسن وخوبی انجام پائیں۔

والسلام علیکم

طالب دعا

حبیب الرحمن اعظمی

۲۵ مارچ ۲۰۱۰ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بتاریخ:۱۰/۸/۲۰۱۵ء

برادر عزیز القدر جناب مولانا عبدالوہاب جامعی صاحب دام لطفہ

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عرض خدمت ہے کہ ۵/اگست کا مکتوب گرامی ۷/اگست کونظرنواز ہوا۔ یادفرمائی اور ذرہ نوازی کا دل سے ممنون ہوں۔ناچیز کے مقالے سے متعلق آپ کے مخلصانہ تاثرات قابل قدر بھی ہیں (راقم نے شیخ عبدالعزیز صاحب باؤٹا بیڑی پر آپ کے مقالہ پر تاثرات روانہ کیا تھا) اور حوصلہ افزا بھی۔ دین وملت اور جماعتی خدمات کا جذبہ رکھنے والوں کے متعلق بندے کے جذبات

واحساسات بھی تقریباً وہی ہیں جو آپ کے ہیں۔ مولانا نذیر حسین قصوری مرحوم اور حاجی عبیداللہ مرحوم (سابق صدور جامعہ) کے تعلق سے مضامین تحریر کیے جاچکے ہیں۔ جو دیگر ''محسنین جامعہ'' پر لکھے جانے والے مضامین کے ساتھ کتابی شکل میں جامعہ سے شائع ہونے والے ہیں۔'' ان شاء اللہ

راقم نے بہت سے جماعتی بزرگوں کے تعلق سے تفصیلی مقالے لکھے ہیں۔ جو کسی نہ کسی رسالے میں شائع ہو چکے ہیں۔ بندے کی نظر میں آپ کی علمی ودینی خدمات اور جماعتی امور سے گہری وابستگی بھی انتہائی قابل قدر ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو مزید عزم وحوصلہ عطا کرے اور آپ کی بہترین خدمات کو شرف قبولیت بخشے۔ آمین

آپ کا دعاخواہ ودعا گو بھائی
حبیب الرحمن اعظمی
۱۰/اگست ۲۰۱۵ء

وفات:

زندگی کے تلخ وترش اور سرد وگرم حالات ۸۳ رسال اپنے کمزور کندھوں پر اٹھائے رہے، خوشی ومسرت کے لمحات کم دیکھے، رنج ومحن کے خوگر تھے، دکھ درد اکیلے سہتے رہے، کسی کو شریک کر کے ان کے عیش وآرام میں خلل انداز نہیں ہوئے۔ آپ کی خدمت کو ہر حلقہ اپنی سعادت سمجھتا تھا۔ سب کے شکر گزار رہے۔ مگر مرہون منت نہیں ہوئے، مشکل سے ہسپتال جانے پر راضی ہوئے اور صرف آٹھ گھنٹوں کے اندر خدمت گزاروں اور تیمارداروں کو الوداع کہتے ہوئے، داعی اجل کو لبیک کہہ کر سفر آخرت پر گامزن ہو گئے۔ ۱۰ نومبر ۲۰۱۷ء جمعہ المبارک کا دن تہجد کا وقت رب العالمین سے بخشش طلب کرنے کی گھڑی تھی، عمر بھر کی بے قراری سے نجات پا کر جنت کی نعمتوں پر یقین رکھتے ہوئے واحد سرمایہ اپنی جان کا نذرانہ پیش کر دیا۔

؎ گر قبول افتد زہے عز وشرف

ارحم الراحمین ان کے ساتھ رحم وکرم اور عفو ومغفرت کا معاملہ فرمائے اور اعلیٰ علیین میں ان کا حشر فرمائے۔ آمین۔

جمعہ سے پہلے خواتین کی جماعت کی امامت گھر ہی میں خاندان کے بزرگ عالم مولانا انیس الرحمن اعظمی عمری مدنی حفظہ اللہ نے کی۔ اور جمعہ بعد دکتور محمد الیاس اعظمی عمری مدنی حفظہ اللہ جامعہ کی بڑی مسجد کے بھرے مجمع میں صلاۃ جنازہ پڑھائی۔

پس ماندگان میں ایک لڑکا۔ ایک لڑکی۔ دو بھائی۔ ایک بہن کو سوگوار چھوڑ گئے۔ بہت دن ہو گئے اہلیہ کے انتقال کو۔ اللہ مرحوموں کی مغفرت فرمائے۔ عزیز واقارب کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔

ملاحظہ: مندرجہ بالا مضمون کا اکثر حصہ مولانا حافظ حفیظ الرحمن اعظمی عمری مدنی حفظہ اللہ کے اقتباسات پر مشتمل ہے۔ (عبدالوہاب جامعی)

(تاریخ اہل حدیث جنوبی ہندوستان کے درخشاں پہلو/عبدالوہاب جامعی: ص ۵۳۳)

❑❑❑

خانوادۂ علم وعمل کا روشن چراغ

مولانا محمد احمد اثریؒ، ٹکریا، ضلع سدھارتھ نگر

وفات ۱۲/نومبر ۲۰۱۷ء

مولانا عبدالحکیم عبدالمعبود مدنی

نام ونسب: (مولانا) محمد احمد اثری بن مولانا محمد شکر اللہ فیضی بن حاجی حشمت اللہ بن محمد فاضل بن سعدی (رحمہم اللہ اجمعین)۔

تاریخ ومقام پیدائش: آپ یکم رجنوری ۱۹۴۳ء کو اپنے آبائی گاؤں موضع ٹکریا (نزد ڈومریا گنج) ضلع سدھارتھ نگر (قدیم ضلع بستی) میں ایک مشہور ومعروف علمی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ اس گاؤں کو جماعت کے نامور علماء مولانا شکر اللہ فیضی، مولانا خلیل رحمانی، مولانا عبدالقدوس سلفی، مولانا عبدالسلام مدنی، مولانا عزیز الرحمٰن سلفی، مولانا امر اللہ رحمانی، مولانا عبدالواحد مدنی ودیگر اہل علم و عرفان کے مسکن ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اور قدیم زمانے سے یہاں تحریک شہیدین کے فیض یافتگاں اور ان کے رفقاء اور مستفیدین کے علمی وروحانی سلسلے جاری ہیں۔

خاندانی پس منظر: آپ کا خاندان ضلع بستی (حال سدھارتھ نگر) کے تحصیل ڈومریا گنج سے پورب آٹھ کلومیٹر کے فاصلے پر ایک مشہور ومعروف گاؤں ٹکریا میں آباد تھا اور وہیں آباد چلا آرہا ہے اور علمی وروحانی اعتبار سے آپ کا سلسلہ نسب ایک شجرہ طیبہ کی مانند ہے جس میں ایک طرف تحریک شہیدین کی دعوت اور اصلاحی مشن کے حسین اثرات بھرپور دکھائی دیتے ہیں۔ تو دوسری طرف ولی کامل، سید الطائفہ اور مشرقی ہندوستان میں تحریک دعوت کے دوسرے قائد مولانا ممتاز علی ندویؒ کرتھی ڈیہہ کے تربیتی وروحانی فیوض اور اس کی حسین کرنیں بھی نظر آتی ہیں۔ آپ کے والد ماجد سے لے کر دادا تک سب اسی سلسلہ دعوت واصلاح کے وہ حسین برگ وبار ہیں جن کے فیوض علمی وروحانی کی عطر بیز لہریں ابھی تک علاقے کو معطر کئے ہوئے ہیں تفصیل درج ذیل ہے:

پردادا محمد فاضل: آپ کے پردادا محمد فاضل تحریک شہیدین کے فیض یافتہ اور ان کے فوج کے میر منشی مولانا سید جعفر علی نقوی (۱۲۱۸ھ-۱۲۸۸ھ، مجھوا میر بستی) کے سرحد سے لوٹ کر اپنے وطن ضلع بستی واپس آنے کے بعد آپ کی تحریک دعوت و جہاد سے وابستہ ہو گئے اور مکمل طور پر علمی وروحانی فیض پانے کے بعد آپ کی دعوتی وتبلیغی دوروں میں شامل ہونے لگے۔ مولانا جعفر علی نقوی رحمہ اللہ اور ان کے قافلہ دعوت میں آپ کو یہ اعزاز حاصل تھا کہ آپ لوگوں کے جوش وحماس کو تقویت دینے کے لئے اسلام کی ترجمانی کرنے والی فارسی زبان کی مشہور ومعروف کتاب مولانا روم کی ''مثنوی رومی'' سنایا کرتے تھے۔ اور ہمیشہ اسی قافلے سے جڑے رہا کرتے تھے۔ چنانچہ مولانا محمد جعفر علی نقوی کی تربیت اور اصلاحی ودعوتی فیوض اور اس کے اثرات آپ کی شخصیت میں بے حد نمایاں

اور جلوہ فگن تھے۔جس کے اثرات بعد کے سلسلۂ نسب پر ایسے پڑے کہ ہر ذرہ آفتاب بن گیا،اور علم وعمل کی راہ میں اسی قافلے کے نقوش جاوداں پر اپنی زندگی کے سفر کو طے کرتا رہا۔

دادا حاجی حشمت اللہ: اس سلسلۂ نسب کی دوسری کڑی آپ کے دادا حاجی حشمت اللہؒ ہیں جو مولانا جعفر علی نقوی میر منشی، مجھوا میر کے تربیت گاہ کے فیض یافتہ اپنے والد محمد فاضل کے نہایت ہی نیک اخلاق مند چشم و چراغ تھے۔(یعنی دادا حاجی حشمت اللہؒ) کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ آپ اضلاع گونڈہ وبستی میں توحید وسنت کے قافلے کی دوسری اہم کڑی اور اس علاقے کی سب سے پراثر تحریک کے قائد اور سالار قافلہ، ولی صفت بزرگ مولانا ممتاز علی کرتھی ڈیہہ (۱۸۸۸ئ ۱۹۷۲ء) کے قریبی احباب ورفقاء میں سے تھے۔اور انہیں کی تربیت میں رہ کر ایک ولی صفت انسان بن گئے تھے۔آپ کی دینداری، عبادت و ریاضت اور تہجد گزاری وتقویٰ شعاری کے چرچے زبان خاص وعام پر جاری تھے۔اور پورے علاقے میں آپ کے تقویٰ وطہارت کی مثال دی جاتی تھی۔انتہائی خداترس، بے پاک، موحد اور متبع سنت تھے۔مولانا ممتاز علیؒ کی رفاقت اور صحبت کے نمایاں اثرات آپکی ذات گرامی پر بھرپور نظر آتے تھے۔رحمھم اللہ رحمۃ واسعہ

والد ماجد شکر اللہ فیضی: اس سلسلہ نسب کی تیسری اہم کڑی آپ کے والد محترم مولانا شکر اللہ فیضیؒ ہیں جن کی ولادت ۱۹۲۱ء میں ہوئی اور ۳۰/اگست ۲۰۰۵ء میں آپ اللہ کو پیارے ہو گئے۔مختلف اداروں میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ جامعہ فیض عام مئو گئے اور وہیں سے ۱۹۳۸ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔اور ایک عظیم الشان اجلاس میں مولانا امرتسریؒ اور مولانا ابراہیم میر سیالکوٹی کے ہاتھوں آپ کی دستار بندی عمل میں آئی۔آپ کے اساتذہ میں اضلاع گونڈہ وبستی میں تحریک اہل حدیث کے دوسرے بڑے سپہ سالار سید الطائفہ مولانا سید ممتاز علی کرتھی ڈیہہ اور آپ کے بھائی حکیم حاذق سید اقبال حسین، ریواں (والد مولانا عبد الاول فیضی ریواں) اور مشہور ادیب مولانا عبداللہ شائق مئوی جیسے اساطین علم وعمل تھے۔اور انھیں کے فیض تربیت سے آپ ایک بلند و بالا علمی مقام تک پہنچے تھے۔فراغت کے بعد ۱۹۳۸ء سے تاحین حیات تدریس وتعلیم سے وابستہ رہے اور کم وبیش ۶۵ سالوں سے زائد طویل عرصے تک یہ خدمات انجام دیں۔ملک کی آزادی کے بعد تدریس وتعلیم کے ساتھ مولانا عبدالوہاب آرویؒ ودیگر اعیان جماعت کے ساتھ جماعت کی نشاۃ ثانیہ سے لے کر نوگڈھ کانفرنس کو منعقدہ ۱۹۶۱ء تک جماعت کو کامیاب بنانے میں ہر جگہ شریک رہے۔نوگڈھ کانفرنس کی کامیابی کے لئے کئی ماہ گھر نہ گئے بلکہ کانفرنس کی تیاری میں لگے رہے۔مقامی، ضلعی اور صوبائی مرکزی جماعت کے اجلاس و پروگراموں اور اسکی دعوتی وتبلیغی وفود میں ہمیشہ آپ کی بے لوث حاضری رہی۔اپنے آبائی گاؤں ٹکریا کے متفقہ طور پر پچاس سالوں تک امام تھے۔اس پر مزید یہ کہ گاؤں کی سیاسی قیادت بھی آپ کے ہاتھوں میں رہا کرتی تھی۔۱۹۴۲ء تا ۱۹۴۷ء تک قاضی عدیل عباس کے ساتھ تحریک آزادی میں شریک رہے اور گاؤں گاؤں گھوم کر جہاد آزادی وطن کے لئے تقریر کرتے رہے۔آپ ایک بے باک خطیب، کہنہ مشق مدرس اور ایک عمدہ مخلص ومربی تھے۔کئی نسلوں نے کئی دھوں تک آپ سے بھرپور فائدہ اٹھایا ہے اور آپ کے چشمۂ علم وعمل سے سیراب ہو کر میدان عمل میں بلندیوں تک پہنچے ہیں۔

انہیں صلحاء، علماء اور اساطین علم وفن کے فیض تربیت دادا، پردادا اور والد بزگوار کی پر کیف علمی فضاؤں میں آپ (مولانا محمد احمد

اثری) نے آنکھیں کھولیں اور پروان چڑھے اور رفتہ رفتہ علم وعمل کے ایک رخشندہ ستارے کے مانند آسمان علم وعرفان میں چمکنے لگے۔
خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت۔

تعلیم وتربیت: ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب میں ہوئی۔ ایک عصری اسکول سے انگریزی تعلیم مکمل کی۔ فارسی وعربی کی ابتدائی تعلیم مدرسہ مفتاح العلوم ٹکریا (آبائی گاؤں کے مدرسہ) میں حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے جامعہ دارالحدیث اثریہ مئو گئے۔ اس وقت جامعہ کے قیام کو تین سال پورے ہو چکے تھے اور مدرسہ سونیا باڑہ کی مسجد میں چل رہا تھا۔ اور بے پناہ صلاحیتوں کے مالک علامہ شائق مئویؒ کا علمی فیضان جاری تھا۔ جماعت ثانیہ میں داخلہ ہوا اور یہیں مسلسل فراغت تک تعلیم حاصل کی اور شائق مئویؒ ودیگر اساتذہ واساطین علم کے چشمۂ عرفان سے علمی آسودگی مکمل کی۔

۱۹۶۳ء میں جامعہ دار الحدیث اثریہ مئو سے فارغ التحصیل ہوئے۔ الٰہ آباد بورڈ منشی، مولوی، عالم اور اسی طرح فاضل دینیات، فاضل ادب کا امتحان بھی پاس کیا تھا اور انٹر اور بی اے کی ڈگریاں بھی امتیازی نمبرات سے حاصل کی تھیں۔

اساتذہ: آپ کے اساتذہ میں اساطین علماء ومدرسین شامل ہیں جن کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

۱۔ جماعت کے مشہور عالم ومربی آپ کے والد بزرگوار مولانا شکر اللہ فیضیؒ۔ آپ سے آپ کے فرزند (مولانا احمدؒ) نے فارسی کی تعلیم اور عربی پہلی جماعت کی کتابیں پڑھیں، اور یہیں والد کی تربیت میں رہنے اور پڑھنے کی وجہ سے دینی تعلیم کا جذبہ فراواں بیدار ہوا اور رفتہ رفتہ آگے بڑھتے گئے۔

۲۔ علامہ شائق مئویؒ (متوفی ۱۹۷۴ء) آپ نے جامعہ دارالحدیث اثریہ میں عربی ادب کی ساری کتابیں پڑھیں، اور آپ کے ادبی ذوق اور صلاحیتوں سے بھرپور استفادہ کیا۔

۳۔ مولانا مفتی عبدالعزیز عمریؒ (متوفی ۲۰۰۵ء)، ۴۔ مولانا فیض الرحمٰن فیض (متوفی ۲۰۰۴ء)، ۵۔ مولانا عظیم اللہ مئوی (متوفی ۱۹۹۳ء)، ۶۔ مولانا قاری عبدالسبحان صاحب۔ ۷۔ مولانا محمد جمیل صاحب، ۸۔ مولانا مشتاق احمد شوق صاحب ودیگر۔

تلامذہ: تلامذہ کا حلقہ بے حد کشادہ ہے چند مشاہیر کے نام درج ذیل ہیں: ۱۔ مولانا عاشق علی اثری، سیکریٹری مولانا ابوالکلام آزاد اسلامک اویکنگ سینٹر، اوکھلا نئی دہلی، ۲۔ مولانا عبدالرشید جھنڈانگر، ۳۔ مولانا عتیق الرحمٰن مدنی، امریکہ، ۴۔ مولانا محمد نعیم اثری سدھارتھنگر، ۵۔ شیخ مطیع اللہ مدنی، جھنڈانگر، ۶۔ شیخ عبداللہ عبدالحمید مدنی، بحرین، ۷ عزیز عمر سلفی، نوائے اسلام، ۸۔ مولانا عبدالحمید فیضی (فیض عام)، ۹۔ شیخ معراج ربانی اثری۔ سعودی عرب، ۱۰۔ مولانا عبداللطیف اثری، جامعہ عالیہ عربیہ مئو، ۱۱۔ مولانا شکیل احمد مدنی، (فیض عام، مئو)، ۱۲۔ شیخ نظام الدین مدنی (بہار)، ۱۳۔ مولانا عزیز شاہین اثری (ششھنیاں)، ۱۴۔ مولانا شمس کمال مدنی (پروفیسر، لوہرسن بازار) اور ان کے علاوہ دیگر علماء وطلباء ہیں جو میدان علم وعمل میں اپنے گوہر لٹا رہے ہیں۔ رب العزت تمام کی خدمات کو قبول فرمائے۔ آمین

میدانِ تدریس میں: ۱: ۱۹۶۳ء تا ۱۹۶۷ء مدرسہ مفتاح العلوم ٹکریا، سدھارتھ نگر۔

فراغت کے بعد ۱۹۶۳ء سے ۱۹۶۷ء تک اپنے آبائی گاؤں ٹکریا سدھارتھ نگر کے مدرسہ مفتاح العلوم میں تدریس سے وابستہ رہے۔ یہ

ادارہ آپ کے والد ماجد نے قائم کیا تھا اور تا حال جاری ہے۔ البتہ اب اس میں وہ علمی وروحانی رونق نہیں رہی جو پہلے کبھی ان اداروں میں نظر آتی تھی، اللہ بزرگوں کی روایات اوران کے اخلاص وقربانیوں کو ہمیں زندہ کرنے کی توفیق دے۔ آمین۔

۲: ۱۹۶۸ء تا ۱۹۷۳ء جامعہ اثریہ دارالحدیث مئو، (دوراول)

۱۹۶۸ء میں آپ کی صلاحیتوں اور علمی لیاقتوں کی وجہ سے ذمہ داران جامعہ اثریہ مئو نے آپ کو اپنے مادر علمی میں تدریسی فریضہ انجام دینے کے لئے مدعو کیا چنانچہ ان کے اصرار اور طلب پر آپ نے جامعہ اثریہ سے وابستگی کو ترجیح دی اور یہاں تدریس کے لئے پہنچ گئے۔ ۱۹۶۸ء تا ۱۹۷۳ء مسلسل پانچ سالوں تک تعلیم وتدریس اور ادارہ کی خدمت سے وابستہ رہے اور اپنے علمی جوہر دکھائے۔

۳: ۱۹۷۳ء تا ۱۹۷۵ء مدرسہ انوار العلوم پرساعماد، ڈومریا گنج سدھارتھ نگر۔

۱۹۷۳ء میں بعض خانگی پریشانیوں کی وجہ سے آپ نے دارالحدیث اثریہ کو چھوڑ دیا اور اپنے آبائی گاؤں سے قریب ہی جماعت کے ایک مشہور ادارہ مدرسہ انوار العلوم پرساعماد سے وابستہ ہوگئے۔ یہاں پر صحیحین اور دیگر فنون کی کتابیں آپ کے زیر تدریس رہیں، تین سالوں تک صدر المدرسین بھی رہے، مگر تین سالوں سے زیادہ یہاں قدرت کو منظور نہ تھا بالآخر ۱۹۷۵ء میں یہاں سے رخصت ہو چلے۔

۴: ۱۹۷۵ء تا ۲۰۰۳ء جامعہ دارالحدیث اثریہ مئو۔ (دورثانی)

۱۹۷۵ء میں اچانک تمام اساتذہ کے چھوڑنے کی وجہ سے جامعہ دارالحدیث اثریہ میں تعلیمی بحران پیدا ہوگیا۔ ذمہ داران جامعہ نے ایسے موقع پر ادارہ کو سنبھالنے اور اسے بحرانی کیفیت سے نکالنے کیلئے سنجیدہ اور دور اندیش نیز انتظامی اور تدریسی صلاحیتوں سے لیس ایک عالم کی ضرورت محسوس کی ان کی نگاہیں آپ پر پڑی، اور پھر آپ کو لینے ناظم جامعہ مولانا مختار احمد انصاری آپ کے گھر سدھارتھ نگر، ٹکریا پہنچ گئے۔ جامعہ کی بحرانی کیفیت اور ذمہ داران کے اصرار کو دیکھ کر آپ نے واپس مئو آنے کا فیصلہ کیا اور بالآخر ۱۹۷۵ء میں آپ دوبارہ مادر علمی جامعہ اثریہ چلے آئے۔ الحمدللہ آپ کی علمی صلاحیتوں اور تدریسی تجربات اور انتظامی لیاقتوں کی وجہ سے یہ بحران جلد ہی دور ہوگیا اور ارباب جامعہ نے راحت وسکون کی سانس لی۔ آپ یہاں شیخ الجامعہ کے منصب جلیلہ پر بھی فائز کئے گئے، بڑی خیر وخوبی سے آپ نے ۲۸ سالوں تک جامعہ اور طلباء کو سنبھالا اور اپنی بے پناہ صلاحیتوں سے اسے لالہ زار اور گل گلزار بنا دیا۔ تعمیر، تعلیم اور مختلف میدانوں میں جامعہ بام عروج تک پہنچا۔ اور مولانا کی تدریسی صلاحیتوں سے ہزاروں طلباء وتشنگان علم نے اپنے دامن کو علم کی موتیوں سے بھرا۔ جون ۲۰۰۳ء میں الہ آباد بورڈ کے قانونی اصولوں کی بنیاد پر آپ ریٹائرڈ ہوئے۔ یہ فترہ آپ کی زندگی کا علم وعمل اور مختلف میدانوں میں آپ کی خدمت اور سنہرے نقوش سے بھرا ہوا ہے۔ اگر اسے حیطہ تحریر میں لایا جائے تو ایک دفتر تیار ہوجائے۔

۵: ۲۰۰۴ء تا ۲۰۰۹ء جامعہ سراج العلوم کنڈؤ بونڈیہار: جامعہ اثریہ مئو سے ریٹائرڈمنٹ کے بعد آپ جماعت کے تاریخی ادارہ جامعہ سراج العلوم، بونڈیہار آگئے اور یہاں پانچ سالوں تک آپ نے تدریس کا فریضہ انجام دیا اور شیخ الجامعہ بھی رہے۔

۶: ۲۰۰۹ء تا وفات ۲۰۱۷ء: کلیہ محمدیہ للبنات، احمد نگر، بھارت بھاری، موتی گنج چوراہا، ڈومریا گنج سے وابستہ رہے جسے آپ کے فرزند اور ہمارے سینئر ساتھی شیخ جمال احمد مدنی نے قائم کیا تھا۔ اور یہیں وفات بھی ہوئی۔

دیگر خدمات وذمہ داریاں: تدریس وتعلیم کے ساتھ ساتھ مولانا نے کئی انتظامی، اداری اور دینی واصلاحی خدمات بھی انجام دی ہیں اور اس دوران اپنی صلاحیتوں کی وجہ سے کئی اہم عہدے اور منصب بھی آپ کو تفویض کئے گئے۔ تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ دوران تدریس مئو آپ کم وبیش ۲۷ سالوں تک اپنے استاد علامہ شائق مئوی کی مسجد جامع مسجد سونیا باڑہ میں خطابت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ آپ ایک بہترین خطیب تھے اور آپ کے علمی خطبات سے سامعین بڑے متاثر ہوا کرتے تھے۔

۲۔ ۱۹۷۵ء تا ۲۰۰۳ء تک مسلسل آپ جامعہ عربیہ اثریہ مئو میں شیخ الجامعہ کے منصب پر فائز رہے اور ریٹائرڈ ہونے کے بعد جامعہ سراج العلوم بونڈیہار میں بھی آپ نے اس منصب پر رہ کر بحسن وخوبی اپنی ذمہ داریاں انجام دیں۔

۳۔ ۱۹۷۳ء سے ۱۹۷۵ء تک مدرسہ انوار العلوم پرساعماد کے صدر المدرسین رہے۔

۴۔ جامعہ دار الحدیث اثریہ مئو سے شائع ہونے والے علمی میگزین مجلہ الآثار کے آپ کم وبیش بارہ سالوں تک مدیر اعلیٰ ومدیر مسئول رہے اور اداریئے اور دیگر مضامین لکھتے رہے۔ آپ کی تحریریں انتہائی قابل قدر اور لائق مطالعہ سمجھی جاتی تھیں۔ بالخصوص آپ کے اداریئے انتہائی وقیع اور ادبی شہ پارے کے عمدہ نمونہ ہوا کرتے تھے۔

۵۔ ملک بھر میں ہونے والی علمی اور جماعتی کانفرنسوں میں آپ کو مدعو کیا جاتا تھا اور اپنے رشحات قلم وتحریروں کو پیش کر کے اہل علم سے داد تحسین پایا کرتے تھے، مجلہ الآثار میں آپ کی تحریریں اور مضامین دیکھے جاسکتے ہیں۔

۶۔ ۱۴۰۸ھ میں منعقد عالمی سیمینار جامعہ سلفیہ بنارس میں آپ نے ایک مفصل علمی مقالہ بعنوان ''تصوف شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی نظر میں'' پیش کیا تھا اور علماء اور طلباء نے اسے بے حد پسند فرمایا تھا اس کا عربی ترجمہ بحوث الندوہ العالمیہ عن شیخ الاسلام ابن تیمیہ واعمالہ الخالدہ میں چھپ چکا ہے۔

۷۔ کئی اہم علمی کتابوں اور رسالوں پر آپ نے تمہیدی اور افتتاحی کلمات تحریر کئے ہیں۔

۱۔ جن میں مولانا محمد مقتدیٰ حسن اثری کی کتاب ''تذکرہ المناظرین'' اور ۲۔ مولانا شوق مئوی کی کتاب تحفہ الاطفال پر وقیع مقدمہ اور ۳۔ مولانا عبدالوارث کی کتاب غایۃ المرام کے اردو ترجمہ پر تقریظ وغیرہ ہیں۔

آپ نے دوران تدریس سبع المعلقات کی عربی زبان میں شرح بھی لکھی تھی مگر افسوس کہ اس کا مسودہ غائب ہوگیا اور آج تک اس کا سراغ نہ لگ سکا اور اسی طرح سید سابق کی مشہور کتاب فقہ السنۃ پر بھی کام کیا تھا۔ (یہ بات آپ کے فرزند مولانا جمال احمد مدنی سے ایک ٹیلیفونک گفتگو سے معلوم ہوئی آپ ہمارے سینئر ساتھی اور انتہائی باصلاحیت دوست ہیں۔)

اہل الحدیث ایوارڈ: آپ کی ہمہ جہت تعلیمی، تدریسی، صحافتی، اور دعوتی جہود کو دیکھتے ہوئے ۲۰۱۲ء میں مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی طرف سے ان خدمات کے اعتراف میں آل انڈیا اہل حدیث ایوارڈ سے نوازا گیا تھا۔ جو اس بات کی دلیل ہے کہ آپ ایک ہمہ جہت صفت انسان تھے۔

جامعہ دار الحدیث اثریہ کی تعمیر وترقی میں مولانا کا کردار: اپنے استاد اور بانی جامعہ مولانا عبداللہ شائق مئوی کی دیرینہ آرزوؤں کو پورا کرنے کے لئے آپ کے شاگرد مولانا احمد اثری نے اپنی پوری زندگی جامعہ اور مادر علمی کی تعمیر وترقی میں لگادی، بحرانی

وقت میں اسے سنبھالنے سے لیکر اور بامِ عروج پر پہنچانے کی اپنی زندگی کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا، اور ہر میدان میں کامیابی قدم بوسی کرتی رہی جامعہ کے تئیں آپ بے حد مخلص و مجاہد تھے۔ اور اسی کی صلاح و فلاح میں اپنی پوری صلاحیت قربان کر دینے کو سعادت سمجھتے تھے اپنی خودنوشت سوانح میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

''اللہ کے فضل و کرم سے تدریس و تعلیم کے سلسلہ میں میں نے جس مدرسہ میں بھی قدم رکھا کامیابیوں نے قدم بوسی کیا اور بالغ نظر ذمہ داران اور باذوق ہمدردان مدارس بالخصوص ذہین اور شوقین طلبہ کی نگاہ میں ایک معقول استاذ کی طرح رہا، میں نے جس مدرسہ سے وابستگی رکھی ظاہری اور سطحی وابستگی نہیں رکھی بلکہ اس مدرسہ کے صلاح و فلاح میں اپنی پوری صلاحیت لگا دینے کو اپنی سعادت سمجھی۔ ملازمت برائے ملازمت میرے نزدیک قابل نفرت و مذمت ہے۔ خاص طور پر مادر علمی جامعہ اثریہ دار الحدیث مئو کی تعمیر و ترقی اور اس کے فروغ و استحکام کے لئے اپنی تمام تر صلاحیتوں اور توانائیوں کو بروئے کار لانے کے باوصف دل ہی دل میں یہ کہتا رہا کہ ''حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا''

جامعہ اثریہ میں مجھے کبھی کبھی تلخ کلامیوں اور دشنام طرازیوں کا بھی سامنا کرنا پڑا لیکن گالیاں کھا کے بے مزہ نہ ہوا کا لطف بھی وہیں محسوس ہوا۔ چونکہ جامعہ اثریہ میں از ابتداء تا انتہا میں نے تعلیم حاصل کیا تھا اور ایک لمبا زمانہ میرا اس وقت کے ذمہ داروں کے سامنے گزرا تھا اس لئے میرے حسن و قبح کا کوئی گوشہ ان پر مخفی نہیں تھا اور میری ذاتی صلاحیتوں سے وہ بخوبی واقف تھے۔ شاید اسی لئے بعض ایسے نازک حالات میں جب کہ جامعہ چوکھی ہواؤں کے تھپیڑے کھا رہا تھا کہ جامعہ کا چراغ اب بجھا کہ تب بجھا مجھے وہ حضرات دوبارہ دوسری درسگاہوں سے اٹھا کر لے گئے۔

میں نے بھی فرض شناسی کے ساتھ جامعہ کی خدمت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ پوری محنت اور لگن کے ساتھ اپنی توانائیوں کو لگا کر اسے بین الاقوامی شہرت کا حامل بنا دینے کی بھرپور کوشش کی چنانچہ تدریس ہو یا دعوت وارشاد، خطبات جمعہ ہو یا افتاء، ملکی وغیر ملکی خطوط ہوں یا مجلہ آثار کے اداریئے۔ یہ ساری ذمہ داریاں دوش ناتواں پر اٹھائے ہوئے تھا۔ اپنی تمام تر ذمہ داریوں میں مصروفیت کے باوجود کانفرنسوں میں بھی جاتا اور ان کے لئے مقالے تیار کرتا۔ کبھی کبھی استحکام جامعہ کے لئے بیرون ملک کویت، سعودیہ عربیہ، متحدہ عرب امارات اور ملیشیا وغیرہ کا بھی سفر کیا اور کامیابی کے ساتھ واپس ہوا۔ میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ جامعہ اثریہ کی چمک دمک میں ان سفروں کا بڑا دخل ہے۔ دعا ہے کی اللہ تعالیٰ جامعہ اثریہ کے حق میں میری قربانیوں کو قبول فرمائے۔ آمین۔

حالیہ مشغلہ کلیہ محمدیہ للبنات میں تدریس کا ہے۔ اللہ جزائے خیر دے نور چشم جمال احمد مدنی سلمہ کو جو اس مدرسہ کے بانی ہیں اور شبانہ روز اس کی تعمیر و ترقی میں لگے رہتے ہیں۔ انہیں کی بے پناہ محبتوں اور کاوشوں سے یہ مدرسہ درجات فضیلت تک پہنچنے میں کامیاب ہوا ہے اور مجھے امید ہے کہ مستقبل میں بھی یہ کلیہ اس علاقہ کے لئے علوم اسلامیہ کا روشن ترین معیار ہوگا''۔ (جریدہ ترجمان ۱۵/مارچ ۲۰۱۲ء)

شادی اور اولاد: دورانِ تعلیم ۱۹۶۱ء میں ہی آپ کی شادی آپ کے دادا حاجی حشمت اللہ صاحبؒ کی خواہش پر کر دی گئی، ابھی آپ جماعت خامسہ ہی کے طالب علم تھے مگر یہ چیز آپ کی زندگی میں کبھی حائل نہ ہوئی۔ اللہ نے آپ کو چار لڑکے اور چار لڑکیاں عطا کیں لیکن تدریس کے زمانہ میں ہی دو بچیاں فوت ہو گئیں۔ لڑکوں میں آپ کے بڑے صاحبزادے مولانا جمال احمد مدنی ہیں جو جامعہ

اثریہ اور ندوۃ العلماء لکھنؤ سے فارغ التحصیل ہونے کے ساتھ مدینہ یونیورسٹی سے بی۔اے اور لکھنؤ یونیورسٹی سے ایم۔اے کی ڈگری بھی حاصل کرچکے ہیں اور فی الحال الکلیۃ المحمدیۃ للبنات، موتی گنج چوراہا، سدھارتھ نگر کے بانی و مدرس ہیں۔اللہ آپ کو اخلاص اور ادارے کو ترقی کے اعلیٰ منازل تک پہنچانے کے لئے نیک عمل اور قربانیوں کی توفیق دے اور اسے قبول فرمائے۔آمین۔

وفات: علم وعمل کا یہ پیکر اپنے عظیم خاندان، ہزاروں طلباء ومستفیدین کو روتا بلکتا چھوڑ کر بتاریخ ۱۲؍نومبر ۲۰۱۷ بروز اتوار رات ۱۱؍بجے ہم سے رخصت ہو چلا اور دوسرے دن ۱۳؍نومبر ۲۰۱۷ء بروز سوموار بعد نماز عصر ہزاروں سوگواروں کی موجودگی میں آپ کو ستواں گاؤں میں سپرد خاک کیا گیا۔نماز جنازہ میں آپ کے گھر خاندان کے نامور عالم مولانا عبدالوہاب حجازی حفظہ اللہ نے پڑھائی۔اللہ تعالیٰ غریق رحمت عطا فرمائے۔**اللھم اغفر له وارحمه وعافه واعف عنه واسكنه الفردوس الاعلیٰ۔آمین**

مراجع ومصادر:

۱۔خودنوشت سوانح، شائع شدہ جریدہ ترجمان ۱-۱۵ مارچ ۲۰۱۲ء

۲۔مولانا کا انٹرویو، شائع شدہ مجلہ معیار ۲۰۰۳ مئو اور مجلہ الضیاء ۲۰۰۷ء بونڈیہار۔

۳۔تراجم علمائے اہل حدیث از خالد حنیف صدیقی بابت مولانا محمد احمد اثریؒ

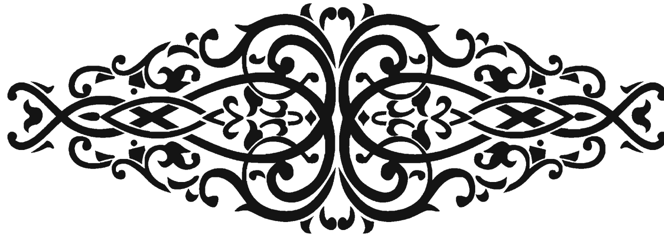
۴۔کاروان سلف از مولانا عبدالرؤف ندوی، ۲؍بابت مولانا شکر اللہ فیضی

۵۔مقالہ استاذ محترم شیخ عبدالوہاب حجازی

۶۔ذاتی معلومات اور استفسارات آپ کے فرزند مولانا جمال احمد مدنی سے ماخوذ۔

(صوت الاسلام جدید ممبئی، فروری ۲۰۱۸)





”جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں“

شیخ الحدیث مولانا محمد یونس اثریؒ کی رحلت

وفات دسمبر ۲۰۱۷ء

مولانا عبدالمنان سلفی جھنڈانگر

عیسوی تقویم ۲۰۱۷ء کے اختتام سے چند روز قبل یہ اندوہناک خبر سنی گئی کہ معمر اور بزرگ عالم دین، کہنہ مشق مدرس اور مخلص داعی مولانا ڈاکٹر محمد یونس اثری رحمہ اللہ اپنی حیات مستعار کی تقریباً ۸۰ ربہاریں دیکھنے کے بعد ۲۷ ردسمبر ۲۰۱۷ء بروز بدھ بوقت سحر دارفانی سے رحلت فرما گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا محمد یونس رحمہ اللہ خاکساری، سادگی، تواضع، ورع وتقویٰ، مہمان نوازی، رقت قلب، علمی تبحر اور احساس ذمہ داری کے اعتبار سے اسلاف کا جیتا جاگتا نمونہ تھے، ان کی یہ خوش بختی رہی کہ انہوں نے طویل زندگی کا ایک لمبا زمانہ تدریس ودعوت میں صرف کیا اور اپنے اخلاق کریمانہ، بے پناہ شفقت اور مخلصانہ محبت کے ساتھ کئی نسلوں کی تربیت کی، ان کی وفات سے تدریس ودعوت کے میدان میں بڑا خلا پیدا ہوگیا ہے، اللہ تعالیٰ ان کی بال بال مغفرت فرمائے، ان کی حسنات وخدمات کو رفع درجات کا ذریعہ بنائے اور بشری لغزشوں اور خطاؤں کو معاف کرے۔ (آمین)

مولانا ڈاکٹر محمد یونس اثری رحمہ اللہ کا آبائی وطن ضلع سدھارتھ نگر یوپی (بھارت) کا مشہور ومعروف گاؤں یوسف پور ہے، جہاں حضرت میاں سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ کے تلمیذ مولانا عباداللہ بستوی کا قائم کیا گیا مدرسہ دارالہدیٰ واقع ہے، مگر موصوف ایک زمانہ سے موہانہ بازار سے متصل ”مدھوبنی“ نام کی بستی میں آباد تھے، مولانا کے والد مولانا عبدالمجید رحمہ اللہ بھی علاقہ کے بڑے عالم اور میاں محدث دہلوی کے تلامذہ مولانا عباداللہ، مولانا محمد حسین (ترکلہا، نیپال) اور مولانا نوراللہ (پیرابھوج) کے فیض یافتگان میں سے تھے، نیز بوقت فراغت موصوف معروف سلفی عالم اور محدث علامہ محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ کے رفیق درس بھی تھے، اسی وجہ سے گھر کا ماحول دینی اور علمی تھا، اسی دینی وعلمی گھرانہ میں مولانا محمد یونس کی ولادت جولائی ۱۹۳۷ء میں یوسف پور میں ہوئی۔

ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں کے مدرسہ دارالہدیٰ یوسف پور میں پائی، اور مکتب کیساتھ فارسی اور عربی کی ابتدائی تعلیم وہیں مکمل کی، تقریباً ۱۹۵۱ء میں مزید تعلیم کے لئے مدرسہ فیض عام مئو تشریف لے گئے، اور وہاں ڈیڑھ سال پڑھنے کے بعد اپنے استاد مولانا عبداللہ شائق مئوی رحمہ اللہ کے ساتھ ان کے قائم کئے گئے ادارہ جامعہ اثریہ دارالحدیث مئو منتقل ہو گئے، اور وہیں سے

۱۹۵۸ء میں درس نظامی کی تکمیل کے بعد ۲۱ ربرس کی عمر میں سند فراغت حاصل کرلی، مدرسہ فیض عام کے اساتذہ میں مولانا محمد سلیمان مئوی اور ناظم محمد احمد مئوی اور دارالحدیث کے اساتذہ میں مولانا عبداللہ شائق، مولانا عبدالرحمن نحوی، قاری عبدالسبحان اور مولانا جمیل احمد رحمہم اللہ قابل ذکر ہیں۔

مولانا محمد یونس اثری کی یہ خوش نصیبی رہی کہ انہیں اپنی عملی اور تدریسی زندگی کے آغاز کا موقعہ ان کے اپنے مادر علمی دارالحدیث ہی سے مل گیا اور ان کی صلاحیت، صالحیت اور سنجیدگی کے سبب ان کے مایہ ناز استاذ مولانا شائق مئوی نے ان کی کم عمری کے باوجود انہیں دارالحدیث میں مدرس رکھ لیا اور اپنے اساتذہ کے ساتھ انہیں مادر علمی میں تدریس کی سعادت حاصل ہوئی جو بہرحال ان کے لئے بڑے شرف اور اعزاز کی بات تھی، مولانا کئی برسوں تک یہاں رہ کر طلبہ کو مستفید فرماتے رہے، پھر موصوف کو شیخ الحدیث مولانا عبدالسلام بستوی رحمہ اللہ کے ادارہ مدرسہ ریاض العلوم دہلی میں یاد کیا گیا اور وہ دہلی تشریف لے گئے اور معروف عالم و کہنہ مشق مدرس مولانا امان اللہ فیضی رحمہ اللہ اور مولانا عبدالتواب مدنی وغیرہما کے ساتھ کم وبیش ۱۷ برسوں تک وہاں تفسیر، حدیث، فقہ اور دیگر علوم وفنون کی کتابیں پڑھاتے رہے، ۱۹۸۵ء میں جب راقم معہد التعلیم الاسلامی دہلی میں مدرس تھا تو اس وقت مولانا ریاض العلوم ہی میں تھے اور گاہے گاہے مجھ گنہگار کو مولانا سے ملنے، دعاء لینے اور ان کی خسروانہ ضیافت سے محظوظ ہونے کا موقعہ ملتا رہتا تھا، مولانا ہمارے بزرگ تھے، لیکن اپنی شفقت ومحبت کا مظاہرہ خدمت کے طور فرما کر مجھے شرمسار کردیتے تھے، کبھی بھی بغیر کچھ کھلائے پلائے نہ چھوڑتے اور مدرسہ کے روکھے سوکھے کھانا کے بجائے بازار کے سالن اور بریانی سے ضیافت فرماتے، اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے۔ (آمین)

یہاں مولانا کے ذوق طلب علم کو سلام کرنے کو جی چاہتا ہے کہ دارالحدیث مئو سے فراغت اور کئی سال تک وہاں تدریس کے بعد جو موصوف دہلی تشریف لائے تو دہلی میں قیام کے دوران انہوں نے جامعہ ہمدرد میں داخلہ لے کر بی، یو، ایم، ایس (B.U.M.S.) کا کورس بھی مکمل کرلیا اور آپ مستند طبیب اور معالج بھی ہوگئے، مگر علم دین سے خصوصی شغف اور تعلق کا نتیجہ تھا، موصوف نے چندماہ کو چھوڑ کر علم طب کو کبھی کسب معاش کا ذریعہ نہیں بنایا اور پوری زندگی مدارس کی معمولی تنخواہ پر قناعت کرتے رہے، جب کہ آپ ایک اچھے معالج اور نباض تھے۔

اپنی کچھ ذاتی مجبوریوں اور صحت کی ناہمواری کے سبب مولانا مدرسہ ریاض العلوم دہلی سے اپنے قدیم مادر علمی دارالہدیٰ یوسف پور (سدھارتھ نگر) تشریف لے آئے اور کم وبیش ۲۲ ربرسوں تک یہاں تشنگان علوم نبویہ کو اپنے علم سے سیراب کرتے رہے، مدرسہ دارالہدیٰ یوسف پور میں موصوف برسوں تک شیخ الحدیث کے منصب پر فائز رہ کر صحیحین کا درس دیتے رہے، مولانا محمد یونس اثری کے تلامذہ ہزاروں کی تعداد میں ہندونیپال میں پھیلے ہوئے ہیں جو ان کے لئے یقینا صدقہ جاریہ ہیں، ان تلامذہ میں مولانا امان اللہ فیضی رحمہ کے صاحب زادگان مولانا علی اختر مکی اور ڈاکٹر ولی اختر پروفیسر دہلی یونیورسٹی قابل ذکر ہیں۔

مولانا محمد یونس اثری چار بھائیوں میں سب سے بڑے تھے جو علم دین اور علم طب سے بہرہ ور ہوئے، عصری مضامین خصوصاً

انگلش سے بھی انہیں اچھی واقفیت تھی، ان کے دوسرے برادران عزیز بھی ماشاء اللہ اعلیٰ تعلیم یافتہ اور تعلیم و تعلم سے جڑے رہے، چنانچہ ان کے بھائی پروفیسر محمد ہارون انصاری نے مسلم یونیورٹی علی گڑھ سے گریجویشن اور آگرہ یونیورسٹی سے انگلش میں ایم اے کیا اوراس کے بعد کاٹھمانڈو وتربھون یونیورسٹی میں انگلش کے لکچرر مقرر ہوکر ریٹائر ہوئے، اوراس وقت کاٹھمنڈو میں مقیم ہیں، ماسٹر محمد ہارون انصاری صاحب کا ایک کارنامہ نیپالی زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ ہے، موصوف نے شیخ رضاء اللہ مدنی نیپالی کی درخواست پر سب سے پہلے قرآن مجید کے نیپالی ترجمہ کی سعادت حاصل کی ہے، بعد میں جناب طاہر علی انصاری (سابق چیف جسٹس نیپال) اور کچھ دیگر علماء اوراہل زبان کے مراجعہ کے بعد مرکزی جمعیت اہل حدیث نیپال، جامعہ سراج العلوم السلفیہ جھنڈانگر اور مکتبہ دارالسلام ریاض اور متعدد کئی اداروں سے یہ ترجمہ شائع ہو چکا ہے۔ گویا بنیادی نیپالی ترجمۂ قرآن مولانا اثری کے برادر خورد کی علمی کاوش کا نتیجہ ہے، اللہ قبول فرمائے۔ مولانا کے تیسرے بھائی ماسٹر محمد الیاس صاحب نیپال کے متعدد کالجز میں اکنامکس کے لکچرر رہے ہیں اوراس وقت بٹول میں مقیم ہیں، چھوٹے بھائی ماسٹر ابوالحسن بھی مکاتب و مدارس میں تدریسی فرائض کی انجام دہی میں مصروف ہیں، مولانا کی خود اپنی دینی تعلیم میں ان کی والد ماجد مولانا عبدالمجید رحمہ اللہ کی کاوشوں کا دخل ہے جب کہ باقی تینوں بھائیوں کی تعلیم وتربیت میں مولانا اثری کی خصوصی توجہ اوران کا گراں قدر اخلاقی و مالی تعاون شامل رہا ہے۔

مولانا محمد یونس اثری رحمہ اللہ نے تدریس کے ساتھ دعوت کا کام بھی خاموشی کے ساتھ موثر انداز میں انجام دیا ہے، ویسے وہ ظاہری کروفر سے دور گمنامی کی زندگی ہی پسند کرتے تھے، خطبات جمعہ کے علاوہ علاقہ کے جلسوں کی کبھی کبھار صدارت بھی کرتے تھے، آواز دھیمی تھی اورلب ولہجہ بھی فطری طور پر خطیبانہ نہ تھا مگر ان کے درس اور خطبات میں علمی نقاط بہت قیمتی ہوتے تھے جس کے سبب لوگ مولانا کی باتیں توجہ اورانہماک سے سنتے تھے، مولانا کے نواسے ڈاکٹر فیضان شاہد کے مطابق مولانا نے ''مسائل عید قرباں'' اور مسائل عیدالفطر'' نام سے دو رسالے بھی تحریر کئے ہیں جو غیر مطبوع ہیں۔

والد محترم مفتی عبدالحنان فیضی رحمہ اللہ سے بڑی محبت رکھتے تھے اوران سے ملاقات کے لئے جھنڈانگر آتے رہتے تھے، والد صاحب کی وفات کی اطلاع ان کے اہل خانہ نے انہیں مصلحتاً نہ دی تھی اور بتائے بغیر گھر کے دوسرے حضرات جنازہ میں شرکت کے لئے جھنڈانگر آ گئے، بعد میں انہیں کہیں سے خبر ہوگئی، تو بے قرار ہوگئے اور بیماری اور کمزوری کے باوجود تنہا بھاگم بھاگ جھنڈانگر پہنچے۔ جنازہ میں تو ان کی شرکت نہ ہوسکی مگر وہ اشکبار آنکھوں سے قبر پر گئے اور دعاء مغفرت کی، اس طرح موصوف اپنے اخلاص اور محبت کا نقش ہمارے دل پر ثبت کر گئے، اللہ رحم فرمائے، خود مجھے اور میرے بیٹوں اور پوتوں پوتیوں سب کو نہایت عزیز رکھتے تھے اور سب کے ساتھ بہت شفقت سے پیش آتے تھے، چند سال پیشتر اپنی اہلیہ کی نماز جنازہ جبراً اصرار کر کے مجھی سے پڑھوائی۔

مولانا محمد یونس اثری بہت دنوں سے اختلاج قلب کے عارضہ میں مبتلا تھے، بعد میں گیس اور کچھ دوسرے عوارض بھی لاحق ہوگئے، وفات سے کم وبیش چھ ماہ قبل فالج کا شکار ہوکر صاحب فراش ہوگئے، اس سے پہلے تک موصوف دارالہدیٰ یوسف پور جاتے رہتے تھے اور جس طرح ممکن ہوتا اپنی ذمہ داری ادا کرتے، اس دوران مولانا نے مجھ سے کئی بار کہا کہ مدرسہ کے ناظم اور دیگر اساتذہ

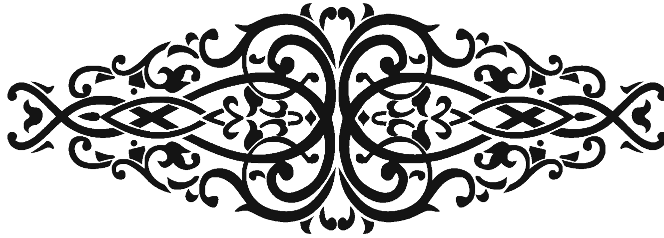
مجھے مدرسہ نہ آنے کو کہتے ہیں مگر مجھے اطمینان نہیں ہوتا ہے اس لئے کسی نہ کسی طرح چلا جاتا ہوں، اس دوران مجھ سے متعدد بار ملاقات پر استفسار کرتے رہے کہ اب جب کہ میں اپنی تدریسی ذمہ داری کما حقہ ادا نہیں کر پا رہا ہوں کیا میرے لئے مشاہرہ قبول کرنا جائز ہے؟ میں نے انہیں اطمینان دلایا کہ اگر ذمہ دار حضرات اس بات کو جانتے ہوئے آپ کا مشاہرہ جاری کئے ہوئے ہیں تو ان شاء اللہ اس میں حرج نہیں، پھر بھی دوسری ملاقات پر اس کا تذکرہ کرتے، یہ ان کے ورع اور تقویٰ کی دلیل ہے، بہرحال مولانا کا علاج ومعالجہ اور اولاد واحفاد کی جانب سے ان کی خدمت جاری رہی، مگر وقت موعود آپہنچا اور مذکورہ تاریخ میں انہوں نے اپنی جان جان آفریں کے حوالہ کردی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

نماز جنازہ ۲۷ر دسمبر ۲۰۱۷ء کو بعد نماز عصر ان کے گاؤں مدھوبنی میں بزرگ عالم دین استاد محترم مولانا محمد ابراہیم رحمانی حفظہ اللہ کی اقتداء میں ادا کی گئی، نماز سے قبل راقم نے اختصار کے ساتھ مولانا کی خدمات کا تذکرہ اور ان کے لئے دعاء مغفرت کی، نماز جنازہ میں ہند و نیپال کے علماء کرام، مدارس کے طلبہ اور عوام وخواص نے ہزاروں کی تعداد میں شرکت کی، مولانا کی جنازہ میں جماعت کے ہردلعزیز، علم دوست، علماء نواز اور معروف صاحب خیر جناب الحاج آفاق احمد عرف چرچل رحمہ اللہ بھی شریک تھے اور ناچیز سے میری بڑی بے تکلف گفتگو ہوئی تھی، مگر ہمیں کیا خبر تھی کہ ان سے یہ آخری ملاقات ہے اور یہ اوقات ان کی زندگی کی آخری ساعات ہیں، صبح بوقت فجر ان کی اچانک انتقال کی خبر سن کر ہر شخص دم بخود تھا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ ان کی مغفرت فرمائے، اسی شمارہ میں موصوف کے تعلق سے ایک تعزیتی مضمون محترم مدیر اعلیٰ ناظم جامعہ حفظہ اللہ کے قلم سے ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ مولانا کی مغفرت فرمائے، ان کی خدمات کو قبول کرے اور تمام پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔ آمین

(ماہنامہ السراج جھنڈا نگر جنوری فروری ۲۰۱۸)





باب ششم

مرحومین اعیان جماعت

و

وفیات علمائے کرام

۲۰۱۷ء

جماعت اہل حدیث کے تین نامور علماء کی رحلت

مولانا عمران اعظمی عمری/مولانا خلیل الرحمن عمری/مولانا ظہیر الدین رحمانی

حکیم اجمل خاں

انا للہ وانا الیہ راجعون

افسوس ہے کہ جماعت اہل حدیث ہند کے تین عظیم نامور عالم دین ہم سے یکے بعد دیگرے جدا ہو گئے۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ تینوں کا تعلق مشہور مردم خیز بستی مئو ضلع اعظم گڑھ سے تھا۔ اور تینوں کسی نہ کسی طرح جامعہ دارالسلام عمرآباد سے وابستہ رہے۔ ان عظیم شخصیات کی دینی علمی تدریسی خدمات کو سمیٹ کر جب منظر عام پر لایا جائے گا۔ تو وہ جماعت اہل حدیث اور علمی دنیا کے لئے ایک بیش قیمت تحفہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے اور نیکیاں قبول کرے۔

جناب مولانا عمران اعظمی عمری

جناب مولانا عمران عمری اعظمی ۱۳ رجون ۲۰۱۷ء مطابق ۱۰ رمضان المبارک حیدرآباد تلنگانہ میں رحلت فرما گئے۔ وہ ۷۱ سال کے تھے، مولانا عمران اعظمی مئو کے مشہور عالم دین مولانا مفتی عبدالعزیز مئوی کے بھتیجے تھے۔ انہوں نے عمرآباد سے فراغت حاصل کی۔ مولانا ثناء اللہ عمری حفظہ اللہ کے مشورے پر دائرۃ المعارف عثمانیہ حیدرآباد سے منسلک ہوئے وہ دائرہ کے اہم شعبہ مخطوطات سے وابستہ تھے۔ مولانا غیر معمولی سنجیدہ، ذہین وفطین، محقق، ادیب، شاعر، شخصیت کے مالک تھے، عربی فارسی اردو ہندی انگریزی پر عبور حاصل تھا۔ وہ درجنوں کتابوں کے مصنف تھے۔ جو دائرۃ المعارف عثمانیہ سے شائع ہو چکی ہیں۔ وہ بے شمار مضامین، اور اردو عربی نظموں وغزلوں کے مرتب تھے۔

اگرچہ افراد جماعت ان کی خاموش عملی کاوشوں سے ناواقف تھے۔ مگر وہ علمی تحقیقی دنیا کی ممتاز شخصیت تھے۔ راقم الحروف کی مولانا سے ممبئی میں ملاقات ہوئی۔ میں نے بعض اہل علم احباب جماعت کو توجہ دلائی کہ مولانا عمران کی صلاحیت اور خدمات کسی جماعتی ادارہ سے وابستہ ہونی چاہیے۔ مگر کسی نے توجہ نہیں کی۔ اور آج تک بھی آنکھیں نہیں کھلی ہیں نا ہی کوئی کھول کر رکھنا چاہتا ہے۔ میرا ہی نہیں بہت سے اہل حدیث علمائے کرام کا یہ تاثر ہے کہ ہمارے بہت سے صاحب صلاحیت علماء ناقدری کا شکار ہوئے ہیں اور جماعت ان کی صلاحیتوں سے استفادہ نہیں کر سکی ہے بلکہ ان کی قدر وقیمت دوسرے علمی تحقیقی اداروں نے کی اور ان سے استفادہ کیا اسطرح کی اہم شخصیتوں میں سب سے پہلا نام حضرت العلام سید امیر علی محدث ملیح آبادی لکھنوی کا ہے۔ جنہوں نے منشی نول کشور

آنجہانی کی فرمائش پر فتح الباری کا پہلا اردو ترجمہ کیا مولانا سید امیر علی رحمہ اللہ حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ کے تلامذہ میں سے تھے۔ وہ ندوۃ العلماء میں استاد اور صدر مدرس رہے۔ اپریل ۱۹۱۹ء میں رحلت ہوئی۔ ان کے علاوہ درجنوں اہم شخصیتیں ایسی رہی ہیں جو وسائل کی نایابی کی وجہ سے غیر جماعتی اداروں سے وابستہ رہ کر اس دنیا سے جا چکی ہیں۔ مولانا حنیف ندوی رحمہ اللہ بھی ادارہ ثقافت اسلامیہ سے وابستہ ہو گئے تھے۔

مولانا عمران عمری اعظمی صاحب رحمہ اللہ نے اپنی زندگی دائرۃ المعارف عثمانیہ حیدرآباد میں گذاری۔ اس طرح کے درجنوں علماء وفاضلین کے نام گنا سکتا ہوں۔ جن کی صلاحیتیں یا تو ضائع ہو رہی ہیں یا دوسرے اداروں میں استعمال ہو رہی ہیں۔ علماء کی جدید نسل جونئی درس گاہوں سے فراغت حاصل کر کے میدان عمل میں کود رہی ہیں جن کی صلاحیتیں بھی کاروباری اداروں میں استعمال ہو رہی ہیں ویسے تو سارے ہی مسلمان اجتماعی فکر سے عاری ہوتے ہیں۔ مگر ہماری جماعت کا حال سب سے زیادہ خراب ہے اللہ تعالیٰ ہماری اجتماعی سوچ اور اجتماعی عمل کو بہتر بنائے۔ دنیا میں افراد کی تربیت، صلاحیت اور کوالٹی پیدا کرنا پھر اس کا صحیح استعمال ہی کامیابی کی ضمانت ہے جو دین و دنیا دونوں کے لئے مفید ہے۔

جماعت کے بزرگ ممتاز سوانح نگار جناب مولانا ثناء اللہ عمری حفظہ اللہ نے توقع دلائی ہے کہ وہ ان کے قریب رہنے والے مولانا عمران عمری اعظمی کا سوانحی خاکہ مرتب فرمائیں گے اللہ تعالیٰ مولانا عمران صاحب کی مغفرت فرمائے ان کی نیکیاں قبول کرے۔ اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

مولانا خلیل الرحمن عمری

حضرت مولانا خلیل الرحمن عمری اعظمی سابق ناظم جامعہ دارالسلام عمرآباد ۲۵ رجون ۲۰۱۷ء کو رحلت فرمائے گئے انا للہ وانا الیہ راجعون وہ ۹۰ سال کے تھے۔ ان کی رحلت علاج کے دوران بنگلور میں اور تدفین عمرآباد میں ہوئی۔

مولانا مرحوم مئوناتھ بھنجن کے مشہور علمی خانوادہ (مولانا نعمان اعظمی رحمہ اللہ) کے فرد تھے۔ ان کے والد عبدالسبحان صاحب رحمہ اللہ جامعہ دارالسلام عمرآباد کے تاحیات استاد رہے۔ مولانا خلیل الرحمن صاحب کی پیدائش عمرآباد میں ہی ہوئی۔ فراغت کے بعد وہ بھی جامعہ سے وابستہ ہو گئے۔ انہوں نے ۶۰ سال جامعہ کی خدمت کی۔ ۳۰ سال تک ناظم رہے۔ یعنی تاحیات تدریس اور انتظامی خدمات انجام دیتے رہے۔ آپ کے بھائی مولانا شیخ انیس الرحمن صاحب بھی الحمد للہ طویل عرصے تک مختلف اداروں میں تدریسی فرائض انجام دیتے رہے ہیں اسی طرح مولانا حفیظ الرحمن عمری بھی اپنی دینی علمی فکری تالیفی تدریسی صحافتی خدمات کا طویل ریکارڈ رکھتے ہیں ایسا سمجھا جاتا ہے کہ برصغیر میں کسی دوسرے علمی خانوادہ کی اس قدر وسیع وعریض خدمات نہیں ہیں؟ جتنی مولانا نعمان اعظمیؒ شاگرد رشید حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ کے خاندان کی ہیں۔ اس لئے اس موضوع پر ایک مثالی جائزہ شائع ہونا چاہیے۔ تا کہ وہ دوسروں کے لئے مثال بن سکے۔ پوری جماعت اہل حدیث اور علمی دنیا اس خاندان کی دینی علمی خدمات کے لئے شکر گزار ہے مولانا

خلیل الرحمن صاحب تدریس کے علاوہ تبلیغی جماعتی خدمات میں بھی دلچسپی لیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے ان کی نیکیاں قبول کرے اور ان کے صاحبزادے ڈاکٹر محمد الیاس صاحب کو ان کا جانشین بنائے ان کے پسماندگان کو صبر جمیل عطا کرے۔

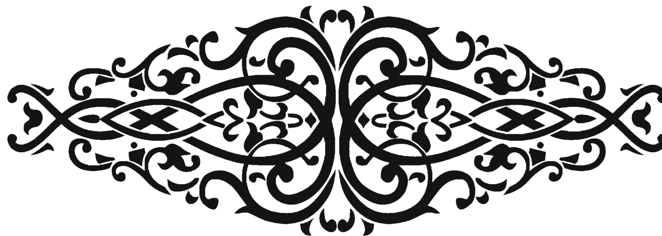
حضرت مولانا ظہیر الدین اثری رحمانی

افسوس ہے کہ حضرت مولانا ظہیر الدین اثری رحمہ اللہ بھی مورخہ ۱۴ر اگست ۲۰۱۷ء کو شام ساڑھے ۸ بجے رحلت فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون، ان کی رحلت کی اطلاع راقم الحروف کو مولانا ثناء اللہ عمری کے ذریعہ موصول ہوئی۔ مولانا ۲۱۔ ۱۹۲۰ میں حسین آباد مبارک پور ضلع اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم انہوں نے اپنے وطن میں حاصل کی۔ فراغت مدرسہ رحمانیہ دہلی سے کی بعد میں وہ مولانا فضل الرحمن اعظمی کے مشورے پر جامعہ محمدیہ رائیدرگ میں مدرس مقرر ہوئے۔ وہاں ۱۹۵۶ء تک رہے اس کے بعد ۱۹۵۶ء میں جامعہ دارالسلام عمر آباد میں پہنچ کر تدریسی خدمات انجام دینے لگے۔ پھر وہیں کے ہو رہے۔ وہیں ان کی رحلت ہوئی ۱۵ر اگست بعد نماز ظہر تدفین ہوئی مولانا جولم صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی اللھم اغفرلہ وارحمہ۔

مولانا اثری مرحوم جماعتی دینی، دعوتی پروگراموں میں برابر دلچسپی لیتے تھے۔ جمعیت اہل حدیث تامل ناڈ کے صدر نشین رہے۔ راقم الحروف کی ملاقات ان سے جماعتی اجتماعات میں برابر ہوتی رہتی تھی۔ مولانا مرحوم اپنی رحلت سے قبل اپنے منجھلے صاحبزادے کی اچانک رحلت کے صدمے سے دوچار تھے۔ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے ان کی نیکیاں قبول فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا کرے۔

(مجلہ اہل حدیث ستمبر ۲۰۱۷ء)





میرے والد ماجد
محمد زبیر احمد رحمہ اللہ، پٹنہ بہار

وفات جولائی ۲۰۱۷ء

محمد سکندر اصلاحی، محمد پور، پٹنہ

میرے والد ماجد محمد زبیر احمد مختصر علالت کے بعد بتاریخ ۸ رشوال المکرم ۱۴۳۸ھ مطابق ۳رجولائی ۲۰۱۷ء بروز سوموار تقریبا ۱۲:۱۵ بجے دن صلوۃ ظہر کے وقت اپنے رب حقیقی سے جاملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

انہوں نے عمر کی ۸۸ بہاریں دیکھیں۔ ان کے جنازہ کی نماز میں نے ہی بالجہر پڑھائی اور مغرب کی نماز کے بعد گھر کے قریبی قبرستان محمد پور شاہ گنج میں مدفون ہوئے۔

موصوف صوم وصلوۃ کے سخت پابند تھے اور دینی کاموں میں پیش پیش رہتے تھے۔ دین پسند مزاج کے حامل تھے اور اسی کا نتیجہ تھا کہ مدارس اسلامیہ نیز غرباء مساکین اور ان کے دکھ درد میں شریک رہتے تھے اور حتی المقدور ان کی اعانت سے پیچھے نہیں رہتے، بالخصوص اپنے رشتہ داروں کا خاص خیال رکھتے۔ تلاش معاش میں رزق حلال کی طلب ہمیشہ دامنگیر رہتی چنانچہ انہوں نے حلال روزی سے اپنے اور اپنے بچوں کی پرورش کی، زندگی بھر غلط طریقہ سے کسب معاش سے گریزاں رہے اور اپنے اعزہ واقارب کے علاوہ اپنے دوستوں کو بھی رزق حلال کی تحصیل کی ترغیب اور تلقین کرتے رہتے۔ لوگوں کو دین کی باتیں بتلانے اور امور شرعیہ سے عوام الناس کو آگاہ کرنے، ان میں دینی بیداری لانے کے لئے اکثر تبلیغی کمیٹی محمد پور شاہ گنج پٹنہ کی طرف سے دینی موضوعات پر جلسے منعقد کراتے جس کی آخری کڑی وہ دوروزہ تبلیغی جلسہ تھا جو حضرت مولانا عبدالسمیع جعفری رحمہ اللہ امیر جماعت اہل حدیث صادقپور کی صدارت میں بروز سنیچر واتوار تاریخ ۱۳ر ۱۴ محرم الحرام ۱۴۱۷ھ مطابق یکم و ۲ جون ۱۹۹۶ سلطان گنج اور مڈل اسکول واقع محمد پور منعقد ہوا۔

والد بزرگوار کچھ زیادہ پڑھے لکھے آدمی تو نہیں تھے، لیکن دینی جذبہ ان کے اندر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ اہم دینی شخصیات اور علماء حق کی صحبتوں میں رہ کر دین سیکھنے اور ان سے استفادہ کا زبردست شوق تھا۔ چنانچہ مولانا محمد داؤد راز دہلوی، مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری نیپال، مولانا عبدالقیوم بستوی، مولانا ذکر اللہ ذاکر ندوی ضلع بستی یوپی، مولانا عبدالسلام اسلم کانپوری، مولانا عبدالحمید رحمانی دہلی رحمہم اللہ اجمعین اور دیگر علماء حق مثلاً مولانا محمد مہدی رضا خاں، مولانا امان اللہ خاں فیضی استاذ مدرسہ اصلاح المسلمین پٹنہ، ڈاکٹر سید عبدالحفیظ سلفی، مولانا صداقت حسین شیخ الجامعہ مدرسہ اصلاح المسلمین پٹنہ، مولانا شفیع احمد اصلاحی استاد مدرسہ اصلاح المسلمین پٹنہ، مولانا واعظ الحق اصلاحی ندوی استاد مدرسہ اصلاح المسلمین پٹنہ، رحمہم اللہ اجمعین سے بڑے ہی خوشگوار تعلقات رہے۔ اور ان سب سے مراسلات کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔

مرکزی جمعیت اہل حدیث کی عظیم الشان پاکوڑ کانفرنس کے علاوہ پے در پے دہلی میں منعقدہ انتیسویں، تیسویں، اکتیسویں،

بتیسویں، اورتینتیسویں، آل انڈیا اہل حدیث کانفرنسوں کے تعاون کے لئے قبل از مرض اور بعد میں بستر مرگ پر بے چین ودعا گو رہتے۔ مرکزی جمعیت کے ناظم عمومی مولانا اصغرعلی امام مہدی سلفی سے بھی والہانہ عقیدت ومحبت رکھتے تھے۔ مولانا بھی متعدد بار پٹنہ میں ان سے ملنے آتے رہے اوروالد ماجد سے قلبی تعلق رکھتے ہیں۔ والد ماجد رحمہ اللہ مرکزی جمعیت اہلحدیث کی تقویم کلینڈر پٹنہ میں تقسیم اورفروخت کرتے تھے۔

عالم گنج پٹنہ میں وسیلہ معاش کے لئے ایک چھوٹی سی دکان تھی خاص خاص مواقع پر چندہ کے لئے آنے والے مدارس کے سفراء کی اچھی تعداد چاہے، وہ پٹنہ کے ہوں یا باہر کے، گھر سے لے کر دوکان تک ان کے پاس آتی اوران کے ذاتی چندہ کی رقم کے علاوہ ان کے توسط سے دوسرے لوگوں سے چندہ کی فراہمی کا کام کراتی اور یہ جذبہ دین سے سرشار محلہ اورآس پاس کے لوگوں کے ذریعہ چندہ کی فراہمی میں جی جان سے کوشاں رہتے۔ امسال بھی پہلی مرتبہ رمضان میں جامعہ اسلامیہ سنابل نئی دہلی سے مولانا عاشق علی اثری حفظہ اللہ محمد پور تشریف لائے، لیکن علالت ضعف ونقاہت، ساتھی ہی گھر میں مردوزن کی غیر معمولی بھیڑ کے نتیجہ میں مولانا موصوف سے ملاقات کا شرف حاصل نہ ہوسکا۔

اپنی علمی بے بضاعتی کے باوجود تبلیغ دین کے لئے ایسے علماء سے جن سے ان کے اچھے تعلقات ہوتے تھے اصلاح معاشرہ اورسماج سے شرک وبدعات کوختم کرنے کے لئے کتابچے لکھنے کی درخواست کرتے۔ چنانچہ آپ کی تحریک پر مولانا ابوالعرفان صاحب نے ''قرآن اورشرک'' کے عنوان سے ایک کتابچہ لکھا جوآج بھی ان کی فائل میں موجود ہے۔ اکثر لوگوں کی نگاہوں سے بچ کر پٹنہ سٹی کے علاقے کی مساجد میں شرک وبدعت کی ہلاکت اور برے انجام سے واقفیت ہواوردوسری طرف ان ناسمجھ لوگوں سے مزاحمت بھی نہ ہوجواپنی ناسمجھی کے سبب ان واہیات وخرافات کوجزودین سمجھ کران میں مبتلا ہیں۔

آپ اپنی معلومات میں اضافے اورعلماء کرام کی روح پرورتقاریر سے استفادے اوران کی صحبتوں سے کسب فیض کے لئے جہاں کہیں دینی اورعلمی جلسوں کا انعقاد ہوتا دوردورتک سفر کی صعوبتوں کو برداشت کرتے ہوئے اخراجات سفر کی پرواہ کئے بغیرحتی المقدورشرکت کی کوشش کرتے۔ چنانچہ انہوں نے آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کے کل ہند چارروزہ جلسے میں نوگڑھ (ضلع بستی) میں ۷ تا ۱۰ جمادی الثانی ۱۳۸۱ھ مطابق ۱۶ تا ۱۹ نومبر ۱۹۶۱ء کومولانا عبدالوہاب آروی کی صدارت میں منعقد ہوا تھا پہلی بارشرکت کی۔ اس طرح مئوناتھ بھنجن کے کل ہند سہ روزہ جلسے میں شرکت کی جومولانا مختاراحمد ندوی کی صدارت میں ۱۳ تا ۱۵ ذی قعدہ ۱۴۱۵ھ مطابق ۱۴ تا ۱۶ اپریل ۱۹۹۵ء کوانعقاد پذیر ہوا۔ اسی طرح مرکزی دارالعلوم بنارس کے جشن افتتاح کے موقع پر جو ۲۱ مارچ ۱۹۶۶ء کومنعقد ہوا اپنے دوست واحباب کے ساتھ شرکت کی، مولانا عبدالوحید رحمہ اللہ، ناظم مرکزی دارالعلوم بنارس سے بھی خوشگوار تعلقات تھے اور خط وکتابت کا سلسلہ جاری تھا۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، ان کی لغزشوں کومعاف کرے ان کوجنت الفردوس کا مکیں بنائے، جملہ متعلقین واعزا کوصبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(جریدہ ترجمان ۱۶۔۳۱ اگست ۲۰۱۷ء)



آہ! معہد کا سرپرست نہ رہا

ڈاکٹر اسلم حسین رحمہ اللہ دھونرہ ٹانڈہ

وفات یکم نومبر ۲۰۱۷ء

محمد مستقیم سلفی رچھا بریلی

یہ خبر جماعتی حلقوں میں یقینا رنج والم کے ساتھ سنی جائے گی کہ تعلیمی مرکز المعہد الاسلامی السّلفی رچھا ضلع بریلی کے سرپرست جناب ڈاکٹر اسلم حسین صاحب رحمہ اللہ اس دار فانی سے رحت فرما گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون!

ڈاکٹر اسلم حسین ضلع بریلی کے مشہور قصبہ ٹانڈہ دھونرہ میں ار مئی ۱۹۳۶ء کو پیدا ہوئے۔ ٹانڈہ چاول کی تجارت کے ساتھ اس حیثیت سے بھی مشہور ہے کہ وہاں کی کل آبادی جماعت حقہ جماعت اہل حدیث سے تعلق رکھتی ہے۔ **الحمد للہ والمنة**۔

آپ کی ابتدائی تعلیم مقامی مکتب میں ہوئی اور آپ نے انٹر بھی مقامی انٹر کالج سے پاس کیا، بعد ازاں ملک کے مشہور دانش گاہ ''علی گڑھ مسلم یونیورسٹی'' میں آپ کو تعلیم حاصل کرنے کا موقع ملا اور وہاں سے آپ نے بی یو ایم ایس کی ڈگری حاصل کی۔ جس کی وجہ سے آپ کو ڈاکٹر کا لقب ملا۔ ڈاکٹر صاحب نے ادیب، ماہر، کامل و معلم اور منشی، مولوی، فاضل وغیرہ کی اسناد بھی امتیازی نمبرات سے حاصل کیں۔ حصول علم کا بے حد شوق تھا، اسی لئے ڈاکٹر ہو جانے کے بعد بھی آپ نے علوم عربیہ کے حصول کی لگن میں بعض عربی اساتذہ سے ابتدائی نحو وصرف وغیرہ کی کتابیں پڑھیں۔

علی گڑھ میں تعلیم مکمل کرنے کے بعد آپ نے اپنے قصبہ ہی میں اپنا ایک مطب شروع کیا۔ اللہ نے ہاتھ میں شفا رکھی تھی، مطب خوب چلا۔ امیروں کے ساتھ غرباء بھی آپ کے یہاں معالجہ کے لئے آتے آپ ان کو مفت دوا دیا کرتے اور ان کی دعائیں لیا کرتے تھے۔ کچھ ہی سالوں بعد سرکاری ڈاکٹر کے طور پر منتخب ہوئے اور نواب گنج کے آس پاس کے علاقوں میں آپ نے طبی خدمات انجام دیں۔

ایک وقت تھا جب مغربی یوپی میں دینی تعلیم کا رجحان بالکل نہیں تھا اور نہ ہی کوئی ایسا قابل ذکر ادارہ تھا، جس میں علوم دینیہ کی تدریس وتعلیم کا باقاعدہ نظم ہو۔ اراکین جمعیت اہل حدیث مغربی یوپی کو اس کی فکر لاحق ہوئی اور ایک مرکزی دینی ادارہ کے قیام کا منصوبہ بنا، یہ ۱۹۸۰ء کی بات ہے۔ اس وقت جمعیت کے امیر الحاج محمد یوسف آگرہ والے تھے۔ انہوں نے دیگر اراکین جمعیت کے ساتھ مل کر مناسب جگہ کی تلاش کی تو رچھا میں مرکزی ادارہ کی بنیاد رکھنے کا فیصلہ ہوا اور ۱۹۸۲ء میں حضرت مولانا عبد الوحید رحمہ اللہ

ناظم اعلیٰ دارالعلوم جامعہ سلفیہ بنارس وسابق امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے ہاتھوں المعہد الاسلامی السّلفی کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ ڈاکٹر اسلم صاحب ضلع بریلی کے فعال ارکنان میں سے تھے اور تعلیم و تعلم کے شوقین اور تجربہ کار بھی۔ لہذا المعہد الاسلامی السّلفی کے قیام ہی سے ڈاکٹر صاحب کو ناظم اعلیٰ کی ذمہ داری سونپ دی گئی۔ آنجناب نے قیام معہد سے لے کر ۲۰۰۳ء تک نظامت کی ذمہ داری کو بحسن وخوبی انجام دیا۔ ۲۰۰۳ء میں جب آپ نے اپنی کبرسنی کی بنیاد پر نظامت کے عہدہ سے استعفیٰ دیا، تو جماعت نے آپ کی کبرسنی کو دیکھتے ہوئے استعفیٰ منظور کرلیا مگر اس شرط کے ساتھ کہ آپ تاحیات المعہد الاسلامی السّلفی کے سرپرست رہیں گے۔ ۱۵؍ سال کے لمبے عرصے تک ڈاکٹر صاحب ضلعی جمعیت اہل حدیث بریلی کے بھی ناظم رہے۔ صوبائی جمعیت اہل حدیث مغربی یوپی نے آپ کو ناظم تعلیم نامزد کیا تھا، ساتھ ہی آپ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے بھی تاحیات رکن رہے۔

معہد کی نظامت کے دوران ڈاکٹر صاحب نے مقامی مدارس ومکاتب کو معہد سے ملحق کرانے کا سلسلہ شروع کیا۔ ملحقہ مدارس میں تعلیمی نظام اور امتحانات وغیرہ کی کارروائیاں تعلیمی مرکز المعہد الاسلامی السّلفی کے زیرنگرانی ہی انجام پانے لگیں، ازیں قبل یہ کام ضلعی جمعیت کیا کرتی تھی، تب سے اب تک ملحقہ مدارس کے امتحانات وغیرہ کی ذمہ داری معہد ہی ادا کررہا ہے۔ ڈاکٹر صاحب گاہے گاہے ملحقہ مدارس کے اچانک دورے کیا کرتے تھے اور تعلیمی کارگزاریوں کا جائزہ لیتے۔ بچوں سے ملتے اُن کی تعلیمی استعداد چیک کرتے اور ہلکے پھلکے لہجے میں، ہنستے مسکراتے دلچسپ معلومات دے جاتے تھے۔ قرآنی معلومات خوب پختہ تھیں، اکثر اس کے سوالات پوچھتے اور یاد کراتے۔ معہد کے عربی کلاسز میں تشریف لے جاتے طلبہ سے جنرل نالج، قرآنی معلومات، انگریزی گرامر وغیرہ کے سوالات کرتے اور نہ معلوم ہونے پر ان کے جوابات بتاتے۔ ان کے دور میں پڑھنے والے طلبہ کے ذہن میں آج بھی اونٹ کے منہ میں زیرہ، جس کی لاٹھی اس کی بھینس جیسے انگلش محاورے گردش کرتے ہوں گے۔ میں اس زمانے میں معہد کے عربی کلاسز میں تدریس کا فریضہ انجام دے رہا تھا، ڈاکٹر صاحب کو یاد کرتا ہوں تو یہ ساری باتیں نظروں کے سامنے آجاتی ہیں۔ تعلیمی امور پر اساتذہ سے گھنٹوں تبادلۂ خیال، رائے دینا اور سننا، ساتھ بیٹھ کر کام کرنا یہ سب کچھ مانو جیسے کل کی بات ہے۔ اکثر اوقات رات میں قیام کرتے آخری پہر بیدار ہوجاتے، نماز تہجد کے لئے طلبہ کو جگاتے، طلبہ اپنی سرشت کے مطابق کچھ سوجاتے اور کچھ یادالٰہی میں مشغول۔ جو لوگ دینی تعلیم سے جڑے ہیں وہ حصول علوم دینیہ کے لئے شب بیداری کی اہمیت سے خوب آگاہ ہیں۔ غالباً امام احمد رحمہ کا واقعہ ہے کہ وہ شب بیداری میں کوتاہ افراد کو طالب علم نہ سمجھا کرتے تھے۔ حاشا وکلا!

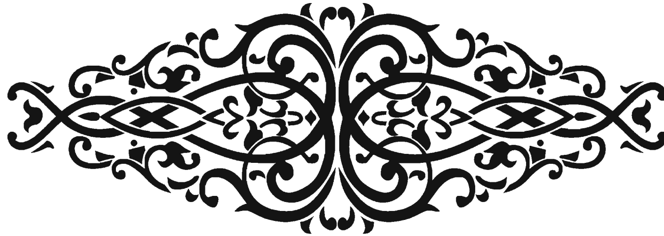
طلبہ کو اکثر کھانے کے آداب سکھاتے، بسیارخوری کے نقصانات بتاتے، کم کھانے کے طبی وشرعی فائدے سمجھاتے۔ کھانا ضائع کرنے سے ڈراتے اور دیگر آداب اسلامیہ کے لئے ذہن سازی کرتے تھے۔ فجر کی نماز کے بعد طلبہ سے ورزش کراتے، ہلکی پھلکی مگر مفید ورزشیں بتاتے اور کرکے دکھاتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنی حد تک طلبہ کی دینی، تعلیمی، جسمانی تربیت کی کوشش کی۔ اللہ انہیں اس کا صلہ عطا کرے۔ ڈاکٹر صاحب، ڈاکٹر ہونے کے باوجود عالمانہ وضع قطع رکھتے تھے، دینی مزاج تھا۔

اسی وجہ سے آپ نے اپنے دونوں بیٹوں کو دینی تعلیم ضرور دلوائی ساتھ میں عصری تعلیم کا بھی خیال رکھا۔آپ کے بیٹے ڈاکٹر محمد شاہد اسلم سلفی مرحوم جامعہ سلفیہ سے فارغ اور اے ایم یو سے پی ایچ ڈی ہولڈر تھے۔انہوں نے ''نواب صدیق حسن خاں۔ حیات وکارنامے'' کے نام سے ڈاکٹریٹ کا مقالہ لکھا،عربی اردو کی کچھ اور کتابوں کے بھی آپ مولف تھے۔دوسرے بیٹے حافظ محمد زاہد عثمانی حافظ ہونے کے ساتھ بی ایڈ پاس ہیں اور فی الحال سرکاری ٹیچر کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔عصری تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم کا حصول ڈاکٹر صاحب کی تربیت کا نتیجہ ہے۔

آج ڈاکٹر صاحب ہمارے درمیان نہیں ہیں۔وہ ۱ /نومبر ۲۰۱۷ء بروز بدھ اس دنیا سے رخصت ہو گئے تاہم ان کی یادیں ہمارے ساتھ ہیں۔تعلیمی مرکز کے منتظمین، اراکین، اساتذہ وطلبہ ڈاکٹر صاحب کی موت پر سوگوار ہیں اور پس ماندگان کے غم میں برابر کے شریک۔ہم اپنے مولائے کریم سے دعا کرتے ہیں کہ اللہ ڈاکٹر صاحب کی قبر کو نور سے بھر دے، روز محشر کی سختیوں سے نجات دے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے۔آمین یارب العالمین!

(ترجمان السنہ / رچھا بریلی / جنوری فروری ۲۰۱۸)





سراپا فیض و مجسم اخلاق

الحاج آفاق احمد خاں عرف چرچل رحمہ اللہ

جوار رحمت میں

وفات دسمبر ۲۰۱۷ء

شمیم احمد ندوی رجھنڈا نگر نیپال

ضلع سدھارتھ نگر علاقہ نوگڑھ کے ایک نیک طینت، شریف النفس، دین پسند، سراپا فیض، صاحب جود وسخا، خوش اخلاق، خوش اطوار، خوش مزاج، جذبہ خیر کے حامل اور باغ و بہار طبیعت کے مالک جناب الحاج آفاق احمد صاحب عرف چرچل ۲۷ ردسمبر کو شب دس بجے اس دار فانی سے بالکل ناگہانی طور پر کوچ کر گئے۔ **انا للہ و انا الیہ راجعون!**

ان کے حادثہ وفات کو ناگہانی اس لئے کہا جائے گا کہ پہلے سے کسی موذی و جان لیوا مرض کا علم نہ ہوسکا، وفات کے روز تک انہوں نے معمول کے مطابق خوش وخرم وہشاش بشاش انداز میں وقت گذارا، ان کو اور ان کے اعزہ و ورثاء کو کسی سنگین تو کیا کسی معمولی بیماری کا بھی احساس نہ تھا اور ان کی ایک خاصیت یہ بھی تھی کہ اپنی تکالیف کو کسی پر ظاہر نہیں کرتے تھے، اللہ نے ان کو غیر معمولی قوت برداشت اور صبر وتحمل کے جذبہ سے مالا مال کیا تھا، اس لئے اگر کوئی اندرونی تکلیف رہی بھی ہو تو انہوں نے کسی پر حتیٰ کہ اپنے گھر کے لوگوں اور بچوں تک پر اس کو ظاہر نہیں کیا۔

گرچہ بیماری سے تقریباً ایک ہفتہ قبل ان کو سینہ میں تکلیف کا احساس اور تنفس کی شکایت ہوئی، لیکن انہوں نے اس کو کچھ زیادہ اہمیت نہیں دی تاہم تتری کے مقامی ڈاکٹر کے مشورہ پر گورکھپور چیک اپ کی غرض سے گئے جہاں کے ڈاکٹر نے اس تکلیف کو گیش کا نتیجہ بتا کر ان کو مطمئن کر دیا، اس طرح امراض قلب کا کوئی علاج نہ ہوسکا۔

وفات سے صرف ایک روز قبل ۲۶ ردسمبر کو ڈاکٹر منظور احمد خاں کے گھر عقیقہ کی تقریب میں شرکت کے لئے کدربٹوا حاضر ہوئے جس کے پیچھے ان کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ وہاں ایک ساتھ زیادہ لوگوں سے ملاقات ہوسکے گی۔ وہ چونکہ انتہائی ملنسار اور خوش اخلاق تھے اس لئے چھوٹی بڑی تقریبات میں جہاں بھی ان کو شرکت کی دعوت دی جاتی حتیٰ الامکان حاضر ہونے کی کوشش کرتے، اس معمول میں انہوں نے کبھی امیر وغریب اور چھوٹے بڑے کی تفریق نہ کی، ان کو تعلقات بنانے اور ان کو نبھانے کا ہنر آتا تھا۔

ان کی وفات سے علاقہ کے مسلم حلقوں کی سماجی زندگی کی رونقیں ماند پڑ گئیں جہاں وہ حاضر ہو کر مختلف طرح کی انفرادی و اجتماعی تقاریب میں شرکت کر کے اپنی خوش طبعی و بذلہ سنجی کا ثبوت دیا کرتے تھے۔

ڈاکٹر صاحب کے یہاں تقریب عقیقہ میں شرکت کے موقع پر انہوں نے اپنی بیماری کا سرسری طور پر انتہائی غیر اہم انداز میں

ذکر کیا تو ڈاکٹر صاحب نے نبض کی رفتار چیک کرنے کے بعد عارضۂ قلب کا خدشہ ظاہر کرتے ہوئے اس کے چیک اپ اور علاج میں غفلت نہ کرنے کا مشورہ دیا، لیکن انہوں نے اس مشورہ کو بھی کچھ زیادہ اہمیت نہ دی تاہم جب مجھ سے ملاقات ہوئی تو میں نے بھی چیک اپ اور علاج کے لئے لکھنؤ چلنے پر اصرار کیا جہاں دو روز بعد میرا بھی جانے کا پروگرام تھا، ۲۷ر کی صبح میں نے اور ڈاکٹر صاحب نے ۲۹ر کو انہیں لکھنؤ لے جانے کا پروگرام اپنے طور پر مرتب کر لیا تھا جسے ان سے گفتگو کے بعد حتمی شکل دینی تھی اس موقع پر میرے بہنوئی اشفاق احمد خاں بھی موجود تھے جنہوں نے اس پروگرام کی تائید کرنے کے ساتھ خود ساتھ چلنا منظور کیا، لیکن اللہ کو تو کچھ اور ہی منظور تھا، اس کے فیصلوں کے آگے ہمارے فیصلوں کی کیا حیثیت نقش برآب سے زیادہ نہیں ہوتی، قضا و قدر کا فیصلہ ہمارے پروگرام اور فیصلہ سے پہلے سامنے آ گیا چنانچہ اسی تاریخ کو رات دس بجے قبل اس کے کہ کوئی بیماری کی سنگینی کو سمجھ پاتا وہ اپنے عزیزوں و ورثاء اور اپنے ارادت مندوں کو سوگوار اور روتا بلکتا چھوڑ کر اس دار فانی سے دار البقا کی طرف کوچ کر گئے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

میرا ان کے ساتھ تعارف تقریباً ۴۲ سال پرانا تھا جب انہیں کے خاندان میں میری بہن کا رشتہ ہوا، چونکہ وہ انتہائی ملنسار وخوش گفتار اور باغ و بہار شخصیت کے مالک تھے اور جلد لوگوں سے بے تکلف ہو جاتے تھے اس لئے اپنے بہنوئی کے بعد اس خاندان میں میری سب سے زیادہ قربت و بے تکلفی انہیں سے تھی، ان کے ساتھ میری یہ رفاقت ۴۲ر سالہ تجربات پر مبنی ہے اور یہ طویل عرصہ کسی کی ذات کی خوبیوں و خامیوں کو جاننے و پرکھنے کے لئے بہت کافی ہوتا ہے، میں نے ذاتی طور پر ان کے اندر خیر کے جذبہ کو غالب پایا ہے۔

ان کا نام والدین نے آفاق احمد لکھا تھا لیکن پتہ نہیں کیونکر انہوں نے چرچل کے نام سے پورے علاقہ میں شہرت پائی اور قریبی لوگ ہی ان کے اصل نام سے واقف ہوں گے، اور اس نام کی ایک تاریخی حیثیت بھی ہے وہ اس طرح کہ جب ۱۹۶۱ء میں آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس کے زیر اہتمام نوگڑھ کانفرنس کے نام سے وہ عظیم الشان و تاریخ ساز کانفرنس منعقد ہوئی جس کی کامیابی جمعیت کا ایک قابل فخر سرمایہ ہے تو جس مکان کو اس کانفرنس کے لئے عارضی دفتر اور قابل قدر مہمانوں کے قیام گاہ و مہمان خانہ کی حیثیت دی گئی تھی اس کا نام آفاق منزل تھا، یاد ش بخیر ان مہمانوں میں سعودی عرب کے سفیر محترم یوسف الفوزان صاحب بھی شامل تھے، اس آفاق منزل کا نام آج بھی مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی پرانی فائلوں میں موجود اور نوگڑھ کانفرنس کی تاریخ میں محفوظ ہے، یہ ''آفاق منزل'' انہیں کے نام پر تعمیر کیا گیا کیونکہ دو بھائیوں کے تمام اولاد میں ہمارے یہی ممدوح سب سے بڑے تھے۔

شاید اسی نسبت کا اثر اور ان کے بزرگوں کی جمعیت و جماعت سے گہری وابستگی کا نتیجہ تھا کہ ان کا بھی جمعیت و جماعت سے گہرا تعلق اور جماعت کے علماء کے ساتھ ان کی گہری عقیدت تادم حیات باقی رہی۔

اس موقع پر یہ عرض کرنا مناسب ہے کہ ان کے والد الحاج عزیز الدین خاں مرحوم اور ان کے چچا الحاج جلال الدین خاں مرحوم کا نوگڑھ کانفرنس کو کامیابی سے ہمکنار کرنے اور اس کے انتظامات کو معیاری بنانے میں بڑا اہم کردار تھا، راقم السطور کو الحاج عزیز الدین خاں کی وفات پر ایک مختصر تعزیتی مضمون گذشتہ سال کے مئی یا جون کے ماہنامہ ''السراج'' میں قلم بند کرنے کی توفیق ملی تھی جس میں ان کے اور ان کے خانوادہ کے جمعیت سے تعلق کو اور دونوں بھائیوں کی نوگڑھ کانفرنس کی کامیابی میں کردار کو اجاگر کرنے کی کوشش

کی تھی، کسی کونہیں پتہ تھا کہ اتنی جلد صرف چند ماہ کے عرصہ میں اور ایک ہی کلنڈر سال میں ان کے ہر دل عزیز بیٹے کا بھی انتقال ہو جائے گا، جنہوں نے اپنے مرحوم والد کی حیات وخدمات پر تحریر کردہ میرا یہ مضمون بہت پسند کیا تھا اور اپنے قریبی لوگوں میں اسے تقسیم کیا تھا، ناچیز کونہیں پتہ تھا کہ اس قدر جلد میرے یہ دیرینہ رفیق بھی ہم سے جدا ہو جائیں گے اور ان کی زندگی پر تعزیتی مضمون لکھنے کا یہ انتہائی ناخوشگوار اور دل آزار فریضہ بھی مجھے ہی ادا کرنا پڑے گا، واضح ہو کہ اپریل ۲۰۱۷ء میں ان کے والد کا انتقال ہوا تھا اور دسمبر ۲۰۱۷ء میں وہ بھی آخرت کے لئے رخت سفر باندھ گئے، **اللهم اغفر له وارحمه وعافه واعف عنه واكرم نزله ووسع مدخله۔**

الحاج آفاق احمد خاں جہاں اپنے اخلاق وعادات اور کریمانہ اوصاف کے لئے علاقہ میں غیر معمولی شہرت رکھتے تھے وہیں اپنی فیاضی ودریا دلی، غرباء ومساکین کی خبر گیری، ضرورت مندوں کی امداد اور تعاون علی البر والتقویٰ کے لئے بھی معروف تھے، کسی ضرورت مند کو خالی ہاتھ لوٹانا پسند نہیں کرتے تھے اور حسب توفیق سب کی مدد کے لئے تعاون دراز کیا کرتے تھے، کسی کی بچی کی شادی ہو، کسی کو اپنے مریض کا علاج کرنا ہو، کسی طالب علم کو دینی علم حاصل کرنا ہو اور کسی کو گھر مکان بنانے میں تعاون کی ضرورت ہو ان سب کی نجی اور انفرادی ضروریات اور مسجد ومدرسوں کی تعمیر وترقی سے لے کر ان کو درپیش ضروریات کی تکمیل میں بھی گراں قدر تعاون کیا کرتے تھے اور بسا اوقات ذمہ داران مدارس کو از خود مدرسوں میں موجود کمیوں کی طرف توجہ دلاتے اور وسائل کی کمی کی شکایت ہونے پر اپنے طور پر اس کا ازالہ کرتے اور درکار ضروری سامان مثلاً: بجلی پنکھا، کولر، جنریٹر اور انورٹر وغیرہ اپنی طرف سے مہیا کرا دیتے، چونکہ وہ دو بڑے بھٹوں کے مالک تھے اس لئے اپنے بھٹوں میں تیار کردہ اینٹ کے ذریعہ وقتاً فوقتاً بلکہ مسلسل لوگوں کی مدد کیا کرتے تھے، کم وسائل کے مالک غریبوں کے مکانوں کی تعمیر میں بھی اینٹوں کی فراہمی کے ذریعہ گاہے بگاہے مدد کیا کرتے تھے اور مدارس کی امداد تو ترجیحی بنیادوں پر کیا کرتے تھے، علاقہ میں چھوٹے بڑے مدارس ومکاتب کی بہتات ہے، ان میں سے بیشتر مدارس کی دامے درمے قدمے سخنے مدد کیا کرتے تھے اور تعمیری کاموں کی صورت میں نقد کے علاوہ اینٹ کی فراہمی کو بھی ترجیح دیا کرتے تھے۔

ان کی ایک نمایاں خوبی علماء کی قدردانی ہے جس کے معترف تمام خاص وعام اور چھوٹے بڑے مولوی حضرات اور جماعت کے معروف علمائے دین سبھی ہیں۔

سب کی حسب مراتب عزت افزائی وقدردانی کرتے اور باہر سے تشریف لائے ہوئے جماعت کے علماء کو باصرار اپنے گھر مدعو کرتے اور ان کی میزبانی ومہمانی کا فریضہ انجام دے کر بہت خوشی محسوس کرتے، خاص طور سے جمعیت وجماعت کے ذمہ داران کا ان کے علاقہ سے گذر ہوتا تو کوشش کرتے کہ کم از کم ایک وقت ان کی ضیافت کر سکیں اگر وقت نہ ہوتا تو خواہ صرف چائے پر ان کو مدعو کرتے اور ان کی صحبت میں کچھ وقت گذار کر بہت فرحت محسوس کرتے، ایسے عالی مرتبت بزرگوں میں ڈاکٹر وصی اللہ عباس صاحب (جن کی نئی قیام گاہ بھی اسی محلہ کجھوریا روڈ میں ہے)، مولانا اصغر علی امام مہدی، مولانا عبدالسلام سلفی اور مولانا عبدالقدوس مدنی صاحبان کے علاوہ صوبائی جمعیتوں کے دیگر ذمہ داران اور مدارس کے نظماء وچوٹی کے اساتذہ شامل ہیں۔

مدارس کے نظم وانصرام کو درست وچاق وچوبند بنانے اور صفائی وروشنی کا خاطر خواہ انتظام کرنے کے سلسلہ میں مدارس کے منتظمین کو مناسب مشورے دیا کرتے اور کوئی کمی دیکھنے پر پیٹھ پیچھے تبصرہ کرنے کی بجائے سامنے آکر توجہ دلاتے، یہ ان کی خیرخواہی کا

تقاضا تھا جس کی وجہ سے ان کی روک ٹوک پر کوئی برا بھی نہیں مانتا۔

ان کے اندر عاجزی وانکساری اور فروتنی کا جذبہ بھی کوٹ کوٹ کر بھرا تھا، آج کل کے زمینداروں یا خوشحال لوگوں کی طرح غرور وتکبر کا ان کے اندر ذرا بھی شائبہ نہ تھا اپنے سے چھوٹے بڑے اور امیر غریب سب سے جھک کر ملتے اور حال چال وخیرت دریافت کرتے، ان کے جنازہ کے موقع پر کچھ لوگوں نے بتایا کہ ابھی کل ہی مدھوبنی سے واپسی پر (جہاں علاقہ کے ایک بزرگ عالم دین مولانا محمد یونس صاحب کی نماز جنازہ میں شرکت کے لئے گئے تھے) مہدیا گاؤں میں رکے اور گاؤں کے غریب لوگوں میں سے کئی کے گھر گئے اور انہیں سلام کرکے خیریت دریافت کی، یہ خوبی بھی کم ہی لوگوں میں پائی جاتی ہے ورنہ آج کا منظرنامہ یہ ہے کہ ہر کوئی اپنے حال اور اپنے عیش وآرام میں مست ومگن ہے اور کتنوں کو اپنے پڑوسیوں کی خبر نہیں۔

عموماً جب گھر پر ہوتے تو پنج وقتہ نماز بدر کی جامع مسجد میں ادا کرتے وہاں بھی طلباء واساتذہ سے ملاقات کرتے، کمیوں کی طرف توجہ دلاتے اور حصولیابیوں پر حوصلہ افزائی کرتے بسا اوقات طلباء کو انعام سے نوازتے۔

ان کی ایک اہم اور نادر ونایاب خوبی کی طرف بھی اس مختصر سے تعزیتی مضمون میں توجہ دلانا چاہتا ہوں، وہ یہ ہے کہ عمر کے اس آخری حصہ میں حرم پاک اور بیت اللہ شریف سے انہیں ایسی گہری عقیدت ہوگئی کہ اس کی زیارت سے ان کی آنکھیں سیر نہیں ہوتی تھیں اور عمرہ وطواف اور حرم کی نفلی نماز سے ان کا دل آسودہ نہیں ہوتا تھا۔

جیسا کہ صحیح حدیث میں سات ایسے خوش نصیب لوگوں کا ذکر ہوا ہے کہ جو میدان حشر میں اس وقت عرش کے سایہ میں ہوں گے جب گرمی کی تمازت اور سورج کی تپش سے دماغ ہانڈی کی طرح کھول رہا ہوگا، ان میں ایک وہ شخص ہوگا جس کا دل مسجد میں اٹکا ہو، حدیث کے الفاظ ہیں: (سبعة يظلهم الله في ظله يوم لا ظل الا ظله ــــــــ) جس میں آگے چل کر ایسے خوش بخت کے بارے میں فرمایا گیا: (رجل قلبه معلق بالمساجد) عام مساجد کی محبت کا دل میں جاگزیں ہونا یا فرض نمازوں کے انتظار میں بے قرار ہونا ایک بڑی سعادت کی بات ہے لیکن جس کا دل حرمین شریفین کی محبت سے سرشار ہو اور جو وہاں نمازوں کی ادائیگی کے لے مضطرب وبے قرار ہو، اس کی خوش بختی کے کیا کہنے جسے اس کی بے پایاں توفیق اللہ نے عطا فرمائی ہو چنانچہ میں ان کے علاوہ کسی ایک بھی ایسے شخص سے واقف نہیں ہوں جو سال کا بیشتر حصہ مکہ ومدینہ اور حرمین شریفین میں صرف طواف وزیارت اور بے پایاں اجر وطاعت کے حصول کے لئے شرائط کے مطابق خطیر مصارف اور قیام وطعام اور سفر کے اخراجات کے مد میں برداشت کرے اور گذشتہ ۵۔۶ برسوں میں تقریباً مستقل طور پر اور اس سے قبل دس سال سے عارضی طور پر وہاں مقیم تھے جس کے پیچھے کوئی تجارتی یا کاروباری مقصد یا مدرسہ وغیرہ جیسی کوئی ضرورت نہ تھی، کیونکہ ہمارے علم میں تو اسی طرح کے لوگ چند متعین مقاصد سے وہاں مستقل طور پر قیام کرتے ہیں مثلاً تعلیم کے لئے، تدریس کے لئے، ملازمت کے سلسلہ میں، کاروبار کے سلسلہ میں یا پھر مدارس ودینی مراکز چلانے والے لوگ ان کے لئے چندہ جمع کرنے اور فراہمی فنڈ کے پیچھے عبادت، طواف، عمرہ اور نماز کے ایک لاکھ گنا ثواب کے علاوہ کوئی اور مقصد نہ تھا، اللہ تعالیٰ اگر شرف قبولیت سے نوازے تو یہ بے پایاں اجر وثواب ہے جس کی توفیق اللہ خوش نصیبوں کو ہی عطا کرتے ہیں۔

میرا پہلا سفر حج اسی سال ۲۰۰۷ء میں ہوا جب ان کو بھی اپنے پہلے سفر حج کی سعادت حاصل ہوئی تھی، الگ الگ ملکوں کے پاسپورٹ پر سفر کرنے کی وجہ سے منیٰ وعرفات اور مکہ میں ساتھ رہنے کا اتفاق تو نہیں ہوا تاہم حرم شریف میں اور اس سے باہر مکہ میں دوران قیام ساتھ ہو جایا کرتا تھا، پھر دو عمرہ بھی ہم نے ساتھ کیا جب کہ وہ مکہ میں پہلے سے مقیم تھے، اپنے رفقاء سفر کے لئے بھی میں نے ان کو مہمان نواز اور خدمات گذار پایا اور ایسے ہی تاثرات ان تمام لوگوں کے ہیں جن کو سفر حج یا عمرہ میں ان کے ساتھ کچھ وقت گذارنے کا موقع ملا۔

وہ اس قدر خوش خلق اور ہر دل عزیز تھے کہ علاقہ کے مسلمانوں کے دلوں میں ان کے لئے بڑی عزت اور چاہت تھی اس کا اندازہ محض ان کے جنازہ اور تدفین کے منظر کو دیکھ کر لگایا جاسکتا تھا، اس سال ہمارے علاقے سدھارتھ نگر اور ملحقہ خطہ نیپال میں انتہائی شدید سردی پڑی، وہ دن ان سرد ترین ایام میں سے ایک تھا، سورج کا دیدار بالکل نہیں ہو رہا تھا، شب و روز کہرا اور بدلی کا زور تھا، انتقال کے اعلان کا بھی کوئی خاص اہتمام نہیں کیا گیا، کسی اخبار میں خبر بھی نہیں آسکی تھی، پھر بھی اتنی بڑی تعداد میں لوگ جنازہ میں شرکت کے لئے حاضر ہوئے کہ مہدیا انٹر کالج کا وسیع گراؤنڈ تنگ نظر آنے لگا، حد نگاہ تک نماز جنازہ کے لئے صفیں نظر آتی تھیں۔

وہ کوئی اس معنیٰ میں مشہور و معروف شخص نہیں تھے جن معنوں میں شہرت کے معیار کو جانا پرکھا جاتا ہے، چنانچہ نہ تو بہت ہی امیر وکبیر شخص تھے، نہ کوئی عالم دین تھے نہ کسی مدرسہ وجامعہ اور کسی بڑے ادارہ کے ناظم تھے اور نہ ہی کوئی سیاسی شخصیت ان کی تھی بلکہ علاقائی وملکی وصوبائی سیاست سے کوسوں دور تھے، غرض کہ شہرت کا جو معیار ہے اس پر وہ مطلق پورے نہیں اترتے تھے پھر جنازہ وتدفین میں اس قدر بڑی تعداد میں لوگوں کی شرکت ان کی ہر دل عزیزی اور مقبولیت عام وخاص کی دلیل ہے، قابل ذکر ہے کہ نماز جنازہ میں علماء وطلبہ اور مدارس ومکاتب کے ذمہ داران ونظماء اور نیک لوگوں کی اکثریت تھی جو کہ علاقہ کے بزرگ عالم دین مولانا محمد ابراہیم رحمانی حفظہ اللہ کی امامت میں ادا کی گئی، نماز جنازہ سے قبل ڈاکٹر عبدالرحمن لیثی حفظہ اللہ نے نماز جنازہ سے متعلق بعض ضروری مسائل کی طرف توجہ دلائی اور مرحوم کے لئے دعائے رحمت ومغفرت فرمائی جب کہ راقم السطور نے چند منٹ کے خطاب میں، ان کی حیات وخدمات، اخلاق وعادات اور زندگی کے بعض معمولات پر روشنی ڈالی۔

پسماندگان میں غم نصیب اہلیہ (بیوہ) کے علاوہ دولڑکے اور ایک لڑکی اور لڑکوں کی ذکور واناث اولاد یعنی پوتے پوتیوں کی ایک مختصر تعداد ہے۔

دونوں لڑکوں کو اپنی زندگی میں ہی اپنے پیروں پر کھڑا کر دیا تھا اور انہوں نے بھٹہ کا پرانا کاروبار خوش اسلوبی کے ساتھ سنبھال لیا تھا اور ان کو فکر معاش سے پوری طرح آزاد کر دیا تھا، یہی وجہ ہے کہ وہ ہر طرف سے مطمئن ہو کر مکہ ومدینہ اور حرمین شریفین میں سال کا بیشتر حصہ گذارتے تھے۔

دونوں لڑکے بھی نیک بخت اور سعادت مند ہیں اور باپ کی خوبیوں سے کسی نہ کسی حد تک بہرہ مند ہیں، نماز روزہ کے پابند اور لوگوں کے ساتھ خوشگوار تعلقات رکھنے اور علماء کی قدردانی میں باپ کے نقش قدم پر ہیں۔

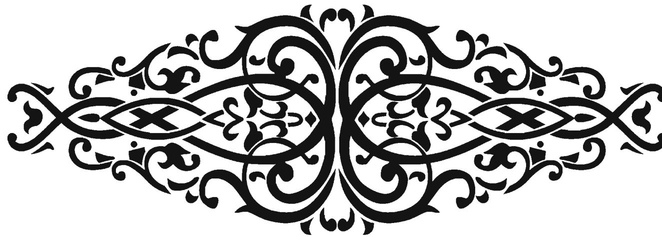
بھٹوں کے کاروبار کے علاوہ چھوٹے لڑکے کا ٹائلس کا ایک بڑا اشوروم ہے اور بڑے لڑکے آرا مشین بھی چلاتے ہیں، اس طرح گھر میں خوشحالی اور آسودگی ہے، لیکن ہر طرح دینداری کا غلبہ ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کی بال بال مغفرت فرمائے، ان کے حسنات کو شرف قبولیت سے نوازے، حرم میں ادا کی گئی ان کی عبادات اور ان کی دعاؤں اور اذکار مسنونہ اور نوافل واعتکاف کو قبول فرمائے اور ان کے نامۂ اعمال میں وہی ثواب عطا فرمائے جس کا اس نے اپنے حبیب کے ذریعہ وعدہ فرمایا ہے، اسی طرح ہر انسان غلطیوں اور خطا ونسیان کا پتلہ ہے اللہ تعالیٰ ان کی خطاؤں ولغزشوں کو درگذر فرماتے ہوئے جنت الفردوس کو ان کا ٹھکانہ بنائے، آمین۔ ساتھ ہی اللہ رب العزت ان کے پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرماتے ہوئے ان کی ہر آزمائش سے حفاظت فرمائے۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

(ماہنامہ السراج جھنڈا نگر جنوری فروری ۲۰۱۸ء)





جمعیت الشبان المسلمین بنارس کے سرپرست اعلیٰ

الحاج محمد قاسم صاحب کی رحلت

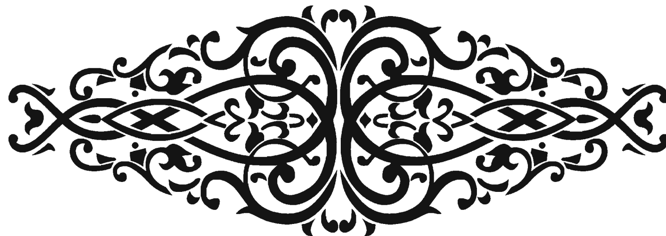
وفات ستمبر ۲۰۱۷ء

محمد جنید عبد المجید مکی

۲۳ر ستمبر ۲۰۱۷ء بروز سنیچر قبیل مغرب الحاج محمد قاسم صاحب کا تقریباً سو سال کی عمر میں انتقال ہوگیا۔ آپ تاحیات جمعیت الشبان المسلمین بنارس کے سرپرست اعلیٰ تھے۔ آپ انتہائی دیندار، صوم وصلاۃ کے پابند اور تہجد گزار تھے۔ اکثر علماء کرام کی صحبت میں رہا کرتے تھے۔ مولانا عبد الوحید سلفی، مولانا عبد القدوس نسیم بنارسی، مولانا عبد الوحید رحمانی، مولانا عبد الحمید رحمانی، مولانا شمس الحق سلفی، مولانا رئیس الاحرار ندوی، مولانا صفی الرحمن مبارکپوری، مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی وغیرہم سے آپ کے گہرے تعلقات تھے۔ آپ توحید وسنت کے علمبردار تھے۔ سلفی وجماعتی غیرت وحمیت آپ کے اندر کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ دینی وسماجی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ کلیہ اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے لئے آپ نے اپنی ذاتی زمین تیرہ ہزار چھ سو اسکوائر فٹ وقف کردیا۔ جس پر کلیہ کی عالیشان چار منزلہ عمارت قائم ہے۔ مناظرہ بجرڈیہہ کے انعقاد اور مدرسہ احیاء السنہ بجرڈیہہ، مدرسہ تحفیظ القرآن الکریم بنارس کی تعمیر وترقی میں آپ کا اہم رول رہا ہے۔ مرحوم کے وارثین میں چار لڑکے اور تین لڑکیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کی نیکیوں کو قبول فرمائے اور ان کو جنت الفردوس میں جگہ دے۔ ان کی بشری کوتاہیوں کو درگزر فرمائے اور ان کے وارثین کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(جریدہ ترجمان۔ ۳۰۔۱۶ نومبر ۲۰۱۷ء)

❑❑❑



محترم جناب مختار احمد صاحب لوہا بھون ممبئی کی وفات

بڑے ہی رنج وغم کی بات ہے کہ جماعت کے معروف تاجر مختار احمد بن ممتاز علی صاحب لوہا بھون ممبئی کا طویل علالت کے بعد صبح گیارہ بجے دن بتاریخ ۲۱ ستمبر ۲۰۱۷ء بروز جمعرات انتقال ہوگیا۔ آپ برسوں جمعیت وجماعت کے کاز سے وابستہ رہے اور ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر نئی دہلی کی مجلس عاملہ وشوریٰ کے ۲۳ اپریل ۱۹۸۵ء ہی سے رکن رہے اور ان دنوں شوریٰ کے رکن تھے، اس کے علاوہ بھی دیگر خیراتی اداروں کو آپ اپنے تعاون سے نوازتے رہتے تھے، جماعت وملت کے بہی خواہوں میں سے تھے۔

(ماہنامہ التبیان اکتوبر ۲۰۱۷ء)



محترم جناب مولانا نسیم احمد صاحب ریاضی وشاکھاپٹنم نہ رہے

۲۴ ستمبر ۲۰۱۷ء بروز اتوار صبح ۸ بجے مولانا نسیم احمد صاحب ریاضی طویل علالت کے بعد اس دار فانی سے کوچ کر گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کئی سالوں سے کومہ میں تھے، آپ کی پیدائش بسکوہر بازار سدھارتھنگر یوپی میں ہوئی لیکن والدین نے موضع تھرولی ضلع بلرام پور میں سکونت اختیار کی۔ جامعہ ریاض العلوم دہلی سے آپ نے سند فراغت حاصل کی اور وشاکھاپٹنم، آندھرا پردیش کو اپنا میدان عمل بنایا۔ واضح رہے کہ آپ مولانا عبدالحق رحمانی رحمہ اللہ موضع تھرولی کے چھوٹے صاحبزادہ اور وشاکھاپٹنم کے معروف داعی مولانا صدیق احمد خاں صاحب رحمانی کے داماد ہیں۔

(ماہنامہ التبیان اکتوبر ۲۰۱۷ء)



الحاج ضیاء الدین گوالیار (مئوناتھ بھنجن) کی وفات

مئوناتھ بھنجن (یوپی) کے ایک صنعتی گھرانے کے چشم و چراغ الحاج ضیاء الدین گوالیار رحمہ اللہ ۲۳/ اگست ۲۰۱۷ء کو انتقال کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ بڑے متدین اور صاحب خیر انسان تھے، دینی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا کرتے تھے۔ جامعہ عالیہ عربیہ مئوناتھ بھنجن کی مجلس منتظمہ کے خصوصی رکن تھے۔ ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر، نئی دہلی اور اس کے تعلیمی اداروں کا خصوصی خیال رکھتے تھے۔ سنٹر کے بانی اور تاحیات صدر مولانا عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ اور اس کے سکریٹری مولانا عاشق علی اثری حفظہ اللہ سے موصوف کے تعلقات بہت گہرے تھے، اسی طرح ان کے لائق صاحبزادۂ گرامی مولانا محمد ارشد عالیاوی اور ان کے دیگر فرزندان بھی مولانا رحمانی رحمہ اللہ اور سنٹر کے سکریٹری اور خود سنٹر سے خصوصی تعلقات پہلے بھی رکھتے تھے اور اب بھی برابر رکھتے ہیں۔ سنٹر کے حالات اور کارکردگی کے بارے میں موصوف پوری جانکاری اور دلچسپی رکھتے تھے۔ دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ موصوف رحمہ اللہ کی مغفرت فرمائے، انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے اور ان کے جملہ پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق سے نوازے۔ آمین۔

(ماہنامہ التبیان اکتوبر ۲۰۱۷ء)



طفیل اشعر ناگپور کا انتقال

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے ناظم مالیات الحاج وکیل پرویز کو صدمہ

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند سے جاری ایک اخباری بیان کے مطابق مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے ناظم مالیات الحاج وکیل پرویز کے بھتیجے طفیل اشعر کا کل صبح طویل علالت کے بعد ناگپور میں انتقال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

جناب طفیل اشعر الحاج وکیل پرویز صاحب کے بھائی جناب جلیل ساز کے صاحبزادے تھے۔ ان کی عمر ۵۲ سال کی تھی۔ وہ شہر ناگپور کے کئی تعلیمی اداروں سے وابستہ تھے اور علمی وسماجی وسیاسی حلقوں میں کافی معروف ومحبوب تھے۔ اسلامیہ جونیئر کالج برائے سائنس آرٹس ناگپور ان کی نگرانی میں چل رہا تھا۔ اسی طرح وہ ڈاکٹر ذاکر حسین بی ایڈ کالج ناگپور کے سکریٹری اور سیاسی طور پر مہاراشٹر اسٹیٹ کانگریس کمیٹی کے جنرل سکریٹری تھے۔ جمعیت کے ذمہ داران خصوصاً امیر جمعیت مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی سے گہری

عقیدت رکھتے تھے۔ ناگپور کے تمام اسفار میں اپنے دولت کدہ پر مولانا محترم کے اعزاز میں خصوصی نشست رکھتے تھے اور تکریم کرتے تھے جو کہ اہل علم و دین سے ان کی گہری محبت کی دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑی خوبیوں سے نوازا تھا۔ پسماندگان میں ایک بیٹا، ایک بیٹی اور بیوہ ہیں۔ ان کی رحلت پر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے امیر جناب مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی اور ناظم عمومی مولانا محمد ہارون سنابلی ودیگر ذمہ داران وکارکنان نے غم وافسوس کا اظہار کیا ہے اور پسماندگان خصوصاً الحاج پرویز صاحب کی دلی تعزیت پیش کی ہے اور دعا گو ہیں کہ بارالٰہا ان کی مغفرت فرما۔ ان کی خدمات کو شرف قبولیت بخش۔ ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرما اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق ارزانی کر۔

پریس ریلیز کے مطابق الحاج وکیل پرویز صاحب کو بھتیجے کی موت سے کافی صدمہ پہنچا ہے۔ کیونکہ الحاج وکیل پرویز صاحب کے تمام سماجی ورفاہی، دینی وجماعتی اور تعلیمی وتربیتی سرگرمیوں میں معاون وہمنوا رہتے تھے۔ ایک سال قبل جواں سال بیٹے اور بیٹی کی موت کا ناقابل برداشت صدمہ سہہ چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ مصیبت کی گھڑی میں مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے ذمہ داران وکارکنان ان کے اور اہل خانہ وخاندان کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔

(جریدہ ترجمان ۱۵۔۱/۱ اکتوبر ۲۰۱۷)



حبیب اللہ باشاہ، تمل ناڈو

بڑے رنج وافسوس کے ساتھ یہ خبر دی جاتی ہے کہ معروف وکیل اور صوبائی جمعیت اہل حدیث تمل ناڈو پانڈیچری کے نائب امیر جناب عبدالجبار سہیل صاحب تمل ناڈو کے والد ماجد مشہور وکیل اور معروف سماجی کارکن جناب حبیب اللہ باشا کا مورخہ ۲۲ نومبر ۲۰۱۷ء کو طویل علالت کے بعد بعمر تقریباً ۸۰ سال انتقال ہوگیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو بڑی خوبیوں اور صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ آپ انجمن حمایت اسلام اسلامیہ یتیم خانہ اور اسلامیہ کالج کرنول کے صدرنشیں تھے۔ آپ نے مختلف اہم حکومتی وغیر سرکاری اداروں کے سربراہ کی حیثیت سے کام کیا۔ آپ مدراس جونیئر چیمبر آف کامرس کے صدر، انڈین جونیئر چیمبر آف کامرس کے لیگل کونسل، مسلم ایجوکیشنل ایسوسی ایشن آف ساؤتھ انڈیا کے نائب صدر، اپولو ہاسپٹل انٹر پرائز لمٹیڈ کے ۲۰۰۱ء سے ۲۰۱۴ء تک آزاد ڈائریکٹر، اپولو ہاسپٹل انٹر پرائز لمٹیڈ کے ۱۹۷۹ء سے ڈائریکٹر، مدراس ہائی کورٹ کے سینئر وکیل، مرکزی حکومت کے سینئر اسٹینڈنگ کونسل، تمل ناڈو حکومت کے پی پی، بعدہ ایڈوکیٹ جنرل وغیرہ۔ آپ نے مدراس یونیورسٹی سے قانون کی تعلیم حاصل کی تھی۔ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے امیر محترم مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی حفظہ اللہ ودیگر ذمہ داران واراکین اور کارکنان نے ان کے انتقال پر گہرے رنج وافسوس کا اظہار کیا ہے اور ان کی موت کو ملک وملت کا بڑا

خسارہ قرار دیا ہے۔اور پسماندگان خصوصاً ان کے اکلوتے فرزند ارجمند جناب ایڈوکیٹ عبدالجبار سہیل صاحب و دیگر دو صاحبزادیوں وغیرہ سے قلبی تعزیت کی ہے۔ اور دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ ان کو جنت الفردوس کا مکین بنائے، پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے اور جمعیت و جماعت اور ملک وملت کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین۔

(جریدہ ترجمان ۱۵۔۱/دسمبر ۲۰۱۷)



عبدالخالق صاحب اندور نہ رہے

ضلعی جمعیت اندور مدھیہ پردیش کے ناظم اعلیٰ کے والد جناب عبدالخالق صاحب ضلعی جمعیت کے سابق امیر تھے بہترین داعی، زیادہ وقت مسجد میں ہی رہنے والے تہجد گذار تھے مورخہ ۲۰/نومبر ۲۰۱۷ء کو اس دارفانی سے کوچ کر گئے۔ان للہ وانا الیہ راجعون۔ (عبدالصمد، ایم پی)

(جریدہ ترجمان ۱۵۔۱/دسمبر ۲۰۱۷ء)



جناب شبیر چودھری کھمریا کی وفات حسرت آیات

۱۰/اپریل ۲۰۱۷ء بروز سوموار جناب شبیر چودھری کا طویل علالت کے بعد اپنے گاؤں کھمریا میں انتقال ہوگیا۔اناللہ وانا الیہ راجعون۔ موصوف بہت ہی نیک طبیعت کے مالک تھے۔ علماء وطلبا کے بڑے قدردان تھے۔کافی دنوں تک تلشی پور میں رہے اور انجمن محمدیہ جرواروڈ کے تعمیری کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے اور بڑی دل لگی کے ساتھ مزدوروں کی نگرانی کرتے تھے۔وہ بڑے مخلص انسان تھے۔اللہ تعالیٰ انہیں غریق رحمت کرے اوران کی لغزشوں کو معاف فرمائے اوران کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبروسلوان کی توفیق بخشے۔

(جریدہ ترجمان ۱۵۔۱/مئی ۲۰۱۷ء)



مولانا مشتاق احمد اثری کونکٹی کا سانحۂ ارتحال

جماعت اہلحدیث کے معروف ومشہور عالم دین مولانا مشتاق احمد اثری رحمہ اللہ معمولی علالت کے بعد ۱۴راپریل ۲۰۱۷ صبح تقریباً دس بجے اپنے خالق حقیقی سے جاملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مولانا رحمہ اللہ نہایت ملنسار، نیک دل اور صوم وصلاۃ کے پابند تھے۔ ہمیشہ نرم مزاجی کا مظاہرہ ان کا شیوہ تھا۔ ہر کسی سے مسکرا کر ملتے تھے، مولانا چھوٹے بڑے سبھی کی نظروں میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ مولانا رحمہ اللہ کی عمر تقریباً ۶۳ سال تھی۔ واضح ہو کہ ڈومریا گنج حلقہ کے موضع کونکٹی کے رہنے والے مولانا مشتاق احمد اثری کا معمولی علالت کے بعد ۱۴راپریل کو چاشت کے وقت انتقال ہوگیا، مولانا طویل عرصہ تک نوگڑھ قصبہ کے معروف گاؤں کڑرا گرانٹ میں برسوں تک امامت وخطابت اور تعلیمی فرائض انجام دیتے رہے۔ لواحقین میں تین بیٹے اور دو بیٹیاں شامل ہیں۔ اللہ لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ اور موصوف رحمہ اللہ کے بشری لغزشوں کو معاف کرتے ہوئے جنت الفردوس میں جگہ دے۔۔ آمین۔

(جریدہ ترجمان ۱۵۔ ۱رمئی ۲۰۱۷ء)



مولانا مستقیم احمد سلفی رجھارکھنڈ

بہت ہی رنج وغم اور افسوس کے ساتھ یہ خبر دی جارہی ہے کہ ہمارے ہم سبق وہر دلعزیز ساتھی مولانا محمد شمیم احمد سلفی متوطن کاٹم کولی، رانچی، جھارکھنڈ کا بروز سوموار ۲۴راپریل ۲۰۱۷ء بوقت صبح پانچ بجے بعمر ۵۵ سال حرکت قلب بند ہونے سے انتقال ہوگیا۔ ان للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالی ان کی حسنات کو قبول فرمائے اور گناہوں سے درگذر فرما کر ان کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ اور ان کے لواحقین کو صبر وسلوان عطا فرمائے۔ آمین۔

مولانا موصوف نہایت با اخلاق، ملنسار، راست گو، شریف النفس، خوش مزاج، صوم وصلوۃ کے پابند اور تہجد گذار باعمل عالم دین تھے۔ غریبوں، مسکینوں کا خاص خیال رکھتے تھے۔ بچوں، بڑوں سب کو عزت واحترام سے بلاتے اور ملاقات کرتے تھے تکریم کرنا ان کی عادت تھی علما اور طلباء کے قدردان تھے۔

مرحوم نے مسجد اور بچیوں کا ایک مدرسہ قائم کیا تھا اور تاحیات اسی خدمت میں لگے رہے جامعہ سلفیہ بنارس سے فراغت کی تھی۔ علمی ذوق اور مطالعہ کا شوق رکھتے تھے۔ پسماندگان میں ان کی بیوہ، چار بیٹیاں اور دو بیٹے ہیں۔ مرحوم کی تدفین ۲۴راپریل ۲۰۱۷ بعد نماز مغرب عمل میں آئی۔ اللھم اغفرلہ ارحمہ وعافہ واعف عنہ۔

(جریدہ ترجمان ۱۵۔ ۱رمئی ۲۰۱۷)

مولوی محمد نذیر صاحب/آندھرا پردیش

احباب جماعت کو انتہائی افسوس کے ساتھ یہ خبر دی جاتی ہے کہ مولوی محمد نذیر صاحب ۴/دسمبر ۲۰۱۷ء کو بوقت اذان فجر اپنے رب حقیقی کے حکم پر اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں، آپ ملک و بیرون ملک سلفی حلقوں میں جانے جاتے تھے۔ آپ کے والد محترم نے بھی اپنی زندگی کا کافی حصہ توحید کی نشر واشاعت میں صرف کیا ہے۔ اور خود مولوی نذیر صاحب بھی مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے ۳۵ سالوں سے زیادہ مجلس عاملہ اور مجلس شوریٰ کے ممبر رہے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ نے صوبائی جمعیت اہل حدیث آندھرا پردیش اور شہری جمعیت اہل حدیث حیدرآباد سکندرآباد میں اپنی خدمات انجام دی ہیں۔ آپ ایک باکمال خطیب تھے۔ معہد عثمان ذوالنورین میں بائیس سال سے زیادہ خطابت ونظامت کے فرائض انجام دیئے ہیں۔ آپ کے ایک خطاب عام سے متاثر ہو کر ورنگل میں قادیانیوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ آپ نہ صرف جمعیت کی فکر رکھتے تھے بلکہ بلا تفریق قوم وملت کے تئیں ایک دردمند دل رکھتے تھے۔ آپ آل انڈیا ملی کونسل اور توحید ایجوکیشنل ٹرسٹ بہار کے ممبر بھی تھے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ آپ کی خدمات کو قبول فرمائے۔ بشری لغزشوں کو درگذر فرما کر جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے۔ احباب ومتعلقین اور پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازے۔ آمین۔

(جریدہ ترجمان ۱۶۔۳۱/دسمبر ۲۰۱۷)



آہ! محترم الحاج مولانا داؤد انصاری جھارکھنڈ کا انتقال

مولانا الحاج محمد داؤد انصاری مقام نرائن پور پوسٹ مدھو پور، دیوگھر جھارکھنڈ ۴/دسمبر ۲۰۱۷ء بروز سوموار صبح ساڑھے پانچ بجے اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ان کی عمر تقریباً ۹۹ سال کی تھی موصوف کی زندگی ثبات قدمی، امانت ودیانت اور غیرت اسلامی کا بہترین نمونہ تھی۔ دین کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے مدھو پور حاجی گلی کی جامع مسجد اور نرائن پور کی جامع مسجد بنوانے میں کافی تعاون کئے حج کرنے کے بعد علماء اہل حدیث کے کافی عقیدت مند رہے۔ خصوصاً مولانا زکریا فیضی سے ہر وقت اور ہر اہم موقع پر ملنے آیا کرتے تھے۔

ان کی جنازہ کی نماز میں تقریباً پانچ ہزار سے بھی زائد لوگوں نے شرکت کی اور جنازے کی نماز نرائن پور کے قبرستان میں دو بجے دن ان کے منجھلے صاحبزادے مسعود عالم فیضی نے پڑھائی پسماندگان میں چار صاحبزادے، چار بیٹیاں اور پوتے پوتیاں، نواسے نواسیاں موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرما کر اپنی جوار رحمت میں جگہ دے۔ اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام پر فائز کرے۔ آمین۔

(جریدہ ترجمان ۱۶۔۳۱/دسمبر ۲۰۱۷ء)



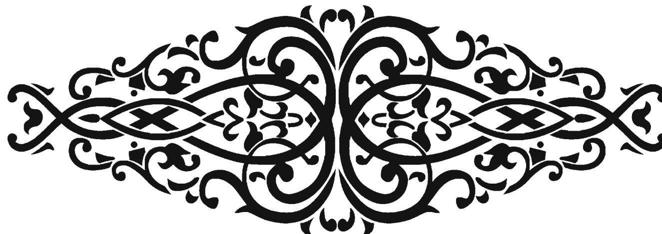
وفات حسرت آیات مولانا عبدالغنی رحمہ اللہ صاحب گنج

انتہائی رنج وغم کے ساتھ اطلاع دی جاتی ہے کہ ضلعی جمعیت اہلحدیث صاحب گنج جھارکھنڈ کے نائب ناظم مولانا عبدالغنی رحمہ اللہ علیہ کا ۲۶ جولائی بروز بدھ بوقت صبح سات بجے ایک سڑک حادثہ میں انتقال ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ وہ کسی ضروری کام سے کشن گنج بہار گئے ہوئے تھے اور بائیک چلا رہے تھے کہ اچانک پیچھے سے ایک ٹرک نے دھکا مارا جس کی وجہ سے مولانا سڑک پر گر گئے اور اسی وقت پیچھے سے آنے والے ایک بس نے مولانا کے ایک پیر اور ایک ہاتھ کو روندڈالا اور آپ کا انتقال ہوگیا۔ دوسرے دن ۲۷ رجولائی بروز جمعرات کو اپنی آبائی قبرستان کدمہ برہیٹ صاحب گنج میں بوقت دن ساڑھے دس بجے تدفین عمل میں آئی۔ ایک جم غفیر نے نماز جنازہ میں شرکت کی۔

فضیلۃ الشیخ جناب اسلم کمال مدنی حفظہ اللہ نائب مدیر مرکز السلام التعلیمی شریکنڈ نے جنازہ کی نماز پڑھائی۔ موصوف کا تعلق ضلع صاحب گنج تھا آپ ایک کرایہ کے مکان میں رہتے تھے اللہ تعالی ان کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین۔ قارئین سے ان کے لئے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

(جریدہ ترجمان جولائی ۲۰۱۷)





باب ہفتم

موجودین علمائے کرام
و
اعیان جماعت
۲۰۱۷ء

ناموں کی ترتیب تاریخ ولادت کے اعتبار سے رکھی گئی ہے۔

عم محترم استاذ گرامی
حضرت مولانا عبداللہ سعیدی حفظہ اللہ تعالیٰ ہرہٹہ تلسی پور یوپی
تلمیذ مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی رحمہ اللہ
پیدائش: ۲۵ جنوری ۱۹۲۰ء

از: عبدالرؤف خاں ندوی

سورج ہوں زندگی کی رمق چھوڑ جاؤں گا
میں ڈوب بھی گیا تو شفق چھوڑ جاؤں گا

مقام وتاریخ پیدائش: ضلع بلرام پور تحصیل تلسی پور کے مرکزی گاؤں ہرہٹہ میں (جو قصبہ تلسی پور سے جنوب جانب ۱۲ کلومیٹر دور اٹوا روڈ پر واقع ہے) عم محترم حضرت مولانا عبداللہ سعیدی حفظہ اللہ کی تاریخ پیدائش موضع ہرہٹہ میں مورخہ ۲۵ جنوری ۱۹۲۰ء ہے۔

نام ونسب خاندانی پس منظر: عم محترم حفظہ کا پورا نام عبداللہ ہے سعیدی مدرسہ سعیدیہ دارانگر بنارس کی طرف انتساب ہے سلسلۂ نسب یہ ہے عبداللہ بن بہاؤالدین بن بدھو خان بن خرم خاں۔

موضع ہرہٹہ میں عم محترم مولانا عبداللہ سعیدی حفظہ اللہ کا ایک خاندان کافی مدت سے خرم خاں کے نام سے آباد ہے جسے اللہ عزوجل نے علم کے ساتھ عمل کی بھی نعمت عظمیٰ عطا فرمائی ہے (صاحب تذکرہ حضرت مولانا عبداللہ سعیدی حفظہ اللہ اور راقم عبدالرؤف ندوی، قاری عبدالقوی اثری، مولانا شفیق الرحمن فیضی، مولانا عطاء الرحمن سعیدی مدنی، مولانا زبیر احمد مدنی، مولانا محمد ظفر محمدی، مولانا اسرار الحق مدنی، مولانا طفیل احمد فیضی، حفظ الرحمن، مولانا ضیاء الرحمن نذیری، مولانا عبدالقیوم سراجی، مولانا ضیاء الحق محمدی، حافظ عبدالخبیر وغیرہم خاندان خرم خان کے چشم وچراغ ہیں) خرم دادا عم محترم حفظہ اللہ کے جدامجد ہیں ان سطور میں عم محترم حفظہ اللہ کے سلسلے میں چند گزارشات پیش کرنا مقصود ہے عم محترم مولانا عبداللہ سعیدی حفظہ اللہ کے والد محترم کا نام نامی بہاء الدین ہے جو میرے دادا ہوتے ہیں، دادا بہاؤالدین رحمہ اللہ زہد وتقوی اور خشیت الٰہی، امانت ودیانت اور شعائر اسلام کی پابندی میں اپنے گاؤں ہرہٹہ کے ممتاز فرد تھے، آپ کا خاندان شرف ومجد، فضل وکمال کا گھرانہ ہے اور اس گھر کے افراد یعنی عم محترم کے والدین اللہ غریق رحمت فرمائے زہد وتقوی اور خشیت الٰہی کی دولت سے مالا مال تھے، عم محترم حفظہ اللہ نے اس پاکیزہ ماحول میں تعلیم وتربیت پائی اور انہیں خوشگوار فضاؤں میں حصول علم کی راہ پر گامزن ہوئے، دادا بہاء الدین بہت ہی نیک خداترین انسان تھے اور ان کی تربیت کا پیارا انداز تھا، ایک دفعہ جماعت چھوڑنے پر دادا بہاء الدین رحمہ اللہ کی گوشمالی کی لذت اب تک محسوس کر رہا ہوں۔

آپ کے کئی واقعات ہیں، طوالت کے خوف سے میں صرف دوواقعات ذکر کرتا ہوں، بقیہ کسی اور موقع کے لئے چھوڑتا ہوں، برادر عزیز مولانا شفیق الرحمن فیضی راوی ہیں کہ (۱) ہمارے گاؤں ہر ہٹہ میں دو مسجدیں ہیں ایک قدیم مسجد ہے جو ہمارے گاؤں کے پاس ہے اس میں صرف پنج وقتہ صلاۃ ادا کی جاتی ہے اور جامع مسجد بیچ گاؤں میں ہے، جامع مسجد کے سنگ بنیاد کا جب وقت آیا تو سوال پیدا ہوا کہ پہلی اینٹ کون رکھے، اس موقع پر جناب الحاج محمد رفیق خاں ایڈوکیٹ بلرامپور سے تشریف لائے تھے، گاؤں کے افراد پر عمیق نظر ڈالنے کے بعد الحاج محمد رفیق ایڈوکیٹ اور گاؤں کے دوسرے لوگوں نے بیک وقت کہا کہ جناب بہاء الدین صاحب سے بہتر کوئی نہیں ہے، دادا مرحوم کو بلایا گیا اور آپ نے ایک عظیم مجمع کی موجودگی میں ہر ہٹہ کی جامع مسجد کا سنگ بنیاد رکھا، (۲) دوسرا واقعہ یہ ہے کہ مولانا محمد عباس سلفی حفظہ اللہ کے والد محترم الحاج حسن محمد رحمہ اللہ راوی ہیں کہ ہم جب آپ کے دادا بہاؤ الدین کی قبر کھود رہے تھے تو قبر سے بڑی اچھی خوشبو آرہی تھی، وہ خوشبو عمدہ اور پیاری تھی وماذالک علی اللہ ببعید اللہ کے نزدیک ایسا ہونا ناممکن نہیں ہے، دادا مرحوم تہجد گذار اور شب زندہ دار تھے، ترمذی شریف کی ایک حدیث ہے کہ اللہ تعالی کو مومن کی تکالیف سے دکھ پہنچتا ہے مومن کی قبر حد نگاہ تک کشادہ ہوجاتی ہے جس سے جنت کی ہوائیں اور خوشبوئیں آتی رہتی ہیں (ترمذی شریف)

دادا دادی مرحومین بہت سی خوبیوں کے حامل تھے بڑے پرہیز گار اور پابند سنت تھے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ دادا دادی کو کشادہ باغ بہشت میں داخل فرمائے آمین۔

ابتدائی تعلیم:

عم محترم حفظہ اللہ نے قاعدہ بغدادی، یسرنا القرآن، ناظرہ قرآن مجید اور اردو کی ابتدائی کتابیں اپنی والدہ محترمہ سے پڑھا، ساتھ میں چچا محمد یسین بھی تھے، ہر ہٹہ گاؤں میں سرکاری اسکول بہت دنوں سے چل رہا تھا، عم محترم حفظہ اللہ نے سرکاری اسکول کے ماسٹر منشی عبدالغفار سے ساتویں کلاس تک پڑھا۔ ہمارے گاؤں ہر ہٹہ میں یہ پہلا دینی مدرسہ جو دادی مرحومہ بچیوں کی تعلیم کے لئے اپنے گھر میں چلا رہی تھیں، یہ خدمت صرف اللہ کی رضا کے لئے مفت انجام دیتی تھیں، عم محترم ساتویں کلاس پڑھ کر مدرسہ زینت العلوم سمرہن کلاں گئے، داخلہ لیا مگر وہاں کا رہن سہن کھانا پینا راس نہ آیا، بمشکل ۶ ماہ رہے پھر گھر آ گئے۔

تحصیل علم کے لئے سفر: عم محترم مولانا عبداللہ سعیدی حفظہ اللہ جب عمر کی کچھ منزلیں طے کر چکے تو آپ نے قصبہ رسولی بارہ بنکی کا رخت سفر باندھا اس وقت قصبہ رسولی کے مدرسہ مدینۃ العلوم کی بڑی شہرت تھی، دور دراز مقامات سے شائقین علم آکر اس مدرسہ میں تعلیم حاصل کرتے تھے اس مدرسہ میں عربی فارسی اردو کے علاوہ ہندی اور انگریزی کی بھی ابتدائی تعلیم دی جاتی تھی، مدرسہ مدینۃ العلوم بارہ بنکی میں عم محترم ایک سال تک مختلف علوم وفنون حاصل کرتے رہے۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء میں: مدرسہ مدینۃ العلوم بارہ بنکی میں مزید اعلیٰ تعلیم کا انتظام نہ ہونے کی وجہ سے عم محترم حفظہ اللہ نے دارالعلوم ندوۃ العلماء کا رخ کیا، ٹیسٹ کے بعد جماعت ثالثہ میں داخلہ ملا، دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ماہر علم وفضل اساتذہ سے ایک سال ۱۹۴۲ء حصول علم میں مصروف رہے دوسرے سال ۱۹۴۳ء کے شروع میں حصول علم میں مصروف تھے کہ اچانک بیمار پڑ گئے، دوا علاج

سے کچھ فائدہ نہیں ہوا، مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی، آخر کار مجبوراً ندوہ کو خیر آباد کہنا پڑا اور گھر آ گئے۔

مدرسہ سراج العلوم جھنڈا نگر میں: عم محترم جب مکمل صحت یاب ہو گئے تو آپ نے مدرسہ سراج العلوم جھنڈا نگر کا رخ کیا اس وقت مدرسہ سراج العلوم میں امام فرائض مولانا عبدالرحمن بجوائی، خطیب الاسلام مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈا نگری، مولانا عبدالشکور دور صدیقی، مولانا احمد ندوی گجراتی جیسے اساطین علم و ماہر اساتذہ مامور تھے جن کی تدریسی مہارت کا بڑا شہرہ و چرچا تھا اور ان کی علمی صلاحیتوں کا دور دور تک ڈنکا بج رہا تھا، علاقہ اور دور دراز کے اکثر مواضعات علم کے پیاسے ان ماہرین درس کے دامن سے وابستہ رہنے کو اپنی زندگی کا حاصل مقصد تصور کر کے ہفتوں مدرسہ سراج العلوم میں پڑے رہتے، ان ماہرین درس اساتذہ کی موجودگی میں مدرسہ سراج العلوم اتنا مزین دلچسپ اور پر رونق ہو گیا تھا، ہر دم نگاہوں میں علمی مباحث و مجالس کے مناظر رہتے جس سے عم محترم حفظہ اللہ کا ذوقِ مطالعہ مزید بڑھتا گیا اور یہاں تقریبا تین سال (۱۹۴۴ء، ۱۹۴۵ء، ۱۹۴۶ء) ذوق و شوق، محنت و لگن سے جماعت خامسہ تک کی تکمیل فرمائی، اس وقت مدرسہ سراج العلوم میں جماعت خامسہ تک تعلیم ہو رہی تھی، سنن اربعہ، شرح وقایہ، قدوری، نور الانوار، متنبی، حماسہ جیسی کتابیں زیر درس رہیں، عم محترم حفظہ اللہ کے ساتھیوں میں مشتاق احمد نوگڑھ، جیش اللہ بیت نار، ابوبکر بہاری، عبدالکریم ششہنیاں، عبیداللہ نوگڑھ، محمد ابراہیم یوسف پور وغیرہ وغیرہ تھے۔

(بحوالہ کاروان سلف جلد دوم مؤلف عبدلرؤف ندوی خود نوشت حالات از مولانا عبدالشکور دور صدیقی)

مدرسہ سعیدیہ دارانگر بنارس میں:

عم محترم حفظہ اللہ کو چونکہ فن حدیث سے لگاؤ و عشق تھا اس لئے اس فن میں مہارت پیدا کرنے کے لئے آپ نے مدرسہ سعیدیہ بنارس کا رخ کیا، اپنے وقت کے جید عالم مشہور محدث حضرت مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی و قاری سعید احمد بنارسی کی بارگاہ فضیلت میں حاضری دی اور ان کی شاگردی کا شرف حاصل کیا، عم محترم مولانا عبداللہ سعیدی حفظہ اللہ نے مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی رحمہ اللہ سے ۱۹۴۸ء میں سند فراغت لی اور مدرسہ سعیدیہ بنارس سے فارغ التحصیل ہوئے، آپ کی سند عالی کا سلسلہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی تک پہنچتا ہے، چلتے چلتے اس عظیم مفسر محدث مناظر خطیب مقرر صحافی فقیہ کا مختصر تعارف ہو جائے۔

مولانا محمد سعید بنارسی محدث کے سب سے بڑے بیٹے مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی تھے جو یکم شوال ۱۳۰۷ھ مطابق ۲۱ مئی ۱۸۹۰ء کو بنارس میں پیدا ہوئے، سات سال کی عمر میں ناظرہ قرآن مجید ختم کیا، پھر قرآن مجید حفظ کرنے کی سعادت حاصل کی، اسی سال قاضی محمد مچھلی شہری کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے سند مسلسل بالاولیۃ حاصل کی پھر علی الترتیب مندرجہ ذیل حضرات سے اخذ علم کیا۔

ا۔ مولانا سید عبدالکبیر بہاری سے فارسی اور صرف اور نحو کی کتابیں پڑھیں،۔(۲) مولانا سید نذیر الدین احمد جعفری ہاشمی سے عربی ادبیات و معانی میں استفادہ کیا (۳) مولانا حکیم عبدالمجید بنارسی سے فقہ، اصول فقہ، منطق و فلسفہ وغیرہ علوم کی تکمیل کی (۴) اپنے والد گرامی مولانا محمد سعید بنارسی سے تفسیر و حدیث کے علوم سے بہرہ ور ہوئے (۵) شیخ حسین بن محسن یمنی سے بھی مستفید

ہوئے (۶) مولانا شمس الحق ڈیانوی (شارح ابوداؤد) سے بعض کتب حدیث پڑھی۔ (۷) محدث پنجاب حضرت حافظ عبدالمنان وزیر آبادی کی خدمت میں بھی حاضری دی اوران سے اکتساب فیض کیا۔

(۸) شیخ العرب والعجم میاں سید نذیر حسین دہلوی کے آستانہ فضیلت کا بھی رخ کیا اوران سے مستفید ہوئے اس طرح انہوں نے وقت کے متعدد مشاہیر رجال علم کی طرف رجوع کیا اوران سے فیضیاب ہوئے۔ ۱۶ برس کی عمر میں فارغ التحصیل ہوکر اپنے والدمکرم کے قائم کردہ مدرسہ سعیدیہ بنارس کی مسند درس پر متمکن ہوئے اور طلبہ کو مختلف درسی کتابیں پڑھانا شروع کیں، تدریس کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف کا آغاز کردیا، نہایت ذہین اور لائق ترین مدرس ومصنف کی حیثیت سے شہرت پائی، تمام علوم وفنون کی درسی کتابیں طلبہ کو خود پڑھاتے تھے، مولانا ابویحییٰ امام خاں نوشہروی کے بقول ۱۳۵۳ھ تک صحیح بخاری اور صحیح مسلم ۲۵ مرتبہ پڑھا چکے تھے، اس وقت ان کی عمر ۵۶ برس کی تھی اور سلسلہ تدریس جاری تھا، مطبع سعید المطابع جوان کے والدمکرم مولانا محمد سعید نے جاری فرمایا تھا اس کی ذمہ داری ان کے سپرد تھی، مولانا بنارسی مناظر بھی تھے، چنانچہ انہوں نے پٹنہ اور الہ آباد میں آریہ سماجیوں کے بعض پرچارکوں سے مناظرے کئے، احناف سے ٹانڈہ ضلع فیض آباد میں مناظرہ کیا، جوعلاج درماندہ کے نام سے کتابی شکل میں چھپا، آپ نے تقریباً چالیس کتابیں لکھیں، مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی ۲۵ نومبر ۱۹۴۹ء مطابق ۳ صفر ۱۳۶۹ھ بروز جمعہ المبارک کو وفات پائی، نماز جمعہ کے لئے مسجد میں وضو کررہے تھے کہ ان پر فالج کا شدید حملہ ہوا اوران کی روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ (بحوالہ کاروان سلف جلداول مؤلف عبدالرؤف ندوی)

مدرسہ فیض محمدی بسکوہر بازار میں تدریس کی بسم اللہ:

مدرسہ سعیدیہ بنارس سے سندفراغت کے بعد ۵۰۔۱۹۴۹ء دوسال اپنے آبائی پیشہ کھیتی باڑی سے منسلک رہے، عم محترم حفظہ اللہ کوعلمی مشاغل جاری رکھنے کا خیال دامن گیر تھا کیونکہ کھیتی باڑی میں پھنسنے سے علم ضائع ہونے کا اندیشہ تھا اس کے علاوہ۔

ذرہ ذرہ سے لگاوٹ کی ضرورت ہے یہاں
عافیت چاہے گر انسان توزمیندار نہ ہو

چنانچہ عم محترم حفظہ اللہ کی بسکوہر کے مدرسہ میں بحیثیت مدرس تقرری عمل میں آئی، آپ نے ۵۲۔۱۹۵۱ء دوسال انتھک محنت کی شب وروز ایک کردیا، آپ کی محنت وفرض کی ادائیگی سے ذمہ داران مدرسہ بہت خوش تھے۔ اسی درمیان آپ کے گاؤں ہرہٹہ کے سربرآوردہ لوگوں نے بلالیا کیونکہ اپنے گاؤں میں عم محترم حفظہ اللہ کی تحریک وترغیب پر مدرسہ کے قیام کی کافی دنوں سے بات چل رہی تھی، ہرچیز کا ایک وقت ہوتا ہے اس لئے گاؤں والوں کے اصرار وخواہش پر بسکوہر سے گھر آگئے۔

مدرسہ ضیاء العلوم ہرہٹہ کا قیام:

اپنے گاؤں میں ایک دینی مدرسہ کی ضرورت عرصہ سے محسوس ہورہی تھی کیونکہ انسان دشمن عناصر کی طرف سے ہماری زبان،

تہذیب وثقافت، ہمارے عقائد ونظریات کو جب دیو مالائی تعلیم کے ذریعہ مسموم کیا جانے لگا اور مذہب اسلام پر چوکھی حملہ ہونے لگا تو انہی مخالف تھپیڑوں نے ہمارے بزرگوں کو خواب غفلت سے بیدار کیا، ہمیں اپنا بھولا ہوا سبق بھی یاد دلایا۔ قوم نے شہر بہ شہر قریہ بہ قریہ علم دین کی شمعیں روشن کیں، ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ ہمارا گاؤں ہر ہٹہ اس نیک کام میں پیچھے نہیں رہا، عم محترم مولانا عبداللہ سعیدی حفظہ اللہ کی تحریک وترغیب پر گاؤں کے چند روشن دماغ اور بیدار مغز لوگوں کے تعاون سے عم محترم استاذ گرامی مولانا عبداللہ سعیدی حفظہ اللہ نے ضیاء العلوم کے نام سے مدرسہ کا سنگ بنیاد ۱۹۵۳ء رکھا اور اسی روز چھپر تلے گھر میں عم محترم نے مولانا عبداللہ سعیدی حفظہ اللہ ومیاں عبدالحلیم رحمہ اللہ نے اللہ کا نام لے کر گاؤں کے چند بچوں کو بٹھا کر تعلیم کا آغاز کر دیا، اسی دن مجلس منتظمہ ومجلس شوریٰ کی تشکیل ہوئی اور عم محترم حفظہ اللہ مدرسہ ضیاء العلوم ہر ہٹہ کے ناظم تعلیمات وصدر مدرس منتخب کئے گئے، آپ دونوں بزرگوں کی مخلصانہ جدوجہد میں اللہ تعالیٰ نے اتنی برکت عطا فرمائی کہ چند برسوں میں گاؤں اور مضافات میں ایک اچھی خاصی ٹیم پڑھے لکھے لوگوں کی تیار ہوگئی، انہوں نے مدرسہ ضیاء العلوم سے نکلنے کے بعد ملک کے مشہور وعظیم اداروں میں اعلیٰ تعلیم کی تکمیل کی، اس وقت علاقہ ضلع صوبہ اور ملک ہی میں نہیں بلکہ بیرون ملک مدرسہ ضیاء العلوم سے پڑھے ہوئے علماء دعوت وتبلیغ، درس وتدریس، تعلیم وتربیت، امامت وخطابت، تصنیف وتالیف جیسے اہم امور کی ادائیگی میں مصروف ہیں۔ یہ سارے لوگ عم محترم حفظہ اللہ کے لئے صدقہ جاریہ ہیں، چالیس سال صدر مدرس کے منصب پر اور لگ بھگ نظامت علیا کے منصب پر ۱۵ سال فائز رہے، نظامت علیا سے استعفیٰ کے بعد آپ کے پوتے مولانا زبیر احمد عبدالمعبود مدنی سلمہ اللہ اس اہم ذمہ داری کو بحسن وخوبی انجام دے رہے ہیں، عم محترم حفظہ اللہ کی اپنے چمن مدرسہ ضیاء العلوم کے لئے ہمہ وقت یہی دعا رہتی ہے ؎

پھلا پھولا رہے یارب چمن میری امیدوں کا
جگر کا خون دے دے کر یہ بوٹے میں نے پالے ہیں

عم محترم استاذ گرامی حفظہ اللہ درس وتدریس، تعلیم وتربیت کے ساتھ مستقل طور پر امامت وخطابت کے فرائض بھی انجام دیتے رہے، آپ کا خطبہ جمعہ موقع ومحل کی مناسبت سے ہوا کرتا تھا۔ جن مسائل وموضوعات پر روشنی ڈالنے کی ضرورت ہوتی تھی اس کو منتخب کرتے، آپ کے وعظ وتقریر کی خاص خوبی یہ تھی کہ موضوع سے متعلق آیات واحادیث کثرت سے لاتے تھے یہی وجہ تھی کہ آپ کی تقریر شوق ودلچسپی سے سنی جاتی تھی اور سامعین کرام پر اس کا اثر ہوتا تھا، آپ اپنے بہترین انداز خطابت اور پر اثر تقریر سے دور دراز علاقوں کے اجلاس عام میں بلائے جاتے تھے۔

واضح رہے کہ چالیس سال تک امامت وخطابت مع نماز جمعہ وعیدین کی ذمہ داری بحسن وخوبی انجام دیئے اور یہ اہم فریضہ آپ نے خالصتاً لوجہ اللہ اور خدمت دین کے جذبہ سے انجام دیا، کبھی معاوضے کے طالب نہیں ہوئے، جو بڑا ہی قابل تحسین امر ہے، آپ کی یہ پاکیزہ زندگی ہم سب کے لئے عبرت ونصیحت اور بہترین اسوہ ہے، آج حال یہ ہے کہ بعض ادارے بعض علماء کرام کو پانچ سو روپیہ یا کچھ زیادہ ایک جمعہ کا عنایت فرماتے ہیں یہ لوگ اپنی اپنی اجرت نقد وصول کر لیتے ہیں، بقایا نہیں رکھتے

کہ معلوم نہیں کہ اللہ کے یہاں یہ اجرت کب ملے۔

عم محترم استاذ گرامی مولانا سعیدی حفظہ اللہ بے حد اصولی اور شریعت کے پابند انسان ہیں، معاملات دنیاوی ہو یا دینی ہر ایک میں شریعت کو مقدم رکھتے ہیں، لین دین کھرا صاف شفاف رکھتے ہیں، آپ ہمیشہ صابر اور قناعت پسند رہے، جب خوشحالی وفراوانی نے دستک دی تب بھی قدم قدم پر اعتدال اور قناعت کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے، کبر ونخوت سے کوسوں دور رہتے ہیں، نصف صدی زائد تک آپ کا درس وتدریس، دعوت وتبلیغ جاری رہا آج ان کے شاگردوں کے شاگردوں کی فیض رسانی کا سلسلہ بھی چل رہا ہے، آپ کی ساری عمر پڑھانے اور خدمت دین میں گذری، آپ خوش نصیب ہیں آپ کی مومنانہ زندگی پر ایک حدیث صادق آتی ہے جو اچھے مسلمان کی پہچان بتائی گئی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے '**من طال عمرہ حسن عملہٗ** جس کی عمر لمبی ہو اور عمل اچھا ہو، ہمارے عم محترم استاذ گرامی صبر وعزیمت کے پہاڑ، علم وعمل کا پیکر، خلوص وللّٰہیت کا مظہر اور ریا ونمود سے کوسوں دور ہیں، علم کے علاوہ عمل کی نعمت سے بھی اللہ تعالیٰ نے خوب نوازا ہے، جس شخص میں علم اور عمل کی خصوصیات جمع ہو جائیں وہ دنیا میں بھی کامیاب اور آخرت میں بھی فوز وفلاح کا مستحق قرار پائے گا۔

اولاد:

عم محترم استاذ گرامی کو اللہ تعالیٰ نے پانچ بیٹوں اور تین بیٹیوں سے نوازا ہے۔(۱) بڑے بیٹے کا نام قاری عبدالقوی اثری ہے جامعہ اثریہ مئو سے فارغ التحصیل ہیں مرکز النجاح الخیریہ بالا پور جروا سے منسلک ہیں۔(۲) دوسرے بیٹے کا نام مولانا شفیق الرحمن فیضی ہے جامعہ فیض عام مئو سے فارغ التحصیل ہیں بزنس کر رہے ہیں(۳) تیسرے بیٹے کا نام مولانا عطاء الرحمن سعیدی مدنی ہے مدینہ یونیورسٹی سے فارغ التحصیل ہیں، اس وقت سعودیہ عربیہ میں جالیات کے شعبۂ دعوت وتبلیغ سے منسلک ہیں۔(۴) چوتھے بیٹے کا نام حفظ الرحمن ہے بزنس کر رہے ہیں۔(۵) پانچویں بیٹے کا نام ضیاء الرحمن نذیری ہے مدرسہ نذیریہ دہلی سے فارغ التحصیل ہیں مدرسہ اسلامیہ کھیری میں مہتمم ہیں۔

تین بیٹیاں ہیں جن کے نام بالترتیب یہ ہیں۔(۱) عذرا خاتون (۲) صغریٰ خاتون (۳) طاہرہ خاتون۔

تینوں بیٹیاں تعلیم یافتہ ہیں اور ان کے شوہر بھی علم کی دولت سے بہرہ ور ہیں، عم محترم حفظہ اللہ کی بہوئیں بھی زیور تعلیم سے آراستہ ہیں یعنی گھر کے سبھی افراد کو اللہ تعالیٰ نے علم سے نوازا ہے سب اپنے گھروں میں خوش وخرم ہیں۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ عم محترم کو صحت کاملہ وعاجلہ عطا فرمائے اور ان کا سایہ ہم لوگوں پر تادیر قائم رہے آمین۔ **تقبل یارب العالمین۔**

(ماہنامہ صوت الاسلام ممبئی ستمبر ۲۰۱۸ء)



مولانا عبدالحئی اصلاحی کھنڈیلوی راجستھان

(پیدائش: ۱۹۲۵ء)

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے نائب امیر مولانا عبدالحئی بن مولانا عبدالغنی راجستھان کے ایک مردم خیز قصبہ کھنڈیلہ میں ۱۹۲۵ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کا خاندان ابتداء ہی سے دینی ومذہبی تھا، شرک وبدعات اور دیگر خرافات سے کوسوں دور تھا، اس لئے آپ کی نشوونما بھی خالص دینی وعلمی ماحول میں ہوئی۔

ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب میں حاصل کی۔ پھر اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے مدرسہ ''مصباح العلوم'' کھنڈیلہ میں داخل ہوکر شیخ الحدیث مولانا عبدالجبار کھنڈیلوی کے سامنے زانوئے تلمذتہ کیا اور ان سے فارسی، نحو وصرف، ادب اور کتب ستہ کی تعلیم حاصل کی۔

آپ کے آباء واجداد کی باڑا ہندوراؤ پرانی دہلی میں گوٹے کی دوکان تھی، چنانچہ آپ دہلی آکر اسی کاروبار سے وابستہ ہوگئے اور ساتھ ہی خارجی اوقات میں مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ کے اساتذہ وشیوخ سے بھی اکتساب فیض کرتے رہے۔ یہ سلسلہ ۱۹۴۴ء سے ۱۹۴۶ء تک جاری رہا۔ اسی دوران مسجد کلاں صدر بازار کے مدرسہ میں مولانا حاکم علی سے بھی معقولات کا درس لیا۔

۱۹۴۷ء میں تقسیم ملک کے نتیجہ میں جب ملک میں بدامنی اور انتشار کا ماحول پیدا ہوگیا اور لوگ پاکستان ہجرت کرنے لگے، تو آپ بھی سندھ چلے گئے، لیکن وہاں کی فضا راس نہ آنے کے سبب جلد ہی واپس دہلی آکر اپنے پرانے کاروبار گوٹے سے جڑ گئے۔ اس پیشہ سے وابستہ لوگوں نے ''گوٹا مزدور یونین'' نام کی ایک کمیٹی تشکیل دی جس کے آپ ایک عرصہ تک صدر رہے۔

اسی طرح ''نگر پالیکا کھنڈیلہ'' کے چالیس سال تک چیر مین رہے۔ اس عہدے پر اتنے لمبے عرصہ تک فائز رہنا اپنے آپ میں ایک ریکارڈ ہے۔ اس دوران پورے قصبہ میں زبردست رفاہی امور انجام دیئے۔ جگہ جگہ نل کوپ لگوا کر عوام کے لئے پانی کا انتظام کیا، روڈ اور نالیاں پختہ بنوائیں، اس طرح کھنڈیلا کو ایک صاف ستھرے قصبہ میں بدل دیا۔ آپ اس وقت بھی ''ضلع کانگریس کمیٹی'' سیکر کے نائب صدر اور ''کھنڈیلہ نگر'' کے صدر ہیں۔

سرکاری منصب پر رہتے ہوئے بھی دینی کاموں اور جماعتی امور میں دلچسپی لیتے رہے۔ چنانچہ نونہالان قوم کی تعلیم وتربیت کے لئے ''مدرسہ خدیجۃ الکبریٰ'' کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا۔

جمعیت اہل حدیث ہند سے شروع ہی سے وابستہ رہے اور جماعتی امور ومعاملات میں برابر دلچسپی لیتے رہے۔ چنانچہ آپ لگ بھگ ۱۸ سال سے نائب امیر جمعیت کے منصب پر فائز ہیں۔ صوبائی جمعیت اہل حدیث راجستھان کے تقریباً ۲۵ سال تک ناظم اعلیٰ اور عرصہ ۲۵ سال تک امیر رہے اور تا حال اسی عہدے پر فائز ہیں۔ اپنے دور نظامت وامارت میں جماعتی اکائیوں کو منظم کرکے مردم شماری کا کام کیا۔ جودھپور، مکرانہ، کھنڈیلا، بیگود، مالی پورا، کیکڑی، سرواڑ، کوٹہ، بھیلواڑا، گنگاپور سٹی اور سوائی مادھو پر جیسے اہم مقامات کا دورہ کیا اور ہر جگہ مقامی جمعیتیں قائم کرکے سب کو اس سے منسلک کیا، صوبائی، ضلعی اور شہری پیمانے پر اجتماعات کئے۔

(جریدہ ترجمان ۱۵۔۱/ مارچ ۲۰۱۲ء)

مولانا محمد ابراہیم رحمانی حفظہ اللہ سدھارتھ نگر

ولادت: ۱۷/ اگست ۱۹۳۲ء

نام ونسب: مولانا محمد ابراہیم رحمانی بن محمد اسماعیل

موضع سکھیا، ڈاکخانہ: شیوپتی نگر، ضلع سدھارتھ نگر یوپی۔

تاریخ پیدائش: ۱۷/ اگست ۱۹۳۲ء (تخمیناً) اور یہی سن تمام کاغذات میں مندرج ہے۔

خاندانی پس منظر: خاندان کی کوئی علمی حیثیت معلوم نہیں، جہاں تک میرے علم میں ہے خاندان ناخواندہ تھا۔ دادا کو تو دیکھا نہیں، البتہ دادی کو دیکھا اور انہیں صوم وصلاۃ کا پابند اور دیندار پایا۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کا ذکر کیا کرتی تھیں۔ میرے آباء واجداد میں سے کسی نے ہندوستان ہی میں اسلام قبول کیا ہے۔

تعلیمی مراحل: ابتدائی تعلیم موضع کے قریب ایک گاؤں سیہا پار میں حاصل کی، پھر دارالہدیٰ یوسف پور میں داخلہ لیا اور یہاں چار سال رہ کر اردو، فارسی اور عربی کے ابتدائی درجات کی تعلیم حاصل کی۔ یہاں کے اساتذہ میں مولانا عبدالاحد (متوفی ۱۹۷۸ء) تھے۔

پھر ۱۹۴۶ء میں قرطبۂ ہند دارالحدیث رحمانیہ دہلی میں داخلہ لیا۔ یہ ادارہ اسوقت فضاء ہند پر کتاب وسنت کی ضیاء پاشی کررہا تھا اور کفر وشرک کے ماحول میں کتاب وسنت کی تعلیم وتربیت میں مصروف تھا۔ یہاں جماعت ثانیہ میں داخلہ ہوا اور اس وقت کے اساتذہ میں جامع المعقول والمنقول مولانا نذیر احمد املوی مبارکپوری، مولانا عبدالصمد مبارکپوری، مولانا رستم علی بنگالی اور مولانا عبدالمجید پنجابی وغیرہم سے ترجمہ قرآن، بلوغ المرام، کافیہ، فصول اکبری، اور مرقاۃ (منطق) وغیرہ کتب پڑھیں۔ لیکن افسوس! یہ سال دارالحدیث رحمانیہ دہلی کا آخری سال تھا اور میرے لئے سال اول اور آخر بھی، یہ میری بدقسمتی تھی کہ ؎

ابھی بچھائے تھے تنکے کہ گر پڑی بجلی
بنانہ تھا، کہ لگی آگ آشیانے میں

اسی سال تقسیم ملک کا نامسعود سانحہ پیش آگیا اور دارالحدیث رحمانیہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بند ہوگیا۔ اس سانحہ خونچکاں کے بعد ۱۹۴۹ء میں دارالعلوم احمدیہ سلفیہ میں داخلہ لیا اور وہاں سے اساتذہ مولانا نذیر احمد املوی رحمانی، مولانا عبیداللہ عاقل رحمانی، مولانا ظہیر احمد رحمانی اور مولانا عبدالجبار کھنڈیلوی وغیرھم سے خوب خوب اکتساب علم کیا۔

جب مولانا نذیر احمد رحمانی ۱۹۵۰ء میں جامعہ رحمانیہ بنارس تشریف لے گئے تو میں نے بھی وہیں داخلہ لیا اور سند فراغت حاصل کی۔ جامع مسجد اہل حدیث مدن پورہ بنارس میں خاتم المحدثین، بقیۃ السلف، زبدۃ الخلف شیخ المشائخ، شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانی مبارکپوری (صاحب مرعاۃ المفاتیح) کے دست نے ماہ شعبان ۱۳۷۳ھ کو دستار فضیلت باندھی۔ یہیں سے الہ

آباد بورڈ سے فاضل ادب و دینیات کا امتحان پاس کیا۔

تدریس: تعلیم سے فراغت کے بعد جامعہ رحمانیہ بنارس ہی میں چھ سال تک اپنے اساتذہ کرام کے زیر سایہ تربیت عربی درجات میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے، لیکن وہاں کی آب وہوا راس نہ آنے کی وجہ سے صحت برابر بگڑتی رہی اس لئے بادل ناخواستہ ۱۹۶۲ء میں جامعہ رحمانیہ کو خیر باد کہہ کر اپنے وطن کے مشہور ادارہ دارالہدیٰ یوسف پور آ گیا اور ۱۹۹۳ء تک حیات مستعار کا قیمتی حصہ تدریس ودعوت وتبلیغ میں گزارا۔ اس لمبی مدت میں میں نے کیا کھویا کیا پایا یہ تو اللہ کو معلوم ہے لیکن اتنا ضرور ہے کہ ایک گنہگار اور بے علم وعمل ہونے کے باوجود اللہ کے دین کی خدمت میں، درس وتدریس اور دعوت وتبلیغ میں برابر لگا رہا۔ ؎

حاصل عمر نثارے سرِ یارے کردم
نازم از زندگی خویش کہ کارے کردم

ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم۔

دارالہدیٰ یوسف پور یوپی گورنمنٹ سے گرانٹ یافتہ اور منظور شدہ ادارہ ہے، لہٰذا ساٹھ سال کی عمر میں تدریسی خدمات سے سبک دوش کر دیا گیا۔ چنانچہ موضع سپاٹو پورا شیوپتی نگر میں قائم مدرسہ البنات جامعۃ الطیبات میں چند سال بچیوں کی تعلیم وتربیت میں مصروف رہا۔

دریں اثناء نوشتہ تقدیر دوبارہ غالب آیا اور قسمت نے پلٹی کھائی، دوبارہ پھر یوسف پور آ کر تعلیم وتدریس میں مصروف ہوں اور سن فراغت (۱۹۷۳ء) کے بعد سے جو سبق شروع کیا تھا وہی آج بھی (۱۴۲۸ھ) میں پڑھ اور پڑھا رہا ہوں۔ اللہ پاک سے دعا گو ہوں کہ ۵۵ سالوں سے جس اشرف المشاغل میں لگا ہوں تادم واپسیں اس میں مشغول رکھے۔ آمین۔

تلامذہ: میرے تلامذہ میں کچھ ایسے بھی ہیں جن کے ۳ پشت کو میں نے پڑھایا ہے اور زمرۂ تلامذہ میں ایسے آفتاب وماہتاب ہیں جو میری توصیف وتعریف سے ماوراء ہیں۔ بلکہ ان کا ذکر کر کے میں ہی اپنا قد اونچا کر لیتا ہوں۔ جیسے دکتور وصی اللہ عباس، دکتور عبدالوہاب خلیل الرحمن (متوفی ۲۰۰۶ء) دکتور عبدالقدوس محمد نذیر، دکتور عبدالعلی ازہری مئوناتھ بھنجن، شیخ نعیم الدین مدنی الہندی وغیرہم کثر اللہ سوادھم۔

موجودہ مجال کار: اس وقت بھی سابق کی طرح جامعہ دارالہدیٰ یوسف پور میں تدریسی خدات انجام دے رہا ہوں۔ حسن خاتمہ کی تمنا ہے اور اس کے لئے تیاری اور کوششیں جاری ہیں۔ **فاذا فرغت فانصب والیٰ ربک فارغب اور فسبح بحمد ربک واستغفرہ انہ کان توابا** پر حتی الامکان عمل کر رہا ہوں۔ **وفقنا اللہ لما یحب ویرضاہ۔** (خود نوشت)

(تراجم علمائے اہل حدیث۔ ۱/۳۸۶)

فارم اہل حدیث انسائیکلو پیڈیا



جامعہ خیر العلوم اور خیر ٹیکنیکل سوسائٹی ڈومریا گنج کے روح رواں

عزت مآب جناب ڈاکٹر عبدالباری خان صاحب سے ایک اہم انٹرویو

ولادت: ۱۹۳۵ء

شاہین ریاض

س: آپ کی تاریخ پیدائش، تعلیم اور خاندانی پس منظر کے بارے میں آپ کے خیالات جاننا چاہوں گی:

ج: میری تاریخ پیدائش اگست ۱۹۳۵ء موضع کنڈو ضلع بلرام پور میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ سراج العلوم کنڈو بونڈیہار ضلع بلرام پور میں ہوئی۔ ۱۹۴۷ء میں مولانا عابد علی رحمانی رحمہ اللہ اور مولانا عبدالسلام صاحب رحمانیؒ کے ساتھ ملک کے مشہور درسگاہ دارالحدیث رحمانیہ دہلی میں داخلہ لیا، لیکن تقسیم ہند کے نتیجہ میں ملک کے اندر جو غیر یقینی حالات پیدا ہوئے، اس نے سب کو متاثر کیا۔ تین ماہ اور ۱۳ دن دارالحدیث رحمانیہ میں گزارنے کے بعد نومبر ۱۹۴۷ء میں اپنے گھر واپس آ گئے۔ اس کے بعد مولانا محمد اقبال صاحب رحمانیؒ کی ایما پر جامعہ رحمانیہ بنارس میں داخل ہوا۔

عالمیت مکمل کرنے کے بعد تکمیل الطب طبیہ کالج لکھنؤ میں ایڈمیشن لیا، طب کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد ۲۷ر دسمبر ۱۹۶۰ء میں ڈومریا گنج ضلع سدھارتھ نگر، میں اپنا ذاتی مطب قائم کیا، علاقہ و جوار میں مریضوں کے علاج کے لئے بذریعہ سائیکل جایا کرتا تھا، بعد میں ایک موٹر سائیکل بھی خرید لی، جس سے آنے جانے میں سہولت پیدا ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس پیشہ میں زبردست کامیابی سے ہمکنار فرمایا۔

س: تعلیم و تربیت کے لئے شروع میں آپ نے کیا قدم اٹھایا؟

ج: ۱۹۶۸ء میں اپنے مکان کے پچھم روڈویز بس اسٹاپ سے متصل ایک زمین مسجد کے لئے خریدی، اس میں اینٹوں کی دیوار تیار کر کے چھپر رکھ دیا گیا۔ نماز پنج وقتہ کی ادائیگی نیز خطبہ جمعہ کا اہتمام کیا جانے لگا۔ علاقہ کے مشہور و معروف عالم دین حضرت مولانا عبدالقدوس صاحب رحمانی ٹکریا رحمہ اللہ کا زبردست تعاون حاصل ہوتا رہا، آپ برابر خطبہ جمعہ دیا کرتے تھے، آپ کی خطابت کتاب و سنت کی روشنی میں بڑی موثر اور مدلل ہوا کرتی تھی، اس کے بعد کھپریل کی مسجد تعمیر ہوئی، اور اسی کے متصل بچوں کی تعلیم کیلئے ایک مکتب کا قیام عمل میں آیا جس کا نام مدرسہ ابوبکر الصدیق الاسلامیہ" رکھا گیا۔ آج تک اللہ کے فضل سے یہاں ڈومریا گنج کے بچے اور بچیاں تعلیم حاصل کرتی ہیں اس وقت تقریباً ۱۰/ اساتذہ و ملازمین درس و تدریس کی خدمات انجام دے رہے ہیں، مسجد عالیشان پختہ بنی ہوئی ہے، ڈومریا گنج کے علاوہ قرب و جوار کے مصلیان خطبہ جمعہ سے مستفید ہوتے ہیں اور نماز جمعہ کی ادائیگی کرتے ہیں، جامعہ اسلامیہ خیر العلوم کے مختلف شعبوں کے باصلاحیت اساتذہ کرام اس فریضہ کو اپنی اپنی باری کے مطابق انجام دیتے ہیں۔

س: ڈومریا گنج کی اکثر آبادی بریلیوں پر مشتمل ہے کچھ مقلد حضرات حنفی المسلک ہیں جب کہ اہل حدیثوں کی تعداد صفر کے برابر تھی۔ کیا مسلک ومنہج سلف کی اشاعت میں آپ کو کوئی دشواری پیش آئی ؟

ج: دیکھئے جب آدمی کا عزم بلند ہوتا ہے تو اس کی نگاہ اقلیت واکثریت پر نہیں ہوتی، میں گاہے بگاہے عوام الناس کو کتاب وسنت، توحید خالص اور عقیدہ صحیحہ سے وابستہ کرنے اور بدعات وخرافات سے لوگوں کو دور رکھنے کے لئے دینی واصلاحی اجلاس عام کا انعقاد کرتا تھا، جس میں جماعت کے مقتدر علماء کرام کے علاوہ ملک کی مشہور یونیورسٹیوں کے ذمہ داروں کو مدعو کرتا تھا اور وہ اپنی تقریروں اور مفید آراء سے عوام الناس کو مستفید کرتے تھے۔ ان میں خطیب الاسلام مولانا عبدالرؤف رحمانی (رکن رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ) نیپال، مولانا محمد اقبال رحمانی بونڈیہار، مولانا اقبال حسین صاحب ریوواں اور مولانا حفیظ اللہ صاحب مہوا وغیرہ کی شرکت ہوتی تھی۔

علاقہ کی ایک متدین اور بزرگ عالم دین حضرت مولانا ممتاز علی کرتھی ڈیہہ سے میرے تعلقات بہت اچھے تھے۔ وہ ہمیں اپنے قیمتی نصیحتوں سے نوازا کرتے تھے، ان کا رعب ودبدبہ برابر غالب رہتا تھا، مولانا سے ملاقات کے لئے جب ان کے گھر جاتا تو اسلامی وضع قطع کے ساتھ حاضر ہوتا، بغیر کالر والا کرتا زیب تن کر کے جاتا تھا، غیر مسلموں اور مختلف مکاتب فکر کے لوگوں سے میرے تعلقات بہتر تھے، اور یہ اس لئے کہ تعلیم وتربیت اور دعوت واصلاح کے سلسلہ میں میں لوگوں کے درمیان اچھوت نہ بن کر رہ جاؤں، الحمد للہ اس کا اچھا نتیجہ برآمد ہوا۔

س: جامعہ اسلامیہ خیر العلوم کا قیام کب عمل میں آیا اور کیسے؟

ج: ۱۹۷۹ء میں جامعہ اسلامیہ خیر العلوم کا قیام عمل میں آیا، حاجی شہادت حسین (پرسا عماد) اور ان کے صاحبزادوں نے اپنی زمین جولب روڈ واقع تھی، اس پر جامعہ اسلامیہ خیر العلوم کی عمارت بنوانے میں بڑی دلچسپی کا مظاہرہ کیا، اللہ رب العالمین ان حضرات کو اس کا بہترین اجر عطا فرمائے۔

س: اس سوسائٹی کے تحت اور مزید کتنے ادارے قائم ہوئے، ان تمام اداروں میں اساتذہ وملازمین، بچوں اور بچیوں کی تعداد کیا ہے؟

ج: معہد دار الایتام (۱۹۸۸ء) مدرسہ ابی بن کعب لتحفیظ القرآن (۱۹۹۲ء) کلیۃ الطیبات نسواں کالج (۱۹۸۱ء) مرکز الدعوۃ الاسلامیہ (۱۹۹۴ء)، خیر ٹیکنیکل پرائمری اسکول ڈومریا گنج، خیر پبلک جونیر ہائی اسکول ہاشم پارہ بلرام پور (۲۰۰۳ء)، خیر ٹیکنیکل سنٹر کا قیام (۱۹۹۵ء) میں عمل میں آیا۔ خیر ٹیکنیکل سنٹر کا سنگ بنیاد سید حامدؒ صاحب وائس چانسلر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے رکھا جس میں کمپیوٹر، الیکٹریشین، ویلڈر، جوتا سازی، آٹو موبائل، ٹائپنگ، سلائی، کٹائی کا کام سکھایا جاتا ہے۔ سنٹر کے کئی شعبہ جات آئی ٹی آئی سے منظور شدہ ہیں۔ اور اس سنٹر کے تحت جامعہ ہمدرد دہلی سے بی بی اے، بی سی اے وغیرہ کا کورس تین سالہ ڈگری بطور فاصلاتی تعلیمی سنٹر کے طور پر کرایا جاتا ہے۔

ان اداروں کے قیام میں شیخ محفوظ الرحمن رحمہ اللہ کا زبردست تعاون رہا ہے، بلکہ اگر میں یہ کہوں تو بے جا نہ ہوگا کہ آج تک تعلیم

وتربیت کے میدان میں اس سوسائٹی کے تحت جو پیش رفت ہوئی ہے وہ موصوف کی رہین منت ہے۔اللہ رب العالمین آپ کی لغزشوں کو معاف فرمائے اور آپ کی خدمات کو قبولیت کا شرف عطا فرمائے۔

جامعہ اسلامیہ خیر العلوم کی شرعیہ کالج میں ۱۷۵ طلبہ، کلیۃ الطیبات نسواں کالج میں ۱۴۴۲ طالبات، شعبہ تحفیظ القرآن میں ۸۲، یتیم خانہ میں ۱۴۰۲، مکتب ابوبکر صدیق میں ۴۲۵، خیر ٹیکنیکل پرائمری اسکول میں ۵۵۲، خیر پبلک ہاشم پارہ ۳۴۷، خیر ٹیکنیکل ہائی اسکول ۲۷۷، اس طرح کل مجموعی تعداد طلبہ وطالبات ۵۰۵۰۔تعداد اساتذہ ۱۸۶، تعداد غیر تدریسی عملہ ۹۰۔ ہاسٹل میں مقیم طلبہ وطالبات کی تعداد ۲۰۰۰ ہے جن کے کھانے پینے اور رہائش کا انتظام یہ سوسائٹی کر رہی ہے۔

اس کے علاوہ رفاہی کاموں میں یہ سوسائٹی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی ہے، عید کے موقع پر کپڑوں، افطاری، عیدالاضحیٰ کے موقع پر قربانی کا گوشت، غریب ونادار اور یتیم بچیوں کی شادی اور ان کی دوا وعلاج کے لئے مالی امداد کے ذریعہ ان کی بھرپور مدد کرنے کا عمل بھی جاری ہے۔

س: اب جب کہ آپ عمر طبعی کو پہنچ گئے ہیں لیکن آپ کا عزم وحوصلہ جوان ہے اس کا راز کیا ہے؟

ج: اللہ تعالیٰ کا محض یہ فضل ہے کہ مجھ جیسے حقیر گنہ گار سے دین کا کام لے رہا ہے، یہ اس کی مشیت پر منحصر ہے، وہ جس سے چاہے جو کام لے سکتا ہے چوں کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ حالات روز بروز نئی کروٹ لے رہے ہیں اگر نئی نسل کو دینی تعلیمات سے آراستہ نہ کیا گیا تو یہ پودا کھڑ کر برباد ہو جائے گی اور معاشرہ میں اس کے نتیجہ میں دین بیزاری، بے راہ روی پیدا ہو جائے گی، اس لئے بڑی جدوجہد کے ساتھ وقت کا استعمال کر رہا ہوں، پتہ نہیں کب پروانہ اجل آجائے۔

س: آپ نے لکھنو طبیہ کالج سے بی یو ایم ایس کیا اور اس پیشہ سے آپ کو زبردست کامیابی ملی کیا آپ کا اپنے ضلع میں اس طرح کا کوئی طبیہ کالج قائم کرنے کا منصوبہ ہے، جب کہ اللہ نے آپ کو وسائل واسباب فراہم کر رکھا ہے؟

ج: چوں کہ میں اپنی عمر کے آخری پڑاؤ پر ہوں، اس سلسلے میں کافی محنت اور دوڑ دھوپ کی سخت ضرورت پڑے گی، یہ تو وقت کی اور علاقہ وضلع کی ایک اہم ضرورت ہے، اللہ سے دعا کیجئے کہ ہمارے معاونین کو اس سلسلہ میں پیش قدمی کی توفیق بخشے، اللہ کی ذات سے امید ہے کہ وہ راستہ ضرور پیدا کرے گا۔

س: اس وقت آپ کی تعلیمی ورفاہی کاروان میں کون کون آپ کے معاون ہیں؟

ج: ہمارے معاونین کی فہرست تو طویل ہے، لیکن چند ناموں کے ذریعہ اشارہ کر دینا مناسب سمجھتا ہوں جو ہماری کاز کی بھرپور حمایت کرتے ہیں بلکہ اپنے مفید مشوروں اور بہترین کارکردگی کے ذریعہ ہماری معاونت کرتے ہیں۔شیخ محفوظ الرحمنؒ کے دونوں صاحبزادے، شیخ عبید صدر جامعہ اور شیخ محمد نائب صدر اور جامعہ کے نائب ناظم مولانا فخر الدین ندوی صاحب اور مشیر خاص جناب ڈاکٹر فیضان احمد، انجینئر ارشاد احمد اور افضال احمد وغیرہم، اللہ تعالیٰ ان حضرات کو اخلاص عطا فرمائے اور دین وملت کے راستہ میں ان کی دوڑ دھوپ کو قبولیت عطا فرمائے۔

س: آپ کی ان خدمات کی بدولت کس نے مِنی سر سید کا لقب دیا تھا اور کس مناسبت سے؟

ج: جامعہ اسلامیہ خیر العلوم ڈومریا گنج کی جانب سے یکم نومبر ۲۰۰۳ء کو ایک تعلیمی کنونشن منعقد ہوا تھا، جس میں سید حامد علیؒ سابق وائس چانسلر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے تعلیم کے موضوع پر ایک موثر خطاب فرمایا تھا، اور آپ نے اس میں اس بات کا تذکرہ کیا تھا کہ اس پسماندہ علاقہ میں ڈاکٹر عبدالباری صاحب نے جو مختلف انداز کی دینی وعصری درسگاہیں قائم کی ہیں اس کا سہرا انہیں کے سر ہے، اور انہوں نے کہا کہ اگر ڈاکٹر عبدالباری صاحب کو ''منی سرسید'' کا لقب دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ یہ آپ کی میری متعلق محض خوش گمانی تھی جب کہ حقیقت یہ ہے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی مہربانی کا نتیجہ ہے۔

س: آپ کے تمام شعبوں میں ویسے تمام شعبے اپنی جگہ اہمیت کے حامل ہیں، لیکن شعبہ ''مرکز الدعوۃ الاسلامیہ'' کے بارے میں کچھ جاننا چاہتی ہوں؟

ج: اللہ تعالی نے انسان کو دنیا میں جو وجود بخشا اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ وہ صرف اللہ رب العالمین کی ہی عبادت کرے، اور صحیح عقیدہ پر ہمیشہ قائم ودائم رہے، اس کے تمام اعمال کا حساب بروز جزا ہوگا۔

اس مرکز کے قیام کا مقصد دعوت وارشاد، تبلیغ واصلاح ہے ایک اچھی تعداد میں دعاۃ دعوت وتبلیغ کا کام انجام دیتے ہیں اور مختلف مساجد میں خطبہ جمعہ، اور دروس کا انتظام ہوتا ہے، الحمدللہ اس کا ثمرہ اچھا برآمد ہورہا ہے، اس سنٹر کے تحت دوماہی مجلہ ''الفرقان'' شائع ہوتا رہا ہے، جس کے ۴۷ شمارے اب تک نکل چکے ہیں جس کو علمی، تحقیقی اور ادبی دنیا میں ایک مقام اور اعتبار حاصل ہے، اب ادھر اس کا نام تبدیل کر کے ''مجلہ الخیر'' رکھا گیا ہے، جس کے دو شمارے اب تک منظر عام پر آچکے ہیں۔ (اور اب یہ پھر الفرقان کے نام سے نکل رہا ہے)

س: ڈاکٹر صاحب! انسانی زندگی میں حالات یکساں نہیں رہتے، اس طرح دیگر تنظیموں اور اداروں کے ساتھ اس طرح حالات میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے کیا آپ نے اس سوسائٹی کو خود کفیل بنانے کے لئے کوئی عملی کام کیا ہے؟

ج: میری کوشش یہی ہے کہ اس سوسائٹی کو خود کفیل بنا سکوں۔ کیوں کہ سرد وگرم دھوپ چھاؤں سے ہر ادارہ کو گزرنا پڑتا ہے، مختلف جگہوں جیسے موضع ڈوکم، نوگڑھ میں زراعتی اراضی خریدی گئی ہے، جس میں کاشت ہوتی ہے اور طلبہ وطالبات کے کھانے کے لئے گیہوں، چاول اور دیگر اجناس حاصل ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ لکھنؤ، دہلی، اور ممبئی وغیرہ میں سوسائٹی کے لئے زمین خرید کر اس پر دوکان اور گودام اور رہائشی مکانات کی تعمیر کی گئی ہے جس سے کرایہ حاصل ہوتا ہے تاکہ مستقبل میں بھی یہ سوسائٹی خود کفیل ہو کر بہتر انداز میں اپنے مشن کو جاری رکھ سکے۔

س: میں نے آنجناب کا بہت قیمتی وقت لیا پھر بھی معذرت چاہتے ہوئے آپ سے آخری گزارش ہے کہ نئی نسل کو آپ اپنے پیغام سے ضرور نوازیں گے؟

ج: میرا پیغام یہ ہے کہ قوم وملت کے بچے دینی وعصری علوم سے روز بروز پیچھے ہوتے جارہے ہیں، ان کو سخت محنت کرنے کی ضرورت ہے تبھی کامیابی ملنی ممکن ہے، یہ دور مسابقہ اور مقابلہ کا ہے، تھوڑی سی غفلت کا نتیجہ نہایت ہی بھیانک ہوگا۔ وقت کا صحیح استعمال

ضروری ہے، کیوں کہ قدرت کا یہ انمول تحفہ ہے، اس کی جتنی قدر کی جائے کم ہے، کیوں کہ ماضی کی تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ مسلمانوں کے عروج وارتقاء کا ایک خاص سبب وقت کو منظم انداز میں صحیح استعمال کرنے کا تھا، کیوں کہ حصول کامیابی میں ٹائم مینجمنٹ تکنیک کا بھی کمال ہوتا ہے جن لوگوں نے علمی، تحقیقی، رفاہی دنیا میں اپنی ایک الگ شناخت بنائی اس کی صرف ایک وجہ تھی کہ انہوں نے یقیں محکم، عمل پیہم اور ایک دوسرے سے لگاؤ ومحبت کے رشتوں کے ذریعہ میدان کو سر کیا۔ بقول علامہ اقبال:

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم
جہاد زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

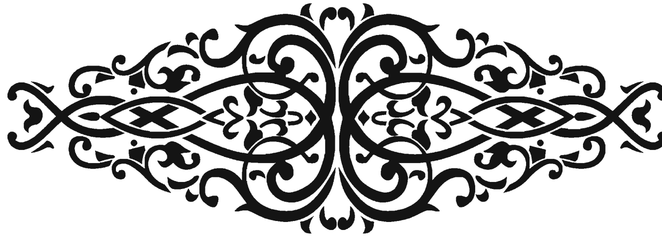
ایک بات نوٹ کر لیجئے کہ وقت کسی کا انتظار نہیں کرتا وہ تو پگھلتے برف کی طرح آسمانوں میں اڑتے بادلوں کی طرح رواں دواں رہتا ہے۔ اس کو انگریزی میں یوں کہا گیا ہے:

''Control your Time otherwise it will be contrd.''

''اپنے وقت کو اپنے بس میں رکھو، ورنہ وہ تم کو اپنے بس میں کرے گا''

(مجلہ الطیبات: ۲۰۱۴۔۲۰۱۵ء ڈومریا گنج)





مولانا عزیز الحق بن محمد یونس عمری (مئو)

ولادت ۲۳ ستمبر ۱۹۳۹ء

نام ونسب: مولانا عزیز الحق بن محمد یونس بن مولوی محمد ابراہیم بن الحاج عبدالرحمن شہید بن حکیم شیخ جمال الدین رحمہم اللہ۔

پیدائش: ۲۳ر ستمبر ۱۹۳۹ء

میرے دادا الحاج عبدالرحمن شہید کے چار فرزندوں مولانا محمد حامد، مولانا محمد نعمان، مولانا محمد علی ابوالقاسم قدسی میں سب سے چھوٹے تھے وہ رنگ کی تجارت کرتے تھے اور مدرسہ عالیہ جمال پورہ کی مسجد کے متولی وامام تھے اور ابھی جواں سال تھے کہ اپنے پانچوں یتیم فرزندوں کو ایک بیوہ کے ساتھ چھوڑ گئے۔ یہی وجہ ہے کہ میرے والد اوران کے بھائیوں میں کوئی عالم نہیں ہوسکا۔ لیکن میرے والد کو ہمیشہ اپنے فرزندوں کو عالم دین بنانے کا شوق رہا، میرے اور میرے بھائی مولوی شمس الحق کے سوا کوئی فراغت تک تعلیم نہیں حاصل کرسکا۔ کیونکہ ستمبر ۱۹۶۶ء میں ہمارے والد بھی وفات پا گئے۔ ہاں ماسٹر اسرار الحق ضرور منشی اور انٹر تک تعلیم حاصل کرسکے اور مدرسہ دارالتعلیم مبارک پور میں اپنی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

میرے والد غریب لیکن کثیر الاولاد تھے، ان کے کل چھ بیٹے چار بیٹیوں میں میں دوسرا تھا۔ ۲۳ر ستمبر ۱۹۳۹ء کو پیدا ہوئے جب کچھ شعور ہوا تو اپنی ماں فاطمہ خاتون سے قاعدہ اور پھر قرآن پاک پڑھا، بعدہ مدرسہ عالیہ میں داخل ہوا اور قاری خلیل الرحمن صاحب کو قرآن پاک ناظرہ سنایا، اس کے بعد اردو اور پھر فارسی گلستاں، بوستاں، یوسف زلیخا، اخلاق محسنی وسکندر نامہ مولوی سعید احمد صاحبؒ سے پڑھا، اس زمانے میں پرائمری کا وجود نہیں تھا اوران کے جانے کے بعد دوران سال ہی میزان اور نحو میر پڑھنے لگا، ڈیڑھ سال پڑھ کر جامعہ رحمانیہ بنارس میں جماعت ثالثہ میں داخل ہوا، اور محدث عصر مولانا فضل الرحمن صاحب رحمانی، مولانا مفتی عبدالعزیز عمری بن مولانا محمد علی ابوالقاسم قدسی، مولانا فضل الرحمن عمری بن مولانا محمد لقمان اور مولانا عبدالوحید صاحب رحمہم اللہ سے مختلف علوم وفنون میں چار سال تک خوشہ چینی کرتا رہا، یہیں سے میں نے عالم الہ آباد کا امتحان دیا، پھر ۱۹۶۱ء سے ۱۹۶۳ء تک جامعہ دارالسلام عمرآباد میں حدیث وتفسیر اور ادب وغیرہ فنون میں اپنے پیارے اور شفیق اساتذہ جناب حافظ عبدالواجد صاحب رحمانی پیارمپیٹ، مولانا عبدالسبحان بن مولانا محمد نعمان، استاذ ادب وتفسیر مولانا غضنفر حسین صاحب شاکر نائطی، مولانا سید محمد امین وسید عبدالکبیر صاحب سے فیض پا کر سند فراغت حاصل کیا اور مئو آیا اور جامعہ فیض عام سے فاضل ادب الہٰ آباد بورڈ کا امتحان دیا اور سنسکرت مہاودیالیہ مئو میں پنڈت وشوناتھ ترپاٹھی سے رات میں سنسکرت پڑھنے لگا اور ڈیڑھ سال کے بعد جب شبینہ اسکول بند ہوگیا تو میری سنسکرت کی تعلیم کا سلسلہ بھی کٹ گیا۔

مدرسہ عالیہ مئو میں ۱۹۶۴ء میں مولوی عبدالاحد صاحبؒ کے اصرار اور اپنے والد کے ایماء پر مدرسہ عالیہ میں درجہ منشی معیار کو بلند

کرنے کے لئے مجھے رکھا گیا، میں نے اسکے کورس کو تین سال میں تقسیم کر کے منشی و کامل میں سو فیصد بچوں کو الہ آباد بورڈ کے امتحان میں پاس کرایا، میں نے درخواست کی کہ مجھے کوئی عربی کتاب بھی دی جائے لیکن اس کی شنوائی نہیں ہوئی، اس لیے ۱۹۶۸ء میں مدرسہ فیض العلوم سیونی چلا گیا چونکہ وہاں صرف تین ہی جماعت تک تعلیم تھی اور کتابوں کا ذخیرہ بھی نہ تھا اس لیے آٹھ ہی مہینے کے بعد مئو واپس آ گیا اور ۱۹۶۹ء میں مجھے یکا یک مدرسہ عالیہ کے صدر مولوی منظور الحسن صاحب والد فضا ابن فیضی کا ایک رقعہ ملا کہ آپ فی الفور مدرسے میں جا کر کار مفوضہ انجام دیں، میں مدرسہ پہنچا تو چار طلبہ درسگاہ میں سنن ابوداؤد لے کر بیٹھے ہوئے تھے اور میں نے انہیں درس دیا، درس پورا ہونے تک مجاز اعظمی صاحب اور مدرسے کے ایک رکن وہاں بیٹھے ہوئے تھے پھر یہ فرمائش کی کہ اب جو طلبہ آئیں گے پڑھایئے گا اور دونوں اٹھ کر چلے گئے، اس کے بعد میں مستقل مدرس ہو گیا اور پانچویں جماعت سے آٹھویں تک کے طلبہ کو ۱۹۸۵ء تک پڑھاتا رہا اور الہ آباد بورڈ کے امتحانات مولوی، عالم، فاضل کی تیاریاں کراتا اور امتحان دلاتا رہا، اس زمانے میں میں نے بھی کچھ امتحانات، منشی، کامل، فاضل دینیات و فاضل اور ادیب کامل پرائیوٹ طور پر دیئے۔ اس دوران میں نے دو کتابیں پوری شرح العقائد کا نوٹ درر الفرائد کے نام سے اور اصحاب المعلقات لکھی۔ علی گڑھ یونیورسٹی سے ایم اے عربی کیا۔

جامعہ دار الحدیث میں چونکہ میں خطیب تھا، فراغت کے بعد عمر آباد سے مئو آیا تو یہاں دیکھا کہ اہل حدیث کی شناخت کمیونسٹ سے ہوتی ہے، اس لیے میں نے ابتداء ہی میں کمیونزم اور اسلام پر ایک خطبہ دیا جس کی وجہ سے مجھے سخت لعن طعن کا سامنا کرنا پڑا اور ناظم و صدر مدرس نے مجھے اس عنوان پر کچھ بولنے سے روک دیا، جب ۱۹۶۶ء میں ڈاکٹر فریدی نے مجلس مشاروت اور ۱۹۶۸ء میں مسلم مجلس بنائی تو میں اس کا ممبر بن گیا۔ ۱۹۸۵ء میں مجھے مدرسے سے سبکدوش کر دیا گیا اور اب جامعہ دار الحدیث میں آثار جدید کی صحافت اور تعلیم و تدریس کا کام کرنے لگا اور بفضلہ تعالیٰ اب تک یہاں کام کر رہا ہوں اور مولانا احمد صاحب کے ریٹائر ہونے کے بعد سے بخاری جلد ثانی اور بیضاوی میرے ہی ذمہ ہے۔ اور کبھی کبھی مضامین ''اصلاح سماج'' دہلی میں بھی دعوتی مضامین لکھتا ہوں۔

مجھے ابتداء سے لکھنے سے دلچسپی تھی اور عمر آباد میں رہتے ہوئے ''الشفاء فی رد نکاح یوسف وزلیخا'' کے عنوان سے ایک مقالہ لکھا جس کی ایک ہی قسط اخبار ''مسلمان بنگلور'' سے چھپ سکی اور اس پر احتجاجات ہونے لگے اس لیے اس کے ایڈیٹر نے عمر آباد آ کر میرے مقالے کی اشاعت سے معذرت کر دی جسے ''ترجمان'' میں مکمل کیا گیا، اس کے بعد برابر ''ترجمان'' میں اور ''محدث'' بنارس نکلنے کے بعد سے اس میں مضامین لکھنے لگا۔ اور جب دلی سے ''نوائے اسلام'' شائع ہوا تو اس میں برابر مضامین لکھتا رہا اس کے سوا ''آثار جدید'' جامعہ اثریہ دار الحدیث کا بار تو میرے ہی ناتواں کندھوں پر ہے۔ میں نے انگنت مضامین اور مقالے لکھے اور کئی جمعہ و عیدین کے خطبے دیئے۔

کتاب و رسائل: میں نے جامعہ دار السلام عمر آباد ہی سے فیصلہ کیا تھا کہ غیر مسلموں میں اسلام کی دعوت کا کام کروں گا، اس لئے سنسکرت پڑھی اور کئی سال تک شرحوں کی مدد سے رگ وید اور گیتا اور دوسری ہندی کتب کی مدد سے ہندو عقائد و تہذیب اور تاریخوں کا مطالعہ کیا، اور کچھ رسائل اور پمفلٹ بھی لکھے جن کا غیر مسلموں پر اچھا اثر ہوا، جیسے ستیہ دھرم ایک یا انیک، ستیہ دھرم کی کھوج، مانو دھرم

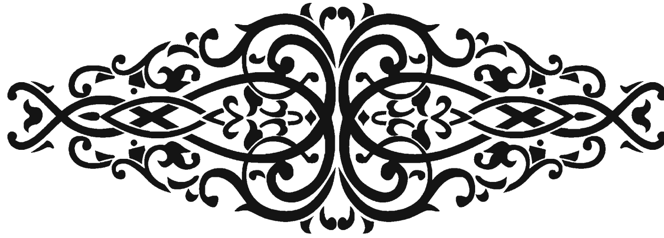
اور جاتیواد، تیسویں پارے کا ہندی ترجمہ، پوتر جیون، انتم مہا ایشدوت مارگ درشن، مسنون دعائیں۔

اردو دعوتی کتابیں تقریباً ۲۱ رہیں جو عربی قصوں کے ترجمے ہیں، ان کے علاوہ تقریروں اور درسی کتب کے ترجموں وغیرہ کی تعداد اسی (۸۰) سے زیادہ ہیں جن میں اکثر کی اشاعت دوسرے ناموں سے ہوئی ہے۔

تفسیر احسن البیان کے ہندی ترجمہ میں میری شرکت رہی ہے بلکہ اس کے دس پاروں کا ترجمہ اور پورے ترجمے پر نظر ثانی میرے مقدر میں رہی ہے اور ایک پورا ترجمہ برادر مکرم محمد ضیاء الرحمن العمری صاحب کے اشراف میں ہوا ہے، اور اس وقت ان کے قرآن کے ہندی انسائیکلوپیڈیا کا اردو ترجمہ، پروف ریڈنگ کے دور سے گذر رہا ہے۔ چونکہ اس وقت ران کے شدید پھوڑے اور اس کے آپریشن کی وجہ سے تقریباً ڈیڑھ ماہ سے بستر علالت پر ہوں ورنہ یہ مکمل ہو گیا ہوتا، القول المحقق اور الدین الخالص حصہ اول کا اردو ترجمہ بھی نظر ثانی اور پروف ریڈنگ کا انتظار کر رہا ہے، فی الحال اپنی علالت کی وجہ سے اپنی ستائش میں کچھ اور کہنے سے قاصر ہوں، جو کچھ میں نے کیا ہے اپنے علم کا فرض ادا کرنے اور اپنے والدین اور اساتذہ اور اپنے لیے ذخیرہ آخرت بنانے کے لئے لکھا ہے۔ وللہ الحمد!

(جریدہ ترجمان ۱۵۔۱/ مارچ ۲۰۱۲ء)

☆☆☆☆



ڈاکٹر سید عبدالعزیز سلفی، دربھنگہ

۱۰/جنوری ۱۹۴۰ء

نام: سید عبدالعزیز سلفی ابن ڈاکٹر سید عبدالحفیظ سلفی ابن ڈاکٹر سید فریدؒ

جائے پیدائش: داناپور، پٹنہ

سکونت: فرید ہاؤس لہیریا سارئے، دربھنگہ، بہار

پیدائش: ۱۰ جنوری ۱۹۴۰ء

تعلیم: ۱۹۴۶ء میں دارالعلوم احمدیہ سلفیہ فارسی کی دوسری جماعت میں داخل ہوا اور ۱۹۵۵ء میں فراغت ہوئی۔ اسی سال شفیع مسلم اسکول، دربھنگہ کی دسویں کلاس میں داخل ہوا اور وہاں سے سائنس کے ساتھ ۱۹۵۷ء میں میٹرک پاس کیا پھر C.M.College Darbhanga میں .I.Sc میں داخلہ لیا لیکن چند ناگزیر حالات کی وجہ سے ۱۹۶۱ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی جانا پڑا اور وہیں سے .B.Sc تک تعلیم حاصل کی اور پھر میڈیکل کی تعلیم کے حصول کے لئے سرگرداں رہا اور بالآخر ۱۹۷۰ء میں نالندہ میڈیکل کالج پٹنہ میں اللہ کے فضل وکرم سے داخلہ ہو گیا اور ۱۹۷۶ء میں وہیں سے .M.B.B.S کی تکمیل ہوئی۔ ۱۹۶۵ء سے ۱۹۷۰ء تک تجارت بھی کی۔

شادی ۱۹۷۵ء میں شیر گھاٹی، گیا میں ہوئی، رفیقہ حیات کا نام رخسانہ تبسم (B.A. Hons) بنت قاضی سید حسن ہے جو واقعی رفیقہ حیات ہیں۔

بچے: (۱) بیٹی عائشہ فرحین جس نے سلفیہ یونانی میڈیکل کالج، دربھنگہ سے B.U.M.S کیا اور ماشاء اللہ اب وہ کئی بچیوں کی ماں ہے۔ بیٹے بھی الحمدللہ دو ہیں۔

(۲) سید اسماعیل خرم جنہوں نے Mechanical Engineering میں گریجویشن کیا اور الحمدللہ نوکری میں ہیں۔

(۳) سید یوسف فیصل جن کا M.B.B.S کا آخری سال ہے۔

تعلیم کے دوارن اور تعلیم کے بعد دوسری سرگرمیاں:

☆ **مادر علمی دارالعلوم احمدیہ سلفیہ، دربھنگہ کے دوران قیام:** اس کی تمام سرگرمیوں میں پورے ذوق وشوق سے حصہ لیتا رہا۔ مثلاً بیت بازی، انعامی مقابلوں کے انعقاد، مشاعرہ (جو ہمارے زمانے میں شروع اور ختم بھی ہو گیا) وغیرہ۔ جب جماعت رابعہ کا طالب علم تھا تو ایک قلمی رسالہ 'شگوفہ' کے نام سے نکالا۔ پھر ساتویں جماعت میں جب تھا تو 'منادی' کے نام سے ایک قلمی ماہنامہ بطور خاص ہمارے ہم سبق ساتھیوں نے نکالا جو ہر ماہ پابندی سے نکلتا رہا جس کا میں ایڈیٹر تھا اور ۱۹۵۵ء میں اس کے آخری شمارے کی طباعت بھی ہوئی۔ اور آج کل طلبہ کا یہ رسالہ ''النادی'' کے نام سے سالانہ شائع ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ فراغت کے بعد استاذ محترم

مولانا ادریس آزاد رحمانی رحمہ اللہ جو الہدیٰ کے ایڈیٹر بھی تھے جب طویل فرصت میں گھر تشریف لے جاتے تو ''الہدیٰ'' کی ترتیب، ایڈیٹوریل وغیرہ کی ساری ذمہ داری اس ناچیز کو سونپ جایا کرتے تھے۔

☆ مادر علمی (دار العلوم) کے طلبہ کی انجمن نادی الاصلاح کے تحت ایک لائبریری بھی ہے جس کا میں پہلے سال اسسٹنٹ لائبریرین اور دوسرے سال لائبریرین رہا۔

☆ صوبائی جمعیت اہل حدیث بہار کا اجلاس ۱۹۷۳ء میں مظفرپور میں ہوا تھا جس میں نوجوانوں کو جمعیت سے جوڑنے کے لئے ایک الگ تنظیم ''جمعیت شبان اہل حدیث'' کے نام سے قائم کرنے کی تجویز آئی تھی۔ اس کا دستور بنانے کے لئے جو کمیٹی بنائی گئی اس میں عم محترم سید جعفر فرید سلفیؒ، بدر عظیم آبادی اور یہ ناچیز تھا۔ اس ناچیز کو اس کا کنوینر مقرر کیا گیا تھا اور ہم نے دستور بنا کر صوبائی جمعیت کے حوالہ کر دیا تھا۔ اس وقت میں میڈیکل کا طالب علم تھا جو پورا وقت اور پوری محنت چاہتا ہے، اس لئے میں بہت سرگرمیوں کے ساتھ حصہ نہیں لے سکا۔

☆ مجھے جمعیت اہل حدیث بہار کا خازن بنایا گیا جسے میں نے حتی المقدور نبھایا اور پھر مشغولیت کی وجہ سے معذرت کر لی جسے جمعیت نے قبول کر لیا۔

☆ ۱۹۸۹ء اگست رمضان کے دن تھے، والد محترم کے حکم پر مولانا شمس الحق سلفی (جو والد محترم کے ہم سبق تھے) کی معیت میں جمعیت کی مستقل آفس کے لیے بلڈنگ یا زمین کی تلاش میں دہلی کی خاک چھانتا رہا اور آج اوکھلا میں جس جگہ جمعیت کی آفس ہے وہ ہم ہی دونوں کی پسند کی ہوئی ہے۔ جس کے لئے ایک صاحب خیر نے رقم دی تھی جو شاید سازش کی وجہ بھی بنی، جس کی وجہ سے والد محترم نے جمعیت کی صدارت سے استعفیٰ دے دیا۔ والد محترم کے استعفیٰ کے بعد شیخ الحدیث مولانا عبید اللہ رحمانیؒ نے ایک خط میں لکھا تھا۔ ''ڈاکٹر صاحب لوگوں نے آپ کا ساتھ نہیں دیا ورنہ جمعیت کا نقشہ دوسرا ہوتا''۔

☆ مولانا مختار احمد ندویؒ جب امیر جمعیت بنائے گئے اس وقت ایک ملاقات کے دوران کہنے لگے، ڈاکٹر صاحب! ڈاکٹر سید محمد فرید صاحبؒ سے آپ کے والد تک آپ کے خانوادے کی جمعیت کے لئے عظیم خدمات ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ کو مجلس عاملہ کا رکن نامزد کر دوں، میں نہ کہا ''مولانا! جمعیت کی خدمت کے لئے اب بھی حاضر ہوں لیکن کسی عہدہ اور ممبر شپ کے بغیر''۔

☆ ۱۹۸۰ء میں چونکہ والد محترم کی صحت ایسی نہیں رہی کہ اسفار پر جاسکیں تو دار العلوم کی مجلس عاملہ نے اسسٹنٹ سکریٹری کی ذمہ داری اس ناچیز پر ڈال دی۔ اس وقت جوائنٹ سکریٹری جناب سید محمد جعفر فرید سلفی تھے۔

☆ جب ۱۹۸۴ء میں دار العلوم کی مجلس عاملہ نے طبیہ کالج کے قیام کی تجویز پاس کی تو اس ناچیز کو طبیہ کالج کا جوائنٹ سکریٹری بنا کر طبیہ کالج کی ذمہ داری اس ناچیز کے ناتواں کندھے پر ڈال دی۔

☆ ۱۹۷۸ء سے ملت شفاخانہ دربھنگہ کا جوائنٹ سکریٹری اور آج کل اس کا جنرل سکریٹری ہوں۔

☆ ۱۹۸۶ء سے شفیع مسلم اسکول کی مجلس منتظمہ کا تاحال ممبر ہوں۔

☆ ۱۹۹۰ء سے ندوۃ العلماء لکھنؤ کی مجلس عاملہ کا رکن ہوں۔

☆ ۱۹۷۲ء میں مسلم انجمن تعلیم کا ممبر بنایا گیا جس کے تحت والد محترم نے ملت کالج، دربھنگہ قائم کیا۔ آج کل اس ٹرسٹ کا ٹریزرار ہوں۔

☆ ۱۹۹۸ء سے تعمیر ملت ٹرسٹ دربھنگہ کا ممبر ہوں۔

☆ ۱۹۹۸ء میں والد محترم کی رحلت کے بعد دارالعلوم احمدیہ سلفیہ کی مجلس شوری نے ناچیز کے ناتواں کندھے پر دارالعلوم کی نظامت کا عظیم بوجھ ڈال دیا۔ تاحال اس خدمت کو انجام دے رہا ہوں۔

اساتذہ جن سے میں نے کسب فیض کیا:

یوں تو میرے اساتذہ کرام کی فہرست خاصی طویل ہے۔ لیکن صرف انہی کا ذکر کروں گا جن کی شفقت اور جلالت علمی نے میرے کردار علمی کے نشوونما پر اپنا اثر ڈالا۔

(۱) والد محترم ڈاکٹر سید عبدالحفیظ سلفی: ۱۹۴۵ء میں دادا جانؒ کے مشورے پر انہوں نے خود مجھے کلام پاک حفظ کرانا شروع کیا۔ ایک پارہ بھی مکمل نہیں ہو پایا تھا کہ بیمار ہو گیا اور بیماری کا سلسلہ تقریباً دو ماہ رہا۔ نتیجتاً حفظ قرآن کی سعادت حاصل نہیں ہوسکی۔ دادا جانؒ کے ایما پر دارالعلوم میں داخلہ کے لئے فارسی کی ابتدائی کتابیں بھی انہیں سے پڑھی۔ دوران تعلیم ۱۹۵۵ء میں Typhoid کا شکار ہو گیا۔ عالم مدرسہ بورڈ کے پرچے چھوٹ گئے۔ میں مسلم اسکول کی دسویں جماعت میں داخلہ لے چکا تھا۔ بورڈ کے امتحان کا وقت آیا تو فرمایا عالم امتحان دے دو۔ ایک ڈگری کیوں چھوڑتے ہو۔ عرض کیا اسکول کے ساتھ یہ بہت مشکل ہے۔ حکم ہوا کہ اسکول سے دو ماہ کی چھٹی لے لو، میں تیاری کراؤں گا اور پھر ایسی تیاری کرائی کہ اس سال کے امتحان میں ناچیز نے فرسٹ پوزیشن لی۔

اسکول میں الجبرا میری سمجھ سے باہر کی چیز تھی۔ الجبرا انہوں نے ایسا پڑھایا کہ میں اپنے بچوں کو بھی الجبرا کا مشکل سوال حل کرنے میں اکثر مدد کر دیا کرتا ہوں۔

میڈیکل میں ہم تینوں بھائیوں کا داخلہ ایک ساتھ ہوا تھا۔ چھٹیوں میں حکم تھا کہ کتابیں لے کر آؤ۔ Chapter متعین کرتے، عشاء کے کھانے کے بعد خود مطالعہ کرتے اور دوسرے دن فجر کے بعد سے تقریباً نو اور کبھی ساڑھے نو بجے تک Discussion کا سلسلہ چلتا اور اگلے دن کے لیے دوسرا Chapter متعین ہوتا اور یہ سلسلہ MBBS فائنل تک چلتا رہا۔

دارالعلوم احمدیہ سلفیہ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہاں ہر دور میں اچھے سے اچھے اساتذہ کی خدمات حاصل کرنے کی کوشش کی گئی اور الحمدللہ یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔

(۲) میرے فارسی دوئم اور عربی اول تک میرے استاد گرامی جن کی شخصیت نے سب سے پہلے میرے اندر ادبی ذوق پیدا کیا ان کا نام عبدالرحمن پرواز اصلاحیؒ ہے۔ ان کے حلقہ اثر میں جو طلبہ تھے کوئی ایسا نہ تھا جس کو دو تین سو اشعار یاد نہ ہوں۔ بیت بازی گھنٹوں چلتی، میرے ناقص علم کے مطابق دارالعلوم میں پہلا مشاعرہ انہی کی کاوشوں سے ہوا۔ چھوٹے بچوں میں ادبی سرگرمی کی لہر

دوڑائی تھی جو ان کے بعد بھی جاری رہا۔ مجھے آج تک وہ قطعہ یاد ہے جو انہوں نے میری کاپی پر لکھا تھا۔

بستان محمد کا چہکتا ہوا بلبل
اسلام کی افواج کا معصوم سپاہی
ہے طفل مگر دل ہے جوانوں سے بھی اعلیٰ
ٹھکرائے گا یہ پاؤں سے تاج سرشاہی

● اس کے بعد عربی جماعتوں میں جن اساتذہ سے فیض حاصل ہوا ان میں مولانا نذیر احمد املویؒ اور مولانا فضل الرحمن اعظمی دونوں حضرات کے دربھنگہ میں قیام کی مدت شاید دو سال تھی اس لیے میرے حصے میں ان بزرگوں کے فیض کم آئے۔ ان حضرات کے علاوہ جن گرامی قدر شخصیتوں سے فیض کا موقع میسر آیا وہ ہیں مولانا عبدالرحمن سلفیؒ، مولانا ظہور رحمانیؒ، مولانا ادریس آزاد رحمانیؒ، (جنہوں نے ایک بار پھر دارالعلوم کے ادبی ماحول کو گرما دیا۔ تحریر، مکالمے اور مناظرے کی مشاقی انہیں کی زیر نگرانی ہوا کرتی تھی)۔

● مولانا عبدالجبار کھنڈیلوی جن کی حدیث کی صلاحیت سے ساری جماعت واقف ہے۔ سادگی کا یہ عالم تھا کہ لڑکے امتحان ہال میں سوال سمجھنے کے بہانے دوسرے گارڈوں سے نظر بچا کر پورا جواب معلوم کر لیا کرتے تھے۔ جب تک دوسرے استاد آ کر انہیں روکیں معاملہ ختم۔ دوسرے اساتذہ شکوہ کرتے مولانا آپ نے تو جواب بتلا دیا تو کہتے اچھا اب تم بتا دو میں نہیں بتاؤں گا۔ لیکن دوسرے تیز طرار طلبہ وہی کرتے اور کامیاب رہتے۔ ان سے مجھے مسلم شریف پڑھنے کا شرف حاصل ہوا۔

● والد محترم کے بعد جس شخصیت نے میری علمی زندگی پر سب سے زیادہ اثر ڈالا وہ مولانا عبیدالرحمن عاقل رحمانی سابق صدر المدرسین دارالعلوم کی ذات ہے۔ ان کی علمی حیثیت متعین کرنے کے لئے اگر کوئی لفظ کہا جا سکتا ہے تو وہ ہے بحر العلوم۔ تفسیر، حدیث، فقہ، منطق، فلسفہ ایک عربی داں ہونے کی وجہ سے ان کا اپنا میدان تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اسلامی تاریخ، ہندوستان کی تاریخ، جغرافیہ، انگریزی اور ہندی پر یکساں درک تھا۔ کسی موضوع پر حوالہ پوچھتے ہی فرماتے فلاں کتاب دیکھ لو۔ مطالعہ کا جنون تھا۔ ہر وقت کچھ نہ کچھ پڑھتے رہتے، خواہ اس کا تعلق کسی بھی موضوع سے ہو۔ اگر کچھ نہ ملا تو تشنگی کا احساس رہتا۔ سادگی اور انکساری کا یہ عالم کہ اگر کوئی غیر شناسا دیکھے تو یہ نہ کہہ سکے کہ یہ شخص اس قدر صاحب علم ہو سکتا ہے۔

● اسکول کے اساتذہ جن سے میں نے بطور خاص کچھ حاصل کیا ان میں سب سے پہلے ہمارے ہیڈ ماسٹر جناب محمد محسن صاحبؒ (بی، اے) انگریزی کے استاد تھے۔ جن کی انگریزی کی تحریر پر کالج کے انگریزی کے پروفیسر عش عش کر اٹھتے تھے۔ اردو کے بہترین شاعر، اس کے علاوہ انہیں میں نے مقامات بدیع الزماں مزہ لے لے کر پڑھتے دیکھا ہے۔ استاذ گرامی عاقل رحمانی کے خاص دوستوں میں سے تھے۔ دوسرے اسسٹنٹ ہیڈ ماسٹر مطیع الرحمن صاحب انگریزی اور جغرافیہ کے استاذ تھے لیکن Math پر پورا عبور حاصل تھا۔ جمیل احمد صاحب جن سے ہم نے سائنس پڑھی۔ جناب بشیر شاداں فاروقی ہمارے Social Studies کے استاذ تھے۔ دربھنگہ کی تمام ادبی سرگرمیوں کے روح رواں، اردو کے بہترین شاعر۔ مطالعہ کا ذوق اس قدر کہ کوئی بھی مخطوطہ یا نئی کتاب

یا رسالہ نظر آیا خرید لیا۔ اگر اس وقت پیسے پورے نہیں ہوئے تو کچھ پیسے دے کر اپنے لئے وہ کتاب محفوظ کرا لیتے۔ ایک عظیم لائبریری کے مالک ہو گئے۔ اردو ادب یا تاریخ کا کوئی حوالہ ان سے پوچھا جاتا فوراً جواب مل جاتا۔

علی گڑھ کے قیام کے دوران جس عظیم شخصیت اور مشفق استاد سے سب سے زیادہ میرا تعلق رہا اور آج بھی ان کی شفقت اس ناچیز کو حاصل ہے ان کا نام نامی ہے پدم بھوشن ڈاکٹر اخلاق الرحمن قدوائی، سابق گورنر بہار اور ہریانہ۔ سچی بات یہ ہے کہ جو لوگ ان کی بے لوث ملی اور ملکی خدمات سے واقف ہیں ان کی نظر میں پدم بھوشن کا یہ اعزاز ان کی خدمات کے مقابلہ چھوٹا ہے۔

(جریدہ ترجمان ۱۵۔ ۱ مارچ ۲۰۱۲ء)



دار العلوم احمدیہ سلفیہ دربھنگہ، بہار

دار العلوم احمدیہ سلفیہ ہندوستان میں صوبہ بہار کے ضلع دربھنگہ کا ایک مشہور سلفی تعلیمی ادارہ ہے جس کا قیام ۱۹۱۸ء میں حضرت مولانا عبدالعزیز محدث رحیم آبادیؒ کے ہاتھوں عمل میں آیا۔ اس کا قیام ایک مکتب کی شکل میں ہوا تھا لیکن جلد ہی بانی اور منتظمین کی کاوشوں سے یہ ایک دار العلوم کی شکل اختیار کر گیا۔

مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی بانی اور پہلے ناظم تھے اس کے بعد یکے بعد دیگرے بابو عبداللہ، ڈاکٹر سید محمد فرید، ڈاکٹر سید عبدالحفیظ سلفی ناظم ہوئے۔ فی الوقت ڈاکٹر سید عبدالعزیز سلفی کی نظامت میں یہ ادارہ پوری شان و شوکت سے جاری و ساری ہے۔ **فللہ الحمد والمنة**۔

معروف علمی شخصیت استاد الاساتذہ

شیخ انیس الرحمن اعظمی عمری مدنی تامل ناڈو

پیدائش ۸ راگست ۱۹۴۱ء

نام ونسب: انیس الرحمن اعظمی عمری مدنی بن مولانا عبدالسبحان اعظمی عمری بن مولانا محمد نعمان بن حاجی عبدالرحمن شہید مئوی۔

● اعظمی ضلع اعظم گڑھ کی طرف نسبت ہے جو آپ کے آبائی وطن مئو کا ضلع تھا اور اسی ضلع میں مئو واقع تھا اب مئو مستقل ضلع بن چکا ہے۔ عمری اور مدنی تعلیمی نسبت ہے جامعہ دارالسلام عمرآباد اور جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کی طرف، ویسے آپ طلباء واہل علم کے مابین شیخ انیس کے نام سے مشہور ومعروف ہیں۔

تاریخ ومقام پیدائش: آپ کی پیدائش ۸ اگست ۱۹۴۱ء کو جنوبی ہند کے مشہور مقام عمرآباد میں ہوئی۔

خاندانی پس منظر: پردادا حاجی عبدالرحمن شہید مئو کے محلہ ڈومن پورہ کے ایک معزز شخص اور کپڑوں کے تاجر تھے۔ آپ کے کل چار بیٹے تھے اور سب کے سب عالم دین تھے بالترتیب سب کے نام درج ذیل ہیں۔ (۱) مولانا محمد حامد (۲) مولانا محمد نعمان (۳) مولانا محمد ابراہیم (۴) مولانا محمد ابوالقاسم۔ ان میں سے دوسرے نمبر پر مولانا محمد نعمان ہیں جو صاحب ترجمہ کے دادا ہیں۔

● شیخ الحدیث مولانا محمد نعمان اعظمی (۱۸۷۶ء۔۱۹۵۱ء) میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی کے آخری دور کے تلامذہ اور حافظ عبداللہ غازی پوری، شمس العلماء ڈپٹی نذیر احمد مرحوم دہلی اور ملا حسام الدین مئوی جیسے اساطین علم وفضل سے فیض یافتہ تھے، تعلیم سے فراغت کے بعد کچھ دنوں تک احمدیہ سلفیہ دربھنگہ سے وابستہ رہے اور پھر جامعہ دارالسلام عمرآباد کے ذمہ داران کی طلب پر ۱۰ دسمبر ۱۹۲۹ء کو عمرآباد تشریف لے گئے اور پھر وہیں کی بودوباش اختیار کرلی، کم وبیش ۲۰ سال جامعہ کی مسند تدریس پر فائز رہے، اور عربی زبان وادب کی مختلف کتابوں کے ساتھ آپ وہاں شیخ الحدیث بھی رہے اور برسوں صحیحین وغیرہ پڑھاتے رہے اور یہیں ۲۶ دسمبر ۱۹۵۱ء کو آپ اللہ کو پیارے ہوگئے۔

● شیخ الحدیث مولانا محمد نعمان اعظمی عمری کی پہلی شادی مئو میں ہوئی تھی، ان سے پانچ لڑکے اور پانچ لڑکیاں تھیں لیکن عمرآباد جانے سے پہلے ہی اہلیہ اللہ کو پیاری ہوگئیں بعد میں دوسری شادی پرنامبٹ تامل ناڈو میں ہوئی جس سے چار لڑکے اور ایک لڑکی ہوئیں۔

پہلی بیوی سے پانچ لڑکوں کے نام یہ ہیں (۱) جناب عبدالمنان اعظمی (۲) مولانا عبدالسبحان اعظمی (۳) محمد عرفان (۴) مولانا فضل الرحمن اعظمی (۵) عبدالحنان اور لڑکیوں میں قابل ذکر بیٹی بلقیس تھی جو ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری رحمہ اللہ کی والدہ تھیں اور اس طرح گویا ڈاکٹر صاحب شیخ الحدیث مولانا محمد نعمان اعظمی کے نواسے تھے۔

دوسری بیوی سے چار لڑکوں میں (۱) مولانا حبیب الرحمن اعظمی عمری (۲) ڈاکٹر عزیز الرحمن (۳) مولانا حافظ حفیظ الرحمن اعظمی عمری مدنی (۴) عتیق الرحمن بی ایس سی۔

● شیخ الحدیث مولانا محمد نعمان اعظمی کے مذکورہ لڑکوں میں پہلی بیوی سے مولانا عبدالسبحان اعظمی ہیں جو ہمارے صاحب ترجمہ شیخ انیس الرحمن حفظہ اللہ کے والد ماجد ہیں۔

● والد ماجد مولانا عبدالسبحان اعظمی: آپ کے والد ماجد مولانا عبدالسبحان اعظمی ۱۹۱۰ء میں مئو میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی اور عربی تعلیم مدرسہ عالیہ مئو مدرسہ محمدیہ کھیدوپورہ اور ڈیڑھ دو ماہ جامعہ رحمانیہ دہلی میں بلوغ المرام تک ہوئی، اس کے بعد ۱۹۲۹ء میں عمرآباد چلے گئے جہاں آپ کے والد مولانا محمد نعمان اعظمی شیخ الحدیث تھے اور وہاں پانچویں جماعت میں داخلہ لے لیا۔ اور چار برس تک تعلیم حاصل کی ۱۹۳۲ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔ عربی کے ساتھ انگریزی زبان پر بھی آپ کو مکمل عبور تھا۔ طب یونانی میں بھی اچھی خاصی مہارت رکھتے تھے۔ تدریس کے ساتھ کئی سالوں تک جامعہ کے مطب میں علاج و معالجہ کرتے رہے۔ جب مولانا عبدالواجد رحمانی رحمہ اللہ کو جامعہ کا ناظم بنایا گیا تو اس وقت جامعہ میں نائب ناظم کا عہدہ نہیں تھا چنانچہ مولانا عبدالسبحان صاحب کو آپ کا نائب یعنی نائب ناظم مقرر کر دیا گیا۔ ان تمام ذمہ داریوں کو آپ بحسن وخوبی انجام دیتے رہے اور اس طرح کم وبیش ۵۵ سالوں تک آپ جامعہ میں دیگر ذمہ داریوں کے ساتھ تدریس کے منصب پر بھی فائز رہے۔ جامعہ کو بام عروج تک پہنچانے میں آپ کا بڑا کلیدی رول ہے۔ ۲۷ دسمبر ۱۹۹۰ء کو اجل کا پیغام آپہنچا اور آپ راہی ملک بقا ہو چلے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا عبدالسبحان اعظمی کی شادی مئو ہی میں ہوئی تھی۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے چھ بیٹوں اور ایک بیٹی سے نوازا تھا۔ بیٹوں میں (۱) مولانا خلیل الرحمن اعظمی عمری (۲) مولانا ضیاء الرحمن اعظمی عمری (۳) مولانا حافظ عبدالرحمن اعظمی عمری (۴) صاحب ترجمہ مولانا انیس الرحمن اعظمی عمری (۵) مولانا حافظ عبیدالرحمن اعظمی عمری (۶) مولانا محمد نعمان اعظمی عمری مدنی تھے۔

شیخ انیس الرحمن اعظمی عمری انہیں لائق وفائق فرزندوں میں ایک ہونہار اور قابل ذکر شخصیت ہیں۔

مراحل تعلیم: ابتدائی تعلیم گھر پر شروع ہوئی دس سال کی عمر ہوئی تو ۱۹۵۲ء میں جامعہ دارالسلام عمرآباد میں داخل ہوئے۔ اس وقت کل بیس طلباء آپ کے ساتھ زیر تعلیم تھے۔

اور آپ کی جماعت سب سے بڑی جماعت مانی جاتی تھی پورے جامعہ میں طلباء کی تعداد ۱۱۰ تھی۔ آپ نے ابتدائیہ ایک سال مکمل کیا۔

ابتدائیہ کے بعد عربی کی تعلیم فضیلت تک آپ نے جامعہ ہی میں مکمل کی۔ آٹھ سال تک زیر تعلیم رہے اور ۱۹۶۱ء میں فضیلت کی سند لے کر فارغ التحصیل ہوئے۔

ابتدائیہ سے لے کر فضیلت تک تمام امتحانات میں اول پوزیشن کے ساتھ کامیاب ہوتے رہے۔

دوران تعلیم آپ نے مدراس یونیورسٹی سے افضل العلماء کا کورس بھی امتیازی نمبرات سے مکمل کر لیا اور پہلے انعام کے مستحق ٹھہرے۔

فراغت کے بعد ۱۹۶۱ء تا ۱۹۶۲ء ایک سال جمالیہ عربک کالج میں عربی زبان وادب کی تعلیم کے لئے داخل ہوئے۔ وہاں عربی کے مشہور مصری عالم احمد حسین شرقاوی استاذ تھے آپ نے ان سے بھرپور استفادہ کیا۔ شرقاوی صاحب آپ کو جامعہ ازھر لے جانا چاہتے تھے مگر تقدیر نے وفا نہ کی اور آپ ازھر نہ جاسکے۔ بعد میں رب العالمین کی توفیق سے آپ کو مدینہ یونیورسٹی میں داخلہ ملا۔

۱۹۶۳ء سے ۱۹۶۶ء تک آپ بحیثیت عربی معلم کئی جگہوں سے وابستہ رہے مگر اس دوران قسمت نے وفا کی اور مدینہ یونیورسٹی میں داخلہ مل گیا اور ۱۹۶۷ء سے ۱۹۷۱ء تک کلیۃ الدعوۃ کے ساتھ کلیۃ الشریعۃ بھی بحیثیت انتساب پاس کیا۔

۱۹۶۷ء میں جب آپ کو مدینہ میں داخلے کی منظوری ملی اس وقت سعودی عرب کے حالات بے حد خراب تھے، یہ عرب اسرائیل کی جنگ کا آخری زمانہ تھا، آپ مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ جامعہ اسلامیہ میں تعلیم شروع ہوگئی۔ آپ کلیۃ الدعوۃ واصول الدین میں زیر تعلیم تھے۔ تین ماہ کے بعد تعطیل کا اعلان ہوگیا طلباء کے اسکالرشپ بند کردیا گیا۔ وطن جانے کی اجازت دی گئی مگر ٹکٹ نہ دینے کا اعلان ہوا۔ طلباء وطن جانے لگے، آپ بے پریشان تھے کہ وطن جاؤں یا رک جاؤں بہرصورت آپ نے نہ جانے کا فیصلہ لیا چھٹیاں چل رہی تھیں آپ مسجد نبوی میں نماز کے لئے جایا کرتے تھے ایک دن اتفاق سے جامعہ کے مدیر تعلیم شیخ عبدالمحسن العباد کے بغل میں نماز میں پڑ گئے، بڑے خوف زدہ ہوئے، نماز کے بعد شیخ عبدالمحسن نے پوری یادداشت کا مظاہرہ کرتے ہوئے نام اور جنسیہ کے ساتھ پوچھ لیا کہ ابھی تک گھر نہیں گئے، آپ نے حالات اور مجبوریاں بتائیں شیخ عبدالمحسن نے کلیۃ الشریعۃ میں انتساب کی حیثیت سے داخلہ کے لئے درخواست پیش کرنے کا مشورہ دیا۔ موقع کو غنیمت جانتے ہوئے آپ نے شیخ کے مشورے کے مطابق درخواست دے دی اور تیاری کرنے لگے۔ امتحان داخلہ دیا اور بحمد للہ پاس ہوگئے، کلیۃ الشریعۃ میں شام کو تعلیم حاصل کرنے لگے۔ دوسرے سال طلباء آئے تعلیم شروع ہوئی آدھے اسکالرشپ یا اس کے بدلے ٹکٹ کا اعلان ہوا۔ مگر پھر وطن جانے کے لئے ٹکٹ نہ مل سکا چنانچہ آپ پانی کے جہاز سے دوسرے سال ۱۹۶۹ء کو وطن آئے۔ چھٹیاں گزار کر واپس مدینہ لوٹے اور اس طرح کلیۃ الدعوۃ کے ساتھ کلیۃ الشریعہ کا بھی امتحان دیتے رہے اور امتیازی نمبرات سے پاس ہوتے رہے، کلیۃ الدعوۃ سے فراغت پہلے ہوگئی اور اعلان ہوگیا کہ سب طلباء وطن چلے جائیں مگر آپ کا کلیۃ الشریعۃ میں دور ثانی اور اخیر کا امتحان باقی تھا۔ چنانچہ آپ نے اس کے لئے شیخ ابن باز رحمہ اللہ سے اجازت طلب کی، شیخ نے اجازت دے دی، اس طرح دور ثانی کا امتحان دے کر ۱۹۷۱ء کے اواخر میں آپ مدینہ یونیورسٹی سے فارغ التحصیل ہوئے اور آپ کو ڈبل بی، اے کی ڈگری دو دو کلیات سے حاصل ہوئی جو ہر کس وناکس کے بس کی بات نہیں۔ قدرت نے آپ کو یکسو دماغ اور بلا کی قوت حافظہ عطا کیا تھا۔ بڑی محنت اور جدوجہد آپ نے کی اور دونوں کلیات سے امتیازی نمبرات سے پاس ہوئے، ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

مشاہیر اساتذہ: جامعہ دارالسلام عمرآباد میں آپ نے (۱) اپنے والد ماجد مولانا عبدالسبحان اعظمی (۲) مولانا حافظ عبدالواجد رحمانی سابق ناظم جامعہ دارالسلام (۳) مولانا شاکر نائطی (۴) مولانا سید امین عمری (۵) مولانا سید عبدالکبیر عمری (۶) مولانا ابوالبیان حماد عمری وغیرھم جیسے قابل ذکر اساتذہ سے تعلیم حاصل کی جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں (۷) شیخ محمد امین شنقیطی (۸) مولانا عبدالغفار

حسن رحمانی (۹) شیخ ممدوح فخری شامی (۱۰) شیخ صادق العرجون (۱۱) شیخ عبدالرؤف اللبدی (۱۲) شیخ عبداللطیف وغیرہم سے کسب فیض کیا (۱۳) شیخ عبدالمحسن العباد کو آپ کے مستقل استاذ نہیں بلکہ آپ سے ایک دو درس میں آپ کو استفادہ کا موقع ملا ہے۔
(۱۴) احمد حسین شرقاوی مصری۔

تدریسی ودعوتی خدمات:

(۱) جامعہ دارالسلام عمرآباد سے فراغت کے بعد ۱۹۶۳ء تا ۱۹۶۵ء دوسال تک لال پیٹ قصبہ کے ایک سرکاری اسکول میں بحیثیت عربی معلم واستاد خدمات انجام دیں۔

(۲) ۱۹۶۵ء تا ۱۹۶۷ء اسلامیہ ہائی اسکول وانم باڑی میں عربی زبان وادب پڑھاتے رہے۔

(۳) ۱۹۷۱ء کے اواخر میں مدینہ یونیورسٹی سے فراغت کے بعد قلت تنخواہ کی وجہ سے چمڑے کا ایک بڑے تاجر جناب عبدالواحد صاحب کی کمپنی سے اس شرط پر وابستہ ہوگئے کہ وہ جلد ہی تحقیقات اسلامی کا ایک ادارہ کھولیں گے۔ آپ وہاں ۱۹۷۲ء تا ۱۹۷۵ء کام کرتے رہے، مگر ادارہ نہ کھل سکا اور آپ کمپنی سے نکل گئے۔

(۴) اسی اثناء میں ۲۵ مارچ ۱۹۷۵ء کو سعودی فرمانروا شاہ فیصل کا انتقال ہوگیا۔ پورا عالم اسلام سوگوار تھا۔ تعزیت جاری تھی شیخ نے بھی اسی مناسبت سے شاہ خالد، رابطہ کے جنرل سکریٹری محمد علی الحرکان اور جامعہ اسلامیہ کے مدیر التعلیم شیخ عبدالمحسن العباد وغیرہم کو تعزیتی خطوط روانہ کئے، جواب میں سب کی طرف سے شکریہ کا خط بھی آیا۔ اور شیخ عبدالمحسن کی طرف سے خوشخبری کا لیٹر بھی، شیخ عبدالمحسن العباد کے خط میں یہ الفاظ تحریر تھے۔

"ترغب الجامعة الاسلاميه فی تعيينكم للتدريس فی جامعة سلفيه بنارس علی حسابها" کہ جامعہ اسلامیہ اپنے خرچ پر آپ کو جامعہ سلفیہ بنارس میں تدریسی خدمات انجام دینے کی خواہشمند ہے۔ یہ خط پڑھ کر آپ حیران بھی تھے اور خوش بھی بہر صورت یہ مژدہ جانفزا ملنے کے بعد آپ جامعہ سلفیہ بنارس چلے گئے۔

(۵) جون ۱۹۷۵ء میں اسی مناسبت سے آپ بنارس روانہ ہوگئے۔ دل میں یہ خیالات بار بار جنم لے رہے تھے کہ میں کئی ماہ سے تعلیم وتدریس سے کٹا ہوا ہوں۔ اور میری اردو پر بھی جنوبی ہند کا لہجہ غالب ہے سفر شروع ہوا جامعہ سلفیہ بنارس پہنچے ناظم جامعہ مولانا عبدالوحید سلفی سے ملاقات ہوئی۔ بڑے خوش ہوئے اور فرمایا کہ آپ کی تقرری عرب اساتذہ کی جگہ پر ہوئی ہے۔ اس لئے آپ عربی زبان میں ہی پڑھائیں، ناظم صاحب کے ان جملوں سے کچھ حوصلہ ملا اور پھر آپ باضابطہ جامعہ سلفیہ میں تدریس سے منسلک ہوگئے، چونکہ آپ عربی میں پڑھاتے تھے اس لئے طلباء آپ کو مولانا انیس صاحب کے بجائے شیخ انیس کے نام سے پکارنے لگے اور رفتہ رفتہ آپ اسی نام سے مشہور ہوگئے۔

پہلی بیچ میں شیخ عبدالباری فتح اللہ، عبدالرقیب بہار، عبدالتواب اور اس کے بعد کی جماعت میں شیخ صلاح، شیخ عزیز شمس، شیخ عبدالمعید، شیخ ظفرالحسن وغیرہم تھے آپ نے انہیں بدایۃ المجتہد پڑھایا۔ جون ۱۹۷۵ء سے ۱۹۸۳ء تک آپ جامعہ سلفیہ سے منسلک

رہے،کل مدت ۹ سال ہے۔

جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں کے ۱۹۷۸ء میں قیام کے بعد بانی جامعہ مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ کو ایک بہترین منتظم اور کہنہ مشق مدرس کی ضرورت تھی، اس کے لئے آپ کی نگاہ شیخ انیس پر پڑی اور اس طرح آپ نے جامعہ سلفیہ کے ذمہ داران سے آپ کو چند ماہ کے لئے جامعہ محمدیہ مالیگاؤں بھیجنے کی درخواست کی۔ناظم جامعہ نے صدر جامعہ شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانی مبارکپوری رحمہ اللہ سے مشورہ اور منظوری کے بعد آپ کو ۱۹۸۳ء میں مالیگاؤں بھیج دیا۔وہاں پہونچنے کے بعد آپ نے جامعہ کے مسائل ومشکلات کا جائزہ لیا اور چند ہی ماہ میں بحمد للہ اپنے حسن تدبیر سے ان پر قابو پانے اور انہیں سلجھانے میں کامیاب رہے۔اور یہی وجہ تھی کہ ذمہ داران جامعہ اور بانی جامعہ مولانا مختار احمد ندوی رحمہ کی نگاہ میں بھا گئے اور اس طرح رفتہ رفتہ ۱۹۹۲ء تک نو سال کا ایک طویل عرصہ آپ نے جامعہ کے انتظام وانصرام اور تدریس وتعلیم میں گزار دیا اس دوران آپ جامعہ محمدیہ ایجوکیشن سوسائٹی کے سکریٹری اور الجمعیۃ الخیریہ کے نائب صدر کے عہدے پر بھی کام کرتے رہے۔آپ کے زیر تدریس کتابوں میں صحیح مسلم، دیوان الحماسہ، ہدایۃ النحو، بدایۃ المجتہد وغیرہ جیسی اہم کتابیں تھی۔

۱۹۹۴ء میں آپ اپنے وطن عمر آباد لوٹ آئے اور جامعہ دارالسلام کی جانب سے کوئمبٹور میں واقع نسواں ادارہ جامعۃ المحسنات سے وابستہ ہو گئے یہاں آپ نے دو سال تک تدریسی خدمات انجام دیں۔

۱۹۹۶ء میں آپ واپس جامعہ دارالسلام عمر آباد سے منسلک ہو گئے اور ۲۰۰۴ء تک تدریس سے وابستہ رہے اور ساتھ ہی تعمیر مساجد کے شعبہ کی بھی نگرانی کرتے رہے۔

۲۰۰۴ء میں جامعہ دارالسلام عمر آباد سے سبکدوش ہو کر مدراس آ گئے اور یہاں مرکز ابن القیم الاسلامی جس کے آپ بانی تھے وابستہ ہو گئے، یہاں آپ نائب صدر کے ساتھ مدیر اور دینی امور کی شعبہ کے رئیس کی حیثیت سے کام کرتے رہے کچھ حاسدوں کی نظر بد لگ گئی اور ۲۰۱۳ء میں آپ ادارہ سے الگ ہو گئے۔

فی الوقت موڈبدری میں سرکاری نصاب کے مطابق چلنے والے معہد الفرقان الاسلامی نامی ایک اسکول سے وابستہ ہیں اور دینی شعبہ کے مدیر ہیں۔دو تین بار اشراف ونگرانی کے لئے جایا کرتے ہیں۔

مدراس میں لڑکیوں کا ایک ادارہ ہے وہاں آپ مقامی زبان میں تدریس کا فریضہ بھی انجام دے رہے ہیں۔

چار مینار مدراس میں مستقل طور پر آپ جمعہ کے خطیب ہیں اور برسوں سے خطبہ جمعہ کی ذمہ داری انجام دے رہے ہیں۔

رب العالمین شیخ محترم کو صحت یابی کے ساتھ اپنے علم وفضل سے ملت کو فائدہ پہنچانے کی سعادت عطا کرے اور عمر دراز نصیب فرمائے۔آمین

تدریس ودعوت کی کل مدت پچاس سال سے زائد ہے اور جاری وساری ہے۔

تلامذہ: یوں تو ملک کے تین بڑے جامعات جامعہ سلفیہ، جامعہ محمدیہ، جامعہ دارالسلام اور اس کے علاوہ کئی اسکول ومدارس میں

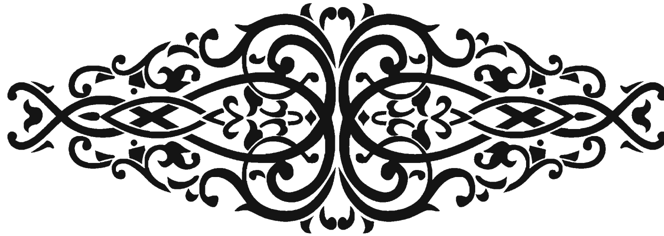
آپ کو تدریس کا شرف حاصل ہے جس کی وجہ سے ظاہر ہے کہ تلامذہ کی ایک بڑی تعداد ہوگی مگر یہاں چند قابل ذکر نام درج کئے جارہے ہیں۔

(۱) شیخ عبدالمعید مدنی علیگڑھ (۲) شیخ ظفرالحسن مدنی (۳) شیخ عبدالباری فتح اللہ (۴) شیخ عزیر شمس مکہ (۵) ڈاکٹر بدرالزماں نیپالی (۶) شیخ اصغر علی امام مہدی سلفی (۷) شیخ عبدالرقیب سلفی بہار (۸) مولانا عبدالسلام سلفی ممبئی (۹) مولانا ارشد فہیم سلفی مدنی بہار (۱۰) مولانا عبدالنور نملی (ممبرا) (۱۱) مولانا خورشید احمد سلفی جھنڈانگر (۱۲) مولانا ابوالقاسم عبدالعظیم مدنی مئو (۱۳) شیخ عبدالمنان سلفی جھنڈانگر (۱۴) مولانا عزیز احمد مدنی (دہلی) (۱۵) مولانا رفیق احمد رئیس سلفی علی گڑھ (۱۶) مولانا عبدالحسیب مدنی (بنگلور) (۱۷) مولانا عبدالعظیم مدنی (بنگلور)۔

رب العالمین سے دعا ہے کہ شیخ موصوف کو صحت و عافیت عطا فرمائے اور آپ کے علم و عمل سے ملک و جماعت کو فائدہ اٹھانے کی توفیق مرحمت کرے۔ آمین۔

مراجع ومصادر: ۱۔سوانحی معلومات پر مشتمل شیخ کی آڈیو ریکارڈنگ
۲۔جریدہ ترجمان وسووینیر تاریخ اہل حدیث شائع شدہ بموقع پاکوڑ کانفرنس
۳۔ذاتی معلومات ولقاءات





استاد الاساتذہ قاری نثار احمد فیضی مئو

ولادت ۲۰ جون ۱۹۴۲ء

نام: نثار احمد

والد کا نام: حافظ محمد ابراہیم ہے جو پیشہ کے اعتبار سے پارچہ باف تھے۔

نسب نامہ: نسب یوں ہے نثار احمد، بن حافظ محمد ابراہیم بن حافظ محمد سعید بن بدھو۔

تاریخ پیدائش: ۲۰ رجون ۱۹۴۲ء مئو ناتھ بھنجن کے مغربی خطہ کے محلہ مرزا ہادی پورہ میں پیدائش ہوئی۔

تعلیم: عہد طفولیت ہی میں والد کا سایہ عاطفت سر سے اٹھ گیا تھا، والدہ محترمہ نے جواب وفات کر چکی ہیں (نور اللہ مرقدہا) بہت زیادہ غربت کے باوجود میری تعلیم پر بہت ہی دھیان دیا اور ابتدائی تعلیم کے لئے محلہ ہی کے ایک انتہائی بزرگ، تہجد گزار ممتاز عالم دین حکیم مولانا سلیمان رحمہ اللہ (جو جامع مسجد اہل حدیث مرزا ہادی پورہ میں بچوں کو بطور اعزازی پڑھاتے تھے) کے پاس بیٹھایا۔ موصوف شیخ الکل فی الکل سید نذیر حسین محدث دہلوی (میاں صاحب) رحمہ اللہ کے تلمیذ رشید تھے، انہی کے پاس اور انہی کی نگرانی میں رہ کر قرآن مجید، پھر کچھ ابتدائی فارسی اور گلستاں و بوستاں وغیرہ کی تعلیم حاصل کی۔ اسی اثناء میں استاذ گرامی نے قرآن کی کچھ سورتیں ساتھیوں سے زبانی یاد کرائی، ساتھیوں کی بنسبت میں کچھ جلدی حفظ کر لیتا تھا۔ اس زمانہ میں مرحوم مولانا مختار احمد ندوی کلکتہ میں خطیب تھے، جب گھر تشریف لائے تو استاذ محترم رحمہ اللہ نے ان سے کہا کہ نثار کی اماں سے کہئے کہ نثار کو حافظ بنادے، مولانا ندوی مرحوم میرے پھوپھی زاد بھائی تھے، والدہ تیار ہوگئیں اور میں حفظ قرآن کے لئے مدرسہ عالیہ میں بزرگ حافظ، حافظ احمد اللہ رحمہ اللہ کے پاس حفظ کرنے لگا اور اللہ کی توفیق سے تین سال میں حفظ قرآن کی تکمیل سے سرفراز ہوگیا۔ تکمیل حفظ کے بعد مدرسہ عالیہ (مئو) ہی میں پرائمری پڑھا اور پھر درجات عربیہ کے لئے جماعت اولیٰ میں داخلہ لیا، اور جماعت رابعہ تک اسی مدرسہ عالیہ میں پڑھا۔ اس کے بعد جامعہ اسلامیہ فیض عام میں داخلہ لیا اور وہیں سے ۱۳۸۷ھ / ۱۹۶۷ء میں تکمیل وفراغت ہوئی۔

اساتذہ: حکیم مولانا سلیمان رحمہ اللہ مئو (تلمیذ سید نذیر حسین محدث دہلوی) حافظ احمد اللہ رحمہ اللہ قدیم مدرسہ عالیہ جمال پورہ مئو، مولانا عبدالعلی رحمہ اللہ، مولانا عبدالحکیم فیضی رحمہ اللہ بن مولانا عبدالعلی رحمہ اللہ، مولانا فضل الرحمن رحمہ اللہ، مولانا محمد الیاس فیضی رحمہ اللہ، مولانا اسحاق فیضی رحمہ اللہ، مولانا قاری عبدالسبحان فیضی رحمہ اللہ، مولانا مفتی حبیب الرحمن فیضی (ناظم جامعہ فیض عام) رحمہ اللہ، مولانا محمد عظیم اللہ فیضی رحمہ اللہ، مولانا جمیل احمد فیضی رحمہ اللہ، مولانا عبدالمعید بنارسی رحمہ اللہ، مولانا شمس الحق سلفی رحمہ اللہ شیخ الحدیث جامعہ فیض عام مئو، مولانا صفی الرحمن فیضی رحمہ صاحب الرحیق المختوم ودیگر تصانیف۔

تجوید: جب تک مدرسہ عالیہ میں (موجودہ جامعہ عالیہ) درجات عربیہ کی تعلیم حاصل کی، قاری ظہیر الدین رحمہ اللہ سے

تجوید کی مشق کی اور جب جامعہ فیض عام میں حصول تعلیم کے لئے آیا تو استاذ القراء قاری خلیل الرحمنؒ کے پاس پڑھ کر بروایت حفص تجوید کی تکمیل کی۔

تلامذہ: تلامذہ کی تعداد تو بہت ہے چند کے نام یہ ہیں: شیخ عبدالباری فتح اللہ مدنی، شیخ ظفرالحسن مدنی، شیخ مقصودالحسن فیضی، مولانا مقیم فیضی، مولانا عبیدالرحمن مدنی، مولانا مظہر علی مدنی، مولانا شمیم عمری، مولانا شفیع احمد فیضی ناظم جامعہ فیض عام، مولانا محمد ابراہیم مدنی، مولانا حافظ شمیم املوی، مولانا محمد منظور کشمیری، مولانا عبدالحمید فیضی، مولانا حماد الرحمن سلفی، مولانا لیث محمد مدنی، مولانا مشتاق احمد ندوی، مولانا حفیظ اللہ فیضی، مولانا اسلام الدین سلفی، مولانا عبدالغنی فیضی، مولانا نسیم الحق فیضی۔

درس وتدریس: ۱۹۶۷ء میں فراغت کے بعد ایک سال ۱۹۶۸ء میں مسجد اہل حدیث مومن پورہ ممبئی میں رہا۔ ممبئی کی آب وہوا میرے لیے راس نہیں آئی، مئو چلا آیا اور صدیق حمیم مولانا محفوظ الرحمن فیضی کا شکرگذار ہوں کہ انہوں نے برس دن بعد ۱۹۶۹ء میں ناظم صاحب رحمہ اللہ (مولانا محمد احمد) سے کہہ کر جامعہ اسلامیہ فیض عام میں درجات عربیہ میں بطور مدرس میری تقرری کرادی، اس وقت سے ۲۰۰۳ء میں ریٹائر ہونے تک اور اس کے بعد تا حال ۱۷۔۲۰۱۸ء جامعہ اسلامیہ فیض عام کا بحیثیت مدرس خادم ہوں۔

امامت وخطابت: یوں تو مدرسہ (جامعہ عالیہ) میں طالب علمی کے دور میں ہی کبھی کبھی کوئی نماز جامع مسجد اہلحدیث مرزاہادی پورہ میں پڑھاتا تھا، اس وقت اس میں جمعہ قائم نہیں ہوا تھا، فراغت کے ایک سال بعد ممبئی سے واپس آنے پر اور جامعہ فیض عام کا مدرس ہونے ہی کے سال میں ۱۹۶۹ء میں اس مسجد میں جمعہ قائم کر دیا گیا، ابتدا میں جمعہ کا خطبہ کبھی میں دیتا کبھی کوئی دوسرا خطیب ہوتا لیکن کچھ ہی دن تک یہ غیر مستقل صورت حال رہی پھر میں ہی مستقل خطبہ جمعہ دینے لگا اور پنج وقتہ نماز پڑھانے لگا اور اب امامت وخطابت کی پوری ذمہ نبھانی پڑتی ہے۔ اور یہ تا حال ۲۰۱۷ء/ ۲۰۱۸ء جاری وساری ہے۔

اہم تعلیمی ودعوتی کام: دعوت وارشاد کے لئے سفر بھی ہوتا رہتا ہے جس میں اکثر بہار اور آندھرا پردیش کے مختلف مقامات کا سفر ہوتا رہتا ہے نیز یوپی کے بعض مقامات اور مئو کے قرب وجوار میں دعوت وتبلیغ کے لئے سفر کا سلسلہ اب بھی جاری ہے۔ جامع مسجد اہلحدیث اسلام آباد مئو اور مسجد اہل حدیث مدنپورہ مئو کے قیام وتعمیر میں بھی آپ کی کاوشیں قابل قدر ہیں۔ **الحمدللہ وبنعمتہ تتم الصالحات۔**

اولاد: آپ کے کل سات بچے ہیں جن میں پانچ بیٹیاں اور ۲ لڑکے ہیں سب ماشاءاللہ دیندار وخوشحال ہیں۔

(جریدہ ترجمان ۱۵۔۱/ مارچ ۲۰۱۲ء)

اور فارم اہل حدیث انسائیکلوپیڈیا

❑❑❑

مشہور سوانح نگار اور معروف قلمکار

مولانا عبدالرؤف ندوی: تلسی پوریوپی

ولادت اپریل ۱۹۴۹ء

نام مع پتہ: عبدالرؤف ندوی محلہ پوروہ، مقام و پوسٹ: تلسی پور، ضلع: بلرام پور، یوپی پن کوڈ ۲۷۱۲۰۸۔

تاریخ پیدائش: ضلع بلرام پور قصبہ تلسی پور کے مرکزی موضع ہرہٹہ میں (جو تلسی پور سے دکھن جانب ۱۲ کلومیٹر دور اٹوا روڈ پر واقع ہے) میری تاریخ پیدائش بروایت والد محترم ۲۷/ اپریل ۱۹۴۹ء ہے۔

خاندانی پس منظر: میرا پورا نام عبدالرؤف ہے ندوی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنو کی طرف انتساب ہے۔

سلسلہ نسب یہ ہے کہ عبدالرؤف بن محمد نامدار بن ولی محمد بن نبی بخش بن خرم خاں ہمارے اجداد کو علم وعمل تقویٰ و دینداری میں ممتاز مقام حاصل تھا۔ الحمدللہ یہ سلسلہ آج تک چلا آ رہا ہے اور ہمارے خاندان کا تعلیم و تعلم سے ہمیشہ تعلق رہا ہے۔

(عم محترم مولانا عبداللہ سعیدی حفظہ اللہ، عبدالقوی اثری، شفیق الرحمن فیضی، مولانا اسرار الحق مدنی فیجی، مولانا عطاء الرحمن مدنی سعودیہ عربیہ، مولوی مشتاق احمد فیضی، مولانا زبیر احمد مدنی، مولانا عبدالقیوم سراجی، طفیل احمد فیضی، ضیاء الرحمن سلفی، محمد ظفر محمدی، ضیاء الحق محمدی، حافظ عبدالخبیر فیضی اور راقم الحروف عبدالرؤف خاں ندوی اسی خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔)

ہمارے دادا تحصیل اترولہ ضلع بلرام پور یوپی کے موضع کھرہنہ کے مستقل باشندے تھے وہاں پر دادا رحمہ اللہ کی زمینداری تھی خاندان میں کسی بات پر اختلاف کی وجہ سے وہاں کا اپنا حصہ چھوڑ کر تحصیل تلسی پور کے مشہور و معروف مرکزی گاؤں ہرہٹہ آ کر مستقلاً آباد ہو گئے۔

تعلیمی لیاقت:

ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں ہرہٹہ کے مدرسہ ضیاء العلوم میں درجہ ہفتم تک حاصل کی، ابتدائی کتابیں میاں عبدالحلیم صاحب رحمہ اللہ سے پڑھیں۔ دینیات، ادب، اردو، تاریخ اور ابتدائی عربی اور فارسی کتابیں عم محترم مولانا عبداللہ صاحب سعیدی حفظہ اللہ سے پڑھیں، ہندی، حساب، سائنس، جغرافیہ، انگریزی وغیرہ ماسٹر محمد سلیم خاں (اترولہ) سے پڑھیں۔

والد محترم کی خواہش پر ۱۹۶۱ء میں دارالعلوم ندوہ العلماء میں اعلیٰ تعلیم کے حصول کے مقصد سے داخلہ لیا گرامی قدر استاذ محترم ڈاکٹر سعید الرحمن ندوی اعظمی موجودہ مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ مدیر البعث الاسلامی لکھنؤ و پروفیسر محمد اجتباء الحسینی ندوی نے ٹسٹ لیا اور جماعت ثانیہ میں داخلہ کی منظوری مرحمت فرمائی۔ بڑے خوش قسمت ہیں وہ طلبہ جن کا حسب خواہش مطلوبہ درجات میں داخلہ مل

جائے۔ مسلسل چھ سال تک محنت ولگن سے تعلیمی سفر جاری رہا اور ۱۹۶۶ء میں سند فراغت حاصل کی اور آخری سال میں دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ضابطہ کے مطابق شیخ الحدیث علامہ عبیداللہ مبارکپوری رحمہ اللہ صاحب مرعاۃ المفاتیح کے مشورہ پر علامہ خطیب بغدادی پر عربی میں مقالہ لکھا، ندوۃ العلماء کی جمعیۃ الاصلاح سے دو دفعہ انعام حاصل کیا۔

ناچیز کو شروع ہی سے احادیث نبویہ ﷺ سے محبت تھی بدقسمتی سے اس وقت ملک میں اپنی جماعت کا کوئی مرکزی ادارہ نہیں تھا اس لئے ندوہ العلماء لکھنؤ میں تعلیم مکمل کرنے کے بعد جامعہ ریاض العلوم دہلی کا رخ کیا اور وہاں تین سال رہ کر شیخ الحدیث علامہ مفتی عبدالسلام بستوی رحمہ اللہ اور خطیب الہند مفسر قرآن مولانا محمد صاحب جونا گڑھی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید علامہ مولانا سید تقریظ احمد سہسوانی رحمہ اللہ مدیر اخبار اہل حدیث دہلی سے صحاح ستہ وغیرہ پڑھ کر حدیث کی تکمیل کی۔

قابل ذکر اساتذہ کرام:

شیخ الحدیث مفتی مولانا عبدالسلام بستوی، مولانا سید تقریظ احمد سہسوانی، مولانا محمد اویس ندوی نگرامی شیخ التفسیر دارالعلوم ندوۃ العلماء، مولانا عبدالحفیظ صاحب بلیاوی (صاحب مصباح اللغات)، مولانا محمد اسباط صاحب قاسمی، مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی ندوی، مولانا ابوالعرفان صاحب ندوی، مولانا محمد رابع الحسنی ندوی موجودہ ناظم دارالعلوم ندوہ العلماء لکھنؤ، ڈاکٹر سعید الرحمن صاحب اعظمی ندوی موجودہ مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء، مولانا عبدالماجد ندوی مولانا اجتباء الحسنی الندوی، مولانا تقی الدین ندوی مظاہری، مولانا حبیب الرحمن صاحب قاسمی، مولانا وجیہ الدین صاحب ندوی، مولانا محمد ظہور ندوی مفتی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، مولانا محمد ناصر ندوی، قاری محمد اسلام صاحب، ماسٹر شاہد علی صاحب اور گاؤں کے اساتذہ میں مولانا عبداللہ سعیدی اور میاں عبدالحلیم و ماسٹر محمد سلیم وغیرھم قابل ذکر ہیں۔

دعوتی و تنظیمی خدمات:

ارباب جمعیت کی خواہش پر الحمدللہ ۱۹۷۰ء۔۱۹۸۵ء پندرہ سال تک نامساعد حالات کے باوجود ضلعی جمعیت اہل حدیث بلرام پور کے جملہ شعبہ کے فرائض بحسن وخوبی انجام دیتا رہا۔ جمعیۃ کی ذمہ داری سنبھالنے سے پہلے جمعیۃ جمود وتعطل کا شکار تھی، صرف کاغذ پر جمعیۃ کا وجود تھا جمعیت کا اپنا کوئی نجی گھر نہیں تھا، ان حالات میں جو شخص کسی بنیادی و تنظیمی جدوجہد سے وابستہ ہو، وہی راستہ کی دشواریوں اور منزل کی کٹھنائیوں سے واقف ہوتا ہے، کسی بھی منظم کام کے لئے ایک مرکز اتصال کا ہونا انتہائی ضروری ہے، جہاں سے ہر حرکت وعمل کی نگرانی کی جاسکے۔ جہاں ہر جدوجہد کے خاکے تیار ہوں، منزلیں متعین کی جائیں اور جہاں بیٹھ کر کاموں کا جائزہ لیا جائے اور اس کے راستے اور طریق کار کی کھوج کی جائیں، مارچ ۱۹۶۸ء زیر صدارت مولانا عبدالجلیل رحمانیؒ ضلعی جمعیت گونڈہ کے زیر اہتمام ایک ریاستی کانفرنس تلسی پور میں منعقد ہوئی، جو نظم ونسق شرکت علماء وفضلاء نیز سامعین کے اجتماع کثیر کے اعتبار سے نوگڑھ کی آل انڈیا اہل حدیث نوگڑھ کی تاریخی ومثالی کانفرنس کے بعد دوسرے نمبر پر تھی اور اس کانفرنس کے ملک گیر پیمانے پر جماعت کی کوئی دوسری کانفرنس آج تک دیکھنے میں نہیں آئی، ریاستی

کانفرنس نے ایک قرارداد میں یہ تجویز منظور کی کہ ضلعی جمعیت گونڈہ (بلرام پور) کا ایک آفس تلسی پور میں قائم کیا جائے تو ارباب جماعت بلرام پور نے یہ بار عظیم اپنے کندھوں پر لے لیا اور ریاستی کانفرنس کے کثیر اخراجات سے زیر بار ہونے کے باوجود عین برسات میں دفتر کا کام تھانہ روڈ پر مکمل کر لیا اور دفتر عمارت کی تعمیر اور اس سے ملحقہ عمارت میں مکتبہ وشایان شان لائبریری کا قیام اور ضلعی جمعیۃ کی نگرانی میں مدرسہ ریاض الاسلام کا قیام اور پرائمری درجات سے لے کر جماعت رابعہ تک کی تعلیم کا انتظام، بیرونی ونادار طلبہ کے لئے قیام وطعام کا بندوبست، ضلع کے گاؤں گاؤں میں مقامی جمعیتوں کی تشکیل اور اجرائے مکاتب ومدارس الحاق وتنظیم جمعیۃ کی زیر نگرانی ضلع کے ملحقہ مکاتب کا سنٹروں پر امتحانات معائنہ جات، ضلع میں دعوت وتبلیغ اور ماہانہ تبلیغی اجلاس کا انعقاد، شرک وبدعت، رسم ورواج کی بیخ کنی اور اس کے ساتھ دینی مذہبی اصلاحی لٹریچر، پمفلٹ اور کتابوں کی اشاعت کا کام بھی بحسن خوبی انجام پا تا رہا۔ الحمد للہ ان سرگرمیوں سے پورے ضلع کی جماعت ایک مربوط نظام کے تحت آ گئی ضلعی جمعیت کو نا چیز آگے بڑھانے میں کوشاں رہا اور ریاستی وضلعی کانفرنس سے جمود کو توڑنے کی انتھک جدوجہد کی، ملک کی جماعت کو حرکت وعمل کا پیغام ملا، ضلعی جمعیت کا یہ دور مثالی ثابت ہوا اور اس نے پورے ملک میں حرکت وعمل وبیداری کا صور پھونکا اور ملک کی جماعت کو خواب غفلت سے بیدار کرنے اور جمود وتعطل کو ختم کرنے میں اہم رول ادا کیا، جریدہ ترجمان دہلی ودیگر جماعتی رسائل واخبارات وعلماء کرام کے خطوط شاہد ہیں، اس پندرہ سالہ دور میں اہم تاریخی کارنامے انجام پائے جو تاریخ کی محفوظ امانت ہیں جو آج بھی بطور تحدیث نعمت اکثر لوگ ذکر کرتے ہیں، واضح رہے کہ یہ سارے کام اس وقت انجام پائے جب کہ آج کی بہ نسبت اس وقت مالی وسائل کی فراوانی نہیں تھی آج بھی بحیثیت نائب امیر ضلعی جمعیۃ اہل حدیث بلرام پور جمعیۃ کے عروج وارتقاء کے لئے کوشاں ہوں اللہ تعالیٰ میری کوشش کو قبول فرمائے۔ آمین

تدریسی خدمات:

● ۸۷۔۱۹۸۶ء دوسال درس گاہ معہد الاسلامی اکرہرا سدھارتھ نگر ● ۸۹۔۱۹۸۸ء یعنی دوسال انجمن محمدیہ جروا روڈ تلسی پور ومدرسہ ریاض الاسلام تھانہ روڈ زیر نگرانی ضلعی جمعیۃ میں کئی برسوں تک عربی درجات کی تدریسی فرائض انجام دیتا رہا ●۱۹۹۰ء۔۲۰۱۷ء معہد خدیجۃ الکبریٰ للبنات گینسڑی بازار ضلع بلرامپور میں تدریسی خدمات انجام دے رہا ہوں اس اکتیس سالہ تدریسی خدمات کے دوران تلامذہ وتلمیذات کی تعداد سینکڑوں ہوں گی جو لاتحصی ولاتعد ہے۔

صحافتی خدمات:

اردو زبان میں لکھنے پڑھنے کا شوق عہد طالب علمی ہی سے ہے، عمر کے بڑھنے کے ساتھ یہ شوق بڑھتا ہی رہا کئی سال اخبار اہل حدیث دہلی کی مجلس ادارت سے منسلک تھا اس وقت تصنیف وتالیف تخریج وتحقیق، درس وتدریس، دعوت وتبلیغ کے علاوہ ملک کے مشہور اخبار، جرائد ورسائل میں دینی سماجی اصلاحی تاریخی تحقیقی سیاسی حالات حاضرہ پر مضامین لکھتا رہتا ہوں اب تک سینکڑوں مضامین لکھ چکا ہوں۔

تصنیفی خدمات:

اصحاب دین ودانش کے مشورہ پر مجلس التحقیق الاسلامی کے نام پر مجلس کا قیام ۱۹۹۱ء میں عمل میں آیا، مجلس کے مقاصد میں یہ عظیم مقصد بھی ہے کہ عام مسلمانوں کے سامنے عصر حاضر کے اہم مسائل پر نئی نئی جامع مفید لٹریچر اور کتابوں کے علاوہ اسلاف کرام کی نادر ونایاب کتابوں کی بھی اشاعت کر کے مفت تقسیم کی جائے، اللہ کا شکر ہے کہ اس مختصر مدت میں ضخیم وغیر ضخیم کتابیں اردو، ہندی زبان میں شائع کرا کے پچاسی ہزار نسخے مفت تقسیم کئے جا چکے ہیں اور یہ مفید سلسلہ تا ہنوز جاری ہے، اللہ تعالیٰ کی توفیق اور معاونین کرام کی توجہ سے ناچیز کی درج ذیل کتب کے کئی کئی ایڈیشن منظر عام پر آچکے ہیں۔

(۱) اسلامی آداب معاشرت: اول، دوم، سوم، ازعبدالرؤف خاں ندوی، طبع اول دو ہزار، طبع دوم دو ہزار، طبع سوم دو ہزار، طبع چہارم دو ہزار، تینوں حصے کے کل صفحات ۵۴۴ ہیں۔

(۲) خانہ ساز شریعت اور آئینہ کتاب وسنت: ازعبدالرؤف خاں ندوی۔ طبع اول دو ہزار، طبع دوم دو ہزار، طبع سوم گیارہ سو عدد کل صفحات ۴۶۲ ہیں۔

(۳) عورت اسلام کے سائے میں: ازعبدالرؤف خاں ندوی: طبع اول دو ہزار، طبع دوم دو ہزار، طبع سوم گیارہ سو، طبع چہارم گیارہ سو عدد کل صفحات ۲۲۰ ہیں۔

(۴) نقوش وتاثرات: ازعبدالرؤف خاں ندوی، مرتب محمد ظفر عبدالرؤف محمدی۔ طبع اول گیارہ سو، طبع دوم ایک ہزار کل صفحات ۲۴۵ ہیں۔

(۵) کتاب الدعاء: ازعبدالرؤف خاں ندوی۔ طبع اول دو ہزار، طبع دوم گیارہ سو، طبع سوم ایک ہزار، طبع چہارم ایک ہزار صفحات ۱۸۴ ہیں۔

(۶) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز: ازعبدالرؤف خان ندوی: طبع اول دو ہزار، طبع ثانی گیارہ سو۔ کل صفحات ۳۷۶ ہیں۔

(۷) کاروانِ سلف حصہ اول: ازعبدالرؤف خاں ندوی طبع اول گیارہ سو، صفحات ۴۰۰ ہیں۔

(۸) کاروانِ سلف حصہ دوم: ازعبدالرؤف خان ندوی۔ زیر طبع

اس کے علاوہ مجلس نے دوسرے مشہور نامور اہل علم واہل قلم کی کتابوں کی اشاعت اردو ہندی زبان میں ہزاروں کی تعداد میں ملک وبیرون ملک مفت تقسیم کر چکی ہے جو درج ذیل ہیں۔

(۹) ہندوستان میں اشاعت اسلام: ازقاضی محمد سلیمان منصور پوری رحمہ اللہ۔ طبع اول اردو ہندی ایڈیشن دو ہزار۔

(۱۰) خصوصیات اسلام: ازقاضی محمد سلیمان منصور پوری رحمہ اللہ۔ طبع اول اردو ہندی ایڈیشن دو ہزار۔

(۱۱) اسلام کا نظام زکوٰۃ: ازامام الہند مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ۔ طبع اول دو ہزار۔

(۱۲) اسلام اور چھوت چھات: ازقاضی عابد علی بلہوری رحمہ اللہ۔ طبع اول اردو ہندی ایڈیشن دو ہزار۔

(۱۳) ضعیف اور موضوع روایات: ازمولانا عبدالسلام رحمانی حفظہ اللہ۔ طبع اول ایک ہزار، طبع دوم ایک ہزار۔

(۱۴) آئینہ حج: از مولانا شمیم احمد سلفی قطر حفظہ اللہ۔ طبع اول دو ہزار، طبع دوم دو ہزار، طبع سوم ایک ہزار، طبع چہارم ایک ہزار، طبع پنجم ایک ہزار۔

(۱۵) نماز کے موضوع پر تین اہم مسائل: از مفتی اعظم علامہ عبدالعزیز بن عبداللہ بن بازؒ: مترجم مولانا زبیر احمد صاحب مدنی، حفظہ اللہ۔ طبع اول دو ہزار، طبع دوم دو ہزار، طبع سوم ایک ہزار۔

(۱۶) ہم نماز کیوں پڑھیں؟ از مولانا شمیم احمد سلفی قطر حفظہ اللہ۔ طبع اول اردو ہندی دو ہزار، طبع دوم دو ہزار، طبع سوم دو ہزار، طبع چہارم ایک ہزار۔

(۱۷) حقوق الزوجین: از مولانا شکر اللہ فیضی سلمہ اللہ۔ طبع اول دو ہزار۔

(۱۸) تقویٰ: از مولانا زبیر احمد مدنی حفظہ اللہ۔ طبع اول گیارہ سو۔

(۱۹) آہنگ قدسی: ماسٹر عبدالستار قدسی کواپوری رحمہ اللہ۔ طبع اول ایک ہزار۔

(۲۰) معاشرہ کی تباہ کاریاں: از مولانا منصور احمد مدنی۔ طبع اول دو ہزار۔

یہ اللہ کی توفیق ہے کہ تن تنہا ناسازیٔ طبع کے باوجود مجلس کی طرف سے تقریباً پچاسی ہزار نسخے ملک کے گوشہ گوشہ میں مفت تقسیم کیا گیا ہے اور الحمد للہ یہ مفید سلسلہ تاہنوز جاری ہے۔ حالات نے رفاقت کی اور صحت نے ساتھ دیا تو ہمارا قلم اسلام کی اشاعت اور شرک و بدعت، خرافات و منکرات کے رد میں چلتا رہے گا۔ انشاء اللہ۔

قارئین کرام سے صحت کے لئے خصوصی دعا کی درخواست ہے عوارض بڑھتے چلے جا رہے ہیں اللہ کرے ذہن وقلم کی شادابیاں قائم رہیں۔ تاکہ اللہ کے پاس جائیں تو کچھ آثار قلم کی متاع حقیر تو لیتے چلیں۔

اپنی تحریر میں منہج سلف سامنے رکھتا ہوں، میری کوشش ہوتی ہے کہ قرآن وسنت سے ثابت ہو، شرکت و بدعت سے اجتناب، توحید اور اتباع سنت کا اہتمام ہو، معاملات کی درستگی ہو، اسلامی معاشرہ کے مطابق سماج پاک وصاف ہو، رسم ورواج خرافات ومنکرات کی بیخ کنی ہو، اسلام کی بنیاد جن چیزوں پر قائم ہے اس پر پوری طرح عمل ہو، یہی راہ نجات ہے۔ اب عمر کے آخری مرحلہ میں ہوں، بیماری نے کمر توڑ دی ہے صبر وقناعت کا پیکر ہوں اور سادہ زندگی گزارنے کے خوگر بھی۔ کلمۂ حق کہنے کی عادت ہے جس میں حق میرا حلیف ہوتا ہے، جس بات کو حق سمجھتا ہوں اس کا برملا اعلان بھی کر دیتا ہوں کوئی خوش ہو یا ناخوش فقیر کا کام صدا لگانا ہے کبھی مخالف کی قوت دارو گیر سے ذرا بھی خائف نہیں ہوتا ہوں اور نہ کبھی کسی سرمایہ دار کے جیب پر بوجھ بننا پسند کرتا ہوں۔ بقول مجاز اعظمی رحمہ اللہ۔

سوداگری ضمیر کی ہم کو نہیں قبول
ہم سر جھکا کے کیوں اہل کرم سے ملا کریں

اولاد: اللہ تعالیٰ نے ناچیز کو تین لڑکے اور پانچ لڑکیوں سے نوازا ہے ماشاء اللہ سب تعلیم یافتہ اور اسلامیات کے پابند ہیں۔

(۱) محمد ظفر محمدی جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں سے عالمیت وفضیلت کی تکمیل کے بعد صوبہ مہاراشٹر ممبئی سے ہائی اسکول اور انٹر

میڈیٹ کے ساتھ ساتھ علی گڑھ سے ادیب، ادیب ماہر، کامل، اور معلم کا امتحان بھی ممتاز نمبرات سے پاس کر چکے ہیں عزیزی محمد ظفر محمدی کی شادی خانہ آبادی ہمراہ عزیزہ شبنم بنت حاجی انیس احمد سمرا سے ہوئی ہے، ماشاء اللہ فی الحال دو بچے ہیں جن کا نام بالترتیب احسن ظفر اور ارقم ظفر ہے عزیزی محمد ظفر محمدی کی اہلیہ شبنم خانم ماشاء اللہ عالمہ فاضلہ ہیں۔

(۲) محمد اقبال دوسرے صاحبزادہ ہیں ہائی اسکول اور انٹرمیڈیٹ اتر پردیش بورڈ سے پاس کر چکے ہیں اسکے علاوہ علی گڑھ سے ادیب، ادیب ماہر، کامل اور ہندی ساہتیہ الہ آباد سے سند فراغت حاصل کر چکے ہیں عزیزی کی شادی ہمراہ آمنہ خاتون بنت عبدالحق خاں ساکن کمہر یا (اٹوابازار) سے ہوئی ہے محمد اقبال کی اہلیہ بھی ماشاء اللہ عالمہ فاضلہ ہیں۔

(۳) محمد سلمان تیسرے صاحبزادہ ہیں ہائی اسکول اور انٹرمیڈیٹ کر چکے ہیں فی الحال جامعہ اسلامیہ لیبیا کی یونیورسٹی میں زیر تعلیم ہیں۔

بڑی لڑکی سلمٰی خانم کی شادی ہمراہ مولانا شفاعت اللہ ندوی سے ہوئی ہے، دوسری لڑکی کوثر جہاں تسنیم کی شادی ہمراہ مولانا زبیر احمد مدنی سے ہوئی ہے۔ تیسری لڑکی بشریٰ خانم کی شادی ہمراہ مولانا عبدالمبین اثری سے ہوئی ہے۔ چوتھی لڑکی صدیقہ خانم کی شادی ہمراہ مولانا خالد سنابلی سے ہوئی ہے۔ پانچویں لڑکی فاطمہ خانم کی شادی مولانا جلال الدین محمدی ایڈیٹر ''عالمی خبریں'' ممبئی سے ہوئی ہے۔ ماشاء اللہ پانچوں داماد عالم دین ہیں، جہاں بھی ہیں اپنے اپنے فرائض کی ادائیگی میں مصروف عمل ہیں اللہ تعالیٰ ان سبھوں کو ہمیشہ شاد آباد رکھے۔ آمین۔

اللہ تعالیٰ میری دینی خدمات کو قبول فرمائے، عفو در گذر کا معاملہ فرمائے اور خاتمہ بالخیر ہو۔

یا خدا جسم میں جب تک کہ میری جان رہے
تجھ پہ صدقے تیرے محبوب پہ قربان رہے
کچھ رہے یا نہ رہے پر یہ دعا ہے کہ امیر
نزع کے وقت سلامت مرا ایمان رہے

والسلام

عبدالرؤف خان ندوی

تلسی پوری۔ بلرامپور، یوپی۔ ۲۳/ مارچ ۲۰۱۳ء

(کاروان سلف جلد اول از مولانا عبدالرؤف ندوی: ص ۴۰۳۔ ۴۱۲)



مشہور قلمکار اور ادیب

مولانا ابوالعاص وحیدی حفظہ اللہ

استاذ صفا شریعت کالج ڈومریا گنج سدھارتھ نگر، یوپی

مختصر حالات زندگی

پیدائش: ۱۰ر جنوری ۱۹۹۵۱

قوموں اور ملتوں کے لئے رجال وشخصیات کے تراجم وسوانح کی بڑی اہمیت ہے اس لئے کہ ان کے حالات وواقعات میں عبرت ونصیحت کا سامان ہوتا ہے، سوانح نگاری کے دو طریقے ہیں: اول یہ کہ مختلف شخصیات پر دوسرے لوگ مختصر ومطول کتابیں لکھیں جیسا کہ محدثین عظام اور علماء کرام نے رواۃ ورجال کے حالات وسوانح پر بے شمار کتابوں کا ذخیرہ چھوڑا ہے: دوم یہ کہ اصحاب سوانح خود اپنے حالات زندگی کا تذکرہ کریں، عربی واردو اور دوسری زبانوں میں خودنوشت سوانح نگاری کا سلسلہ بھی جاری وساری ہے، جماعت کے بعض اکابر واصاغر کے اصرار پر راقم الحروف کی یہ تحریر بھی اسی زریں سلسلہ کی ایک کڑی ہے جس میں بہت اختصار کے ساتھ زندگی کے حالات اور اس کے نشیب وفراز پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے، اللہ تعالی اس تحریر کو علماء وطلبہ کیلئے باعث عبرت ونصیحت بنائے (آمین)

خاندانی پس منظر:

میرا گاؤں اھراڈیہہ تحصیل ڈومریا گنج، سدھارتھ نگر، یوپی میں مشہور تاریخی قصبہ قاضی بیارا کے شمال میں تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے، گاؤں کے بعض بزرگوں سے مجھے معلوم ہوا کہ گاؤں میں جو خان یا چودھری برادری کے لوگ ہیں جیسے میرا خاندان اور مولانا حمید اللہ فیضی (مقیم حال ممبئی) وغیرہ کا خاندان، ان کے آباء واجداد عہد مغلیہ میں انیسوی صدی کے اواخر میں فیض آباد کے علاقہ سے ھجرت کر کے ادھراڈیہہ میں آباد ہو گئے جو کنوانوں ندی کے قریب واقع ہے۔

میرے دادا جان محمد زیادہ تعلیم یافتہ نہیں تھے اردو حساب، ابتدائی دینیات اور قرآن ناظرہ تک تعلیم محدود تھی، صلاۃ وصوم کے پابند تھے اور دینی وسیاسی شعور رکھتے تھے، اس وقت علاقہ میں بیارا قاضی کانگریسی ومسلم لیگی سیاست کا مرکز تھا، میرے دادا کانگریسی تھے، اور قاضی عدیل عباسی وغیرہ کے پرجوش حامیوں میں سے تھے۔

میرے والد محترم مولانا زین اللہ ضیغم (متوفی ۱۹۷۸ء) نے پرائمری سے میڈل تک کی تعلیم سرکاری اسکول میں حاصل کی، گھر پر دینیات، اردو اور قرآن ناظرہ کی تحصیل کی، اس کے بعد جامعہ سراج العلوم کنڈوبونڈہار، بلرام پور، یوپی میں درجہ ادنی سے عربی سوم تک تعلیم حاصل کی، گھریلو حالات کی وجہ سے تعلیم کی تکمیل نہ ہو سکی، مگر فارسی واردو ادب کا اچھا ذوق تھا، اسلامی وملکی تاریخ پر گہری نظر

تھی، قرآن مجید سمجھ کر پڑھتے تھے، قرآن ہی کی روشنی میں خطبہ جمعہ دیتے تھے، شعر وسخن سے دل چسپی کے ساتھ شاعری کا ذوق بھی تھا، مجھے کبھی کبھی منظوم خط بھی لکھتے، ان کی بعض نظمیں میرے پاس محفوظ ہیں، اسی طرح والد صاحب کی کتابوں میں پیام مشرق ،کلیات اقبال، کلیات اکبر، اور کلیات فانی، وغیرہ میری لائبریری میں موجود ہیں۔ والد صاحب بڑے جری اور بیباک تھے۔ داعیانہ ومصلحانہ جذبہ رکھتے تھے، اور صلوات خمسہ کے پابند ہونے کے ساتھ زاہد شب زندہ دار بھی تھے، مجھے صلاۃ تہجد کی ترغیب دیتے ہوئے اکثر علامہ اقبال کا یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

عطار ہو رومی ہو رازی ہو غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی

میرا ننہیال کسمھی تحصیل ڈومریا گنج، سدھارتھ نگر، یوپی میں ہے، جو ٹکریا کے پورب واقع ہے میری والدہ فاطمہ رحمہا اللہ (متوفی ۱۹۹۲ء) نے مدرسہ مفتاح العلوم ٹکریا میں درجہ ششم تک تعلیم حاصل کی ہے۔ ناظرہ قرآن، دینیات اور اردو وغیرہ کے ساتھ فارسی زبان سے بھی ابتدائی واقفیت رکھتی تھیں، قرآن کی تلاوت مع ترجمہ کرتی تھیں، دینی کتابوں کا مطالعہ کرتی رہتی تھیں، مسائل پوچھتی رہتی تھیں، خاندان کی عورتوں کو وہ نماز کی تلقین وتاکید کرتی رہتی تھیں، اسی طرح ازدواجی زندگی کے ابتدائی مرحلہ میں وہ والد صاحب کی اجازت سے گاؤں کے بعض بچوں وبچیوں کو قرآن ناظرہ وغیرہ کی تعلیم مفت میں دیتی تھیں۔

میرے والدین کی ایک مشترکہ خصوصیت یہ تھی کہ وہ عقیدۂ توحید میں بہت پختہ تھے، ان کی زندگی کے ایسے متعدد واقعات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایسے تمام امور سے مکمل اجتناب کرتے تھے جو مزاج توحید کے منافی ہوتے، اسی طرح دینی تربیت کے معاملہ میں بھی وہ بڑے سخت تھے۔ نماز اور صحیح اخلاق ومعاملات کے بارے میں اپنی اولاد کو بھی تاکید کرتے رہتے اور گاؤں کے مردوں وعورتوں کو بھی بڑی دردمندی سے سمجھاتے رہتے تھے، کافی حد تک جس کے اچھے اثرات ظاہر ہوئے، جس کا احساس ابتک لوگوں کو ہے **سقی اللہ ثراهما وجعل الجنة مثواهما (آمین)**

اس مختصر خاندانی پس منظر اور گھر کے علمی ودینی احوال کے تذکرہ کے بعد اب پیدائش سے تادم تحریر راقم الحروف کی زندگی کے حالات ملاحظہ ہوں!

نام: ابو العاص **شعری تخلص:** شائق بستوی **انشائی نام:** ابن ضیغم اور استاذ گرامی مولانا وحید الزماں کیرانوی مؤلف القاموس الجدید کی طرف اکتسابی نسبت کرتے ہوئے وحیدی لکھتا ہوں

سلسلۂ نسب اس طرح ہے: ابو العاص بن زین اللہ بن جان محمد بن مولی خاں

تاریخ پیدائش: علمی اسناد کے اعتبار سے ۱۰/ جنوری ۱۹۵۱ء، مگر صحیح سال پیدائش ۱۹۵۲ء ہے۔

پیدائش ونشوونما: اھراڈیہہ، پوسٹ پر یلا نرھریا، سدھارتھ نگر، یوپی میں ہوئی، جہاں مکان اور کھیتی باڑی ہے مگر ۲۰۱۶ء میں ڈومریا گنج میں سکونت اختیار کرلی ہے، اس لئے اب مستقل پتہ یہ ہے صفا روڈ بیدولہ گڈھ، ڈومریا گنج، ضلع سدھارتھ نگر یوپی ۲۷۲۱۸۹

رابطہ نمبر: (۹۵۵۴۴۲۷۰۸۳) (۹۴۵۱۸۵۲۱۱۰) وہاٹس ایپ (۷۹۰۵۸۱۳۰۳۷)

فیملی کے افراد: ہمارے والدین فوت ہو چکے ہیں، ہم دس بھائی بہن تھے، آٹھ بچپن ہی میں وفات پا چکے ہیں، اب صرف ہم دو بھائی بقید حیات ہیں، راقم الحروف (ابوالعاص وحیدی) اور برادر عزیز حافظ ابوالقاسم سراجی ندوی، میری اہلیہ صوفیہ خاتون کے علاوہ میری فیملی میں چارلڑکے اور ایک لڑکی ہے، جن کے نام عمر کے اعتبار سے بالترتیب یہ ہیں منظورالحق جلال (۳۵) ظفرالاسلام نجیب (۳۰) عبدالغافر جاوید (۲۵) صبیحہ تبسم (۲۲) مظفر نفیس (۱۸) اول الذکر تینوں لڑکے دین وعصری تعلیم سے آراستہ ہیں اور دلی میں برسر روزگار ہیں، صبیحہ عالمہ وفاضلہ ہے جو کلیۃ الطیبات ڈومریا گنج میں تدریس کے فرائض انجام دے رہی ہے، اور مظفر انٹر کر چکا ہے، دلی میں اپنے بھائیوں کے ساتھ رہ کر انجینیئرنگ کی تیاری کر رہا ہے۔ بحمد اللہ فیملی کے سارے افراد دین دار اور پابند صلاۃ وصوم ہیں۔

حافظ ابوالقاسم نے بھی ڈومریا گنج کو اپنا مسکن بنالیا ہے۔ اس وقت وہ کئی سال سے کویت محفظ قرآن کی حیثیت سے تعلیمی ودعوتی کام انجام دے رہا ہے، اس کے اہل خانہ میں اہلیہ شمیمہ خاتون کے علاوہ تین لڑکے ہیں، محمد عاصم (عمر ۱۸) محمد سالم (عمر ۱۵) اور احمد عصام (عمر ۱۱) یہ تینوں عصری تعلیم سے وابستہ ہیں اور ماشاء اللہ دین دار ہیں۔

حصول تعلیم کے مراحل: میری تعلیمی زندگی کے متعدد مراحل ہیں جیسے ابتدائیہ، اعدادیہ، ثانویہ، عالمیت، فضیلت اور تخصص فی الادب العربی، ان تعلیمی مراحل کا تعلق کن اداروں سے ہے، کس ادارہ میں کب سے کب تک رہا ہوں؟ سن وار اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔ **ابتدائیہ:** اس کا آغاز درجہ طفلاں سے ہوتا ہے، میرا یہ مرحلہء اطفال والدہ کے زیر سایہ گھر پر گزرا ہے۔ ۱۹۵۶ء میں جب میری عمر چار سال کی ہوئی تو والدہ نے مجھے حروف شناسی اردو وعربی قاعدہ اور گنتی کی تعلیم دی، اس کے بعد ۱۹۵۷ء میں والد صاحب نے سرکاری پرائمری اسکول مجھاری میں میرا داخلہ کرادیا جہاں نصف درجہ پنجم تک میری تعلیم ۱۹۶۱ء تک تقریباً پانچ سال ہوئی، اس اسکول میں ہم چار مسلم طلبہ سارے مضامین ادب، کرشی اور حساب وغیرہ اردو زبان میں پڑھتے تھے اس مرحلہ کے اساتذہ میں ماسٹر سیف اللہ صاحب ماسٹر چندر بھان صاحب اور ماسٹر گنج بہاری صاحب تھے۔

اعدادیہ اول: جسے درجۂ فارسی کہا جاتا ہے، اس وقت درجۂ فارسی دو سال کا ہوتا تھا، میں درجہ پنجم میں تھا کہ والد صاحب نے سرکاری اسکول کے نصاب تعلیم کے بعض غیر اسلامی یعنی ہندوانہ مضامین کو دیکھا تو اس اسکول سے نکال لیا اور فارسی پڑھنے کے لئے کہا، چنانچہ ۱۹۶۱ء کے نصف آخر میں میں نے گاؤں کے مدرسہ میں مولانا ہدایت اللہ ریاضی سے فارسی کی پہلی اور تیسیر المبتدی کے بعض حصے پڑھے پھر ۱۹۶۲ء میں مجھے اپنے ساتھ کدر بٹوا نیپال لے گئے جہاں ان دنوں وہ پڑھاتے تھے۔ ایک سال تک والد صاحب سے فارسی پڑھی، انہیں ایام میں مولانا شمیم احمد ندوی ناظم جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر اور ڈاکٹر منظور احمد علیگ میرے ساتھی تھے اس دور کے تعلق سے بچپن کے بعض دلچسپ واقعات ہیں جن کا تذکرہ مولانا شمیم احمد ندوی نے کدر بٹوا کے نظام تعلیم کے ضمن میں ''سرگزشت جامعہ ج ۲'' (تاریخ جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر) میں از ص ۹۳ تا ۹۵ میں کیا ہے، جنہیں پڑھ کر بچپن کی شوخیاں سامنے آجاتی ہیں والد صاحب سے مبادیات فارسی (آمدنامہ و فارسی کی دوسری وغیرہ) کی تکمیل کے بعد مجھے جامعہ سراج العلوم

کنڈؤبونڈہار میں داخلہ لینا تھا اس لئے ماہ رمضان میں گاؤں پر مولانا حمید اللہ فیضی سے گلستاں کا تھوڑا حصہ پڑھا تا کہ داخلہ میں کوئی پریشانی نہ ہو۔

تکمیل اعدادیہ وثانویہ: جامعہ سراج العلوم بونڈہار میں از ۱۹۶۳ء تا ۱۹۶۸ء تقریباً چھ سال، دوسال اعدادیہ اور چار سال ثانویہ عربی چہارم تک، جامعہ کے مختلف درجات میں درج ذیل کتابیں پڑھیں، گلستاں، بوستاں، یوسف وزلیخا، میزان ومنشعب، پنج گنج، علم الصیغہ، فصول اکبری (مذکورہ کتابیں فارسی میں) ترجمہ قرآن، ہدایت النحو، معلم الانشاء اول ودوم، النحوالواضح اول و دوم، القراءۃ الرشیدہ اول ودوم، دروس التاریخ الاسلامی اول ودوم، اردو منطق، مرقات، شرح تہذیب، شرح الوقایہ، بلوغ المرام، مشکاۃ المصابیح ج ا، اور المجتبیٰ۔ جامعہ میں میرے اساتذہ یہ تھے مولانا محمد اقبال رحمانی، مولانا ابوالعرفان محمد عمر سلفی، مولانا عزیز احمد ندوی، مولانا عابد حسن رحمانی، مولانا صغیر احمد اصلاحی، مولانا محمد شفیق فیضی، اور ماسٹر ابوالکلام صاحب تمام اساتذہ میرے ساتھ بے انتہا شفقت ومحبت کرتے تھے، میں بھی اساتذہ کا بڑا احترام کرتا تھا اوران کی خدمت کرنے کی کوشش کرتا تھا۔

اللہ تعالی کے فضل وکرم سے میں عام طور پر اپنے درجہ میں اول آتا، جامعہ میں ممتاز رہتا تھا، عربی چہارم میں مجھے انجمن اصلاح الکلام کا ناظم بنادیا گیا تھا، اس وقت ناظم انجمن کی ذمہ داری یہ رہتی تھی کہ تمام طلبہ کیلئے حسب صلاحیت مختلف مجلّات و جرائد سے موضوعات منتخب کرے پھر صدر انجمن کو دکھا کر طلبا کے حوالہ کرے، یہ کام بڑا مشکل لگتا تھا، مگر اس سے مجھے بڑا علمی اور ادبی فائدہ حاصل ہوتا تھا۔

عالمیت اول مظاہر علوم سہارنپور میں ایک سال ۱۹۶۹ء میں، جب میں جامعہ سراج العلوم بونڈہار میں عربی چہارم میں تھا اس وقت جامعہ سلفیہ بنارس کافی مشہور ہو چکا تھا میرے اساتذہ چاہ رہے تھے کہ میں عربی چہارم کے بعد جامعہ سلفیہ میں داخلہ لوں مگر میں نے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لینے کا موڈ بنالیا تھا، لیکن وہاں عالمیت اول میں داخلہ کیلئے شرح جامی، (شرح کافیہ) کا امتحان دینا ضروری تھا، اس لئے مدرسہ مفتاح العلوم ٹکریا سے میں نے شرح جامی حاصل کی، جس کا کچھ ابتدائی حصہ میں نے ماہ رمضان میں گاؤں میں مولانا عباد اللہ قاسمی سے پڑھا، اور ماہ شوال میں دارالعلوم کیلئے عازم سفر ہوا، بعض ساتھیوں کے مشورہ سے طے ہوا کہ پہلے احتیاطی طور پر جامعہ مظاہر علوم میں داخلہ لیا جائے اس کے بعد دارالعلوم دیوبند چلا جائے، چنانچہ مظاہر علوم میں شرح جامی وغیرہ کا امتحان ہوا مطلوبہ جماعت (عالمیت اول) میں داخلہ ہو گیا پھر ہم لوگ دارالعلوم دیوبند گئے، دفتر اہتمام کے سامنے اعلان دیکھا کہ داخلہ بند ہو گیا ہے، امیدوار طلبہ واپس جائیں، آخر کار ہم لوگ مظاہر العلوم سہارنپور واپس آگئے، اس طرح ۱۹۶۹ء ایک سال وہاں تحصیل علم کا موقع مل گیا، اللہ تعالی جو کرتا ہے اچھا کرتا ہے، دراصل اس وقت مظاہر علوم میں عالمیت تک کی تعلیم دارالعلوم دیوبند سے اچھی ہوتی تھی۔ جس کا اندازہ بعد میں مجھے خود ہوا واللہ من وراءہ القصد وبیدہ التوفیق مظاہر العلوم سہارنپور میں بڑے منجھے ہوئے پختہ کار اور باکمال اساتذہ تدریس کے فرائض انجام دے رہے تھے، میں نے ایک سال کی مدت میں یہ کتابیں پڑھی تھیں: تفسیر قرآن (از سورۃ فاتحہ تاختم آل عمران) الھدایہ اول ودوم، مختصر المعانی، نورالانوار اور سلم العلوم، وہاں مجھے جن اساتذہ سے شرف تلمذ حاصل ہوا ہے وہ یہ

ہیں مولانا محمد اللہ مظاہری، مولانا عبدالقیوم رائے پوری اور مولانا محمد یسٓین مظاہری۔

یہاں یہ بات انتہائی قابل ذکر ہے کہ جب میں نے جامعہ سلفیہ بنارس سے صرف نظر کرتے ہوئے حنفی ادارہ میں داخلہ لیا تو میرے اساتذہ جامعہ سراج العلوم بونڈیہار کو بڑی فکر تھی کی ایسا نہ ہو کہ میرا سلفی مزاج فقہ حنفی کے سانچہ میں ڈھل جائے، جنانچہ مولانا اقبال احمد رحمانی اور مولانا محمد عمر سلفی خطوط کے ذریعہ اس سلسلہ میں مجھے اپنے قیمتی مشوروں سے نوازتے رہتے تھے، میں خود اپنے ساتھ مسلک اھل حدیث کے موضوع پر علماء اھل حدیث کی بعض کتابیں رکھتا تھا، خاص طور پر مولانا عبدالمبین منظر کی ایک اہم تصنیف ''سبیل الرشاد'' میرے پاس رہتی تھی۔ مختلف فیہ فقہی مسائل کے تعلق سے میں اس کا مطالعہ کرتا رہتا تھا۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ احادیث کے بارے میں علمائے احناف کی بے جا تاویلات کی یلغار سے میرا ذھن بالکل محفوظ رہا، مظاہر علوم سہارنپور اور دارالعلوم دیوبند کی زندگی میں میرے سلفی مزاج میں بڑی پختگی آ گئی، سچ ہے الاشیاء تتبین باضدادھا، اس طرح ''سبیل الرشاد'' میری محسن کتابوں میں ایک اہم کتاب ہے، میرے یہ تاثرات بعنوان ''ایک محسن کتاب'' اس کے جدید ایڈیشن میں شامل ہیں جسے منظر اکیڈمی سمرا نے شائع کیا ہے۔

مظاہر علوم سہارنپور کے دور طالب علمی میں میرے ایک ہم سبق ساتھی عبدالحق پرنوی تھے انہوں نے مجھے ''کتاب الرد علی ابی حنیفہ'' دی جو عظیم محدث امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ (۱۵۹ھ تا ۲۳۵ھ) کی تصنیف ہے اس کتاب کے مطالعہ نے بھی میری سلفیت میں جلا بخشی اور منہج اھل حدیث کی صحت واعتبار کو مستحکم کر دیا۔

تکمیل عالمیت وفضیلت: دارالعلوم دیوبند میں از ۱۹۷۰ء تا ۱۹۷۲ء۔ اس تین سالہ مدت میں عالمیت دوم اور فضیلت اول و دوم کا کورس مکمل کیا۔ اس مدت میں جو مضامین اور کتابیں زیر درس تھیں بالترتیب ان کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ تفسیر جلالین (مکمل) مشکوۃ (مکمل) شرح عقائد نسفی، میبذی شرح ھدایۃ الحکمۃ، مسلم الثبوت، ملاحسن، علوم جدید، ضیاء القراءۃ، الھدایۃ جلد سوم و چہارم، تفسیر بیضاوی (الفاتحۃ والبقرۃ مکمل) حجۃ اللہ البالغہ ج ۲، کتب ستہ (بخاری، مسلم ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ) موطا امام مالک، موطا امام احمد، معانی الآثار للطحاوی وغیرہ، کتب ستہ میں اول الذکر چار کتابیں مکمل پڑھائی گئی تھیں، ان کے علاوہ کتب حدیث کے منتخب ابواب پڑھائے گئے دارالعلوم دیوبند کی زندگی میں ابن تیمیہ، ابن قیم، نواب صدیق حسن خاں کی بعض کتابیں بھی زیر مطالعہ رہتی تھیں، اسی طرح مرعاۃ المفاتیح، تحفۃ الاحوذی اور عون المعبود بھی پڑھتا رہتا تھا۔

دارالعلوم دیوبند میں عام طور پر اساتذہ کے ذمہ کم از کم دو کتابیں یا زیادہ سے زیادہ چار کتابیں رہتی تھیں اور جو اساتذہ جن فنون میں ماہر ہوتے تھے وہی فنون دوام وتسلسل کے ساتھ پڑھاتے تھے، بنا بریں جو اساتذہ ہمیں درس دیتے تھے ان میں اکثر اپنے فن میں بڑے ماہر وتبحر تھے، بلکہ بعض اساتذہ زیر تدریس کتابوں کے شارح بھی تھے ان کے اسماء گرامی یہ ہیں، مولانا فخر الدین مرادآبادی (شیخ الحدیث) صاحب ایضاح البخاری، مولانا قاری محمد طیب قاسمی (ماہر اسرار الشریعۃ) مولانا مفتی محمود الحسن گنگوہی، مولانا فخر الحسن دیوبندی (شیخ التفسیر) صاحب التقریر الحاوی شرح البیضاوی، مولانا محمد نعیم دیوبندی (صاحب کمالین) مولانا محمد حسین بہاری (شیخ الفقہ) مولانا محمد شریف دیوبندی، مولانا محمد سالم صاحب قاسمی، مولانا انظر کشمیری، قاری حامد میاں دیوبندی، اور پروفیسر عزیز الدین ریٹائرڈ جامعہ ملیہ اسلامیہ دھلی۔

تکمیل ادب (تخصص فی الادب العربی) دار العلوم دیوبند میں ایک سال ۱۹۷۳ء: دار العلوم دیوبند میں فضیلت کے بعد بنام تکمیل (تخصص) مختلف کلیات تھے، جیسے تکمیل تفسیر، تکمیل ادب، تکمیل معقولات، تکمیل تجوید، تکمیل خوشخطی، اور تکمیل صنائع وغیرہ۔

راقم الحروف نے اپنے ادبی ذوق کے مطابق تکمیل ادب میں داخلہ لیا جو یک سالہ کورس تھا، اس شعبہ میں ہم ۴۵ طلبہ ہم سبق ساتھی تھے، اس وقت وہ شعبہ مکمل طور پر مولانا وحید الزماں کیرانوی کے ذمہ تھا، وہ اکیلے اس شعبہ کے معلم ومربی تھے، میں نے تکمیل ادب میں مندرجہ ذیل مضامین اور کتابیں پڑھیں، نثر قدیم میں مقامات حریری (بیس مقالے) نثر جدید میں عربی اخبارات کے تراشے اور ''المجتمع''، ''البلاغ'' اور ''الوعی الاسلامی'' وغیرہ مجلّات کے منتخبات، شعر، قدیم میں ''المعلقات السبع'' (سات معلقات) اور ''دیوان الحماسہ'' (باب الحماسہ وباب الادب) شعر جدید میں احمد شوقی، وغیرہ مصری شعراء کے منتخب قصائد، انشاء، ومضمون نگاری میں ''اسالیب الانشاء'' (مصری کتاب) آداب خط واملا میں ''نتیجۃ الاملاء والترقیم'' اور ''تاریخ الادب العربی'' احمد حسن زیات۔

تکمیل ادب کے سارے دروس عربی میں ہوتے تھے، مولانا کیرانوی نثر وشعر کے حل لغات اوران کی تشریح عربی میں کرتے، پھر طلبہ سے اردو میں ترجمہ کرواتے، دوران درس ہم لوگ عربی میں سوال کرتے، مولانا عربی میں جواب دیتے، اسی طرح مولانا کے حکم وتاکید بموجب ہم لوگ کتابوں کا مراجعہ وتکرار عربی میں کرتے اوران کی ہدایت کے مطابق طلبہ تکمیل ادب درسگاہ سے باھر ہاسٹل وغیرہ میں عربی میں بات چیت کرتے، دل چسپ بات یہ ہے کہ طلبہ تکمیل ادب کی والی بال کی ٹیم تھی مولانا نے ہم لوگوں کو پابند کیا تھا کہ عربی میں کھیلیں چنانچہ ان کی رہنمائی میں میں نے والی بال کی تمام اصطلاحات کوایک مصری کتاب ''الالعاب الریاضیۃ'' کی مدد سے عربی میں لکھا پھر ہم لوگ عربی ہی میں کھیلتے تھے دوسرے طلبہ خوش گوار حیرت میں ڈوبے ہوئے تماشائی کی حیثیت سے فیلڈ کے اردگرد جمع ہوجاتے اس تکمیل ادب کا وہ سال دار العلوم دیوبند میں ایسا گزرا ہے کہ ۷۵ فیصد ہم لوگ عربی میں ہی بولتے تھے۔

جریدۃ الکفاح کی مجلس ادارت میں: ۱۹۷۴ء میں ایک سال: میں جب تخصص فی الادب میں تھا تو مولانا وحید الزماں نے جمعیۃ العلماء کے ذریعہ حکومتی سطح پر الجامع الازہر مصر میں میرا داخلہ منظور کرادیا، میں پاسپورٹ کی تیاری میں لگ گیا کہ انہیں دنوں عرب واسرائیل کی جنگ ہوگئی، شیخ الازہر کا خط آگیا کہ صورت حال کے پیش نظر اب آئندہ سال داخلہ ہوگا، اسی موقع کی بات ہے کہ جمعیۃ العلماء کے زیر اہتمام مولانا کیرانوی کی ادارت میں عربی پندرہ روزہ جریدہ ''الکفاح'' نکلنا شروع ہوا جس کی سب آفس مسلم فنڈ دیوبند میں تھی، مولانا نے مجھ سے کہا کہ گھر کیا جاؤ گے جامعہ ازہر جانے تک ''جریدۃ الکفاح'' کی مجلس ادارت سے وابستہ ہوجاؤ الامرفوق الادب کے تحت میں راضی ہوگیا، جریدۃ الکفاح میں معمولی مشاہرہ پر کام کرنے لگا، میرے ذمہ عربی واردو اخبارات کی روشنی میں اہم ملکی وعالمی خبروں کی ترتیب بعض مضامین اور ''مصطلحات ہذا العدد'' کی تحریر اور پروف ریڈنگ تھی اختتام سال پر میں گھر آیا تو دیکھا کہ والد صاحب دوسری بار اختلاج قلب کا شکار ہوگئے ہیں، ملازمت چھوڑ کر گھر ہی پر رہنے لگے ہیں، جامعہ ازہر میں اتنا اسکالر شپ نہیں ملتا ہے کہ کوئی طالب علم اپنے گھر روپئے بھیج سکے، ایسی صورت حال میں والدہ کی کمزور کندھوں پر گھر کی ذمہ داری ڈال کر مصر جانا مناسب نہیں تھا، والدہ نے بھی روکا اور دوسرے لوگوں نے بھی نہ جانے کا ہی مشورہ دیا بنابریں میں نے جامعہ ازہر جانے کا ارادہ

ترک کر دیا، جس کا مجھے اب تک شدید قلق ہے، اس کے بعد ہندوستان ہی میں رہ کر اپنی صلاحیت کے مطابق خدمت دین کا موڈ بنالیا اور اللہ تعالی کے فیصلے پر راضی برضا ہو کر تعلیم وتدریس سے وابستہ ہو گیا۔

دیگر امتحانات و تعلیمی اسناد: دور طالب علمی میں دار العلوم دیوبند کے فاضل و متخصص فی الادب کے علاوہ میں نے دوسرا کوئی امتحان نہیں دیا، نہ کوئی تعلیمی سند حاصل کی، تدریسی زندگی میں بعض دوسرے امتحانات دئے ہیں اور تعلیمی اسناد حاصل کی ہیں جو درج ذیل ہیں۔

۱۔امتحان عالم عربی وفارسی بورڈ یوپی ۱۹۷۸ء

۲۔امتحان فاضل دینیات ۱۹۸۰ء

۳۔امتحان ادیب کامل جامعہ اردو علیگڈھ ۱۹۸۸ء

۴۔امتحان فاضل ادب ۱۹۸۹ء

۵۔سند سائنسی ٹریننگ کورس مسلم یونیورسٹی علی گڈھ از ۱۷/ ۳/ ۱۹۸۹ء تا ۲۴/ ۳/ ۱۹۸۹ء جس وقت یہ تربیتی پروگرام ہوا تھا، اس وقت شعبہء سائنس کے صدر اور اس پروگرام کے ذمہ دار پروفیسر اسرار احمد خان تھے، اس میں ہندوستان کے مختلف مدارس و جامعات سے بائیس علماء کرام مدعو تھے، جنہیں یونیورسٹی کے جدید مہمان خانہ (گیسٹ ہاؤس) میں ٹھرایا گیا ہے، روزانہ دو محاضرے (لیکچر) ہوتے تھے، محاضرین کے موضوعات میں مسلم یونیورسٹی کے علاوہ بعض دوسری یونیورسٹیوں کے پروفیسر شامل تھے، محاضرہ کے موضوعات بڑے اہم تھے، جیسے ''قرآن اور سائنس'' ''اسلام اور علوم جدید'' ''یورپ پر اسلام کے احسانات'' ''مسلم سائنس داں'' ''عہد اسلامی میں ٹکنالوجی'' ''علم طبقات الارض'' ''اور اسلام کا تصور نظافت اور دینی مدارس'' وغیرہ آخری دن ایک تاثراتی پروگرام ہوا جس میں لوگوں نے اظہار خیال کیا۔

تدریس کے میدان میں: میری تدریسی زندگی تقریبا ۴۵ سال پر محیط ہے متعدد مدارس وجامعات میں میں نے یہ مدت گذاری ہے، جن میں تدریس کے ساتھ دوسری علمی وتربیتی ذمہ داریاں بتوفیق الہی اچھے انداز سے انجام دیتا رہا ہوں جن کا اختصار یہ درج ذیل ہے!

(۱) جامعہ مظہر العلوم اوسان کوئیاں، سدھارتھ نگر، یوپی میں ۱۹۷۵ء میں ایک سال، اس کے مدیر و ناظم مولانا عبد القدوس صاحب تھے، وہاں اس وقت عربی چہارم تک تعلیم ہوتی تھی میرے ذمہ تدریس کے علاوہ جمعیۃ الطلبہ کی نگرانی بھی تھی۔

(۲) جامعہ سراج العلوم کنڈو بونڈیہار، بلرام پور یوپی میں ۱۹۷۶ء سے ۱۹۹۸ء تک تقریبا ۲۲ سال، اس وقت جامعہ کے مدیر و ناظم مولانا محمد اقبال رحمانی اور صدر مدرس مولانا ابو العرفان محمد عمر سلفی تھے، میرے ذمہ زیادہ تر عالمیت وفضیلت کی کتابیں تھیں انجمن اصلاح الکلام کی مکمل ذمہ داری بھی میرے حوالہ تھی، میں نے جامعہ کی زندگی میں بتوفیق الہی تدریس کے علاوہ کچھ ایسے امور انجام دئے جن کی حیثیت تاریخ جامعہ میں اولیات کی ہے وہ درج ذیل ہیں!

(۱) عربی انجمن ''النادی العربی'' کی تشکیل، اس وقت تک جامعہ میں انجمن اصلاح الکلام کے زیر اہتمام صرف اردو میں طلبہ پروگرام کرتے تھے، اس کے بعد عربی میں بھی پروگرام ہونے لگے، اس کو دیکھ کر دوسرے مدارس وجامعات میں بھی عربی پروگرام کا رواج ہوا۔

(۲) ترانۂ جامعہ: جامعہ کا کوئی ترانہ نہیں تھا، میں نے ایک ترانہ لکھا جو ترانہ مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کی بحر میں ہے، یہ باقاعدہ میری پہلی نظم تھی، جس کی اصلاح مشہور ومستند شاعر فضا ابن فیضی نے کی ہے، اس کے بعد میں نے متعدد مدارس کے ترانے لکھے۔

(۳) تالیف تاریخ جامعہ: جامعہ کی عمر تقریبا ۷۰ سال ہو رہی تھی مگر اس کی کوئی مرتب تاریخ نہیں تھی، میں نے رجسٹر کاروائی مجلس عاملہ اور مولانا محمد اقبال احمد رحمانی وغیرہ سے حاصل کردہ معلومات کی روشنی میں اس کی مکمل تاریخ مرتب کی اور ۱۹۷۶ء میں منعقد کانفرنس میں بطور خطبۂ استقبالیہ پیش کیا۔ کانفرنس کے بعد اس کی اشاعت کتابچہ کی شکل میں ہوئی، یہ پہلی تحریر ہے جو جامعہ کی زندگی میں شائع ہوئی، پھر دس سال کے بعد ۱۹۸۶ء میں ایک عظیم کانفرنس منعقد ہوئی، میں نے تاریخ جامعہ کی روشنی ایک مختصر خطبہ استقبالیہ جامعہ کی تعلیمی ودعوتی خدمات پر مشتمل لکھا اور ناظم مجلس استقبالیہ مولانا احسان اللہ سلفی کی جانب سے پیش کیا جسے انہیں کے نام سے مولانا عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی نے سالنامہ تاریخ اہل حدیث شمارہ نمبر ا/ ۲۰۱۶ء میں شامل کیا ہے۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء

تاریخ جامعہ کے سلسلہ میں ایک قابل ذکر بات یہ ہے کہ جب میں اسے مرتب کر رہا تھا تو میں نے دیکھا کہ رجسٹر کاروائی مجلس عاملہ میں اس کا سال تاسیس ۱۹۰۹ء لکھا ہوا ہے، مگر میں نے اسے خلاف واقعہ پایا، میری تحقیق کے مطابق اس کا سن قیام ۱۹۰۷ء ثابت ہوا، اس لئے کہ علامہ عبدالرحمن مبارکپوری ۱۹۰۵ء میں اللہ نگر مشمولہ چھتر پارہ آئے اور ۱۹۰۶ء تک وہاں رہے، جیسا کہ وہاں کے دستاویزی کاغذات سے معلوم ہوتا ہے، اس کے بعد اعیان کنڈو بونڈہار کی دعوت پر وہ تشریف لائے، ان کے ساتھ منتہی درجات کے طلبہ بھی آئے، کچھ دنوں تک علامہ مبارکپوری نے جناب منصب دار خان کنڈو، کے مکان پر تعلیم دی، پھر اسی سال کنڈو اور بونڈہار کے درمیان راپتی ندی کے کنارے جامعہ کی بنیاد ڈالی، کھپڑیل کی عمارت بنائی گئی، جہاں باقاعدہ تعلیمی سلسلہ جاری ہوا، اس طرح جامعہ سراج العلوم کا سال تاسیس ۱۹۰۷ء ثابت ہوا میری اس تحقیق کو مولانا محمد اقبال احمد رحمانی اور دوسرے ذمہ داران نے تسلیم کیا اور اب وہی سال تاسیس تاریخ جامعہ کا معتبر حصہ ہو گیا۔

(۴) ترتیب یادگار مجلہ جامعہ سراج العلوم کنڈو بونڈہار: ۱۹۸۶ء میں جامعہ کے زیر اہتمام ایک عظیم کانفرنس بعنوان ''مدارس اسلامیہ میں سلفی منہج کا احیاء'' ہوئی، اس موقع پر راقم الحروف نے مولانا عبدالسلام رحمانی (وکیل الجامعہ) کی رہنمائی میں ایک دستاویزی یادگار مجلہ مرتب کیا جو ترانہ جامعہ اور خطبہ استقبالیہ (جس کا ذکر کیا گیا ہے) کے علاوہ تاریخ اہل حدیث بستی، گونڈہ، مدارس اسلامیہ کا نصاب تعلیم، جامعہ کی اہم شخصیات جیسے علامہ عبدالرحمن مبارکپوری، علامہ عبدالسلام مبارکپوری، اور مولانا محمد اقبال احمد رحمانی وغیرہ کے تراجم وسوانح اور بعض دوسرے اہم مضامین پر مشتمل تھا، جس کے اکثر مضامین میرے قلم سے ہیں، کانفرنس سے پہلے ہی اسے طبع کرا دیا گیا تھا اور شرکائے کانفرنس کو بطور ھدیہ دے دیا گیا تھا، اسے اصحاب علم نے بہت پسند کیا، چونکہ وہ نایاب ہے اس لئے

مولانا عبدالمنان سلفی مدیر ماہنامہ سراج جھنڈانگر نے اسے نٹ پر ڈال دیا ہے، اصحاب ذوق اس کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔

(۵) طلبہء جامعہ کے سالانہ میگزین ''الضیاء'' کا اجراء: طلبہ میں مطالعہ وصحافت کا ذوق پیدا کرنے کے لئے ۱۹۸۹ء میں میری تجویز وتحریک پر اس مجلہ کا اجراء عمل میں آیا جو بفضل اللہ ابتک ہر سال یا ناغہ کر کے شائع ہوتا ہے، اللہ اسے دوام وتسلسل عطا فرمائے (آمین)

دارالعلوم الاسلامیہ بستی میں ۱۹۹۸ء میں ایک سال: جامعہ سراج العلوم بونڈہار میں کچھ ناخوشگوار حالات پیش آگئے، جن کی بنا پر میں نے جامعہ کو خیر باد کہہ دیا، اور مولانا باقر حسین قاسمی اور کچھ رفقائے درس کی خواہش پر بعض علمی وادبی ضروریات کے پیش نظر ایک سال میں نے دارالعلوم الاسلامیہ بستی میں گزارا، میری وجہ سے بعض اہل حدیث طلبہ بھی وہاں زیر تعلیم رہے، وہ اگرچہ حنفی ادارہ ہے مگر ذمہ داران ادارہ نے بڑی عزت افزائی کی، کبھی کبھی وہاں بعض فقہی موضوعات پر بحث ومناقشہ بھی ہوتا، جس کے بڑے اچھے اثرات پڑے اور جماعت اہل حدیث کے بارے میں بعض غلط فہمیوں کا ازالہ ہوا۔

مرکز أبی الکلام آزاد للتوعیۃ الاسلامیۃ دھلی کے علمی شعبہ مجمع البحوث الاسلامیۃ میں ۲۰۰۰ء میں ایک سال: جب میں دارالعلوم الاسلامیہ بستی میں تھا تو مولانا عبدالحمید رحمانی سے میرا رابطہ رہا، آخر کار انہوں نے اپنے ادارہ کے علمی شعبہ کے لئے مجھے دلی بلا لیا، اصل مقصد میری ادارت میں ماہنامہ ''التوعیۃ'' کا اجراء تھا جو کسی قانونی دشواری کی وجہ سے بند ہو چکا تھا۔

اس ماہنامہ کا اجرا نہ ہو سکا تو رحمانی صاحب نے بعض دوسرے علمی وغیر علمی کاموں پر مجھے مامور کر دیا، جیسے فتوی نویسی اور کچھ ادارتی امور، میرا دل وہاں نہیں لگا اس لئے ایک سال کے بعد میں گھر واپس آگیا، خوشی کی بات یہ رہی کہ ایک سال دلی رہ کر بہت کچھ مطالعہ کا موقع ملا اور اسی سال علیگڈھ میں منعقد سیمنار بعنوان ''علوم الحدیث۔ مطالعہ وتعارف'' میں شرکت سعادت ملی، جس میں میں نے ایک مقالہ پیش کیا جس کا عنوان تھا، جامع الترمذی کی تین شروح تحفۃ الاحوذی، معارف السنن، اور العرف الشذی، کا تقابلی جائزہ۔

جامعہ ضیاء العلوم گڑرہیا، سدھارتھ نگر میں ۲۰۰۱ء میں تقریباً ایک سال: گڑرہیا میرے گاؤں سے تقریباً ۶ کلومیٹر پچھم خالص بریلوی علاقہ میں واقع ہے، اس کے پرجوش سلفی ناظم الحاج سحر اللہ خاں (مقیم حال ممبئی) کی دعوت پر بحیثیت پرنسپل میں ان کے ادارہ میں آگیا۔ میں نے وہاں کے نصاب تعلیم کی اصلاح کی اور تعلیمی معیار بلند کیا، اس وقت وہ ادارہ جامعۃ الفلاح بلریاگنج سے ملحق تھا، جس کا نصاب تعلیم غیر متوازن ہونے کے ساتھ غیر سلفی تھا، بنابریں میں نے بڑی حکمت عملی سے جامعۃ الفلاح سے اس کا الحاق ختم کر کے اسے جامعہ سلفیہ بنارس سے ملحق کر دیا، ماشاء اللہ اب تک وہ جامعہ سلفیہ کی شاخ کی حیثیت سے میدان تعلیم وتربیت میں رواں دواں ہے، اب تو اس کے تحت شعبہء نسواں بھی قائم ہے جو بڑی کامیابی کے ساتھ چل رہا ہے۔

جامعہ عربیہ قاسم العلوم گلرہا، بلرامپور میں ستمبر ۲۰۰۱ء سے جون ۲۰۰۱۳ء تک: یہ ادارہ تلسی پور اور کواپور کے درمیان واقع ہے، قابلِ ذکر بات ہے کہ وہ علاقہ انیسویں صدی کے نصف آخر میں علامہ اظہر بہاری اور علامہ بشیر سہسوانی وغیرہ رجال اھل حدیث کی دعوتی واصلاحی سرگرمیوں کا میدان رہا ہے، اس علاقہ میں جن کے اثرات نمایاں ہیں، جامعہ عربیہ قاسم العلوم گلرہا عربی و

فارسی بورڈ اتر پردیش سے ملحق اور امداد یافتہ ہے، وہاں میری تقرری بحیثیت پرنسپل ۱۵ر ستمبر ۲۰۰۱ء کو ہوئی، پھر وہاں سے جون ۲۰۰۱۳ء میں سبکدوش ہوا، اس طرح وہاں میری مدت ملازمت گیارہ سال ڈھائی ماہ ہے اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے میری مساعی کے نتیجہ میں جامعہ کا معیار تعلیم عالمیت تک پہونچ گیا، میں نے دعوتی پروگراموں کے ذریعہ علاقہ کو جامعہ سے جوڑا، علاقہ و بیرون علاقہ کے تعاون سے بعض ادھوری عمارتوں کی تکمیل کی اور علاقائی تعلیم نسواں کی ضرورت کے پیش نظر ۲۰۰۸ء میں غیر اقامتی شعبۂ بنات قائم کیا جس میں عالمیت تک لڑکیوں کی تعلیم ہونے لگی۔ گلرہا کی زندگی میں ۲۷ر ستمبر ۲۰۱۲ء کو مجھے زبردست فالج کا حادثہ پیش آ گیا، اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے دوا وعلاج اور احباب کی دعاؤں کے نتیجہ میں جلد ہی صحتیاب ہو گیا، مگر فالج کے کچھ اثرات اب تک باقی ہیں، اس لئے کھانے پینے میں محتاط رہتا ہوں اور تعلیم وتدریس، خطابت وصحافت اور دعوت واصلاح وغیرہ کے کام بڑی سست رفتاری سے انجام پاتے ہیں اللہ تعالیٰ ہم سب کو چھوٹی بڑی بیماریوں اور دوسری آفتوں سے محفوظ رکھے (آمین)

جامعہ اسلامیہ دریاباد میں اگست ۲۰۰۱۳ء سے ۲۰۰۱۵ء تک تین سال: میں ابھی جامعہ عربیہ قاسم العلوم گلرہا سے سبکدوش ہونے ہی والا تھا کہ برادرم مولانا عتیق اثر ندوی کا ایک بار فون آیا کہ جامعہ اسلامیہ دریاباد آپ کو خوش آمدید کہہ رہا ہے، بنابریں میں ان کے ادارہ سے وابستہ ہو گیا، میں نے وہاں تین سال گزارے، ماشاء اللہ ادارہ کے نگران اعلیٰ شیخ عبدالباری اور ناظم اعلیٰ مولانا عتیق اثر ندوی علم اور اصحاب علم کے بڑے قدرداں ہیں، میں نے جو بھی علمی تجویز پیش کی انھوں نے بڑی خندہ پیشانی سے اس کو قبول کیا چنانچہ میری ہی تجویز وتحریک پر الجامعہ کلینڈر اور طلبہ کے سالانہ مجلہ ''احتساب'' کا اجراء ہوا جو تا حال جاری ہیں، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ذمہ داران جامعہ کو صحت وعافیت سے رکھے اور جامعہ کو شرور وفتن سے بچائے (آمین)

کلیۃ الصفا للشریعہ ڈومریا گنج میں ۲۰۱۶ء سے تا حال:

میں نے ڈومریا گنج میں مکان بنا کر اسی میں سکونت اختیار کر لی ہے، آنے جانے میں دشواری کی وجہ سے میں جامعہ اسلامیہ دریاباد سے مستعفی ہو گیا، مگر دریاباد سے ربط وتعلق قائم ہے، وہاں کی تعلیمی میٹنگوں میں حسب ضرورت شریک ہوتا رہتا ہوں.

صفا شریعت کالج ڈومریا گنج سے میرا گھر بالکل قریب ہے، اس لئے مدیر کلیہ برادرم مولانا عبدالواحد مدنی کی خواہش پر اسی سے وابستہ ہو گیا ہوں، ماشاء اللہ برادر موصوف تعلیمی امور اور ملی مسائل کے بارے میں بڑے حساس اور دردمند ہیں، مجھے انکا یہ ذوق ومزاج بہت پسند ہے، انکے اشارہ وایماء کے مطابق میں یہاں تین ذمہ داریاں حتی الامکان بحسن وخوبی انجام دینے کی کوشش کر رہا ہوں، اول: مرحلہ عالمیت وفضیلت کے بعض مضامین حدیث واصول حدیث وغیرہ کی تدریس، دوم: حسب ضرورت تعلیمی ملی اور صحافتی موضوعات پر طلبہ کے درمیان سال میں متعدد محاضرات پیش کرنا، سوم: کتاب وسنت اور فقہ اہل حدیث کی روشنی میں تحریری وزبانی استفتاءات وسوالات کے جوابات دینا، ان کے علاوہ ہر ماہ میں ایک بار جامع مسجد صفا کمپلیکس میں خطبۂ جمعہ بھی دیتا ہوں، دوسری مساجد میں بھی خطبہ جمعہ کے مواقع ملتے ہیں...

تلامذہ ومستفیدین: مختلف مدارس وجامعات میں عربی چہارم سے فضیلت تک میں نے تقریبا تمام مضامین کا درس کیے بعد

دیگرے ایک خاص ترتیب کے ساتھ دیا ہے اور میری مدت تدریس تقریباً ۴۵ سال پر محیط ہے، اس لئے میرے تلامذہ ومستفیدین بے شمار ہیں جو عرب وعجم میں پھیلے ہوئے ہیں، جن کا احصائیہ میرے پاس نہیں ہے، ان میں سے بعض کے اسماء اکتساب وتلمذ کی ترتیب زمانی کے اعتبار سے جو فوری طور پر ذہن میں آئے درج ذیل ہیں.:

(۱) مولانا کفایت اللہ مدنی، (۲) مولانا شبیر احمد سلفی، (۳) مولانا عبد الواحد مدنی، (۴) مولانا عبدالمبین سلفی، (۵) مولانا عبیداللہ سلفی، (۶) مولانا حمیداللہ سلفی، (۷) ڈاکٹر لیث محمد مکی، (۸) مولانا جلال الدین سراجی، (۹) مولانا جلال انور قاسمی، (۱۰) مولانا سرور عالم مدنی، (۱۱) مولانا جمال الدین کشمیری، (۱۲) مولانا احمد گجراتی، (۱۳) مولانا عبدالحکیم سلفی، (۱۴) حافظ ابوالقاسم سراجی، (۱۵) مولانا ابوالقاسم سراجی، (۱۶) مولانا محمد سراجی بہاری، (۱۷) مولانا صفی اللہ سراجی، (۱۸) مولانا فضل الرحمن ازھری، (۱۹) ڈاکٹر عبیدالرحمن مدنی، (۲۰) مولانا محمد ابراہیم مدنی، (۲۱) مولانا صغیر احمد سراجی، (۲۲) مولانا زبیر احمد مدنی (۲۳) مولانا عطاء الرحمن مدنی، (۲۴) مولانا اسرار الحق مدنی ، (۲۵) مولانا محمد یونس سلفی، (۲۶) مولانا عبد الستار سراجی، (۲۷) مولانا محمد معروف سراجی، (۲۸) مولانا محمد شمیم مدنی، (۲۹) مولانا عبد العلیم سلفی، (۳۰) مولانا نیاز احمد طیبی مدنی، (۳۱) مولانا محمد اسرائیل سلفی، (۳۲) مولانا محمد داؤد سلفی، (۳۳) مولانا عبدالعزیز سلفی، (۳۴) مولانا محمد انیس سلفی، (۳۵) مولانا نسیم اختر فیضی، (۳۶) مولانا عطاء اللہ سلفی، (۳۷) مولانا عبد الحق سراجی، (۳۸) مولانا شہاب الدین مدنی، (۳۹) مولانا نورالدین مدنی، (۴۰) مولانا فضل الرحمن مدنی، (۴۱) مولانا مصطفی اجمل مدنی، (۴۲) مولانا مختار احمد سالک بستوی، (۴۳) مولانا عبدالخبیر مدنی، (۴۴) ڈاکٹر محمد حبیب سلفی، (۴۵) حافظ صہیب سلفی، (۴۶) مولانا انوار الحق سراجی، (۴۷) مولانا حمیداللہ مدنی، (۴۸) حافظ عبدالسمیع مدنی، (۴۹) مولانا رفیع الدین ریاضی (۵۰) مولانا عبدالمعبود سلفی، (۵۱) مولانا محمد اسلام عمری، (۵۲) مولانا سعیدالرحمن الجامعی، (۵۳) مولانا محمد نسیم الجامعی، (۵۴) مولانا عبدالجبار انعام اللہ سلفی، وغیرہ......

دعوتی وجماعتی دلچسپیاں

درس وتدریس کے ساتھ دعوت وتبلیغ سے بھی دلچسپی رہی ہے. میں نے ہندوستان کے چھوٹے بڑے شہروں میں جمعیت وجماعت کے زیر اہتمام منعقد ہونے والی سو(۱۰۰) سے زائد سیمیناروں اور کانفرنسوں میں شرکت کی ہے- مختلف موضوعات پر مقالات پیش کئے ہیں اور تقریریں کی ہیں، اسی طرح ہزار(۱۰۰۰) سے زائد خطبات جمعہ دیئے ہیں...

بحمداللہ جماعتی تنظیم سے بھی دلچسپی رہی ہے چنانچہ علاقائی، ضلعی، اور صوبائی سطح پر تنظیمی ذمہ داریاں انجام دی ہیں، جس کی تفصیل بالترتیب یہ ہے: ناظم جمعیت اھل حدیث حلقہ ڈومریا گنج، نائب امیر ضلعی جمعیت اھل حدیث سدھارتھ نگر، ناظم ضلعی جمعیت، نائب امیر جمعیت اہل حدیث مشرقی یوپی، امیر جمعیت مشرقی یوپی، اور رکن مجلس شوری مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند، بعض مذکورہ ذمہ داریاں پانچ سال اور بعض دس سال انجام دی ہیں۔

قابل ذکر بات یہ ہے کہ صوبائی مجلس شوریٰ منعقد گورکھپور میں جب مجھے باتفاق آراء مشرقی یوپی کا امیر بنایا گیا تو اس موقع

پر ایک اہم فیصلہ یہ بھی کیا گیا تھا کہ ریاستی جمعیت کی آفس بنارس سے لکھنؤ منتقل کردی جائے بحمد اللہ اس پر عمل کیا گیا، ایک یا دو سال تک آفس کرایہ کی عمارت میں رہی، پھر راقم الحروف اور مولانا عبدالقادر انور بستویؒ نے بڑی محنت سے چندہ کیا، لکھنؤ دوبگہ چوراہا سے آگے زمین خریدی اور آفس کی تعمیر شروع کردی جس کی تکمیل بعد میں ہوئی۔

صحافت، مضمون نگاری، افتاء اور شاعری:

مختلف اوقات میں چار مجلّات کی صحافت وادارات سے وابستہ رہا ہوں، جن کی ترتیب اس طرح ہے، مدیر مسئول سہ ماہی مجلہ الھلال تلسی پور (ایک سال) مدیر ماہنامہ مجلہ الفلاح بھیکم پور (تقریبا تین سال) مدیر دوماہی مجلہ ''اعتدال'' ضلعی جمعیت سدھارتھ نگر (ایک سال) مدیر ماہنامہ مجلہ ''الصفا" کلیۃ الصفا ڈومریا گنج (تقریبا ایک سال) متعدد موضوعات پر میرے مضامین جماعتی وغیر جماعتی مجلّات وجرائد میں شائع ہوئے ہیں، بعض کتابی شکل میں مطبوع ہیں، اکثر غیر مطبوع ہیں، بعض تصنیفات کے نام یہ ہیں (۱) مکانۃ التضحیۃ فی الاسلام، عربی) (۲) سیرت نبوی اور غیر اسلامی افکار، (۳) تحریک اھل حدیث علمی وتاریخی جائزہ (۴) اسلام کی صحیح تعبیر (۵) علماء ہند اور عرب (۶) مقالات سیمینار (۷) مقالات اسلامک فقہ اکیڈمی (۸) مجموعہ تقاریر پیس ٹی وی، اب تک جو فتاوی میں نے لکھے ہیں اسے مولانا رفیق احمد سلفی علی گڑھ مرتب کررہے ہیں بعض مکالمے لکھے ہیں وہ بھی زیر ترتیب ہیں، شعر وسخن سے بھی دلچسپی رہی ہے، چنانچہ حمد ونعت اور نظمیں بنام ''جام طھور'' کمپوزنگ کے مرحلے میں اور غزلیات وغیرہ کا مجموعہ بنام ''ارمغان سخن'' زیر ترتیب ہے۔

آخر میں بطور تحدیث نعمت ذکر کررہا ہوں کہ میں نے بتوفیق الہی ۱۹۹۶ء میں عمرہ کیا ہے اور ۲۰۰۷ء میں رابطہ عالم اسلامی کی دعوت پر سفر حج کیا ہے، اس سلسلے میں ڈاکٹر فضل الرحمن مدنی کے حسن التفات کا بڑا دخل ہے، اب تو سفر آخرت سامنے ہے، بمشورہ مولانا عبدالرحیم امینی بکھرے ہوئے علمی کاموں کو سمیٹنے میں لگا ہوں، اللہ تعالی مجھے صحت عقیدہ وعمل کے ساتھ ساتھ اسلام پر قائم رکھے اور ایمان پر خاتمہ کرے (آمین)

تحریر کردہ: ۲۰۱۸/۱۰/۱۰ء

مطابق: ۱۴۴۰/۱/۲۹ھ



ڈاکٹر فضل الرحمن مدنی مالیگاؤں

رئیس مجلس علمی واستاذ ومفتی جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں

پیدائش ۱۳ مارچ ۱۹۵۱ء

نام ونسب: فضل الرحمن بن دین محمد بن لعل محمد سالار بن جہانگیر عرف جنگے بن عیدو بن گھیج۔

تاریخ پیدائش: ۱۳/۰۳/۱۹۵۱ء (پاسپورٹ میں درج تاریخ کے اعتبار سے)۔

مقام پیدائش: موضع بھیکم پور، پوسٹ شنکر نگر، ضلع بلرام پور، یوپی انڈیا۔

بھیکم پور اور شنکر نگر سرکاری کاغذات میں دوالگ الگ موضع ہیں، لیکن دونوں کی آبادی متصل اور عموماً ساکنین کے خاندان بھی مشترک ہیں۔

والدہ کا نام: میمونہ خاتون بنت سلیمان انصاری ہے، آپ کا میکہ سیکھر پور نامی گاؤں میں تھا جو بلرام پور سے پچھم جانب واقع ہے، وہ ایک صالح ودیندار، بااخلاق اور مہمان نواز خاتون تھیں۔

خاندان کی مزید تفصیل: گھیج کے چھ لڑکے تھے: (۱) عیدو (۲) رحیم بخش (۳) ولد (۴) رُسئی (۵) چلہی (۶) پانچو۔

عیدو کے دو لڑکے تھے: جنگے اور محمد۔

جنگے کے تین لڑکے تھے: (۱) لعل محمد سالار (۲) اسماعیل عرف چھیدی (۳) عبداللہ عرف صدرو۔

لعل محمد سالار کے چار لڑکے تھے: (۱) دین محمد (۲) عبدالمنان (۳) محمد یاسین (۴) مصطفی اور ایک لڑکی مسماۃ روزہ تھی۔

دین محمد کے پانچ لڑکے اور تین لڑکیاں تھیں: (۱) فضل الرحمن المدنی (۲) عتیق الرحمن (۳) محفوظ الرحمن (۴) عزیز الرحمن (۵) ڈاکٹر حفظ الرحمن (۶) فہمیدہ (۷) حمیدہ (۸) کریمہ۔

اس طرح ہمارے چار بھائی اور تین بہنیں ہیں، ماشاء اللہ سبھی شادی شدہ اور صاحب اولاد ہیں، حفظ الرحمن جامعہ سلفیہ بنارس سے فارغ اور عالم وفاضل ہیں، پھر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے بی یو ایم ایس (B.U.M.S.) کی ڈگری حاصل کر کے مطب کر رہے ہیں اور اچھے طبیب ہیں، عزیز الرحمن ہائی اسکول پاس ہیں، اور طویل عرصہ تک جدہ سعودی عرب میں رہ چکے ہیں، محفوظ الرحمن بھی عرصہ دراز سے طائف سعودی عرب میں رہ رہے ہیں، اور عتیق الرحمن نے تجارت کو اپنا پیشہ بنایا۔

والد صاحب (دین محمد) پڑھے لکھے پکے نمازی اور دیندار تھے، اور اپنے ساتھیوں کی نماز میں عموماً امامت کیا کرتے تھے، ممبئی اور احمد آباد میں کپڑے کے ملوں میں طویل عرصہ تک کام کیا، کئی سال بارہ بنکی اور گھر پر کرگھے پر کپڑے کی بنائی کا کام کیا اور عرصہ تک

سوت اور کپڑے کی تجارت بھی کرتے رہے، انہیں اور والدہ کو اللہ نے حج بیت اللہ کا بھی شرف عطا فرمایا تھا، جس سال جہیمان اور اس کی جماعت نے حرم مکی پر قبضہ اور مہدی ہونے کا دعوی کیا تھا، اسی سال دونوں حج کے لئے تشریف لے گئے تھے۔

اولاد: ہمارے تین لڑکے اور تین لڑکیاں ہیں: (۱) ہشام (۲) احمد (۳) محمد (۴) اسماء (۵) نائلہ (۶) بشریٰ۔

ہشام جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں سے فارغ عالم وفاضل ہیں، اور (S.S.C.) کے بعد کمپیوٹر کا کورس کر کے ایک اخبار میں کمپیوٹر آپریٹر ہیں۔

احمد نے جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں سے عالمیت اور فضیلت کرنے کے بعد جامعہ اسلامیہ کوسہ ممبرا سے بھی سند فضیلت حاصل کی، نیز پونا بورڈ، سے (S.S.C.) اور پھر کمپیوٹر کا کورس کیا، اس کے بعد جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور کلیۃ الدعوۃ سے لیسانس کا کورس مکمل کر کے جالیات شرق بریدہ میں دعوت وتبلیغ اور ترجمہ کا کام کیا، ابھی جامعۃ القصیم، بریدہ میں مرحلہ ماجستر میں زیر تعلیم ہیں، اللہ مزید علم وعمل اور ترقی سے نوازے۔

محمد نے S.S.C.، H.S. اور B.S.C. کر کے پیتھالوجی کا کورس کیا اور ایک لیب میں کام کر رہے ہیں۔

اسماء نے کلیۃ عائشہ صدیقہ منصورہ مالیگاؤں سے عالمیت، فضیلت اور پونا بورڈ سے S.S.C. کیا، اور کئی سالوں تک کلیہ عائشہ صدیقہ مالیگاؤں میں معلمہ رہی، پھر مولانا عبدالصبور ندوی جھنڈانگری سے شادی ہوئی، فی الحال اپنے شوہر کے ساتھ کاٹھمنڈو میں رہ رہی ہیں۔ اور دعوت وارشاد کا کام کر رہی ہیں۔

نائلہ نے کلیہ عائشہ صدیقہ منصورہ مالیگاؤں سے عالمیت، فضیلت اور تخصص اور پونہ بورڈ سے S.S.C. اور مولانا ابوالکلام آزاد اوپن یونیورسٹی حیدرآباد سے ''غذا اور تغذیہ'' اور بی اے (B.A.) کا کورس کیا، کئی سال کلیہ عائشہ صدیقہ مالیگاؤں میں تدریس کے فرائض انجام دیئے، شادی کے بعد اپنے رفیق حیات مولانا خالد بشیر محمدی کے ساتھ مالیگاؤں میں رہ رہی ہیں۔

بشریٰ نے بھی کلیہ عائشہ صدیقہ منصورہ مالیگاؤں سے عالمیت فضیلت تخصص اور مولانا ابوالکلام آزاد یونیورسٹی سے (B.A.) کا کورس کیا، اور کلیہ عائشہ صدیقہ مالیگاؤں میں کئی سال تدریس کے فرائض انجام دئے، اس کی شادی مولانا صفی الرحمن محمدی ومدنی بن مولانا محمد ہارون سے ہوئی اور فی الحال اپنے خاوند کے ساتھ مدینہ منورہ میں رہ رہی ہیں۔

وہ مدارس جہاں سے تعلیم حاصل کی:

۱۔ مدرسہ محمدیہ نصرۃ الاسلام شنکرنگر (پرائمری کی پانچویں جماعت تک اور پھر عربی کی جماعت ثانیہ)

۲۔ جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر نیپال (ادنیٰ واولی، کل دوسال)

۳۔ جامعہ سراج العلوم بونڈیہار (جماعت ثالثہ سے خامسہ تک، کل تین سال)

۴۔ جامعہ سلفیہ بنارس (عالمیت سنہ ثانیہ سے فضیلت سال آخر تک، کل پانچ سال) ۱۹۷۲ء میں فارغ ہوئے۔

۵۔ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ، (کلیۃ الشریعۃ، چارسال، الدراسات العلیا، (ماجستر ودکتوراہ) نوسال، کل ۱۳ رسال۔

۶۔ ۱۹۷۳ء کے اواخر میں مدینہ میں داخلہ ہوا اور جون ۱۹۸۸ء میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری ملی۔

اساتذہ کرام:

۱۔میاں عبدالرحیم صاحب، ساکن پوروہ، بھیکم پور۔ ۲۔میاں عین اللہ صاحب، ساکن پورہ، بھیکم پور، ۳۔میاں عبدالوہاب صاحب، ساکن پورہ بھیکم پور۔ ۴۔ماسٹرعظمت اللہ صاحب، پوروہ، بھیکم پور۔ ۵۔ماسٹرثناء اللہ صاحب، ساکن شنکرنگر۔ ۶۔مولانا زین اللہ صاحب طیب پوری، تلمیذ شیخ الحدیث علامہ عبیداللہ رحمانی مبارکپوری۔ ۷۔مولانا عبدالمالک صاحب بن مولانا عبدالجبار صاحب کھنڈیلوی۔ ۸۔حافظ حبیب اللہ صاحب، پوروہ، بھیکم پور

یہ اساتذہ مدرسہ محمدیہ نصرۃ الاسلام، شنکرنگر کے ہیں۔اور میاں عبدالرحیم نے بھیکم پور کی مسجد میں بھی پڑھایا، اور انہیں سے میری تعلیم کی ابتداء اور بسم اللہ ہوئی۔

۹۔مولانا ابوالبرکات صاحب، جھنڈانگر۔ ۱۰۔مولانا عبدالسلام صاحب رحمانی، کنڈؤ بونڈیہار (فیجی والے) ۱۱۔مولانا محمد حنیف صاحب مہرکولہ، (ان سے جھنڈانگر اور شنکرنگر دونوں جگہ تعلیم حاصل کی ہے)۔ ۱۲۔مولانا رئیس احمد ندوی، (ان سے جھنڈانگر اور جامعہ سلفیہ بنارس دونوں جگہ تعلیم حاصل کی ہے)۔ ۱۳۔مولانا حقیق اللہ صاحب ۱۴۔مولانا سلیم الدین صاحب (کنڈؤ)۔ ۱۵۔ماسٹر فضل الرحمن صاحب

ان حضرات سے جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر میں تعلیم حاصل کی، اس وقت خطیب الہند مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری جامعہ سراج العلوم کے ناظم اعلیٰ اور مولانا دور صدیقی صدر مدرس تھے، ان دونوں حضرات کے خطبات اور پند ونصائح سے استفادہ کیا، مگر کوئی کتاب ان سے پڑھنے کا موقع نہیں ملا۔

۱۶۔مولانا یحییٰ صاحب جلیلی، ان سے شنکرنگر جماعت ثانیہ میں تعلیم حاصل کی۔ ۱۷۔مولانا اقبال احمد رحمانی، تلمیذ شیخ الحدیث عبیداللہ رحمانی مبارک پوری۔ ۱۸۔مولانا محمد عمر صاحب سعیدی گونڈوی۔ ۱۹۔مولانا عزیز احمد (بیت اللہ) صاحب ندوی، بونڈیہار۔ ۲۰۔ماسٹر ابوالکلام صاحب کونڈؤ۔

ان حضرات سے جامعہ سراج العلوبونڈیہار میں تعلیم حاصل کی۔

۲۱۔مولانا آزاد صاحب رحمانی۔ ۲۲۔مولانا عبدالوحید صاحب رحمانی۔ ۲۳۔ماسٹر شمس الدین صاحب بنارسی۔ ۲۴۔مولانا عابد حسن رحمانی، کنڈؤ والے۔ ۲۵۔مولانا عبدالمعید صاحب بنارسی۔ ۲۶۔ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری۔ ۲۷۔مولانا عبدالحمید صاحب رحمانی مدنی۔ ۲۸۔ ماسٹر عبدالحمید صاحب جون پوری۔ ۲۹۔ مولانا شمس الحق صاحب بہاری۔ ۳۰۔فضیلۃ الشیخ صالح العراقی۔ ۳۱۔فضیلۃ الشیخ عبداللہ الغنیمان۔ ۳۲۔فضیلۃ الشیخ الدکتور ربیع ہادی المدخلی۔ ۳۳۔فضیلۃ الشیخ ہادی المدخلی۔ ۳۴۔فضیلۃ الشیخ علی مشرف العمری۔

ان سب سے جامعہ سلفیہ بنارس میں تعلیم حاصل کی۔اور شیخ عبداللہ غنیمان اور دکتور ربیع سے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں بھی استفادہ کیا۔

۳۵۔فضیلۃ الشیخ عبدالمحسن العباد(سابق وائس چانسلر جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ)۔۳۶۔فضیلۃ الشیخ جابر الجزائری۔۳۷۔فضیلۃ الدکتور عبدالحمید الغفاری۔۳۸۔فضیلۃ الشیخ شال المصری۔۳۹۔فضیلۃ الدکتور عبداللہ القادری۔۴۰۔فضیلۃ الدکتور احمد میرہ الشامی۔۴۱۔فضیلۃ الدکتور اکرم ضیاء العمری۔۴۲۔فضیلۃ الدکتور محمود الطحان الشامی۔۴۳۔فضیلۃ الدکتور احمد الفراج السودانی۔۴۴۔فضیلۃ الشیخ عبدالغفار حسن رحمانی۔۴۵۔فضیلۃ الشیخ محمود الوائلی،عمید کلیۃ الشریعۃ آنذاک۔۴۶۔فضیلۃ الشیخ سعد نداء المصری،انہوں نے انگلش پڑھایا۔ان سب سے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں تعلیم حاصل کی۔

ان کے علاوہ سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز مفتی سعودی عرب،محدث العصر سماحۃ الشیخ محمد ناصر الدین الالبانی،فضیلۃ الدکتور تقی الدین الہلالی المراکشی،فضیلۃ الشیخ حماد الانصاری،فضیلۃ الشیخ عمر فلاتہ،وغیرہ علماء کرام کے دروس وخطبات اور علمی مجلسوں سے بھی مختلف مواقع پر استفادہ کیا،اگر چہ کلاس میں باقاعدہ ان سے تعلیم حاصل نہیں کی،تفسیر کے ایک درس میں ملک خالد بن عبدالعزیز آل سعود بھی تشریف لائے،اور فضیلۃ الشیخ جابر الجزائری کے مختصر درس کے بعد انہوں نے طلبہ سے خطاب کیا اور اپنے والد محترم ملک عبدالعزیز آل سعود کے اپنے بچوں کی دینی تعلیم وتربیت کے سلسلے میں واقعات سنائے اور بتایا کہ وہ اپنے بچوں کا فجر کی نماز کے بعد حاضری لیتے تھے،اور نماز باجماعت کے سلسلہ میں بہت سخت تھے،ملک عبداللہ بن عبدالعزیز آل سعود سے بھی ان کے شاہی محل میں مجمع الفقہ الاسلامی،رابطہ العالم الاسلامی کے وفد کے ساتھ ملاقات کا شرف حاصل ہوا اور ان کا خطاب بھی سنا۔

علمی شہادات واسناد:

۱۔ادیب،جامعہ اردو علی گڑھ،یوپی۔

۲۔عالمیت،جامعہ سلفیہ بنارس،یوپی۔

۳۔فضیلت،جامعہ سلفیہ بنارس،یوپی۔۱۹۷۲ء میں فراغت ہوئی۔

۴۔لیسانس،(B.A.) کلیۃ الشریعۃ،جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ،سعودی عرب۔۱۹۷۳ء کے اواخر میں مدینہ میں داخلہ ہوا۔

۵۔ماجستر(ایم اے)فی الفقہ الاسلامی،جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ،سعودی عرب۔

۶۔دکتوراہ(پی ایچ ڈی)فی الفقہ الاسلامی،جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ،سعودی عرب۔جون ۱۹۸۸ء میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری ملی۔

۷۔سند اجازہ از فضیلۃ الشیخ ابو محمد عبدالواحد بن علامہ عبدالوہاب ملتانی محدث دہلوی۔

۸۔سند اجازہ از فضیلۃ الشیخ علامہ محمد اسرائیل سلفی ندوی۔

شہادات تقدیر وشکر:

۱۔شہادۃ شکر وتقدیر از رئیس الدورۃ لمعلمی اللغۃ العربیہ والثقافہ الاسلامیہ منعقدہ منجانب جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ در جامعہ منصورہ مالیگاؤں۔

۲۔شہادۃ تقدیر از مستشار ثقافی درسفارت خانہ سعودی عرب نئی دلی، جووزارۃ الشئون الاسلامیہ والاوقاف کی جانب سے، حفظ قرآن کریم وحدیث شریف کے پہلے مسابقہ میں فعال کارکردگی کی بنا پر دی گئی۔

۳۔شہادۃ شکر وتقدیر: ''جوسنت نبویہ اورامن عالم'' کے موضوع پر جامعہ سلفیہ بنارس میں عالمی کانفرنس میں فعال مشارکت کی بنا پر دی گئی۔

چند علمی وتربیتی دورات جن میں شرکت کی:

۱۔دورہ تدریبیہ برائے معلمین عربی زبان وثقافت اسلامیہ منجانب جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ، بمقام جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں ۱۹۹۶ء۔

۲۔دورۃ العلوم الشرعیہ والعربیہ منعقدہ بمقام جامعۃ الہدایۃ جے پور راجستھان، منجانب وزارت شئون الاسلامیہ سعودی عرب ۱۹۹۷ء۔

۳۔الدورہ التدریبیۃ للدعاۃ فی الھند، من جانب وزارت شئون اسلامیہ ۱۹۹۸ء۔

۴۔ملتقی العلماء والدعاۃ منعقدہ بمقام مجمع اہل حدیث نئی دہلی ۲۰۱۱ء۔

۵۔الدورۃ التاھیلیۃ لتنمیۃ مھارات العاملین فی حقل الدعوۃ والتربیۃ منعقدہ منجانب وزارۃ الشئون الاسلامیہ بمقام مجمع اہل حدیث نئی دہلی۔ ۲۰۱۲ء۔

۶۔ملتقی العلماء والدعاۃ المصلحین، منعقدہ بمقام مجمع اہل الحدیث نئی دہلی ۲۰۱۳ء۔

تدریسی خدمات:

درج ذیل مدارس وجامعات میں تعلیم وتربیت اورتدریس کے فرائض انجام دیئے۔

۱۔جامعہ محمدیہ شنکر نگر: طالب علمی کے دور میں جب فضیلت اول میں تھا تو جامعہ محمدیہ نصرۃ الاسلام شنکر نگر، میں ماہ رمضان میں تدریسی خدمات انجام دیئے۔

۲۔دارالعلوم یوسفیہ نا گپور: فراغت کے بعد تقریباً چار ماہ مرکزی جمعیت اہل حدیث دہلی کے دفتر میں کام کیا، اس کے بعد ماہ صفر سے لے کر شعبان تک دارالعلوم یوسفیہ نا گپور میں تدریسی ودعوتی فرائض انجام دیئے، اورطلبہ کو سنن الترمذی، مشکاۃ المصابیح، الفوز الکبیر، ترجمہ معانی القرآن اورمنطق وغیرہ پڑھایا۔

۳۔جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں: جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے پی ایچ ڈی مکمل کرنے کے بعد دسمبر ۱۹۸۸ء میں جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں آیا، اوراس وقت سے لے کر ابھی تک وہیں تدریس اورتعلیم وتربیت کے فرائض انجام دے رہا ہوں، اورصحیح بخاری جلد اول ودوم، احکام القرآن لابن العربی، روائع البیان للصابونی، التفسیر والمفسرون، الحدیث والمحدثون، اصول

الافتاء وآدابہ، اعلام الموقعین لابن القیم، المغنی لابن قدامہ، المجموع للنووی، المحلی لابن حزم، بدایۃ المجتہد جلد اول ودوم، الروضۃ الندیہ للنواب صدیق حسن خان، الوجیز فی فقہ السنہ والکتاب العزیز للدکتور عبدالعظیم البدوی، فقہ السنہ للسید سابق، اصول الفقہ للخلاف، تسہیل الوصول الی علم الاصول للشیخ عبدالمحسن العباد والشیخ عطیہ سالم، تاریخ التشریع الاسلامی للخضری بک، القواعد والضوابط الفقہیۃ، ترجمہ معانی القرآن وغیرہ کتابیں زیر تدریس رہیں۔

دعوتی خدمات:

خطبات جمعہ، دروس اور ندوات وموتمرات میں محاضرات اور اجلاس عام میں خطابات کے ذریعہ برابر دعوت وتبلیغ کا کام کرتا رہا ہوں، سالہا سال سے رمضان المبارک میں عصر بعد جامعہ محمدیہ منصورہ کی مسجد میں درس ہوتا ہے، اور جب جامعہ محمدیہ میں رمضان المبارک میں سالانہ تعطیل ہوتی تھی تو شنکر نگر کی جامع مسجد میں فجر بعد عموماً درس ہوتا تھا، دعوت وتبلیغ کے لئے شنکر نگر اور مالیگاؤں کے علاوہ جلگاؤں، دھولیہ، ناسک، اورنگ آباد، شولا پور، جیتانہ، احمد نگر، ممبئی اور بنگلور وغیرہ بہت سے شہروں اور بستیوں میں جاتے رہا، جہاں خطابات کے علاوہ سوال وجواب کا پروگرام ہوتا تھا، مدارس وجامعات کے سالانہ اجتماعات میں بطور صدر اجلاس جامعہ محمدیہ نصرۃ الاسلام شنکر نگر، مدرسہ ریاض الاسلام بھیکم پور، جامعہ محمدیہ رائیدرگ، جامعہ محمدیہ بنگلور، دارالعلوم یوسفیہ تلسی باغ، اور دارالعلوم محمدیہ احباب کالونی ناگپور، جامعہ التوحید رحیم آباد، آندھرا پردیش وغیرہ میں شرکت فرمائی، پاکوڑ، مئو، بنارس، ممبئی، پونا، بلرام پور، بہرائچ، تلشی پور، بونڈیہار وغیرہ شہروں اور بستیوں کے اجلاس عام میں خطاب کیا اور مقالات پیش کئے۔

صحافتی خدمات:

ایک عرصہ تک مجلہ صوت الحق کی مجلس ادارت کے ممبر رہے، اور خود مقالات لکھنے کے علاوہ دوسروں کے مقالات پر نظر ثانی اور تصحیح کرتے رہے، اخبار اسلاف میں بھی بہت سارے مقالات اور فتاوے طبع ہوئے، عہد طالب علمی میں مجلہ اہل حدیث، ترجمان، الاسلام اور شعور وغیرہ مجلّات میں مقالات چھپتے رہے، اور آج بھی تحریری خدمات کا سلسلہ جاری ہے۔

تالیفات وتحقیقات:

۱۔ مسائل الامام احمد بن حنبل بروایۃ ابنہ صالح (تحقیق ودراسہ وتعلیق)

یہ حدیث، رجال، علل، تاریخ، تفسیر، عقیدہ، اور فقہ کے ۱۷۵۰ سوالات اور امت اسلامیہ کے جلیل القدر محدث ومجتہد اور فتنۂ خلق قرآن کے بطل جلیل امام احمد بن حنبل کے انتہائی قیمتی اور علمی جوابات کا مجموعہ، اور گنجینۂ علوم ومعارف ہے، اس پر ناچیز کا مقدمہ، ہر ہر مسئلہ کی تحقیق وتخریج، علمی تعلیقات اور رجال کے تراجم وغیرہ ہیں، ۱۵۰۰ سو صفحات پر مشتمل تین جلدوں میں عربی میں مطبوع ہے، اور ادارۃ البحوث العلمیۃ والافتاء والدعوۃ والارشاد ریاض، سعودی عرب کی طرف سے اس کی توزیع وتقسیم ہو چکی ہے، دراصل یہ دکتوراہ کا رسالہ ہے، جس پر پی ایچ ڈی کی اعلیٰ سند تفویض کی گئی۔

۲۔احکام التذکیۃ فی الشریعۃ الاسلامیہ:
یہ ذبح اور ذبیحہ کے موضوع پر ایک تحقیقی و تفصیلی بحث ہے، جس میں ذبح کے مسائل کے ساتھ اعداء اسلام کے اعتراضات کے علمی جوابات، یورپ میں ذبح کے جدید طریقوں کا جائزہ اور ان کے بارے میں اسلام کے نطقۂ نظر کا بیان، مختلف تجاویز اور اقتراحات ہیں، تقریباً چھ سوصفحات پر مشتمل دو جلدوں میں عربی میں ہے، اصلاً ماجستر (.M.A) کا رسالہ ہے، جس پر مناقشہ کے بعد امتیاز کے ساتھ ماجستر کی سند دی گئی۔

۳۔کتاب العلل ومعرفۃ الرجال للامام احمد بروایۃ المروزی وصالح والمیمونی (تحقیق ودراسہ): یہ کتاب علل ورجال سے متعلق امام احمد بن حنبلؒ کے گرانقدر علمی اقوال پر مشتمل ہے، اور اسے بڑی محنت سے ایڈٹ کیا گیا ہے۔

۴۔مختصر تاریخ التشریع الاسلامی: یہ تاریخ فقہ اسلامی پر ایک مختصر مگر جامع رسالہ ہے، اور عربی مدارس میں نصاب میں داخل کرنے کے لائق عربی زبان میں ہے۔

۵۔سود کے احکام ومسائل: یہ سود کے موضوع پر ایک اہم کتاب ہے، جس میں ہندوستان میں سود کی شرعی حیثیت، سود کی حرمت اور اس کے نقصانات کے تفصیلی بیان کے ساتھ سود کے متعلق اکثر وبیشتر مسائل کے جوابات فتاوٰی اور سوالات وجوابات کی شکل میں مدلل اور دل نشین انداز میں دیئے گئے ہیں، اردو میں مطبوع ہے، اور اب تک ہزاروں کی تعداد میں نکل چکا ہے۔

۶۔سود اور اس کی مضرتیں: یہ دراصل ایک خطاب ہے جس میں سود کی تعریف اور اقسام کے ساتھ اس کے دینی اقتصادی، اخلاقی اور اخروی نقصانات پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے، اور رسالہ کے اخیر میں سود کے موضوع پر کچھ جدید فتاوے جمع کر دئے گئے ہیں، جس سے اپنے موضوع پر ایک قیمتی رسالہ بن گیا ہے۔

۷۔صف بندی کے لئے کھڑے ہونے اور نماز شروع کرنے کا وقت: اس کتاب میں دونوں موضوع کا مفصل تحقیقی جائزہ لیا گیا ہے، اور آخر میں صف بندی سے متعلق فتاوؤں کو جمع کر دیا گیا ہے، اس طرح صف بندی کے متعلق یہ منفرد کتاب بن گئی ہے۔

۸۔فتاوی رمضان: یہ رمضان المبارک، روزوں، شب قدر، اعتکاف اور صدقۃ الفطر وغیرہ کے اکثر وبیشتر مسائل کے متعلق علمی فتاوؤں اور مقالات کا مجموعہ ہے، اور ایک مسلمان کے لئے رمضان المبارک اور اس کی جملہ عبادات کے متعلق ایک قیمتی تحفہ ہے۔

۹۔عید میلاد النبی کی شرعی حیثیت: یہ عید میلاد النبی کے بارے میں ایک تحقیقی اور علمی رسالہ ہے، جس میں اس کی شرعی حیثیت اور نقصانات پر مفصل ومدلل روشنی ڈالی گئی ہے، اور بتایا گیا ہے کہ یہ ایک مبتدعانہ عمل ہے جس کا وجود عہد نبوی اور خیر القرون میں نہیں تھا، اور اس میں عید کرسمس کی مشابہت اور نقالی ہے۔

۱۰۔عیدین کے احکام ومسائل: اس میں عید الفطر وعید الاضحیٰ کے احکام ومسائل کا مدلل بیان ہے، خاص طور سے خواتین کے عیدگاہ جانے کے مسئلہ پر مفصل روشنی ڈالی گئی ہے، اور عیدین کے موضوع پر مصنف کے فتاوؤں کو جمع کر دیا گیا ہے۔

۱۱۔اسلام کا صحیح نظام طلاق: یہ طلاق کے موضوع پر ایک خطاب ہے، جس میں بیوی کے ساتھ حسن سلوک کے حکم کے ساتھ بحالت اضطرار طلاق وخلع کی گنجائش وجواز کی حکمت اور پھر طلاق کے صحیح اسلامی طریقہ پر مفصل ومدلل روشنی ڈالی گئی ہے، اور اخیر میں طلاق کے متعلق کچھ فتاووں کو جمع کر دیا گیا ہے۔

۱۲۔آداب تعلیم وتربیت: یہ تعلیم وتربیت کے موضوع پر ایک بیش قیمت کتاب ہے، جس میں تعلیم وتربیت کے فضائل، کامیاب معلم کے اوصاف، تدریس کا طریقہ، جامعہ محمدیہ کے نصاب تعلیم کے اعتبار سے ہر ہر کتاب کے الگ الگ اور مفصل طریقہ تدریس پر روشنی ڈالی گئی ہے، یہ مطبوع اور بہت سے مدارس وجامعات میں زیر تدریس ہے۔

۱۳۔قربانی کے احکام ومسائل: یہ قربانی کے موضوع پر بیش قیمت فتاووں اور علمی مقالات کا مجموعہ ہے، جس میں قربانی کے اکثر وبیشتر مسائل کے علاوہ قربانی کی تاریخ، اس کے فوائد اور اس پر اعداء اسلام کے اعتراضات کا مدلل جواب ہے۔

۱۴۔عقیقہ کے احکام ومسائل: اس میں عقیقہ سے متعلق فتاووں کے علاوہ بچے کی ولادت کے ساتویں دن کے دیگر بہت سے مسائل جیسے بال مونڈنے، نام رکھنے، نہلانے وغیرہ کا بیان ہے، اور بہت سی بدعات وغیر شرعی رسوم کی تردید ہے۔

۱۵۔حقوق الاولاد: یہ اولاد کے حقوق سے متعلق ایک مختصر رسالہ ہے۔

۱۶۔ترجمہ تسہیل الوصول الی فہم الاصول: یہ ترجمہ اردو میں ہے۔

۱۷۔دعوت کے اصول کتاب وسنت اور فہم سلف صالح کی روشنی میں: یہ معالی الشیخ صالح بن عبدالعزیز آل شیخ، وزیر الشئون الاسلامیہ والاوقاف بالمملکہ العربیہ السعودیہ حفظہ اللہ کے رسالہ "تأصیل المنهج الدعوی فی ضوء الکتاب والسنۃ وفهم السلف الصالح" کا اردو میں ترجمہ ہے۔

۱۸۔کتاب الفضائل: مختلف اعمال وعبادات کے فضائل کے موضوع پر ایک مختصر رسالہ ہے۔

۱۹۔عالم برزخ: یہ برزخ کے موضوع پر ایک مختصر رسالہ ہے۔

۲۰۔عربی مدارس کا سلفی نصاب اور اس کے احیاء کی ضرورت: یہ عربی مدارس کے نصاب تعلیم کے موضوع پر ایک کتابچہ ہے، جسے جامعہ محمدیہ نے فروری ۱۹۹۰ء میں اپنے گیارہویں تعلیمی وتبلیغی کانفرنس کے موقع پر طبع کر کے تقسیم کیا تھا۔

۲۱۔نعمۃ المنان مجموع فتاوی فضیلۃ الدکتور فضل الرحمن: یہ فتاویٰ کا مجموعہ ہے، جس کی یہ پہلی جلد ہے۔

۲۲۔مقالات مدنی: یہ مقالات کا مجموعہ ہے۔

۲۳۔خطبات: یہ کچھ خطبات جمعہ کا مجموعہ ہے۔

عہدے ومناصب:

۱۔جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں میں کلیۃ الشریعہ للبنین اور کلیۃ عائشہ الصدیقہ میں تدریس۔ ۲۔رئیس قسم الافتاء بالجامعہ المحمدیہ منصورہ مالیگاؤں۔ ۳۔سابق شیخ الجامعہ جامعہ محمدیہ، منصورہ مالیگاؤں۔ ۴۔عضو مجلس شوری مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند۔ ۵۔عضو

مجلس شوری جمعیت اہل حدیث مہاراشٹر۔۶۔ممبر اسلامک فقہ اکیڈمی، رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ۔۷۔ممبر مسلم پرسنل لاء بورڈ، انڈیا۔۸۔سابق رئیس قسم الفقہ، جمعیۃ خریجی الجامعات السعودیہ بالہند والنیبال۔۹۔سابق مشرف علی الدعاۃ، صوبہ مہاراشٹر وگجرات۔۱۰۔رئیس جمعیۃ خریجی الجامعات السعودیہ بالہند۔۱۱۔سابق عضو مجلس ادارت مجلہ صوت الحق، جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں۔۱۲۔عضو مجلس شوری مجلہ پیام توحید،نئی دہلی۔۱۳۔عضو مجلس شوری مجلہ ترجمان السنۃ،رچھا بریلی۔حالیہ مشغولیات:رئیس مجلس علمی واستاذ ومفتی جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں۔

چند مشہور زملاء:

مشہور ساتھیوں میں سے چند کے نام درج ذیل ہیں۔

۱۔مولانا شاہد جنید سلفی، رئیس جامعہ سلفیہ بنارس۔۲۔ڈاکٹر جاوید اعظم،سابق رئیس جامعہ سلفیہ بنارس۔۳۔ڈاکٹر اختر جمال بنارسی، استاذ دار الحدیث مکیہ۔۴۔ڈاکٹر عبدالعزیز بن شیخ الحدیث علامہ عبیداللہ الرحمانی مبارک پوری۔۵۔مولانا عبدالمنان سلفی، بھیکم پور۔۶۔مولانا عظمت اللہ جلیلی بھیکم پور۔۷۔مولانا رفیق احمد سلفی، دارالدعوۃ،دہلی۔۸۔ڈاکٹر ایاز احمد، بونڈیہار۔۹۔جناب وجہ القمر صاحب، بونڈیہار۔۱۰۔مولانا شیر محمد اثری،کوہلوا۔

کلیۃ الشریعۃ،جامعہ اسلامیہ میں اپنے کلاس میں مختلف ممالک کے تقریباً ۱۸۰ طلبہ تھے،ان میں سے چند کے نام یہ ہیں۔

۱۱۔میجر اسلم صاحب، پاکستان۔۱۲۔اسماعیل علی، انڈونیشیا۔۱۳۔شیخ طلال احمد،سعودی عرب۔۱۴۔ڈاکٹر فیحان،سعودی عرب۔۱۵۔ڈاکٹر عبدالرحمن بن عبدالعزیز،سعودی عرب۔

چند مشہور تلامذہ:

جامعہ محمدیہ مالیگاؤں میں آنے کے بعد دوسرے سال سے ہی فضیلت اولیٰ وثانیہ اور عالمیت سال آخر کی کتابیں زیر تدریس رہی ہیں، چنانچہ ۱۹۸۹ء کے بعد تقریباً تمام فارغین جامعہ ہمارے تلامذہ ہیں،اسی طرح کلیہ عائشہ صدیقہ میں بھی طویل عرصہ سے فضیلت ثانی اور تخصص کی طالبات کو پڑھاتا رہا ہوں،اس واسطے وہاں سے فارغات کی بھی ایک بڑی تعداد اپنی تلمیذات ہیں، بہت سی معلمات کو بھی کچھ کتابیں ان کے تدریسی ایام میں پڑھائی ہیں،تاکہ وہ طالبات کو آسانی سے اور صحیح صحیح پڑھا سکیں، ہمارے تلامذہ وتلمیذات اور مستفیدین ومستفیدات کی صحیح تعداد صرف اللہ کے علم میں ہے۔البتہ چند کے نام یہاں ذکر کئے جارہے ہیں۔

۱۔مولانا ابورضوان محمدی، استاذ جامعہ محمدیہ مالیگاؤں، وناظم اعلیٰ جمعیت اہل حدیث مہاراشٹر۔۲۔ڈاکٹر الیاس محمدی، ممبئی۔۳۔شیخ ظفر عدیل محمدی،اعظم گڑھ،داعی جالیات تبوک،سعودی عرب۔۴۔شیخ انصار زبیری محمدی،اعظم گڑھ،صدر اسلامک فقہ کونسل،ممبئی۔۵۔شیخ مختار احمد محمدی مدنی، داعی جالیات جبیل،سعودی عرب۔۶۔شیخ جنید احمد المدنی، شیخ الجامعہ، جامعہ اسلامیہ کوسہ ممبرا۔۷۔شیخ کے عبدالرحمن المدنی، استاذ ومدیر الامتحانات، جامعہ محمدیہ مالیگاؤں۔۸۔شیخ اظہار الحق المدنی، استاذ ومدیر مجلہ صوت

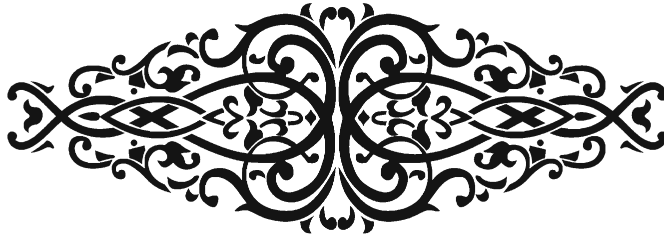
الحق جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں۔۹۔ درمحمد وسیم المدنی، جامعہ اسلامیہ مدینہ۔۱۰۔طاہر بیگ محمدی، ناظم جمعیت اہل حدیث شولا پور۔۱۱۔شیخ اسماعیل رافعی المحمدی، مدیر مجلہ البلاغ ممبئی۔۱۲۔شیخ عبدالرقیب مظاہر الحق، جامعہ اسلامیہ مدینہ۔۱۳۔شیخ محمد ہارون محمدی المدنی، داعی جالیات قریات،سعودی عرب۔۱۴۔ ابوہریرہ محمد بشیر محمدی المدنی، داعی جالیات،سعودی عرب۔۱۵۔علی محمد محمدی المدنی، جامعہ اسلامیہ، مدینہ منورہ۔۱۶۔محمد مصطفی محمد بشیر محمدی المدنی، جامعہ اسلامیہ، مدینہ منورہ۔۱۷۔ قاضی سفیان محمدی المدنی، جامعہ اسلامیہ، مدینہ منورہ۔

دائمی پتہ: مقام و پوسٹ شنکر نگر، ضلع بلرام پور، یوپی، انڈیا، پن کوڈ:۲۷۱۲۰۱۔

موجودہ پتہ: جامعہ محمدیہ منصورہ پوسٹ بکس نمبر:۱۴۴، مالیگاؤں، ضلع ناسک، مہاراسٹر، انڈیا پن کوڈ:۴۲۳۲۰۳

موبائل نمبر:۹۹۶۰۵۷۲۶۶۰،   فیکس نمبر:۰۲۵۵۴۲۳۵۶۷۹





استادگرامی

مولانا عاشق علی اثری سنابلی نئی دہلی

جنرل سکریٹری مرکز ابوالکلام آزاد للتوعیۃ اسلامیہ نئی دہلی

پیدائش: ۱۲/اپریل ۱۹۵۱ء

نام ونسب: ابوصادق عاشق علی اثری بن گل حسن بن مولیٰ بخش۔

خاندانی پس منظر: میرے دادا جناب مولیٰ بخش رحمہ اللہ ضلع بستی (موجودہ ضلع سدھارتھ نگر) کے ایک غالی قبر پرست گاؤں کھری ڈیہہ کے باشندہ تھے، دادا رحمہ اللہ چھ بھائی تھے اور دادا کے چار بیٹے تھے: (۱) جناب گولی صاحب (۲) جناب نصر اللہ صاحب (۳) جناب فتح اللہ صاحب (۴) سب سے چھوٹے والد محترم جناب گل حسن صاحب۔ رحمهم الله رحمةً واسعةً وغفر لهم۔

دادا رحمہ اللہ کی شادی میرے گاؤں تلسڑی میں ہوئی تھی۔ شادی کے کچھ دنوں کے بعد دادا کھری ڈیہہ کو ترک کر کے تلسڑی میں آباد ہو گئے۔ میرے والد رحمہ اللہ کے چار بھائیوں میں سے بڑے جناب گولی صاحب اپنے آبائی گاؤں ہی میں رہ گئے اور باقی تین انتقال مکانی کر کے تلسڑی میں رہائش پذیر ہو گئے۔

جیسا کہ اوپر ذکر ہوا ہے کہ کھری ڈیہہ کے لوگ غالی قسم کے قبر پرست اور پیر پرست تھے اور یہی ان کا دین وایمان تھا۔ تلسڑی آنے کے بعد والد صاحب اور میرے چچاؤں میں قبر پرستی تو نہ تھی مگر بریلویت بلکہ شیعیت کے اثرات باقی تھے۔ پورا گاؤں اسلام سے دور، بدعملی، جہالت وضلالت اور پیری ومریدی کے دلدل میں پھنسا ہوا تھا۔ اسلام کے تعلق سے ماہ رمضان میں چند بوڑھے مرد وعورتیں صرف صوم (روزہ) رکھ لیتے تھے، گاؤں میں مسجد تھی نہ مدرسہ، صلوات اور دیگر احکام شرع سے کسی کو کوئی مطلب نہیں تھا، حتی کہ صلاۃ جمعہ اور صلاۃ جنازہ بھی کوئی پڑھنے اور پڑھانے والا نہیں تھا۔ غیر مسلم اپنے مردوں کو جلاتے تھے اور مسلمان بغیر صلاۃ جنازہ کے قبرستان میں دفن کر دیتے تھے۔ ماہ محرم کی آمد پر ہندو مسلم سبھی ڈھول وتاشہ میں مشغول ہو جاتے تھے۔ چھوٹی ذات کے ہندو تعزیہ بناتے تھے اور مسلمان بچے انہیں لے جا کر موضع دولہا میں ٹھنڈا کرتے تھے، خود میرے والد رحمہ اللہ وغفر لہ عاشورا کے دن کافی مقدار میں شربت بنا کر ''سبیل'' لگاتے تھے۔ موضع دولہا سے ایک میاں صاحب (ذات کے فقیر) گاؤں میں فصلوں کے موسم میں کھلیانی (صدقہ) وصول کرنے اور عید وبقرعید اور محرم میں ان چیزوں کی آمد کی خبر دینے کے لئے آیا کرتے تھے۔ البتہ بفضل الٰہی میرے ماموں جناب عبدالغفور صاحب۔ رحمہ اللہ کا پورا گاؤں اہل حدیث تھا۔ اور ماموں جان رحمہ اللہ خود قرآن مجید ناظرہ پڑھے ہوئے تھے اور قرآن کو بڑی روانی کے ساتھ پڑھتے تھے۔ اس لئے میری والدہ رحمہا اللہ شروع ہی سے قبر پرستی اور پیر پرستی وغیرہ کی لعنت سے محفوظ تھیں مگر جہالت اور دینی تعلیم سے دوری اور احکام شرع سے لاعلمی کی وجہ سے گھر سے محرم کی سبیل نہ دور کر سکیں۔

میں جب کچھ شعور کو پہنچا تو والد محترم جناب گل حسن صاحب رحمہ اللہ نے مجھے اردو قاعدہ خود پڑھایا، والد صاحب کی اردو میڈیم سے درجہ پنجم تک کی تعلیم بڑی ٹھوس تھی۔ حساب وکتاب میں بڑے ماہر تھے، زمین کی پیائش کا معاملہ ہو، روپے پیسے، غلہ، کپڑا اور زیورات وغیرہ کی خریداری کی بات ہو ان تمام امور میں والد محترم رحمہ اللہ پورے گاؤں اور قرب وجوار کے لوگوں کے لئے مرجع خلائق تھے اور ''منیب بابو'' کے نام سے مشہور تھے لیکن دینی تعلیم اور قرآن ناظرہ وغیرہ سے محروم تھے۔

میں نے قاعدہ بغدادی اور عم پارہ کی تعلیم گاؤں کے ایک بزرگ جناب محمد ابراہیم صاحب رحمہ اللہ سے حاصل کی، وہ قرآن مجید ناظرہ اور اردو وغیرہ سے واقف تھے۔ ان کے علاوہ پورے گاؤں میں صرف ایک صاحب قرآن ناظرہ پڑھے ہوئے تھے مگر وہ ناظرہ بھی نہیں پڑھ پاتے تھے۔ اس کے بعد کی تعلیم کے لئے والد صاحب نے ایک میاں صاحب کو بلایا، جو میرے غریب خانہ پر رہتے تھے اور باری پر گاؤں کے مسلمانوں کے یہاں کھانا کھاتے تھے اور ''چٹکی'' کی وصولی سے جو رقم ملتی تھی وہ میاں صاحب کو بطور تنخواہ دی جاتی تھی۔ کچھ دنوں تک میاں صاحب نے محنت اور لگن سے پڑھایا اور میں نے اور گاؤں کے کچھ دیگر ہم جولیوں نے قرآن کریم ناظرہ، اردو اور کچھ حساب وغیرہ کی جانکاری حاصل کر لی۔ اس کے بعد میاں صاحب ناغہ کرنے لگے اور تعلیمی نقصان ہونے لگا تو والد صاحب نے اپنے ایک غیر مسلم دوست کے لڑکے کے ساتھ مجھے موضع بکھریا کے سرکاری پرائمری اسکول میں تعلیم کے لئے بھیجنا شروع کیا اور بڑے والد جناب نصر اللہ صاحب رحمہ اللہ نے میرے چچازاد بھائی عزیزم عبدالحمید سلمہ اللہ تعالیٰ کو ''مدرسہ شمس الہدیٰ'' مہدیوا ضلع سدھارتھنگر میں اسلامی اور دینی تعلیم کے لئے بھیجا۔ کچھ دنوں تک یہ سلسلہ چلتا رہا تو استاذ گرامی مولانا امان اللہ خان آزاد صدر مدرس مدرسہ شمس الہدیٰ، مہدیوا۔ رحمہ اللہ حسب عادت دین کی دعوت اور تبلیغ کے لئے بڑے والد کے گھر تشریف لائے۔ رات کو کھانا کھانے کے بعد وعظ ونصیحت فرمائی۔ صبح کو بڑے والد رحمہ اللہ نے والد گرامی رحمہ اللہ سے کہا کہ عاشق علی کو بھی مہدیوا مکتب پر بھیجو تاکہ دونوں بھائی ایک ساتھ آئیں اور جائیں اور مہدیوا میں ہندی اور حساب وغیرہ کے ساتھ کچھ دینی تعلیم بھی حاصل کر لیں۔ بحمد للہ بڑے والد کے دل سے نکلی ہوئی بات والد رحمہ اللہ کے دل میں بیٹھ گئی اور دوسرے دن سے انہوں نے مجھے مدرسہ شمس الہدیٰ، مہدیوا میں بھیجنا شروع کر دیا اور میں محنت ولگن سے تحصیل علم میں لگ گیا۔ جب میرا داخلہ یہاں ہو گیا اور میں مستقل طور پر پڑھنے لگا تو والد صاحب کے اس غیر مسلم دوست نے والد صاحب سے مجھے دینی تعلیم سے نکال کر پھر عصری تعلیم کے حصول پر ابھارا اور کہا کہ منیب بھائی! آپ نے عاشق علی کو کہاں لے جا کر ڈال دیا ہے؟ یہ لائن ٹھیک نہیں ہے، یہاں سے پڑھنے کے بعد چند ٹکوں پر کام کرنا ہوگا اور اس کے ساتھ رات دن چندہ کرنا ہوگا۔ مگر اللہ نے مقدر کر رکھا تھا اس لئے والد صاحب مجھے یہ دینی تعلیم دلانے پر مطمئن رہے اور ان کی بات کا کوئی اثر نہیں لیا۔ بتوفیق الٰہی میں تحصیل علم میں لگا رہا اور مختلف مراحل اور اداروں سے گزرتا ہوا ۱۹۷۲ء میں جامعہ اثریہ دارالحدیث، مئو ناتھ بھنجن سے سند فراغت حاصل کر لی۔ فللہ الحمد۔

آبائی وطن: موضع کھریڈیہہ، ضلع سدھارتھ نگر (سابق ضلع بستی) یوپی۔

تاریخ ومقام پیدائش: ۱۲/ اپریل ۱۹۵۱ء، مقام تلسڑی، پوسٹ کگر ہوا بازار، ضلع سدھارتھ نگر، یوپی۔ ۲۷۲۲۰۶

حالیہ رہائش اور پتہ: اثری منزل، سی۔ ۱۰۷، ابوالفضل انکلیو۔ ۲ (شاہین باغ) جامعہ نگر، نئی دہلی۔ ۱۱۰۰۲۵۔

ابتدائی واعلیٰ تعلیم:

☆ پرائمری: مدرسہ شمس الہدیٰ، مہدیوا، ضلع سدھارتھ نگر یوپی۔

☆ متوسطہ واولیٰ ثانویہ: جامعہ شمس العلوم سمرا، ضلع سدھارتھ نگر، یوپی۔ جماعت اولی تا رابعہ (اولیٰ ،ثانیہ، ثالثہ متوسطہ اوراولیٰ ثانویہ) چارسال ۱۹۶۶ء تا ۱۹۶۹ء (چاروں سالوں میں سالانہ امتحان ''امتحانی بورڈ ضلعی جمعیت اہل حدیث بستی'' کے تحت ہوتے رہے جس میں متعدد مدارس اہل حدیث شریک تھے، یہ امتحانی بورڈ استاذ گرامی مولانا عبدالمبین منظرؒ ناظم جامعہ شمس العلوم سمرا، ضلع سدھارتھ نگر کی کوششوں سے تشکیل پایا تھا جو اس وقت ضلع جمعیۃ اہلحدیث بستی (موجودہ سدھارتھ نگر) کے ناظم تھے۔

☆ ثانویہ کے آخری دوسال: مدرسہ انوارالعلوم پرساعماد، ضلع سدھارتھ نگر، یوپی سے ثانیہ اور ثالثہ ثانویہ (جماعت خامسہ اورسادسہ) دوسال ۱۹۶۹ء۔۱۹۷۰ء، و ۱۹۷۰ء۔۱۹۷۱ء

☆ فضیلت: جامعہ اثریہ دارالحدیث، مئوناتھ بھنجن، یوپی ایک سال ۱۹۷۱ء۔۱۹۷۲ء۔

جامعہ جہاں سے سند فراغت حاصل کی: جامعہ اثریہ دارالحدیث، مئوناتھ بھنجن، یوپی۔

سن فراغت: ۱۰رشعبان ۱۳۹۲ھ مطابق ۱۹رستمبر ۱۹۷۲ء فضیلت علوم شرعیہ۔

تعلیمی لیاقت:

نمبر شمار	پاس کردہ امتحانات	ڈویژن	سن	تعلیمی ادارہ ربورڈ
۱	فاضل علوم شرعیہ	ممتاز، درجہ اور جامعہ میں پہلی پوزیشن	ستمبر ۱۹۷۲ء شعبان ۱۳۹۲ھ	جامعہ اثریہ دارالحدیث، مئوناتھ بھنجن، یوپی
۲	فاضل علوم اسلامیہ	فرسٹ ڈویژن	۱۹۷۸ء	عربی فارسی بورڈ، الہ آباد، یوپی
۳	فاضل ادب	سکنڈ ڈویژن	۱۹۷۶ء	,, ,, ,,
۴	عالم علوم اسلامیہ	تھرڈ ڈویژن	۱۹۷۲ء	,, ,, ,,
۵	منشی (فارسی کامل)	سکنڈ ڈویژن	۱۹۷۳ء	,, ,, ,,
۶	کامل (فارسی کامل)	سکنڈ ڈویژن	۱۹۷۹ء	,, ,, ,,
۷	ادیب (اردو)	سکنڈ ڈویژن	۱۹۷۱ء	جامعہ اردو علی گڑھ، یوپی
۸	ماہر دینیات	سکنڈ ڈویژن	۱۹۶۶ء	دیوبند، یوپی

دورۂ تدریبیہ میں شرکت: ماہ اگست ۱۹۹۳ء میں جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ، ریاض، سعودی عرب کے تعاون سے ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر، نئی دہلی میں منعقدہ پہلے ۲۲ روزہ دورۂ تدریبیہ (ریفریشر کورس) میں شریک ہوکر استفادہ کیا۔

مشہور اساتذہ:

(۱)مولانا عبدالعزیز اعظمی عمری(م ۷؍جولائی ۲۰۰۵ء۔۲۹؍جمادی الاولیٰ ۱۴۲۶ھ) (۲)مولانا فیض الرحمن فیض مئوی(م ۱۷؍دسمبر ۲۰۰۴ء۔ ۴؍ذی قعدہ ۱۴۲۵ھ)(۳)مولانا عظیم اللہ مئوی(م ۶؍اکتوبر ۱۹۹۳ء۔۱۹ ربیع الآخر ۱۴۱۴ھ)(۴) مولانا مشتاق احمد شوق مئوی(م ۲۲؍اپریل ۲۰۰۵ء)(۵)مولانا محمد مصطفی اسد مئوی(م ۷؍نومبر ۲۰۰۲ء۔یکم رمضان ۱۴۲۳ھ)(۶) مولانا عبدالمبین منظر(م ۲۷؍اکتوبر ۱۹۸۹ء۔۱۴۱۰ھ) (۷)مولانا عبدالعلیم ماہر بستوی(م ۲۹؍جنوری ۲۰۱۶ء۔۱۸ربیع الآخر ۱۴۳۷ھ)(۸)مولانا امان اللہ خان آزاد(م ۲۳؍اکتوبر ۲۰۱۴ء۔۲۷؍ذی الحجہ ۱۴۵۳ھ)رحمہم اللہ وغفرلہم۔(۹)مولانا محمد احمد اثری بستوی(۱۰)مولانا ابوالکلام احمد(۱۱)مولانا عبدالرحیم فیضی(۱۲)مولانا شفیق احمد۔ حفظہم اللہ ورعاہم۔

نوٹ: مولانا عبدالعزیز رحمہ اللہ سے سنن ترمذی، صحیح بخاری جلد اول اور موطا امام مالک اور مولانا فیض الرحمن فیض۔رحمہ اللہ سے صحیح مسلم کامل اور مولانا عظیم اللہ۔رحمہ اللہ سے صحیح بخاری جلد ثانی، مولانا مشتاق احمد شوق مئوی اور مولانا محمد مصطفی اسد مئوی سے منشی اور کامل کی تیاری میں فارسی ادب وغیرہ کی کتابیں پڑھیں اور بقیہ اساتذہ گرامی قدر سے عربی، شرعی اور دیگر علوم وفنون۔

عرب وعجم کے وہ مشاہیر علماء جن سے باقاعدہ پڑھنے کے بجائے استفادہ کیا ہے:

علمائے عجم:

۱۔مولانا عبداللہ شائق مئوی: بانی جامعہ اثریہ دارالحدیث مئو(م دسمبر ۱۹۷۴ء)
۲۔مولانا عبدالوہاب آروی: سابق صدر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند(م مارچ ۱۹۸۳ء)
۳۔صوفی نذیر احمد کشمیری(م ۱۹۸۵ء)
۴۔مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی پاکستان: صاحب التعلیقات السّلفیہ علی سنن النسائی(م اکتوبر ۱۹۸۷ء)
۵۔شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانی مبارکپوری: صاحب مرعاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح(م ۱۹۹۴ء)
۶۔خطیب الاسلام مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری: سابق ناظم جامعہ سلفیہ سراج العلوم، جھنڈانگر(م نومبر ۱۹۹۹ء)
۷۔مولانا سید عبدالسمیع جعفری مدنی: سابق امیر امارت اہل حدیث صادق پور، پٹنہ(م اکتوبر ۲۰۱۵)

علماء عرب:

(الف) مرکز میں جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ، ریاض کے تعاون سے مدرسین اور دعاۃ کے لئے منعقدہ پہلے ۲۲ روزہ ریفریشر کورس(دورۂ تدریبیہ) ماہ اگست ۱۹۹۳ء میں درج ذیل علماء ومشائخ سے مستفید ہوا:

(۱) شیخ عبداللہ بن محمد العمرو
(۲) شیخ صالح بن عبدالعزیز الغلیقہ
(۳) شیخ عبداللہ بن صالح الغصن
(۴) شیخ ناصر بن محمد العنزی

(۵) شیخ خالد بن ابراہیم النملہ (٦) شیخ صالح بن محمد الشائع

(ب) دیگر علماء:

(۱) امام عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز: سابق مفتی اعظم سعودی عرب (م مئی ۱۹۹۹ء)

(۲) محدث شہیر علامہ محمد ناصر الدین البانی: (م اکتوبر ۱۹۹۹)

(۳) علامہ محمد بن صالح العثیمین: بریدہ، قصیم (م جنوری ۲۰۰۱ء)

(۴) علامہ محمد بن عبداللہ بن سبیل: سابق امام وخطیب مسجد حرام، مکہ مکرمہ (م دسمبر ۲۰۱۲ء)

مشہور تلامذہ:

(الف) جامعہ اثریہ دار الحدیث مئو ناتھ بھنجن کے زمانۂ تدریس میں:

(۱) مولانا اصغر علی امام مہدی (دہلی) (۲) مولانا عبدالحق اثری (چمپارن) (۳) مولانا عبدالشکور اثری (مئو) (۴) مولانا شفیق احمد ندوی (مئو) (۵) مولانا شکیل احمد مدنی۔ رحمہ اللہ (مئو) (٦) مولانا ابوسفیان مدنی (مئو) (۷) مولانا محمد افضل اثری (مئو) (۸) مولانا محمد مقتدیٰ اثری عمری (مئو) (۹) مولانا فیاض احمد اثری (مئو) (۱۰) مولانا سعید احمد شائق (ممبئی) (۱۱) مولانا جلال الدین قاسمی (مالیگاؤں) (۱۲) مولانا معین الدین سلفی (بنارس) (۱۳) مولانا حبیب اللہ اثری (جھارکھنڈ) (۱۴) مولانا عبدالستار اثری (جھارکھنڈ) (۱۵) مولانا لعل محمد اثری (جھارکھنڈ) (۱٦) مولانا محمد سلیم اثری (سدھارتھنگر) (۱۷) مولانا فرید احمد اثری (بہار) (۱۸) مولانا حفیظ اللہ اثری (سدھارتھ نگر) (۱۹) مولانا محمد حسین اثری (سدھارتھ نگر) (۲۰) مولانا عبدالرحیم امینی (سدھارتھ نگر) (۲۱) مولانا جمال الدین اثری کشمیری) (۲۲) مولانا شمیم الرحمن اثری (نیپال) (۲۳) مولانا محمد ادریس اثری (نیپال) (۲۴) مولانا عزیز عمر سلفی (دہلی) (۲۵) مولانا عبدالواجد فیضی (مہراج گنج) (۲٦) مولانا عبدالرؤف اثری (مہراج گنج) (۲۷) مولانا شفیق الرحمن تلشی پور (بلرام پور) (۲۸) مولانا عبد المبین فیضی (مئو) (۲۹) مولانا اشتیاق احمد اثری (مئو) (۳۰) مولانا نیاز احمد سلفی (مہراج گنج) (۳۱) مولانا محمد ایوب اثری (مہراج گنج) (۳۲) مولانا محمد ایوب اثری (ممبئی) (۳۳) مولانا سعید احمد سلفی (واپی) (۳۴) مولانا محمد ہارون اثری (نیپال) (۳۵) مولانا کلیم اللہ اثری مدنی (نیپال) (۳٦) مولانا محمد صابر اثری (راجستھان) (۳۷) ڈاکٹر نوراللہ اثری (بلرام پور) (۳۸) ڈاکٹر سعید احمد اثری (جھنڈانگر، نیپال) (۳۹) مولانا رفیق احمد اثری۔ رحمہ اللہ (بلرام پور) (۴۰) مولانا جمال احمد اثری (بلرامپور) (۴۱) مولانا مطیع اللہ اثری (بلرام پور)۔

(ب) معہد التعلیم الاسلامی اور جامعہ اسلامیہ سنابل، نئی دہلی کے زمانۂ تدریس میں:

(۱) قاری محمد مصطفی عثمانی (دہلی) (۲) مولانا عبداللہ صدیق (دہلی) (۳) مولانا زبیر احمد ہدایت اللہ (ممبئی) (۴) مولانا وسیم

احمد سنابلی مدنی (دہلی) (۵) مولانا نصراللہ سنابلی (دہلی) (۶) مولانا امراللہ بن حبیب اللہ سنابلی (قطر) (۷) مولانا محمد قاسم سنابلی ریاضی (ریاض) (۸) مولانا شفیق اللہ سنابلی ریاضی (سعودی عرب) (۹) مولانا محمد شفیع سنابلی (بلرام پور) (۱۰) مولانا وسیم احمد سنابلی ریاضی (دہلی) (۱۱) مولانا معراج ربانی مدنی (سعودی عرب) (۱۲) مولانا عبدالحکیم عبدالمعبود مدنی (ممبئی) (۱۳) مولانا شفیق الرحمن سنابلی ریاضی (سعودی عرب) (۱۴) مولانا نورالہدیٰ سنابلی مدنی (سعودی ایمبسی دہلی) (۱۵) حافظ شوکت علی سنابلی مدنی (قطر) (۱۶) مولانا عبدالمعبود سنابلی مدنی (بحرین) (۱۷) مولانا اعجاز احمد سنابلی ریاضی (نیپال) (۱۸) مولانا شکیل احمد سنابلی (دہلی) (۱۹) مولانا عبدالبر سنابلی مدنی (دہلی) (۲۰) مولانا شمیم احمد محمد رفیع سنابلی مدنی (۲۱) مولانا عبدالتواب سنابلی (بنگال) (۲۲) مولانا عزیز الدین سنابلی (بلرام پور) (۲۳) مولانا عزیز الرحمن سنابلی مدنی (نیپال) (۲۴) مولانا عبدالماجد سنابلی (۲۵) مولانا ریاض احمد سنابلی (۲۶) مولانا عمیر احمد سنابلی (۲۷) ڈاکٹر سعید احمد حیات مشرفی سنابلی مدنی (دبی) (۲۸) مولانا عبدا لصبور سنابلی مدنی (سعودی عرب) (۲۹) مولانا اشتیاق احمد سنابلی مدنی (سعودی عرب) (۳۰) مولانا ابرار احمد سنابلی مدنی (سعودی عرب) (۳۱) مولانا محمد اسرائیل سنابلی مدنی (۳۲) مولانا زبیر عالم سنابلی مدنی (۳۳) مولانا مقصود الرحمن سنابلی مدنی (آسام) (۳۴) مولانا احمد حسین سنابلی (ممبئی) (۳۵) مولانا انور علی سنابلی (مدینہ طیبہ) (۳۶) حافظ تمیم احمد سنابلی مدنی (جبیل) (۳۷) مولانا عبدالحفیظ سنابلی (دہلی) (۳۸) مولانا جمیل احمد سنابلی (دہلی) (۳۹) مولانا احسان اللہ سنابلی مدنی (سعودی عرب) (۴۰) مولانا شاہد جنید سنابلی مدنی (سعودی عرب) (۴۱) حافظ عبدالاول سنابلی (سعودی عرب) ۴۲) مولانا نسیم الدین سنابلی (سعودی عرب) (۴۳) مولانا عبدالمتین سنابلی (ہریانہ) (۴۴) ڈاکٹر قطب الدین سنابلی (سعودی ایمبسی، دہلی) (۴۵) ڈاکٹر عبدالتواب سنابلی مدنی (کویت ایمبسی، دہلی) (۴۶) ڈاکٹر عبدالرحمن سنابلی مدنی (قطر) (۴۷) مولانا عبدالشکور سنابلی مدنی (ممبئی) (۴۸) مولانا عنایت اللہ سنابلی مدنی (ممبئی) (۴۹) ڈاکٹر محمد اجمل سنابلی مدنی (مالیگاؤں) (۵۰) ڈاکٹر عبدالملک سنابلی (سدھارتھ نگر) (۵۱) مولانا شاہد اقبال سنابلی (بہار) (۵۲) مولانا عبدالباسط سنابلی مدنی (سعودی عرب) (۵۳) مولانا شمیم احمد فوزی سنابلی مدنی (ممبئی) (۵۴) ڈاکٹر امان اللہ سنابلی مدنی (سعودی عرب) (۵۵) مولانا عبدالباسط سنابلی مدنی (ممبئی) (۵۶) مولانا محمد عمران سنابلی (ہریانہ) (۵۷) مولانا عبدالحفیظ سنابلی مدنی (کشمیر) (۵۸) مولانا ریاض الحق سنابلی مدنی (سعودی عرب) (۵۹) ڈاکٹر خلیل الرحمن سنابلی مدنی (مدینہ طیبہ) (۶۰) مولانا ندیم احمد سنابلی (دہلی) (۶۱) مولانا پرویز عالم سنابلی مدنی (سعودی عرب) (۶۲) ڈاکٹر ثمامہ فیصل سنابلی (لکھنؤ) (۶۳) ڈاکٹر عبدالواحد سنابلی مدنی (مدینہ طیبہ) (۶۴) مولانا محمد فاروق سنابلی مدنی (سعودی ایمبسی، دہلی) (۶۵) مولانا محمد ذاکر حسین سنابلی مدنی (بنگلہ دیش) (۶۶) ڈاکٹر محمود احمد سنابلی مدنی (مدینہ طیبہ) (۶۷) ڈاکٹر سعید الرحمن سنابلی مدنی (کولکاتا) (۶۸) مولانا خورشید احمد سنابلی مدنی (کشمیر) (۶۹) مولانا شکیل احمد سنابلی مدنی (قطر) (۷۰) مولانا محمد سنابلی ریاضی (دہلی) (۷۱) مولانا اظہار احمد سنابلی (آگرہ) (۷۲) مولانا محی الدین سنابلی (بہار) (۷۳) مولانا زین العابدین سنابلی (بہار) (۷۴) مولانا محمد رحمانی سنابلی مدنی (دہلی) (۷۵) مولانا نثار احمد سنابلی مدنی (دہلی) (۷۶) مولانا شمس الدین نیپالی سنابلی (قطر) (۷۷) ڈاکٹر نذیر احمد وانی سنابلی مدنی (کشمیر) (۷۸ مولانا شہاب الدین سنابلی (دہلی) (۷۹) مولانا محمد

مبارک سنابلی مدنی (ہریانہ)(۸۰) مولانا حکیم الدین سنابلی (ہریانہ)(۸۱) ڈاکٹر محمد خالد سنابلی (بنگلور)(۸۲) ڈاکٹر ارشد عالم سنابلی (دہلی)(۸۳) مولانا سلمان فیصل سنابلی (دہلی)(۸۴) مولانا جاوید ندیم سنابلی مدنی (مدینہ طیبہ)(۸۵) مولانا حبیب اللہ اثری مدنی (مدینہ طیبہ)(۸۶) ڈاکٹر محمد قاسم سنابلی (ممبئی)(۸۷) مولانا محمد شفیع الحق سنابلی مدنی (سعودی عرب)(۸۸) مولانا عاصم خان سنابلی مدنی (سعودی عرب)(۸۹) ڈاکٹر سرفراز احمد سنابلی (ممبئی)(۹۰) ڈاکٹر عطاء اللہ سنابلی (دہلی)(۹۱) ڈاکٹر ضیاء الحق سنابلی (دہلی)(۹۲) ڈاکٹر شمس الضحیٰ سنابلی (قطر)(۹۳) مولانا عبدالحمید سنابلی مکی (مکہ)(۹۴) ڈاکٹر ظہیر الدین سنابلی (سدھارتھ نگر)(۹۵) ڈاکٹر محمد حارث سنابلی مدنی (مدینہ طیبہ)(۹۶) ڈاکٹر فیصل سبحانی سنابلی (دہلی)(۹۷) مولانا عبدالوحید سنابلی مدنی (مدینہ طیبہ)(۹۸) مولانا محمد عاطف سنابلی (ممبئی)(۹۹) ڈاکٹر عنایت اللہ سنابلی (بہار)(۱۰۰) مولانا احسان اللہ سنابلی (ممبئی)(۱۰۱) مولانا نور عالم سلفی (مدینہ طیبہ)(۱۰۲) ڈاکٹر عبدالرحمن شہاب سنابلی مدنی (مدینہ طیبہ)(۱۰۳) مولانا محمد صادق سنابلی (قطر) (۱۰۴) مولانا رضی الدین سنابلی (دہلی)(۱۰۵) مولانا فضل الرحمن سنابلی (نیپال)(۱۰۶) مولانا محمد شعیب سنابلی مدنی (راجستھان)(۱۰۷) ڈاکٹر محمد مجتبیٰ جمال سنابلی (بہار)(۱۰۸) مولانا نور الہدیٰ سنابلی مدنی (مدینہ طیبہ)(۱۰۹) مولانا نسیم احمد سنابلی (سعودی عرب)(۱۱۰) مولانا وسیم اختر سنابلی مدنی (مدینہ طیبہ)(۱۱۱) مولانا ابوالکلام سنابلی (ممبئی)(۱۱۲) قاری محمد محسن سنابلی (دہلی)(۱۱۳) مولانا مفید احمد سنابلی (دہلی)(۱۱۴) مولانا ابوالکلام سنابلی (ممبئی)(۱۱۵) مولانا اشفاق احمد سنابلی (نیپال)(۱۱۶) مولانا شہید الاسلام سنابلی (آسام)(۱۱۷) مولانا احمد مبشر سنابلی ریاضی (ریاض)(۱۱۸) مولانا محمد ہارون سنابلی مدنی (مدینہ طیبہ) (۱۱۹) مولانا احسان الحق سنابلی مدنی (مدینہ طیبہ)(۱۲۰) مولانا اسحاق سنابلی (قطر)(۱۲۱) مولانا اکبر علی سنابلی مدنی (مدینہ طیبہ) (۱۲۲) مولانا خلیل الرحمن سنابلی مدنی (ممبئی)(۱۲۳) مولانا طارق ابوبکر سنابلی مدنی (مدینہ طیبہ)(۱۲۴) مولانا انعام الرحمن سنابلی مدنی (ممبئی)(۱۲۵) مولانا عبدالقادر سنابلی مدنی (مدینہ طیبہ)(۱۲۶) مولانا فرید احمد سنابلی (ممبئی)(۱۲۷) مولانا محمد احمد قدرت اللہ سنابلی مدنی (مدینہ طیبہ)(۱۲۸) مولانا محمد ہاشم سنابلی مدنی (مدینہ طیبہ)(۱۲۹) مولانا مرزا محمد وسیم سنابلی مدنی (مدینہ طیبہ)(۱۳۰) قاری آفتاب عالم سنابلی (دہلی)(۱۳۱) مولانا اشفاق احمد سنابلی (ممبئی)(۱۳۲) مولانا ظہیر الدین سنابلی (ممبئی) (۱۳۳) مولانا تہذیب الاخلاق سنابلی مدنی (مدینہ طیبہ)(۱۳۴) مولانا محمد نصیب العین سنابلی (دہلی)(۱۳۵) مولانا عبدالرحمن سنابلی (قصیم)(۱۳۶) مولانا عطاء الرحمن سنابلی (قصیم)(۱۳۷) مولانا محمد جنید سنابلی (دہلی)(۱۳۸) قاری عبدالباسط سنابلی (دہلی)(۱۳۹) مولانا فضل الرحمن سنابلی (مہسلہ)(۱۴۰) مولانا فضل الرحمن سحر محمود سنابلی (نیپال)(۱۴۱) ڈاکٹر محمد ارشد سنابلی (دہلی)(۱۴۲) مولانا مرزا ارشد ندیم سنابلی (مکہ)(۱۴۳) مولانا شمس الدین امجد سنابلی (کرناٹک)(۱۴۴) مولانا سمیع الرحمن سنابلی (دہلی)(۱۴۵) مولانا طیب ہلال سنابلی (گجرات)(۱۴۶) قاری صفوان احمد سنابلی (لکھنؤ)(۱۴۷) مولانا عبید الرحمن سنابلی (دہلی)(۱۴۸) مولانا محمد اسلم اکرم سنابلی (دہلی)(۱۴۹) مولانا اجمل ذکی سنابلی (حیدرآباد)(۱۵۰) مولانا محمد سفیان سنابلی (دہلی)(۱۵۱) مولانا نیاز احمد سنابلی (ممبئی)(۱۵۲) مولانا مرزا اطہر عاصم بیگ سنابلی مکی (مکہ)(۱۵۳) مولانا محمد اظہر مدنی (دہلی)(۱۵۴) مولانا زاہد آزاد جھنڈا نگری (نیپال)(۱۵۵) مولانا محمد اجمل سنابلی۔

اہم دعوتی رتدریسی رتصنیفی رصحافتی ودیگر خدمات:

دعوتی خدمات:

جیسا کہ خاندانی پس منظر میں ذکر ہوا کہ میرا گھرانہ سمیت پورا گاؤں اسلام اور شرائع اسلام سے دور، بدعملی، جہالت وضلالت کے دلدل میں پھنسا ہوا تھا۔لیکن جب میں گاؤں پر والد صاحب کے لائے ہوئے میاں صاحب سے پڑھنے لگا اور قرآن پاک ناظرہ اور چمن اسلام کا دوسرا حصہ پڑھ لیا تو اسی وقت سے صلاۃ کی محبت دل میں جاگزیں ہوگئی اور اس کا اہتمام کرنے لگا اور جب میاں صاحب تدریس کا کام چھوڑ کر چلے گئے اور میں مادر علمی مدرسہ شمس الہدیٰ مہدیوا، سدھارتھ نگر سے کسب فیض کرنے لگا تو احکام اسلام سے وابستگی اور بڑھ گئی تو دعوت اسلامی کی فکر دامن گیر ہوگئی۔اس لئے استاذ گرامی مولانا امان اللہ خاں آزاد۔رحمہ اللہ کو وقتاً فوقتاً گھر پر بلا کر وعظ ونصیحت اور دعوت وتبلیغ کا کام کرنے لگا اور استاذ گرامی جب مدرسہ میں دن بھر درس وتدریس کا کام کر کے رات میں قرب وجوار کے کسی گاؤں میں دعوت کے لئے تشریف لے جاتے تو اپنے اس ناچیز کو بھی اکثر اپنے ہمراہ لے جاتے اور مجھ بے علم کو کچھ تقریریں یاد کرا رکھی تھیں انہیں اپنی ٹوٹی پھوٹی زبان میں بیان کرنے کا حکم دیتے،جس کا فائدہ بفضل الٰہی یہ پہنچا کہ آج کتاب وسنت کی باتیں اپنی کج مج زبان میں بیان کرنے کی جرأت پیدا ہوگئی ہے۔

پھر ستمبر ۱۹۷۲ء میں مادر علمی جامعہ اثریہ دارالحدیث،مئوناتھ بھنجن سے سند فراغت حاصل کرنے کے بعد جب جنوری ۱۹۷۳ء سے مادر علمی میں بحیثیت ایک ادنیٰ مدرس کے اپنے مشفق اساتذہ کرام کی نگرانی میں تدریسی فریضہ انجام دینے لگا تو مسجد اہلحدیث،محلہ حسن پورہ ثانی،مئو میں مستقل خطیب کی حیثیت سے خطبۂ جمعہ دینے لگا۔جس میں بدعات وخرافات،شادی بیاہ کے غیر شرعی رسوم ورواج پر بھرپور روشنی ڈالتا اور مسلمانوں کی اصلاح اور کتاب وسنت سے ان کی وابستگی کے لئے کوشاں رہتا۔

میری طرح مئو کے یا مئو میں مقیم چند دیگر حساس اور غیر علمائے کرام مسلمانوں میں صلوات خمسہ با جماعت کے عدم اہتمام، ان میں پھیلی ہوئی اسلام بیزاری، بے راہ روی، بدعات وخرافات اور شعائر اسلام سے دوری سے سخت نالاں اور اصلاح معاشرہ کے لئے سخت مضطرب رہا کرتے تھے۔ ۱۹۷۵ء میں مولانا عبدالحمید رحمانی۔رحمہ اللہ کی مرکزی جمعیۃ اہل حدیث ہند سے علاحدگی کے بعد ارباب جماعت میں پھر جمود پیدا ہو گیا تھا اور جمعیۃ کے پلیٹ فارم سے دعوت وتبلیغ اور اصلاح معاشرہ کا کوئی خاطر خواہ کام نہیں ہو رہا تھا۔اس لئے ہم لوگوں نے ان حساس علماء کرام کے ساتھ مل کر اصلاح معاشرہ کے سلسلہ میں مئو میں تحریک کا آغاز کیا۔اور بغیر نام اور عہدہ کے کتاب وسنت کی روشنی کو عام کرنے اور لوگوں کو بدعات،خرافات اور تقلید جامد اور کمیونزم کے دلدل سے نکالنے کی کوشش شروع کی گئی اور مئو اور اطراف مئو واعظم گڑھ کے دورے کئے جانے لگے۔چنانچہ اس مقصد کے لئے ۲؍دسمبر ۱۹۷۷ء بروز جمعہ موضع بندی کلاں،ضلع اعظم گڑھ(موجودہ ضلع مئو) یوپی میں ایک اہم اور بنیادی اجتماع منعقد ہوا جس میں درج ذیل علمائے کرام شریک ہوئے:

(۱) مولانا قرۃ العین صاحب مبارکپوری۔ رحمہ اللہ سکریٹری جمعیۃ اہل حدیث، اعظم گڑھ (۲) مولانا حافظ نثار احمد صاحب فیضی مدرس جامعہ اسلامیہ فیض عام، مئو (۳) مولانا عبدالقدوس صاحب اثری۔ رحمہ اللہ مدرس جامعہ اثریہ دارالحدیث مئو (۴) راقم سطور عاشق علی اثری مدرس جامعہ اثریہ دارالحدیث مئو۔

بعد صلاۃ جمعہ یہ طے پایا کہ دعوتی وفد جہاں جہاں جائے وہاں دعوتی واصلاحی پروگرام کے بعد ایک کمیٹی تشکیل دی جائے جو مقامی طور پر ہفتہ واری دعوت واصلاح کا کام کرتی رہے۔

دعوت واصلاح کے اس پروگرام کو مزید متحرک، فعال اور وسیع کرنے کے لئے ۸ردسمبر ۱۹۷۷ کو مقامی طور پر جامع مسجد اہل حدیث مرزاہادی پورہ، مئوناتھ بھنجن میں ایک شورائی مجلس منعقد ہوئی اور اس میں کچھ بزرگوں اور مزید نوجوانوں کو بھی شامل کیا گیا تاکہ دعوت واصلاح کا یہ قافلہ تسلسل کے ساتھ حرکت میں رہے اور حسب ضرورت اس میں مزید علماء اور متحرک اور دیندار لوگوں کو شامل کیا جائے۔ اس مجلس کے اہم شرکاء درج ذیل افراد پر مشتمل تھے۔

(۱) استاذ گرامی مولانا عبدالعزیز صاحب اعظمی عمری رحمہ اللہ۔ مدرس جامعہ اثریہ دارالحدیث، مئو (۲) استاذ محترم مولانا محمد احمد صاحب اثری مدرس جامعہ اثریہ دارالحدیث، مئو (۳) محترم مولانا حافظ نثار احمد صاحب، فیضی مدرس جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو (۴) محترم جناب مولانا محفوظ الرحمن صاحب فیضی مدرس جامعہ اسلامیہ فیض عام، مئو (۵) محترم مولانا عبدالقدوس صاحب اثری۔ رحمہ اللہ مدرس جامعہ اثریہ، مئو (۶) محترم مولانا محمد اسماعیل صاحب اثری (کشمیری) مدرس جامعہ اثریہ، مئو (۷) محترم مولانا صغیر احمد صاحب مئوی (۸) راقم سطور عاشق علی اثری مدرس جامعہ اثریہ، مئو وغیرہم۔

بحمد اللہ دعوت واصلاح کا یہ قافلہ حکم الٰہی (وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ) (آل عمران ۶: ۱۰۴) کی تعمیل اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے فریضہ کی ادائیگی میں برابر لگا رہا اور ۲ردسمبر ۱۹۷۷ء سے جولائی ۱۹۷۸ء تک اس مقصد کے لئے خاص مئوناتھ بھنجن کے مختلف مقامات پر تیس سے زائد پروگرام منعقد کئے اور مئو کے باہر درج ذیل مقامات پر بھی اہم پروگرام ہوئے۔

(بندی کلاں، اعظم گڑھ (۲) شاہ پور، اعظم گڑھ (۳) بابوسالار، اعظم گڑھ (۴) املو متصل مبارک پور، اعظم گڑھ (۵) حسین آباد، مبارکپور، اعظم گڑھ (۶) چاند پور، متصل جین پور، اعظم گڑھ (۷) بھاواپور بنکٹ بازار، اعظم گڑھ (۸) کوپاگنج، اعظم گڑھ (۹) لوہیا، مبارک پور، اعظم گڑھ (۱۰) بندی گھاٹ، اعظم گڑھ۔

مذکورہ بالا علماء اور مشائخ کے علاوہ بہت سے دیگر علماء، مشائخ، اعیان جماعت اور دین پسند احبابان پروگراموں میں شرکت کرتے رہے جن کا نام ذکر کرنے سے طوالت کی وجہ سے ہم قاصر ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان میں شرکت کرنے والے تمام احباب مخلصین کی خدمات کو شرف قبولیت بخشے اور جو لوگ اس دار فانی کو چھوڑ کر دار بقاء کو سدھار گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ رحمہم اللہ رحمۃ واسعۃ وادخلہم فی فردوس جناتہ۔ آمین۔

اسی مادر علمی جامعہ اثریہ دارالحدیث کے زمانۂ تدریس میں دعوتی واصلاحی جذبہ کے تحت اپنے گاؤں تلسڑی، سدھارتھ نگر میں تعمیر مسجد کرائی اور جمعہ اور صلوات خمسہ کے اہتمام کے ساتھ اسی مسجد میں مقامی بچوں اور بچیوں کی تعلیم وتربیت کا انتظام کیا۔ اللہ تعالیٰ ان خدمات کو قبول فرما کر انہیں میرے، میرے والدین اور دیگر معاونین کے لئے صدقۂ جاریہ بنائے۔ آمین۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اپنے گاؤں کی تعمیر مسجد کا تذکرہ ذیل میں کر دیا جائے اور دلچسپ اور نسل نو کو اس قسم کے دینی کاموں میں رغبت دلانے کا باعث ہے۔

اپنے گاؤں اور خاندان کے دینی ماحول اور پس منظر پر تھوڑی سی روشنی اوپر ڈال چکا ہوں، وہاں میں نے ذکر کیا ہے کہ میرے گاؤں میں نہ کوئی صلاۃ پڑھنے والا تھا اور نہ ہی کوئی مسجد تھی۔ جب میں استاذ گرامی مولانا امان اللہ خان آزاد۔ رحمہ اللہ کی شاگردی میں گیا تو بہ توفیق الٰہی اسی وقت سے صلوات کی پابندی کرنے لگا۔ مدرسہ میں استادگرامی کے ساتھ اور گھر پر تنہا صلوات پڑھتا، دھیرے دھیرے والدین اور دوسرے اقرباء کو صلاۃ کی پابندی کی دعوت دینے لگا۔ بحمد للہ والدین اور کچھ دنوں کے بعد بڑے بھائی اور کچھ دوسرے لوگ صلاۃ ادا کرنے لگے مگر مسجد نہ ہونے کی وجہ سے سب لوگ اپنے گھر ہی پر انفرادی طور پر پڑھ لیتے تھے۔

مہدیوا سے درجہ پنجم امتیازی نمبرات سے پاس کرنے کے بعد ۶۶۔۱۹۶۵ میں استاذ گرامی مولانا عبدالمبین صاحب منظر (م ۲۷/اکتوبر ۱۹۸۹ء)۔ رحمہ اللہ کے جامعہ شمس العلوم سمرا (سدھارتھ نگر) گیا اور پہلی اور دوسری جماعت کی تعلیم مکمل کر کے تیسری جماعت میں پڑھنا شروع کیا تو عیدالاضحیٰ کی تعطیل میں گھر گیا، فصل ربیع کی سینچائی کا وقت تھا، میرے گاؤں کے پچھم ایک چھوٹا سا نالہ اور جنگل ہے۔ اتفاق سے جمعہ کے دن گاؤں کے اکثر مسلمان اس نالہ سے جنگل کے دونوں طرف اپنے اپنے کھیتوں کی سینچائی کر رہے تھے، میں بھی اپنے والد محترم رحمہ اللہ اور بڑے بھائیوں کے ساتھ سینچائی میں مشغول تھا۔ اچانک میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ آج گاؤں کے تقریباً سبھی مسلمان اکٹھا ہیں انہیں صلاۃ جمعہ پڑھائی جائے۔ میں نے اپنے گھر والوں کو اس پر آمادہ کیا، پھر دوسرے لوگوں کو تیار کیا کہ آج جمعہ کا دن ہے، یہاں پانی موجود ہے آپ لوگ غسل کریں اور یہیں میدان میں صلاۃ جمعہ ادا کریں۔ بحمد للہ لوگوں نے میری گزارش سنی، غسل کیا اور جنگل کے پاس ایک کونہ میں ایک بنجر (غیر مزروعہ سرکاری زمین) گھاس پھوس والی زمین تھی، وہاں لوگوں کو اکٹھا کیا، اذان دلائی اور اپنی ٹوٹی پھوٹی زبان میں خطبہ دیا اور صلاۃ پڑھائی۔ چونکہ میرے گاؤں میں جمعہ کا یہ پہلا اجتماع تھا اور مجھ نحیف ونزار اور کم علم وعمل والے طالب علم نے یہ اہتمام کرایا تھا اس لئے کئی ایک بڑے بوڑھے صلاۃ کے اندر ہنسنے لگے، بعد میں میں نے انہیں سمجھایا۔ بہر حال صلاۃ جمعہ کی ادائیگی کے بعد لوگ اپنے اپنے کھیتوں کی طرف روانہ ہو گئے اور اپنی فصلوں کی سینچائی میں مشغول ہو گئے اور میں چھٹی گزار کر اپنی دوسری مادر علمی جامعہ شمس العلوم، سمرا چلا گیا اور تحصیل علم میں مصروف ہو گیا۔ مگر گاؤں کے لوگوں کی احکام شرع خصوصاً صلوات خمسہ کے سلسلہ میں بے توجہی اور گاؤں میں مسجد نہ ہونے کی وجہ سے سخت اضطرابی کیفیت سے دوچار رہتا تھا۔ بتدریج میں نے اپنے والد محترم جناب گل حسن صاحب، بڑے والد جناب نصراللہ صاحب (رحمہما اللہ وغفرلہما) اور بڑے بھائی وغیرہ کو مسجد کی تعمیر کے لئے ابھارا مگر سب سے بڑی رکاوٹ مسجد کے لئے زمین اور تعمیر کے لئے مالیات کی عدم فراہمی تھی۔ جب زمین کا مسئلہ حل نہیں ہوا تو بڑے والد۔ رحمہ اللہ نے کہا کہ میرے گھر کے باہر کچھ زمین خالی ہے اس میں ایک چھوٹی سی

مسجد بنوالی جائے۔ پھر رقم کا مسئلہ سد باب بنا تو ایک رمضان میں والد صاحب رحمہ اللہ نے کہا کہ اس سال عید میں تم اپنے ماموں کے پاس جاؤ، وہیں صلاۃ عید پڑھو اور ان سے کہو عید گاہ میں اعلان کرا کے مسجد کی تعمیر کے لئے چندہ کرا دیں۔ ماشاء اللہ میرے ماموں جناب عبدالغفور صاحب رحمہ اللہ خود اور ان کے گاؤں کاشت خیرا ضلع مہراج گنج (سابق ضلع گورکھپور) کے لوگ بڑے بڑے کاشتکار رہے ہیں۔ میں عیدالفطر کے ایک روز پہلے ماموں کے یہاں گیا اور ماموں صاحب سے اپنے آنے کا مقصد بیان کیا۔ حسب پروگرام عید گاہ میں میں نے تعمیر مسجد کے تعاون کے لئے اعلان کیا، اس عید گاہ میں کل صرف نو (۹) روپے۔ نوسو (۹۰۰) روپے نہیں۔ چندہ ہوا۔ میں کافی شکستہ دل ہو کر گھر واپس ہوا۔ والد محترم بڑے والد اور بڑے بھائیوں کو اس کی رپورٹ دی تو وہ لوگ بھی کف افسوس مل کر رہ گئے۔ اور میں نو روپے تعمیر مسجد کے لئے لے کر پھنس گیا اور بار بار سوچتا رہا کہ یہ روپے میں کیا کروں؟ اپنی ذات پر، اپنی کتاب و کاپی اور قلم و روشنائی پر خرچ کر لوں تو خائن بنوں گا اور ماموں کے لئے میں کبھی منہ دکھانے کے قابل نہ رہوں گا پھر اللہ تعالیٰ کے یہاں ان نو روپیوں کی جوابدہی کیسے کروں گا؟ نو روپے تعمیر مسجد کے لئے نہ ملتے اور مسجد نہ بنتی تو کوئی باز پرس نہیں کرتا مگر یہ روپے لینے کے بعد مسجد کی تعمیر نہ ہونے پر ہر وہ شخص سوال کر سکتا ہے جس کو میرے مسجد کے لئے تعاون لینے کا علم ہے۔ میرے لئے ''نہ جائے ماندن، نہ پائے رفتن'' کی صورت پیدا ہو گئی۔ بالآخر میں نے یہ نو روپے الگ کر کے مسجد کے نام پر رکھ دیئے اور علم دین کے حصول میں لگا رہا۔ چار سال (جماعت اولیٰ سے رابعہ) تک جامعہ شمس العلوم سمرا میں، اس کے بعد دو سال (خامسہ اور سادسہ (مدرسہ انوار العلوم، پرسا عماد ضلع بستی میں مکمل کر کے فضیلت کی تکمیل کے لئے تعلیمی سال ۷۲۔۱۹۷۱ء میں جامعہ اثریہ دارالحدیث مئو میں داخل ہوا تو مسجد کی تعمیر کے لئے رکھے ہوئے نو روپے نے قلب و جگر میں زوردار کچوکا لگانا شروع کر دیا، بالآخر اہل قریہ کو مسجد کی تعمیر پر یہ کہہ کر راضی کر لے گیا کہ آپ لوگ خود محنت کر کے اور مزدوری کی رقم دے کر مٹی کی دیوار اور پھونس کی چھت بنوائیں، باہر کے چندہ کی امید نہ کریں تھوڑا بہت تعاون فصل کے موقع پر میں علاقہ کی مسلم بستیوں کے مسلمانوں سے حاصل کرنے کی کوشش کروں گا تا کہ آپ لوگوں کے لئے مسجد کی تعمیر میں آسانی ہو۔

جب لوگ تعمیر مسجد کے لئے تیار ہوئے تو ایک دوسری مشکل یہ سامنے آئی کہ جو جگہ مسجد کے لئے پیش کی گئی ہے وہ بہت چھوٹی ہے۔ اتنی چھوٹی جگہ میں مسجد کی تعمیر مناسب نہیں ہے کیونکہ بعد میں اگر توسیع کی ضرورت ہوگی تو اس کی کوئی گنجائش نہیں ہوگی۔ بالآخر کوشش کرتے کرتے ''من جد وجد'' (جو کوشش کرتا ہے وہ پالیتا ہے) کے تحت تعمیر مسجد کے لئے زمین حاصل ہو گئی۔

میرے گاؤں تلسڑی میں میرے والد۔ رحمہ اللہ۔ کا ننھیال تھا۔ میرے والد کے ماموں کے پانچ بیٹے تھے، ان میں سے کچھ وفات پا چکے تھے اور کچھ باحیات تھے، مگر بحمد للہ نسل سب کی چل رہی تھی، گاؤں ہی میں لب دریا ان لوگوں کھلیان تھا۔ میں نے ان لوگوں سے گفتگو کی، تعمیر مسجد کے فضائل بیان کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ درج ذیل خوشخبری انہیں سنائی:

"من بنى مسجداً يبتغي به وجه الله، بنى الله له مثله في الجنة" (صحیح بخاری: الصلاۃ ۸، باب من بنی مسجداً ۶۵، رقم ۴۵۰، صحیح مسلم: المساجد ۵، باب فضل بناء المساجد والحث علیہا ۴، رقم ۵۳۳)

''جو شخص اللہ کی رضا کے لئے مسجد بنائے گا اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں اس جیسا گھر بنائے گا''۔

بحمد للہ محنت رنگ لائی اوران پانچ پٹی داروں میں سے دوکھلیان میں سے اپنا اپنا حصہ تعمیر مسجد کے لئے دینے پر تیار ہو گئے۔ میں نے اللہ کا نام لے کر مسجد کی بنیاد رکھی اور اقرباء اور دیگر مسلمانان قریہ سے مشورہ کے بعد طے پایا کہ گاؤں کے سارے مسلمان مل کر مٹی کی دیوار بنائیں اور دیوار تیار ہونے کے بعد پھونس کے چھپر سے سایہ کرلیا جائے تاکہ صلوات کی ادائیگی ہوتی رہے۔ میں دیوار بنانے میں جلدی کرنے کی تاکید کر کے اور لوگوں کی باریاں مقرر کر کے اپنی مادر علمی جامعہ اثریہ مئو میں اپنی تعلیم کی تکمیل کیلئے چلا گیا، ادھر لوگوں کی بے توجہی اور کام کی سست رفتاری کی وجہ سے کئی مہینہ کے بعد بنیاد زمین سے تقریباً تین فٹ اونچی ہوسکی اور اسی پر کام رک گیا۔ ادھر شیطان لعین کو مسجد کے لئے زمین دینے والوں کو گمراہ کرنے کا موقع مل گیا اور وہ دو میں سے ایک صاحب کو کھلیان کے کم ہونے اور اپنے کئی بیٹوں میں ان کے لئے کھلیان کی پریشانی کا خوف دلا کر گمراہ کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ چنانچہ انہوں نے کہا کہ میرے کئی بیٹے ہیں وہ کھلیان کہاں بنائیں گے اور فصل کاٹ کرلائیں گے تو کہاں رکھیں گے؟ آپ لوگ مسجد کہیں اور بنالیں، میں یہ زمین نہیں دے سکوں گا۔ دوسرے صاحب نے فراخ دلی کا ثبوت دیتے ہوئے کہا کہ میں اپنا حصہ مسجد کے لئے دے چکا ہوں اب بھی دے رہا ہوں اگر میرے حصہ میں مسجد بن سکے تو آپ لوگ بنالیں۔ مگر تنہا ان کے حصہ سے مسجد کا کام نہیں ہوسکتا تھا اس لئے وہ زمین اسی طرح خالی پڑی رہی اور وہ جانوروں کی بیٹھک بن گئی اور لوگ اس پر گھاس بھس رکھنے لگے۔

مسجد کی بنیاد رکھنے کے بعد میں نے لوگوں کو جمعہ کی پابندی کی تاکید کی اور لوگ برابر جمعہ پڑھنے پر راضی ہو گئے۔ چنانچہ کچھ دن گاؤں کے ایک بزرگ نے اپنا ایک چھوٹا سے کمرہ جمعہ کے لئے دے رکھا تھا اس میں جمعہ کی صلاۃ ہوتی تھی۔ کوئی جمعہ پڑھانے والا نہیں تھا تو میں نے بازار سے ''خطبۂ علمیہ'' کے نام سے ایک کتاب خرید کردے دی وہی کتاب دیکھ کر بزرگ خطبہ پڑھ دیا کرتے تھے اور صلاۃ بھی پڑھادیتے تھے۔ گاؤں میں وہی تنہا تھے جو قرآن کریم ناظرہ کے ساتھ کچھ اردو وغیرہ پڑھے ہوئے تھے اور اس کے بعد میرے مکان کے ایک حصہ میں صلاۃ جمعہ ادا ہونے لگی۔

میرے ستمبر ۱۹۷۲ء میں مادر علمی جامعہ اثریہ دارالحدیث مئو سے فراغت اور وہاں تدریسی خدمات انجام دینے کے دوران بھی کئی سال تک ایسا ہی ہوتا رہا۔ مگر تعمیر مسجد سے کبھی بھی میں غافل نہیں رہا۔ جن صاحب نے اپنا حصہ روک کر مسجد کی تعمیر روک دی تھی ان کو میں خود اور دوسرے بزرگوں کے ذریعہ سمجھاتا رہا مگر وہ کسی قیمت پر تیار نہیں ہو رہے تھے۔

ایک موقع پر میں چھٹی میں جامعہ اثریہ سے گھر آیا ہوا تھا تو میں نے سوچا کہ استاذ گرامی مولانا امان اللہ خان آزاد (م اکتوبر ۲۰۱۴ء) کو بلا کر رات میں وعظ ونصیحت کرا کے تعمیر مسجد پر زور دلائیں، شاید کہ اس سے تعمیر مسجد کا راستہ ہموار ہوجائے۔ چنانچہ میں استاذ گرامی کی خدمت میں مادر علمی شمس الہدیٰ، مہدیوا پہنچا اور رات کا کھانا غریب خانہ پر کھانے اور اہل قریہ کو پندونصائح سے نوازنے اور کسی صورت سے مسجد کے رکے ہوئے کام کو چالو کرانے پر زور ڈالنے کی گزارش کی۔ استاذ گرامی فوراً اس کار خیر کے لئے آمادہ ہو گئے۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔

حسب وعدہ استاذ محترم میرے یہاں تشریف لائے، رات کا کھانا کھا کر لوگوں کو وعظ ونصیحت کی، تعمیر مسجد کی فضیلت اور دینی

کاموں میں سبقت کرنے کی اہمیت بیان کرتے ہوئے جن صاحب نے تعمیر سے منع کیا تھا ان کو دل سے سمجھایا الحمدللہ استاذ گرامی کی نصیحت ان کے دل میں بیٹھ گئی اور وہ بھی اپنا حصہ دینے پر راضی ہو گئے۔

میں نے اللہ کی شکر گزاری کے ساتھ استاذ گرامی کی محنتوں اور ان کی شفقتوں کا شکریہ ادا کیا۔ مسجد والی اس زمین پر فصل وغیرہ کی بہت سی چیزیں رکھی ہوئی تھیں، پروگرام ختم ہونے کے بعد رات ہی میں میں نے اپنے نوجوان ساتھیوں کو لے کر چاندانی رات کی روشنی میں سارا سامان وہاں سے ہٹا کر اسے صاف کروایا اور صبح کو فجر کے وقت میں نے خود اذان کہی اور اسی میں استاذ گرامی کی اقتداء میں صلاۃ فجر ادا کی گئی۔ بحمدللہ اس کے بعد سے صلوات خمسہ اور صلاۃ جمعہ وغیرہ کی ادائیگی اسی بغیر دیوار اور چھت والی مسجد میں ہونے لگی۔

ادھر مسجد کی تعمیر کے سلسلہ میں حصول تعاون کے لئے کوشش کرنے لگا، کوشش بارآور ہوئی اور ۱۹۷۷ء میں مسجد کی تعمیر ہوگئی۔ کچھ دنوں کے بعد مسجد سے متصل اتر جانب مسجد کی بچی ہوئی زمین پر ایک برآمدہ تعمیر کرا کے اس میں مدرسہ مصباح العلوم کے نام سے ایک مدرسہ قائم کر دیا گیا اور ایک مدرس رکھ کر بچوں کی دینی تعلیم وتربیت کا انتظام کیا گیا جو بحمدللہ اب تک جاری ہے۔

۱۹۸۰ء میں ملک کی راجدھانی دہلی میں ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر اور اس کے تعلیمی اداروں سے منسلک ہوگیا اور میری تگ ودو سنٹر تک محدود ہو کر رہ گئی اور مدرسہ ''مصباح العلوم'' کو چلانے میں کافی دشواری پیش آنے لگی تو میں نے سنٹر کے بانی اور صدر مشفق محترم علامہ عبدالحمید صاحب رحمانی (م ۲۰/اگست ۲۰۱۳ء) رحمہ اللہ کے سامنے مدرسہ کی پریشانی رکھی اور بتایا کہ اہل قریہ کی غربت اور ان کی بے توجہی اور سنٹر کے کاموں میں میری مصروفیت کی وجہ سے خطرہ ہے کہ میرے گاؤں کا مدرسہ بند ہو جائے اور نسل نو کی تعلیم وتربیت متاثر ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ غریق رحمت کرے مولانا رحمانی صاحب۔ رحمہ اللہ کو کہ انہوں نے اس نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے مارچ ۱۹۸۹ء میں ایک قرارداد کے ذریعہ اسے مرکز کی شاخ کے طور پر منظور کرایا اور ایک مدرس کی تنخواہ سنٹر سے جاری کرا دی جس کا سلسلہ تا ہنوز جاری ہے اور ایک مدرس بچوں کی تعلیم وتربیت، امامت وخطابت اور درس قرآن وحدیث کا فریضہ انجام دے رہے ہیں، پھر مسجد کی دیواریں پھٹ گئیں اور چھت کا پلاسٹر جھڑنے لگا اور سریا نظر آنے لگی اور کہیں کہیں چھت سے پانی بھی رسنے لگا تو میں نے اس کا بھی ذکر مشفق گرامی مولانا رحمانی صاحب سے کیا تو آپ نے مسجد کی جدید تعمیر کے ساتھ مدرسہ ''مصباح العلوم'' کی بھی تعمیر کرا دی۔ اللہ تعالیٰ مولانا کی خدمات کو قبول فرمائے۔ آمین

فالشکر للہ الأحد شکرا عظیما دائما

اسی دعوتی جذبہ کے تحت جب ۱۹۸۰ء میں مجھے سنٹر میں طلب کر لیا گیا اور میں تعلیم وتربیت سے منسلک ہوگیا تو سنٹر میں باقاعدہ مسجد کی تعمیر سے پہلے برابر خطبہ دیا کرتا تھا اور جب باقاعدہ سنٹر کی جامع مسجد ابوبکر صدیق، جوگابائی، نئی دہلی تعمیر ہوگئی تو بحمدللہ اس کے پہلے خطیب ہونے کا شرف حاصل ہوا اور باستثناء چند مہینے یہ سلسلہ ۲۰۰۹ء تک برابر چلتا رہا۔ درمیان میں چند مہینے بانی مرکز اور بعض دوسرے احباب نے یہ ذمہ داری سنبھالی تھی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی یہ دعوتی خدمات قبول فرمائے۔ آمین

تدریسی خدمات:

۶۵ سالہ عمر میں دو معروف تعلیمی وتربیتی اداروں میں درس وتدریس کا اتفاق ہوا ہے۔ دونوں اداروں کی تفصیلات الگ الگ درج ذیل ہیں:

(۱) مادر علمی جامعہ اثریہ دارالحدیث، مئوناتھ بھنجن:

۱۹/ستمبر ۱۹۷۲ء میں مادر علمی سے فراغت کے بعد ۱۸ جنوری ۱۹۷۳ء مطابق ۱۳۹۲ھ سے ستمبر ۱۹۸۰ء مطابق ۱۴۰۰ھ تک تقریباً آٹھ سال درج ذیل مضامین کی تدریس کا فریضہ انجام دیا ہے:

(۱) تفسیر (۲) ترجمہ معانی قرآن کریم (۳) حدیث (۴) مصطلح الحدیث (۵) فقہ (۶) اصول فقہ (۷) نحو (۸) صرف (۹) منطق (۱۰) فلسفہ (۱۱) انشاء (۱۲) بلاغت (۱۳) فرائض۔

(۲) معہد التعلیم الاسلامی وجامعہ اسلامیہ سنابل، نئی دہلی۔

ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر، نئی دہلی کے پہلے تعلیمی وتربیتی ادارہ معہد التعلیم الاسلامی جو ترقی کے مدارج طے کرتا ہوا جامعہ اسلامیہ سنابل کے نام سے موسوم ہو کر علمی شہرت کا حامل ہوا اور اس کے نسواں تعلیمی وتربیتی ادارہ عائشہ صدیقہ شریعت کالج جوگابائی میں درج ذیل مواد اور مضامین کی تدریس کی ذمہ داری ذی القعدہ ۱۴۰۰ھ مطابق ستمبر ۱۹۸۰ سے تادم تحریر (تقریباً ۳۷ سال) نبھا رہا ہوں:

(۱) تفسیر (۲) ترجمہ معانی قرانی مجید (۳) اصول تفسیر (۴) حدیث (۵) مصطلح الحدیث (۶) فقہ (۷) اصول فقہ (۸) تاریخ فقہ اسلامی (۹) سیرت نبوی (۱۰) فرائض (۱۱) نحو (۱۲) صرف (۱۳) بلاغت (۱۴) منطق وغیرہ۔

مقالات/ترجمے/تصنیفی وتالیفی خدمات:

الحمد اللہ ۴۴ سالہ تدریسی خدمات میں درس وتدریس، امامت وخطابت، دعوت وتبلیغ اور ادارتی ذمہ داریوں کے ساتھ توفیق ربانی سے کچھ مقالات، عربی سے اردو ترجمے اور بعض تالیفات بھی کی ہیں جن میں سے کچھ مطبوع، کچھ غیر مطبوع اور بعض ناقص پڑے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ناقص کی تکمیل اور غیر مطبوع کی طباعت اور ان سب کی نشر واشاعت کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین وما ذالک علی اللہ بعزیز۔

مطبوع: (۱) حقوق والدین قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں (۲) خادم حرم نبوی شیخ احمد کی وصیت کی حقیقت (امام ابن باز رحمہ اللہ کے مقالہ کا عربی سے اردو میں ترجمہ) (۳) سنت فجر۔ فضائل واحکام (۴) صلاۃ التراویح امام البانی۔ رحمہ اللہ (عربی سے ترجمہ) (۵) فتاوی الصیام۔ جمع شیخ محمد المسند (عربی سے ترجمہ) (۶) علامہ عبدالحمید رحمانی۔ رحمہ اللہ۔ حیات وخدمات (۷) استاذ

گرامی مولانا امان اللہ خان آزاد۔رحمہ اللہ۔

غیر مطبوع: (۱) فتاوی الزکاۃ جمع شیخ محمد المسند (عربی سے ترجمہ) ماہنامہ ''التبیان'' نئی دہلی جلد ۵، شمارہ ۵، ماہ ستمبر ۲۰۰۸ء میں کچھ خاص فتاوے شائع ہوئے تھے۔ (۲) فتاوی صلاۃ الجماعۃ۔جمع شیخ محمد المسند (عربی سے ترجمہ) ماہنامہ ''التبیان'' نئی دہلی جلد ۷، ماہ نومبر ۲۰۱۰ء سے قسطوں میں شائع ہوا۔ (۳) اسلام کا دوسرا رکن صلاۃ۔ماہنامہ ''التبیان'' نئی دہلی جلد ۱۱، شمارہ ۷ ماہ نومبر ۲۰۱۴ء سے پندرہ قسطوں میں شائع ہوا۔ (۴) ابوشحمہ بن عمر فاروق۔رضی اللہ عنہما۔پر ایک بہتان اور اس کا جائزہ۔ماہنامہ ''التوعیہ'' نئی دہلی جلد نمبر ۶، شمارہ ۳، اگست ۱۹۹۱ء میں شائع ہوا۔ (۵) مسلمانوں کے باہمی حقوق (حدیث: حق المسلم علی المسلم ست کی شرح) ماہنامہ ''التوعیہ'' نئی دہلی جلد ۱، شمارہ ۴، ۵/اگست وستمبر ۱۹۸۶ء سے قسط وار شائع ہوا۔ (۶) ''بلوغ المرام، آثار السنن اوراعلاء السنن'' ایک تقابلی جائزہ۔شائع شدہ علوم الحدیث مطالعہ وتعارف، مقامی جمعیت اہل حدیث علیگڑھ، یوپی۔ (۷) مولانا عبدالسلام رحمانی کا سوانحی خاکہ بعنوان: زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے۔شائع شدہ ماہنامہ ''التبیان'' نئی دہلی، جنوری ۲۰۱۴ء۔ (۸) علامہ عبدالحمید رحمانی کے ساتھ چونتیس سالہ رفاقت۔عالمی سیمینار زیر اہتمام ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر، نئی دہلی منعقدہ بمقام جامعہ اسلامیہ سنابل، نئی دہلی منعقدہ ۲۸/فروری وکیم مارچ ۲۰۱۴ء بعنوان: ''مولانا عبدالحمید رحمانی۔رحمہ اللہ حیات وخدمات اور برصغیر میں اسلامی دعوت کی تاریخ'' میں پیش کیا گیا مقالہ۔ (۹) مولانا عبدالقدوس اثری مئوی کا سوانحی خاکہ بعنوان: ایک مخلص دوست نہ رہا۔شائع شدہ ماہنامہ ''التبیان'' نئی دہلی، اکتوبر ۲۰۱۴ء۔ (۱۰) استاذ گرامی جناب مولانا عبدالعلیم ماہر بستوی کی خودنوشت سوانح پر اپنی کچھ یادداشتیں۔شائع شدہ ماہنامہ ''التبیان'' نئی دہلی، فروری ۲۰۱۶ء (۱۱) خاندان صادق پور کے گل سرسبد مولانا سید عبدالسمیع جعفری مدنی۔حیات وخدمات۔شائع شدہ ماہنامہ ''التبیان'' نئی دہلی، مئی ۲۰۱۶ء۔ (۱۲) حقوق اولاد زیر تحقیق ونظر ثانی (۱۳) جرائم کی روک تھام میں اسلام کا کردار۔ماہنامہ ''التبیان'' نئی دہلی جلد ۹، شمارہ ۱۰، ماہ فروری ۲۰۱۳ء سے چھ قسطوں میں شائع ہوا۔ (۱۴) حقوق والدین سے متعلق ضعیف اور موضوع روایات۔ماہنامہ ''التبیان'' نئی دہلی جلد ۱، شمارہ ۱، مئی ۲۰۰۴ء سے جلد نمبر ۲، شمارہ ۱۱، مارچ ۲۰۰۶ء تک سولہ قسطوں میں شائع ہوا۔ (۱۵) گھاٹے کا سودا۔ماہنامہ ''التبیان'' نئی دہلی جلد ۱، شمارہ ۳، ماہ جولائی ۲۰۰۴ء سے جلد ۲، شمارہ ۲ ماہ جون ۲۰۰۵ء تک آٹھ قسطوں میں شائع ہوا۔ (۱۶) آداب طالب علم۔دورۂ تدریبیہ (ریفریشر کورس) منعقدہ ماہ نومبر ۲۰۱۲ء بمقام جامعہ اسلامیہ سنابل، نئی دہلی میں پڑھا گیا مقالہ۔شائع شدہ ماہنامہ ''التبیان'' نئی دہلی، جلد ۹، شمارہ نمبر ۹، ماہ جنوری ۲۰۱۳ء۔ (۱۷) حرمین شریفین کا تقدس ایمان کا تقاضا ہے۔کانفرنس بہ عنوان: دفاع حرمین شریفین اور اعداء اسلام کی ریشہ دوانیاں منعقدہ بتاریخ ۱۳/جنوری ۲۰۱۶ء بمقام جامعہ اسلامیہ سنابل نئی دہلی میں پیش کردہ مقالہ۔شائع شدہ ماہنامہ ''التبیان'' نئی دہلی مارچ ۲۰۱۶ء۔ (۱۸) ہم جنس پرستی فطرت کے خلاف بغاوت ہے۔ماہنامہ ''التبیان'' نئی دہلی جلد ۱۰، شمارہ ۱۰، ماہ فروری ۲۰۱۴ء میں شائع ہوا۔ (۱۹) مولانا عبدالخالق ندوی۔رحمہ اللہ۔کی وفات۔ماہنامہ ''التبیان'' نئی دہلی جلد نمبر ۷، شمارہ ۹، ماہ جنوری ۲۰۱۱ء میں شائع شدہ مولانا ندوی کی مختصر حالات زندگی۔

صحافتی خدمات:

۱۹۸۶ء میں علامہ عبدالحمید رحمانی۔رحمہ اللہ نے ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر، نئی دہلی کی طرف سے ماہنامہ ''التوعیۃ'' کا اجراء فرمایا تو میری ناتجربہ کاری اور علمی بے بضاعتی کے باوجود احقر کو اس کا پہلا مدیر بنایا اور بتوفیق الٰہی جنوری ۱۹۸۶ء میں اس کا پہلا شمارہ منظر عام پر آگیا۔ بعد میں کچھ قانونی دشواریوں کے پیش نظر یہ مجلہ ایک دوسری سوسائٹی مجمع البحوث الاسلامیہ (اسلامک ریسرچ اکیڈمی) نئی دہلی کی طرف سے شائع ہونے لگا اور احقر ۱۹۸۶ء سے نومبر ۱۹۸۷ء تک اس کا مدیر رہا۔

اس کے بعد سے ماہنامہ ''التوعیۃ'' اور اس کے بند ہوجانے کے بعد ماہنامہ ''التبیان'' نئی دہلی میں ان دونوں مجلوں کے مقالہ نگاروں میں شامل رہا جس کا سلسلہ بحمد اللہ تاہنوز جاری ہے۔

علمی اور دینی اداروں اور تنظیموں کی رکنیت اور عہدے:

(۱) عمید معہد التعلیم الاسلامی، جوگابائی، نئی دہلی تقریباً چار سال (۱۹۸۱ء سے ۱۹۸۴ء)

(۲) جنرل سکریٹری ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر، نئی دہلی۔ جنوری ۱۹۸۷ء تادم تحریر (دسمبر ۲۰۱۶ء)

(۳) خازن ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر، نئی دہلی۔ سابق خازن کی ان کے عہدہ سے معطلی کے بعد ۱۶/مئی ۱۹۹۸ء سے انتخاب جدید ۲۱/جون ۱۹۹۸ء تک۔

(۴) نائب مہتمم (عملاً مہتمم کیونکہ مہتمم صاحب چند ہی مہینے کے بعد مرکز چھوڑ کر چلے گئے تھے) ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر، نئی دہلی تقریباً ڈھائی سال (۳۰/مئی ۱۹۸۴ء تا ۲۵/جنوری ۱۹۸۷ء)

(۵) صدر مدرسہ مصباح العلوم موضع تلسڑی، ضلع سدھارتھ نگر، یوپی۔ از قیام مدرسہ ۱۹۷۷ء تاہنوز (دسمبر ۲۰۱۶ء)

(۶) خازن مدرسہ سلفیہ، تندوا ضلع سدھارتھ نگر، یوپی۔

(۷) رکن اسلامک سائنٹفک ریسرچ اکیڈمی (مجمع البحوث العلمیۃ الاسلامیۃ) جوگابائی، نئی دہلی۔

(۸) رکن اسلامک ریسرچ اکیڈمی (مجمع البحوث الاسلامیہ) جوگابائی، نئی دہلی از قیام اکیڈمی ۱۹۸۶ء تا ۱۹۹۷ء۔

(۹) رکن صوبائی جمعیت اہل حدیث، دہلی۔

(۱۰) رکن مینیجنگ کمیٹی خدیجۃ الکبریٰ گرلز پبلک اسکول، نئی دہلی۔

(۱۱) رکن مینیجنگ کمیٹی ابوالکلام آزاد بوائز پبلک اسکول، نئی دہلی

(۱۲) رکن مجلس تحقیق علمی مرکزی جمعیۃ اہل حدیث، ہند۔

موجودہ عہدے اور مناصب:

(۱) جنرل سکریٹری ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر، نئی دہلی۔

(۲) صدر مدرسہ مصباح العلوم موضع تلسڑی، ضلع سدھارتھ نگر، یوپی۔
(۳) رکن مینیجنگ کمیٹی خدیجۃ الکبریٰ گرلز پبلک اسکول، نئی دہلی۔

اہم تعلیمی ودعوتی ادارے رمراکز رمساجد جو قائم کئے:

اپنے گاؤں موضع تلسڑی، سدھارتھ نگر (یوپی) میں مقامی بچوں ربچیوں کی دینی تعلیم وتربیت کے لئے مدرسہ مصباح العلوم کے نام سے دینی تعلیم وتربیت کا انتظام کیا اور گاؤں میں کوئی مسجد نہیں تھی ۱۹۷۷ء میں ایک مسجد اہل خیر حضرات کے تعاون سے تعمیر کرائی۔ اللہ تعالیٰ انہیں قبول فرمائے۔آمین۔

اولاد واحفاد: میں اپنے والد رحمہ اللہ کا اکلوتا بیٹا ہوں۔میرے علاوہ دو اخیافی بھائی ہیں اور دو اخیافی بہنیں تھیں جو راہی ملک بقا ہو چکی ہیں۔ **غفر اللہ لھما و ادخلھما فی فردوس جناتہ**۔ دونوں بھائی بحمد اللہ باحیات ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور والدین کی دعاؤں کی برکت سے میرے بیٹے اور بیٹیوں کی تعداد گیارہ تھی۔ چھ بیٹے اور پانچ بیٹیاں۔ جن میں سے پہلی بیٹی پیدائش ہی کے دن ۲۴ گھنٹے کے اندر داغ مفارقت دے گئی اور اس کے بعد پہلا بیٹا پیدا ہوا تو وہ بھی ایک ہفتہ کے اندر دنیا کے جنجالوں سے دامن بچا کر راہی ملک بقا ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں کو میرے اور میری اہلیہ۔ **سلمھما اللہ تعالیٰ وشفاھا**۔ کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے۔آمین۔

الحمد للہ ان دونوں بچوں کے بعد پانچ بیٹے اور چار بیٹیاں پیدا ہوئے جو باحیات ہیں، ان میں سے دو بیٹوں اور تین بیٹیوں کی شادی ہو چکی ہے اور وہ سب صاحب اولاد ہیں۔ بڑا بیٹا عالم، گریجویٹ اور سافٹ ویئر انجینئر ہے۔ دوسرا بیٹا پندرہ پارے کا حافظ، پولمبر، الکٹریشین اور ڈرائیور ہے۔ اس کے بعد تین بیٹیاں عالمہ وفاضلہ ہونے کے ساتھ ساتھ بڑی بیٹی گریجویٹ اور بی ایڈ ہے دوسری انٹرمیڈیٹ اور تیسری گریجویٹ، NTT،PTT کے ساتھ ایم اے فائنل میں ہے۔ اس کے بعد کے ایک بیٹے نے اسی سال بی ٹیک کیا ہے۔ اس کے بعد ایک بیٹا حفظ قرآن کریم کر کے جامعہ اسلامیہ سنابل میں فضیلت سال اول میں زیر تعلیم ہے جب کہ اس کے بعد ایک بیٹی بھی جامعہ اسلامیہ سنابل کی نسواں شاخ عائشہ صدیقہ شریعت کالج، جوگا بائی، نئی دہلی میں فضیلت سال اول میں پڑھ رہی ہے اور سب سے چھوٹا بیٹا انٹرمیڈیٹ میں زیر تعلیم ہے۔ اس وقت تمام اولاد واحفاد کی تعداد اکیس ہے۔

بیٹے پانچ، بیٹیاں چار، پوتے دو، پوتیاں تین، نواسے چھ اور نواسی ایک۔ **فللہ الحمد: بارک اللہ لھم وبارک علیھم**۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اور ان سب کو صراط مستقیم پر چلائے اور کتاب وسنت اور منہج اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خوگر بنائے۔آمین۔

علمی ودعوتی اسفار:

سنٹر اور اس کے تعلیمی اداروں میں تدریسی اور انتظامی ذمہ داریوں کی بناء پر ذاتی طور پر اجلاس اور کانفرنسوں میں میری شرکت

بہت کم ہوئی ہے۔بعض علمی اوردعوتی اجلاس میں بانی مرکز علامہ عبدالحمید رحمانی۔رحمہ اللہ کی معیت اوررفاقت میں شرکت کی ہے اوربعض میں موصوف نے اپنی علالت یاایمرجنسی ضرورت اورمشغولیت کی بناء پر مجھےاپنی نیابت کے لئے بھیجااور مجھے چاروناچارتعمیل حکم میں شرکت کرنی پڑی اوراپنی کج مج زبان میں خطاب کرناپڑا۔

(الف) جن اجلاس میں مولانارحمہ اللہ کےساتھ شرکت کی وہ درج ذیل ہیں:

(۱) اجلاس عام مدرسہ دارالتعلیم،کھیدوپورہ،مئوناتھ بھنجن، یوپی، ۱۹۸۲ء۔

(۲) کانفرنس بہ عنوان: وطن عزیز کی آزادی میں علماءصادق پور، پٹنہ، بہارکی قربانیاں۔۲۸۔۲۹/اپریل ۱۹۹۸ء بمقام عیدگاہ باغ عبدالخبیر،صندل پور، پٹنہ، بہار۔

(۳) دوروزہ سیمینار بہ عنوان: علوم الحدیث: مطالعہ وتعارف۔زیراہتمام مقامی جمعیۃ اہل حدیث،سول لائنس،علی گڑھ بتاریخ ۱۸/۱۹اکتوبر۱۹۹۸ء۔اس میں راقم سطور نے درج ذیل مقالہ پیش کیا تھا: بلوغ المرام،آثارالسنن اوراعلاءالسنن: تقابلی جائزہ۔

(۴) اجلاس عام منشی پورہ،مئوناتھ بھنجن، یوپی:۹/۱۰جون ۲۰۰۱ء۔

(۵) اجلاس تقسیم انعامات بسلسلہ مسابقہ حفظ قرآن کریم واحادیث نبویہ۔جامعۃ الحسنات،قول بازار، بلاری: اپریل ۲۰۰۴ء

(۶) سالانہ اجلاس معہدعلوم الحدیث، وادی حدیث، حیدرآباد، آندھراپردیش منعقدہ ۲/ستمبر ۲۰۰۷ء۔اس اجلاس میں ''علم دین۔اہمیت،فضیلت اورحصول علم کے شرائط'' پرخطاب کیا۔اسی موقع پر مسجد محمدیہ، فتح دروازہ میں خطبۂ جمعہ اورمسجد رحمانیہ اے سی گارڈ میں درس حدیث دیا۔

(ب) وہ اجلاس اورکانفرنسیں جن میں میں نے مولانارحمانی۔رحمہ اللہ۔کی نیابت میں شرکت کی اوران کی نیابت میں صدارت کے ساتھ خطاب بھی کیا:

(۱) اصلاح معاشرہ اجلاس مالپورہ، راجستھان: ۶/۷ اپریل ۱۹۸۵ء۔

(۲) سالانہ اجلاس مدرسہ دارالتوحید، میناعیدگاہ، سدھارتھ نگر، یوپی: ۱۰/مارچ ۱۹۸۸ء۔

(۳) اصلاح معاشرہ کانفرنس، رسول پور، بنارس: ۱اکتوبر ۲۰۰۲ء۔

(۴) خیرامت کانفرنس، دیون مئو، پرتاب گڑھ، یوپی: ۶مئی ۲۰۰۶ء۔

(۵) دوروزہ اصلاحی ودعوتی اجلاس، واپی گجرات: ۱۸/۱۹/دسمبر ۲۰۰۶ء۔

(۶) توحیدوسنت کانفرنس، جھولامیدان، مومن پورہ، ممبئی: ۱۳/اپریل ۲۰۰۸ء۔

(۷) توحیدوسنت کانفرنس،کوٹہ، راجستھان: ۱۴/جون ۲۰۰۸ء۔

(۸) اجلاس برائے اصلاح معاشرہ،ککرالہ، بدایوں، یوپی۔

(ج) وہ اجلاس جہاں میں نے تنہاشرکت کی:

(۱) اجلاس عام نیمکا، میوات، ہریانہ: ۲۹/اپریل ۲۰۰۶ء۔

(۲) اجلاس عام کھنڈیلہ، راجستھان: ۶/مارچ ۲۰۱۰ء۔

(۳) دینی، دعوتی واصلاحی اجلاس، اپرکوٹ، بلندشہر: ۱۰/اپریل ۲۰۱۲ء۔

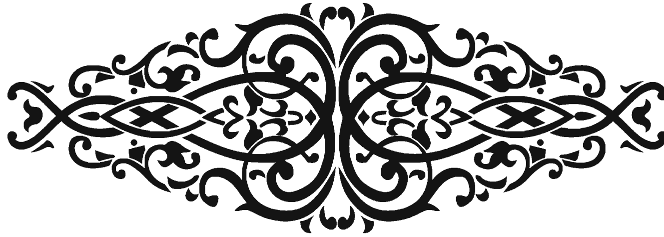
(۴) عالمی سیمینار زیر اہتمام ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر، نئی دہلی بہ عنوان ''مولانا عبدالحمید رحمانی۔ رحمہ اللہ۔ حیات وخدمات اور برصغیر میں اسلامی دعوت کی تاریخ'' بتاریخ ۲۸/فروری ویکم مارچ ۲۰۱۴ء۔

(۵) سالانہ اجلاس جامعہ محمدیہ، کھیدوپورہ، مئوناتھ بھنجن، یوپی: ۱۲/جون ۲۰۱۴ء۔

(۶) کانفرنس بہ عنوان: حرمین شریفین اوراعداء اسلام کی ریشہ دوانیاں۔ منعقدہ زیر اہتمام ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر، نئی دہلی بمقام جامعہ اسلامیہ سنابل، نئی دہلی بتاریخ ۱۳/جنوری ۲۰۱۶ء۔

۳۱/دسمبر ۲۰۱۶۔ ۱/ربیع الآخر ۱۴۳۸ھ۔ بروز سنیچر





شیخ الحدیث

مولانا عبدالعزیز حقانی برہیٹ، جھارکھنڈ

ولادت: ۱۹۵۲ء

نام ونسب: عبدالعزیز بن قربان بن سوداگر بن محمد شریف بن محمد لقمان

خاندانی تعارف: آخرالذکر (محمد لقمان) ضلع دھنباد سے آکر یہاں مقیم ہوئے، مسلکی اعتبار سے بریلوی تھے آپ کے جدامجد (سوداگر) علماء کے قدرداں تھے اور علم پسندی ان کی محنت وکاوش کا نتیجہ ہے کہ آج تقریبا پون صدی سے یہاں امامت وخطابت کی ذمہ داری آپ کے خاندان میں رہی ہے چنانچہ دادا صاحب نے اپنے چچیرا بھائی جناب منشی سکندر علی صاحب کو تعلیم کی ترغیب دی اورانہوں نے بقدر ضرورت تعلیم حاصل کی اور امامت کی ذمہ داری سنبھالی پھر ان کے بعد مولانا گل محمد صاحب شمسی نے امامت وخطابت کا فریضہ ادا کیا اس کے بعد ۱۹۷۶ء سے جمعہ وعیدین کی امامت وخطابت کی ذمہ داری آپ کو دی گئی آپ نے بحسن وخوبی ۲۰۰۹ء تک امامت وخطابت کا فریضہ ادا کیا۔

آپ کے اہل خاندان ابھی بھی علم اور تعلیم وتعلم سے وابستہ ہیں چنانچہ ضلع گڈا کے ''کھوٹہری'' گاؤں، ضلع صاحب گنج کے ''پھول بھنگہ'' اور دھنباد میں آپ کے خاندان کے لوگ تعلیم یافتہ ہونے کے ساتھ ساتھ تعلیم وتعلم میں مشغول ہیں۔

ولادت: آپ صوبہ جھارکھنڈ، ضلع صاحب گنج، تھانہ کوٹال پوکھر کے ایک مشہور گاؤں، بڑا سوناکوڑ'' میں ۱۷رشوال ۱۳۷۱ھ مطابق ۱۹۵۲ء میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم: آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے مشفق چچا جناب مولوی گل محمد صاحب رحمہ اللہ سے گاؤں کے مکتب اور منجھلاڈیہ کے مکتب اور مدرسہ احیاء السنہ کدمہ میں حاصل کی۔

علمی اسفار: اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے آپ نے ۱۳۸۴ھ مطابق ۱۹۶۴ء میں جامعہ شمس الہدیٰ دلال پور صاحب گنج، جھارکھنڈ میں داخلہ لیا اور وہاں چھ سال کا عرصہ گزارا اور درجہ خامسہ (الصّف الخامس) پاس کیا۔ ۱۳۸۹ھ مطابق ۱۹۶۹ء میں ''دارالعلوم مئو'' میں داخلہ لیا وہاں آپ نے تین سالہ تعلیمی زندگی گزاری اور سند فضیلت حاصل کی۔ وہاں اول پوزیشن اور ممتاز نمبرات سے کامیاب ہوتے رہے۔

اساتذہ کرام: آپ کے مشہور اساتذہ کرام مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) فضیلۃ الشیخ عبدالحنان صاحب دلالپوری رحمہ اللہ شیخ الحدیث جامعہ شمس الہدی دلال پور۔ (۲) فضیلۃ الشیخ عین الحق صاحب سلفی رحمہ اللہ سابق شیخ الحدیث جامعہ شمس الہدی دلال پور (۳) فضیلۃ الشیخ اسماعیل صاحب قاسمی رحمہ اللہ سابق شیخ الحدیث

ضیاء العلوم بھوگل دیکھی ، بیربھوم، مغربی بنگال(۴)فضیلۃ الشیخ احمد اللہ صاحب رحمانی رحمہ اللہ سابق شیخ الحدیث جامعہ سلفیہ بنارس(۵)فضیلۃ الشیخ عبدالحق صاحب قاسمی حفظہ اللہ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند(۶)فضیلۃ الشیخ نیاز احمد صاحب قاسمی رحمہ اللہ سابق شیخ الحدیث دارالعلوم مئو(۷)فضیلۃ الشیخ افتخار احمد صاحب قاسمی رحمہ اللہ استاد حدیث دارالعلوم مئو(۸)فضیلۃ الشیخ امین صاحب قاسمی رحمہ اللہ۔

درس وتدریس: فراغت کے بعد آپ نے مغربی بنگال کے دومشہور اداروں (مدرسہ ریاض العلوم اورمدرسہ دارالھدیٰ ماٹھ پلسہ) میں یکے بعد دیگرے مسلسل پانچ سالوں تک تدریسی فرائض بحسن وخوبی انجام دیئے، اس کے بعد ۱۹۷۷ء میں مناظر وقت فضیلۃ الشیخ مولانا مصلح الدین صاحب اعظمی رحمہ اللہ کے حکم کی تعمیل میں ''جامعہ سلفیہ عبداللہ پورصاحب گنج، جھارکھنڈ'' میں بحیثیت سینئر مدرس تشریف لائے، وہاں شیخ اعظمی رحمہ اللہ کی رفاقت ومعیت میں تدریسی فرائض کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف کے کام میں ان کے معاون وسہیم رہے پھر ۱۹۸۱ء میں جامعہ شمس الہدیٰ تشریف لے گئے اور وہاں آٹھ سالوں تک مسند درس وتدریس کو زینت بخشا نیز افتاء کا فریضہ انجام دیا۔ ۱۹۸۹ء میں جامعہ اصلاح المومنین برہٹ کے ذمہ داراوں کی پرخلوص دعوت ومخلصانہ اصرار کے سبب بحیثیت شیخ الحدیث ومفتی اور پرنسپل جامعہ اصلاح المومنین تشریف لائے، اور تادم تحریر مذکورہ عہدوں پر فائز ہیں۔

تلامذہ: (۱) مولانا عبدالرحمن صاحب فیضی پاکوڑی (۲) مولانا عباس صاحب سلفی پاکوڑی (۳) مولانا نور عالم صاحب سلفی مرشد آبادی (۴) مولانا لطف الحق صاحب شمسی مرشد آبادی (۵) مولانا اسلم حقانی صاحب گنجی (۶) مولانا اجمل صاحب سلفی صاحب گنج (۷) مولانا علی مرتضی فیضی پاکوڑی (۸) مولانا نعمان سلفی صاحب گنجی (۹) مولانا قطب الدین سلفی صاحب گنجی (۱۰) مولانا جمشید صاحب اصلاحی فیضی صاحب گنجی (۱۱) مولانا شوکت علی اصلاحی پاکوڑی (۱۲) مولانا محب الحق اصلاحی پاکوڑی (۱۳) مولانا اکرام الحق سلفی بیربھومی (۱۴) مولانا عبدالخبیر صاحب سلفی مرشد آبادی (۱۵) مولانا اشرف الحق سلفی، اصلاحی ندیاوی (۱۶) مولانا لقمان اصلاحی صاحب گنجی (۱۷) مولانا محبوب الرحمن صاحب سلفی بیربھومی پروفیسر شعبہ دینیات علی گڑھ وغیرہم حفظہم اللہ۔

دعوتی واصلاحی کارنامے: آپ نے زبانی اور قلمی طور پر علاقائی سطح پر دعوتی واصلاحی بہت سے کام کئے ہیں جس کے نتیجے میں عقائدواعمال کی خاطر خواہ اصلاح ہوئی ہے مثلاً۔ ☆ علاقہ میں شب برات ☆ ایصال ثواب کے لئے قرآن خوانی ☆ صدقۂ فطر کے تعلق سے، بہت سارے موضوعات پر کام کئے۔

بحث ومباحثے اور مناظرے: جھارکھنڈ کے ضلع پاکوڑ میں بانس کھندری گاؤں اور مغربی بنگال کے ضلع بیربھوم کے کٹک پور گاؤں میں حنفیوں سے مناظرہ ہوا، مناظرہ میں اہل حدیثوں کو کامیابی ملی۔ مناظرہ کے بعد اول الذکر گاؤں کے آدھے لوگ اور ثانی الذکر گاؤں کے پورا ایک محلہ کے لوگ اہل حدیث ہو گئے **(فالحمدللہ علی ذالک)**

مذکورہ دونوں مناظروں میں آپ کا اہم رول اور بنیادی کردار رہا ہے۔ مزید معلومات کے لئے ''تذکرۃ المناظرین'' ملاحظہ فرمائیں۔

ضلع صاحب گنج کے راکسی گاؤں میں قادیانیوں کی تحریک وتبلیغ سے بتیس (۳۲) گھر قادیانی ہو گئے تھے جیسے ہی اس کی اطلاع آپ کو ملی، آپ نے فوراً علاقائی سطح پر لوگوں کو دعوت دیا اور مذکورہ گاؤں میں جلسہ عام منعقد کیا اور قادیانیوں کے خلاف ورد میں خطاب عام کیا نیز قادیانی، مبلغ سے بحث ومباحثہ کیا اور اس کے بعد اس گاؤں کے جو لوگ قادیانی ہو گئے تھے آپ نے ان سب کو توبہ کرایا اور قادیانی مسجد ومدرسہ کی زمین، زمین والوں کو واپس دیدی گئی، اسی طرح مغربی بنگال کے مرشد آباد اور فرخ علاقے کی کئی بستیوں میں قادیانی تحریک چل رہی تھی، قادیانی مکاتب بھی چل رہے تھے، قادیانی مبلغین کی آمد ورفت جاری تھی چند احباب نے آپ کو اس کی اطلاع دی، آپ کئی علماء کو ساتھ لے کر وہاں پہنچے اور اس علاقے سے قادیانیوں کا سلسلہ ختم کیا۔

تصنیف وتالیف: (۱) جہیز سماج کا کینسر اور اس کا شرعی آپریشن (مطبوع) (۲) رفع الشکوک عمن احل ربا البنوک (غیر مطبوع) (۳) حکم تارک الصلوۃ فی ضوء الکتاب والسنہ (غیر مطبوع) (۴) زکوۃ الفطر کتاب وسنت کی روشنی میں (غیر مطبوع) مذکورہ کتابوں کے علاوہ مقالات بھی ہیں۔ جو جرائد ومجلّات میں شائع ہوئے۔

افتاء وقضاء: ۱۹۸۱ء سے جامعہ شمس الہدی دلالپور پھر جامعہ اصلاح المومنین برہیٹ میں آپ عقائد واحکام، نکاح وطلاق، خلع ووصیت نیز وراثت ومناسخہ وغیرہ مسائل سے متعلق ہزاروں مسائل کے جوابات کتاب وسنت کی روشنی میں دیتے آرہے ہیں، بارہا ثالثی مجلس میں بحیثیت صدر فریقین کے درمیان مصالحت وسمجھوتہ کئے ہیں جس کو فریقین نے برضاء ورغبت قبول کیا ہے، فالحمد للہ علی ذالک۔

سماجی ورفاہی خدمات: دفع منکرات وتعمیر مساجد وغیرہ میں بھی آپ نے کافی کام کئے ہیں، علاقہ میں کئی مسجدوں کی تعمیر قرب وجوار کے اہل ثروت کے تعاون سے کرائی ہے۔

مناصب وعہدے: جامعہ شمس الہدی دلال پور کے شعبہ افتاء کے صدر آٹھ سال۔ ☆ جامعہ اصلاح المومنین برہیٹ کے مفتی، شیخ الحدیث وپرنسپل ۲۱ سال سے جاری۔ ☆ سابق امیر صوبائی جمعیت اہل حدیث جھارکھنڈ۔ ☆ موجودہ امیر ضلعی جمعیت اہل حدیث صاحب گنج (جھارکھنڈ) ☆ موجودہ رکن صوبائی جمعیت اہل حدیث جھارکھنڈ۔ ☆ موجودہ رکن مجلس شوری مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند۔

(جریدہ ترجمان ۱۵۔۱ر مارچ ۲۰۱۲ء)

☆☆☆☆

استاذ گرامی شیخ نعیم الدین مدنی رحفظہ اللہ

استاذ وسابق شیخ الجامعہ السلفیہ بنارس

پیدائش: ۱۵ر نومبر ۱۹۵۴ء

نام ونسب: نعیم الدین بن محمد ابراہیم بن حوصل سلفی مدنی

آبائی وطن: کولپور، گرانٹ ٹولہ بہوا، بھٹ پرا، ضلع سدھارتھ نگر، یوپی

تاریخ پیدائش: ۱۵ر نومبر ۱۹۵۴ء کو آبائی گاؤں کولپور گرانٹ ٹولہ بہوا میں ہوئی۔

ابتدائی واعلیٰ تعلیم:

☆ آپ نے ابتدائی تعلیم مدرسہ مفتاح العلوم بھٹ پرا میں حاصل کی۔

☆ فارسی کی ابتدائی تعلیم مدرسہ بحر العلوم انتری بازار میں پائی۔

☆ پہلی جماعت سے تیسری جماعت تک عربی کی تعلیم اپنے علاقے کے مشہور تعلیمی ادارہ جامعہ دارالہدی یوسف پور میں حاصل کی۔

☆ اس کے بعد ایک سال تک جامعہ رحمانیہ بنارس میں رہے۔

☆ اور پھر عالمیت یعنی خامسہ سادسہ کی تعلیم کے لئے جامعہ سلفیہ میں داخل ہوئے اور ۱۳۹۵ھ مطابق ۱۹۷۵ء میں سند عالمیت سے سرفراز کئے گئے۔

☆ فضیلت کی تعلیم بھی جامعہ مذکورہ میں پائی اور ۱۳۹۷ھ مطابق ۱۹۷۷ء میں سند فضیلت پاکر فارغ التحصیل ہوئے۔

☆ فراغت کے بعد جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں بفضل الٰہی داخلہ ملا چنانچہ وہاں چار سالوں تک رہ کر ۱۴۰۲ھ مطابق ۱۹۸۲ء میں اجازہ عالیہ یعنی بی اے لیسانس کی ڈگری سے سرفراز کئے گئے۔

☆ رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ مدینہ منورہ میں اس وقت دعوت وتبلیغ میں مہارت حاصل کرنے اور فارغین جامعات کو ٹریننگ دینے کے لئے ڈپلوم عالی کا کورس چلتا تھا۔ آپ کو حسن حظ اس میں داخلہ مل گیا چنانچہ یہ کورس مکمل کرکے آپ مکہ مکرمہ سے وطن واپس لوٹے۔

مشاہیر اساتذہ:

آپ کے اساتذہ میں (۱) مولانا محمد ابراہیم رحمانی یوسف پوری (۲) مولانا عبدالاحد (یوسف پور) (۳) مولانا شمس الحق سلفی بنارس (۴) مولانا محمد ادریس آزاد رحمانی بنارس (۵) مولانا عبدالوحید رحمانی شیخ الجامعہ بنارس (۶) مولانا محمد عابد رحمانی بنارس (۷) ڈاکٹر

مقتدی حسن ازہری بنارس (۸) مولانا محمد رئیس ندوی بنارس (۹) مولانا عبدالسلام مدنی بنارس (۱۰) شیخ عبدالمحسن العباد مدینہ منورہ (۱۱) شیخ عبداللہ غنیمان مدینہ (۱۲) شیخ علی عبدالرحمن حذیفی مدینہ (۱۳) شیخ ابراہیم السقا (۱۴) شیخ عبدالمقصود جاراللہ وغیرہم ہیں۔

تدریسی خدمات وذمہ داریاں:

(۱) فراغت کے بعد ۱۸/نومبر ۱۹۸۲ء سے آپ جامعہ سلفیہ سے منسلک ہوگئے اور کم وبیش اب تک ۳۶ سالوں کے طویل عرصے سے وابستہ ہیں۔ تفسیر حدیث اور دیگر فنون کی کتابیں آپ کے زیر تدریس رہا کرتی ہیں۔ خاص طور سے سنن ابی داؤد برسوں سے آپ پڑھاتے آرہے ہیں۔

(۲) بنارس کی مساجد میں گاہے بگاہے خطبہ جمعہ کا بھی اہتمام ہوتا رہتا ہے۔

(۳) ۱۹۸۹/۹/۷ء سے ۱۹۹۱/۱۲/۱۱ء تک آپ جامعہ کے شعبۂ افتاء سے بھی وابستہ رہے اور فتاوی نویسی کا کام انجام دیتے رہے۔

(۴) دسمبر ۲۰۰۶ء سے اکتوبر ۲۰۰۹ء تک نائب شیخ الجامعہ رہے۔

(۵) اور اکتوبر ۲۰۰۹ء میں شیخ الجامعہ کی عظیم منصب کے لئے منتخب کئے گئے اور احسن طریقے سے یہ ذمہ داری انجام دیتے ہوئے ۲۵ مئی ۲۰۱۶ء میں اس سے سبکدوش ہوگئے۔

(۶) فی الوقت تدریسی ذمہ داریاں انجام دینے میں لگے ہیں، رب العالمین مزید توفیق عطا فرمائے۔

(۷) صوت الامۃ میں آپ کے مضامین گاہے بگاہے شائع ہوتے رہے ہیں، الاسراء والمعراج پر آپ کا ایک طویل مقالہ ہے جو نظر قارئین ہوچکا ہے۔

(۸) ۱۴۲۳ھ/۲۰۰۲ء میں رابطہ عالم اسلامی کے طلب پر مکہ مکرمہ میں منعقدہ دورہ تدریبیہ میں آپ نے شرکت کی اور ایک سال تک مسلسل دعوت وتدریس کی ٹریننگ لے کر ۱۴۲۴ھ میں الدبلومہ العام فی الدعوۃ والخطابۃ کی سند سے سرفراز کئے گئے اور واپس علم وعمل کے موتی لٹانے، مادر علمی ومقر عمل جامعہ سلفیہ پہنچ کر تدریس سے منسلک ہوگئے۔

تلامذہ:

آپ کے تلامذہ کی تعداد یوں تو بے حد زیادہ ہے، ظاہر سی بات ہے ایک طویل عرصے سے جماعت کی مرکزی درسگاہ جامعہ سلفیہ بنارس میں تدریس وتعلیم کی وجہ سے حلقہ تلامذہ کا وسیع ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں، ایک بڑی تعداد نے آپ سے استفادہ کیا ہے جس میں شیخ اصغر علی امام مہدی سلفی جیسے عظیم اور جماعت کے امیر وصدر سے لے ہم جیسے ہیچمنداں بھی شامل ہیں۔

اولاد:

مولانا کے کل ۸ بچے ہیں، ۴ لڑکے اور ۴ لڑکیاں ہیں لڑکوں کے نام (۱) عبدالحق (۲) ضیاء الحق (۳) عبدالرحمن (۴) عبدالسلام اور بچیوں کے نام (۱) مومنہ (۲) آمنہ (۳) فاطمہ (۴) ناظمہ ہیں اللہ تعالی سب کو صحت وعافیت اور ترقی عطا فرمائے۔

(ماخوذ از بیاض فارم تاریخ اہل حدیث انسائیکلو پیڈیا مرسلہ مولانا نعیم الدین مدنی ۲۰۱۶ء)

❑❑❑

استاذ گرامی

مولانا محمد یونس بنارسی مدنی حفظہ اللہ

شیخ الجامعۃ جامعہ سلفیہ بنارس

پیدائش: ۲۹؍ مارچ ۱۹۵۷ء

نام ونسب نامہ: محمد یونس بن عبدالمتین بن عبدالحکیم بن محمد امیر بن حیات محمد بن پیر محمد عرف فرنگی۔

کنیت: ابو عبدالرحمن

تاریخ پیدائش: ۲۹؍ مارچ ۱۹۵۷ء

جائے پیدائش: مالتی باغ مدن پورہ بنارس

مختصر خاندانی تعارف: میرے والد عبدالمتین رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ میرے دادا محمد امیر صاحب جس مسجد میں نماز پڑھتے تھے وہاں کوئی مولوی صاحب امام وخطیب تھے، نماز بعد درس بھی دیا کرتے تھے، ان کا درس قصے، کہانیاں اور خرافات پر مشتمل ہوا کرتا تھا، میرے پردادا محمد امیرؒ نے ایک دن مولانا سے دریافت کیا کہ مولانا آپ درس میں آخرت، جنت وجہنم، قیامت اور ثواب وعقاب والے امور کو بیان نہیں کرتے جب کہ لوگوں کو ان چیزوں کی ضرورت ہے تاکہ ان کے دلوں میں خوف آخرت پیدا ہو اور لوگ عمل صالح کے عادی بن جائیں، مولانا نے کہا ’’میاں تم نہیں جانتے ہو اگر میں آخرت اور ان کے متعلق امور کو بیان کروں گا تو دو روٹی چلی جائے گی اور نذرانہ بند ہو جائے گا‘‘۔

میرے پردادا محمد امیر صاحب نے کہا اچھا! تو آپ کے نزدیک دو روٹی بڑی ہے؟ اور آخرت وغیرہ کی کوئی اہمیت نہیں۔ مولانا سن لیجئے آج سے نہ تو میں آپ کے پیچھے نماز پڑھوں گا اور نہ آپ کا درس سنوں گا یہ کہہ کر مسجد سے نکل گئے اور پھر جامع مسجد اہل حدیث (طیب شاہ) میں نماز پڑھنے لگے اور اہل حدیث ہو گئے اور اس طرح وہ اور ان کے بعد والی نسل مسلک کتاب وسنت پر گامزن ہے، والحمد للہ علی ذالک۔

آغاز تعلیم: ابتدا سے درجہ پنجم تک میری تعلیم جامعہ رحمانیہ مدن پورہ بنارس میں ہوئی بعدہٗ انگریزی اسکول جے نرائن کالج میں پڑھنے کا ارادہ تھا گھر والے بھی راضی تھے، لیکن مولوی حفیظ اللہؒ اور مولانا خالد شفاء اللہ رحمانی حفظہ اللہ نے یہ کہہ کر میری تعلیم کا رخ موڑ دیا کہ ہندی، انگریزی کی تعلیم تو جامعہ رحمانیہ میں بھی ہوتی ہے لہٰذا داخلہ جامعہ رحمانیہ کے شعبۂ عربی میں کرایا جائے، گھر والے اس

پر راضی ہوگئے اور اس طرح میرا داخلہ جامعہ رحمانیہ کے عربی اول (متوسطہ اولیٰ) میں ہوگیا اور چار سال مسلسل کدو کاوش اور محنت کے بعد ۱۹۷۳ء میں مولوی کی ڈگری حاصل کرلی۔

جامعہ سلفیہ مرکزی دارالعلوم بنارس میں داخلہ:

چار سالہ عالمیت کی تعلیم جامعہ سلفیہ مرکزی دارالعلوم بنارس کے بزرگ اساتذہ کرام کی نگرانی میں ہوئی اور اچھے نمبرات سے کامیاب ہوا، اس کے بعد فضیلت کا دو سالہ کورس بھی جامعہ سلفیہ میں کیا اور اچھے نمبرات سے کامیاب ہوکر جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ جانے والے طلبہ کی فہرست میں شامل ہوگیا فضیلت کی ڈگری ۱۹۷۹ء میں حاصل کی اس کے ایک سال بعد ۱۹۸۰ء میں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے منظوری آگئی اور وہاں جانے کا مستحق ہوگیا۔ چار سال تک کلیۃ الدعوۃ واصول الدین میں زیر تعلیم رہ کر ۱۹۸۳ء میں مدینہ سے فارغ ہوا۔

بنارس میں تعلیم کے دوران علی گڑھ سے ادیب ماہر اور عربی فارسی بورڈ یوپی کے امتحانات مولوی، عالم، فاضل ادب اور فاضل دینیات پاس کیا۔

اساتذہ کرام جامعہ رحمانیہ بنارس:

(۱) مولانا حافظ قاری عبدالوہاب بنارسیؒ (۲) ماسٹر عبدالحمید جونپوری (۳) حافظ نصراللہ جونپوری (۴) مولانا عزیز احمد ندوی (۵) مولانا عبدالسلام گونڈوی (۶) مولانا عبدالسلام طیبی رحمانی (۷) ڈاکٹر صغیر احمد شکر نگری (۸) ماسٹر فیروز الدین بلیاوی (۹) مولانا خالد شفاء اللہ رحمانی۔

اساتذہ کرام جامعہ سلفیہ بنارس:

جامعہ سلفیہ مرکزی دارالعلوم میں جن اساتذہ کرام سے استفادہ کا موقع ملا وہ درج ذیل ہیں: (۱) مولانا عبدالوحید صاحب رحمانی شیخ الجامعہ (۲) مولانا شمس الحق صاحب سلفیؒ (۳) مولانا عبدالمعید صاحب بنارسیؒ (۴) مولانا محمد رئیس صاحب ندویؒ (۵) مولانا عابد حسین رحمانی (۶) مولانا صفی الرحمن صاحب مبارکپوری (۷) مولانا محمد ادریس آزاد رحمانیؒ (۸) ڈاکٹر مقتدی حسن صاحب ازہریؒ (۹) مولانا انیس الرحمن صاحب اعظمی حفظہ اللہ (۱۰) مولانا عبدالسلام صاحب مدنیؒ (۱۱) ماسٹر اکبر خان وغیرہ۔

۱۹۸۰ء میں طلبہ کا ایک گروپ جامعہ اسلامیہ مدینہ یونیورسٹی کے لئے منتخب کیا گیا جس میں ناچیز بھی شامل تھا، میں اپنے رفقاء درس کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچا اور کلیۃ الدعوۃ واصول الدین میں داخلہ لیا اور پوری لگن اور محنت کے ساتھ تعلیمی سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ ۱۹۸۳ء میں لیسانس کی ڈگری بتقدیر جید جدا حاصل کی۔

عرب اساتذہ کرام:

(۱) شیخ صالح المحیسن عمید کلیۃ الدعوۃ (۲) شیخ عبداللہ الغنیمان (۳) شیخ ھادی المدخلی (۴) شیخ محمود عبدالوہاب فائد

مصری (۵) شیخ محمد محمد ابوفرحہ (۶) شیخ یوسف النجار استاد النحو (۷) شیخ عبدالعزیز البھنسی (۸) شیخ محمد المجذوب اردنی (۹) شیخ ابراہیم السقا اردنی (۱۰) شیخ عبدالعظیم خطاب مصری وغیرھم۔

فراغت کے بعد مشغلہ:

۱۹۸۳ء میں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ یونیورسٹی سے میری فراغت ہوئی، حسن اتفاق کہ اسی سال دعاۃ کو مختلف ملکوں میں بھیجنے کے لئے انٹرویو ہو رہا تھا، میں بھی انٹرویو میں شریک ہوا اور الحمد للہ کامیاب رہا اور مجھے میرے مادر علمی جامعہ سلفیہ میں داعی و مدرس کی حیثیت سے متعین کر دیا گیا، حج سے فراغت اور جملہ کارروائی مکمل کرنے کے بعد اپنے ملک عزیز ہندوستان واپس آ گیا اور یکم صفر ۱۴۰۴ھ مطابق نومبر ۱۹۸۳ء میں جامعہ سلفیہ بنارس میں تدریس میری سپرد ہوئی، اس وقت سے آج تک درس وتدریس اور دعوت وتبلیغ کا سلسلہ جاری ہے۔

تدریسی خدمات:

۱۹۷۹ء میں فراغت کے بعد ایک سال جامعہ رحمانیہ بنارس میں ہدایۃ النحو اور قصص النبین وغیرہ پڑھانے کا موقع ملا اور جب ۱۹۸۳ء میں جامعہ سلفیہ آیا تو اس وقت سے اب تک مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھانے کا موقع ملا۔ (۱) صحیح مسلم ج ۱ (مشکوۃ المصابیح ج ۲ (۳) مشکوۃ المصابیح ج ۱ (۴) تیسیر العزیز الحمید (۵) مادۃ العقیدہ (۶) تقویۃ الایمان (۷) بدایۃ المجتہد ج ۱ (۸) بدایۃ المجتہد ج ۲ (۹) تفسیر جلالین (۱۰) الادیان والفرق والمذاہب (۱۱) امتاع العقول۔

دعوت وتبلیغ:

دعوت وتبلیغ کا جذبہ شروع سے ہی تھا ۱۹۷۴ء سے خطبہ جمعہ دینا شروع کر دیا تھا، اب تو نہ صرف خطبۂ جمعہ دیتا ہوں بلکہ دس مسجدوں میں خطباء کرام کو بھیجنا بھی میری ذمہ داری میں شامل ہے۔

مدینہ منورہ سے آنے کے بعد مولانا احسن جمیل صاحب مدنی حفظہ اللہ اور میں (راقم الحروف) چند بزرگوں کے ساتھ ہر ہفتہ دعوت وتبلیغ کے لئے مختلف علاقہ میں چلے جاتے تھے، شیخ الجامعہ مولانا عبدالوحید رحمانیؒ نے جب ہم لوگوں کا جذبۂ تبلیغ دیکھا تو کہا کہ جمعیۃ الشبان المسلمین جو قدیم جمعیت ہے، جس کو مولانا عبدالمجید الحریری رحمہ اللہ وغیرہ نے ۱۹۳۹ء میں قائم کیا تھا اسی کو متحرک وفعال بناؤ اور انتخاب کرا کے دوبارہ منظم طور پر دعوت وتبلیغ کا کام شروع کر دو چنانچہ ایسی ہی ہوا۔ انتخاب ہوا جس میں جناب مولانا احسن جمیل صاحب مدنی کو سکریٹری اور راقم الحروف کو صدر بنایا گیا اور دعوت وتبلیغ کا منظم طور پر کام شروع ہو گیا، مساجد میں درس قرآن وحدیث جگہ جگہ دعوت وتبلیغ کا پروگرام، مفید پمفلٹ اور کتابیں شائع ہوئی، کچھ سال پہلے ضلعی جمعیت اہل حدیث بنارس کا انتخاب ہوا تھا جس میں راقم الحروف کو صدر اور مولانا عبدالمتین مدنی کو سکریٹری بنایا گیا تھا اس جمعیت نے بنارس اور مضافات بنارس میں دعوت وتبلیغ کے

کام کے ساتھ ساتھ رفاہی کام بھی کئے اور لوگوں نے خوب فائدہ اٹھایا۔ اب جدید انتخاب میں مولانا احسن جمیل صاحب مدنی کو ضلعی جمعیت اہل حدیث بنارس کا امیر اور مولا محمد اسامہ سلفی کو سکریٹری بنایا گیا ہے۔

تصانیف:

درس وتدریس کے ساتھ مضمون نگاری وغیرہ کا سلسلہ بھی جاری رہا ترجمان دہلی اور محدث بنارس میں علمائے اہل حدیث بنارس پر سلسلہ وار مضمون نکلتا رہا۔ احباب جماعت کے اصرار پر اس کو کتابی شکل دی گئی اور نام تراجم علمائے اہل حدیث بنارس رکھا گیا۔ (۲) لاٹری اور جوا اسلام کی نظر میں (۳) عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ (مقالہ عربی غیر مطبوع) ابھی تاریخ اہل حدیث بنارس ،تاریخ وتعارف جامعہ رحمانیہ بنارس پر دھیرے دھیرے کام ہو رہا ہے، مستقل بیماری کی وجہ سے کام کی رفتار سست ہے اس لئے قارئین سے دعاء صحت کی درخواست ہے۔

اہل خانہ:

والدین (رحمہا اللہ)۔ نیک بیوی فریدہ بانو بنت ابوالکلام مدن پورہ سے شادی ۱۸/مارچ ۱۹۷۹ء کو ہوئی، بحمد للہ ۴ بچیاں اور ۲ لڑکے ہیں۔

(۱) حافظ عبدالرحمن مولوی، عالم فاضل (جامعہ سلفیہ بنارس) حافظ عبدالرحیم مولوی، عالم، فاضل (جامعہ سلفیہ بنارس) بی، اے (ابوالکلام آزاد سے) اور ایم اے (بنارس ہندو یونیورسٹی سے)۔ (۱) فرحت یاسمین (۲) حبیبہ (۳) میمونہ (۴) نبیلہ، بحمد للہ سبھوں کی شادی ہو چکی ہے اور سب ماشاء اللہ صاحب اولاد وخوش وخرم ہیں، اللہ تعالیٰ سب کو نیک اور صالح بنائے۔

ربنا هب لنا من ازواجنا وذرياتنا قرة اعين واجعلنا للمتقين اماما۔ آمين يارب العالمين وصلى الله على النبى الكريم محمد وعلى آله واصحابه اجمعين۔

محمد یونس مدنی

مدن پورہ بنارس، ۲۸/اکتوبر ۲۰۱۸ء



جماعت اہلحدیث پونہ کے رکن رکین

مولانا سعید احمد سلفی پونہ مہاراشٹر

ولادت ۱۹۶۳ء

نام ونسب: سعید احمد بن عبدالستار بن حیات اللہ بن محمد شریف

والدہ کا نام: مجلین بنت سعد اللہ رحمہا اللہ جو حافظہ قرآن تھیں۔

پیدائش: کاغذات کے مطابق ۲ فروری ۱۹۶۳ء ہے اور جائے پیدائش موضع ٹکریا پوسٹ کسمہی، ڈومریا گنج سدھارتھ نگر (یوپی)

تعلیم: ٹکریا میں مکتب سے لے کر جماعت ثانیہ عربی تک مدرسہ عربیہ مفتاح العلوم میں پڑھا۔ جسے ہمارے والد صاحب کے ماموں اور مشہور عالم دین حضرت مولانا شکر اللہ صاحب فیضیؒ نے قائم کیا ہے یہاں کے اساتذہ کرام میں مولانا محمد عباس ریاضی حفظہ اللہ، ماسٹر نصیر اللہ صاحب، مولانا عبداللہ سعیدیؒ، مولانا شکر اللہ صاحب فیضیؒ، مولانا سلامت اللہ صاحب اثریؒ، مولانا عبدالخالق حفظہ اللہ، ماسٹر عبدالمنان حفظہ اللہ ہیں۔ ناظرہ قرآن والدہ محترمہ رحمہا اللہ نے پڑھایا، اس وقت میرا گھر ٹکریا کا چھوٹا مدرسہ معلوم ہوتا تھا اور صبح سے لے کر عشاء تک کم عمر بچوں اور بچیوں سے لیکر جوان اور ادھیڑ عمر کی عورتیں والدہ محترمہ سے قرآن پڑھتی تھیں۔

۱۹۷۴ء میں مدرسہ انوار العلوم پرساعماد ضلع سدھارتھ نگر میں داخلہ لیا اور جماعت ثالثہ ورابعہ پڑھا وہاں کے اساتذہ کرام میں مولانا عزیز الرحمن سلفی حفظہ اللہ، مولانا شفیق احمد اثری حفظہ اللہ، مولانا محمد صدیق حفظہ اللہ، مولانا عبدالرشید حفظہ اللہ اور مولانا کتاب اللہ مظاہری ہیں۔ ۱۹۷۶ء میں مرکزی درسگاہ اور ہمارے بزرگوں کے خوابوں کی تعبیر جامعہ سلفیہ بنارس میں عا لمیت سال اول میں داخلہ لیا اور وہیں عا لمیت وفضیلت کی سند جید جدا سے حاصل کی۔

اس وقت جامعہ میں اپنے وقت کے ماہرین فن، علوم نقلیہ وعقلیہ کے صف اول کے اساتذہ کرام کے سامنے زانوتلمذ تہہ کیا اور جامعہ کے علمی وتربیتی ماحول سے بھرپور استفادہ کا موقع ملا جو میری زندگی کا زریں ترین دور ہے، افسوس صد افسوس کہ جو کچھ وہاں سے حاصل کیا تھا اس سے نہ خود کما حقہ مستفید ہوسکا اور نہ ہی اوروں کو پہنچا سکا۔ ۱۹۸۲ء میں جامعہ سلفیہ سے فراغت کے بعد یہ قوی امید تھی کہ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں داخلہ ہوگا اور سرزمین مدینۃ النبی میں علمی وروحانی برکات سے مستفید ہوں گا لیکن قدر اللہ ماقدر کے تحت بعض وجوہات کی بنا پر پورے منتخب ہم سبق ساتھیوں کے کاغذات وقت مقررہ پر جامعہ اسلامیہ نہ پہنچ سکے اور کوئی بھی رفیق نہ جاسکا۔

اساتذۂ کرام: جامعہ میں جن اساطین علم وفضل کے سامنے زانوتلمذ تہہ کرنے کا موقع ملا وہ حسب ذیل ہیں: (۱) شیخ الحدیث

مولانا شمس الحق صاحب سلفی رحمہ اللہ (۲) شیخ الجامعہ مولانا عبدالوحید الرحمانی رحمہ اللہ، (۳) مولانا عبدالمعید بنارسی رحمہ اللہ (۴) مولانا محمد ادریس آزادرحمانی رحمہ اللہ، (۵) شیخ الحدیث مولانا عبدالحنان فیضی رحمہ اللہ (۶) مولانا عابدحسن رحمانی رحمہ اللہ، (۷) مولانا صفی الرحمن مبارکپوری رحمہ اللہ، (۸) مولانا رئیس الاحرار ندوی رحمہ اللہ (۹) دکتور مقتدی حسن ازھری رحمہ اللہ (۱۰) مولانا مصلح الدین جیراجپوری رحمہ اللہ (۱۱) شیخ انیس الرحمن مدنی اعظمی حفظہ اللہ (۱۲) مولانا عبدالسلام مدنی رحمہ اللہ (۱۳) مولانا عزیزالرحمن سلفی حفظہ اللہ (۱۴) ماسٹر اکبر خان لودھی رحمہ اللہ (915 ماسٹر نہال احمد رحمہ اللہ۔

ہم سبق رفقاء کرام: فضیلت سال آخر میں ۴۸ طلباء تھے جن میں چند جوار رحمت میں چلے گئے اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو نور سے منور کرے اور جنت الفردوس میں داخل کرے۔آمین)(۱) مولانا عبدالکریم سلفی رحمہ اللہ (۲) مولانا محمد یحییٰ رحمہ اللہ۔

باحیات: مولانا عبدالمنان صاحب سلفی، حافظ محمد طاہر صاحب سلفی، حافظ سعود احمد سلفی، مولانا جمیل احمد سلفی، مولانا محمد شفیق صاحب سلفی، مولانا حمیداللہ سلفی، مولانا محمد موسیٰ سلفی، مولانا عزیز الرحمن صاحب سلفی، مولانا حماد سلفی، مولانا شہاب الدین سلفی، مولانا عبداللہ سلفی گورکھپوری، مولانا عبداللہ سلفی بستوی، مولانا عبدالرزاق سلفی، مولانا عبدالستار، محمد اسلام سلفی، مولانا عبدالستار محمد ارشد سلفی، مولانا سعید اختر مدنی، مولانا امتیاز احمد سلفی، مولانا عبدالودود سلفی، مولانا عبدالرحمن سلفی، مولانا امراللہ سلفی، مولانا سرور عالم سلفی، مولانا محمد یونس سلفی، مولانا عبدالعزیز سلفی، مولانا سراج الحق سلفی، حافظ یسین سلفی، مولانا محمد غفران سلفی، حافظ عبدالمالک سلفی، مولانا عبدالغنی سلفی، مولانا عبدالقدیر سلفی، مولانا عبدالرشید نیپالی سلفی، مولانا محمد اسلم سلفی۔

دعوتی خدمات: ۱۹۸۲ء میں جامعہ سے فراغت کے بعد قدر اللہ ما قدر کے تحت ذریعہ معاش تجارت اپنایا، اسی کے ساتھ ساتھ خطبہ جمعہ کا اہتمام کرتا رہا۔ پونہ میں اپنے منہج کی کوئی مسجد نہیں تھی لیکن میرے رشتہ دار عبدالصمد رحمہ اللہ نے جمعہ وجماعت کا انتظام اپنی دوکان کے اوپری حصہ میں کیا تھا، اسی لئے وہیں خطبہ جمعہ دیتا تھا۔ جب افراد بڑھنے لگے تو مستقل مسجد کا قیام عمل میں آیا جس کی تأسیس امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ کے ہاتھوں عمل میں آئی، آپ نے تأسیس کے موقع پر خطاب فرماتے ہوئے کہا تھا کہ آج آپ لوگوں کو یہ بات تعجب خیز لگے گی لیکن مجھے امید ہے کہ یہ ایک دعوتی مرکز ہوگا اور یہاں بڑے بڑے علماء کرام تشریف لائیں گے۔ الحمدللہ ان کی یہ امید صحیح ثابت ہوئی اور حقیقت یہی ہے کہ شہر پونہ کا دعوتی مرکز یہی مسجد ہے۔ جو مسجد عمر بن خطاب کے نام سے موسوم ہے یقیناً مولانا رحمہ اللہ کی نگاہیں بڑی دوررس تھیں۔

تعلیمی خدمات: ۲۰۰۰ء میں دوہائی اسکول مولانا آزاد ہائی اسکول اور نیشنل اینگلو ہائی اسکول میں دینیات پڑھانا شروع کیا جو پانچ سالوں پر محیط ہے اور یہ کام اعزازی طور پر کیا۔ ۲۰۰۲ء میں المنار ایجوکیشنل سوسائٹی کا قیام عمل میں آیا جس میں مجھے سکریٹری بنایا گیا جس کے ماتحت المنار پرائمری وہائی اسکول قائم کیا گیا جو الحمدللہ بڑے ہی منظم انداز میں چل رہا ہے۔ جس میں تقریباً دو ہزار طلباء وطالبات زیر تعلیم ہیں جس کے قیام میں عبدالشکور اور خاکسار کا بنیادی کردار ہے۔

جمعیت اہل حدیث ٹرسٹ: ۱۹۹۳ء میں جمعیت اہل حدیث ٹرسٹ کا قیام عمل میں آیا جس میں شروع میں بطور خازن

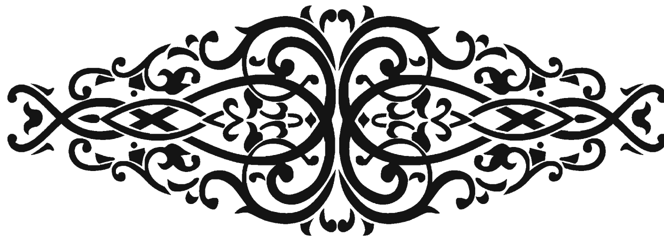
بعد میں سکریٹری منتخب کرلیا گیا۔ اس ٹرسٹ کے تحت مسجد عمر بن خطاب موڑ واڑی، مسجد اہل حدیث پوار بستی، مدرسہ دار الفرقان لتحفیظ القرآن اور اہل حدیث قبرستان ہے جو پونے دو ایکڑ پر محیط ہے۔

اہل حدیث ویلفیئر سوسائٹی: ۲۰۱۵ء میں اہل حدیث ویلفیئر سوسائٹی کدل واڑی کا قیام عمل میں آیا جس میں مجھے چیئر مین بنایا گیا۔ اس سوسائٹی کے تحت مسجد ابوھریرہ ہے۔

مجھے افسوس ہے کہ دوران تعلیم جو میرا اور میرے اساتذہ کرام اور والدین کا خواب تھا وہ شرمندہ تعبیر نہ ہوسکا اور تجارتی مشاغل میں پڑکر علم دین کی جس طرح خدمت کرنی چاہیے تھی وہ نہ کرسکا پھر بھی اللہ کی توفیق سے کچھ نہ کچھ دعوتی وادارتی خدمات انجام دے رہا ہوں، امید ہے کہ اللہ جل شانہٗ میری اس حقیر خدمت کو قبول فرمائے اور میرے لئے نجات کا ذریعہ بنائے اور میں نے جو کچھ علمی وعملی کوتاہی اور غلطی کی ہے وہ معاف فرمائے (آمین)

جامعہ سلفیہ بنارس: مادر علمی جامعہ سلفیہ بنارس سے مستقل طور پر تعلقات قائم ہیں، ۲۰۰۹ء سے جامعہ کی مجلس عاملہ کی سالانہ میٹنگ میں بلایا جاتا ہوں مجھے نہیں معلوم کہ میں مجلس عاملہ کا مستقل ممبر ہوں یا خصوصی مدعوین میں سے ہوں واللہ اعلم بالصواب پھر بھی میری خوش قسمتی ہے کہ مادر علمی میں جانے اور وہاں کے نشاطات میں حصہ لینے کا موقع ملتا ہے۔ فللہ الحمد۔





نازش سلفیت مولانا عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ کے خلف الرشید

فاضل گرامی مولانا محمد رحمانی

رئیس جامعہ اسلامیہ سنابل دہلی

پیدائش ۲۰ مارچ ۱۹۷۸ء

نام: محمد رحمانی، سنابلی، مدنی

والد کا نام: مولانا عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ

جائے ولادت: اوکھلا، جامعہ نگر، نئی دہلی، انڈیا۔

تاریخ پیدائش: ۲۰/ مارچ ۱۹۷۸ء مطابق ۱۱/ ربیع الثانی ۱۳۹۸ھ بروز سوموار

قومیت: ہندوستانی

تعلیمی صلاحیت:

۱۔ حفظ قرآن کریم مع تجوید، معہد عثمان بن عفان لتحفیظ وتجوید القرآن الکریم، جوگا بائی، نئی دہلی۔

۲۔ عالمیت: جامعہ اسلامیہ سنابل، نئی دہلی۔ ۲۰۰۱ء مطابق ۱۴۲۱ھ

۳۔ فضیلت: جامعہ اسلامیہ سنابل، نئی دہلی۔ ۲۰۰۳ء مطابق ۱۴۲۳ھ

۴۔ بی اے (لیسانس): کلیۃ الدعوۃ واصول الدین جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ، سعودی عرب، ۲۰۰۹ء مطابق ۳۰۔۱۴۲۹ھ۔

زبانیں: عربی اور اردو پڑھنے لکھنے اور بولنے کی لیاقت، انگریزی اور ہندی پڑھنے اور سمجھنے کی لیاقت۔

تدریسی تجربات:

۱۔ تدریس عربی وشرعی علوم، جامعہ اسلامیہ سنابل از ۲۰۰۹ء تا حال (جاری)

۲۔ تدریس عربی وشرعی علوم، عائشہ صدیقہ شریعت کالج، جوگا بائی، از ۲۰۱۱ء تا حال (جاری)

۳۔ تدریس حفظ قرآن کریم وکتب تجوید بروایت حفص، معہد عثمان بن عفان لتحفیظ وتجوید القرآن الکریم، جوگا بائی۔ (مدت ایک سال)

۴۔ تدریس دورۂ تدریبیہ برائے ائمہ ودعاۃ منجانب وزارۃ الشئون الاسلامیہ سعودی عرب، جامعہ اسلامیہ سنابل، نئی دہلی۔ نومبر ۲۰۱۲ء

۵۔ مختلف لکچرز علوم شرعیہ کے موضوع پر مختلف یونیورسٹیز اور عصری جامعات میں زیر تعلیم طلبہ وطالبات کے لئے۔

ریسرچ اور بحث وتحقیق کے تجربات:

۱۔ رافضہ کی شازشوں اور ناپاک عزائم اور شیعیت کے انکشاف پر مختلف مفصل مضامین۔

۲۔ تالیف کتاب ''والد محترم علامہ عبدالحمید رحمانی، کچھ یادیں کچھ باتیں''۔

۳۔ دسیوں مقالات، اداریئے، ادارتی نوٹ، وفیات پر تاثرات اور نوٹ جو ماہنامہ ''التبیان'' نئی دہلی میں ۲۰۰۴ء تا حال شائع ہوئے۔

۴۔ احادیث مبارکہ کی شرح کے کالم کی تیاری ماہنامہ مجلہ ''التبیان'' ۲۰۰۴ء تا حال (جاری)

۵۔ اردو ماہنامہ مجلہ ''التبیان'' نئی دہلی کا اشراف از ۲۰۱۳ء تا حال (جاری)

۶۔ سند فضیلت کے بعض مقالات کا اشراف جامعہ اسلامیہ سنابل اور عائشہ صدیقہ شریعت کالج، نئی دہلی۔

۷۔ نادی الطلبہ جامعہ اسلامیہ سنابل کے سالانہ چارلسانی مجلہ ''سنابل'' ۰۳۔۲۰۰۲ء کی ادارت۔

خطابات اور محاضرات کے تجربات:

۱۔ جامع مسجد ابوبکر صدیق، جوگابائی، نئی دہلی میں ۲۰۰۹ء سے مستقل خطابت، یومیہ دروس اور محاضرات۔

۲۔ علمی اور تحقیقی وتربیتی موضوعات پر مختلف کانفرنسوں اور پروگرام بالخصوص ہندوستان، سعودی عرب اور قطر میں خطابات۔

۳۔ اناؤ لکھنؤ میں امام حرم شیخ خالد غامدی حفظہ اللہ کے اعزاز میں رکھی گئی ''عالمی امن کانفرنس'' میں جماعت اور بالخصوص لکھنؤ کی تحریک اہل حدیث کے تعارف پر مبنی استقبالیہ تقریر بزبان عربی واردو۔

۴۔ عالمی سیمینار ''مولانا عبدالحمید رحمانی۔ حیات وخدمات اور برصغیر میں اسلامی دعوت کی تاریخ'' میں ''تحریک اہل حدیث تاریخ کے آئینہ میں'' کے موضوع پر جامع اور مفصل خطاب۔

۵۔ حرمین شریفین کے تحفظ اور اہل تشیع کی شرارتوں پر مختلف کانفرنسوں میں خطاب ومحاضرات۔

۶۔ مختلف پروگراموں اور کانفرنسوں میں مسلک اہل حدیث کی بنیاد، جنگ آزادی ہند میں علماء اہل حدیث کے کردار اور مختلف منہجی مسائل پر مفصل مقالات اور خطابات۔

۷۔ سعودی حکومت کے ذریعہ شیعہ عالم کو دی گئی پھانسی کے خلاف ایران کے واویلا کی حقیقت پر مختلف پروگراموں میں تقاریر اور جامعہ اسلامیہ سنابل میں منعقد کانفرنس بعنوان ''دفاع حرمین شریفین اور اسلام کی ریشہ دوانیاں'' میں کلیدی خطاب۔

۸۔ مختلف موضوعات پر مشتمل سیمیناروں، کانفرنسوں اور پروگراموں کی صدارت اور صدارتی خطاب۔

انٹرویوز:

۱۔سعودی چینل ’’قناۃ المجد‘‘ پر ہندوستان میں اسلامی دعوت اور ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر، نئی دہلی کے تعارف پر مشتمل انٹرویو بزبان عربی دسمبر ۲۰۱۵ء۔

۲۔ضیوف خادم الحرمین الشریفین للحج والعمرۃ ۱۴۳۶ھ کے ضمن میں ’’قناۃ الحج‘‘ پر ہندوستانی حجاج کی جانب سے حج کے احوال اور سعودی حکومت کی خدمات نیز سنٹر کے تعارف پر مشتمل مفصل انٹرویو بزبان عربی۔

۳۔مکہ مکرمہ کے ریڈیو چینل ’’نداء الاسلام‘‘ پر ہندوستانی مسلمانوں کے حالات پر عربی زبان میں انٹرویو۔دسمبر ۲۰۱۵ء۔

۴۔جدہ ریڈیو کی اردو نشریات پر ہندوستان میں تعلیمی سرگرمیوں پر مشتمل اردو زبان میں انٹرویو۔ستمبر ۲۰۱۵ء۔

۵۔سعودی عرب کی راجدھانی ریاض کے ایک ریڈیو چینل پر سعودی حکومت کے زیر اہتمام حجاج کی خدمات سے متعلق انٹرویو۔۲۰۱۵ء۔

۶۔طلاق ثلاثہ، حلالہ اور نکاح کے اسلامی تصور سے متعلق کناڈا سے بننے والی ڈاکومنٹری فلم کے لئے اس موضوع پر تفصیلی انٹرویو۔۲۰۱۵ء۔

۷۔بعض ہندوستانی ٹی وی چینلز پر جنگ آزادی میں علماء اہل حدیث کے کردار اور مسلمانوں کے آپسی انتشار کے علاج کے موضوعات پر انٹرویوز۔

۸۔ ہندی زبان کے ایک ہفتہ واری اخبار میں حالات حاضرہ اور بالخصوص بابری مسجد اور دوسرے اہم مسلم مسائل پر تفصیلی انٹرویو۔فروری ۲۰۱۶ء۔

۹۔ برطانیہ کے معروف چینل BBC کی جانب سے ہندوستانی مسلم مکاتب فکر پر بنائی جانے والی ڈاکومنٹری فلم کے لئے سلفیت اور اس کی فکر اور وسائل پر مشتمل انٹرویو۔فروری ۲۰۱۷ء۔

سابقہ عہدے اور مناصب:

۱۔وکیل (ریکٹر) جامعہ اسلامیہ سنابل ۲۰۱۰ء تا ۲۰۱۳ء۔

۲۔مساعد خطیب جامع مسجد ابوبکر صدیق، جوگا بائی، نئی دہلی۔ (قبل از ۲۰۰۹ء)

۳۔رکن تعلیمی وتربیتی کمیٹی جامعہ اسلامیہ سنابل، نئی دہلی۔

موجودہ عہدے اور مناصب:

۱۔صدر عمومی ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر، نئی دہلی اگست ۲۰۱۳ء تا حال (جاری)

۲۔رئیس جامعہ اسلامیہ سنابل، نئی دہلی۔

۳۔صدر مولانا عبدالحمید رحمانی اسلامک سائنٹفک ریسرچ اکیڈمی، نئی دہلی۔
۴۔صدر مولانا عبدالحمید رحمانی ایوارڈ، برائے خدمات علوم اسلامیہ، نئی دہلی۔
۵۔خطیب جامع مسجد ابوبکر صدیق، جوگابائی، نئی دہلی۔
۶۔مشرف ماہنامہ مجلہ ''التبیان'' (اردو) ۷۔رکن (IICC) انڈیا اسلامک کلچرل سینٹر لودھی روڈ نئی دہلی۔

اساتذہ:

والد گرامی مولانا عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ، شیخ عبدالمحسن حمد العباد البدر، شیخ علی بن عبدالرحمن الحذیفی، شیخ عبدالرزاق البدر، شیخ محمد المدخلی، شیخ عبدالکریم باکریم، شیخ عبدالقادر صوفی۔

مولانا عاشق علی اثری صاحب، ڈاکٹر محمد مفضل مدنی صاحب، مولانا عزیز احمد مدنی صاحب، مولانا محمد الیاس سلفی رحمہ اللہ، مولانا مستقیم سلفی صاحب، مولانا عبدالکریم سلفی رحمہ اللہ، مولانا نورالحسن مدنی صاحب، مولانا وسیم احمد سنابلی ریاضی صاحب، مولانا محمد سعود سلفی رحمہ اللہ، مولانا وسیم احمد سنابلی مدنی صاحب، مولانا عبدالبر سنابلی مدنی صاحب، مولانا شکیل احمد سنابلی صاحب، مولانا عبدالمجید مدنی صاحب، مولانا فضل الرحمن ندوی صاحب، قاری رحمت اللہ مفتاحی صاحب، قاری محمد اشفاق قاسمی صاحب، ماسٹر ابوذر رحمہ اللہ، ماسٹر محمد ثروت صاحب، ماسٹر رخسار عالم صاحب۔

ان کے علاوہ مسجد نبوی، جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ، جامعہ اسلامیہ سنابل نئی دہلی، معہد عثمان بن عفان لتحفیظ وتجوید القرآن الکریم، نئی دہلی اور ابوالکلام آزاد بوائز اسکول، نئی دہلی کے دیگر اساتذہ کرام۔

تلامذہ:

شاگردوں کا ایک طویل سلسلہ ہے جنہوں نے معہد عثمان بن عفان لتحفیظ وتجوید القرآن الکریم، نئی دہلی، جامعہ اسلامیہ سنابل، نئی دہلی اور عائشہ صدیقہ شریعت کالج میں تعلیم حاصل کی۔ ان میں سے بہت سے ہندو بیرون ہند مختلف یونیورسٹیوں میں زیر تعلیم ہیں، اور بعض ملک کے مختلف علاقوں اور بعض دوسرے ممالک میں بھی اہم ذمہ داریوں اور دعوت وتبلیغ کے میدان میں سرگرم عمل ہیں۔

ان شاگردوں میں سے مختلف علاقوں کے چند نام درج ذیل ہیں:

عبدالقادر نثار احمد (مغربی یوپی) خلیل الرحمن عبدالستار (مشرقی یوپی) اشفاق احمد وصی اللہ (نیپال) سی سیف اللہ (رائیدرگ، جنوبی ہند) شمس الدین امجد (نیپال) ظہیر الدین نصیر الدین (بنگال) احسان الحق (کشمیر) سفیان عبدالمجید (ہریانہ) شہید الاسلام (آسام) حیدر علی برکت اللہ (یوپی) عبدالرحمن شاہد یعقوبی (یوپی) عاقب جاوید عبدالتواب (دہلی) سعد بدر الزماں (بہار) شاہ فہد (مہاراشٹر) وغیرہ۔

❑❑❑

باب ہشتم

مناظرات ومتفرقات

مناظرہ نڈیاڈ گجرات ۱۸۸۲ء
اور حضرت مولانا محمد صاحب سورتی گجراتیؒ

مولانا محمد مقتدی اثری (مئو)

مناظرہ نڈیاڈ کے سلسلے میں مولانا مقتدیٰ اثری نے مولانا محمد یوسف سورتی صاحب کا نام بطور مناظر تحریر کیا ہے یہ بڑی تاریخی چوک ہے۔ دراصل یہ مولانا محمد یوسف سورتی نہیں بلکہ مولانا محمد بن ہاشم سورتی سامرودی ہیں۔ اول الذکر ایک ادیب اور دوسرے ایک بہترین عالم اور مناظر گزرے ہیں۔(عبدالحکیم المدنی)

مولانا محمد سورتی بھی صوبہ سوراشٹر کے رہنے والے تھے۔حصول علم کے لئے مرکز علوم وفنون دہلی میں تشریف لائے۔ مدرسہ دارالکتاب والسنۃ صدر بازار دہلی میں داخلہ لیا اور تمام اعلیٰ منزلیں مولانا عبدالوہاب کی سرپرستی میں گذاریں۔ مولانا محمد سورتی کو مولانا عبدالوہابؒ کی شفقتیں اور اعتماد ہمیشہ حاصل رہا۔ مولانا عبدالوہاب صاحب کی تعلیم وتربیت اور حجیت نے ان پر خوب دینی رنگ چڑھایا بلکہ دینی ذوق کو دوآتشہ کرنے میں مولانا عبدالوہاب کی تربیت کو بہت بڑا دخل ہے۔ جامعہ ملیہ جب دہلی منتقل ہوا تو ڈاکٹر ذاکر حسین اس کے سربراہ (سابق صدر جمہوریہ ہند) تھے ڈاکٹر ذاکر حسین نے جامعہ ملیہ میں بڑی باکمال علمی شخصیتیں جمع کرلی تھیں۔ چنانچہ قرآن اور اس کے متعلقات کی تعلیم کے لئے خواجہ عبدالحیٔ فاروقی مرحوم کو جامعہ ملیہ میں بلالیا گیا۔ دینیات کی تعلیم وتدریس کے لئے مولانا محمد سورتی کی خدمات حاصل کی گئیں، مولانا محمد سورتی دینی معاملات، دینی مسائل اور دینی شعار میں متقبول اور پروفیسر محمد سرور جامعی بہت متشدد تھے اور ان پر ان کے استاد مولانا عبدالوہاب کا رنگ غالب تھا۔ پروفیسر محمد سرور جامعی نے شخصیات میں مولانا محمد سورتی کے حالات لکھے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ مولانا سورتی کسی استاد اور طالب علم کو ٹخنوں سے نیچے شلوار یا پائجامہ نہیں کرنے دیتے تھے۔ جامعہ کے دفتر میں کوئی غیر شرعی چیز آویزاں نہ ہونے دیتے بلکہ ایک مرتبہ مختلف علمی اور تحقیقی اشخاص کی آویزاں تصویر کو انہوں نے تہس نہس کر دیا۔ ڈاکٹر ذاکر حسین دفتر دیکھ کر دم بخود رہ گئے۔ لیکن مولانا سورتی کے علمی تبحر، نیکی اور تقویٰ کی وجہ سے کوئی باز پرس نہ کی۔ یہ مجسمہ دعوت وارشاد، پیکر کتاب وسنت اگست ۱۹۴۲ء کو وفات پاگئے۔ مولانا عبدالرحمن سورتی جو کہ کئی کتابوں کے مصنف اور مترجم تھے وہ مولانا سورتی کے بڑے صاحبزادے تھے۔

(تحریک اہلحدیث تاریخ کے آئینے میں، ص: ۸۰۷ بحوالہ شخصیات مصنفہ پروفیسر سرور جامعی)

قصبہ نڈیاد گجرات:

احمد آباد علاقہ گجرات کا جو ایک شہرہ آفاق شہر ہے جہاں تقریباً ایک سواسی کپڑے کی میل ہے جہاں کے ہندو دولت میں قارون سے کسی

طرح کم نہیں۔اس کے جنوب میں ۲۰،۲۵ کوس کے فاصلہ پر ایک بہت بڑا قصبہ ہے جس کو نیڑیاد کہتے ہیں۔ یہ قصبہ کھیڑا میں واقع ہے۔سمندر یہاں سے ۲۵ کوس کے فاصلے پر ہے۔ہوا مرطوب ہے چائے یہاں والوں کے لئے اتنی ہی ضروری ہے جتنی چین والوں کے لئے افیون۔

اس کی آبادی ۳۵/ہزار بتلائی جاتی ہے۔مسلمان بمشکل ۸ ہزار ہوں گے۔ یہاں کے مسلمان تعلیم میں بہت پیچھے ہیں بلکہ صفر کے درجہ رکھتے ہیں۔زبان یہاں کی گجراتی ہے۔ مسلمان اردو خوب سمجھتے ہیں۔ ہندو قوم میں علم بھی ہے اور دولت بھی۔مسلمان اکثر ملازم پیشہ ہیں البتہ بوہرہ قوم جو مسلمان میں یہاں ایک ممتاز حیثیت رکھتی ہے تاجر پیشہ ہے۔ان کی مالی حالت ماشاء اللہ بہتر ہے لیکن مسلمانوں کی دوسری قومیں جس طرح سے علم سے بے بہرہ ہیں۔ یہ قوم بھی باوجود تمول اور فارغ البالی کے علم سے محض نابلد اور کوری ہے اور تہذیب وشائستگی سے قطعی ناآشنا۔

مناظرہ نڈیاد ۱۸۸۲ء اور تحریک اہل حدیث:

واقعہ ۱۸۵۷ء کے چند سال کے بعد اتباع سنت کی بنیاد پڑگئی۔اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ مولوی محمد حسین صاحب مرحوم ساکن کانوڑ متصل تارنول (ریاست پٹیالہ) کے متعلقین حادثہ ۱۸۵۷ء کے تین چار سال بعد حج کے لئے بیت اللہ تشریف لے گئے۔ اتفاق سے چند افراد نڈیاد کے بھی اس سال حج بیت اللہ کے لئے مکہ معظمہ گئے ہوئے تھے۔مولوی صاحب موصوف اور نڈیاد کے مسلمان ایک ہی جگہ مکہ معظّمہ میں ٹھہرے۔آپس میں محبت ہوگئی۔نڈیاد والوں نے مولوی صاحب کو اپنے یہاں آنے کی دعوت دی۔ خصوصاً ایک عورت مسماۃ حلیمہ بی نے مولوی صاحب کی عورتوں پر بہت زور ڈالا کہ یہ لوگ نڈیاد چلیں۔مولوی صاحب جب اپنے وطن کانوڑ واپس آئے تو کچھ دنوں کے بعد نڈیاد تشریف لائے۔

مولوی صاحب کی دینداری کو دیکھ کر ان لوگوں نے زور دیا کہ آپ نڈیاد ہی میں رہیں۔آپ نے ان لوگوں کی درخواست کو قبول کیا اور نڈیاد میں مستقل قیام کرلیا۔آپ کے بھائی حافظ عبدالکریم بہت ہی دیندار اور صالح تھے۔آپ نے ان کو بھی یہاں بلالیا اور اب دونوں بھائیوں نے نڈیاد میں رہ کر تبلیغ کا کام شروع کردیا۔شہر میں بڑی مخالفت کی گئی۔ایک انگریز مصطفی نامی اور رحیم نورجی قوم کا بوہرہ ان ہر دو شخصوں نے شدید مخالفتیں کیں۔متعدد مقامات سے کلکٹر ضلع کے یہاں خطوط بھیجے کہ یہ مولوی غدر ۱۸۵۷ء میں باغیوں کے ساتھ دہلی سے بھاگ کر یہاں آیا ہے۔ان شکایتی چٹھیوں کی بنا پر حکومت نے ان پر مقدمہ چلایا۔بمقام روڈ مہرج جو شہر کھیڑا کے قریب ایک پرفضا مقام ہے حاکم ضلع نے مولوی صاحب کو اسی مقام میں بلایا۔نڈیاد کے چند افراد جو اہل حدیث ہوگئے وہ بھی مولوی صاحب کے ہمراہ مقام روڈ مہرج پہنچے۔مقدمہ کھلا، پر وہ الزام جو مولوی صاحب پر لگایا گیا تھا ثابت نہیں ہوا۔مقدمہ فوراً خارج کردیا گیا مگر مزید اطمینان کی خاطر حاکم نے ۲۵/ہزار کی ضمانت ایک سال کے لئے طلب کی۔نڈیاد کے دو اہلحدیث جو مولوی صاحب کے ہمراہ گئے تھے ضمانت کے لئے تیار ہوگئے۔لیکن چوں کہ وہ بظاہر بہت غریب معلوم ہوئے اس لئے حاکم نے کہا کہ تم لوگ شناخت کے لئے کسی مقامی آدمی کو پیش کرو۔ایک بنیاد جو روڈ مہرج کا رہنے والا تھا اور ان نڈیاد والوں سے اس کا تجارتی لین دین تھا،اس نے حاکم کے یہاں جاکر ان لوگوں کی شناخت کی اور کہا کہ یہ لوگ صاحب حیثیت ہیں۔حاکم نے ضمانت منظور کرلی۔مولوی صاحب اپنے ساتھیوں سمیت نڈیاد آگئے اور تبلیغ میں بہ نسبت پہلے کے زیادہ سرگرم ہوگئے۔ان کی سرگرمی سے حنفی زیادہ چراغ پا ہوئے۔حکومت کے یہاں شکایت کرکے یہ

لوگ ناکامیاب ہو چکے تھے اس لئے اب مناظرہ کی طرح ڈالی اور سمجھے کہ شاید اسی میں ہم لوگوں کو کامیابی حاصل ہو جائے۔

نڈیاد کے احناف نے مولوی شرف الدین صاحب احمد آبادی اور مولوی محمد عیسیٰ صاحب ساکن گودھرہ (پنچ محل علاقہ گجرات) کو مناظرہ کے لئے اکسایا۔ جب فریقین اہل حدیث اور احناف مناظرہ کرنے پر متفق ہو گئے تب اہل حدیث جماعت کی طرف سے مولانا محمد صاحب سورتی رحمہ اللہ (یہ مولانا محمد ہاشم سورتی سامرودی ہیں) مناظر مقرر ہوئے۔

احناف کی طرف سے مولوی محمد عیسیٰ صاحب مناظر مقرر کئے گئے۔ اس مجلس مناظرہ کا صدر ضلع کا کلکٹر ہوا۔ حکومت نے امن قائم کرنے کے لئے پولیس کا کافی بندوبست کیا، شہر کی جامع مسجد میں یہ مناظرہ ہونا قرار پایا۔ جب مناظرہ کا وقت آیا مولوی محمد عیسیٰ صاحب نے جو حنفیوں کے مناظر تھے یہ کہا کہ میں نڈیاد کے مولوی یعنی مولوی محمد حسین صاحب سے مناظرہ کروں گا، مولوی محمد صاحب سے نہیں۔ کلکٹر نے مولانا کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ یہ تم سے مناظرہ نہیں کرنا چاہتے تو مولوی محمد حسین صاحب سے مناظرہ کرلیں گے۔ مولانا نے جواب میں فرمایا کہ جو میں مولوی حسین کی طرف سے وکیل ہو کر مناظرہ کرنا چاہتا ہوں تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ مجھ سے مناظرہ نہ کیا جائے۔

لفظ وکیل کہتے ہی کلکٹر نے فیصلہ کیا کہ وکیل کی حیثیت سے مولوی محمد صاحب، مولوی محمد حسین صاحب کی طرف سے مناظرہ کرنے کا قانوناً حق رکھتے ہیں۔ اگر مولوی محمد عیسیٰ صاحب بھی اپنا کوئی وکیل مقرر کریں تو ایسا کر سکتے ہیں ورنہ یہ خود مناظرہ کریں۔

اس فیصلے کے بعد مولوی محمد عیسیٰ صاحب مجبوراً مولانا محمد صاحب کے مقابلہ میں مناظرہ کے لئے کھڑے ہوئے۔ صبح سے شام تک مناظرہ ہوتا رہا۔ معلوم ہوتا ہے کلکٹر کوئی علم دوست اور مذہبی آدمی تھا۔ اس نے اس مناظرہ میں بہت دلچسپی لی۔ بار بار مولانا محمد صاحب کو شاباشی دیتا تھا، یہاں تک کہ اس نے اثنائے مناظرہ بطور انعام پانچ روپے جیب سے نکال کر مولانا کو دیئے۔ کلکٹر نے اختتام مناظرہ کے بعد جماعت اہل حدیث کی فتح کا اعلان کر دیا۔

مناظرہ قرأت خلف الامام، آمین، رفع الیدین پر ہوا۔ مناظرہ کی کل روداد مجھ کو نہ مل سکی کیوں کہ پچیس سال ان مناظرے کو ہو گئے۔

علی جی جن کی عمر اس وقت ۸۵ رسال ہے اس مناظرہ میں شریک تھے میں نے مناظرے کا حال ان ہی سے معلوم کیا۔

وہ کہتے ہیں کہ مناظرہ میں عجیب کیفیت رہی۔ مولوی محمد عیسیٰ صاحب نے امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہ پڑھنے کی دلیل (واذا قری القرآن ....الخ) پیش کی۔ مولانا محمد صاحب نے دریافت کیا کہ یہ آیت مکی ہے یا مدنی؟ مولوی محمد عیسیٰ صاحب خاموش رہے۔ مولانا نے کہا یہ آیت مکی ہے، انگریزی ترجمہ کا قرآن مجید نکال کر کلکٹر نے دیکھا تو وہی بات نکلی جو مولانا صاحب نے فرمائی تھی۔ اس مناظرہ کا اثر یہ ہوا کہ دھڑا دھڑ لوگ اہلحدیث ہو گئے اور الحمدللہ آج یہاں اہل حدیث کافی تعداد میں موجود ہیں۔

از مولانا ابوالفضل عبدالحنان صاحب

ایڈیٹر مسلم اہل حدیث گزٹ دہلی، فروری ۱۹۳۷ء۔ (بحوالہ تذکرۃ المناظرین ۱/۱۴۶۔۱۵۰)

❑❑❑

ضروری وضاحت وگذارش

- سالنامہ تاریخ اہل حدیث کی اشاعت کا مقصد جماعتی تاریخ کی تدوین وترتیب ہے۔
- علمائے مرحومین کے ساتھ خصوصی طور پر علمائے موجودین کا تذکرہ بھی اس سالنامے کے بنیادی مقاصد میں شامل ہے۔
- ان شاء اللہ جن علمائے موجودین کے سوانحی خاکے ہمارے پاس موجود ہیں یا انہوں نے فارم اہل حدیث انسائیکلو پیڈیا کے واسطے ہمیں ارسال کئے ہیں جلد ہی آئندہ جلدوں میں اس کی اشاعت ہوگی۔ خاص طور پر مئو، بنارس، سدھارتھ نگر، بہار وبنگال اور دوسرے صوبوں کے بعض علماء کی سوانح موصول ہوئے ہیں۔
- مرحومین علماء کی ایک بڑی تعداد ہے ظاہرسی بات ہے کہ ایک یا دو جلدوں میں اسے سمیٹنا یا مکمل کرنا ممکن نہیں اس لئے بقیہ لوگوں کے تذکرے آئندہ شماروں میں حسب امکان وگنجائش شائع ہوتے رہے گے۔
- تذکرہ نگاری اور علمی سوانح کی تدوین وترتیب میں ہماری جماعت بہت پیچھے ہیں اس لئے موجودین کو چاہیے کہ جلد از جلد ہمیں اپنی سوانحی وخدمات کا خاکہ ضرور ارسال کریں تاکہ دھیرے دھیرے یہ شائع کئے جاتے رہیں۔

تاریخ اہلِ حدیث کی حقانیت اور علمائے اہلِ حدیث کی گرانقدر خدمات پر مشتمل
ایک اہم علمی و تاریخی دستاویز

سالنامہ شمارہ-1

تاریخِ اہلِ حدیث

2016

اعداد و ترتیب
عبدالحلیم عبدالمعبود المدنی

باھتمام و تعاون
محسن جماعت عبدالشکور چودھری حفظہ اللہ
چیرمین المنار ہائی اسکول پوار بستی، پونہ



ناشر
مرکز تاریخ اہلِ حدیث، ممبئی
برانچ آفس: بس اسٹاپ بڑھنی بازار، سدھارتھ نگر، یوپی

سلسلۂ اشاعت ۱

اضلاع بستی وگونڈہ میں

میاں سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ

کے تلامذہ کے دعوتی، اصلاحی وتعلیمی اثرات



عبدالمنان عبدالحنان سلفی

الناشر

مرکز تاریخ اہل حدیث ممبئی

برانچ آفس : بس اسٹاپ، بڑھنی بازار، سدھارتھ نگر، یوپی

مسلک اہل حدیث کی تاریخ اور اس کے علماء کی خدمات کی منظم ترتیب و اشاعت کے لئے
ہندوستان کا اولین علمی مرکز

مرکز تاریخ اہل حدیث ممبئی

برصغیر میں جماعت اہل حدیث کی ایک سنہری تاریخ ہے، جو ماضی میں قافلۂ حق وصداقت کے سرفروشانہ جدو جہد، اس کی بے مثال قربانیوں، علماء کی ہمہ جہت دعوتی، تدریسی، اصلاحی اور رفاہی خدمات اور ان کی مثالی زندگیوں کے سنہرے اور تابندہ نقوش سے عبارت ہے، اسی سنہری تاریخ کی منظّم ترتیب و اشاعت کے لئے مرکز تاریخ اہل حدیث کا قیام عمل میں آیا، تاکہ جماعت کا یہ عظیم الشان علمی و تاریخی سرمایہ محفوظ کیا جاسکے اور ماضی کے سنہرے اوراق کی روشنی میں نسل نو اپنے حسین و تابناک مستقبل کی تعمیر کر سکے۔

بنابریں تمام علماء، دعاۃ، ائمہ، خطباء، اعیان جماعت اور ہمدردان تاریخ سے مخلصانہ اپیل ہے کہ اہل حدیث انسائیکلو پیڈیا و جماعتی تاریخ کی تدوین و اشاعت میں مرکز کا ہر ممکن تعاون فرمائیں۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔

دعاؤں کا طالب

عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی

مرکز تاریخ اہل حدیث ممبئی
MARKAZ TAREEKH AHLEHADEES, Mumbai
Branch Office: Bus Stop Barhani Bazar, Siddharth Nagar, U.P.
E-mail: tareekh.ahlehadees@gmail.com, abdulhakimmumbai@gmail.com